باسمہ سبحانہ

قل هذه سبيلى ادعوا الى الله على بصيرة انا ومن اتبعنى سبحان الله
وما انا من المشركين

میرا طریقہ تو یہ ہے کہ میں لوگوں کو خدا کی طرف بلاتا ہوں میں اور میرا پیرو دونوں مضبوط دلیل پر ہیں اور خدا ہر عیب و نقص سے پاک و پاکیزہ ہے اور میں مشرکین سے نہیں ہوں۔

(ترجمہ قرآن)

کتاب مستطاب

اصول الشریعہ
فی
عقائد الشیعہ

از قلم حقیقت رقم

سرکار صدر المحققین سلطان المتکلمین حجۃ الاسلام والمسلمین

حضرت علامہ الشیخ محمد حسین مدظلہ العالی علی رؤس المومنین

ناشر مکتبہ السبطین 296/9 بی سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا

باسمہ سبحانہٗ

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ

"میرا طریقہ تو یہ ہے کہ میں لوگوں کو خدا کی طرف بلاتا ہوں، میں اور میرا پیرو دونوں، مضبوط دلیل پر ہیں
اور خدا (ہر عیب و نقص سے) پاک و پاکیزہ ہے اور میں مشرکین سے نہیں ہوں"

(ترجمہ فرمان)

کتاب مستطاب

اصول الشریعہ

فی

عقائد الشیعہ

از قلم حقیقت رقم

سرکار صدر المحققین سلطان المتکلمین حجۃ الاسلام والمسلمین حضرت علامہ الشیخ محمد حسین مدظلہ العالی علی رؤس المومنین

ناشر
مکتبۃ السبطین ۲۹۶/۹ بی سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا

اظہار تشکر

بموجب حدیث شریف لم یشکر الناس یشکر الله جو شخص انسانوں میں سے اپنے محسن کا شکریہ ادا نہ کرے اس نے گویا خدا کا بھی شکریہ ادا نہیں کیا۔

لہذا انتہائی ناشکر گزاری ہوگی۔ اگر کتاب ہدایت ماب اصول الشریعہ فی عقائد الشیعہ کی چوتھی طباعت کے سلسلہ میں عزیز گرامی جناب الحاج عالم شبیر صاحب صدر حسینی مشن نیوپورٹ (برطانیہ) متوطن ٹوبہ ٹیک سنگھ کا صمیم قلب سے شکریہ ادا نہ کیا جائے جن کے مخلصانہ مالی تعاون کی وجہ سے یہ کتاب ہدایت انتساب حدت مومنین کریم کے مشتاق ہاتھوں تک بہترین شکل وصورت میں پہنچ رہی ہے۔ جزاك الله خير الجزاء فی لدارین ۔

دعا ہے کہ خداوند عالم ان کی اس دینی سعی وکوشش کو شرف قبول سے نوازے اور ان کو اپنے دینی ودنیوی مقاصد میں کامیاب وکامران فرمائے اور ان کو انکے بزرگوں خوردوں کو حوادث لیل ونہار اور گردش روزگار سے محفوظ رکھے۔ حق النبی وآلہ۔

دیباچہ طبع چہارم اصول الشریعہ فی عقائد الشیعہ

بفضلہ تعرف سعید ساعت آگئی ہے کہ ہم اپنی عظیم علمی و تحقیقی کتاب مستطاب اصول الشریعہ فی عقائد الشیعہ کا چوتھا ایڈیشن بڑی آب وتاب کے ساتھ شائقین کی خدمت میں پیش کرنے کی عظیم سعادت حاصل کررہے ہیں۔ دعا ہے کہ خدا اسے قبول فرمائے اور طالبان حق کو اس سے استفادہ کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ حق النبی ﷺ

۷ جولائی ۲۰۰۰ ادارہ

باسمہ سبحانہ

اجمالی فہرست مضامین اصول الشریعہ

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱	والدہ مرحومہ کے نام	۲	۱۷	لو علم ابوذرؓ مافی قلب سلمانؓ کے صحیح مفہوم کا بیان	۳۶
۲	پیش لفظ	۳	۱۸	ہر ایک مومن کا مقام معلوم ہے۔	۴۰
۳	حق و باطل کی باہمی کشمکش	،	۱۹	موجودہ دور کے مدعیان علم وایمان کی روش پر تبصرہ	۴۲
۴	اہل حق پر اہل باطل کی افترا پردازیاں	۴	۲۰	تفریط و تقصیر کا مفہوم کیا ہے	۴۵
۵	ہمیشہ اہل حق مظفر و منصور رہیں گے	۵	۲۱	عام لوگ تقصیر سے تو ڈرتے ہیں مگر غلو سے نہیں ڈرتے	۴۸
۶	علماء سوء کا کردار	۷	۲۲	ہم نہ غالی ہیں نہ قالی ہیں	۴۹
۷	تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔	۸	۲۳	روایت میں درایت کی اہمیت	۵۰
۸	دین میں اختلاف کرنے کی مذمت	۱۰	۲۴	غالیوں کی دسیسہ کاریاں	۵۱
۹	اختلاف فی الدین کے علل واسباب	۱۱	۲۵	عصر جدید کے جدید مؤلفین کی تلون مزاجیاں	۵۲
۱۰	اصحاب آئمہ کا دینی امور میں اہتمام	۱۲	۲۶	یہ کتاب کیوں لکھی گئی۔	۵۴
۱۱	غیبت کبریٰ کے زمانے والے اہل ایمان کی شرعی تکلیف	۱۸	۲۷	ہماری دوسری کتب بالعموم اور احسن الفوائد و اصول الشریعہ بالخصوص عظیم کتابیں ہیں	۵۵
۱۲	اصول اعتقاد میں اخبار احاد پر اعتماد جائز نہیں	۲۰	۲۸	مخالفت کا طوفان	۵۶
۱۳	غلو و تفویض کی مذمت ارشادات معصومین کی روشنی میں	۲۳	۲۹	تشدد و فتنہ انگیزی علمی شکست خوردگی کی دلیل ہے	۵۸
			۳۰	جوابی کتب کا غیر متناہی سلسلہ	۶۰
۱۴	صفات ربوبی کون سی ہیں	۲۹	۳۱	ان جوابی کتب میں کیا ہے	۶۱
۱۵	کن کن صورتوں میں غلو لازم آتا ہے۔	۳۰	۳۲	ایک مؤلف کا اپنی دو کتابوں میں تضاد	۶۳
۱۶	نزلونا عن الربوبیۃ کا صحیح مفہوم	۳۴	۳۳	ایک ہی مؤلف کا ایک ہی کتاب میں تضاد	۶۵

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۳۴	توجہ طلب نکتہ	۶۹
۳۵	اصول الشرعیہ فی عقائد الشیعہ	۷۲
۳۶	حدیث شریف مشتمل بر اکثر عقائد شیعہ	۷۳
۳۷	پہلا باب	
۳۸	انبیاء و آئمہ علیہم کی علیحدہ نوع ہونے کا بیان	۷۶
۳۹	اس نظریہ کے ابطال اور انبیاء و آئمہ کے نوع انسانی کے اکمل افراد ہونیکے اثبات پر قرآن و احادیث معصومینؑ و اتفاق علماء کاملین اور عقل سلیم کی روشنی میں دلائل	۷۶
۴۰	روح القدس کے فرشتہ ہونے پر دلائل	۱۰۴
۴۱	روح ایمان کے فرشتہ ہونے کا بیان	۱۰۶
	دوسرا باب	
۴۲	انبیاء و آئمہ علیہم السلام کے نور یا بشر ہونے کا بیان	۱۱۸
۴۳	انبیاء و آئمہ کی بشریت کا انکار قرآن کریم و حدیث معصومینؑ اور اجماع مسلمین کی تکذیب ہے	۱۲۲
۴۴	انبیاء و آئمہ کے دنیاوی جاہ و جلال سے محرومی کا راز	۱۳۱
۴۵	انبیاء و آئمہ میں آثار بشریت	۱۳۵
۴۶	انبیاء و آئمہ پر نور کا اطلاق	۱۳۸
۴۷	آیات و روایات نور کے متعلق چند حقائق	۱۳۹
۴۸	آیات و روایات نور متشابہ ہیں	۱۴۱
	تیسرا باب	
۴۹	تفویض کے معانی و اقسام اور تفویض ممنوع کے بطلان کا بیان	۱۵۰
۵۰	تفویض کے اقسام سرکار علامہ مجلسیؒ کے کلام کی روشنی میں	۱۵۱
۵۱	تفویض کا بطلان قرآن مجید کی روشنی میں	۱۵۹
۵۲	تکوینی امور میں تفویض کا بطلان	۱۷۰
۵۳	آئمہ امجاد کے مقام و کلام کے متعلق صحیح شیعی اعتقاد	۱۸۲
۵۴	انکشاف حقیقت	۲۲۶
	چھٹا باب	
۵۵	انبیاء و آئمہ علیہم السلام سے استمداد کے جواز و عدم جوا کا بیان	۲۲۷
۵۶	امور تکوینیہ کی انجام دہی آئمہ طاہرینؑ کے متعلق نہیں ہے	۲۳۰
۵۷	مسئلہ استمداد انبیاء و آئمہ قرآن مجید کی روشنی میں	۲۳۷
۵۸	مقام الوہیت کی وضاحت	۲۴۳
۵۹	ایک فیصلہ کن استفسار	۲۴۸
۶۰	مسئلہ استمداد تعلیمات معصومینؑ کی روشنی میں	۲۴۹
۶۱	متعلقہ مسئلہ میں آئمہ اطہار کے اصحاب انبیاء کا طریقہ کا	۲۵۶
۶۲	اقسام توحید	۲۵۸
۶۳	متعلقہ مسئلہ عقل سلیم کی روشنی میں	۲۷۱
۶۴	ایک مضحکہ الطفال استدلال کا ابطال	۲۷۴
	پانچواں باب	
۶۵	حقیقت معجزہ اور اسکے فعل خدا یا فعلِ نبی و امام ہونے کا بیان	۲۸۴
۶۶	معجزہ کی	〃
۶۷	معجزہ کے شرائط	〃
۶۸	معجزہ دلیل نبوت و امامت ہے	۲۸۵
۶۹	معجزہ اور سحر میں فرق	۲۸۶
۷۰	معجزہ کا فعل خدا ہونا قرآن کی روشنی میں	۲۸۸
۷۱	معجزہ کا فعل خدا ہونا احادیث معصومینؑ کی روشنی میں	۲۹۳

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۷۲	معجزہ کا فعلِ خدا ہونا علماء متقدمین و متاخرین کی تحقیقات کی روشنی میں	۳۰۱
۷۳	معجزہ کا فعلِ خدا ہونا عقلِ سلیم کی روشنی میں	۳۱۹
	چھٹا باب	
۷۴	سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کے ہر وقت ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے یا نہ ہونے کا بیان۔	۳۲۰
۷۵	حاضر اور ناظر دو الگ موضوع ہیں۔	//
۷۶	حاضر ہونے کی نفی قرآن کریم کی روشنی میں	۳۲۱
۷۷	حاضر ہونے کی نفی احادیثِ معصومینؑ کی روشنی میں	۳۲۳
۷۸	حاضر ہونے کی نفی علماء اعلام کے بیان کی روشنی میں	۳۲۵
۷۹	حاضر ہونے کی نفی عقلِ سلیم کی روشنی میں	۳۲۷
۸۰	ایک تحقیق جدید اور اس کا جواب	۳۲۹
۸۱	لفظِ شہید کے لغوی معانی کی تحقیق	۳۳۲
۸۲	کتبِ تفسیر و حدیث سے اس مطلب کی تائید مزید	۳۳۴
۸۳	محلِ نزاع کی تعیین	۳۴۴
۸۴	ناظر ہونے کی نفی قرآن کریم کی روشنی میں	//
۸۵	ناظر ہونے کی نفی احادیثِ معصومینؑ کی روشنی میں	۳۴۷
۸۶	ناظر ہونے کی نفی علماء اعلام کے بیان کی روشنی میں	۳۵۲
۸۷	اس مسئلہ میں آخری فیصلہ کہ علمِ نبی و امام ارادی ہے	۳۵۵
۸۸	افادۂ جدیدہ متعلق بہ علمِ نبی و امام	۳۵۸
۸۹	بعض شکوک و اوہام کا ازالہ	//
۹۰	احادیثِ عمود کے متعلق بعض اعلام کا تحقیقی بیان۔	۳۶۱

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	ساتواں باب	
۹۱	انبیاء و آئمہ علیہم السلام کے عالم الغیب ہونے یا نہ ہونے کا بیان	۳۶۲
۹۲	علمِ غیب کی تعریف	۳۶۴
۹۳	علمِ غیب آیات قرآن کریم کی روشنی میں	۳۶۶
۹۴	علمِ غیب ارشاداتِ معصومینؑ کی روشنی میں	۳۷۲
۹۵	علمِ غیب تحقیقاتِ علماء اعلام کی روشنی میں	۳۷۷
۹۶	علمِ غیب عقلِ سلیم کی روشنی میں	۳۸۱
۹۷	جمع بین الآیات و روایات اور اس موضوع پر قولِ فیصل بایں ہمہ ان ذواتِ مقدسہ کو عالم الغیب نہیں کہا جا سکتا اور اس کے وجوہ	۳۸۳ ۳۸۴
۹۸	بعض شکوک اور اوہام کا ازالہ	۳۸۵
	آٹھواں باب	
۹۹	پیغمبرِ اسلام کے ہمراہ معراج پر حضرت امیر علیہ السلام کے تشریف لیجانے یا نہ لیجانے کا بیان	۳۹۵
۱۰۰	محلِ نزاع کے تعیین	۳۹۶
۱۰۱	متعلقہ مسئلہ قرآن کریم کی روشنی میں	۳۹۷
۱۰۲	متعلقہ مسئلہ احادیثِ معصومینؑ کی روشنی میں	۳۹۸
۱۰۳	عالمِ بالا میں جناب امیر علیہ السلام کی تمثال مبارک کا موجود ہونا	۴۰۱
۱۰۴	متعلقہ مسئلہ اتفاقِ علماء کاملین کی روشنی میں	۴۰۳
۱۰۵	متعلقہ مسئلہ عقلِ سلیم کی روشنی میں	۴۰۸
۱۰۶	شبِ معراج عبد و معبود میں جو گفتگو ہوئی وہ حضرت امیرؑ کے لہجہ میں تھی۔	۴۰۸

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	نواں باب	
۱۰۷	بعض علماء اعلام کثرہم اللہ فی الاسلام سے اتہام وہابیت کے ازالہ کا بیان	۴۱۴
۱۰۸	مفارقات الشیعہ والوہابیہ	۴۱۶
۱۰۹	پہلا فرق عقیدۂ توحید	۴۱۷
۱۱۰	دوسرا فرق عقیدۂ رسالت	۴۱۸
۱۱۱	تیسرا فرق تعمیر مشاہد	〃
۱۱۲	چوتھا فرق زیارتِ قبور	۴۱۹
۱۱۳	پانچواں فرق وسیلہ وشفاعت	〃
۱۱۴	چھٹا فرق حیات انبیاء و آئمہؑ	۴۲۱
۱۱۵	ساتواں فرق یا رسول اللہ اور یا علی کہنا	〃
۱۱۶	آٹھواں فرق عقیدۂ امامت	〃
۱۱۷	نواں فرق عقیدۂ افضلیت	۴۲۲
۱۱۸	دسواں فرق کلمہ ولایت	〃
۱۱۹	گیارھواں فرق تقلید شخصی	〃
۱۲۰	بارھواں فرق بعض اسماء کا جواز	۴۲۳
۱۲۱	تیرھواں فرق عزاداری سید الشہداءؑ	〃

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۲۲	چودھواں فرق بسط الیدین	۴۲۳
	دسواں باب	
۱۲۳	موجودہ دور کے کثیر مدعیان تشیع کے مفوضہ اور شیخی العقیدہ ہونے کا بیان	۴۲۳
۱۲۴	فرقہ شیخیہ کے بعض عقائدِ فاسدہ کا بیان	۴۲۶
۱۲۵	شیخیہ اور طلیعہ نوریہ والا عقیدہ	〃
۱۲۶	شیخیہ اور تفویض والا عقیدہ	〃
۱۲۷	شیخیہ اور مظہر اسماء اللہ والا عقیدہ	۴۲۸
۱۲۸	شیخیہ اور علم غیب والا عقیدہ	۴۲۹
۱۲۹	شیخیہ اور آئمہ اہل بیتؑ کے علل اربعہ ہونے کا عقیدہ	〃
۱۳۰	شیخیہ اور حاضر وناظر والا عقیدہ	
۱۳۱	شیخیہ اور علم حضوری والا عقیدہ	۴۳۰
۱۳۲	شیخیہ اور استمداد والا عقیدہ	۴۳۱
۱۳۳	شیخیہ اور معجزہ کے فعلِ نبیؐ و امامؑ ہونے والا عقیدہ	۴۳۱
۱۳۴	شیخیہ اور فرشتوں کے حرکت وسکون کے بدست اہل بیتؑ ہونے کا عقیدہ	۴۳۳

قطعہ تاریخ طبع اصول الشریعہ

تاریخ نتیجہ فکر شاعر اہلبیت جناب سید وزیر حسین شیرازی اعلی اللہ مقامہ سرگودھا

بفضلِ خدا ہے یہ بہتر عطیہ — رقم اس میں ہیں اعتقاداتِ شیعہ
وزیرا کی ہاتف کی آواز کہدے — کہ راہِ ہدایت اصول الشریعہ

۱۳۹۴ھ

باسمہٖ سبحانہٗ

"والدہ مرحومہ کے نام"

اگر سیاہ دلم، داغ لالہ زار توام
وگر کشادہ جبینم، گل بہار توام

چونکہ والدِ مرحوم و مغفور کا سایۂ عاطفت صغر سنی میں سر سے اُٹھ گیا تھا۔ لہٰذا میں بفضلہٖ تعالیٰ شیدائی سرکار محمد و آلِ محمد علیہم السلام والدۂ مرحومہ کے ہی حسنِ تربیت سے اس قابل ہوا کہ آج اپنی بساط و بضاعت کے مطابق کچھ خدمتِ دینِ مبین کر رہا ہوں۔ اس لئے میں اپنی اس ناچیز کتاب کو ان کے نام کے ساتھ معنون کر کے اس حقیر دینی خدمت کا ثواب بطفیل سرکار ولیِ عصر و امام زمان عجل اللہ تعالیٰ فرجہٗ ان کی رُوحِ پُر فتوح کو ہدیہ کرتا ہوں ؎

گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

آپکا
احقر محمد حسین نجفی عفی عنہ سرگودھا
ستمبر ۱۹۶۶ء

کتابت	سید تکین ابن وزیر شیرازی
طباعت	ثنائی پریس سرگودھا
قیمت	۱۵۰/ روپے
بار	چہارم
اگست ۲۰۰۰ء	

باسمہٖ سبحانہٗ

مبسملاً وحامداً ومصلیاً ومسلماً

پیش لفظ

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی

حق و باطل کی باہمی کشمکش

اقبال کے اس حقیقت افروز شعر میں حق و باطل کی کشمکش کی پوری تاریخ سمٹی ہوئی ہے۔ اقوام و ادیانِ عالم کی تاریخ پر سرسری نگاہ رکھنے والے حضرات پر یہ حقیقت مخفی و مستور نہیں ہے کہ ابتدائے آفرینشِ کائنات سے لے کر آج تک ہمیشہ یہ دیکھا گیا ہے کہ حق کے ساتھ باطل، خیر کے ساتھ شر اور صداقت کے ساتھ کذب برسرِ پیکار رہا ہے۔ تاریخِ عالم کے اوراق گواہ ہیں کہ جب بھی کسی ہادیٔ برحق اور رہنمائے حقیقت نے ازراہِ خلوص و ہمدردی مخلوقِ خدا کو چاہِ ضلالت سے نکالنے اور صراطِ مستقیم پر چلانے کے لئے درسِ رُشد و ہدایت دینا شروع کیا اور پند و ارشاد کا سلسلہ جاری کیا تو تمام طاغوتی طاقتیں مجتمع ہو کر اس کی مخالفت و مخاصمت پر کمربستہ ہو گئیں اور مختلف مکاریوں، دسیسہ کاریوں اور شیطانی عیاریوں سے آوازِ حق کو دبانے، دین و دیانت کو مٹانے، شمعِ رشد و ہدایت کو گل کرنے اور اہلِ حق کو خائف و ہراساں کرنے کے لئے حرکت میں آ گئیں۔

حضرتِ خلیلؑ کے مقابلہ میں نمرودؔ، جناب کلیمؑ کے مقابلہ میں فرعونؔ، سرکار حبیبِؐ کردگار کے مقابلہ میں ابوجہلؔ، حضرت امیر المومنینؑ کے مقابلہ میں امیرِ شام و دیگر بعض لئام اور سرکار سید الشہداءؑ کے مقابلہ میں یزیدِ عنید کا خم ٹھونک کر اپنی اپنی طغاوت و شقاوت کا مظاہرہ کرنا اسی ناقابلِ انکار حقیقت کے بعض مظاہر ہیں۔ ؎

موسیٰؑ و فرعونؔ و شبیرؑ و یزیدؔ   این دو قوت از حیات آمد پدید

چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی کی ستیزہ کاری امروز پر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ حقیقت یہ ہے کہ امروز سے فردا اور فردا سے تا ابد یہ سلسلہ جاری و ساری رہے گا۔ ولا یزالون مختلفین۔ حق و باطل کی یہ جنگ ہمیشہ ہر دور میں رہی ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ خالقِ کائنات کو یہ امتحان مقصود ہے کہ کفر و شرک اور فسق و فجور کی تاریکیوں میں چراغِ رشد و ہدایت کو روشن کرنے کی کوشش کون کرتا ہے اور اسے گل کرنے کی سعی نافرجام کون کرتا ہے؟

اہلِ حق پر اہلِ باطل کی افترا پردازیاں

قرآن گواہ ہے کہ ہمیشہ اہلِ باطل نے اہلِ حق کو خاموش کرنے ان کی آوازِ حق کو غیر مؤثر بنانے اور رائے عامہ کو ان کے خلاف ابھارنے کے لئے کذب و افترا اور الزام و اتہام کے طوفان اٹھائے۔ ان کی بدگوئی و عیب جوئی میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے۔ مکر و فریب سے عوام الناس کو اپنی مصنوعی صداقت پر بہت یقین دلائے اور صحیح بات کو غلط اور غلط کو صحیح لباس پہنائے۔ کون نہیں جانتا کہ حضرتِ نوحؑ نے اپنی قوم کو وادیٔ ضلالت سے نکالنے کے لئے کس قدر جد و جہد کی اور کس مشکلات و مصائب کا سامنا کیا۔ مگر قوم نے اس کے عوض یہ کہا۔ قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ ہم تو تم کو کھلی ہوئی گمراہی میں دیکھ رہے ہیں۔ جناب نوحؑ نے ان کے جواب میں صرف اس قدر فرمایا۔ قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ اے میری قوم مجھ میں گمراہی کی کوئی بات نہیں ہے۔ بلکہ میں تو پروردگارِ عالم کی طرف سے بھیجا ہوا رسول ہوں"۔ آں جناب کا جرم کیا تھا جس کی پاداش میں قوم نے ان کے ساتھ یہ سلوک روا رکھا؟ وہ قوم سے یہ کہتے تھے فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ: اے میری قوم صرف خدا کی عبادت کرو۔ اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے (اعراف)۔ اسی طرح حضرت ہودؑ نے جب اپنی قوم کو حکم خدائے حق کی تبلیغ کی کہ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ "اے بھائیو! اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے" تو قوم کے سرکشوں اور منکروں نے یہ جواب دیا۔ قَالَ الْمَلَأُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ۔ ہم تمہیں حماقت میں مبتلا پاتے ہیں اور ہم تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں۔ جناب ہودؑ کا صبر و ضبط دیکھئے۔ قوم کی اس بدسلوکی کے جواب میں صرف اس قدر فرماتے ہیں قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ اے میری قوم! مجھ میں حماقت کی کوئی بات نہیں ہے بلکہ میں تو پروردگارِ عالم کا رسول ہوں۔ ان کا قصور بھی صرف یہی تھا کہ وہ قوم سے یہ کہتے تھے کہ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ (اعراف)۔ جب حضرت صالحؑ اپنی قوم ثمود کو ہدایت کرنے کے لئے مبعوث ہوئے تو قوم نے از راہِ تکبر کمزور و غریب اہلِ ایمان سے کہا۔ قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِیْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ جس پر تم ایمان لائے ہو ہم تو اس کے منکر ہیں۔ آں جناب کا گناہ بھی فقط یہی تھا کہ وہ کہتے تھے فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ اے میری قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ (اعراف)۔ جب حضرت لوطؑ نے اپنی قوم کو وادیٔ ضلالت و گمراہی سے نکالنے کا مقدس کام شروع کیا تو قوم کے متکبروں نے ان سے اور ان کے متبعین کے برخلاف یہ عیارانہ پروگرام مرتب کیا کہ اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْیَتِكُمْ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ یَّتَطَهَّرُوْنَ ۝ ان کو

SIRTAIN.COM

اپنی بستی سے نکال دو کیونکہ یہ لوگ بڑے پاک صاف بننا چاہتے ہیں (اعراف)، جب حضرتِ شعیبؑ نے اہلِ مدین کو دعوتِ حق دیتے ہوئے کہا کہ یٰقوم اعبدوا اللہ ما لکم من الٰہ غیرہ "اے میری قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔" تو قوم نے ان کو یہ دھمکی دی قال الملاء الذین استکبروا من قومہ لنخرجنک یٰشعیب والذین آمنوا معک من قریتنا "اے شعیبؑ ہم تم کو اور ان لوگوں کو جو تمہارے ساتھ ایمان لاچکے ہیں اپنی بستی سے نکال دیں گے یا یہ کہ تم ہماری ملت کی طرف پلٹ آؤ" (اعراف) اسی طرح جب حضرتِ موسیٰؑ نے فرعون کو اس کی سرکشی سے روکا اور کفر و شرک پر ٹوکا تو دربار کی طرف سے یہ جواب ملا ان ھٰذا لسٰحر علیم "یہ بڑا علم رکھنے والا جادوگر ہے۔" اور ان کی مخلصانہ نیت پر یوں حملہ کیا یرید ان یخرجکم من ارضکم "یہ چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تمہیں اپنی زمین سے نکال دے (شعراء)" کہاں تک ایسی مثالوں کو گنوایا جائے۔ قصہ کوتاہ جب اس مقدس سلسلہ جلیلہ کے آخری تاجدار سرکارِ ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رب العالمین کی طرف سے عالمین کے لئے بشیر و نذیر اور رحمتِ الٰہی بن کر آئے اور آکر فرمایا انما انا منذر وما من الٰہ الا اللہ الواحد القھار "میں (عذابِ خداوندی سے) ڈرانے والا ہوں اور واحد و قہار خدا کے سوا اور کوئی معبود برحق نہیں ہے" تو ناہنجار قومِ کفار نے آنحضرتؐ کو ساحر، کذاب، شاعر و مجنوں اور نہ معلوم کیا کیا قبیح القاب و خطابات دیتے ہوئے کہا ائنا لتارکوا اٰلھتنا لشاعر مجنون "کیا ہم ایک دیوانہ شاعر کے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں؟ (ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا!)" اسی طرح سرورِ کائنات کی عترت اطہار پر بسبب احقاقِ حق و ابطالِ باطل کے فریضہ کی انجام دہی کی وجہ سے فراعنۂ وقت و نماردۂ عصر کی طرف سے وہ کونسی تہمت تھی جو نہیں لگائی گئی اور وہ کونسی افترا پردازی تھی جو نہیں کی گئی مگر اخلاق و اطوارِ انبیاء کے وارث اس مقدس خانوادۂ عصمت و طہارت کا ہمیشہ یہ شیوہ و شعار رہا کہ ؎

وہ جفا کرتے رہے اور ہم دعا کرتے رہے

اور باوجود حالات و ظروف کے انتہائی ناساعد ہونے کے اپنے صحیح مشن کی تبلیغ اور اس کی نشر و اشاعت میں برابر مشغول و منہمک رہے۔ ولنعم ما قیل۔

قیل ان الالٰہ ذو ولد　　و قیل ان الرسول قد کہنا
اذا ما نجی اللہ والرسول معاً　　من لسان الوریٰ فکیف انا

ہمیشہ اہلِ حق مظفر و منصور رہے ہیں اور رہیں گے

اہلِ باطل کے ان شیطانی حربوں، اوچھے ہتھیاروں، افترا پردازیوں، شر انگیزیوں، فتنہ سامانیوں اور مذبوحی حرکتوں کا فطرتی نتیجہ تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ اہلِ حق کی آواز ہمیشہ کے لئے دب جاتی، وہ اپنے مشن میں ناکام

ہو جاتے اور اہلِ باطل بلا روک ٹوک اپنی من مانی کارروائیاں کرتے۔ مگر تاریخ عالم کے صفحات شاہد ہیں کہ کبھی ایسا نہیں ہوا۔ بلکہ ہمیشہ قدرتِ کاملہ نے اپنے زبردست دستِ قدرت سے ان کے مکر و فریب کے پردہ کو چاک کیا۔ ان کے باطل منصوبوں کو خاک میں ملایا۔ ان کی تمام دسیسہ کاریوں و عیاریوں کو ناکام بنایا اور ہمیشہ ان کو ان کے ناپاک عزائم و ارادوں میں خائب و خاسر و ناشاد و نامراد کیا ؎

اُلٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ بھی نہ دوا نے کام کیا

اہلِ ایمان افزا مناظر دیکھ کر ششدر و حیران ہو گئے اور جل الخالق کا ورد کرتے تھے۔ خالق کا وعدہ ہے وحقا علینا نصر المومنین۔ ہمارے اوپر اہلِ ایمان کی نصرت و امداد کرنا لازم ہے۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرماتا ہے۔ ان اللہ یدافع عن الذین آمنوا خداوند عالم اہلِ ایمان کی طرف سے خود دفاع کرتا رہتا ہے

؎ قدرت خود بخود کرتی ہے لالہ کی حنا بندی

نیز اس کا ارشاد ہے۔ انا لننصر رسلنا والذین آمنوا فی الحیٰوۃ الدنیا و یوم یقوم الاشھاد ہم اپنے رسولوں اور اہلِ ایمان کی دنیا و آخرت میں مدد کرتے ہیں۔ ہم نے ابھی اوپر جن بعض انبیاء عظام علیہم السلام اور ان کی قوموں کی تکذیب و بدسلوکی کا اجمالی تذکرہ کیا ہے۔ قرآن کی زبان سے سنیئے کہ ان جھٹلانے والوں اور افترا پردازیاں کرنے والوں کا انجام کیا ہوا تھا؟ قومِ نوحؑ کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے۔ فانجینٰہُ والذین معہٗ فی الفلک واغرقنا الذین کذبوا بایٰتنا ہم نے نوحؑ اور اس کے ساتھیوں کو نجات دی اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا۔ ان کو غرق کر دیا۔ حضرت ہودؑ کی قوم کا جو حشر ہوا اس کے متعلق قرآن خبر دیتا ہے۔ فانجینٰہُ والذین معہ برحمۃ منا و قطعنا دابر الذین کذبوا بایٰتنا وما کانوا مومنین ہم نے اپنی خاص رحمت سے جناب ہودؑ اور اس کے ساتھیوں کو نجات دی اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا اور مومن نہ تھے ان کو نیست و نابود کر دیا اسی طرح قومِ صالحؑ کی بربادی کا قرآن یوں نقشہ کھینچتا ہے۔ فاخذتھم الرجفۃ فاصبحوا فی دارھم جٰثمین ان کو زلزلہ نے آ لیا اور وہ اپنے اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے رہ گئے۔ اسی طرح قومِ لوطؑ جس دردناک انجام سے دوچار ہوئی اس کے متعلق قرآن شاہد ہے۔ وامطرنا علیھم مطرا فانظر کیف کان عاقبۃ المجرمین۔ ہم نے ان پر پتھروں کی بارش برسائی۔ غور کرو کہ مجرموں کا کیا بُرا انجام ہوا۔ قومِ شعیبؑ کا بھی وہی انجام ہوا جو قوم ہود کا ہوا تھا کہ اخذتھم الرجفۃ فاصبحوا فی دارھم جٰثمین ان کو زلزلہ نے آ گیا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ اسی طرح فرعون اور اس کی قوم کو ان کی سرکشی، حق کشی اور باطل کوشی کی یہ سزا ملی کہ فانتقمنا منھم فاغرقنٰھم فی الیم بانھم کذبوا بایٰتنا وکانوا عنھا غٰفلین۔ ہم نے ان سے اس طرح انتقام لیا

کہ ان کو رودِ نیل میں غرق کر دیا کیونکہ وہ ہماری آیات کو جھٹلانے والے تھے اور ان سے غفلت کرتے تھے۔ اسی طرح جناب رسولِ خدا کے جھٹلانے اور اذیت پہنچانے والوں کا جو انجام ہوا اس کے لئے تمام اسلامی غزوات شاہد ہیں کہ دشمن کس طرح ذلیل و خوار ہوئے اور کس طرح ان کو پسپائی حاصل ہوئی اور کس طرح ان کی پٹائی ہوئی۔ یہاں تک کہ بالآخر بالکل ہی مغلوب و مقہور ہو گئے۔ و حتی ظہر امر اللہ وھم کارھون۔

آنحضرتؐ کی فتح و نصرت کے قصیدے فرشتوں نے جس طرح پڑھے وہ آج تک صفحاتِ قرآن کی زینت ہیں اور ہمیشہ زینت رہیں گے۔ انا فتحنا لک فتحاً مبیناً۔ امام حسینؑ اور یزیدؔ عنید کے تاریخی محاربۂ حق و باطل کا نتیجہ یہ نکلا کہ ؎

نامِ یزیدؔ داخلِ دشنام ہو گیا

اور حسینؑ نے نہ صرف اسلام کو زندۂ جاوید بنا کر بلکہ پورے عالمِ انسانیت کو ہلاکتِ ابدی سے بچا کر وہ بلند مقام حاصل کیا کہ اہلِ انصاف کو کہنا پڑا ؎

شاہ است حسینؑ بادشاہ است حسینؑ
دین است حسینؑ دیں پناہ است حسینؑ
سر داد نہ داد دست در دستِ یزید
حقا کہ بنائے لاالہ است حسینؑ

بہرکیف یہ ایک زندہ و تابندہ حقیقت ہے کہ ؎

حقیقتِ ابدی ہے مقامِ شبیریؑ
بدلتے رہتے ہیں اندازِ کوفی و شامی

حالات کا یہ جریان و قانونِ قدرت کا سریان یہ بتاتا ہے کہ قیامِ قیامت تک ہمیشہ اہلِ حق اسی طرح مظفر و منصور رہیں گے۔ انشاءاللہ۔

علماء سوء کا کردار

تاریخِ اسلام کے اوراق گواہ ہیں کہ جہاں آئمہ دین کے مقابلہ میں بھرپور باطل طاقتیں برسرِ کار رہی ہیں وہاں علمائے حق کے بالمقابل علماء سوء کا گروہ بھی ہمیشہ اپنے مخصوص مفادات کی خاطر اور دین کے نام پر قائم کردہ دکانداریوں کے تحفظ کی خاطر باطل کی تقویت کا باعث بنا رہا ہے اور آئمہ و علمائے حق سے ٹکراتا رہا ہے اور ان پر بے بنیاد الزامات لگا کر ان کی راہ میں کانٹے بچھانے میں کوشاں رہا ہے۔

تاریخِ اسلام سے معمولی واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں کہ اگر اعلاء کلمۃ الحق کی خاطر ایک طرف جنابِ شہیدِ اوّل ابتلاء و آزمائش سے دوچار تھے تو عین اسی وقت کچھ حیا بردوش دین فروش اہلِ علم تماش بینوں کی صف میں کھڑے تھے۔ ایک طرف حضرت شہیدِ ثانی حق کی سربلندی اور باطل کی سرکوبی کی خاطر ناقابلِ برداشت عقوبتیں برداشت کر رہے تھے تو دوسری طرف مولوی صاحبان کی ایک جماعت قاتل کو اس کے اس کارنامے پر مبارکباد پیش کر رہی تھی۔ تاریخ کا ایک اور ورق الٹیے تو آپ دیکھیں گے کہ

محمد و آلِ محمد علیہم السلام کے مقدس مذہب کی مقدس امانت کے بچانے اور آئندہ نسلوں تک پہنچانے کی خاطر ایک طرف حضرت شہید ثالث۔ دربار شاہی میں جلاد کے کوڑوں کی شدید ضربات سے لہولہان اور نیم جان ہو رہے تھے اور اپنے خون سے چراغِ مصطفوی کو روشن کر رہے تھے تو عین اسی وقت فتویٰ فروشوں اور لپک لپک کر وعظ و تبلیغ کرنے والوں کا ایک طبقہ شرارِ بولہبی کے تحفظ کی خاطر اپنی قوتیں صرف کر رہا تھا اور اقتدار کی چوکھٹ پر اپنے دین و ایمان کا نذرانہ پیش کر رہا تھا اور اس شہیدِ راہِ خدا پر کفر کے فتوے لگا رہا تھا اور یہ رسمِ کہن آج تک برابر جاری و ساری ہے اور گفتار کے غازیوں کا ایک گروہ عوام کی معصوم عقیدتوں سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اپنی دکانداریوں کے تحفظ کی خاطر کردار کے غازی علمائے اعلام کو برابر اپنے سب و شتم اور طعن و تشنیع اور افترا و اتہام کا نشانہ بنا رہا ہے اور اتحادِ اسلامی کو اپنی ان ناپاک حرکتوں سے پارہ پارہ کر رہا ہے مگر وہ یقین رکھیں ؎

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

کیوں؟ اس لئے کہ ؎

فانوس بن کے جس کی حفاظت ہوا کرے
وہ شمع کیوں بجھے جسے روشن خدا کرے

تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے

یہ حقیقت زبان زدِ خلائق ہے کہ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے آج اس مقولہ کی صداقت ظاہر ہو رہی ہے۔ جیسا کہ مشاہدہ شاہد ہے۔ اگرچہ اسلام کے ہر دور میں یہ رزمِ حق و باطل برابر جاری رہا ہے مگر موجودہ قرنِ چہاردہم میں اس محاربے نے جو شدت و حدت اختیار کر رکھی ہے شاید اسلام کے قرونِ وسطیٰ میں اس کی مثال نہ مل سکے بدقسمتی سے آج صورتِ حال یہ ہے کہ عوام ہی نہیں بلکہ ؎

مذہب کے علمبردار یہاں مصروف ہیں شر پھیلانے میں
انصاف کے دعویدار یہی جو کرتے ہیں ہی انصاف کا خون

آج کل علمائے اعلام پر کیچڑ اچھالنا۔ ان کے کلامِ حقیقت ترجمان میں کیڑے نکالنا۔ ان کی گلہ گوئی اور عیب جوئی کرنا ایک وتیرہ اور محبوب مشغلہ بن گیا ہے۔ اور اس بات کا زیادہ افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ بہ نسبت دوسرے مذاہب کے فرقہائے اسلام اور پھر ان میں سے بھی بالخصوص ہمارے مقدس مذہب شیعہ خیر البریہ میں یہ وبا دن بدن جنگل کی آگ کی طرح بڑھتی ہی جا رہی ہے ؎

ہر طرح فتنے جگاتے ہیں جگانے والے
آگ پانی میں لگاتے ہیں لگانے والے

لیکن ایسا کرنے والوں کو یہ حقیقت اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ اگر ان کا یہ خیال ہے کہ وہ اپنے ان اوچھے ہتھیاروں اور ہتھکنڈوں کے ذریعہ سے اہلِ حق کو خاموش کر دیں گے یا ان کی آواز کو غیر مؤثر بنا سکیں گے تو ؎

ایں خیال است و محال است و جنوں

اہلِ حق نے مکمل غور و خوض کے بعد انبیاء کرام و آئمہ اہلِ بیت علیہم السلام کے اسوۂ حسنہ کو اپنے لئے مشعلِ راہ بنانے کا قطعی فیصلہ کر لیا ہے و لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ اور ان کی تقلید و تاسی میں تہیہ کر لیا ہے کہ اعلائے کلمۃ الحق اور حقائق مذہب کی نشر و اشاعت کے سلسلہ میں جس قدر مشکلات و مصائب کے پہاڑ ان پر ڈھائے جائیں گے وہ خندہ پیشانی سے ان شدائد و آلام کا استقبال کریں گے اور راہِ حق میں بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے میں دریغ نہیں کریں گے۔ مگر وہ نہ تو کلمۂ حق کہنے سے باز آئیں گے اور نہ ہی کبھی غلط بات کو صحیح کہیں گے ؎

مشکل ہے کہ اک بندۂ حق بین و حق اندیش   خاشاک کے تودے کو کہے کوہِ دماوند

اگر ابھی ان حضرات کے ترکش میں افتراء و اتہام اور بد زبانی و بد کلامی کا کوئی اور تیر باقی ہے تو وہ اسے بھی چلا لیں۔ پھر اپنی اجتماعی قوت سے جو چاہیں کارروائی کریں۔ دنیا دیکھ لے گی کہ بالآخر بعونہ تعالیٰ ؎

الٹ جائیں گی تدبیریں بدل جائیں گی تقدیریں

اور بالآخر حق و حقیقت کا بول بالا اور پرچم سربلند ہو کر رہے گا۔ انشاء اللّٰہ۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے اغد اما عالماً ربانیاً او متعلماً علیٰ سبیل النجاۃ او محبّاً لهما و لا تکن رابعاً فتهلک (نہج البلاغہ) دنیا میں عالم ربانی یا حقیقی متعلم یا ان دو گروہوں کے دوست بن کر رہو۔ دیکھو چوتھی قسم نہ بننا ورنہ ہلاک و برباد ہو جاؤ گے۔ مگر افسوس آں جنابؑ کے اکثر خوش عقیدہ شیعوں کو صرف آنجنابؑ کے نام سے کام ہے انہیں ان کے کلام اور کام سے کوئی غرض نہیں۔

آج ہمارے ملک میں عقائد و نظریات کا ایک بحران امڈ آیا ہے ؎

خدا جانے لوگوں کو کیا ہو گیا ہے   جسے دیکھو وہ اپنی بڑ ہانکتا ہے

آج مذہب کے بعض اجارہ دار مذہب و اہلِ مذہب کو اختلاف و افتراق کے بحرِ بے کراں میں غرق کرنے پر تلے ہوئے نظر آتے ہیں۔ بعض ذاتیات کی بناء پر بعض واہیات قسم کی بحثوں کو ہوا دے کر سادہ لوح عوام کو گمراہ کر کے اپنا بیڑا غرق کر رہے ہیں اور بے چارے عوام الناس اصلاحِ احوال کے علمبرداروں کی یہ روش و رفتار دیکھ کر زبانِ حال سے کہہ رہے ہیں ؎

ما مریداں رو بسوئے صلح چوں آریم چوں		رو بسوئے فتنہ و پیکار دارد پیرِ ما

اس زبوں حالی کا نتیجہ ہے کہ وہ منبرِ رسولؐ اور حسینی اسٹیج جو تفسیرِ قرآن، حقائق و معارفِ اسلام نیز تبلیغِ اسلام اور ان کے صحیح وارثان علیہم السلام کی سیرت و کردار، اور اخلاق و اطوار اور ان کے صحیح فضائل و مصائب بیان کرنے کے لئے وقف تھا جس کے ذریعہ سے ان کے نام لیواؤں کو عقائد و اعمال صحیح کرنے اور اپنی سیرتوں کو سرکارِ محمد و آلِ محمد علیہم السلام کی سیرت و کردار کے آئینہ میں تشکیل دینے اور جلائے ایمانی حاصل کرنے کے اسباب مہیا کئے جاتے تھے۔

موجودہ طرزِ تبلیغ پر تنقید و تبصرہ

بدقسمتی سے وہی منبر آج اہلِ منبر کی ذاتی رقابتوں اور رنجشوں کی وجہ سے ایک دوسرے پر الزام و اتہام لگانے، احکامِ شریعتِ مطہرہ کا مذاق اڑانے، ایک دوسرے کو نیچا دکھانے اور اس طرح مذہب اور اہلِ مذہب کا مذاق اڑوا کر نہ صرف اغیا بلکہ جگ ہنسائی کے لئے اسبابِ تضحیک جمع کرنے کے لئے وقف ہو کر رہ گیا ہے (الا ما شاء اللہ)، یہ افسوسناک اور اندوہناک صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے ایک ہمدردِ قوم و ملت مسلمان پیغمبرِ اسلام کی روحِ مقدس کو یوں خطاب کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے

شیرازہ ہوا ملتِ مرحوم کا ابتر		اب تو ہی بتا تیرا مسلمان کدھر جائے؛
اس راز کو اب فاش کر اے روحِ محمدؐ		آیاتِ الٰہی کا نگہباں کدھر جائے؛

آج آیاتِ قرآنِ کریم، احادیثِ سید المرسلینؐ، ارشاداتِ آئمہ معصومینؑ کو پسِ پشت ڈال کر یا زینتِ طاق و الماری بنا کر اپنے قیاسات کے مجموعہ جات کو مذہبیات اور ذاتی خیالات کو اعتقادیات اور اپنی آراءِ فاسدہ کو شرعی نظریات کا ٹھ برعکس نہند نامِ زنگی کافور نام دے کر ذاتی پسند اور ناپسند کو میزانِ حق و باطل قرار دیا جا رہا ہے ؎

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں		ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق

دین میں اختلاف کرنے کی مذمت

حضرت امیر المومنینؑ مذمتِ اختلاف کے سلسلہ میں فرماتے ہیں۔ وَ اِلٰهُهُمْ وَاحِدٌ وَ نَبِيُّهُمْ وَاحِدٌ وَ كِتَابُهُمْ وَاحِدٌ اَفَاَمَرَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى بِالْاِخْتِلَافِ فَاَطَاعُوْهُ اَمْ نَهَاهُمْ عَنْهُ فَعَصَوْهُ اَمْ اَنْزَلَ اللّٰهُ دِيْنًا نَاقِصًا فَاسْتَعَانَ بِهِمْ عَلٰى اِتْمَامِهٖ۔ اَمْ كَانُوْا شُرَكَآءَ لَهٗ فَلَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا وَ عَلَيْهِ اَنْ يَّرْضٰى اَمْ اَنْزَلَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ دِيْنًا تَامًّا فَقَصَّرَ الرَّسُوْلُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ عَنْ تَبْلِيْغِهٖ وَ اَدَائِهٖ وَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ يَقُوْلُ مَا فَرَّطْنَا فِى الْكِتٰبِ مِنْ شَىْءٍ

فِیْهِ تِبْیَانُ کُلِّ شَیْءٍ، وَذَکَرَ اَنَّ الْکِتَابَ یُصَدِّقُ بَعْضُهٗ بَعْضًا وَاَنَّهٗ لَا اخْتِلَافَ فِیْهِ فَقَالَ سُبْحَانَهٗ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا، وَاِنَّ الْقُرْاٰنَ ظَاهِرُهٗ اَنِیْقٌ وَبَاطِنُهٗ عَمِیْقٌ لَا تَفْنٰی عَجَائِبُهٗ وَلَا تَنْقَضِیْ غَرَائِبُهٗ وَلَا تُکْشَفُ الظُّلُمَاتُ اِلَّا بِهٖ (ترجمہ) حالانکہ ان کا اللہ ایک، نبی ایک اور کتاب ایک ہے (انہیں غور تو کرنا چاہیے) کیا اللہ نے انہیں اختلاف کا حکم دیا تھا اور یہ اختلاف کرکے اس کا حکم بجا لاتے ہیں۔ یا اس نے تو حقیقتہً اختلاف سے منع کیا ہے اور یہ اختلاف کرکے عمداً اس کی نافرمانی کرنا چاہتے ہیں یا یہ کہ اللہ نے دین کو ادھورا چھوڑ دیا تھا اور ان سے تکمیل کے لئے ہاتھ بٹانے کا خواہش مند ہوا تھا یا یہ اللہ کے شریک تھے کہ انہیں اس کے احکام میں دخل دینے کا حق ہو اور اس پر لازم ہو کہ وہ اس پر رضامند رہے یا یہ کہ اللہ نے تو دین کو مکمل اتارا تھا مگر اس کے رسولؐ نے اس کے پہنچانے اور ادا کرنے میں کوتاہی کی تھی اللہ نے قرآن میں تو یہ فرمایا ہے کہ ہم نے کتاب میں کسی چیز کے بیان کرنے میں کوتاہی نہیں کی اور اس میں ہر چیز کا واضح بیان ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ قرآن کے بعض حصے بعض حصوں کی تصدیق کرتے ہیں اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ چنانچہ اللہ کا ارشاد ہے کہ اگر یہ قرآن اللہ کے علاوہ کسی اور کا بھیجا ہوا ہوتا تو تم اس میں کافی اختلاف پاتے اور یہ کہ اس کا ظاہر خوش نما اور باطن گہرا ہے۔ نہ اس کے عجائبات مٹنے والے اور نہ اس کے لطائف ختم ہونے والے ہیں۔ ظلمت (جہالت) کا پردہ اسی سے چاک کیا جاتا ہے" (نہج البلاغہ مترجم مفتی جعفر حسین صاحب)

جب خدا بھی ایک، رسولؐ بھی ایک، کتاب بھی ایک اور آئمہ طاہرینؑ اگرچہ تعداد میں بارہ ہیں مگر ان کے قول و فعل میں اس قدر اتحاد و یگانگت ہے کہ مخالفین بھی یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئے کہ مذهب بعضهم مذهب الکل (دراسات اللبیب ص۲۳ طبع لاہور و لواقح الانوار شعرانی) یعنی آئمہ اہلبیتؑ میں سے جو ایک کا نظریہ ہوتا ہے وہی ان سب کا ہوتا ہے۔ نہ دین ناقص ہے نہ رسولؐ نے اس کی ادائیگی میں کوتاہی فرمائی ہے اور نہ ہی وارثانِ حق نے اس کی حفاظت و حراست اور قولی و فعلی تبلیغ میں کوئی کمی کی ہے تو پھر یہ اختلاف و افتراق کہاں سے پیدا ہو گیا ہے؟ عقائد و نظریات کے اس بحران نے کہاں سے جنم لیا؟ اور موجودہ طوفانِ بدتمیزی و فتنہ انگیزی کس سرچشمہ سے نکلا؟

اختلاف فی الدین کے علل و اسباب

آئیے ان سوالات کا جواب باصواب بھی سید الموحدین حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے حاصل کریں۔ آپ اس سلسلہ میں ارشاد فرماتے ہیں "اِنَّ اَبْغَضَ الْخَلَائِقِ اِلَی اللّٰهِ رَجُلَانِ رَجُلٌ وَکَلَهُ اللّٰهُ اِلٰی نَفْسِهٖ فَهُوَ جَائِرٌ عَنْ قَصْدِ السَّبِیْلِ مَشْغُوْفٌ بِکَلَامِ بِدْعَةٍ وَدُعَاءِ ضَلَالَةٍ فَهُوَ فِتْنَةٌ" لِمَنِ افْتَتَنَ

ضَالٌّ عَنْ هَدْیِ مَنْ کَانَ قَبْلَهُ مُضِلٌّ لِمَنِ اقْتَدَی بِهِ فِي حَیَاتِهِ وَبَعْدَ وَفَاتِهِ، حَمَّا
خَطَایَا غَیْرِهِ رَهْنٌ بِخَطِیئَتِهِ، وَرَجُلٌ قَمَشَ جَهْلاً مُوضِعٌ فِي جُهَّالِ الْأُمَّةِ عَادٍ فِي أَغْبَا
الْفِتْنَةِ عَمٍ بِمَا فِي عَقْدِ الْهُدْنَةِ قَدْ سَمَّاهُ أَشْبَاهُ النَّاسِ عَالِماً وَلَیْسَ بِهِ بَکَّرَ فَاسْتَکْ
مِنْ جَمْعٍ مَا قَلَّ مِنْهُ خَیْرٌ مِمَّا کَثُرَ حَتَّی إِذَا ارْتَوَی مِنْ آجِنٍ وَاکْتَنَزَ مِنْ غَیْرِ طَائِلٍ جَلَسَ
بَیْنَ النَّاسِ قَاضِیاً ضَامِناً لِتَخْلِیصِ مَا الْتَبَسَ عَلَی غَیْرِهِ فَإِنْ نَزَلَتْ بِهِ إِحْدَی الْمُبْهَمَا
هَیَّأَ لَهَا حَشْواً رَثّاً مِنْ رَأْیِهِ ثُمَّ قَطَعَ بِهِ فَهُوَ مِنْ لَبْسِ الشُّبُهَاتِ فِي مِثْلِ نَسْجِ الْعَنْکَبُ
لَا یَدْرِي أَصَابَ أَمْ أَخْطَأَ فَإِنْ أَصَابَ خَافَ أَنْ یَکُونَ قَدْ أَخْطَأَ وَإِنْ أَخْطَأَ رَجَا أَنْ یَکُونَ قَ
أَصَابَ جَاهِلٌ خَبَّاطُ جَهَالَاتٍ عَاشٍ رَکَّابُ عَشَوَاتٍ لَمْ یَعَضَّ عَلَی الْعِلْمِ بِضِرْسٍ قَاطِعٍ
یُذْرِي الرِّوَایَاتِ إِذْرَاءَ الرِّیحِ الْهَشِیمَ لَا مَلِيٌّ وَاللهِ بِإِصْدَارِ مَا وَرَدَ عَلَیْهِ وَلَا هُوَ
أَهْلٌ لِمَا فُوِّضَ إِلَیْهِ لَا یَحْسَبُ الْعِلْمَ فِي شَيْءٍ مِمَّا أَنْکَرَهُ وَلَا یَرَی أَنَّ مِنْ وَرَاءِ مَا
بَلَغَ مَذْهَباً لِغَیْرِهِ وَإِنْ أَظْلَمَ أَمْرٌ اکْتَتَمَ بِهِ لِمَا یَعْلَمُ مِنْ جَهْلِ نَفْسِهِ تَصْ
مِنْ جَوْرِ قَضَائِهِ الدِّمَاءُ وَتَعِجُّ مِنْهُ الْمَوَارِیثُ إِلَی اللهِ أَشْکُو مِنْ مَعْشَرٍ یَعِیشُونَ
جُهَّالاً وَیَمُوتُونَ ضُلَّالاً لَیْسَ فِیهِمْ سِلْعَةٌ "أَبْوَرُ مِنَ الْکِتَابِ إِذَا تُلِيَ حَقَّ تِلَاوَتِهِ
وَلَا سِلْعَةٌ" أَنْفَقُ بَیْعاً وَلَا أَغْلَی ثَمَناً مِنَ الْکِتَابِ إِذَا حُرِّفَ عَنْ مَوَاضِعِهِ۔ وَلَا عِنْدَ
هُمْ أَنْکَرُ مِنَ الْمَعْرُوفِ وَلَا أَعْرَفُ مِنَ الْمُنْکَرِ۔

۔ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ خدا کے نزدیک مبغوض دو شخص ہیں ایک وہ جسے اللہ نے اس کے نفس کے حوالے کر دیا ہو (یعنی اس کی بد اعمالیوں کی وجہ سے اپنی توفیق سلب کر لی) جس کے بعد وہ سیدھی راہ سے ہٹا ہوا بدعت کی باتوں پر فریفتہ اور گمراہی کی تبلیغ پر ڈٹا ہوا ہے۔ وہ اپنے ہوا خواہوں کے لئے فتنہ اور سابقہ لوگوں کی ہدایت سے برگشتہ ہے وہ تمام ان لوگوں کے لئے جو اس کی زندگی میں یا اس کی موت کے بعد اس کی پیروی کریں گمراہ کرنے والا ہے۔ وہ دوسروں کے گناہوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے اور خود اپنی خطاؤں میں جکڑا ہوا ہے اور دوسرا شخص وہ ہے جس نے جہالت کی باتوں کو ادھر ادھر سے بٹور لیا ہے وہ امت کے جاہل افراد میں دوڑ دھوپ کیا کرتا ہے اور فتنوں کی تاریکیا میں غافل و مدہوش پڑا رہتا ہے اور امن و آشتی کے فائدوں سے آنکھ بند کر لیتا ہے۔ چند انسانی شکل و صورت سے ملتے جلتے ہوئے لوگوں نے اسے عالم کا لقب دے رکھا ہے۔ حالانکہ وہ عالم نہیں، وہ ایسی بے سود باتوں کے سمیٹنے کے لئے منہ اندھیرے نکل پڑتا ہے جن کا نہ ہونا ہونے سے بہتر ہے یہاں

تک کہ جب وہ اس گندے پانی سے سیراب ہو لیتا ہے اور لایعنی باتوں کو جمع کر لیتا ہے تو لوگوں میں قاضی بن کر بیٹھ جاتا ہے اور دوسروں پر مشتبہ رہنے والے مسائل کے حل کرنے کا ذمہ لے لیتا ہے۔ اگر کوئی الجھا ہوا مسئلہ اس کے سامنے پیش ہوتا ہے تو اپنی رائے سے اس کے لئے بھرتی کی فرسودہ دلیلیں مہیا کر لیتا ہے اور پھر اس پر یقین بھی کر لیتا ہے۔ اس طرح وہ شبہات کے الجھاؤ میں پھنسا ہوا ہے جس طرح مکڑی خود اپنے ہی جالے کے اندر۔ وہ خود یہ نہیں جانتا کہ اس نے اسے صحیح حکم دیا ہے یا غلط۔ اگر صحیح بات بھی کہی ہو تو اسے یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں غلط نہ ہو اور غلط جواب ہو تو اسے یہ توقع رہتی ہے کہ شاید یہی صحیح ہو۔ وہ جہالتوں میں بھٹکنے والا جاہل اور اپنی نظر کے دھندلاپن کے ساتھ تاریکیوں میں بھٹکنے والی سواریوں پر سوار ہے۔ نہ اس نے حقیقتِ علم کو پرکھا نہ اس کی تہ تک پہنچا۔ وہ روایات کو اسی طرح درہم برہم کرتا ہے جس طرح ہوا سوکھے ہوئے تنکوں کو۔ خدا کی قسم! وہ ان مسائل کے حل کرنے کا اہل نہیں جو اس سے پوچھے جاتے ہیں اور نہ اس منصب کے قابل ہے جو اسے سپرد کیا گیا ہے جس چیز کو وہ نہیں جانتا اس چیز کو وہ کوئی قابلِ اعتنا علم ہی نہیں قرار دیتا اور جہاں تک وہ پہنچ سکتا ہے اس کے آگے یہ سمجھتا ہی نہیں کہ کوئی دوسرا پہنچ سکتا ہے اور جو بات اس کی سمجھ میں نہیں آتی اسے پی جاتا ہے کیونکہ وہ اپنی جہالت کو خود جانتا ہے (ناحق بہائے ہوئے خون اس کے ناروا فیصلوں کی وجہ سے چیخ رہے ہیں اور غیر مستحق افراد کو پہنچی ہوئی میراثیں چلا رہی ہیں۔ اللہ ہی سے شکوہ ہے ان لوگوں کا جو جہالت میں جیتے ہیں اور گمراہی میں مر جاتے ہیں۔ ان میں قرآن سے زیادہ کوئی بے قیمت چیز نہیں جب کہ اسے اس طرح پیش کیا جائے جیسا پیش کرنے کا حق ہے اور اس قرآن سے زیادہ ان میں کوئی مقبول اور قیمتی چیز نہیں اس وقت جب کہ اس کی آیتوں کا بے محل استعمال کیا جائے ان کے نزدیک نیکی سے زیادہ کوئی برائی اور برائی سے زیادہ کوئی نیکی نہیں۔ (نہج البلاغہ مترجم مفتی صاحب ج ۱ ص ۱۲۳ طبع مصری (ص ۵۵)

حکیم اسلام امام عالی مقام کے اس کلام حقیقت ترجمان سے یہ حقیقت واضح و عیاں ہو جاتی ہے کہ ان تمام اختلافات و افتراقات کے ذمہ دار وہ گندم نما جو فروش نام نہاد اہلِ علم ہیں جو جہلِ مرکب کا شکار ہیں اور خود فریبی یا ابلہ فریبی کا یہ عالم ہے کہ کچھ نہ جاننے کے باوجود وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ سب کچھ جانتے ہیں ؎

ہر کس کہ نداند و نداند کہ نداند   در جہلِ مرکب ابد الدہر بماند
ان کنت لا تدری فتلک مصیبۃ   وان کنت تدری فالمصیبۃ اعظم

آج اکثر و بیشتر ایسے ہی لوگوں پر دینی امور کا دار و مدار ہے اور عقائد و اعمال میں انہی کے بیان پر انحصار ہے یہی لوگ منبر کے اجارہ دار اور یہی کشتی مذہب و ملت کے ناخدا سمجھے جاتے ہیں جسے وہ اپنی روایتی نااہلی

کی بنا پر ہلاکت کے طلاطم خیز بھنور میں ڈال رہے ہیں مگر عوام کی حالت اس قدر ناگفتہ بہ ہے کہ وہ عالم وجاہل، عادل وفاسق، مخلص وخودغرض اور ہادی ومضل میں کوئی فرق ہی نہیں کرتے۔ ان کی نظر میں کامیابی ومقبولیت کا صرف ایک ہی معیار ہے کہ اسٹیج پر آنے والا اگر ذاکر ہے تو اس کی آواز اچھی ہو اور اگر مولوی ہے تو چھپے نکتے بیان کرکے مجمع کو خوب اچھال سکے۔ اگرچہ وہ نکات بالکل خلافِ عقل وشرع ہی کیوں نہ ہوں بس وہ نعرہ ہائے تحسین وآفرین بلند کرکے اس کے بیان پر مہرِ تصدیق ثبت کردیتے ہیں۔ وہ سوچنے اور سمجھنے اور اگر مجلس خواں (خواہ کتنا ہی گیا گزرا ہوا کیوں نہ ہو) اپنے ہی مذہب کے علمائے اعلام کے خلاف ذاتی حسد وعناد کی بنا پر کوئی بے اصل وبے بنیاد وخلافِ عقل ونقل بات کہہ دے تو وہ اس کی تحقیق کرنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے اگرچہ جانتے سب ہیں کہ حق وباطل میں صرف چار انگشت کا فاصلہ ہے۔

آہ محکومی وتقلید وزوالِ تحقیق

اور اہلِ منبر ان لوگوں کی سادگی اور ان کی اس معصوم عقیدت سے جو ان کو مجلسِ حسین پڑھنے والوں سے ہے پورا پورا ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ ہمارے پنجابی بھائی اس صفت میں سب لوگوں سے پیش پیش نظر آتے ہیں۔ شاعرِ مشرق نے پنجابیوں کی اس حالت کا بڑے لطیف انداز میں یوں کھینچا ہے ؎

مذہب میں بہت تازہ پسند اس کی طبیعت
کرلے کہیں منزل تو گزرتا ہے بہت جلد
تحقیق کی بازی ہو تو شرکت نہیں کرتا
ہو کھیل مریدی کا تو ہرتا ہے بہت جلد
تاویل کا پھندا کوئی صیاد لگا دے
یہ شاخِ نشیمن سے اترتا ہے بہت جلد

(ضربِ کلیم)

اصحابِ آئمہؑ کا دینی امور میں اہتمام

چونکہ دین اور بالخصوص اصولِ دین کا معاملہ بڑا ہی نازک ہے۔ اصولِ عقائد میں معمولی سی لغزش انسان کو ابدی ہلاکت کا شکار اور آتشِ جہنم کا ایندھن بنا کر رکھ دیتی ہے۔ اس لئے آئمہ طاہرینؑ کے تربیت یافتہ مومنینِ بالتمکین اس امر کی نزاکت سے کماحقہٗ واقف وآگاہ تھے۔ اس لئے وہ اس سلسلہ میں بہت احتیاط سے کام لیتے تھے۔ وہ دین کے ہر ہر معاملہ میں ذاتی رائے وقیاس پر عمل کرنے کی بجائے اپنے آئمہ اطہار سے استصواب کرتے اور اصلاح لیتے تھے اور کسی کتاب پر عمل کرنا ہوتا تو اگرچہ اس کا مؤلف جلیل القدر بھی ہوتا تاہم وہ اس پر عمل کرنے سے پہلے اسے ان کی خدمت میں پیش کرکے اس کی توثیق کراتے۔ چنانچہ ابوجعفر جعفری بیان کرتے ہیں کہ ادخلت کتاب الیوم واللیلة الذی الفه یونس بن عبد الرحمن علی ابی الحسن العسکری فنظر فیه وتصفحه کله ثم قال هذا دینی ودین آبائی وهو الحق کله (رجال کشی ص [illegible] بمبئی)

میں نے کتاب عمل الیوم واللیۃ مؤلفہ جناب یونس بن عبدالرحمٰن حضرت عسکریؑ کی خدمت میں بغرض توثیق، پیش کی۔ آپ نے اس پر نگاہ ڈالی اور تمام کتاب کو صفحہ بہ صفحہ ملاحظہ فرما کر فرمایا یہی میرا دین اور میرے آباؤ اجداد کا دین ہے۔ یہ تمام حق و صدق ہے۔ حالانکہ جناب یونس کی عظمت کا یہ عالم ہے کہ حضرت امام رضاؑ فرماتے ہیں یونس فی زمانہ کسلمان فی زمانہ (رجال کشی ص ۳۲۲ طبع بمبئی) لیکن پھر بھی جناب ابوجعفر جعفریؒ نے مقامِ عمل میں اس پر اکتفا نہیں کی جب تک امام عالی مقام سے اس کتاب کی توثیق نہیں کرائی۔ اسی طرح ابوزیخ ہراتی کے متعلق مروی ہے کہ اس نے سامرا میں امام حسن عسکریؑ کی خدمت میں حاضر ہوکر جناب فضل بن شاذان کی کتاب "یوم ولیلۃ" پیش کی اس پر نظر فرمانے اور توثیق کرنے کی استدعا کی۔ چنانچہ امامؑ نے اسے ملاحظہ کرنے کے بعد فرمایا ھذا صحیح ینبغی ان تعمل بہ "یہ بالکل صحیح ہے چاہیے کہ اس پر عمل کرو۔ (مفاتیح الجنان ص ۳۲۴)

اسی طرح اگر ان کو کسی عالمِ دین سے دینی مسائل دریافت کرنا مطلوب ہوتے تو جب تک ائمہ ابرارؑ سے اس عالم کے دین و دیانت اور علم و فضل کی تصدیق نہ کرا لیتے اس وقت تک دینی امور میں اس پر اعتماد نہ کرتے۔ اس واسطے بارگاہِ معصومینؑ میں حاضر ہو کر استفسار کرتے کہ ہم ہر وقت آپ کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا بوقتِ ضرورت اپنی دینی ضروریات کے بارے میں کس سے سوال کریں؟ حضرات معصومینؑ ان کی راہبری فرماتے ہیں کہ فلاں شخص سے دینی معلومات و مسائل حاصل کرو، چنانچہ جناب حسنؒ بن علیؑ بن یقطین بیان کرتے ہیں قلت لابی الحسن الرضاؑ جعلت فداک انی لا اکاد اصل الیک أسئلک عن کل ما احتاج الیہ من معالم دینی افیونس بن عبدالرحمٰن ثقۃ آخذ عنہ ما احتاج الیہ من معالم دینی قال نعم! میں نے حضرت امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ میں ہر وقت حاضرِ خدمت ہوکر آپ سے اپنے تمام دینی ضروریات دریافت نہیں کر سکتا کیا یونسؒ بن عبدالرحمٰن قابلِ وثوق آدمی ہے اس سے اپنے دینی معلومات حاصل کر سکتا ہوں؟ امام علیہ السلامؑ نے فرمایا۔ ہاں (رجال کشی ص ۳۴۵)، اسی طرح علی بن مسیّب بیان کرتے ہیں کہ قلت للرضاؑ شقتی بعیدۃ ولست اصل الیک فی کل وقت فعمن آخذ معالم دینی؟ فقال من ذکریا بن آدم القمی المامون علی الدین والدنیا۔ میں نے حضرت امام رضاؑ کی خدمت عرض کیا کہ میرا گھر بہت دور ہے اس لئے ہر وقت جناب کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکتا لہٰذا اپنے معالمِ دین کس سے حاصل کروں؟ آں جنابؑ نے فرمایا زکریا ابنِ آدم قمی سے حاصل کرو کیونکہ وہ دین و دنیا کے معاملات میں امین ہے۔

(رجال کشی ص ۳۹۶)

اصولِ عقائد کے معاملہ میں ان کی احتیاط اور بھی شدید تھی وہ جب تک اپنے جملہ اعتقادات کو بارگاہِ ائمہ معصومینؑ میں پیش کرکے ان کی صحت وحقانیت پر مہرِ تصدیق ثبت نہ کرا لیتے تھے۔ اس وقت تک اطمینان کا سانس نہیں لیتے تھے چنانچہ عمرو بن حریث بیان کرتے ہیں کہ میں نے جناب امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ جعلت فداک الا اقص علیک دینی الذی ادین اللہ بہ میں آپ پر قربان ہو جاؤں! کیا میں اپنا دین اور اعتقاد آپ کی خدمت میں پیش نہ کروں؟ قال بلی یا عمرو آپ نے فرمایا ہاں اے عمرو! قلت انی ادین اللہ بشہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ وان محمداً عبدہ ورسولہ وان الساعۃ آتیۃ لا ریب فیہا وان اللہ یبعث من فی القبور واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ وصوم شہر رمضان وحج البیت من استطاع الیہ سبیلا والولایۃ لعلی بن بن الحسین والولایۃ لمحمد بن علی ولک من بعدہ وانکم ائمتی علیہ احیا وعلیہ اموت وادین اللہ بہ قال یا عمرو ہٰذا واللہ دینی ودین آبائی! میں نے عرض کیا میرا دین واعتقاد یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے بندۂ خاص اور رسول ہیں قیامت کا آنا برحق ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں خدا ضرور مردوں کو زندہ کرے گا اور نماز کا پڑھنا، زکوٰۃ ادا کرنا ماہ رمضان کے روزے رکھنا اور جو استطاعت رکھتا ہو اس پر حج بیت اللہ کرنا واجب ہے اور جناب رسولِ خدا کے بعد حضرت امیر المومنینؑ اور حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ اور امام زین العابدینؑ و امام محمد باقرؑ اور پھر آپ کی ولایت و امامت کا اعتقاد رکھنا لازم ہے۔ آپ ہی میرے برحق امام ہیں۔ اسی عقیدہ پر زندہ ہوں اور اسی پر مروں گا۔ امامؑ نے فرمایا اے عمرو! خدا کی قسم یہی میرا اور میرے آباؤ اجداد کا دین ہے (رجال کشی ص [illegible]) اسی طرح یوسف سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ قلت لابی عبد اللہ اعرض لک دینی الذی ادین اللہ بہ فان اکن علی الحق فثبتنی وان اکن علی غیر الحق فردنی الی الحق میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں عرض کیا میں اپنا اعتقاد آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں۔ اگر میں حق پر ہوں تو مجھے اس پر ثابت رکھئے اور اگر باطل پر ہوں تو حق کی طرف میری راہبری فرمایئے! قال ہات! (یا پیش کرو)۔ قلت اشہد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ وان محمداً عبدہ ورسولہ وان علیاً کان امامی وان الحسن کان امامی وان الحسین کان امامی وان علی بن الحسین کان امامی ذالک مرارا ارحمک اللہ ثم قال ہٰذا واللہ دین اللہ ودین ملائکتہ ودینی ودین آبائی الذی لا یقبل اللہ غیرہ میں نے عرض کیا میرا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ سبحانہ کے سوا اور کوئی معبود برحق نہیں ہے اور نہ ہی کوئی اس کا شریک ہے اور حضرت محمدؐ اس کے بندۂ خاص اور رسول ہیں اور یہ کہ حضرت علیؑ

میرے امام ہیں۔ اسی طرح ان کے بعد یکے بعد دیگرے امام حسنؑ، امام حسینؑ، حضرت علی بن الحسینؑ اور حضرت محمد بن علیؑ میرے امام ہیں اور ان کے بعد آپ اپنے آباء طاہرینؑ کے طریقہ پر میرے امام ہیں۔ داؤد کہتا ہے یہ سُن کر امام علیہ السلام نے کئی بار مجھے فرمایا رحمک اللہ (خدا تم پر رحم کرے) پھر فرمایا بخدا یہی خدا اور اس کے ملائکہ اور میرا و میرے آباء و اجداد کا وہ دین ہے کہ جس کے علاوہ اور کوئی دین خدا قبول نہیں کرتا۔ (رجال کشی ص۲۶۷) نوح بن ابراہیم محاربی بیان کرتے ہیں کہ میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں اس طرح اپنا عقیدہ پیش کیا۔ اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان محمدا عبده ورسوله وان عليا امام ثم الحسن ثم الحسين ثم علي بن الحسين ثم محمد بن علي ثم انت فقال رحمك الله ثم قال اتقوا الله عليكم بالورع وصدق الحديث واداء الامانة وعفة البطن والفرج۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں وہ واحد و یگانہ ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے جناب محمد مصطفیٰؐ اُس کے عبد خاص اور رسول ہیں ان کے بعد جناب علی علیہ السلام امام برحق ہیں ان کے بعد امام حسنؑ پھر امام حسینؑ پھر علی بن الحسینؑ پھر محمد بن علیؑ اور ان کے بعد آپ امام برحق ہیں یہ سُن کر امام نے فرمایا خدا تم پر رحم فرمائے پھر فرمایا خدا سے ڈرو! تم پر پرہیزگاری و تقویٰ، سچ بولنا، امانت ادا کرنا اور عفت شکم و فرج لازم ہے (رجال کشی ص۲۹۲) اس قسم کے بیسیوں واقعات کتب سیر و تواریخ میں مذکور ہیں ہم نے صرف بطور نمونہ مشتے از خروارے دو چار واقعات بیان کر دیئے ہیں جو کہ عقل سلیم اور طبع مستقیم رکھنے والے حضرات کو غفلت سے جھنجوڑ کر بیدار کرنے کے لئے کافی ہیں ؎

قطرہ میں دجلہ دکھائی نہ دے اور جزو میں کل
کھیل بچوں کا ہوا دیدۂ بینا نہ ہوا

ائمہؑ کی شدت گرفت کا بیان

اخبار و آثار سے آشکار ہوتا ہے اس سلسلہ میں حضرات ائمہ اطہارؑ کی گرفت بھی اتنی سخت تھی کہ وہ اپنے نام لیواؤں کو دین میں ایک حرف کی کمی یا بیشی کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ چنانچہ عبداللہ بن سنان بیان کرتے ہیں۔ کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ تم لوگ عنقریب مختلف شکوک و شبہات میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ اس آفت سے وہی لوگ محفوظ رہیں گے جو دعائے غریق کو پڑھیں گے۔ میں نے عرض کیا وہ دعائے غریق کیا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ ہے یَا اَللّٰہُ یَا رَحْمٰنُ یَا رَحِیْمُ یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِكَ میں نے اس دعا کو دہراتے وقت یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ وَالْاَبْصَارِ کہہ دیا۔ امام نے فرمایا اس میں کوئی شک نہیں کہ خدا مقلب القلوب والابصار ہے مگر تو اس طرح کہہ جس طرح میں کہہ رہا ہوں۔ یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک" (مفاتیح الجنان ص۴۳۲) وفیما ذکرناہ کفایۃ لمن لہ ادنیٰ درایۃ۔

موجودہ دور میں مدعیانِ تشیع کی روش و رفتار پر تبصرہ

یہ تھا اصحاب ائمہؑ کے دینی معاملات میں حزم و احتیاط کا اجمالی نمونہ جس سے ناظرین کرام بآسانی یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان کی نگاہوں میں دین و ایمان کی کس قدر اہمیت تھی؟ مگر افسوس آج یہ عالم ہے کہ اکثر

لوگ دین کو کوئی اہمیت ہی نہیں دیتے (الدین لعقة علی لسانهم فاذا محصوا بالبلاء قل الدیانون) (نہج البلا تحقیق وجستجو کا فقدان ہے۔ تحقیق وتلاش عنقا ہے۔ جو رطب و یابس کسی مجہول الحقیقت رسالہ یا کتاب میں پڑھ لیا گیا۔ اس پر یقین کر لیا۔ جو کچھ کسی عالم ناجاہل اور بے دین ملا سے سن لیا اُسے جزو ایمان بنا لیا جو اپنے بوڑھے بزرگو سے سنا اس کا جزم کر لیا۔ ذاتی خیالات وقیاسات کا نام اعتقادات و ایمانیات رکھ لیا۔ اور ذاتی پسند و ناپسند کو معیارِ حق و باطل بنا لیا و بس۔ علمائے کرام کی خدمت میں حاضر ہونا باعث کسرِ شان۔ ان سے مسائل دریافت کرنا موجبِ کمزوریٔ ایمان اور ان سے کتاب کی توثیق کرانا ایک لایعنی کام سمجھا جاتا ہے۔ جناب رسولِ خداؐ کی وہ پیش گوئی گویا اسی دور کے بارے میں ہے۔ جس میں آپ فرماتے ہیں یفرّون من العلماء کما یفرّ الغنم من الذئب ایک دور ایسا بھی آئے گا جس میں لوگ حقیقی علماء سے اس طرح دُور بھاگیں گے جس طرح بھیڑیں بھیڑیے سے دُور بھاگتی ہیں۔ (جامع الاخبار ص۱۳۰ طبع نجف) اس روش و رفتار کا نتیجہ ہے کہ شیخ صدوقؒ، شیخ مفیدؒ وسید رضیؒ وسید مرتضیٰؒ علم الہدیٰ و محقق طوسیؒ وعلامہ حلیؒ اور شیخ بہائیؒ۔ میر سید باقر داماد اور علامہ مجلسیؒ و امثالہم جیسے محقق علماء اعلام کی لکھی ہوئی کتب عقائد و اعمال متروک ہوتی جا رہی ہیں بلکہ ہو چکی ہیں اور ہر رطب و یابس بلکہ سراسر مزخرفات وخرافات اور ذاتی قیاسات وخیالات کے مجموعہ جات رواج پکڑ رہے ہیں ؎

تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

اگر ذمہ دار علماء کرام نے اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنے یا پھر ان سے عہدہ برآ ہونے میں سہل انگیزی سے کام لیا تو پھر اس پُر آشوب دورِ کفر و الحاد میں علی الاسلام السلام (لاقدر اللہ ذالک)

غیبت کبریٰ کے زمانے والے اہلِ ایمان کی شرعی تکلیف

حالانکہ یہ حقیقت محتاج بیان و برہان نہیں کہ زمانۂ غیبت کبریٰ والے لوگوں کو ائمہ طاہرین علیہم السلام نے شترِ بے مہار کی طرح خلیع العذار اور مطلق العنان نہیں چھوڑا بلکہ ان کو امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ نے یہ حکم دیا ہے کہ اما الحوادث الواقعة فارجعوا فیها الی رواة احادیثنا فانهم حجتی علیکم وانا حجة الله (احتجاج طبرسی ص۲۶۳ طبع نجف اشرف) یعنی ہمارے زمانۂ غیبت میں تمہیں جو دینی مسائل و ضروریات درپیش آئیں ان میں ہمارے راویانِ اخبار یعنی محدثین کبار و مجتہدین ابرار) کی طرف رجوع کرنا کیونکہ وہ میری طرف سے تم پر حجت خدا ہیں۔ اور میں ان پر حجت خدا ہوں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں "ینظران من کان منکم قد روی حدیثنا ونظر فی حلالنا و حرامنا وعرف احکامنا فلیرضوا به حکماً فانی قد جعلته علیکم حاکماً فاذا حکم بحکم ولم یقبله منه فانما بحکم الله استخف وعلینا ردّ والراد علینا کالراد علی الله وهو علی حد الشرك بالله (یعنی دو شخصوں میں کوئی

تنازع ہو) وہ دیکھیں کہ تم ہی سے جو شخص ہماری حدیثوں کا راوی ہو۔ ہمارے حلال و حرام پر تحقیقی نظر رکھتا ہو اور ہمارے احکام کی (فقہی) معرفت بھی رکھتا ہو۔ اسے اپنا دینی حاکم تسلیم کریں کیونکہ میں اس شخص کو (عمومی طور پر) حاکم بناتا ہوں۔ پس جب (ہمارے) احکام کے مطابق (کوئی) فیصلہ کرے اور اسے قبول نہ کیا جائے۔ تو رد کرنے والا یہ سمجھے کہ اس نے اللہ سبحانہٗ کے حکم کو خفیف سمجھا ہے اور (اس عالم کے فیصلہ کو نہیں بلکہ) ہمارے فیصلہ کو رد کیا ہے اور ہمارے فیصلہ کو رد کرنے والا کافر اور (گویا) خدا کے فیصلہ کو ٹھکرانے والا ہے اور یہ کھلا ہوا خدا کے ساتھ شرک ہے۔" (احتجاج طبرسی ص ۱۹۵) لہٰذا چاہیے تو یہ تھا کہ ہمارے عوام اہل ایمان میں یہ شعور و احساس ہوتا کہ اگر کسی کتاب پر عمل کرنا چاہتے تو پہلے ان وارثان شریعت سے اس کی توثیق کراتے یا اگر کسی عالم سے دینی مسائل دریافت کرنا چاہتے تو پہلے ان حجج اسلام سے اس کے علم و فضل اور دین و دیانت کی تصدیق کراتے پھر دینی معاملات میں ان کے بیان پر اعتماد کرتے۔ اسی طرح اپنے اعتقادات کو علمائے عظام کی خدمت میں پیش کر کے ان کی صحت و صداقت پر ان سے مہر توثیق لگواتے۔ تاکہ سعادت دارین و فلاح کونین حاصل کرتے مگر آہ

کیا پوچھتے ہو عالم رفتار عہد نو
ہر سمت بس فریب کا بازار گرم ہے

آج عام لوگ حقیقت سے اس قدر دور ہو چکے ہیں کہ ان کو حقیقی علماء کی پہچان ہی نہیں ہے تو پھر ان کی طرف رجوع کیوں کر کریں گے وہ تو صرف اسے ہی عالم دین سمجھتے ہیں جو منبر پر کوس لمن الملک الیوم بجاتا ہے اور رقص منبری میں مہارت تامہ رکھتا ہے اور غلط یا صحیح مبتذل قسم کے نکتوں سے مجمع کو خوب اچھال سکتا ہے اور خود اپنے منہ سے عالم و علامہ ہونے کا اعلان کرتا ہے حالانکہ پیغمبر اسلامؐ کا ارشاد ہے من قال انا عالم فھو جاھل۔ جو شخص خود کہے کہ میں عالم ہوں سمجھو کہ وہ جاہل ہے (منیۃ المرید از شہید ثانیؒ) یا پھر دنیا والے اسے عالم اجل و فاضل بے بدل سمجھتے ہیں جس کا لباس زرق برق اور جبہ و دستار قیمتی و نفیس ہو۔ جناب پیغمبر اسلام روحی لہ الفداء نے شاید اسی زمانہ کے متعلق فرمایا تھا سیاتی علی امتی زمان لا یعرفون العلماء الا بثوب حسن میری امت پر ایک ایسا دور بھی آئے گا کہ وہ علماء کو صرف عمدہ لباس سے ہی پہچانیں گے (جامع الاخبار صفحہ ۱۳ طبع نجف) بھلا عوام الناس کی یہ حالت کیوں نہ ہو جب کہ آج منبروں پر بعض غیر ذمہ دار لوگ گلا پھاڑ پھاڑ کر عوام الناس کو علمائے اعلام و مجتہدین کرام سے (ان پر کئی قسم کے غلط اتہام و الزام لگا کر) بدظن کرنے اور ان کو اپنے دینی و ایمانی مراکز سے علیحدہ کرنے میں شب و روز مشغول و منہمک ہیں حالانکہ یہ ایک مسلّم حقیقت ہے کہ ع

قوموں کے لئے موت ہے مرکز سے جدائی
ہو صاحب مرکز تو خودی کیا ہے خدائی

ایک مشہور مغالطہ کا ازالہ

کچھ اہل غرض لوگ یہ کہہ کر کہ اصول دین میں تقلید جائز نہیں ہے لہٰذا عقاید میں ہر شخص آزاد ہے اسے اپنی تحقیق کے مطابق عقیدہ رکھنا چاہیے۔ اس طرح یہ لوگ سادہ لوح عوام کے دین و ایمان پر ڈاکہ ڈالتے ہوئے ان کے عقائد کے نازک معاملہ میں شتر بے مہار بننے کی تلقین کر کے علمائے اعلام سے دور رکھنے کی مذموم کوشش کر رہے ہیں حالانکہ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ قطع نظر اس اختلاف کے کہ جو

اصول دین میں تقلید کے جواز یا عدم جواز میں ہے۔ کیونکہ یہ بجائے خود انتہائی پیچیدہ اور مشکل مسائل میں سے ہے۔ چنانچہ محقق قمی علیہ الرحمہ قوانین الاصول ج ۲ ص ۱۶۲ میں فرماتے ہیں "ھذہ المسئلۃ من المشکلات" اور بہت سے علماء اعلام اصولِ دین میں بھی تقلید جائز سمجھتے ہیں۔ جیسے محقق طوسیؒ (در قواعد العقائد) محدث ملا محسن فیضؒ (در علم الیقین) علامہ شیخ انصاریؒ (در رسائل) مولانا راحت حسین گوپالپوریؒ (در تفسیر انوار القرآن) بہرحال بنابر مشہور کہ اصول عقائد میں تقلید جائز نہیں ہے تو بھی اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ آدمی فروع میں پابند اور اصول میں شتر بے مہار کی طرح آزاد ہے کہ جو جی میں آئے وہ عقیدہ رکھے۔ حاشا وکلا بلکہ اس کا صاف و صریح مطلب یہ ہے کہ عقائد میں بلا دلیل کسی بات کا ماننا درست نہیں ہے کیونکہ تقلید کا اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ قبول قول الغیر من غیر دلیل (معالم، قوانین اور کفایہ وغیرہ) یعنی بلا دلیل کسی مجتہد کے قول کو تسلیم کرنے کا نام تقلید ہے۔ بنابر مشہور عقائد میں تقلید کے ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ تقلید سے جزم و یقین حاصل نہیں ہوتا اور اصول عقائد میں یقین محکم درکار ہے

اُصولِ اعتقاد میں اخبارِ احاد پر اعتماد جائز نہیں

یہی وجہ ہے کہ ہر وہ چیز جو موجب یقین نہ ہو۔ اصولِ عقائد میں اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا جیسے آیات متشابہات اور اخبار احاد[1] (غیر متواترہ)۔ علمائے اعلام نے ان اُمور کی تصریحات فرمائی ہیں (۱) چنانچہ جناب آقای شعرانی مقدمہ شرح اصول کافی ملا صالح مازندرانی ج ۱ ص ۲ پر لکھتے ہیں "ثم من اھم ما یجب ان یعلم ان الاعتماد فی الاصول علی العقل والکتاب والاخبار المتواترہ وبالجملۃ ما یوجب الیقین دون اخبار الاحاد" یعنی سب سے اہم بات جس کا جاننا واجب و لازم ہے وہ یہ ہے کہ اصول عقاید میں صرف عقل سلیم (مستقلات عقلیہ) قرآن مجید (آیات محکمات) اور اخبار متواترہ غرضیکہ ہر وہ چیز جو موجب یقین ہو اس پر اعتماد کرنا چاہئے۔ نہ اخبار احاد پر (۲) رسالہ ہدیہ رضویہ ص ۲۵ طبع مراد آباد پر مرقوم ہے "سائر محققین تذکر فرمودہ اند و آں آنست کہ در مرحلہ اعتقاد عمل بر اخبار احاد روا نیست۔"

---

[1] حدیث کی دو قسمیں ہیں متواتر اور واحد۔ ہر وہ حدیث جس کو ابتداء سے آخر تک اس قدر جماعت کثیرہ نقل کرے۔ جن کا جھوٹ پر اتفاق کرنا عادۃً محال ہو۔ اسے خبر متواتر کہا جاتا ہے۔ اور جو حدیث اس طرح نہ ہو اُسے خبر واحد کہا جاتا ہے۔ پھر خبر واحد کی کئی قسمیں ہیں۔ ولیس ھھنا مجال للتفصیل۔ یہ مختصر وضاحت صرف اس لئے کر دی گئی ہے کہ ہمارے برخلاف وعظ کرنے اور قلم اٹھانے والوں میں ایسے فضلاء کی بھی کوئی کمی نہیں ہے۔ جن کو خبر واحد کا اصطلاحی مفہوم بھی معلوم نہیں ہے۔ بلکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ خبر واحد وہ ہوتی ہے جو صرف ایک کتاب میں موجود ہو۔ اور اگر دو تین کتابوں میں درج ہو جائے تو پھر وہ خبر واحد نہیں رہتی۔ سہ بریں عقل و دانش بباید گریست (منہ عفی عنہ)

(۳) سید العلماء سید حسین لکھنوی ... حدیقۂ سلطانیہ ج ۱ ص ۳ پر ایک حدیث کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں فلکونها من اخبار الاحاد وهی لا تصلح للاستناد فی اصول الاعتقاد یہ حدیث اخبار احاد میں سے ہے اور اصول اعتقاد میں ان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ (۴) جناب موصوف کے والد عظیم سرکار غفران مآب قدس سرہ اپنی کتاب اساس الاصول طبع لکھنؤ ص ۸ پر تحریر فرماتے ہیں فان التعویل علی الآحاد فیها غیر معقول۔ یعنی اصول دین میں اخبار احاد پر اعتماد کرنا غیر معقول ہے۔ (۵) اسی طرح فاضل جلیل شیخ حسن بن شہید ثانی قدس سرہما اپنی کتاب معالم ص ۱۸۷ پر لکھتے ہیں" فان التعویل علی الاحاد فیها غیر معقول" اصول دین میں اخبار احاد پر اعتماد کرنا غیر معقول ہے۔ وجہ ظاہر ہے کہ اخبار احاد موجب جزم و یقین نہیں حالانکہ اصول عقائد میں علم و یقین کا حاصل کرنا لازم ہے فتدبر۔ بہرحال اصول دین میں تقلید کے ناجائز ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اس سلسلہ میں علماء و مجتہدین کی طرف رجوع کرنا شجرۂ ممنوعہ ہے حاشا و کلا۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ رجوع تو اصول و فروع دین میں بہرحال علماء اعلام ہی کی طرف کرنا ہے۔ ہاں اصول و فروع میں فرق صرف اس قدر ہے کہ فروع دین میں بلا تقاضائے دلیل ان کا حکم ماننا لازم ہے مگر اصول دین میں دلیل کا تقاضا کیا جائے گا۔ تاکہ عقیدہ بالدلیل ہو نہ بالتقلید۔

اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

ورنہ ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ اگر علماء اعلام کی طرف رجوع کرنا ممنوع ہے تو کیا پھر اس سلسلہ میں جہلاء کی طرف رجوع کیا جائے گا؟ یا اپنے اپنے آراء فاسدہ و خیالات کاسدہ پر اعتماد کیا جائے گا؟ یا۔ حاطب اللیل قسم کے اہل علم کی لکھی ہوئی رطب و یابس سے لبریز کتب و رسائل پر عمل درآمد کیا جائے گا؟ ما لکم کیف تحکمون؟

علاوہ بریں یہاں یہ بات بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہے کہ اگر اصول دین میں یہ دھاندلی روا سمجھی جائے تو پھر باطل پرست فرقوں کو بھی ناجی تسلیم کرنا پڑے گا اور کسی اہل حق کو ان کے برخلاف لب کشائی کی کوئی گنجائش نہ ہوگی کیونکہ بنا بریں قاعدہ وہ اپنے غلط عقائد کے متعلق یہ عذر کرنے میں حق بجانب ہوں گے کہ جب اصول عقائد میں ہر شخص کو خدا بالکل کھلا چھوڑ دیتا ہے تو ہمارے ذاتی خیال و رائے یا ذاتی تحقیق کے مطابق یہی عقائد صحیح ہیں! اس طرح مذہب کیا ہوگا بچوں کا کھلونا یا موم کی ناک جس نے جب چاہا جس طرح چاہا توڑ مروڑ کے اپنے خیال کے مطابق بنا لیا۔ کیا جس آزادی اور مطلق العنانی کا آخری نتیجہ یہ ہو کیا کوئی عقلمند ہمدرد مذہب و ملت اسے روا سمجھ سکتا ہے اور کیا مذہب اس کی اجازت دے سکتا ہے؟ مگر افسوس ع

ہر بات یہاں کی الٹی ہے یاں الٹی گنگا بہتی ہے۔

ائمۂ اطہار کی معرفت میں اختلاف انظار اور اس کی اصلی وجہ

اقوام عالم کی تاریخ پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک ہمیشہ عام لوگ بزرگان دین و رہنمایان ایمان و یقین کے بارے میں افراط و تفریط

کا شکار رہے ہیں۔ ہمیشہ یہ ہوتا رہا ہے کہ ان کے بعض نادان دوست انہیں ان کے حقیقی مرتبہ سے بڑھاتے رہے اور بعض احمق دشمن ان کو ان کے اصلی مقام سے گراتے رہے۔ اسی غلط جذبۂ محبت و عقیدت نے یہودیوں و نصرانیوں کو حضرت عزیرؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے متعلق "ابن اللہ" ہونے کا فاسد نظریہ قائم کرنے پر آمادہ کیا۔ قالت الیہود عزیر ابن اللہ" وقالت النصاریٰ المسیح ابن اللہ ..... اسی لئے خدائے لم یزل نے ان نادانوں کو تنبیہ فرمائی۔ یا اھل الکتٰب لا تغلو فی دینکم ولا تقولوا علی اللہ الا الحق "اے اہل کتاب! اپنے دینی معاملہ میں غلو (حد سے تجاوز) نہ کرو۔ اور خدا کے متعلق وہی بات کہو جو برحق ہے" اور اس کے مقابل ان کے نابکار دشمن ان ذوات مقدسہ کو من جمیع الجہات اپنے جیسا عام آدمی سمجھ کر نہ صرف ان کے علم و فضل اور عصمت و طہارت کا بلکہ ان کی نبوت و رسالت کا بھی انکار کر بیٹھے۔ قالوا ان انتم الا بشر مثلنا تریدون ان تصدونا عما کان یعبد آباؤنا "تم بالکل ہر لحاظ سے ہم جیسے انسان ہو تم صرف یہ چاہتے ہو ان دیوتوں کی عبادت سے جن کی عبادت ہمارے آباؤ اجداد کرتے تھے ہمیں روکو بہرحال ہر دور میں ایسے لوگ بہت ہی قلیل تعداد میں رہے ہیں۔ اور وہ انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں جنہوں نے اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ افراط و تفریط کی آلائش سے اپنے دامن کو ملوث نہ ہونے دیا اور ہادیان دین کی محبت و مودت کے نازک معاملہ میں "صراط مستقیم" پر گامزن رہے۔ وقلیل ما ھم۔ خلاصہ کلام اینکہ اسی طریقۂ جاریہ و سنت مستمرہ کے مطابق حضرات ائمہ طاہرین صلوات اللہ علیہم اجمعین کے متعلق بھی لوگ تین حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ کچھ کم توفیق و کم عقل لوگ تو ان بزرگواروں کے فضائل و کمالات اور مناقب و معجزات کی تاب نہ لا کر غلو و تفویض کے گہرے سمندر میں غرق ہو گئے اور کئی قسم کے غلط نظریات ان بزرگواروں کے متعلق از خود قائم کرنے (تفصیل کے لئے احسن الفوائد فی شرح العقائد ملاحظہ ہو) بعض شقی و بدبخت ان کے نہ صرف صحیح فضائل و کمالات بلکہ ان کی خلافت و امامت تک کا انکار کر کے ضلالت و ہلاکت ابدی کے عمیق گڑھے میں جا گرے۔ اور یہ دونوں قسم کے لوگ وہ تھے جنہوں نے اس انتہائی نازک و خطرناک مقام میں ان امناء رحمٰن و ہادیان دین و ایمان کی مقدس تعلیمات سے روگردانی کر کے خود اپنی ناقص عقلوں اور فاسد رایوں پر اعتماد کیا لہٰذا نتیجہ یہ نکلا کہ ضلوا و اضلوا (خود گمراہ ہوئے اور دوسروں کو گمراہ کیا) تیسرا گروہ وہ تھا جس نے دیگر تمام عقائد و اعمال کی طرح اس مقام (معرفت نبیؐ و امامؑ) پر بھی انہی حجج الٰہیہ کے مقدس تعلیمات و ارشادات کو اپنے لئے خضر راہ و مشعل ہدایت بنایا اس لئے وہ ہمیشہ جادۂ اعتدال پر گامزن رہے اور افراط و تفریط و غلو و تفویض کی ہلاکت خیزیوں اور جہالی و قالی ہر دو کی فتنہ انگیزیوں سے محفوظ و مصئون (و خیر الامور اوساطہا) رہے۔ ذات احدیت کا یہ وعدہ ہے کہ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا و ان اللہ لمع المحسنین "جو حق و حقیقت کو تلاش کرنے کے لئے جد و جہد کرتے ہیں ہم ان کو اپنا صحیح راستہ دکھا دیتے ہیں۔ اور خدا تو بالیقین احسان کرنے والوں کے ساتھ ہے" بالکل اسی مضمون یعنی جناب امیر المومنینؑ کے متعلق عام لوگوں کے تین گروہوں میں تقسیم ہو جانے اور پھر دو

گروہوں کے ہلاک اور تیسرے گروہ کے ناجی ہونے کے بارے میں جناب رسولِ خداؐ کا ارشاد مجلد ہفتم بحار ص۲۴۰ پر موجود ہے۔

غلو و تفویض کی مذمت ارشاداتِ معصومینؑ کی روشنی میں

باوجودیکہ حکمائے اسلام یعنی آئمہ طاہرین علیہم السلام نے لوگوں کو افراط و تفریط سے بچانے، ضلالت و غوایت کی ان تیرہ و تار وادیوں سے نکالنے اور ان کو جادۂ اعتدال پر چلانے کے متعلق کوئی امکانی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا لیکن بموجب افانت تنقذ من فی النار جنہوں نے ہلاک و برباد ہونا تھا وہ ہلاک ہو کر ہی رہے سچ ہے ؎ جنہیں ہو ڈوبنا وہ ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں

ائمہ اطہارؑ کے اخبار کے اس انبار سے بطور نمونہ مشتے از خروارے چند احادیث پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) سید الاولین والآخرین حضرت خاتم النبیینؐ اپنے حق میں افراط و غلو کرنے کی ممانعت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ لا ترفعونی فوق حقی فان اللہ تبارک وتعالیٰ اتخذنی عبداً قبل ان یتخذنی نبیاً مجھے میرے حقیقی مرتبہ و مقام سے زیادہ نہ بڑھاؤ کیونکہ خداوند عالم نے مجھے درجۂ نبوت عطا کرنے سے قبل اپنا بندۂ خاص بنایا ہے خدا کا ارشاد ہے "ماکان لبشر ان یؤتیه اللہ الکتاب والحکم والنبوۃ ثم یقول للناس کونوا عباداً لی من دون اللہ"۔ "کسی بشر کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ خدا اُسے کتاب، حکم اور نبوت عطا فرمائے اور پھر وہ لوگوں سے یہ کہے کہ تم اللہ سبحانہ کے سوا میرے بندے بن جاؤ۔" (عیون اخبار الرضاؑ کذا فی التفسیر الصافی ص۷۹ وسابع البحار ص۲۳ باب [illegible] طبع قدیم

(۲) اسی سلسلہ میں سر اللہ فی العالمین حضرت امیر المومنینؑ فرماتے ہیں یہلک فیّ اثنان ولا ذنب لی محبّ مفرط و مبغض مفرط وانا ابرأ الی اللہ تبارک وتعالیٰ ممن یغلو فینا ویرفعنا فوق حدنا کبرأۃ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام من النصاریٰ الخ "میرے متعلق دو قسم کے لوگ ہلاک ہو جائیں گے حالانکہ اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ ایک حد سے بڑھانے والا (نام نہاد) دوست اور دوسرا حد سے گھٹانے والا (بدبخت) دشمن، میں بارگاہ ایزدی میں ان لوگوں سے جو ہمارے متعلق غلو کرتے ہیں اور ہمیں ہماری حدود سے بڑھاتے ہیں۔ اسی طرح اپنی برأت کا اظہار کرتا ہوں جس طرح حضرت عیسیٰ بن مریمؑ نے نصرانیوں سے برأت ظاہر کی تھی" (عیون اخبار الرضا ص۳۲۶ ج۲) یہی فرمان امام علیہ السلام نہج البلاغہ ج۲ ص۱۱ طبع مصر پر تھوڑے سے اختلافِ الفاظ کے ساتھ موجود ہے اس کے آخر میں ہے "وخیر الناس فی حالا النمط الاوسط فالزموہ" "میرے متعلق قابلِ تعریف حالت درمیانہ روی اختیار کرنے والوں کی ہے تم اسی طریقہ کو لازم پکڑو۔"

(۳) جناب ابو خالد کابلیؒ بیان کرتے ہیں۔ میں نے حضرت امام زین العابدینؑ سے سنا۔ فرماتے تھے کہ یہودیوں نے جناب عزیرؑ کی محبت میں مبتلا ہو کر ان کے حق میں جو کہا سو کہا۔ (انہوں نے ان کو خدا کا بیٹا کہا) نہ عزیر ان سے ہیں اور نہ وہ عزیرؑ سے ہیں۔ اسی طرح نصرانیوں نے محبتِ عیسیٰؑ میں گرفتار ہو کر ان کے متعلق جو کچھ کہا سو کہا (انہوں نے

بھی ان کو خدا کا بیٹا کہا۔ نہ جناب عیسٰیؑ ان سے ہیں اور نہ وہ جناب عیسیٰؑ سے ہیں۔ ہمارا معاملہ بھی یہی ہے ان ق
من شیعتنا سیحبونا حتی یقولوا فینا ما قالت الیہود فی عزیر وما قالت النصاریٰ فی عیسیٰ بن مر
فلا ھم منا ولا نحن منھم۔ ہمارے شیعہ کہلانے والوں میں سے بھی کچھ لوگ ہمارے متعلق وہی کچھ کہیں گے
جو کچھ یہودیوں نے عزیرؑ اور نصرانیوں نے عیسٰیؑ کے بارہ میں کہا تھا۔ نہ وہ ہم سے ہیں اور نہ ہم اُن سے ہیں (رجال کشی ص۹۹)

(۴) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ابو بصیر سے فرماتے ہیں یا ابا محمد ابرأ ممن زعم انا ارباب
اے ابو محمد! ان لوگوں سے اپنی بیزاری ظاہر کرو جو یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم رب ہیں۔ قلت بریٔ اللہ منہ میں نے عر
کیا خدا ان سے بیزار ہو؟ پھر آپؑ نے فرمایا ابرأ ممن زعم انا انبیاء ان لوگوں سے بھی بیزاری ظاہر کرو جو ہما
بارے میں یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم نبی ہیں۔ میں نے عرض کیا بری اللہ منہ خدا ان سے بیزار ہو۔ (رجال کشی ص۱۹۲)

(۵) نیز انہی حضرت سے ایک حدیث کے ضمن میں مروی ہے فرمایا الویل لمن کذب علینا وان قوماً یقولو
فینا ما لا نقولہ فی انفسنا نبرأ الی اللہ منھم نبرأ الی اللہ منھم (رجال کشی ص[illegible]) افسوس ہے ان لوگو
جو ہمارے اوپر افترا کرتے ہیں اور کچھ لوگ ہمارے بارے میں ایسی باتیں کہتے ہیں۔ جو ہم خود اپنے بارے میں نہیں کہتے۔
خدا کی بارگاہ میں ان سے اپنی بیزاری ظاہر کرتے ہیں (دو بار فرمایا)

(۶) نیز انہی سرکارؑ سے منقول ہے فرمایا من قال انا انبیاء فعلیہ لعنۃ اللہ ومن شک فی ذلک فعلیہ
لعنۃ اللہ جو شخص یہ کہے کہ ہم نبی ہیں اس پر خدا کی لعنت ہو اور جو اس میں شک کرے اس پر بھی خدا کی لعنت ہو
(رجال کشی ص۱۹۳) (۷) نیز حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں لعن اللہ من قال فینا ما لا نقولہ فی انفس
ولعن اللہ من ازالنا عن عبودیۃ اللہ الذی خلقنا والیہ مآبنا ومعادنا وبیدہ نواصینا (رجال امتقانی ج۳ ص۲۳
ومشکوٰۃ الاسرار ص۲۳) "خدا اس بندے پر لعنت کرے جو ہمارے متعلق وہ بات کہے جو ہم خود اپنے متعلق نہیں کہتے اور
ہمیں اس خدا کی بندگی سے ہٹائے جس نے ہمیں پیدا کیا ہے اور پھر اسی کی طرف ہماری بازگشت ہے اور اسی کے قبضۂ
قدرت میں ہماری بست وکشاد ہے۔

(۸) مفضلؒ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت صادق آل محمدؑ کی خدمت میں ابو الخطاب (غالی) اور بعض
دوسرے غالیوں کا ذکر چھڑ گیا۔ آنجنابؑ نے فرمایا یا مفضل لا تقاعدوھم ولا تواکلوھم ولا تشاربوھم
ولا تصافحوھم ولا توارثوھم (رجال کشی ص۱۹۲ کذا فی رجال المامقانی ج۳ ص۱۹ وسفینۃ البحار ص۳۳۳) "اے
مفضل! نہ ان کے پاس بیٹھو نہ ان کے ہمراہ کھاؤ پیو۔ نہ ان کے ساتھ مصافحہ کرو۔ اور نہ ان کو وراثت میں شریک کرو۔
جناب علامہ مجلسیؒ اس حدیث شریف کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں "قولہ لا توارثوھم ای لا تعطوھم المیراث
فانھم مشرکون لا یرثون من المسلم ولا تواصلوھم بالمصاھرۃ الموجبۃ للتوارث الخ یعنی ان کو میراث

نہ دو کیونکہ یہ مشرک ہیں اس لئے مسلمان کے وارث نہیں بن سکتے۔ اور نہ ان کو رشتہ دو اور نہ ان سے لو جو توارث کا باعث ہوتا ہے۔ (ہفتم بحار ص ۲۴۵)

(۹) حضرت امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں۔ من زعم ان اللہ عزوجل فوض امر الخلق والرزق الی حججہ فقد قال بالتفویض والقائل بالجبر کافر والقائل بالتفویض مشرک (عیون اخبار الرضاؑ ص ۱۲۴ و احتجاج طبرسی ص ۲۲۴) جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ خداوند عالم نے پیدا کرنے اور رزق دینے کا معاملہ ائمہ علیہم السلام کے سپرد فرمایا ہے وہ تفویض کا قائل ہے۔ جبر کا قائل کافر اور تفویض کا قائل مشرک ہے

(۱۰) نیز بروایت حسین بن خالد انہی حضرت سے مروی ہے فرمایا یا بن خالد انما وضع عنا الاخبار فی التشبیہ والجبر الغلاۃ الذین صغروا عظمۃ اللہ تعالیٰ فمن احبہم فقد ابغضنا ومن ابغضہم فقد احبنا ومن والاہم فقد عادانا ومن عاداہم فقد والانا ومن وصلہم فقد قطعنا ومن قطعہم فقد وصلنا ومن جفاہم فقد برنا ومن برہم فقد جفانا ومن اکرمہم فقد اہاننا ومن اہانہم فقد اکرمنا ومن قبلہم فقد ردّنا ومن ردہم فقد قبلنا ومن احسن الیہم فقد اساء الینا ومن اساء الیہم فقد احسن الینا ومن صدقہم فقد کذّبنا ومن کذبہم فقد صدقنا ومن اعطاہم فقد حرمنا ومن حرمہم فقد اعطانا یا بن خالد من کان من شیعتنا فلا یتخذن منہم ولیا ولا نصیرا۔

اے فرزند خالد جبر و تشبیہ کے متعلق ہماری طرف جو اخبار منسوب ہیں۔ یہ سب غالیوں نے گھڑی ہیں وہ غالی جو اللہ سبحانہ کی عظمت و جلالت کو گھٹاتے ہیں۔ پس جو شخص ان سے محبت کرتا ہے وہ ہم سے بغض رکھتا ہے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے وہ ہم سے محبت کرتا ہے جو ان سے دوستی رکھتا ہے وہ ہم سے دشمنی رکھتا ہے۔ جو ان سے دشمنی رکھتا ہے وہ ہم سے دوستی رکھتا ہے۔ جو ان سے وصل کرتا ہے وہ ہم سے قطع کرتا ہے جو ان سے قطع تعلق کرتا ہے وہ ہم سے وصل کرتا ہے جو ان پر جفا کرتا ہے وہ ہم سے نیکی کرتا ہے۔ جو ان کے ساتھ نیکی کرتا ہے وہ ہم پر جفا کرتا ہے جو ان کا اکرام و احترام کرتا ہے وہ ہماری توہین کرتا ہے اور جو ان کی توہین کرتا ہے وہ ہمارا احترام کرتا ہے جو انہیں قبول کرتا ہے وہ ہمیں رد کرتا ہے اور جو ان کو ٹھکراتا ہے وہ ہمیں قبول کرتا ہے۔ جو ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے وہ ہم سے برا سلوک کرتا ہے۔ جو ان سے برا سلوک کرتا ہے وہ ہم سے اچھا سلوک کرتا ہے جو ان کی تصدیق کرتا ہے وہ ہماری تکذیب کرتا ہے۔ جو ان کی تکذیب کرتا ہے وہ ہماری تصدیق کرتا ہے جو ان کو دیتا ہے وہ ہمیں محروم کرتا ہے اور جو ان کو محروم کرتا ہے وہ ہمیں دیتا ہے۔

اے فرزند خالد جو شخص بھی ہمارے شیعوں میں سے ہے اس پر لازم ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے کسی کو نہ اپنا دوست اور نہ مددگار بنائے۔ (عیون اخبار الرضاؑ باب ص ۹۵ کذا فی سابع البحار ص ۳۳)

(۱) فضل بن یسار بیان کرتے ہیں کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا "احذروا علی شبابکم الغلا
لا یفسدوهم فان الغلاة شر خلق الله یصغرون عظمة الله، ویدّعون الربوبیة لعباد الله، و الله
ان الغلاة لشر من الیهود و النصاریٰ و المجوس و الذین اشرکوا" یعنی اپنے نوجوانوں کے متعلق غالیو
(کی میل جول) سے ڈرو۔ کہیں یہ (کمبخت) ان (کے عقیدہ و عمل) کو خراب نہ کر دیں کیونکہ یہ غالی لوگ خدا کی تمام (
مخلوق سے بدتر ہیں۔ جو خدا کی عظمت کو حقیر جانتے ہوئے اس کے بندوں کے لئے ربوبیت کا دعوے کرتے ہیں۔ خدا
قسم یہ غالی۔ یہودیوں، نصرانیوں، مجوسیوں اور تمام مشرکوں سے بدتر ہیں (بحار ج ۷، ص ۳۳۵)

(۲) علی بن سالم اپنے (والد سالم) سے روایت کرتے ہیں کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔
ادنیٰ ما یخرج منه الرجل من الایمان ان یجلس الی غال فیستمع حدیثه و یصدقه علی قوله، ان
حدثنی عن ابیه عن جده علیهم السلام ان رسول اللهؐ قال صنفان من امتی لا نصیب لهم
فی الاسلام الغلاة و القدریة" یعنی کم از کم وہ چیز جس کی وجہ سے آدمی دائرۂ ایمان سے خارج ہو جاتا ہ
یہ ہے کہ کسی غالی کے پاس بیٹھے اور توجہ سے اس کی بات سن کر تصدیق کر دے میرے والد ماجد نے اپنے اب
سے مجھ تک جناب رسول خدا کی یہ حدیث پہنچائی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا میری اُمت کے دو گروہ ایسے ہیں ج
اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ ایک غالی، دوسرا قدریہ (جلد ہفتم بحار ص ۳۳۹)

(۳) ابو حمزہ ثمالی جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا یا ابا حمزة! لا تضع
علیاً دون ما رفعه الله، ولا ترفعه فوق ما رفعه الله کفیٰ بعلیٍّ ان یقاتل اهل الکرة و یزوّج اهل الج
اے ابو حمزہ تو علیؑ کو اس مقام (منزل) سے پست کر جس پر خدا نے ان کو فائز کیا ہے اور نہ اس حد سے ان کو بلند تر کر
جس قدر خدا نے انہیں بلند کیا ہے۔ جناب علیؑ (کی عظمت کے لئے) اتنی بات ہی کافی ہے کہ وہ زمانہ رجعت میں جنگ
جدال کریں اور اہل جنت کی تزویج فرمائیں (بصائر الدرجات طبع جدید ص ۴۱۵ ہفتم بحار ص ۳۴۴)

(۴) ابو ہاشم جعفری بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام رضا علیہ السلام سے غلاة و مفوضہ کے بارے میں سوال ک
نے فرمایا الغلاة کفار و المفوضة مشرکون من جالسهم او خالطهم او آکلهم او شاربهم او واصل
او زوجهم او تزوج الیهم او امنهم او ائتمنهم علی امانة او صدق حدیثهم او اعانهم بشطر کلم
خرج من ولایة الله عز و جل و ولایة رسول اللهؐ و ولایتنا اهل البیت غالی کافر اور مفوضہ مش
ہیں۔ جو شخص ان لوگوں کے پاس بیٹھے یا ان سے میل جول رکھے یا ان کے ساتھ مل کر کھائے پیئے یا ان کے ساتھ تعلقات
کرے یا ان کو رشتہ دے یا ان سے رشتہ لے یا ان کا امین بنے یا کسی امانت پر ان کو امین بنائے۔ یا ان کی کسی بات
تصدیق کرے یا ان کی اعانت و امداد کرے اگرچہ جزو کلمہ کے ساتھ ہی ہو تو وہ خدا اور رسولؐ اور ہم اہل بیت ک

سے خارج ہو جاتا ہے (عیون الاخبار ج ۲ ص ۲۵۳ طبع جدید، ہفتم بحار ص ۳۴۲)

(۱۵) فضیل بن عثمان روایت کرتے ہیں کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اتقوا اللہ وعظموا اللہ وعظموا رسوله ولا تفضلوا على رسول الله احداً فان الله تبارك وتعالى قد فضله واحبوا اهل بيت نبيكم حباً مقتصداً ولا تغلوا ولا تفرقوا ولا تقولوا ما لا نقول فانكم ان قلتم وقلنا متم ومتنا ثم بعثكم وبعثنا فكنا حيث يشاء الله وكنتم" اللہ سے ڈرو۔ اور اس کی عظمت وجلالت کا خیال رکھو۔ اسی طرح اس کے رسولؐ کی تکریم وتعظیم کرو۔ اور کسی کو بھی ان پر فضیلت نہ دو۔ کیونکہ خداوند عالم نے آنحضرتؐ کو سب کائنات پر فضیلت دی ہے اور اہل بیت رسولؐ سے درمیانہ قسم کی محبت کرو۔ نہ غلو کرو اور نہ باہم تفریق اور ہمارے متعلق، وہ بات نہ کرو جو ہم نہیں کہتے۔ کیونکہ اگر تم نے ایسا کیا یعنی ہم نے کچھ کہا اور تم نے کچھ تو ہم بھی مریں گے اور تم بھی۔ پھر خدا ہمیں اور تمہیں مبعوث ومحشور کرے گا۔ پھر جہاں چاہے گا ہم اور تم ہوں گے یعنی تم ہم سے الگ ہو گے اور ہماری زیارت سے محروم رہو گے۔ (بحار الانوار ج ، ص ۳۴۹)

(۱۶) متعدد اخبار وآثار میں مذکور ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے اپنے ظاہری دور خلافت میں اپنے متعلق غلو کرنے والوں کو زندہ نذر آتش کر دیا تھا۔ (ہفتم بحار ص ۳۴۹ منہاج البراعۃ ج ۴ ص ۳۵۵)

ان اخبار معصومینؑ میں جس شد ومد کے ساتھ غلاۃ کی مذمت کی گئی ہے اور جس طرح ان کو یہودیوں اور مجوسیوں سے بدتر قرار دے کر کافر قرار دیا گیا ہے اور ائمہ طاہرینؑ نے جس انداز میں اپنے نام لیواؤں کو اس بدترین خلائق گروہ کی مجالست وہم نشینی سے سخت ممانعت فرمائی ہے وہ اب مزید کسی تبصرہ کی محتاج نہیں ہے "آنچہ عیاں است چہ حاجت بیان است"۔ انہی حقائق کی بنا پر عالم ربانی شیخ عبد اللہ مامقانی نے فرمایا ہے "اجمع العلماء على كفر الغلاة" غالیوں کے کفر پر تمام علماء وفقہاء کا اجماع واتفاق ہے (تنقیح المقال ج ۳ ص ۳۹۸) فلا غلو ولا تفويض ولا تقصير ولا تفريط في الاسلام وصل حب اهل البيت عليهم السلام بل امر بين الامرين كما لا يخفى على اولى الافهام وفقنا الله للعمل على تعاليم القرآن وتعاليم النبي واهلبيته عليه وعليهم السلام

توضیح ۱: مخفی نہ رہے کہ ان احادیث شریفہ میں جہاں جہاں تفویض کی مذمت کی گئی ہے وہ فرقہ مفوضہ کے ساتھ مخصوص ہے ہی لیکن جہاں جہاں غلو اور غالیوں کی شدید مذمت کی گئی ہے اس میں بھی مفوضہ شریک ہیں کیونکہ مفوضہ بھی غالیوں کی ہی ایک خاص قسم ہے جیسا کہ حضرت شیخ مفید علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں "والمفوضة صنف من الغلاة وقولهم الذي فارقوا به من سواهم من الغلاة اعترافهم بحدوث الائمة وخلقهم ونفي القدم عنهم واضافة الخلق والرزق مع ذلك اليهم ودعواهم ان الله سبحانه وتعالى تفرد بخلقهم خاصة وانه فوض اليهم خلق العالم بما فيه وجميع الافعال۔" یعنی مفوضہ غالیوں کی ہی ایک قسم ہیں۔ ہاں جس بات میں وہ

دوسرے عام غالیوں سے جدا ہیں وہ یہ ہے کہ وہ ائمہ کو حادث ومخلوق تسلیم کرتے ہیں اور ان کو قدیم نہیں سمجھتے۔ لیکن ا اعتراف کے باوجود وہ خلق ورزق کو انہی بزرگواروں کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ خدا نے صرف محمدؐ و آلِ محمدؐ کو پیدا کیا ہے پھر اس نے عالم وما فیہ کی خلقت ان حضرات کے سپرد کر دی ہے لہٰذا وہی اس کے خالق ہیں (شرح عقائد صدوق ص۲۳) ایسا ہی افادہ جناب آقائے شیخ فضل اللہ زنجانی (شیعہ) نے اوائل المقالات شیخ المفیدؒ کے حاشیہ ص۴۶ پر فرمایا ہے۔ نیز ان آیات وروایات سے یہ حقیقت بھی بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ان ذواتِ مقدسہ کے فی الجملہ کچھ حدود ہیں۔ (وکل مخلوق محدود) جن سے اگر ان کو بڑھایا جائے تو انسان غلو وافراط میں مبتلا ہو کر ابدی ہلاکت کا شکار ہو جاتا ہے ظاہر ہے کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ بزرگوار بار بار یہ نہ فرماتے کہ ہمیں ہمارے حدود سے آگے نہ بڑھاؤ۔ کیونکہ جب ان کی کوئی حد تسلیم نہ کی جائے تو پھر اس سے بڑھانے یا اس بڑھانے کی ممانعت کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ایک عظیم شبہ اور اس کا ازالہ

بعض وہ لوگ جو راسخ فی الافراط ہیں وہ تو یہاں تک کہہ دیا کرتے ہیں۔ کہ ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے حق میں سرے سے غلو ہو ہی نہیں سکتا اور در حقیقت ان کی مدح میں ہمارا غلو بھی قاصر ہے اور اس سلسلہ میں وہ بعض عقلی ونقلی شبہات بھی پیش کرتے ہیں۔ مثلاً یہ عقلی شبہ کہ غلو حد سے بڑھنے یا بڑھانے کا نام ہے۔ مگر جب ہمیں ائمہ اطہارؑ کی حد ہی معلوم نہیں ہے تو پھر ان کے حق میں غلو کیونکر ہو سکتا ہے؟ اور نقلی شبہ یہ کہ کئی روایات میں باختلافِ الفاظ وارد ہے کہ لاتدعونا اربابا یا نزلونا عن الربوبیة ثم قولوا فی فضلنا ما شئتم ولن تبلغوا " ہمیں رب نہ کہو پھر جو جی چاہے ہمارے حق میں بیان کرو۔ ہرگز ہماری حقیقت تک نہیں پہنچ سکتے " (بصائر الدرجات و بحار الانوار وغیرہ) اگرچہ ہم احسن الفوائد میں اس شبہ کا مفصل جواب لکھ چکے ہیں تاہم مناسبت مقام کی بنا پر یہاں بھی کچھ حقائق پیش کئے جاتے ہیں سو واضح ہو کہ یہ شبہ بچند وجوہ باطل اور درجۂ اعتبار سے ساقط ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ یہ شبہ محض جوشِ خطابت وعقیدت کی پیداوار ہے جسے حقیقت سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے یہ کہنا کہ ہمیں ان بزرگواروں کی حدود کا بالکل کچھ بھی پتہ نہیں لہٰذا غلو نہیں ہو سکتا کس قدر بعید از حقیقت بات ہے ہمیں یقیناً ان ذواتِ مقدسہ کے کچھ ایجابی وسلبی حدود وقیود کا علم ہے کیا ان کو خدا یا رسولؐ کہنے یا صفات خداوندی میں شریک قرار دینا ان کے حدود سے تجاوز نہیں؟ اور کیا یہ کھلا ہوا غلو نہیں؟ اسی طرح اگر یہ کہا جائے کہ ان کی عبادت کرنا چاہئے یا خدا ان میں حلول کرتا ہے یا یہ خدا کے اوتار ہیں یا وہ خدا کے ساتھ متحد ہیں یہ واضح تجاوز عن الحد نہیں ہے؟ نیز اگر ان کو مربوب کی بجائے رب، عابد کی بجائے معبود، مرزوق کی جگہ رازق، حادث کی جگہ قدیم، ممکن کی بجائے واجب الوجود کہا جائے تو کیا یہ کھلم کھلا غلو اور ان کے حدود عبودیت سے تجاوز نہیں؟ اتنا تو ہمارے یہ مولوی صاحبان بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ان کو بالذات خالق ورازق اور بالذات عالم الغیب کہنا غلو ہے پھر ان کا یہ کلیہ کہاں گیا کہ ان کے حق می

غلو ممکن ہی نہیں ہے جس طرح خدا کے کچھ صفاتِ ثبوتیہ (جو اس کی شان کے لائق ہیں) اور کچھ صفاتِ سلبیہ (جو اس کی شان اقدس کے لائق نہیں) ہیں۔ ان کے متعلق اس کی معرفت لازم ہے مگر بایں ہمہ پھر بھی وہ ان محدود و محاط نہیں ہو جاتا۔ بلا تشبیہ ائمہ علیہم السلام کے بھی کچھ ایجابی و سلبی صفات ہیں۔ ان کے مطابق ان کو ماننا واجب ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ پھر بھی من کل الوجوہ محدود اور جاری مانند نہیں ہو جاتے۔ بنابریں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر ان کو نہ رب کہا جائے اور نہ ان کو ان صفات کا حامل قرار دیا جائے جو عہدۂ جلیلہ ربوبیت کے ساتھ مختص ہیں۔ اور نہ ان کی نبوت و رسالت کا ادعا کیا جائے۔ تو پھر وہ تمام صفات و کمالات علمیہ و عملیہ اور فضائل (فواضل نفسانیہ و روحانیہ جو کسی بھی مخلوق میں پائے جا سکتے ہیں وہ تمام کے تمام ان ذواتِ مقدسہ میں بدرجۂ اتم و اکمل موجود ہیں اور ان کی شان اور ان کا مقام فی الواقع اس قدر اجل و ارفع ہے کہ عام انسانی طائرِ عقل و خیال ان کی بلندی کو چھو بھی نہیں سکتا۔ (لا یرقی الی الطیر وینحدر عنی السیل نہج البلاغہ) اور نہ ہی عام انسان ان کے محامد و مناقب کا احصاء و احاطہ کر سکتا ہے (لو کانت الریاض اقلاماً والبحار مداداً والانس کتاباً والجن حساباً لما احصوا فضائل علی بن ابی طالب غایۃ المرام وغیرہ) اور نہ ہی انسانی فہم و فراست ان کی عظمت و جلالت کا صحیح اندازہ کر سکتی ہے (الامام من حیث النجم من ایدی المتناولین۔ اصول کافی۔)

صفاتِ ربوبی کون سی ہیں؟

اب صرف اس بات کی تحقیق باقی رہ گئی کہ رب کے شرعاً معنی کیا ہیں؟ اور وہ کونسی صفات ہیں جو عہدۂ ربوبیت کے ساتھ مختص ہیں؟ جو کچھ ارشاداتِ معصومینؑ سے ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ شرعی نقطۂ نظر سے رب اُس ذات کو کہا جاتا ہے جو خالق و رازق و مالکِ دو جہان اور ساری کائنات کا ناظم و مدبر الامور ہے چنانچہ تفسیر صافی (ص۲۳) پر حضرت امیر المومنینؑ سے اس کے یہ معنی مذکور ہیں "یعنی مالکہم و خالقہم و سائق ارزاقہم الیہم من حیث یعلمون و من حیث لا یعلمون یقلب الحیوانات فی قدرتہ و یغذوہا من رزقہ و یحوطہا بکنفہ و یدبر کلاً منہا بمصلحتہ و یمسک الجمادات بقدرتہ و یمسک ما اتصل منہا من التہافت والمتہافت عن التلاصق والسماء ان تقع علی الارض الا باذنہ والارض ان ینخسف الا بامرہ" یعنی ہر مخلوق کا مالک اور خالق اور وہاں سے ان تک ان کا رزق پہنچانے والا ہے جہاں سے ان کو گمان ہو یا نہ ہو وہ تمام حیوانات کو اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ الٹتا پلٹتا ہے اور اپنے رزق سے ان کی غذا کا بندوبست کرتا ہے اور اپنی حفاظت سے ان کا احاطہ کئے ہوئے ہے اپنی صوابدید کے مطابق ہر ایک کی تدبیر کرتا ہے۔ جمادات کو اپنی قدرتِ مطلقہ کے ساتھ روک رکھا ہے وہ ان (جمادات) میں سے جو متصل ہیں ان کو ایک دوسرے سے جدا نہیں ہونے دیتا۔ اور جو منفصل (جدا) ہیں ان کو باہم متصل نہیں ہونے دیتا اور آسمان کو گرنے اور زمین کو پانی میں دھنسنے سے بچاتا ہے۔ (دمعۂ ساکبہ ص۴۹ مختصراً علل الشرائع ص۱۳۱ کذا فی عیون الاخبار ص۱۸۵ وحدیقۂ سلطانیہ ج ۳ ص۱۷۱ وغیرہ)

بنا بریں "نزلونا عن الربوبیة" ہمیں درجہ ربوبیت سے نیچے رکھو" یا "لا تتخذونا اربابا" ہمیں رب نہ کہو" کا کوئی صاحب عقل و دانش انسان یہ مطلب ہرگز نہیں لے سکتا کہ ان پر صرف لفظ رب کا اطلاق ممنوع ہے (جو کہ لغوی معنی کے اعتبار سے ہر تربیت کنندہ پر بولا جا سکتا ہے جس کا سہارا لے کر اور اس کے شرعی مفہوم سے آنکھیں بند کر کے بعض حضرات نے عجیب گل کھلائے ہیں فتدبر) باقی جو چاہے صفات ربوبیت ان میں تسلیم کر لی جائیں۔ یا خود ساختہ اور من گھڑت فضائل ان کی طرف منسوب کر دیئے جائیں۔ حاشا و کلا۔ بلکہ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ تمام صفات جو عہدۂ ربوبیت کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں جن کا ایک شمہ ابھی اوپر بیان کیا گیا ہے ان تمام صفات کا ان حضرات میں قائل ہونا شرعاً ممنوع اور ناجائز ہے۔ کما لا یخفیٰ علی من له ادنی المام باسالیب الکلام ولا سیما بکلام الائمة علیهم السلام۔ الذی هو امام الکلام۔

ذیل میں اس بیان کردہ صاف و صریح مفہوم و معنی کی تائید بعض علماء اعلام کے کلام حق ترجمان سے کی جاتی ہے تاکہ یہ مطلب بالکل آشکار اور بے غبار ہو جائے۔

کن کن صورتوں میں غلو لازم آتا ہے؟

(۱) سرکار علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نبی و امام کے حق میں غلو کا مفہوم بیان کرتے ہوئے بحار الانوار ج ۲۵ ص ۳۴۵ طبع تبریز میں رقمطراز ہیں:۔ اعلم ان الغلو فی النبی والائمة علیهم الصلوٰة والسلام انما یکون بالقول بالوهیتهم او بکونهم شرکاء لله تعالیٰ فی المعبودیة او فی الخلق والرزق او ان الله تعالیٰ حل فیهم او اتحد بهم او انهم یعلمون الغیب بغیر وحی او الهام من الله تعالیٰ او بالقول فی الائمة علیهم السلام انهم کانوا انبیاء او بتناسخ ارواح بعضهم الی بعض او القول بان معرفتهم تغنی عن جمیع الطاعات ولا تکلیف معها بترک المعاصی والقول بکل منها الحاد وکفر وخروج عن الدین کما دلت علیه الادلة العقلیة والآیات والاخبار السالفة وغیرها وقد عرفت ان الائمة علیهم السلام تبرؤا منهم وحکموا بکفرهم وامروا بقتلهم وان قرع سمعک شیء من الاخبار الموهمة لشیء من ذلک فهی اما مأولة او هی من مفتریات الغلاة۔ ولکن افرط بعض المتکلمین والمحدثین فی الغلو لقصورهم من معرفة الائمة علیهم السلام وعجزهم عن ادراک غرائب احوالهم وعجائب شئونهم فقدحوا فی کثیر من الرواة الثقات لنقلهم بعض غرائب المعجزات حتی قال بعضهم من الغلو نفی السهو عنهم او القول بانهم یعلمون ما کان وما یکون وغیر ذلک مع انه قد ورد فی اخبار کثیرة لا تقولوا فینا ربا وقولوا ما شئتم ولن تبلغوا وورد ان امرنا صعب مستصعب لا یحمله الا ملک مقرب او نبی مرسل او عبد مؤمن امتحن الله

از احادیث فضائل موضوع ومخالف اصول قطعیۂ منقول ومشروع باشد انکار آں واجب ولازم است وآنچہ از فضائل باخبار احاد ماثور باشد۔ ومخالف ضروریات وقطعیات نباشد، آں را بمحض استبعاد رد نمی تواں کرد ونہ بالجزم والیقین اعتقاد بآں تواں کرد بلکہ علم آں را حوالہ بحضرات وذواتِ طیبات باید نمود واستنکاف ازاں نتواں فرمود الخ یعنی میں کہتا ہوں کہ اس مقام کی تفصیل بلکہ تحقیق یہ ہے کہ غلو ممنوع صرف انہی صورتوں میں منحصر نہیں جن کا تذکرہ سرکار علامہ نے فرمایا ہے بلکہ وہ تمام صفات جو ذاتِ اقدس الٰہی کے ساتھ خاص ہیں جیسے قدیم وازلی ہونا، اور جسم وجسمانیات سے مجرد اور زمان ومکان سے منزہ ہونا ان صفات کا ان کی ذواتِ مقدسہ میں تسلیم کرنا۔ اسی طرح ان کو نبی ورسول ماننا اور ہر اس چیز کا ان حضرات کے متعلق قائل ہونا جو ضرورتِ دین اور قطعی براہین کے خلاف ہے یہ سب غلو اور کفر ہے۔ ہاں ان کے مدارج رفیعہ ومراتبِ عالیہ از قسم معجزات وخوارقِ عادات جو دلائل قاطعہ واحادیث متواترہ سے ثابت ہیں ان کا قائل ہونا عین ایمان اور واجب الاذعان ہے البتہ وہ فضائل جو وضعی اور مخالف اصولِ شرعیہ اخبار وآثار کے ذریعہ منقول ہوں۔ ان کا رد کرنا واجب ولازم ہے اور وہ فضائل جو اخبار احاد کے ذریعہ منقول ہوں۔ اور ضروریاتِ دین وقطعیات شرع قویم کے مخالف بھی نہ ہوں، ان کو نہ تو محض عقلی استبعاد کی بنا پر مسترد کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی ان پر بالیقین اعتقاد رکھا جا سکتا ہے۔ بلکہ ان کے حقیقی علم کو ان ہی ذواتِ مقدسہ کے سپرد کرنا چاہیے۔ اور انکار نہ کرنا چاہیے[1]۔

(۳) محدثِ خبیر مولانا ابو الحسن الشریف مرآۃ الانوار میں غلو کے متعلق مباحثِ طویلہ لکھنے کے بعد آخر میں ص۶۵ پر بطور خلاصہ لکھتے ہیں "وبالجملہ مناط الحکم بالافراط والدخول فی الغلو ادعاء الربوبیۃ لغیر الرب وادعاء النبوۃ لغیر النبی او ادعاء الامامۃ لغیر الامام کما ھو صریح حدیث الحسن بن الجہم المذکور فی عیون الاخبار (ج ۲ ص۲۰۲) عن الرضا علیہ السلام حیث قال بعد ان ذکر کفر الغلو وابرائہ منہ فمن ادعیٰ للائمۃ نبوۃ او لغیر الائمۃ امامۃ فنحن منہ براء فی الدنیا والآخرۃ وعلیٰ ھٰذا یدخل المخالفون ایضاً فی الغلاۃ (الیٰ ان قال) وتامل فیما ذکرنا صادقاً حتیٰ تعرف ان الحق الذی علیہ محققوا اصحابنا المحققین من المتقدمین والمتاخرین فی غیر ھٰذین الصنفین الافراط والتفریط بل ھو ان رب العالمین وخالق الخلائق ورازقہم اجمعین ھو اللہ وحدہ القدی

---

[1] جناب آقا محسن مدظلہ نے صراط الحق ج ۲ ص۳۳۳-۳۳۴ پر بڑے پتے کی بات کہی ہے، ہم بغرضِ افادہ اسے من وعن یہاں درج کرتے ہیں اور صاحب "حدیقہ" اور صاحب "صراط حق" نے جو افادہ فرمایا ہے، اس موضوع پر ہماری تحقیق بھی یہی ہے اور اگر تعصب وضد کی پٹی آنکھوں سے اتار کر حقائق کا جائزہ لیا جائے تو کسی بھی صاحبِ عقل وانصاف کو اس میں شک وشبہ کرنے کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ (باقی بر ص۳۳)

القادر الّذی لاشریك له ولاشبیه وان رسوله محمدًا والائمة الاثنا عشر من ولده عبید الله مخلوقون مربوبون کسائر الخلق مکلّفون بلوازم العبودیة من فعل الطاعات وترك المناهی بلا احتمال النّبوة فی الائمة ولامدخلیة لهم ولا للنبی فیما هو من علائق الالوهیة وخصائص العبودیة الخ

یعنی خلاصہ کلام یہ ہے کہ افراط و غلو کا دارومدار اس امر پر ہے کہ غیر رب کی ربوبیت، غیر نبی کی نبوت یا غیر امام کی امامت کا دعویٰ کیا جائے۔ جیسا کہ امام رضا علیہ السلام کے ارشاد سے واضح ہے جس میں آپؑ فرماتے ہیں کہ جو شخص انبیاء کی ربوبیت یا ائمہ کی نبوت یا غیر امام کی امامت کا ادعا کرے ہم اس سے دنیا و آخرت میں بری و بیزار ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مخالفین بھی غالیوں میں داخل ......

درمیانہ راستہ

ہمارے مذکورہ بالا مطالب میں غور و تامل کرو۔ تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ عقیدۂ حقہ جس کے ہمارے تمام علماء محققین متقدمین و متاخرین قائل ہیں وہ ان ہر دو افراط و تفریط والے نظریوں کے برخلاف ہے اور وہ یہ ہے کہ عالمین کا پالنے والا اور ساری کائنات کا خالق و رازق خداوند قادر و قدیم ہی ہے جس کا کوئی شریک و سہیم نہیں ہے۔ جناب رسول خداؐ اور ائمہ ہدیٰؑ دوسری مخلوق کی مانند خدا کے بندے اور اس کی مخلوق ہیں۔ اور عبودیت و بندگی کے لوازم از قسم بجا آوری طاعات و ترک معاصی و مناہی پر کاربند ہیں۔ نہ ائمہ علیہم السلام میں نبوت کا احتمال ہے اور نہ سرکار محمد و آل محمد علیہ و علیہم السلام کو ان چیزوں میں کوئی دخل ہے جن کا تعلق شانِ الوہیت اور خصائص ربوبیت سے ہے انتہی کلامہ۔ بعد ازاں عبارت طویلہ میں جسے بوجہ خوفِ طوالت درج نہیں کیا جا سکتا ہے۔ یہ ثابت فرمایا ہے کہ یہ بزرگوار پہلی مخلوق اور علتِ غائی ممکنات اور علم و عمل میں تمام کائنات کے سید و سردار ہیں اور اپنے خصوصی مدارج و مراتب اور مدائح و مناقب کی بنا پر مخلوق خدا میں ان کی کوئی نظیر نہیں ہے۔ ان کی اطاعت خدا کی اطاعت اور ان کی نافرمانی خدا کی نافرمانی ہے۔ اور یہ بزرگوار ہمارے دینی و دنیوی راہنما اور بادشاہ ہیں۔ یہ تھا اس محدث جلیل کا بیان جس نے ائمہ اطہارؑ کے اس قدر ظاہری و باطنی فضائل و کمالات اپنی کتاب "مرآۃ الانوار" میں جمع کئے ہیں کہ ان سے زیادہ تو کیا شاید ان کے برابر بھی کسی اور عالم نے جمع نہ کئے ہوں۔" ولا ینبئك مثل خبیر۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۲

روایات فضائل کے ردّ و قبول کا معیار

بہرحال جناب موصوف تحریر فرماتے ہیں "اقول کل ما ورد من اوصاف النبیؐ والائمة بطریق صحیح معتمد ولم یکن له معارض من العقل والنقل ناخذ به ونلتزم به فانهم قوم معصومون وقولهم حجّة کما تقدم واما اذا لم یثبت کذلك فان کان مخالفاً للعقل او النقل فلا نقول به بل نعتقد عدمه وان لم یکن

(باقی ص ۳۴ پر)

(۴) مولانا سید محمد سبطین صاحب سرسوی نے مقدمہ کوکب دری[۵۵] پر معانی غلو کی تحقیق کرتے ہوئے تسلیم کیا ہے کہ مندرجہ ذیل صورتوں میں غلو لازم آتا ہے اور نبی اور امام میں غلو کے یہ معنی ہیں کہ ہم ان کی الوہیت کے قائل ہوں معبودیت میں ان کو شریک گردانیں اور خلق اور رزق میں ان کو خدا کا شریک مانیں کہ جس طرح خدا خلق کرتا ہے یہ بھی کرتے ہیں۔ اور جس طرح خدا رزق دیتا ہے یہ بھی اپنی مخلوق کو رزق دیتے ہیں، یا کہیں خدا نے ان کے اندر حلول کیا ہے اور یہ خدا کے اوتار ہیں یا انسانی صورت میں خدا ہیں۔ جس طرح ہندو اپنے اوتاروں کے قائل ہیں، یا کہیں یہ خدا کی ذات سے متحد ہیں۔ یہ اور خدا ایک ہی ہیں جس طرح عیسائی خدا، روح القدس اور عیسیٰ کو متحد الذات مانتے ہیں اور تینوں کو ایک کہتے ہیں یا یہ کہیں کہ وہ خود بالذات عالم الغیب ہیں۔ بغیر خدا کے الہام اور وحی کے خود بخود سب کو جانتے ہیں۔ یا ائمہ طاہرینؑ کو ہم مثل رسالتمآبؐ نبی سمجھیں تو یہ بھی غلو ہے یا ہم اس کے قائل ہوں کہ ان کی ارواح ایک ہی ہیں۔ تناسخ کے طور پر منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ اور مختلف اجسام میں حلول کرتی رہتی ہیں۔ یا یہ کہیں کہ دنیا میں بس ان کی معرفت کافی ہے خدا کی عبادت و طاعت کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور نہ گناہوں کے ترک کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ تمام باتیں کفر و الحاد و شرک و غلو ہیں اور ان کا قائل دین اسلام سے خارج اور ائمہؑ ان ہی اعتقادات سے بیزار تھے اور ان کے قائلین کے کفر کا حکم دیتے تھے۔"

ان حضرات کی یہ فرمائشات آویزۂ گوش بنانے کے قابل ہیں ؎

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جاں دوست تر دارند
جوانان سعادتمند پند پیر دانا را

زلونا عن الربوبیۃ کا صحیح مفہوم

جناب علامہ سید حسین لکھنوی اعلی اللہ مقامہ حدیقۂ سلطانیہ ج ۱ ص ۴۲ پر مذکورہ بالا شبہ کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں "تمسک بروایت نزلونا عن الربوبیۃ وقولوا فینا ما شئتم سراسر بے جا است۔ اما اولاً فلکونہا من اخبار الاحاد وھی لا تصلح للاستناد فی اصول الاعتقاد ثانیاً مراد از رب مالک و خالق و رازق است۔ چنانچہ روایت تفسیر

(بقیہ حاشیہ ص ۳۳) مخالفاً کما اذا ورد باسناد ضعیفۃ۔ او قال احد من العلماء باتصافہم بامر ممکن عقلاً ونقلاً لا نردہ ولا نقبلہ لعدم الدلیل۔ والنبی الاکرمؐ واوصیائہؑ وان کانوا افضل ما سوی اللہ ولہم فضائل عظیمۃ ومناقب عجیبۃ غریبۃ بل ورد فی بعض الاخبار لا تقولوا فینا رباً وقولوا ما شئتم لکن کل ذلک لا یوجب التفوہ بکل ما یراد۔ وان یخترع الانسان من عند نفسہ اموراً ولو ممکنۃ ویثبتہا لہمؑ فانہ من القول الزور والکذب المحرم بل ھو مرتبۃ من الغلو الباطل۔"

یعنی میں کہتا ہوں کہ پیغمبر اسلامؐ اور ائمہ علیہم السلام کے وہ اوصاف و کمالات جو قابل اعتماد اور صحیح طریقہ سے مروی ہیں۔

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام وارد است پس نسبت خلق ورزق بآں حضرت منافی تنزیل عن الربوبیۃ است وثانیاً بعد التنزیل میگوئیم کہ استدلال باین روایت تمسک بعموم است وقاعدہ ما من عام الا وقد خص دلالت بتخصیص وارد۔ چنانچہ عموم من قال لا الہ الا اللہ فدخل الجنۃ مستند نجات سائر فرق اسلامیہ نمی تواند بود، عموم این روایت نیز مستند نمی تواند شد، وکیف لا تکون مخصصۃ والحال انہ یجب تنزیههم عن الصفات المختصۃ بالربوبیۃ کالقدم وعن درجۃ النبوۃ پس مراد از عموم باشتم مدح وثنائے است کہ بروفق اصول شرعیہ باشد نہ اینکہ ہرچہ خواستہ باشد از امور غیر واقعیہ کہ از طرف خود تراشیدہ منسوب بحضرات نمایند گفتن آں روا باشد" یعنی روایت نزلونا عن الربوبیۃ کے ساتھ تمسک کرنا بچند وجہ بالکل بے جا ہے اولاً اس لئے کہ یہ خبر واحد ہے اور اصول عقائد میں اخبار احاد پر اعتماد روا نہیں ہے۔ ثانیاً اس لئے کہ "رب" سے مراد ہی مالک وخالق

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴) اور ان کے برخلاف کوئی عقلی یا شرعی دلیل نہ ہو۔ تو ہم انہیں ضرور قبول کریں گے۔ کیونکہ یہ بزرگوار معصوم ہیں اور ان کا ارشاد حجت ہے۔ لیکن اگر وہ فضائل اس طرح (قابلِ اعتماد طریقے سے) مروی نہ ہوں تو پھر دیکھیں گے کہ آیا وہ عقل یا شرع (کے کسی مسلمہ اصول) کے خلاف ہیں یا نہ؟ اگر مخالف ہوں تو نہ صرف یہ کہ ہم ان کے قائل نہیں ہوں گے بلکہ ان کے صحیح نہ ہونے کا عقیدہ رکھیں گے۔ اور اگر (اصول عقل وشرع) مخالف نہ ہوں الا البتہ ضعیف سندوں سے منقول ہوں یا صرف بعض علماء یہ کہہ دیں کہ یہ بزرگوار فلاں صفت کے ساتھ متصف ہیں جو فی نفسہ ممکن ہو۔ تو اس صورت میں نہ تو ہم انہیں رد کریں گے اور نہ ہی بوجہ دلیل (قطعی) کے نہ ہونے کے ان کو قبول کریں گے۔ جناب رسول خداؐ اور ائمہ ہدیٰؑ اگرچہ بجز خدا باقی ساری کائنات سے افضل واشرف ہیں۔ اور ان کے بہت بڑے فضائل اور عجیب وغریب مناقب ہیں۔ بلکہ بعض اخبار میں تو یہاں تک وارد ہے کہ ہمیں "رب" نہ کہو۔ پھر جو چاہو کہو۔ (اسی مقام کے ذیل حاشیہ پر وہ افادہ فرمایا ہے جسے ہم اسی صفحہ پر ذیل میں درج کر رہے ہیں) لیکن بایں ہمہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان کے جو بات جی میں آئے وہ ان کے متعلق کہہ دے۔ اور اپنی طرف سے (بزعم خود) فضائل گھڑ گھڑ کر ان کی طرف منسوب کرے اور انہیں ثابت کرے کیونکہ ایسا کرنا قولِ زور اور کذب حرام میں ———— داخل ہے بلکہ یہ غلو ہی کا ایک درجہ ہے۔" اسی بنا پر علامہ سید حسین لکھنوی نے بھی فرمایا ہے "کہ از طرف خود امرے تراشیدن وبے دلیل وبرہان صفت آں حضرات قرار دادن روا نیست" بلا دلیل وبرہان اپنی طرف سے کوئی فضیلت گھڑ کر اسے ان حضراتؑ کی صفت قرار دینا جائز نہیں ہے (حدیقہ سلطانیہ ج ۱ ص ۴)

يا ايها الناس قد جاءكم الحق من ربكم وماذا بعد الحق الا الضلال۔ (منہ عفی عنہ)

[1] اور وہ بھی ضعیف السند نہ صحیح۔ جناب آقائے محسنی مدظلہ اپنی کتاب صراط الحق ج ۳ ص ۲۴۳ طبع النجف کے حاشیہ پر اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "وھو اربع روایات بمختلف الفاظها علی ما ظفرت علیها حسب تتبعی لکن ضعیف سنداً فلاحظها فی ص ۲۴ وص ۲۲ وص ۲۳ وص ۲۵ من المجلد السابع من البحار (باقی ص ۳۶ پر)

اور رازق ہے جیسا کہ حضرت امام حسن عسکریؑ کی طرف منسوب تفسیر میں مذکور ہے لہٰذا ان حضرات کی طرف خلق کرنے اور رزق دینے کی نسبت دینا ان کو مرتبۂ ربوبیت سے نیچے رکھنے کے منافی ہے۔

ثالثاً مذکورہ بالا جوابات سے قطع نظر بھی کر لی جائے تو بھی یہ استدلال درست نہیں ہے۔ کیونکہ یہ عموم "(قولوا ما شئتم) کے ساتھ تمسک ہے اور یہ قاعدہ مسلّم ہے کہ کوئی بھی عموم ایسا نہیں جو تخصیص خوردہ نہ ہو (الا ما شذ و ندر) لہٰذا جس طرح من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ (جو بھی کلمہ توحید پڑھے وہ جنت میں داخل ہوگا) کا عموم تمام اسلامی فرقوں کی نجات کی دلیل نہیں بن سکتا۔ بالکل اسی طرح اس روایت (قولوا ما شئتم) کا عموم بھی دلیل نہیں بن سکتا۔ کہ (ان کو خالق و رازق تسلیم کیا جائے) بھلا کیونکر اس عموم کو تخصیص خوردہ تسلیم نہ کریں، حالانکہ ان بزرگواروں کو ان تمام صفات سے منزہ ماننا واجب ہے جو خدا کے ساتھ مختص ہیں۔ جیسے قدیم ہونا۔ اسی طرح ان کو درجۂ نبوت سے بھی منزہ ماننا لازم ہے پس بنا بریں حقائق "قولوا فینا ما شئتم" کے عموم سے مراد یہ ہوگی کہ ہر وہ مدح و ثنا جو قواعد شرعیہ کے مطابق ہو وہ جائز ہے نہ یہ کہ ہر وہ بات جو غلط یا صحیح ہو اپنے دل سے تراش کے ان کی طرف منسوب کرنا درست ہو۔" (معاذ اللہ) یا ایہا الناس قد جاءکم موعظۃ من ربکم وشفاء لما فی الصدور۔

لو علم ابوذرؓ ما فی قلب سلمانؓ کے صحیح مفہوم کا بیان

آج بموجب برعکس نہند نام زنگی کافور ہر بوالہوس حسن پرست ہر جاہل، عبقری، اور ہر عاری عن الکمال عارف المعارف کہلاتا نظر آتا ہے۔ جس جاہل و احمق کو دیکھو مقدادؓ و ابوذرؓ بننے پر تو قانع ہی نہیں بلکہ سلمانؓ ہونے کا مدعی نظر آتا ہے۔

وکل یدعی، وصلاً بلیلیٰ — ولیلیٰ لا تقرلہم بذاکا

چنانچہ اس سلسلہ میں جہاں "لو علم ابوذرؓ ما فی قلب سلمان لقتلہ" سے تمسک کرتے ہوئے دوسروں کو معرفت اہل بیت

(بقیہ حاشیہ صـــ۳۵) ولو کانت صحیحۃ السند لما قلت بوفقہما ایضا کما لا یخفی ولا یظن بفاضل یرتضی بہا و یعمل بمقتضاہا"، یعنی جہاں تک میں نے تتبع و تفحص کیا ہے اس مضمون کی مختلف الفاظ کے ساتھ چار روایتیں ملی ہیں۔ جیسا کہ بحار ج ۷ کے صـــ۲۲۰ و صـــ۲۳۰ و صـــ۲۴۹ اور صـــ۲۵۰ میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ اور یہ سب کی سب ضعیف السند ہیں۔ اور اگر بالفرض صحیح السند بھی ہوتیں۔ تب بھی میں ان کے مطابق عقیدہ نہ رکھتا۔ (کیونکہ اخبار آحاد ہوتے ہیں)، اور نہ ہی کسی عقلمند آدمی کے متعلق یہ گمان کیا جا سکتا ہے۔ کہ وہ اس بات کو پسند کرے گا اور ان کے مطابق عقیدہ رکھے گا" (یعنی اس طرح کھلی غلطی کا قائل ہوگا)، منہ عفی عنہ

سے عاری اور اپنی معرفت کاملہ کا دعویدار دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن یہ سوچنے کی کبھی زحمت ہی گوارا نہیں کی کہ آخر اس مجمل ومتشابہ خبرِ واحد کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ و بلا سوچے سمجھے "ہر کس بقدرِ فہمش فہمید مدعا را" اپنے دعوئے باطل پر استشہاد کرتا ہے۔ صوفی کہتا ہے کہ اس سے مراد وحدۃ الوجود کی منزل ہے۔ غالی کہتا ہے اس سے مراد علیؑ کی الوہیت ہے۔ قائل تفویض یہ کہتا ہے کہ اس سے مقصود اہل بیتؑ کا خالق ورازق ہونا ہے اور کوئی اس سے معرفت کے درجات مراد لیتا ہے وعلیٰ ہذا القیاس۔ لہٰذا اگر ایسی مجمل حدیثوں کے ساتھ تمسک کرنا درست ہو تو پھر تو ہر باطل فرقہ اسے اپنے غلط نظریہ کی تائید میں پیش کر دے گا۔ اس کے نظریہ کے بطلان پر کیا دلیل ہے؟ ع

ہر قوم راست راہے، دینے وقبلہ گاہے

آئیے ذرا اصولِ درایۃ الحدیث کے میزان پر جانچ کر اس کا جائزہ لیں کہ اس کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ اور اس سلسلہ میں اس سے استدلال کرنا کہاں تک درست ہے؟ سو واضح رہے کہ

اولاً یہ روایت خبرِ واحد ہے اور سابقہ اوراق میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ اصولِ اعتقاد میں خبرِ واحد پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ ثانیاً یہ بھی ضعیف السند ہے (مرآۃ العقول ج ۱ ص ۳۰۳ ملاحظہ ہو) بعد ازیں کس طرح اس پر استدلال کی دیوار استوار کی جا سکتی ہے؟ ثالثاً یہ خبر مجمل ومتشابہ ہے علماء اعلام اس کا صحیح مفہوم متعین کرنے میں حیران وسرگردان نظر آتے ہیں۔

اختلافِ آراء کا نمونہ

(۱) چنانچہ حضرت سید مرتضیٰ علم الہدیٰ نے اپنی کتاب امالی (ص طبع ایران) میں اس کا مطلب یہ لکھا ہے کہ اس سے جناب ابوذرؓ و سلمانؓ کی باہمی خالص محبت واخوت مراد ہے وہ فرماتے ہیں کہ "قتلہ میں ضمیر مرفوع مستتر ہے جس کا مرجع علم اور ضمیر منصوب کا مرجع ابوذرؓ ہے۔ مطلب یہ کہ اگر ابوذرؓ کو معلوم ہو جائے کہ جناب سلمانؓ کے دل میں ان کے متعلق کس قدر اخوت ومحبت کے والہانہ جذبات کا دریا موجزن ہے تو یہ انکشاف ابوذرؓ کو بوجہ شدتِ سرور قتل کر دے" غرضیکہ خوشی باعثِ مرگ بن جائے

ع کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا

(۲) حضرت علامہ مجلسیؒ مرآۃ العقول ج ۱ ص ۳۰۳ پر اس کے متعلق لکھتے ہیں: "ای من مراتب معرفۃ اللہ ومعرفۃ النبی والائمۃ صلوات اللہ علیہم وغیرھا مما ذکرنا سابقاً فلو کان اظہر سلمانؓ لہ شیئاً من ذلک کان لا یحتملہ ویحملہ علی الکذب والارتداد او العلوم والاعمال الغریبۃ التی لو اظہرھا لہ لحملہا علی السحر فقتلہ او کان یفشیہ فیصیر سبباً لقتل سلمانؓ وقیل الضمیر المرفوع راجع الی العلم والمنصوب الی ابی ذرؓ ای لقتل ذلک العلم اباذر ای کان لا یحملہ عقلہ فیکفر بذلک او المعنی لو القی الیہ تلک الاسرار وامر بکتمانہا لمات من شدۃ الصبر علیہا او لا یحتمل سترہ وصیانتہ فیظہرھا للناس

فیقتلونہ الخ یعنی اس سے مراد خدا و رسولؐ اور ائمہ اہل بیتؑ کی معرفت کے مراتب و مدارج وغیرہ ہیں جو ہم سا بیان کر چکے ہیں۔ اگر جناب سلمانؓ ان کو ابوذرؓ کے سامنے ظاہر کر دیتے تو وہ ان کو برداشت نہ کر سکتے۔ بلکہ ان ک جھوٹ اور کفر پر محمول کرتے یا اس سے جناب سلمانؓ کے علوم اور اعمال عجیبہ (کرامات) مراد ہیں کہ اگر جناب سلما ان کا اظہار کر دیتے تو جناب ابوذرؓ ان کو سحر (جادو) پر محمول کر کے ان (سلمانؓ) کو قتل کر دیتے۔ یا ان رازہائے سرب کا افشا کر دیتے۔ جو قتل سلمانؓ کا موجب بن جاتے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ضمیر مرفوع کا مرجع علم اور ضمیر منصوب کا مرجع ابوذرؓ ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ابوذرؓ کی عقل اس علم کی متحمل نہ ہو سکتی۔ اس لئے وہ ان (ابوذرؓ) کے کفر و قتل کا باعث بن جاتا۔ یا یہ مطلب ہے کہ اگر وہ اسرار ابوذرؓ کو بتا کر ان کے چھپانے کا ان کو حکم دیا جاتا تو وہ بوجہ شدت صبر جاتے یا لوگوں کے سامنے بیان کر دیتے اور لوگ ان کو قتل کر دیتے الخ۔

(۲) فاضل متکلم مولانا سید حسین لکھنوی حدیقہ سلطانیہ ج ۱ صفحہ ۹۳ تا ۹۵ پر اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہی ”مخفی نماند کہ در تفسیر مجملات و متشابہات جسارت لائق نیست و جزم بیکے از معانی محتملہ اگرچہ صحیح باشد نمی تواں ک کہ حضرات قائل آں کلمات اعرف بمرادات خود اند و اعتراف بعدم علم در چنیں مقامات اسلم است از تکلم و تحک ...... و ما بر سبیل تجویز احتمالات چند بنا بر ابطال استدلال خصم ذکر میکنیم ...... پس میگوئیم کہ ہرگاہ در ای حدیث بسبب اجمال چندیں احتمال راہ داشتہ باشد۔ از کجا دانستند کہ معنی فاسد شاں مراد آنحضرت بودہ چرا جا نباشد معنی حدیث ایں چنیں باشد کہ ہرگاہ ابوذرؓ بر کمالات و مقامات سلمانؓ مطلع می شد متحمل آں نمی گردید و تحت وودادو فیما بین مبتدل بجد و عناد و منجر بقتل و فساد می گردید ...... یا اینکہ ہرگاہ ابوذرؓ مبلغ علم سلمانؓ بمقامات و کرامات ایشاں را می دانست گمان میکرد کہ ایں امور برائے غیر نبی و وصی لائق نیست و سلمانؓ چوں بایں مرات جلیلہ فائز نیست پس متصنع است و اینہا را بدفن و سحر اظہار می سازد و خون ساحر حلال است ...... و بعدا چند احتمال فرمود) و فی ہذا الخبر احتمالات اخر ترکنا ہا مخافۃ التطویل“ یعنی مخفی نہ رہے کہ مجملات و متشابہات کی تفسیر میں جسار کرنا درست نہیں ہے اور ان کے ان معنوں میں سے جن کا احتمال موجود ہو۔ صرف ایک معنی کا اگرچہ وہ فی نفسہ صحیح ہی کیوں نہ ہو جزم و یقین کر لینا درست نہیں ہے۔ کیونکہ کہنے والے بزرگوار اپنی مراد کو بہتر جانتے ہیں۔ لہٰذا ایسے مقامات پر اپنے عجز و قصور کا اعتراف کر لینا محض سینہ زوری سے کام لے کر کوئی فیصلہ کرنے سے بدرجہا بہتر ہے ...... ہم بنا بر احتمال چند معنوں کا ذکر کرتے ہیں۔ تاکہ مخالف (قائل بر بوبیت اہل بیتؑ) کے نظریہ کا بطلان واضح و عیاں ہو جائے۔

ہم کہتے ہیں کہ جب اس حدیث میں چند احتمال موجود ہیں تو تم نے یہ کیسے یقین کر لیا کہ تمہارے بیان کردہ غلط معنی ہی مراد ہیں۔ یہ کیوں جائز نہیں کہ اس سے مراد یہ ہو کہ اگر جناب ابوذرؓ جناب سلمانؓ کے (علمی و عملی) کمالات

ومقامات پر مطلع ہو جائیں۔ تو ان کی دوستی، دشمنی اور انس وداد، نفرت وعناد سے تبدیل ہو کر قتل وفساد تک منجر ہو جائے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یا ہو سکتا ہے کہ مراد یہ ہو کہ جس قدر جناب سلمانؓ کو محمد وآل محمد علیہم السلام کے مقامات وکرامات کا علم تھا اگر اس کا اندازہ ابوذرؓ کو ہو جاتا تو وہ یہ سمجھتے کہ اس قدر بلند درجہ معرفت کا حصول نبی یا وصی کے علاوہ کسی اور شخص کے لئے ممکن نہیں اور چونکہ سلمانؓ نبی ووصی تو تھے نہیں۔ لہٰذا ابوذرؓ یہی خیال کرتے کہ وہ تصنع وتکلف اور سحر وساحری سے یہ باتیں ظاہر کر رہے ہیں اور ساحر کا قتل جائز ہے۔

اس روایت میں اور بھی چند احتمال ہیں جنہیں بوجہ خوف طوالت ہم نے نظر انداز کر دیا ہے۔

مراتب ایمانی میں اختلاف

جہاں تک ہماری ناقص تحقیق کا تعلق ہے اس کے مطابق مذکورہ بالا تمام احتمالات میں سے قوی ترین احتمال یہ ہے کہ چونکہ تحقیقی قول کی بنا پر قانون زیادت ونقصان کائنات عالم کی دوسری تمام چیزوں کی طرح ایمان کے مراتب میں بھی اختلاف وتفاوت کا سلسلہ برابر جاری وساری ہے۔ اسلئے یہ حدیث مراتب ایمانی کے اختلاف پر محمول ہے۔ (وکذا افاد المحدث النوری فی نفس الرحمٰن عنہ م) کیونکہ سرکار محمد وآل محمد علیہم السلام کے بکثرت ارشادات سے یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ ایمان کے دس مدارج ومراتب ہیں۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا

یا عبد العزیز ان الایمان عشرة درجات بمنزلة السلم له عشر مراقی ترتقی منه مرقاة بعد مرقاة فلا یقولن صاحب الواحدة لصاحب الثانیة لست علی شیئ ولا یقولن صاحب الثانیة لصاحب الثالثة حتی انتهی الی العاشرة کان سلمان فی العاشرة وابوذر فی التاسعة والمقداد فی الثامنة ولا تسقط من هو دونک فیسقطک من هو فوقک واذا رأیت من هو دونک فقدرت ان ترفعه الی درجتک رفعاً رفیقاً فافعل ولا تحملن علیه ما لا یطیقه فتکسره فان من کسر مؤمنا فعلیه جبره الخ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

اے عبد العزیز! سیڑھی کی طرح ایمان کے بھی دس درجے ہیں جن کے ذریعہ انسان یکے بعد دیگرے اوپر چڑھتا ہے پہلے درجے والا مومن دوسرے درجے والے مومن کو ہرگز یہ نہ کہے کہ تو مومن نہیں ہے۔ اسی طرح دوسرے درجے والا تیسرے درجے والے کو یہ طعنہ نہ دے۔ حتیٰ کہ امام نے یہ سلسلہ دسویں مرتبہ تک پہنچایا پھر فرمایا سلمان دسویں درجہ پر اور ابوذرؓ نویں پر اور مقداد آٹھویں درجہ پر فائز تھے۔ اسی طرح تمہیں یہ حق بھی نہیں کہ تم اپنے سے پست درجے کے مومن کو (ایمانی درجہ سے) گراؤ ورنہ جو مومن تم سے بلند مرتبہ پر ہے وہ تمہیں (درجۂ ایمانی سے) گرا دے گا۔ جب کبھی اپنے سے پست درجہ والے مومن کو دیکھو تو اسے مدارات ونرمی سے بلند منازل کی طرف لے آؤ۔ اور اس پر یکبارگی، اتنا بوجھ نہ ڈالو (کہ اٹھا نہ سکے اور) ٹوٹ جائے۔ کیونکہ جو شخص کسی بندۂ مومن کو توڑتا ہے۔ اس کا جوڑنا بھی اسی پر لازم ہے (کتاب الخصال ج ۲ صفحہ ۹ انوار نعمانیہ صفحہ ۲۲)

معرفت کا کم ترین درجہ

معرفت پروردگار کے متعلق ادنیٰ ترین درجۂ معرفت یہ ہے کہ اس ذات متجمع جمیع صفات کے متعلق یہ عقیدہ رکھا جائے۔ الاقرار بانہ لا الٰہ غیرہ

ولا شبیہ لہ ولا نظیر لہ وانہ مثبت قدیم موجود غیر فقید وانہ لیس کمثلہ شیء کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور نہ کوئی اس کا ہمسر و نظیر ہے۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ کوئی چیز اس کی مثل و مانند نہیں ہے جیسا کہ ابو الفتح جرجانی کے امام رضا علیہ السلام سے ادنی المعرفہ کے متعلق سوال کے جواب میں امام علیہ السلام سے مروی ہے (عیون اخبار الرضا ج ۱ ص ۱۳۳ طبع جدید) اور معرفت امامت کے متعلق بقول علامہ شیخ عبد اللہ مامقانی کے "حضرت شہید اول نے ایمان التصدیق بامامۃ الائمۃ والاعتقاد بفرض طاعتہم" کو کافی قرار دیا ہے ایمان کے سلسلہ میں کم از کم ائمہ اہلبیتؑ کی امامت و خلافت بلا فصل کا عقیدہ رکھنا کافی ہے بحوالہ مامقانیؒ ج ۱ ص ۱۹۶ اور ان کے دشمنوں سے بیزاری اختیار کی جائے (بحار ج ۵ ص ۲۶۱) اسی طرح جعفر کناسی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کرتے ہیں۔ "ادنی ما یکون بہ العبد مومنا" میرے آقا ایمان کا پست ترین درجہ کون سا ہے جس کا عقیدہ رکھنے سے انسان مومن کہلا سکتا ہے فرمایا یشہد ان لا الہ الا اللہ وان محمدا عبدہ ورسولہ ویقر بالطاعۃ ویعرف امام زمانہ فاذا فعل ذلک فہو مومن۔ اس بات کی گواہی دے کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور جناب محمد مصطفیٰ اس کے بندۂ خاص اور رسول ہیں۔ نیز ان کی اطاعت کا اقرار کرے اور اپنے امام زمانہؑ کو پہچانے جب ان امور کا عقیدہ٭ رکھے تو مومن کہلانے کا حقدار ہو جائے گا۔ (بحار ج ۵ ص ۲۱۶) اور اگر اس کے ساتھ یہ اجمالی عقیدہ بھی منضم ہو جائے تو پھر نورٌ علیٰ نور کا مصداق ہو جائے کہ جہاں تک جناب رسول خداؐ کی ذات کا تعلق ہے وہ "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر" اور جہاں تک علیؑ و اولاد علیؑ کا تعلق ہے وہ "بعد از نبیؐ بزرگ توئی قصہ مختصر" کے مصداق ہیں۔ خلاصہ یہ کہ خالق ہونے کے اعتبار سے خدا بے مثل و بے مثال ہے اور مخلوق خدا میں محمد و آل محمد علیہم السلام کی کوئی نظیر نہیں ہے۔

ہر ایک مؤمن کا مقام معلوم ہے

احادیث اہل بیتؑ سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ عام اہل ایمان و ایقان میں سے بھی ہر ایک کا مقام ہے۔ کوئی بھی دوسرے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ جہاں احادیث میں یہ وارد ہے کہ لو علم ابوذرؓ ما فی قلب سلمانؓ لقتلہ، وہاں آنحضرتؐ کا یہ ارشاد بھی موجود ہے۔ یا سلمانؓ۔ لو عرض علمک علی مقداد لکفر ویا مقداد لو عرض علمک علی سلمان لکفر۔ اے سلمانؓ! اگر تمہارا علم مقداد پر پیش کیا جائے تو وہ کافر ہو جائے اور اے مقداد! اگر تیرا علم سلمانؓ پر پیش کیا جائے تو وہ کافر ہو جائے۔ (تنقیح الرجال ج ۳ ص ۲۴۵ رجال کشی ص ۱۷)

انہی حقائق کی بنا پر سرکار علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے۔ اقول بل الظاہر ان کلا من الخلق لا سیما المقربین یحتمل علما لا یحتملہ الآخر کما روی الکشی باسنادہ عن ابی بصیر قال سمعت ابا عبد اللہؑ یقول قال رسول اللہؐ یا سلمانؓ لو عرض علمک علی مقداد لکفر یا مقداد لو عرض علمک علی سلمان لکفر (مرآۃ العقول ج ۱ ص ۳ "میں کہتا ہوں عام مخلوق میں سے بالخصوص مقربین بارگاہ میں سے ہر ایک شخص ایک علم کو برداشت کر سکتا ہے

٭ اور انکی اطاعت کو فرض سمجھے

جسے دوسرا برداشت نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ فاضل کشی نے اپنے سلسلۂ سند سے ابو بصیر سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں میں نے جنابِ صادقِ آلِ محمد علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا کہ جناب رسولِ خداؐ نے جنابِ سلمانؓ سے فرمایا کہ "اگر تمہارا علم مقداد پر پیش کیا جائے تو وہ کافر ہو جائے (پھر فرمایا) اے مقدادؓ! اگر تمہارا علم سلمانؓ پر پیش کیا جائے۔ تو وہ (بوجہ عدم تحمل) کافر ہو جائے۔ ومامنا الا لہ مقام معلوم

جنابِ سلمانؓ کا عقیدۂ توحید

عام طور پر جنابِ سلمانؓ کے معارفِ امامت و ولایت کا ہی تذکرہ کیا جاتا ہے کہ وہ ائمۂ اہلِ بیتؑ کے متعلق ایسا اور ویسا عقیدہ رکھتے تھے ہم چاہتے ہیں کہ یہاں اس امر پر بھی قدرے روشنی ڈالیں کہ ان کا توحیدِ باری کے متعلق کیا عقیدہ تھا؟ عمر بن الخطاب نے (طنزاً) جنابِ سلمانؓ سے ان کا حسب و نسب دریافت کیا انہوں نے جواب میں فرمایا انا سلمان بن عبد اللہ کنت ضالاً فھدانی اللہ بمحمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وکنت عائلاً فاغنانی اللہ بمحمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وکنت مملوکاً فاعتقنی اللہ بمحمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ھذا حسبی ونسبی" میں سلمان بن عبد اللہ ہوں۔ گمراہ تھا خدا نے جنابِ محمد مصطفیٰؐ کے ذریعہ ہدایت فرمائی۔ فقیر و نادار تھا خدا نے رسولِ خداؐ کے طفیل مالدار بنایا۔ اور غلام تھا خدا نے آنحضرتؐ کے وسیلہ سے آزادی عطا فرمائی۔ یہ ہے میرا حسب و نسب"۔

جب جنابِ رسولِ خداؐ کو سلمانؓ کے اس مومنانہ و موحدانہ جواب کی اطلاع ملی تو فرمایا یا معشر قریش ان حسب الرجل دینہ ومروتہ خلقہ واصلہ عقلہ قال اللہ عزوجل انا خلقناکم من ذکر وانثیٰ وجعلناکم شعوباً وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔ اے گروہ قریش آدمی کا حسب اُس کا دین، اس کی مروت اس کا خلق اور اس کی اصل اس کی عقل ہے خدا فرماتا ہے ہم نے تمہیں ایک مرد و عورت سے پیدا کیا۔ اور پھر تمہیں مختلف قبائل میں تقسیم کر دیا۔ خدا کی نظر میں سب سے زیادہ قابلِ احترام وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی و پرہیزگار ہے۔ بعد ازاں جنابِ سلمانؓ سے فرمایا لیس لاحد علیک فضل الا بتقوی اللہ عزوجل وان کان التقوی لک علیھم فانت افضل اے سلمان! کسی شخص کو تم پر فضیلت نہیں مگر تقویٰ و پرہیزگاری سے لیکن اگر اس (تقویٰ) میں تمہیں دوسروں پر برتری حاصل ہے تو پھر یقیناً تم ہی ان سے افضل ہو (منہاج البراعۃ ج ۲ ص ۳۰۷)

ایک دوسرے سے بیزاری اختیار کرنے کی ممانعت

بکثرت احادیثِ معتبرہ میں بلند درجہ والے مومن کو پست درجہ والے مومن سے برأت و بیزاری اختیار کرنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ اس قسم کی بعض احادیث سطورِ بالا میں گذر چکی ہیں۔ جلاءِ ایمانی کی خاطر یہاں ایک اور حدیث پیش کی جاتی ہے جنابِ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ما انتم والبرأت یبرأ بعضکم من بعض ان المومنین بعضھم افضل من بعض وبعضھم اکثر صلوٰۃ

من بعض وبعضھم انفذ بصیرۃ من بعض وھی الدرجات"۔ تم ایک دوسرے سے بیزاری کرنے والے کون ہوتے ہو؟ ایک دوسرے سے برأت اختیار کر رہا ہے؟ (کیا تمہیں معلوم نہیں) کہ بعض اہل ایمان دوسرے بعض اہلِ ایمان سے افضل ہوتے ہیں۔ اسی طرح بعض مومن دوسرے بعض مومنین سے رصوم و صلوٰۃ کے زیادہ پابند ہوتے ہیں۔ اور بعض بعض سے زیادہ بالبصیرت ہوتے ہیں یہ درجات (ایمانی کا اختلاف و تفاوت) ہے (تنقیح الرجال ج ۲ ص ۹۵) بلکہ بعض حدیثوں میں ان لوگوں سے بھی دوستی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے جو صرف ائمہ اہل بیتؑ کی ولایت و افضلیت کے قائل ہوں (بحار ج ۱۵ ص ۲۶۳)

موجودہ دور کے مدعیانِ علم و ایمان کی روش پر تبصرہ

کہاں ائمہ اطہارؑ کے یہ پاکیزہ تعلیمات اور کہاں موجودہ دور کے نام نہاد اہل علم کی روش و رفتار۔ آج ان علماء، مشائخین و عرفاء کاملین پر کفر و ارتداد کے فتاویٰ لگائے جا رہے ہیں جو تمام عقائد حقہ ایمانیہ کے قائل اور بالخصوص ائمہ اہل بیتؑ کی ولایت و امامت، علم و فضل اور عصمت و طہارت کے قائل ہونے کے ساتھ ساتھ ان کو نہ صرف اُمّتِ محمدیہ کے تمام لوگوں سے بلکہ ایک کم ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء و مرسلین کا بھی سید و سردار مانتے ہیں۔ اور ان کے تمام جنی و انسی دشمنوں سے برأت و بیزاری اختیار کرنا نہ صرف عقیدۃً بلکہ قولاً و فعلاً۔ تقریراً و تحریراً اس کی نشر و اشاعت کو جزو ایمان سمجھتے ہیں۔

"اور ان اعلام کے ساتھ تحریر و تقریر میں تخاطب و تنابز بالالقاب کا وہ غیر مہذب اور غیر شریفانہ انداز اختیار کیا جا رہا ہے جو اسلامی نقطۂ نظر سے غیر مسلمانوں سے بھی روا نہیں ارشادِ قدرت ہے ولا تجادلوا اھل الکتاب الا بالتی ھی احسن والی اللّٰہ المشتکی وھو اسرع الحاسبین واحکم الحاکمین" بلکہ حقیقت حال سے بے خبر سادہ لوح عوام سے ان علماء اعلام کے خلاف مغالطہ کرنے کی قرار دادیں پاس کرائی جا رہی ہیں، لیکن یہ حضرات یہ بات پلے باندھ لیں کہ ؎

اب خدا والوں کا لشکر مات کھا سکتا نہیں ✱ میرے خامے سے تمہیں کوئی بچا سکتا نہیں

وھو حسبنا ونعم الوکیل نعم المولیٰ ونعم النصیر۔ ولا تحسبن اللّٰہ غافلاً عما یعمل الظالمون

تفریط و تقصیر کرنے والوں کی مذمت ارشاداتِ معصومینؑ کی روشنی میں

چونکہ ولایت و امامت اہلبیتؑ علیہم السلام کے اقرار کے بغیر نہ عقیدۂ توحید درست ہو سکتا ہے نہ ہی اعتقاد نبوت مکمل ہو سکتا ہے اس لئے ہادیانِ دین نے ولایت و امامت ائمہ اطہار پر زور دیتے ہوئے اسی پر قبولیت اعمال کا دارومدار قرار دیا ہے اور اس کے انکار کو موجب حبط و ضبط اعمال و عبادات قرار دیا گیا ہے (۱) چنانچہ جنابِ رسالتمآبؐ حضرت امیر علیہ السلام کو خطاب کر کے فرماتے ہیں:۔

من احبک کان مع النبیین فی درجتھم یوم القیٰمۃ ومن مات وھو یبغضک فلا یبالی مات

یہودیاً او نصرانیاً۔ یا علیؑ جو شخص آپ سے محبت کرے گا وہ بروزِ قیامت انبیاء کے درجہ میں ان کے ہمراہ ہوگا۔ اور جو شخص آپ کا بغض لے کر مرے گا۔ وہ پروا نہ کرے خواہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر (مرآۃ الانوار و مشکوٰۃ الاسرار ص۲۴)

(۲) اسی طرح آنحضرتؐ کا یہ ارشاد بھی مسلم بین الفریقین ہے کہ من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتۃً جاھلیۃ (ایضاً ص۲) جو شخص اپنے امام زمانہ کی معرفت حاصل کئے بغیر مرجائے وہ جاہلیت (کفر و شرک) کی موت مرتا ہے۔

(۳) حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں بنی الاسلام علی خمسۃ دعائم اقام الصلوٰۃ و ایتاء الزکوٰۃ وصوم شہر رمضان وحج البیت والولایۃ لنا اھل البیتؑ (مرآۃ الانوار ص۲۳ بحوالہ امالی شیخ مفیدؒ و مستدرک الوسائل ج ص۳) اسلام کا سنگِ بنیاد پانچ ستونوں پر قائم ہے نماز کا قائم کرنا۔ زکوٰۃ دینا، روزہ رکھنا، حج بیت اللہ کرنا اور ہم اہلِ بیتؑ کی ولایت کا اقرار کرنا۔

(۴) حضرت صادق آلِ محمد علیہ السلام فرماتے ہیں۔ لکل شیئ اساس و اساس الاسلام حبنا اھل البیت۔ ہر چیز کی ایک بنیاد ہوتی ہے اور اسلام کی بنیاد ہم اہلِ بیتؑ کی محبت ہے (ایضاً ص۲۳)

(۵) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے آباء و اجداد طاہرینؑ کے سلسلۂ سند سے جناب رسولِ خداؐ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ جناب جبرئیلؑ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا محمدؐ السلام یقرئک السلام ویقول خلقت السموات السبع وما فیھن والارضین وما علیھن وما خلقت موضعاً اعظم من الرکن والمقام ولو ان عبداً دعانی ھناک منذ خلقت السموات والارضین ثم لقینی جاحداً لولایۃ علی لاکببتہٗ فی سقر۔ یا محمدؐ! اسلام (یعنی خدائے رحمٰن) تحفۂ درود و سلام کے بعد فرماتا ہے کہ میں نے سات آسمان و زمین اور ان کی درمیانی مخلوق پیدا کی ہے میں نے کوئی ایسا مقام پیدا نہیں کیا جو (میری نظرِ قدرت میں) رکن (حجرِ اسود) اور مقام (مقامِ ابراہیمؑ) سے زیادہ عظیم الشان ہو۔ اگر کوئی بندہ اس جگہ پر بیٹھ کر ابتدائے آفرینش زمین و آسمان سے لے کر آفتابِ قیامت کے طلوع کرنے تک میری دعا و پکار میں مشغول رہے لیکن (بروزِ قیامت) علیؑ کی ولایت کا منکر ہو کر میری بارگاہ میں حاضر ہو تو میں اُسے اوندھا منہ جہنم میں ڈال دوں گا۔ (بحار ج ۹، ص۵۵)

(۶) حضرت امام زین العابدینؑ اپنے آباء و اجداد طاہرینؑ کے سلسلۂ سند سے جناب رسولِ خداؐ سے روایت کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا الزموا مودتنا اھل البیتؑ فانہ من لقی اللہ یوم القیامۃ وھو یودنا دخل الجنۃ لشفاعتنا والذی نفسی بیدہ لا ینفع عبداً عملہ الا بمعرفۃ حقنا (بحار ج ۹، ص۵۵) ہم خاندانِ نبوت کی محبت و مودت کو لازم پکڑو۔ کیونکہ بروزِ قیامت جو شخص ہماری محبت کے ساتھ بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہوگا۔ وہ ہماری شفاعت کی وجہ سے ضرور داخلِ جنت ہوگا۔ اور مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے

ہمارے حقوق کی معرفت کے بغیر کسی بندہ کو اس کے اعمال فائدہ نہ دیں گے۔"

(۷) ایک اور حدیث کے ضمن میں جو انہی بزرگوار کے سلسلۂ سند سے آنحضرتؐ سے مروی ہے آنحضرتؐ فرماتے ہیں۔ والذی نفس محمد بیدہ لو ان عبدا جاء یوم القیٰمۃ بعمل سبعین نبیا ما قبل اللہ ذلک منہ حتی تلقاہ بولایتی وولایۃ اہل بیتی (بحار ج، ص۵۵۵) "اس ذات ذوالجلال کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے اگر کوئی شخص (بالفرض) بروز قیامت ستر نبیوں کے عمل کے برابر عمل لے کر بھی حاضر ہو۔ مگر جب تک میری اور میرے اہل بیتؑ کی ولایت کا قائل نہ ہوگا خدا ہرگز اس کے اعمال قبول نہیں کرے گا۔"

(۸) امالی شیخ مفیدؒ ص۲ طبع نجف اشرف میں بروایت محمد بن مسلم جناب امام محمد باقر علیہ السلام و امام جعفر صادقؑ سے ایک حدیث کے آخر میں منقول ہے فرمایا نحن اہل البیتؑ لا یقبل اللہ عمل عبد وھو یشک فینا۔ ہم وہ اہل بیت رسولؐ ہیں کہ خداوند عالم کسی ایسے بندے کا عمل ہرگز قبول نہیں کرتا جو ہماری امامت و ولایت میں شک کرنے والا ہے۔"

(۹) مرآۃ الانوار ص۲۳ میں بحوالہ اصول کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا وصل اللہ طاعۃ ولی امرہ بطاعۃ رسولہ وطاعۃ رسولہ بطاعتہ فمن ترک طاعۃ ولاۃ الامر لم یطع اللہ ولا رسولہ خدا تعالیٰ نے اولی الامر کی اطاعت کو اطاعتِ رسولؐ کے ساتھ اور اطاعتِ رسولؐ کو اپنی اطاعت کے ساتھ مقترن کیا ہے۔ لہٰذا جو شخص اولی الامر کی اطاعت نہیں کرتا اس نے خدا و رسولؐ کی بھی اطاعت نہیں کی ہے۔

(۱۰) اس کتاب کے ص۱۲ پر بحوالہ ثواب الاعمال حضرت صادق علیہ السلام سے یہاں تک منقول ہے فرمایا الناصب لنا اہل البیتؑ لا یبالی صام او صلی او زنی او سرق انہ فی النار انہ فی النار۔ "جو شخص ہمارا دشمن ہے اس کے لئے نماز پڑھنا اور روزہ رکھنا یا زنا اور چوری کرنا برابر ہے وہ بہرحال جہنم ہی میں جائے گا۔" ولنعم ما قیل ؎

من لم یوال فی البریۃ حیدرًا
سیان عند اللہ صلی او زنیٰ

انہی حقائق کی بنا پر حضرت علامہ مجلسیؒ فرماتے ہیں۔ اعلم ان الامامیۃ اجمعوا علی اشتراط صحۃ الاعمال وقبولہا بالایمان الذی من جملتہ الاقرار بولایۃ جمیع الائمۃ علیہم السلام وامامتہم والاخبار الدالۃ علیہ متواترۃ بین الخاصۃ والعامۃ۔ یعنی "جاننا چاہیے کہ تمام فرقۂ حقہ امامیہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تمام اعمال کی صحت اور قبولیت کی شرط ایمان ہے اور منجملہ ایمان کے تمام ائمۂ اطہارؑ کی امامت و ولایت کا اقرار بھی ہے۔ اور اس امر پر جو روایات دلالت کرتی ہیں وہ فریقین کے نزدیک متواتر ہیں۔" (بحار ج، ص۵۵۵)

اور رئیس المحدثین حضرت شیخ صدوقؒ اپنے رسالہ اعتقادیہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ "واعتقادنا فیمن جحد امامۃ امیر المومنین والائمۃ من بعدہ علیہم السلام انہ کمن جحد نبوۃ جمیع الانبیاء [illegible] طبع ایران

جو شخص حضرت امیر المومنینؑ اور دوسرے ائمہ طاہرینؑ کی امامت کا انکار کرے اس کے متعلق ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ وہ اس شخص کی مانند ہے جو تمام نبیوں کی نبوت کا انکار کرے۔

تشریح یہاں چند لفظوں میں اس امر کی تشریح کر دینا بھی ضروری ہے کہ مذکورہ بالا ارشادات معصومین سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ولایت و وصایت ائمہ اطہار کا اعتقاد و اقرار اعمال شرعیہ کی صحت اور قبولیت کی شرط ہے۔ یعنی اس کے بغیر کوئی عمل صالح شرف قبولیت حاصل نہیں کر سکتا۔ یہ اقرار ولایت اعمال صالحہ کی بجا آوری سے گلو خلاصی اور چھٹی دلانے کے لئے نہیں ہے جیسا کہ بعض عوام الناس کے ذہنوں میں بعض غیر ذمہ دار اہل منبر روضہ خوانوں نے راسخ کر دیا ہے۔ بلکہ احادیث سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ عمل صالح کی بجا آوری اور حرام سے اجتناب کئے بغیر ولایت اہل بیتؑ حاصل ہو ہی نہیں سکتی۔ چنانچہ امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں لاتنال ولایتنا الا بالورع والعمل" یعنی عمل صالح کی بجا آوری اور محرمات شرعیہ سے دامن بچائے بغیر ہماری ولایت حاصل ہو ہی نہیں سکتی (اصول کافی فلاتغفل"

اسی طرح ان ذوات عالیہ کے فضائل صحیح و مناقب کی قولاً و فعلاً نشر و اشاعت کرنے کی مدح اور ان کے انکار کرنے کی مذمت سے کتب حدیث لبریز ہیں۔ اس سلسلہ میں صرف بحار الانوار جلد ہفتم کا مطالعہ کر لینا ہی کافی ہے۔

لیکن ان تمام تاکیدات و تہدیدات اور ترغیبات کے باوجود اکثر لوگ نہ افراط سے باز آئے اور نہ تفریط سے رکے۔ اور اعتدال کا دامن ہاتھوں سے چھوڑ بیٹھے۔ "وما تغنی الایات والنذر عن قوم لا یؤمنون" چنانچہ بعض کم بخت نہ صرف مسلمہ فضائل کا انکار بلکہ ان ذوات قدسیہ کی امامت و خلافت کا بھی انکار کر کے ابدی ہلاکت کا شکار ہو گئے اور بعض "حق غلط" انداز محبت اختیار کر کے غلو و تفویض کے اتھاہ سمندر میں غرق ہو گئے۔ اور ائمہ اہل بیتؑ کے بارے میں محض اپنے ذاتی خیالات و قیاسات اور غلط تاویلات سے وہ وہ عجیب و غریب من گھڑت نظریات قائم کئے۔ کہ جن کا آیات قرآنیہ میں کہیں وجود ہے۔ اور نہ صحیح احادیث نبویہ اور ارشادات ولویہ میں کوئی نام و نشان ہے۔ نہ کلام علماء اعلام سے کوئی ثبوت ملتا ہے۔ اور نہ عقل سلیم ان کی تائید و تصدیق کرتی ہے۔ اس کتاب میں ہم ایسے ہی بعض نظریات فاسدہ کا مع مدلل نقد و تبصرہ تذکرہ کریں گے انشاء۔ جو بجز ان العقائد کے موجودہ دور میں بعض غلو نواز حضرات کی انگیخت پر تقریر و تحریر میں موضوع قیل و قال اور مرکز بحث و جدال بنے ہوئے ہیں اور ہر جگہ پر غلط یا صحیح انداز میں ان پر بحث و تمحیص کا سلسلہ بڑے شد و مد کے ساتھ برابر جاری و ساری ہے جس سے ایک طرف ہماری وحدت ملی کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ تو دوسری طرف اغیار کے لئے اسباب تضحیک جمع ہو رہے ہیں۔

تفریط و تقصیر کا مفہوم کیا ہے؟ آج ہم جس دور سے گزر رہے ہیں اس میں عموماً ذاتی قیاسات و

خیالات کو مذہب کا نام دے کر حقائق کا منہ چڑانا۔ علماء نما جہال کو اپنا پیشوا و رہنما سمجھ کر حقیقی علماء باکمال پر زبان اعتراض دراز کرنا، اپنے آپ کو عارف المعارف سمجھنا اور علماء اعلام کو مقصر قرار دینا عامۃ الناس کا شیوہ و شعار بن چکا ہے جیسا کہ سابقہ بیانات میں بھی اس امر پر تبصرہ کیا جا چکا ہے۔ اب جبکہ بفضلہ تعالیٰ حقائق مذہب اور معارف ملت کھول کر بیان کئے جا رہے ہیں تو یہاں مختصر الفاظ میں اس امر پر بھی تبصرہ کر دینا م ے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ تقصیر کیا ہے؟ سو مخفی نہ رہے کہ تقصیر و تفریط باب تفعیل تقصیر یقصر و فرّط یفرّط کے مصدر ہیں۔ جن کے معنی ہیں کسی کے حق میں کوتاہی کرنا" اور یہ کوتاہی کئی طرح متحقق ہو سکتی ہے (۱) جو شخص جس مرتبہ و م کے ہو اُس کا اقرار نہ کیا جائے۔

(۲) اسے مبدا فیض سے جو فضائل و کمالات عطا ہوئے ہوں اُن کا انکار کیا جائے۔

(۳) مخدوم کو خادم کے برابر سمجھا جائے۔* بنا بریں ائمہ طاہرین کے حق میں مقصر وہ لوگ سمجھے جائیں گے جو ان کی خلافت و امامت کا اقرار نہ کریں، قرآن اور مستند احادیث کی روشنی میں ان کے جو مسلم الثبوت فضائل و مناقب ہیں ان کا انکار کریں۔ اور ان کو اُمّتِ محمدیہ کے عام لوگوں کے برابر بلکہ ان سے بھی کمتر سمجھیں۔° علماء نے تقصیر کا یہی مفہوم بیان کیا ہے ہم ذیل میں دو چار شہادتیں پیش کرتے ہیں:۔

(۱) محدث جلیل ابوالحسن شریف مرآۃ الانوار ص۵۹ پر لکھتے ہیں "فاعلم ان الناس فی تعرّف احوال الائمۃ علی طرفی نقیض فان جماعۃ منھم سلکوا فی ذلک مسلک الافراط حتی ارتفعوا الی حد الغلو و التفویض و جمعًا منھم اخذوا فی طریق التفریط بحیث انکروا کثیراً مما ورد فی فضائلھم صلوات اللہ علیھم الخ جاننا چاہیے کہ عام لوگوں نے ائمہ اطہار کی معرفت میں افراط و تفریط سے کام لیا ہے بعض نے افراط کی راہ اختیار کی۔ یہاں تک کہ غلو و تفویض تک پہنچ گئے اور بعض تفریط کے راستہ پر گامزن ہو گئے۔ یہاں تک ان کے بہت سے قرآن و حدیث میں، وارد شدہ فضائل کا انکار کر بیٹھے"۔

(۲) شیخ احمد احسائی شرح الزیارۃ ص۱۰۱ بذیل شرح فقرہ "و المقصر فی حقکم زاہق" کے معنی ہلاک بیان کرنے کے بعد جناب امیر علیہ السلام کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ "ھلک فی اثنان محب غال و مبغض قال" (میرے متعلق دو شخص ہلاک ہو جائیں گے حد سے بڑھانے والا نام نہاد دوست اور حد سے گھٹانے والا دشمن) اور پھر "مبغض قال" سے مراد مقصر لیتے ہوئے مقصر کا مصداق یہ بیان کیا ہے۔ "و ھو المقصر فی حقکم بان یعدل بھم غیرھم من سائر الخلق او یتقدم علیھم فی قول او فعل و ھو ھالک و ھو المقصر فی حقھم فان حقھم علی جمیع الخلق ان یرفعوا مقامھم عن جمیع الخلائق و یضعوا مقامھم من مقام الخالق جل و علا فمن ازالھم عن مقامھم الذی اقامھم اللہ فیہ بوضع او برفع فھو ھالک"۔ مقصر وہ ہوتا ہے جو ان ذواتِ مقدسہ کو عام لوگوں کے برابر سمجھے یا کسی قول و فعل میں ان سے آگے بڑھے۔ وہ ضرور ہلاک ہو جائے گا۔ وہ ان کے حق میں کوتاہی کرنے والا ہے۔ کیونکہ

* (۴) ان ذواتِ مقدسہ کی عصمت و طہارت کا انکار کیا جائے۔ (۵) ان کی نافرمانی کی جائے۔ (۶) یا ان کو گنہگار سمجھیں اور ان کی نافرمانی کریں۔

ان بزرگواروں کا تمام مخلوقات پر حق ہے کہ وہ ان کو تمام مخلوقاتِ خدا سے بلند اور خالقِ کائنات سے پست سمجھیں پس جو شخص بھی ان حضرات کو ان کے حقیقی مقام سے جس پر خدا نے ان کو فائز کیا ہے ہٹاتا ہے خواہ بلند کرکے یا پست کرکے وہ یقیناً ہلاکت کا شکار ہے۔

(۳) جناب آغائے حاج مرزا محمد احمد آبادی اپنی کتاب شمس طالعہ در شرح زیارت جامعہ ص ۱۴۳ میں فقرۂ مذکورہ بالا کی شرح میں لکھتے ہیں: "آنکہ در حق شما تقصیر کند بآنکہ زائل کند شما ہا را از آں مقامے کہ خدا برائے شما قرار داد یا آنکہ بالا برد مقام شما را بمقامِ ربوبیت یا پست کند شما را از آں مراتبے کہ رتبہم اللہ فیہا از ایں رو نابود شوندہ است دینِ او و نجاتِ آخرت او" جو شخص آپ کے حق میں تقصیر کرے یعنی آپ کو آپ کے اس مقام سے زائل کرے جو خدا نے آپ کو عطا فرمایا ہے بایں طور پر کہ آپ کو اس قدر بلند کرے کہ ربوبیت کے مقام تک پہنچا دے۔ یا خدا نے آپ کو جو مراتب عالیہ عطا فرمائے ہیں ان سے آپ کو پست سمجھے اس کا دین برباد اور نجاتِ اُخروی تباہ ہے۔"

(۴) سید العلماء جناب علامہ سید حسین لکھنوی اپنی جلیل القدر کتاب حدیقۂ سلطانیہ ج ۲ ص ۲۴۲ پر مقصر کا معنی بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: "و مقصر آنانند کہ اثباتِ خطا و گناہ با نبیاء و اوصیاء می نمایند و از دلیلِ عقل و نقل چشم پوشی می کنند" یعنی مقصر وہ لوگ ہیں جو دلیل عقلی و شرعی سے چشم پوشی کرتے ہوئے انبیاء و اوصیاء کو خطاکار و گنہگار سمجھتے ہیں۔ ان چار معتبر شہادتوں کے بعد اب بظاہر کسی اور شہادت کی ضرورت نہیں ہے۔

ان حقائق کی روشنی میں جہاں ہمارے بیان کردہ مفہوم تقصیر و تفریط کی حرف حرف تائید و تشیید ہوتی ہے وہاں یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ تقصیر کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ غلو بھی اس میں داخل ہے یعنی غالی کو بھی مقصر کہا جاسکتا ہے لہٰذا جہاں جہاں غلو کی مذمت وارد ہوئی ہے وہ تو غالیوں کے ساتھ مخصوص ہے ہی لیکن جہاں جہاں مقصرین کی مذمت وارد ہے اس میں بھی غالی شریک غالب ہیں۔ فتأمل۔

غالی مقصر سے بدتر ہے

جیسا کہ سطور بالا میں بیان کیا جا چکا ہے اگرچہ شرعی نقطہ نظر سے غلو و تقصیر ہر دو مذموم و ممنوع ہیں۔ لیکن چونکہ تفاوت و اختلاف کا قانونِ قدرت ہر چیز میں جاری و ساری ہے اس لئے اس کا سلسلہ یہاں بھی کارفرما نظر آتا ہے۔ قرآن، سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کے فرمان، اور ان سے استنباط کردہ کلام فقہائے عظام پر نگاہ ڈالنے سے یہ حقیقت واضح و عیاں ہو جاتی ہے کہ غالی کا مقام مقصر سے بھی پست تر اور بدتر ہے اس کے دلائل کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) قرآن و حدیث میں جس قدر غلو و غلاۃ کی مذمت و منقصت وارد ہوئی ہے اتنی تقصیر و مقصرین کی وارد نہیں ہوئی جیسا کہ سابقہ مباحث پر اجمالی نظر کرنے سے یہ حقیقت واضح و آشکار ہو جاتی ہے۔

(۲) متعدد احادیث معصومینؑ میں وارد ہے کہ الینا یرجع الغالی فلا نقبلہ و بنا یلحق المقصر فنقبلہ

یعنی غالی ہماری طرف رجوع کرتا ہے تو ہم اسے قبول نہیں کرتے لیکن جب مقصر ہم سے ملنا چاہے تو ہم اسے قبول کر لیتے ہیں۔" (ہفتم بحار ص ۳۳۶ مرآۃ الانوار ص ۶۳ وغیرہ) اس سے روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہے کہ غالی کی حالت و کیفیت آل محمد علیہم السلام کی نظر میں مقصر سے بدتر ہے۔

(۳) فقہاء امامیہ کا غالی کے کفر اور اس کی نجاست پر اتفاق ہے جیسا کہ ان کی کتب فقہ کے ابواب طہارت کے عناوین طہارت و نجاست اس پر شاہد عادل ہیں۔ عالم ربانی جناب شیخ عبد اللہ مامقانی فرماتے ہیں "اجمع العلماء علی کفر الغالی" یعنی غالیوں کے کفر پر تمام علماء و فقہاء کا اجماع و اتفاق ہے (رجال مامقانی ج ۳ ص ۲۹۶) لیکن جہاں تک نظر قاصر کا تعلق ہے مقصر پر بعنوان مقصر آج تک کسی فقیہ نے کفر کا حکم نہیں لگایا۔ اگرچہ ہلاکت اخروی میں دونوں باہم شریک ہیں وھو شیء آخر کما لا یخفی علی من جال خلال ھذہ الدیار و نظر ھذہ الامور بعین البصیرۃ والاعتبار۔

عام لوگ تقصیر سے تو ڈرتے ہیں مگر غلو سے نہیں ڈرتے

اوپر جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ اس امر کے اثبات کے لئے کافی ہے کہ غلو ہو یا تقصیر، افراط ہو یا تفریط ہر دو راستے ہلاکت ابدی کی طرف جاتے ہیں۔ و خیر الامور اوسطہا۔ لہٰذا ان دونوں راستوں سے اجتناب لازم ہے۔ لیکن جب یہ حقیقت ثابت ہو چکی کہ غلو تقصیر سے بھی بدتر ہے تو اس سے اور بھی زیادہ دامن عقائد بچانے کی ضرورت ہے۔ لیکن عام لوگوں کا معاملہ بھی عجیب ہے وہ مقام اعتقاد میں تقصیر سے تو بہت ڈرتے اور اس کے نام سے کانوں پر ہاتھ دھرتے ہیں کہ کہیں ائمہ اطہار کے حق میں کوتاہی نہ ہو جائے۔ مگر وہ غلو و شرک سے ذرہ بھی نہیں ہچکچاتے کہ کہیں اس سے خدا کے حق میں کوتاہی نہ ہو جائے۔ حالانکہ اس کی آلودگی و آلائش سے دامن بچانا اور بھی اشد ضروری ہے۔ ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذلک لمن یشاء۔ اگر ائمہ اطہار کے مراتب عالیہ کے پہچاننے میں قدرے کمی بھی واقع ہو گئی تو بخشش ممکن ہے (بشرطیکہ انکار امامت و ولایت نہ کیا جائے) لیکن اگر خالق کی صفات جلیلہ مخلوق میں تسلیم کر لی گئیں تو اس طرح توحید افعالی کا عقیدہ خراب و برباد ہو گیا تو پھر دین و آخرت تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ وذلک ھو الخسران المبین (اعاذنا اللہ منہ و جمیع المؤمنین) "اگر انسان ایک طولانی مدت تک دنیا میں زندہ رہا اور اس نے خدا تعالیٰ کی معرفت حاصل نہ کی تو اس سے بڑا گنہگار کوئی نہیں کیونکہ جس کی نعمتوں میں زندگی بھر اٹھتا بیٹھتا سوتا جاگتا کھاتا پیتا، کروٹیں بدلتا رہا۔ جس کی نعمتیں تمام عمر اس کا اوڑھنا بچھونا رہیں۔ ایک ہلکا سا سانس بھی جس کی نعمت سے علیحدہ نہ لے سکا۔ ایک خفیف سی حرکت بھی جس کی نعمت سے باہر نہ کر سکا۔ ایک پلک بھی بغیر جس کی نعمت کے نہ مار سکا۔ ایک قدم بھی جس کی نعمت سے الگ نہ اٹھا سکا۔ اور ایک خیال بھی جس کی نعمت کے بغیر نہ دوڑا سکا۔ اگر اسی کی معرفت حاصل نہ کی۔ تو کیا ایسے محسن کش۔ احسان فراموش، ناشکرے، خود غرض، کمینہ فطرت سے زیادہ کوئی قابل نفرت ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں!

(توحید القرآن ص ۱ از مولانا محمد ہارون صاحب زنگی پوری)

ہم نہ غالی ہیں! ور نہ قالی ہیں!

جناب امیر المومنینؑ کا ارشاد واجب الاعتقاد ہے "سیہلک فی صنفان محب مفرط یذھب بہ الحب الی غیرالحق مفرط یذھب بہ البغض الی غیرالحق وخیرالناس فی حالاً النمط الاوسط فالزموہ" یعنی میرے بارے میں دو قسم کے لوگ ہلاک و برباد ہو جائیں گے ایک وہ (نام نہاد) افراط کرنے والا محب۔ جسے (غلط انداز) محبت خلافِ حق غلط راستہ پر لے جائے۔ اور دوسرا وہ افراط کرنے والا دشمن جسے میری عداوت غلط راستہ پر چلا دے۔ ہاں البتہ میرے متعلق سب سے بہتر طریقہ درمیانہ روی اختیار کرنے والوں کا ہے تم اسی طریقہ کو لازم پکڑو۔ (نہج البلاغۃ ج ۲ صلا طبع مصر)

مولائے کائنات کے اس ارشاد (اور اس جیسے بیسیوں دوسرے ارشادات) کی روشنی میں ہم بلاخوفِ تردید کہہ سکتے ہیں کہ بفضلہٖ تعالیٰ ہم نہ محبِ غالی ہیں اور نہ مبغض قالی ہیں۔

نہ غالی ہیں نہ قالی ہیں مگر ہم تو موالی ہیں

دیننا ما دانوا وقولنا ما قالوا۔ جہاں تک غالی نہ ہونے کا تعلق ہے وہ تو عیاں راچہ بیاں کا مصداق ہے ولا یخفی علی احد من مخالفینا۔ اور جہاں تک مقصر و قالی نہ ہونے کا تعلق ہے (جس کا الزام مخالف ہمیں دیتے ہیں) اگرچہ اس الزام کا غلط و بے بنیاد ہونا روزِ روشن سے بھی زیادہ واضح وعیاں ہے اور محتاجِ تردید نہیں مگر بامر مجبوری اتمام حجت کے لئے صرف اتنا لکھا جاتا ہے کہ سطور بالا میں مقصر کا مفہوم واضح کیا جا چکا ہے کہ مقصر وہ ہے (۱) جو آل محمدؐ کی امامت و ولایت کا انکار کرے (۲) انکو عام لوگوں کے برابر سمجھے (۳) جو ان کو گنہگار سمجھے اور (۴) جو ان کے مسلّم فضائل و کمالات کا انکار کرے۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ان باتوں میں سے کوئی بات بھی ہم میں نہیں پائی جاتی۔ جہاں تک ان کی ولایت و امامت کا تعلق ہے۔ اس موضوع پر ہم خود بڑی بڑی ضخیم کتابیں شائع کرکے گم گشتگانِ وادیٔ ضلالت کے لئے چراغِ ہدایت روشن کر چکے ہیں۔ اور ولایت کے ضروری ہونے پر خود سطور بالا میں اس قدر لکھا گیا ہے کہ مزید لکھنے کی گنجائش نہیں نیز اس کا ایک معتدبہ حصہ "احسن الفوائد" میں بھی مذکور ہے۔ اور جہاں تک ان بزرگواروں کو عام لوگوں کے برابر سمجھنے کا تعلق ہے ہم کبھی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ برابری تو بجائے خود ہم تو آل محمدؐ کا مقام عمومی سطح سے اس قدر بلند و بالا سمجھتے ہیں کہ امتِ محمدیہ وغیرہ کے تمام لوگوں کا ان ذواتِ مقدسہ کے بالمقابل نام لینا بھی ان کی توہین ہے۔ ہم تو ان کو سوائے سرکارِ ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوسرے تمام انبیاءؑ و مرسلینؑ، ملائکہ مقربین اور شہداء و صدیقین غرضکہ تمام عباد اللہ الصالحین از سابقین و لاحقین سے افضل و اعلیٰ سمجھتے ہیں۔ جس پر ہمارے کتب و رسائل اور مضامین شاہدِ عادل موجود ہیں۔ اور جہاں تک ان کے متعلق گناہ و عصیان کا تعلق ہے ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ بلکہ ہم مہد سے لے کر لحد تک ان ذواتِ مقدسہ کو ہر قسم کے گناہ صغیرہ و کبیرہ سے عمداً، سہواً، علماً، جہلاً، خطاءً و نسیاناً معصوم و مطہر جانتے ہیں۔ ثبوت کے لئے ہمارے کتب و رسائل (اثبات الامامت وغیرہ) موجود ہیں۔ اور جہاں تک ان کے فضائل کا تعلق ہے تو ان کے

وہ تمام ظاہری و باطنی فضائل و کمالات جو قرآن اور خود سرکار محمد و آلِ محمد علیہم السلام کے مستند و صحیح فرمان کے ذریعہ ثابت ہیں۔ ان کے اقرار کو صرف جزوِ ایمان ہی نہیں بلکہ ان کے انکار کو کفر و شرک تصور کرتے ہیں۔ ان حقائق سے صرف ہماری ہی نہیں بلکہ ہمارے تمام نمایاں علماء اعلام مثلاً علامہ حسین بخش صاحب قبلہ کی تفسیر "انوار النجف" "لمعۃ الانوار" وغیرہ چھپک رہی ہیں۔ اور اگر ان [illegible] بھی کوئی شخص خوفِ خدا اور خوفِ حشر و نشر سے بالا ہو کر ہمیں مقصر کہتا ہے تو ہم اپنا اور اس کا معاملہ خدا کے سپرد کرتے ہیں۔ وھو خیر الحاکمین۔ وان اللہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون (النحل)۔ "دشمن چہ کند چوں مہرباں باشد دوست"۔ خدا ہماری قومی و ملی زبوں حالی پر رحم فرمائے اور ہمیں اتحاد و اتفاق کی توفیق دے۔ اور ہم سب کو اپنی اور اپنے اولیاء کی صحیح معرفت عطا فرما کر اس پر قائم رکھے آمین بجاہ النبی و آلہ الطاہرین صلوات اللہ علیہ وعلیہم اجمعین۔ اللھم عرفنی نفسک فانک ان لم تعرفنی نفسک لم اعرف نبیک اللھم عرفنی نبیک فانک ان لم تعرفنی نبیک لم اعرف حجتک اللھم عرفنی حجتک فانک ان لم تعرفنی حجتک ضللت عن دینی فاقرأ ما سیتلی علیک وتدبر فیہ وتشکر ولا تکن من الجاحدین۔ فتکون من الخاسرین۔ قل یا ایھا الناس قد جاءکم الحق من ربکم فمن اھتدی فانما یھتدی لنفسہ ومن ضل فانما یضل علیھا وما انا علیکم بوکیل۔

روایت میں درایت کی اہمیت

سابقہ مباحث میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ روایت میں درایت (اس کی سند و دلالت میں غور و فکر کرنے) کی اہمیت ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔ ہمیشہ، ہر زمانہ میں بالعموم افراط و تفریط کی گمراہی میں مبتلا ہونے والے لوگ روایت میں درایت کے اصولوں کی پابندی نہ کرنے بلکہ ہر رطب و یابس کو سلسلۂ سند دیکھے بغیر قبول کرنے اور اس کے (اور اسی طرح آیات قرآنی کے) معنی و مفہوم میں صحیح طور پر تدبر نہ کرنے کی وجہ سے ہی ہلاک ہوتے ہیں۔ اسی لئے ائمہ طاہرینؑ نے روایت سے زیادہ درایت پر زور دیا ہے۔

جناب امیر المومنینؑ فرماتے ہیں " اعقلوا الخبر عقل درایۃ لا عقل روایۃ فان رواۃ العلم کثیر و رعاتہ قلیل جب کوئی حدیث سنو تو رعایت (شرائطِ درایت) کے ساتھ سمجھو۔ نہ کہ صرف روایت کے ساتھ۔ کیونکہ علم کے نقل کرنے والے بہت ہیں مگر اس کی رعایت و دیکھ بھال کرنے والے تھوڑے ہیں" (نہج البلاغہ ج ۳ ص ۱۸۶ طبع مصر)

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ حدیث تدریہ خیر من الف ترویہ۔ یعنی ایک روایت کا صحیح طور پر سمجھ لینا (بے سوچے سمجھے) ایک ہزار روایت نقل کرنے سے بہتر ہے (اساس الاصول از غفرانمآب ص ۳)

نیز انہی جنابؑ سے مروی ہے فرمایا و لا یکون الرجل فقیھاً حتی یعرف معاریض کلامنا۔ کوئی شخص اس وقت تک فقیہ اور با بصیرت نہیں ہو سکتا۔ جب تک ہمارے کلام کے تمام معانی و ارشادات کو نہ سمجھے (ایضاً ص ۳)

یہ ارشاد بھی معدن نبوت کا ہے کہ اعرفوا منازل شیعتنا بقدر ما یحسنون من روایاتنا عنا۔ ہمارے شیعوں کی قدر و منزلت معلوم کرنا ہو تو یہ دیکھو کہ وہ ہماری روایات کو کس قدر اور کس اچھے انداز میں پیش کرتے

ہیں (رجال کشی ص ۲۲۵) ان حقائق کے پیشِ نظر یہ بات مزید کسی دلیل کی محتاج نہیں رہ جاتی ہے کہ اصولِ دین ہوں یا فروعِ دین، فضائلِ اہلبیتؑ ہوں یا ان کے مصائب ان علیہم السلام کی بیان کردہ ہر روایت کو نہ قبول کیا جا سکتا ہے اور نہ مکمل غور و تدبر کئے بغیر اس کے مطابق عقیدہ رکھا یا عمل کیا جا سکتا ہے اگرچہ اصول عقاید میں یہ شدت و گرفت اور بھی زیادہ سخت ہے۔

قبولیتِ روایات کا معیار و میزان

انہی حقائق کے پیشِ نظر روحانی حکمائے اسلام یعنی ائمہ طاہرین علیہم السلام نے روایات کے رد و قبول کے کچھ قواعد و ضوابط مقرر فرمائے ہیں۔ اس لئے ان قواعد کی پابندی کرنا ضروری ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام جناب رسولِ خداؐ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں۔ ان علی کل حق حقیقۃ وعلی کل صواب نورا فما وافق کتاب اللّٰہ فخذوہ وما خالف کتاب اللّٰہ فدعوہ یعنی ہر حق پر حقیقت اور ہر درستی و راستی پر نور ہوتا ہے پس جو حدیث قرآن کے موافق ہو اُسے لے لو اور جو قرآن کے مخالف ہو اُسے ترک کر دو۔ اسی طرح جناب امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے فرمایا کل شئی مردود الی الکتاب والسنۃ و کل حدیث لا یوافق کتاب اللّٰہ فہو زخرف۔ ہر چیز کو کتاب و سنّت کی طرف لوٹایا جائے گا۔ اور ہر وہ حدیث جو قرآن کے مطابق نہ ہو وہ باطل ہے۔ نیز انہی بزرگوار سے منقول ہے فرمایا مالم یوافق من الحدیث القرآن فہو زخرف۔ ہر وہ حدیث جو قرآن کے موافق نہ ہو وہ باطل ہے (اصول کافی ص ۳۵ طبع قدیم ایران)

بنا بریں ہر ہر روایت کے متعلق یہ جانچ پڑتال کرنا ضروری ہے کہ اس کا راوی کون کون اور کیسا ہے؟ جس کتاب میں درج ہے اس کا اور اس کے مصنف و مؤلف کا علمی مقام کیا ہے اور یہ کہ قرآن کے مطابق ہے یا نہ؟ اس کے معارض کوئی اور روایت ہے یا نہ؟ اور پھر معارض کی موجودگی کی صورت میں ترجیح کس کو دینی چاہئے۔ اور یہ کہ آیا وہ روایت کسی عقلی یا شرعی مسلمہ اصول سے متصادم تو نہیں؟ آیا مذہب حامہ کے موافق ہے یا مخالف؟ اس کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ اور یہ کہ آیا علماء محققین نے اسے اس کے ظاہری معنوں پر محمول کیا ہے۔ یا اس کی تاویل کی ہے؟ اور اگر تاویل کی ہے تو وہ صحیح تاویل کیا ہے؟ ان تمام امور پر غور و تدبر کرنا لازم ہے۔ ہاں البتہ جب کوئی روایت ان تمام اصولوں پر پوری اُترے اس کا قبول کرنا واجب اور انکار دائرۂ ایمانی سے خروج کا باعث ہے۔ والا فضرب الجدار۔

قدرِ مجموعۂ گل مرغِ سحر داند و بس
کہ نہ ہر کو ورقے خواند معانی دانست (حافظ)

غالیوں کی دسیسہ کاریاں

مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں یہ ثابت ہو گیا کہ کتب رجال و سیر کی اجمالی سیر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ائمۂ اطہارؑ کے زمانہ میں ایسے (غالی) لوگ بکثرت موجود تھے۔ جو اپنے عقائد فاسدہ کی تائید میں خود خانہ زاد حدیثیں گھڑ گھڑ کر دیتے لطائف الحیل سے ان کو کتب اصحاب ائمہ میں درج کر دیتے۔ (منہاج البراعۃ ج ۱۴ ص ۲۶۴ طبع جدید ایران رجال کشی ص ۱۹۴ وغیرہ)

---

* فان القرآن ہو معیار الحق و میزان الصدق و ہو الاصل فی المعارف و میزان کل شیئ بحسبہ (منہاج البراعۃ ج ۱، ص ۲۱۲) ہم نے ہر بحث روایت میں درایت کی اہمیت پر اس لئے زور دیا ہے کہ کتب رجال

آئمۂ اطہار کو بھی ان کی ان عیارانہ کارستانیوں کا علم تھا اس لئے وہ بار بار اپنے مخلص نام لیواؤں کو ان لوگوں کی دسیسہ کاریوں و کارگذاریوں سے آگاہ فرماتے رہتے چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں انا اھل بیت صدیقون لا نخلو من کذاب یکذب علینا و یسقط صدقنا بکذبہ عند الناس الخ ہم سچا خانوادہ ہیں لیکن ہم جھوٹ بولنے والوں سے کبھی خالی نہیں رہتے۔ جو اپنے جھوٹ سے ہمارے سچ کو بھی لوگوں کی نظروں میں گرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ (رجال کشی ص۱۹۵) اسی رجال کشی ص۱۹۵ پر جناب امام رضا علیہ السلام سے ان کذابوں میں سے بعض کا تفصیلی تذکرہ بھی موجود ہے کہ بنانؒ امام زین العابدینؑ پر جھوٹ بولتا تھا۔ ابو الخطابؒ امام جعفر صادق علیہ السلام پر۔ محمد بن بشیرؒ امام موسیٰ کاظمؑ پر اور محمد بن فراتؒ مجھ پر افترا پردازی کرتا ہے۔

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں خدا مغیرہ بن سعید پر لعنت کرے جو میرے والد پر جھوٹ بولتا تھا (رجال کشی ص۱۹۵) نیز اپنی بزرگوار سے مروی ہے فرمایا لا تقبلوا علینا حدیثا الا ما وافق القرآن والسنۃ او تجدون معہ شاھداً من احادیثنا المتقدمۃ فان المغیرۃ بن سعید لعنہ اللہ قد دس فی کتب اصحاب ابی احادیث لم یحدث بہا ابی فاتقوا اللہ ولا تقبلوا علینا ما خالف قول ربنا تعالیٰ وسنۃ نبینا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فانا اذا حدثنا قلنا قال اللہ عزوجل وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (رجال کشی ص۱۴۶ منہاج البراعۃ ج ۴ ص۲۹ وغیرہ) جو حدیثیں ہماری طرف منسوب ہوں۔ ان میں سے صرف ان کو قبول کرو۔ جو قرآن و سنت کے موافق ہوں۔ یا جن کی تائید میں ہماری سابقہ حدیثوں سے کوئی شاہد پاؤ۔ کیونکہ مغیرہ بن سعید نے (خدا اُس پر لعنت کرے) میرے والد (امام محمد باقرؑ) کے اصحاب کی کتب حدیث میں کئی جعلی حدیثیں داخل کر دی ہیں جو کبھی میرے والد نے بیان نہیں فرمائی تھیں۔ خدا سے ڈرو ہمارے متعلق کوئی ایسی بات قبول نہ کرو جو قول خدا و سنت پیغمبرؐ کے خلاف ہو۔ کیونکہ ہم جب کچھ بیان کرتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ خدا اور رسولؐ نے یوں فرمایا ہے" (یعنی اپنی رائے و قیاس سے کچھ نہیں کہتے اور نہ ہی غیر معصوم کا قول نقل کرتے ہیں) ان حقائق کی موجودگی میں ہر وہ روایت جو ان ذواتِ مقدسہ کی طرف منسوب ہو کیونکر آنکھیں بند کر کے اسے قبول کیا جا سکتا ہے؟

عصر جدید کے جدید علماء و مؤلفین کی تلوّن مزاجیاں

اس دور جدید کے بعض جدت پسند جدید مؤلفین کی حالت بھی عجیب ہے جب ماننے پر آئیں تو یہ کہہ کر کہ "فرمانِ معصومؑ کو تسلیم کرنا واجب ہے" "خطبۃ البیان" جیسے بے سروپا اور بے اصل و بے بنیاد خطبات کو بھی تسلیم کر کے ان پر اپنے اعتقاد کی بنیاد قائم کر لیتے ہیں۔ اور جب انکار پر آمادہ ہوں تو منہج التحقیق کے حوالے سے ہم بجا میں درج شدہ حدیثِ امام جس میں خلقتِ نوری سے خلقتِ روحی مراد لی گئی ہے کو مجہول الحال مؤلف کی تالیف کہہ کر ٹھکرا دیتے ہیں۔ بلکہ اصولِ کافی کی یونس بن عبد الرحمٰن والی صحیح السند روایت جس میں عمود نور کی تشریح فرشتہ کے ساتھ

کی گئی ہے۔ جیسے سرکار علامہ مجلسیؒ جیسے محدث خبیر نے صحیح السند تسلیم کیا ہے (مراۃ العقول ج ۱ ص۲۹۱) اس کو اپنے مدعا کے خلاف پا کر خبر واحد کہہ کر اور اس کے بعض راویوں پر بزعم خود جرح کر کے مسترد کر دیتے ہیں۔ اور اس کے باوجود نہ ان کے ایمان و ایقان میں کوئی رخنہ واقع ہوتا ہے اور نہ ہی معرفتِ امام میں کوئی فرق پڑتا ہے ع

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے

لیکن اگر اصولِ روایت و درایت کے مطابق ہم کسی بے سر و پا روایت کو ناقابل استدلال قرار دے دیں تو زمین سر پر اٹھا کر داد و فریاد کی جاتی ہے اور اسے عدم معرفت امام کی دلیل قرار دیا جاتا ہے۔ مالکم کیف تحکمون ؟

متشابہ اخبار و آثار

مذکورہ بالا حقائق کے علاوہ ایک اور چیز بھی ہے جو روایات میں غور و فکر کرنے کی دعوت دیتی ہے وہ یہ ہے کہ بکثرت احادیث معتبرہ میں وارد ہے کہ "ان فی اخبارنا متشابہاً کمتشابہ القرآن ومحکماً کمحکم القرآن فردوا متشابہہا الی محکمہا ولا تتبعوا متشابہہا دون محکمہا فتضلوا۔" ہمارے اخبار کچھ متشابہ ہیں مثل متشابہ قرآن اور کچھ محکم ہیں مانند محکم قرآن۔ لہٰذا تم متشابہ کو محکم کی طرف لوٹاؤ۔ اور خبردار محکم کو چھوڑ کر متشابہ کی اتباع نہ کرنا ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے۔ (عیون اخبار الرضاؑ ص۲۹ و احتجاج طبرسی ص۲۲۳) اس لئے اہل علم کا فرض ہے کہ وہ کسی بھی روایت پر عقیدہ و عمل کی دیوار استوار کرنے سے پہلے اچھی طرح غور و فکر کر لیں کہ وہ روایت محکم ہے یا متشابہ؟ اگر اس امر کو ملحوظ نہ رکھا گیا تو پھر مطابق فرمانِ امامؑ گمراہی یقینی ہے۔

(اعاذنا اللہ منہ)

ازالۂ شبہ

بعض احادیث میں وارد ہے کہ ہماری حدیثیں سخت مشکل ہیں۔ ان کا تحمل صرف نبی مرسل، یا ملک مقرب یا مومن ممتحن ہی کر سکتے ہیں۔ لہٰذا جب تمہارے پاس ہماری حدیث پہنچے اور مطلب سمجھ میں آجائے تو فبہا ورنہ اسے عالم آل محمدؐ (امامؑ) کی طرف لوٹاؤ۔ خبردار! انکار نہ کرنا کیونکہ ہماری حدیث کا انکار کفر ہے۔ (بصائر، بحار وغیرہ) اس وقت ہم اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتے۔ کہ ان صعب مستصعب احادیث سے مراد کیا ہے؟ کیا یہ معارفِ امامت کے متعلق ہیں یا ائمہ کے بعض عجائب و غرائب احوال سے ان کا تعلق ہے یا علم ما یکون سے وابستہ ہیں۔ یا ان سے مخالفین کی مذمت مراد ہے یا عالم آخرت کے بعض اسرار و رموز مراد ہیں وغیرہ وغیرہ۔ لیکن مذکورہ بالا حقائق کے پیش نظر ان کی کوئی مناسب حال تاویل لازماً کرنا پڑے گی۔ چنانچہ سرکار علامہ مجلسیؒ نے ان کی دو تاویلیں کی ہیں:

تاویلِ اوّل: یہ معلوم ہو جانے کے باوجود کہ یہ امام معصومؑ کی حدیث ہے اسے ٹھکرا دیا جائے ظاہر ہے کہ اس صورت میں امامؑ کا استخفاف لازم آتا ہے جو عدم ایمان بلکہ عدم اسلام کی دلیل ہے۔

تاویلِ دوم: آیاتِ محکمات اور روایاتِ متواترات پر پیش کئے بغیر محض اپنی رائے ناقص و قیاس فاسد

سے اسے مسترد کر دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ روش و رفتار بھی انتہائی قابلِ مذمت ہے۔ (ملاحظہ ہو مرآۃ العقول ج ا ص ۳)

ان فی ذٰلک لبلاغاً لقوم یعقلون۔

یہ کتاب کیوں لکھی گئی؟

ہم بتصدق چہاردہ معصومینؑ خدائے اجل و اکرم کے خاص فضل و کرم سے گزشتہ سال عقائدِ ایمانیہ و تحقیق اصولِ اسلامیہ پر ایک مکمل و مدلل کتاب بنام "احسن الفوائد فی شرح العقائد" لکھ کر ابناء قوم و ملت کے سامنے پیش کر چکے ہیں جس میں قریباً قریباً تمام شیعہ عقائد و مسلمات کو قرآنِ کریم، احادیث معصومینؑ اور عقلِ سلیم کی روشنی میں ثابت کیا گیا ہے اور دیگر فرقہائے اسلام کے مقابلہ میں دلائلِ قاطعہ و براہینِ ساطعہ سے شیعہ اصول و عقائد کی برتری واضح کی گئی ہے اور ہر ہر موضوع پر ملاحدہ و منکرین کے شکوک و شبہات کو عقلی و نقلی ادلہ سے علومِ قدیمہ و جدیدہ کی روشنی میں بڑے عمدہ و احسن انداز میں رد کیا گیا ہے۔ اور یہ کتاب رئیس المحدثین حضرت شیخ صدوق علیہ الرحمہ کے رسالہ شریفہ اعتقادیہ کی شرح ہے اس کتاب کی اشاعت کے بعد جہاں علماء اعلام و دیگر اربابِ تحقیق و انصاف نے اسے اس صدی کا علمی شاہکار اور اپنے موضوع پر تحقیقی و علمی اعتبار سے بے مثال کتاب قرار دیا (جیسا کہ اس کتاب کی تقریظوں و تبصروں سے یہ بات واضح ہے جو اس پر لکھے گئے والحمد للہ علی احسانہ) وہاں چونکہ اس سے بعض غلو نواز حضرات کے طبع زاد عقاید پر کاری ضرب لگی تھی اس لئے انہوں نے تقریر و تحریر کے ذریعہ اس کے اور اس کے مصنف کے خلاف محاذ قائم کر کے غوغہ آرائی کرنا اپنا فریضہ سمجھ لیا۔ یہ اپنی سرشت و کشت کا فرق ہے کہ یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْراً وَّیَھْدِیْ بِہٖ کَثِیْراً۔ ان حضرات کے خیال کے مطابق ہم سے غلطی یہ سرزد ہوئی ہے کہ (باوجود ائمہ اہل بیتؑ کے بے شمار صحیح فضائل و مناقب بیان کرنے کے) ان ذواتِ قدسیہ کے خالق و رازق اور محی و ممیت ہونے کی نفی کر دی اور ان کو خالق و رازق قرار دیئے جانے والے نظریہ کو غلط اور بے بنیاد قرار دیا ہے فذٰلک ذنب لست عنہ اتوب۔ اسی طرح اور بھی بعض عقائد صحیحہ ایسے تھے جو ان کے ذاتی خیالات کے متصادم تھے۔

بہر حال جب ہم نے یہ دیکھا کہ آجکل بعض اہم دینی عقائد پر اخبارات و رسائل اور منابر پر طبع آزمائیاں اور ہنگامہ آرائیاں ہو رہی ہیں اور بعض صحیح عقائد کو بعض دین فروش لوگ غلط انداز میں عوام کے سامنے پیش کر کے انہیں شیعہ اعلام اور مدارس دینیہ سے بدظن کرنے کی سعی نافرجام کر رہے ہیں۔ ان میں کچھ چٹھیاں ہیں کچھ دینی مسائل پر بعض اہم فتاویٰ ہیں۔ کچھ اخبارات و جرائد کے مضامین ہیں۔ جن میں حق کشی۔ باطل کوشی اور خالق کی بجائے مخلوق کی رضا جوئی کا مظاہرہ کیا گیا ہے ؎

میں اکثر سوچتا ہوں کس طرح سے ان کو سمجھاؤں
یہ جو کچھ کر رہے ہیں اس سے نظمِ انجمن بگڑا

سمجھا گیا کہ قرآن کریم، احادیث معصومینؑ اور عقل سلیم نیز تحقیقات علماء متقدمین و متاخرین کی روشنی میں محققانہ اور جامع تبصرہ کر کے احقاق حق و ابطال باطل کا مذہبی فریضہ انجام دیں۔ تاکہ عذر و نذر اور اتمامِ حجت میں کوئی کمی باقی نہ رہ جائے۔

لیھلک من ھلک عن بیّنۃ و یحییٰ من حیّ عن بیّنۃ اسی لئے کتاب کو دس ابواب پر تقسیم کرکے بعد از استخارہ یہ کتاب لکھنا شروع کر دی جس کے ہر ہر باب میں ایک ایک اہم موضوع پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ وھو حسبی ونعم الوکیل ۔

من آنچہ شرط بلاغ است با تو می گویم
تو خواہ از سخنم پند گیر و خواہ ملال

اُصُول الشریعہ کے اشاعت کے بعد کیا ہوا؟

احسن الفوائد کی اشاعت کے بعد جو حالات رونما ہوئے تھے ان کا اجمالی تذکرہ سطور بالا میں کیا جا چکا ہے۔

اُصُول الشریعہ جو اصلاح احوال و عقائد کے جذبہ سے سرشار ہو کر لکھی گئی تھی یقیناً علم دوست اور تحقیق پسند حلقوں کی طرف سے توقع سے بھی زیادہ اس کی پذیرائی کی گئی۔ الحمد للہ۔ مگر جن لوگوں نے پہلے احسن الفوائد کی مخالفت کی تھی۔ ان کی طرف سے تو اب گویا مخالفت کا آتش فشاں پہاڑ پھوٹ پڑا۔ اور تقریر و تحریر میں اس کے خلاف تہذیب و شرافت کے تمام تقاضوں کو یکسر نظر انداز کر کے وہ ہڑبونگ مچایا کہ الامان والحفیظ تفصیل ذیل میں آ رہی ہے۔

ہماری دوسری کُتب بالعموم اور "احسن الفوائد" و "اُصول الشریعہ" بالخصوص عظیم کتابیں ہیں

ہم نہ یہ بات کسی تعلّی اور تکبّر کی بنا پر نہیں (جو کہ مذموم ہے) بلکہ محض تحدیث نعمت پروردگار کی بنا پر جو کہ ممدوح ہے، کہہ رہے ہیں کہ بفضلہ تعالیٰ ہماری دوسری کتابیں بالعموم اور "احسن الفوائد" و "اصول الشریعہ" بالخصوص دنیائے اسلام و تشیع کی عظیم کتابوں میں سے ہیں۔

عظمتِ کُتب کا معیار کیا ہے؟

یہ مسلّمہ عقلائی قاعدہ ہے کہ ہر دعویٰ کے اثبات کے لئے قطعی ثبوت لازم ہوتا ہے، ورنہ وہ دعویٰ نظرِ عقلا میں قابلِ قبول نہیں ہوتا۔ بنا بریں مذکورہ بالا دعویٰ کے ثبوت میں پہلے ہم معیارِ عظمت کے متعلق ایک مشہور انگریز مصنف رابرٹ ڈاؤنز کی رائے گرامی پیش کرتے ہیں۔ جس نے دنیا کی عظیم سولہ کتابوں کا انتخاب شائع کیا۔ اور اس کا نام رکھا "کتابیں جنہوں نے دنیا بدل ڈالی"، جس کا اردو ترجمہ ملک کے مشہور قلمکار ادیب غلام رسول مہر نے کیا ہے۔ اس کے بعد اس معیار کی روشنی میں اپنی کتابوں کی عظمت کا جائزہ لیں گے ان شاء اللہ وہ اس کتاب کے مقدمہ میں عظمت و اثر آفرینی کے معیار پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> "اثر کی حیثیت کا بڑی حد تک علمی معیار یہی ہے کہ مخالف و موافق معاصرانہ رائیں پیش نظر رکھی جائیں اگر کسی کتاب کے خلاف شدید جذبات ابھرے اور اسی اہتمام سے حامیوں نے کتاب کی تائید میں سرگرمی دکھائی تو اغلب خیال یہی ہوتا ہے کہ اس کتاب نے لوگوں کے افکار پر گہرا اثر ڈالا ہے"

اس معیار کی روشنی میں اُصُول الشریعہ وغیرہ کا جائزہ

اگر بنظرِ انصاف حالات کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت ہر قسم کے شک و شبہ سے بالا نظر آتی ہے

ہماری نام بردہ کتابیں اس معیارِ عظمت پر صد فی صد پوری اترتی ہیں جب سے یہ کتابیں منظرِ عام پر آئی ہیں۔ موافقت و الفت کا ایک طوفان امڈ آیا ہے۔ اگر ایک فریق یہ کہہ کر "عمری انه کتاب لا یحبه الا مومن ولا یبغضه لا منافق" انہیں ایمان و نفاق کا میزان قرار دے رہا ہے۔ تو دوسرا گروہ انہیں قابلِ ضبطی اور سوختنی قرار دے رہا ہے۔ تقریر و تحریر میں برابر دونوں فریق برسرِ پیکار ہیں۔ اور پوری شدت سے ایک دوسرے پر تابڑ توڑ حملے کر رہے ہیں اگرچہ ی گروہ نے تہذیب و متانت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا جبکہ مخالف گروہ نے اخلاق و تہذیب کے تمام مسلمہ اصولوں و پامال کر دیا ہے و کل اناء بالذی فیه یترشح الخ

اسلام چونکہ دینِ فطرت ہے اس لئے وہ ضمیر و خیال کی آزادی کو سلب نہیں کرتا۔ اور نہ ہی وہ حریتِ فکر و رائے ا دشمن ہے وہ دلیل و برہان سے اطمینانِ نفس کرائے بغیر صرف جبر و اکراہ سے کوئی بات نہیں منواتا۔ وہ مجموعۂ مزخرفات خرافات نہیں۔ بلکہ سراسر حقائق و معارف کا بیش بہا خزینہ ہے۔ ہاں یہ اور بات ہے ؎

آزادئ افکار سے ہے اُن کی تباہی
رکھتے نہیں جو فکر و تدبر کا سلیقہ

اہلِ دانش و بینش سے پوشیدہ نہیں ہے کہ جس طرح پادریوں نے عیسائیت کو خرافات کا مجموعہ بنا ڈالا تھا۔ اور پنے قول و کردار سے نئی پود کے ذہنوں میں یہ چیز راسخ کر دی تھی کہ مذہب عقل و خرد کا ساتھ دینے سے قاصر ہے اور ترقی ی راہ میں سنگِ گراں اور اس تاثر کو کوتاہ اندیش گروہ کے اس رویہ سے مزید تقویت ملی کہ انہوں نے سینکڑوں، فلسفہ و سائنس کے محققین اور موجدین کو بڑی کربناک اذیتیں دے دے کر موت کے گھاٹ اتروا دیا۔ اس لئے ان تنگ نظر ور باطن پادریوں کی روش و رفتار سے تنگ آ کر اور ان کے خود مذہبی اصولوں سے بیزار ہو کر نئی پود نے مذہب کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر دیا۔ اور مذہب کا جُوا گردن سے اُتار پھینکا یہ حقیقت اگرچہ تلخ ہے مگر ہے بہرحال حقیقت کہ موجودہ دور کے ملا و مولوی بھی اپنے غلط اندازِ تبلیغ اور اپنی غلط روش و رفتار سے نئی پود کو مذہب سے بیگانہ و بیزار کرنے میں خاص ردار ادا کر رہے ہیں جب نئی پود یہ دیکھے گی۔ کہ فلاں عالم کی نظر میں فلاں عالم کافر اور فلاں مولوی کی نگاہ میں فلاں ملحد۔ تو وہ بالآخر نجات کسی اور دین میں ہی تلاش کرے گی۔ یا بالکل ہی لامذہب ہو جائے گی۔ (لا قدر اللہ)

مخالفت کا طوفان

مذکورہ بالا اصول کے مطابق جب یہ بات ثابت ہے کہ اسلام حریتِ فکر و رائے کا مخالف نہیں بلکہ مؤید ہے اور وہ ہر صاحبِ فکر و نظر کو دلیل و برہان کے ساتھ بطریقِ احسن اپنے نظریہ کے اظہار کا حق دیتا ہے۔ تو اگر بالفرض مولوی صاحبان کے خیال کے مطابق ہم نے کوئی نیا نظریہ بھی پیش کیا تھا۔ تو عدل و انصاف اور صدقِ نیت کا تقاضا تو یہ تھا کہ یہ لوگ ہاؤ ہو کرنے کی بجائے ہماری کتب کا بنظرِ غائر مطالعہ کرتے اور اگر کوئی مطلب ان کو بظاہر حق کے خلاف معلوم ہوتا۔ تو پہلے تو خود اس کے لئے کوئی مناسب تاویل کرتے۔ (کما ورد فی الحدیث احمل فعل اخیک علی احسنہ) اور اگر ایسا نہ کر سکتے تو پھر مصنف کی طرف رجوع کرتے (کیونکہ

"تصنیف را مصنف نیکو کند بیان" تا کہ وہ حقیقتِ حال کی وضاحت کر دیتے۔ یا اگر فی الواقع وہ مطلب غلط ہوتا تو شکریہ کے ساتھ ہم اس کی اصلاح کر لیتے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے کوئی نیا نظریہ یا عقیدہ پیش نہیں کیا۔ بلکہ انہی عقاید و نظریات کو اپنے الفاظ میں پیش کیا ہے جن پر قریباً چودہ سو سال کے شیعہ علماء اعلام کا اتفاق ہے۔ اور پھر ہر موضوع و مسئلہ پر متعدد آیاتِ قرآنیہ، بیسیوں احادیثِ معصومیہ، اور سینکڑوں اقوالِ علماء امامیہ پیش کئے ہیں جس کے بعد کسی بھی منصف مزاج آدمی کے لئے کسی قسم کے شک و ریب کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔ الا علی اکمہ لا یبصر القمرا۔ کیا اصلاح کا یہی طریقہ ہے جس پر عمل پیرا ہیں۔ ہم نے تو ہمیشہ اُن کو دعوت دی ہے کہ باہم دگر بیٹھ کر افہام و تفہیم کر لیں۔ اگر ہماری غلطی ثابت ہو جائے تو ہم اس کا اعتراف و ازالہ کرنے کے لئے تیار ہیں۔ مگر یہ حضرات کسی اصلاحی اقدام پر آمادہ نہیں ہیں۔

یہ سب ہاؤ ہو محض ذاتی حسد و رقابت کا نتیجہ ہے

مگر افسوس ان لوگوں نے خوفِ خدا اور خوفِ حشر و نشر اور پاسِ مذہب و ملت سے بالا ہو کر اور اس بات سے بے نیاز ہو کر کہ "عرض المسلم کدمہ" (کہ مسلمان کی عزت و ناموس کا احترام اس کے خون کی طرح واجب ہے) اور اس بات سے بھی غضِ بصر کر کے کہ اہلِ ایمان کو ذلیل و رسوا کرنے کی ناکام کوشش کرنے والوں کا انجام کیا ہے "ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشۃ فی الذین امنوا" اپنے مخصوص اغراض کے تحت جو طوفانِ بدتمیزی و فتنہ انگیزی بپا کیا ہے۔ اور جس بھونڈے انداز میں خالص علمی مسائل و عقائد کو علمی سطح پر سلجھانے کی بجائے عوامی سطح پر اچھال اچھال کر قوم کے اتحاد و اتفاق کو پارہ پارہ کیا ہے اور جس طرح اغیار کے لئے اسبابِ تضحیک فراہم کئے۔ اور ملک کے کونہ کونہ میں فتنہ و فساد کی آگ روشن کی۔ عین اس وقت جبکہ اُن کی زبانوں پر لا تفسدوا فی الارض کا وعظ جاری تھا۔ وہ یہ بھول گئے کہ الفتنۃ اکبر من القتل۔ بہرحال انکی اس روش کے پیشِ نظر ہر معمولی عقل و خرد رکھنے والا انسان بھی یہ بات بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ یہ سب ہاؤ ہو محض ذاتی حسد و رقابت اور ذاتی غلبہ و اقتدار کے جذبہ کا نتیجہ ہے اور یہ سب غوغا آرائی اور نبرد آزمائی صرف اس لئے ہے کہ ہم نے بعونہٖ تعالیٰ درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور تحریر و تقریر غرضکہ ہر علمی میدان میں ان لوگوں کا حدود اربعہ بیان کر کے ان کی حقیقتیں بے نقاب کر دی ہیں۔ اور ان کے علم و عمل اور دین و دیانت کا صحیح طول و عرض واضح کر دیا ہے ؎

انہیں شکایت ہے ہم فقیروں کے خامۂ حیرت رقم سے
کہ اسکی معجز نگاریوں سے عجب حقائق نکھر رہے ہیں

اس لئے وہ مذہب کی آڑ لے کر ذاتی انتقام کی آگ بجھا رہے ہیں۔ ان کو اس کی مطلق پروا نہیں کہ قوم بے عملی و بد عقیدتی کی کن اتھاہ گہرائیوں میں گر رہی ہے؟ زمانہ کس رفتار سے آگے بڑھ رہا ہے؟ موجودہ دور کے تقاضے کیا ہیں اور ان سے عہدہ برآ ہونے کا طریقہ کار کیا ہے؟ وہ آج سے کئی سو سال پرانے کھینچے ہوئے خطوطِ تبلیغ پر آنکھیں بند کر کے چل رہے ہیں۔ اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لئے زورِ تقریر و تحریر صرف کر رہے ہیں۔ ارباب بصیرت جانتے ہیں کہ ان کی اس

جنگ زرگری کو دین و مذہب سے ہرگز کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی انہیں اپنے ذاتی مفاد کے سوا قوم وملت سے کوئی ہمدردی ہے۔ مگر ان حضرات کو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ وہ اپنے ان اوچھے ہتھیاروں سے اپنے وقار کی گرتی ہوئی دیوار کو زیادہ دیر تک سہارا نہیں دے سکتے۔ اب قوم بیدار ہو چکی ہے اور ان کا یوم الحساب قریب آگیا ہے۔ اب ان کے قصرِ عظمت و کبریائی کی جڑیں کھوکھلی ہو چکی ہیں۔ اور ان کی مذہبیت اور اخلاق بے نقاب ہو چکے ہیں۔ قوم ان سے متنفر ہے اور ان کے کردار سے بے زار ہو رہی ہے اور یہ سوچنے پر مجبور ہو رہی ہے کہ اب تک اس نے منبر و محراب ان کے حوالہ کر کے کھویا کیا ہے اور پایا کیا ہے۔ قوم اب اس نہج پر سوچ رہی ہے کہ چالیس پچاس سال ہو گئے یہ سب لوگ ہمیں سونے کی چڑیا سمجھ کر دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہے ہیں۔ مگر اس پورے عرصہ دراز میں انہوں نے ہمارے مستقبل کو تابناک و درخشاں بنانے کے لئے کوئی دینی مدرسہ کھولا؟ یا ہمیں کوئی پیش نماز وغیرہ مہیا کیا؟ کوئی مدرس پیدا کیا؟ اور جب تقسیم ملک کے بعد ہمارے مقامی علماء نے دینی مدارس کھولے جن کی بدولت آج نہ مدرسین کی کوئی کمی ہے نہ مبلغین کی اور نہ پیش نمازوں کی۔ تو ان لوگوں نے بجائے حوصلہ افزائی کے اُلٹا ان کے خلاف تقریر و تحریر میں محاذ قائم کر دیا ذرھم یاکلوا ویتمتعوا ویلھھم الامل فسوف یعلمون"

تشدد و فتنہ انگیزی علمی شکست خوردگی کی دلیل ہے

یہ بات ہر قسم کے شک و شبہ سے بالا ہے کہ اسلام "امن و سلامتی" کا مذہب ہے اس کے اندر شر انگیزی، فتنہ خیزی اور مذہب کے نام پر خون ریزی کرنے کی ہرگز کوئی گنجائش نہیں ہے اور نہ وہ اس غلط جذبہ کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ بلکہ وہ "الفتنۃ اشد من القتل" کہہ کر اس فساد کی جڑ کو کاٹ دیتا ہے ؎

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہب کے نام پر ظلم و ستم کرنے اور فتنہ و فساد پھیلانے والے یا تو خود لامذہب ہوتے ہیں۔ او مذہب کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ یا پھر مذہبی حقائق و معارف سے یکسر جاہل ہوتے ہیں۔ اسی طرح یہ حقیقت بھی ناقابلِ انکا ہے کہ تشدد و زیادتی پر صرف وہی لوگ اترتے ہیں جن کے علمی ترکش میں کوئی تیر نہیں ہوتا۔ اور وہ علمی سطح پر گفتگو کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ قرآن ایسے عبرتناک واقعات سے بھرا پڑا ہے مثلاً جب حضرت نوحؑ شب و روز ایک کر کے نہایت بے غرضی و بے لوثی سے قوم کو دعوت الی الحق دیتے ہیں۔ اور دلائل سے ان کے غلط نظریات کا تار و پود بکھیرتے تو قوم جب علمی میدان میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی تو تشدد پر اتر آتی ہے اور کہتی ہے لئن لم تنتہ ینوح لتکونن من المرجومین رپ ۱۹ س شعراء ع ۱) اے نوح! اگر آپ ان باتوں سے باز نہ آئے تو آپ کو ضرور سنگسار کر دیا جائے اسی طرح جب خلیل خدا نے ہمدردی خلائق کے نیک جذبہ سے سرشار ہو کر بڑے احسن انداز میں قوم کو ان کے عقیدہ کی غلطی پر ٹوکا اور دلیل و برہان سے خدا کے سچے راستہ کی طرف بلایا تو جاہل قوم نے وہی جواب دیا جو قبیل ازاں

کو دیا گیا تھا یعنی یہ کہا لئن لم تنتہ لارجمنک (پ س مریم ع ۳) اگر آپ اس عقیدہ و تبلیغ سے باز نہ آئے۔ تو آپ کو سنگ سار کر دیا جائے گا۔

اسی طرح جب جناب لوطؑ نے اپنی قوم کو چاہِ ضلالت سے نکالنے کے لئے عملی جدوجہد شروع کی اور دلیل کی زبان میں ان سے بات کرنا چاہی تو قوم نے ان کو ملک بدر کرنے کی دھمکی دی۔ اخرجوھم من قریتکم (پ س اعراف ع ۱۰) ان کو اپنی بستی سے نکال دو۔ اور وہ بار بار حملہ کر کے چڑھ آتے رہے اور ان کو ڈراتے دھمکاتے بھی رہے تاکہ کسی طرح وہ اپنے مشن سے دست بردار ہو جائیں۔

جب جنابِ شعیبؑ نے قوم کو صحیح راستہ کی تبلیغ شروع کی تو ان کے مخالفین نے بھی یہی طریقۂ کار اختیار کیا۔ لنخرجنک یٰشعیب والذین امنوا معک من قریتنا (پ س الاعراف ع ۱۱) اے شعیبؑ! اس عقیدہ اور اس کی نشر و اشاعت سے باز آ جاؤ ورنہ ہم تمہیں اور ان لوگوں کو جو تمہارے ساتھ ایمان لائے ہیں۔ اپنے شہر سے نکال دیں گے۔"

پھر حضرت موسیٰؑ اور ان کے متبعین سے بھی وہی متشددانہ سلوک کیا گیا جو ان سے پہلے انبیاءؑ کے ساتھ کیا گیا تھا۔ فرعون نے جنابِ موسیٰؑ کو دھمکی دی لئن اتخذت الٰہاً غیری لاجعلنک من المسجونین (پ س شعراء ع ۲) اگر میرے سوا کسی اور کو خدا مانا تو میں تمہیں قید میں ڈال دوں گا۔ اسی طرح اپنے کارپردازوں کو حکم دیا اقتلوا ابناء الذین امنوا معہ واستحیوا نساءھم (پ س مومن ع ۳) جو لوگ موسیٰؑ پر ایمان لائے ہیں۔ ان کے بیٹوں کو قتل کر دو۔ اور لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دو۔"

پھر دیکھئے جنابِ عیسیٰؑ کو اسی تبلیغ حق کے جرم میں کیسے کیسے مظالم کا نشانہ بنایا گیا۔ اور جنابِ خاتم الانبیاءؐ پر مصائب و شدائد کے وہ کوہِ گراں گرائے گئے اور وہ وہ مظالم ڈھائے گئے۔ کہ جن کے تصور سے ہی انسان لرزہ براندام ہو جاتا ہے خود آنحضرتؐ کا ارشاد ہے ما اوذی نبی کما اوذیت "جس قدر راہِ حق میں مجھے (روحانی و جسمانی) اذیت و تکلیف دی گئی ہے اتنی کسی بھی نبی کو نہیں دی گئی۔" اور پھر آنحضرتؐ کی عترتِ اطہار پر تو اقامۂ دین اور احقاقِ حق و ابطالِ باطل کے جرم میں اس قدر مظالم ڈھائے گئے کہ ظلم و ستم کا خاتمہ ہی ہو گیا۔ یہ سب کچھ ہمیشہ برابر ہوتا رہا۔ مگر قابلِ غور بات یہ ہے کہ کیا ظلم و ستم کرنے والے کبھی ہادیانِ دین کے پائے ثبات میں لغزش واقع کرنے میں کامیاب ہو سکے؛ کیا ان کو اپنے صحیح مشن سے دست بردار کر سکے؛ کیا ان کی مقدس گردنوں کو باطل کے سامنے خم کر سکے؛ نہیں اور ہرگز نہیں۔ تاریخ کے صفحات گواہ ہیں۔ کہ ان بزرگواروں نے ہمیشہ باوجود فضا کے ناموافق ہونے کے چراغِ ہدایت برابر روشن رکھے اور جب کبھی حالات نے بہت ہی نازک صورت اختیار کر لی۔ تو اپنی مقدس گردنیں کٹوا لیں اور نوکِ سنان پر چڑھوا لیں۔ مگر ان کو باطل کے سامنے جھکانا یا باطل کی ہاں میں ہاں ملانا گوارا نہ کیا۔ "ولنا فی الانبیاء والائمۃ اسوۃ حسنۃ" ؎

کب دبدبۂ جبر سے دبتے ہیں کہ جن کے
ایمان و یقیں دل میں لئے رہتے ہیں تنویر

جوابی کتب کا غیر متناہی سلسلہ

جب سے ان حضرات نے اختلاف و افتراق کا یہ موجودہ قبیح سلسلہ شروع کیا ہے ہم نے ہر سطح پر واشگاف الفاظ میں کہا ہے کہ اگر اس فتنہ سامانی اور ہنگامہ آرائی سے ان حضرات کے کچھ ذاتی اغراض و مفادات وابستہ نہیں ہیں تو پھر دو باتوں میں سے ایک قبول کریں۔

(۱) باہم بیٹھ کر علمی سطح پر گفتگو کر کے کوئی صحیح حل تلاش کریں۔

(۲) یا اپنے دینی و ملی مرکز نجف اشرف کے مجتہد اعلم کی طرف رجوع کریں۔ پھر پوری قوم ان کے مدلل و مکمل فیصلہ کے سامنے تسلیم خم کر دے۔ نہ صرف ہم بلکہ کئی ہمدردانِ قوم و ملت اس سلسلہ میں مخلصانہ کوششیں کر کے تھک گئے ہیں۔ مگر اس سلسلہ میں "وہاں ایک خامشی ہے ان سب کے جواب میں"

اس سے یہ حقیقت نصف النہار کی طرح واضح و آشکار ہو جاتی ہے کہ ان لوگوں کا مقصد اصلاح نہیں بلکہ فساد ہے۔ قوم کا سنجیدہ طبقہ ان کی اس روش و رفتار سے بیزار بھی ہے اور حیران و پریشان بھی اور وہ یہ کہنے پر مجبور ہے کہ

؎ ما مریداں رو بسوئے قبلہ چوں آریم چوں — رو بسوئے خانۂ خمار دارد پیر ما

ان حضرات کی روش سے کچھ ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی نگاہ میں فی زمانہ دین کی خدمت "اصول الشریعہ" کی جواب نویسی میں ہی منحصر ہے۔ و بس

لکھنے والوں کے انواع و اقسام

ارباب دانش و بینش جانتے ہیں کہ لکھنے والوں کی متعدد قسمیں ہیں۔ کچھ اعلائے کلمۃ الحق کی خاطر قلم اٹھاتے ہیں، کچھ قوم و ملت کی خدمت کے لئے دست و قلم کو جنبش دیتے ہیں۔ اور کچھ دین و مذہب کی حمایت کے صالح جذبہ سے سرشار ہو کر میدانِ تحریر میں قدم رکھتے ہیں۔ اہل قلم کے انہی اقسام میں سے ایک قسم اُن لکھنے والوں کی بھی ہے جو محض اس لئے قلم اٹھاتے ہیں کہ اس سے دُنیا والوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ بھی موجود ہیں۔ اس لئے وہ اپنی ذات کی معرفی کرانے اور سستی شہرت حاصل کرنے کے لئے بڑے بڑے علماء و فضلاء کے کلام پر غلط سلط تنقید کر کے اپنی اس خواہش کی تکمیل کرتے ہیں۔ مشہور ہے کہ ایک مشہور شاعر کا بیٹا بدقسمتی سے نالائق نکلا جس کا اس کے عظیم والد کو بڑا صدمہ تھا۔ اور ہر وقت اپنے اس نالائق فرزند کو شہرت کے بام عروج پر پہنچانے کی فکر و تدبیر میں غلطاں و پیچاں رہتا تھا۔ بالآخر بڑے غور و فکر کے بعد اُسے ایک تدبیر سوجھی۔ بیٹے کو بلا کر کہا کہ میری وفات کے بعد بڑے مسلم الثبوت اساتذۂ فن شعراء کے کلام کو سامنے رکھ کر ان پر غلط سلط تنقید کر دیا کرنا۔ اس سے سادہ لوح عوام پر تمہاری قابلیت کی دھاک بیٹھ جائے گی اور وہ یہی سمجھیں گے کہ اگر یہ بہت بڑا شاعر نہ ہوتا تو اتنے بڑے جلیل القدر شعراء کے کلام پر تنقید کیوں کرتا؟ بنا بریں بہت سے لکھنے والے محض اس نظریہ کے تحت قلم بکف ہو کر اپنے نامۂ اعمال کی طرح کاغذ سیاہ کرتے ہیں اور علماء اعلام کے منہ لگتے ہیں کہ اس طرح اُن کو سستی شہرت حاصل ہو جائے۔ اور عام لوگ اُن کو بھی عالم و فاضل سمجھیں گے۔ چنانچہ "اصول الشریعہ" کے خلاف

قلم کف صف آرا حضرات میں ہر قسم کے لوگ نظر آتے ہیں۔ اس کھیپ میں کچھ مادر زاد علامے، کچھ خانہ ساز مولانے اور کچھ علم و فضل سے عاری ملانے بڑے بڑے کارنامے انجام دے رہے ہیں۔ اگر عمر کے اعتبار سے دیکھا جائے۔ تو اس صف میں کچھ بڈھے اور کچھ بچے ہیں۔ اور اگر ان کے علمی و عملی حالات و کوائف پر اجمالی نگاہ ڈالی جائے تو بقولِ شاعر اس منڈی میں ہر قسم کا مال موجود ہے مثلاً ؎

کچھ جھوٹے ہیں کچھ سچے ہیں، کچھ بڈھے ہیں کچھ بچے ہیں
کچھ فتنہ و شر کے بانی ہیں، کچھ دین کے دشمن جانی ہیں
کچھ مفتی اور ملانے ہیں کچھ جاہل اور سیانے ہیں
کچھ ابن علیؑ کے تاجر ہیں، کچھ کاسہ لیس مہاجر ہیں
بولیں تو خطیب شہیر بھی ہیں، گھولیں تو سیاسی زہر بھی ہیں
کچھ موتی ہیں کچھ مالا ہیں، کچھ دال میں کالا کالا ہیں

مگر ہاں ہم اب سب کے سب ؏

اب قوم کی خاطر مرتے ہیں، اسلام کا بھی دم بھرتے ہیں

؎ اندکے غمِ دل با تو گفتم و بدل ترسیدم
کہ آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

اِن جوابی کتب میں کیا ہے؟

صرف اصول الشریعہ کے برائے نام قریباً آٹھ دس جوابات اس وقت تک منظرِ عام پر آچکے ہیں اور ہنوز یہ سلسلہ برابر جاری ہے ہم اگر ان کے مؤلفین کا علمی حدود اربعہ بیان کریں اور ان کے علمی شاہکاروں کا مکمل تجزیہ پیش کریں۔ تو ان کو شکایت ہوگی۔ جبینِ ناز پر شکنیں اُبھریں گی اور آبگینہ ہائے دل کو ٹھیس لگے گی۔ اور یہ بات ہمیں گوارا نہیں ہے ؎

خیالِ خاطرِ احباب چاہیئے ہر دم
انیسؔ ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

البتہ اس سوال کہ "ان کتب میں کیا ہے" کے جواب میں اس قدر عرض کرنے کی جسارت کریں گے۔ کہ ان میں اکثر و بیشتر (العرض الجمل لولا الکل)، کذب و افترا پردازی، حیل و فریب بازی، اتہام و الزام تراشی، سب و شتم، تنابز بالالقاب، اپنی خود ستائی دوسرے اہلِ علم و ایمان کی رسوائی، ابلہ فریبی و دھوکہ دہی، ہجو و طنز اور اخلاق باختگی سے لبریز اور علمی حقائق و دقائق اور انداز شرافت سے عاری ہونے کا وہ غلیظ پلندہ ہیں، کہ باستثناء آیاتِ مبارکہ و اسماءِ مقدسہ اگر ان کو جلایا جائے اور کوئی صحیح و تندرست آدمی وہ آگ تاپے تو بعید نہیں کہ وہ کوڑھ کے مرض میں مبتلا ہو جائے۔ بعض حضرات نے وہ انداز تحریر اختیار کیا ہے۔ کہ اس نے بھانڈوں کو بھی مات کر دیا ہے اور بعض میں مطالب خود لکھنے والوں کے خیالات کی طرح یوں پریشان و منتشر ہیں کہ ان پر کشکول ہونے کا گمان ہوتا ہے اور بعض کی زبان وہ بتاتی ہے جس پر ؏

"کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی"

صادق آتا ہے۔ الغرض ان جوابی کتب میں سوائے صحتِ عقیدہ، علمی شان، اور تحقیقی جھلک کے باقی سب کچھ ہے۔ دوسرے لفظوں میں مخالفت برائے مخالفت کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

تضاد ہی تضاد

یہ بات کسی دلیل و برہان کی محتاج نہیں ہے کہ جو بیچارہ ہو اس کے کلام میں تناقض و تضاد ضرور ہوتا ہے۔ خدائے رحمٰن نے قرآن میں اختلاف و تناقض کے نہ ہونے کو اس کی حقانیت و صداقت کا برہان بنا کر پیش کیا ہے: "ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا" (اگر یہ غیر خدا کا (من گھڑت) کلام ہوتا تو ضرور اس میں اختلاف موجود ہوتا) اس مسلّمہ قاعدہ کی صداقت اس وقت اور بھی اجاگر ہو جاتی ہے۔ جب ان جوابی کتب کے مندرجات پر طائرانہ نگاہ ڈالی جاتی ہے۔ یہ لوگ حبِ جاہ، سستی شہرت حاصل کرنے کی چاہ۔ اور ہماری اندھا دھند مخالفت کے جنون سے مجنون ہو کر اس وادی پُرخار میں کود تو پڑے ہیں۔ مگر حالت یہ ہے کہ خود ان کے بیانات تضاد و تناقض کا بدترین نمونہ ہیں۔ ایک کا رُخ مشرق کی طرف ہے تو دوسرے کا مغرب کی جانب۔ اور ایک کا منہ جنوب کی سمت ہے تو دوسرا شمال کی طرف متوجہ ہے۔ گویا کہ وہ زبان حال سے پکار پکار کر کہہ رہے ہیں ؎

کبھی گرتا ہوں ساغر پر، کبھی جھکتا ہوں مینا پر
مری بے ہوشیوں سے ہوش ساقی کے بکھرتے ہیں۔

ان کی اس قابل رحم روش و رفتار کو دیکھ کر بے ساختہ یہ شعر نوک قلم پر آجاتا ہے ؎

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی
کیں راہ کہ تو میروی بترکستان است

ہم ذیل میں ان حضرات کے مختلف الاقسام تضادات و تناقضات کا بطور نمونہ مشتے از خروارے پیش کرتے ہیں۔ تفصیل کے لئے مقدمہ کے ان محدود صفحات میں گنجائش نہیں ہے ع

سفینہ چاہئے اس بحرِ بیکراں کے لئے

ایک مؤلّف کا دوسرے مؤلّف سے تضاد

ان حضرات کا یہ تضاد کئی قسم کا ہے۔ ایک کا دوسرے سے اختلاف، ایک ہی مؤلف کی ایک ہی تالیف میں باہمی اختلاف، ایک مؤلف کی دو کتابوں میں اختلاف اور مؤلف و ناشر میں اختلاف۔ ہم بڑے اختصار کے ساتھ ذیل میں ان اختلافات کے بعض نادر نمونے پیش کرتے ہیں۔ پہلے عنوان بالا کے متعلق چند نوادر ملاحظہ ہوں۔

(۱) موجودہ اختلاف کے بیانِ سبب میں اختلاف۔ ایک صاحب لکھتے ہیں "ہمارا اور حضرات مقصّرین کا اختلاف و باہمی مقابلہ کفر و ایمان کا مقابلہ نہیں، بلکہ تعظیم و توہین کا مقابلہ ہے۔" (حقائق الوسائط[1] ص۲۱) دوسرے صاحب لکھتے ہیں "باختلاف تکلیفِ عباد ان کا مناط درجاتِ ایمان سے ہے۔" (جواہر الاسرار[2] ص۱۵) موجودہ مسائلِ اختلافیہ شیعیان پاکستان

---

[1] نام سے ہی خاندانی عقلمندی ٹپک رہی ہے۔ نام ہے "حقائق الوسائط" یعنی محمد و آل محمد علیہم السلام کی حقیقتیں۔ اور ساری کتاب میں ثابت یہ کیا ہے کہ "ان کو سمجھنے سے عقول عاجز ہیں" (منہ عفی عنہ)

[2] ہم نے دلائل عقلیہ و شرعیہ کے کیمیاوی تجزیہ سے ان معنوی جواہر کا خزف ریزے ہونا ثابت کر دیا ہے۔ (منہ عفی عنہ)

میں فریقین کا ہر شخص مومن قرار پاتا ہے۔" (ایضاً ص۱۰۹)

(۲) "ائمہ اہل بیتؑ کی طرف خلق و رزق کی نسبت دینے میں اختلاف"۔ "۲۴ حضرات کے دستخطوں سے شائع شدہ رسالہ "حقائقِ مذہبِ اہلبیتؑ" کے صفحہ ۲ سوال نمبر ۔ "کیا آنحضرت صلعم اور ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کی یہ ڈیوٹی ہے کہ وہ احیاء و اماتت و خلق و رزق کے کام کرتے ہیں" کے جواب میں لکھا جاتا ہے" یہ عقیدہ کسی شیعہ کا نہیں ہے"..... "کون کہتا ہے کہ خلق و رزق و اماتت و احیاء ان کی ڈیوٹی ہے یہ تو ان کے غلاموں کی ڈیوٹی ہے" (حقائق العقائد[1] ص۱۹۵)۔ لیکن ایک صاحب لکھتے ہیں" اسی طرح ہم ان ذوات مقدسہ کو خالق و رازق اور محی و ممیت اور حاضر و ناظر تسلیم کرتے ہیں" (حقائق الوسائط ص ۹۹/۱۹۰) ایک اور صاحب لکھتے ہیں" یہ معلوم ہوا کہ خلق و رزق و احیاء و اماتت وغیرہ باذن اللہ ملائکہ وغیر ملائکہ انجام دیتے ہیں۔ اور آنحضرتؐ کی طرف ان کاموں کی نسبت دینا ان ذوات مقدسہ کی توہین ہے" (معالم الشریعہ ص۲۰) ایک اور صاحب لکھتے ہیں" اس شرح سے معلوم ہوا کہ تمام امور کا اجراء بھی ذوات مقدسہ کرتے ہیں۔ اور ان کا وظیفہ یعنی ڈیوٹی ہے جو ان کے شایان شان ہے (حقائق الوسائط ص۱۰۱) ایک اور صاحب لکھتے ہیں" اور بعد خلق کائنات تدبیر عالم ان بزرگواروں کو خدا نے تفویض کیا ہے" (اسرار الشریعہ فی عقائد اثنا عشریہ[2] ص۱۵۲) "جمیع مخلوق کے امور اللہ تبارک نے ائمہ اہل بیت علیہم السلام کو تفویض کر دیئے ہیں۔ (ایضاً ص۲۸۹) اس کے ساتھ صاحب حقائق العقائد (ص۴۸) کا یہ فتویٰ بھی دید کے قابل ہے "کسی شیعہ کا یہ دعویٰ نہیں کہ ان کے سپرد ہے۔ یہ تہمت بالائے تہمت ہے کسی شیعہ کا یہ عقیدہ نہیں۔ ہم تو کہتے ہیں کہ یہ کام اُن کے غلاموں کے سپرد ہیں" ؎

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

(۳) "ائمہ کے پاس ملائکہ کیوں آتے ہیں اس میں اختلاف"۔ ایک صاحب لکھتے ہیں "حق تعالےٰ اپنے

---

[1] نام ہے "حقائق العقائد" مگر کتاب دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف صاحب ہنوز وادی شک و ریب میں چکر لگا رہے ہیں کہیں فرماتے ہیں "کیا ممکن نہیں ہے۔ کہ مندرجہ بالا آیت میں رسولؐ اسلام پر جس وحی کا ذکر ہے وہ وہی فطری طاقت ہو (ص۱۲)" اور کہیں لکھتے ہیں" جب خدا کے منتخب دل ہو سکتے ہیں تو تشفیع و تصبیر بھی ہو سکتے ہیں۔ (ص۱۳) افسوس تو اس بات کا ہے کہ جن کو امکان عقلی و امکان وقوعی کا فرق بھی معلوم نہیں وہ علمی مباحث میں بڑی کتابیں لکھ رہے ہیں۔ اور عالم کہلانے پر مصر ہیں۔ (منہ عفی عنہ)

[2] صرف نام سے ہی مؤلف کی علمی لیاقت و قابلیت کا بآسانی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کس قدر مقام تاسف ہے کہ اس قحط الرجال کے دور میں وہ لوگ بھی علمی مباحث میں حصہ لے کر علماء سے الجھ رہے ہیں جو کتاب کا صحیح نام تجویز کرنے کی بھی اہلیت نہیں رکھتے۔ اور عربی و فارسی تو بجائے خود اُردو کی چند سطریں بھی صحیح گرامر کے مطابق لکھنے کی استعداد کے مالک نہیں۔ ؎ تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو (منہ عفی عنہ)

تمام مقدر امور کے احکام کو پہلے ان ذوات مقدسہ کی خدمت میں پیش کرتا ہے اور پھر ان کو کائنات میں ملائکہ کے ذریعے نافذ و رائج کرتا ہے۔ جس کا مقصد محض ان حضرات معصومینؑ کی عظمت و جلالت اور رفعت شان کا اظہار ہے نہ یہ کہ یہ ذوات مقدسہ ان کے افعال و اختیارات میں شریک یا مختار ہیں" (جواہر الاسرار ص۲۵) دوسرے صاحب لکھتے ہیں۔

"اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ صرف اضافۂ علم ہے یا تعظیماً و سلام کی خاطر ولی زمان کے پاس فیصلہ شدہ امور اور ملائکہ لے کر آتے ہیں۔ تو پھر یہی کہا جا سکتا ہے کہ دعاوی اہل بیت علیہم السلام کا منہ چڑاتا ہے (اسرار الشریعہ ص۲۹۰) تیسرے صاحب لکھتے ہیں" لیکن جب امور کے اجراء کا وقت آتا ہے تو ان تمام مقدرات کا علم محمد و آل محمد علیہم السلام کو عطا ہوتا ہے اور ان کے ذریعہ فیصلہ شدہ امور کا اجرا ہوتا ہے اور یہ حضرات اپنے خدام یعنی فرشتوں کو مامور کر دیتے ہیں (حقائق الوسائط ص۱۱۱)

(۴) ائمہؑ کے قدیم ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف:- ایک صاحب لکھتے ہیں" چونکہ محمد و آل محمد علیہم السلام خلقت میں سب سے سابق ہیں لہٰذا قدیم ہیں۔ کیونکہ سابق الموجودات ہیں" (حقائق الوسائط ص۱۹) دوسرے صاحب فرماتے ہیں۔

"ائمہ معصومینؑ کو قدیم نہ مانا جائے کیونکہ یہ صفت مختص بہ پروردگار عالم ہے" (معالم الشریعہ ص۲۰۶)

(۵) نور و بشر کے مسئلہ میں اختلاف:- ایک صاحب لکھتے ہیں" اور تھے بھی مجسم نور" (حقائق العقائد ص۲۳)

دوسرے صاحب لکھتے ہیں" ہمارے ساتھ بشریت میں شارکت رکھتے ہیں" (حقائق الوسائط ص۱)

(۶) نور کی تعریف میں اختلاف:- ایک صاحب لکھتے ہیں" نور روشنی کو کہتے ہیں" (حقائق العقائد ص۱۴۶) اس سے ظاہر ہے کہ نور عرض ہے۔ دوسرے صاحب لکھتے ہیں" النور هو الظاهر بنفسه والمظهر لغيره" یعنی جس کا وجود نفس الامر میں بالتحقیق ہو۔ اور وہ اپنے وجود سے دوسروں کو بالتحقیق وجود میں لائے" (حقائق الوسائط ص۴۰) قطع نظر ترجمہ کی صحت و سقم سے۔ اس تعریف میں نور کو جوہر تسلیم کیا گیا ہے۔

(۷) مؤلف کوکب دری کے مذہب میں اختلاف:- ایک صاحب لکھتے ہیں" وہ اہل سنت میں سے تھا۔ (معالم الشریعہ ص۸۹) دوسرے صاحب اسے شیعہ بتاتے ہیں (جواہر الاسرار ص۹۳)

ایک مؤلف کا اپنی دو کتابوں میں تضاد

جیسا کہ سطور بالا میں بیان کیا جا چکا ہے۔ اس تضاد کی دوسری قسم یہ ہے۔ ایک مؤلف کی دو تالیفوں میں اختلاف و تضاد ہے اس کے بھی بعض نمونے ملاحظہ ہوں۔ موجودہ بحران العقائد سے پہلے جو کچھ لکھا۔ وہ ہمارے بیان کردہ حقائق کے مطابق ہے اور جب ہماری ضد و مخالفت میں قلم اٹھایا تو اپنے سابقہ بیانات پر بھی یک جنبش قلم پانی پھیر دیا۔ چنانچہ دینیات کورس حصہ میں لکھا ہے۔ کہ معجزہ فعل خدا ہے۔ مگر اسی مؤلف نے موجودہ کتاب حقائق العقائد ص۲۳، ۲۴ وغیرہ کئی مقامات پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہ معجزہ نبی و امام کی قوت سے ظہور پذیر ہوتا ہے۔"

رسالہ دینیات حصہ ج پر لکھا ہے۔ نبی و امام انسان کامل ہوتا ہے مگر حقائق العقائد ص۱۱۶ تا ۱۲۳ نیز ص۲۲۸ پر بظاہر ان

نوع علیحدہ اور ان کو فوق البشر ثابت کرنے کی لاحاصل سعی کی گئی ہے۔

ایک ہی مؤلف کا ایک ہی کتاب میں تضاد

یہ اس گروہ کے تضادات کی تیسری قسم ہے۔ کہ ایک ہی مؤلف کا یہ عالم ہے کہ ایک۔ ہی کتاب میں کہیں کچھ لکھا ہے اور کہیں کچھ۔ چنانچہ صاحب حقائق الوسائط ص۱۹ پر موجودہ اختلاف کے متعلق لکھتے ہیں: کفر و اسلام کا نہیں بلکہ تعظیم و توہین اہل بیتؑ کا مقابلہ ہے۔" مگر صفحہ ۳۵۶ پر انہی عقائد کی وجہ سے علماء حق پر کفر کے تمام احکام نافذ کرتے ہوئے لکھا ہے: "مقصّرین کا ذبیحہ حرام۔ ان کی اقتداء میں نماز باطل۔ ان کی گواہی مردود۔ ان کو زکوٰۃ دینا گناہ ثابت ہے۔" اسی طرح ص۲۵۶ پر لکھا ہے کہ "معجزات انبیاء و ائمہ ہی کے افعال ہیں" مگر ص۳۱۳ پر لکھا ہے "اصطلاحی معجزہ کا وجود خال خال ہوتا ہے اور وہ مدمقابل کے مطالبہ کے وقت دکھایا جاتا ہے اور وہ سفارت کی سند کے طور پر پیش کیا جاتا ہے اس میں سفیر خدا کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔" اسی کتاب کے ص۲۵۶ پر علماء حق پر محض اس جرم کی پاداش میں کفر کا فتویٰ عائد کیا ہے کہ وہ معجزہ کو فعلِ خدا مانتے ہیں۔ اس لئے بوجہ مجبرہ ہونے کے محکوم بکفر ہیں۔ اور یہاں خود اعتراف کر رہے ہیں کہ اس میں نبی کا کوئی دخل نہیں ہے۔ یعنی نبی اس سلسلہ میں مجبور ہے۔ کیونکہ خدا کا فعل ہے تو اس طرح اپنے فتویٰ کی زد میں خود بھی آگئے ع

لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

ص۹۹ پر لکھا ہے "وہ وحدہ لا شریک ہے" مگر ص۱۶۰ پر پہنچ کر یہ لکھا۔ کہ "ہم محمد و آلِ محمد علیہم السلام کو خالق و رازق، محی و ممیت تسلیم کرتے ہیں اور اس حدیث کی روشنی میں ان حضرات کو تمام صفاتِ خدا کے ساتھ متصف مانتے ہیں۔ اور یہی اعتقاد حق ہے۔" انا للہ و انا الیہ راجعون۔ خدا تعصب و عناد اور حسد و ضد کا برا کرے کہ یہ صفاتِ رذیلہ انسان کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیتی ہیں ؎

شجر ہے فرقہ آرائی تعصب ہے ثمر اُس کا
یہ وہ پھل ہے جو جنّت سے نکلواتا ہے آدم کو

ایک اور صاحب اپنی کتاب "معالم الشریعہ فی النقد و التبصرۃ علی عقائد الشیعہ۔ من ناقدہ کلب باب العلیؑ الاعظم"[1] پر لکھتے ہیں "جہاں تک اللہ کی معرفت اور اُس کی توحید کا تعلق ہے وہ ہمارے لئے اتنا ہی کافی ہے اور ہم پر اسی قدر واجب ہے کہ ہم اُس کی وحدانیت کے قائل ہو جائیں خواہ ذات میں ہو یا صفات میں، افعال میں ہو یا عبادت میں" ص۱ مگر ص۲ پر لکھتے ہیں "ربوبیت سے تنزیل کا صرف یہی مقصد ہے کہ ائمہ معصومین علیہم السلام کو قدیم نہ مانا جائے کیونکہ

---

[1] علمی جہالت و رذالت کی شعاعیں نام سے ہی پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی ہیں۔ ارباب علم کے لئے مقام تدبر ہے کہ جس کتاب کے صرف نام میں ہی چند علمی غلطیاں موجود ہوں اُس کے دوسرے مندرجات و مطالب کی صحت کا کیا عالم ہوگا ع قیاس کن زگلستان من بہار مرا۔ یہ کتاب بالفاظ مناسب ننگ فیہا "معالم الاقوال الشنیعہ" ہے۔ فتدبر (منہ عفی عنہ)

یہ صفت مختص بہ پروردگار عالم ہے۔ یہ صفت کسی ممکن کے لئے نہ بالذات ممکن ہے نہ باذن اللہ ممکن ہے [illegible] مجازاً۔ اور باقی صفات کا باذن اللہ ممکن میں وجود ممکن ہے" نہ یقین ص۱۶۱ پر لکھا ہے "وہ نہ رب ہیں بلکہ اس کے بندے ہیں" ص۱۲۳ پر توقیع مبارک کا غلط ترجمہ کرتے ہوئے اپنا عقیدہ یوں ظاہر کرتے ہیں۔ کہ "ہم اپنے رب کی بلا واسطہ صنعت ہیں اور باقی مخلوق ہماری صنعت ہے" مگر ص۲۰۵ پر لکھا ہے "اور آنحضرتؐ کی طرف ان کاموں (خلق و رزق و اماتت و احیاء۔ ناقل) کی نسبت دینا ان ذوات مقدسہ کی توہین ہے کیونکہ یہ تمام کام ان کے نوکروں چاکروں کا ہے۔"

ع کبھی اقرار کرتے ہیں، کبھی انکار کرتے ہیں

ایک اور صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں "ائمہ اہل بیتؑ خالق عالم نہیں ہیں۔ ایسے عقیدہ کو احادیث صحیحہ روکتی ہیں جیسا کہ علامہ مجلسیؒ نے اعتقادیہ لیلیہ میں تحریر فرمایا ہے لا تعتقد انہم خلقون العالم بامر اللہ فانا قد نہینا فی صحاح الاخبار عن القول بہ۔ یہ اعتقاد نہ رکھو کہ ائمہؑ اللہ کے امر سے عالم کو پیدا کیا کیونکہ صحیح احادیث میں اس اعتقاد سے روکا گیا ہے۔" (حقائق العقائد ص۲) مگر ص۲۳ پر پہنچ کر یہ لکھتے ہیں "پس اس قاعدہ کی رو سے ثابت ہے۔ کہ غیر اللہ ائمہ اہل بیت علیہم السلام خالق و رازق ہیں۔ فعل خلق و رزق ان کا فعل ہے اور یہ شرک نہیں۔"

ع بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

سچ ہے "دروغ گو را حافظہ نباشد۔"

•

مؤلف و ناشر کا باہمی تضاد

اس سلسلہ میں تضاد بیانی کی یہ آخری قسم ہے کہ ایک شخص کتاب تالیف کرتا ہے دوسرا اپنے حواشی اور نوٹس دے کر شائع کرتا ہے لیکن بموجب "من چہ سرایم و طنبورہ من چہ سراید"۔ مؤلف کچھ کہتا ہے اور ناشر کچھ۔ ایک کا رخ ایک طرف ہے اور دوسرے کا دوسری طرف۔ مثلاً صاحب جواہر الاسرار ص۵ پر یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں کہ "بندوں کے رزق ائمہ معصومینؑ کے دستہائے مبارکہ سے جاری کئے جاتے ہیں" مگر ناشر اسی صفحہ کے ذیلی حاشیہ پر یوں لکھتے ہیں: "بندوں کے رزق کا ائمہ طاہرینؑ کے ہاتھوں پر جاری کرنے سے مراد آپ کے وسیلہ و برکت اور توسط سے جاری کرنا ہے۔" اسی کتاب کے باب چہارم ص۱۱۰ پر بزعم خود مؤلف نے "آنحضرتؐ اور ائمہ معصومینؑ کے عالم غیب ہونے کا اثبات" کرنے کی سعی لاحاصل کی ہے۔ مگر ناشر نے ص۱۲۱ کے حاشیہ پر یہ کہہ کر سرے سے اس بحث کو لایعنی قرار دے دیا کہ "جہاں تک حقیر نے فریقین کی عبارات کا علم غیب سے متعلق دیکھی ہیں۔ سوائے لفظی و اصطلاحی اختلاف کے کچھ نہیں پایا۔" اسی طرح مرتب کتاب نے باب ششم ص۱۶۵ پر بزعم خود یہ ثابت کرنے کے لئے بہت ہاتھ پیر مارے ہیں کہ "آنحضرتؐ اور ائمہ اطہارؑ حاضر و ناظر ہیں"، مگر اسی صفحہ کے ذیلی حاشیہ میں ناشر صاحب رقمطراز ہیں: "نحن لا نقول بالحاضر الا الحاضر بالقوۃ ولا نقول فی بعضہم موجودون فی کل مکان باجسام عدیدۃ ولا یخلو منہم مکان۔" حاضر سے مراد حاضر بالقوہ ہے نہ کہ بالفعل چنانچہ

ہم ہرگز یہ نہیں کہتے کہ وہ متعدد اجسام کے ذریعہ ہر جگہ موجود ہیں۔ اور ان سے کوئی جگہ خالی نہیں البتہ ایسا ہے کہ اگر یہ ذوات مقدسہ کسی جگہ حاضر ہونا چاہیں تو آنِ واحد میں خدا کی قدرت سے حاضر ہو سکتے ہیں۔ خواہ وہ جگہ ہزار میل دُور ہو یا نزدیک:

ہم نے بلا نقد و تبصرہ ان تضادات و تناقضات کے چند نادر نمونے قارئین کرام کی ضیافتِ طبع کے لئے یہاں پیش کر دیئے ہیں۔ جن کو دیکھ کر با بصیرت ناظرین ان حضرات کی دینی بصیرت اور تفقہ فی الدین کا بآسانی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ نیز تحقیق پسند طبائع انہی اختلافات و تضادات کے اندر اصل حقیقت کا بھی سراغ لگا سکتی ہیں۔ ؎

سکوتی بیان عندھا وکلام   وفیہ عبرۃ للعاقلین

لیکن آہ ما اکثر العبر و اقل الاعتبار فھل من مدکر۔ ؎

مجلس چو بر شکست تماشا بما رسید   در بزم چوں نماند کسے جا بما رسید

افسوس ع   جب اٹھ گئے بازار سے گاہک تو ہم آئے

ایک کھلی حقیقت

کسی کتاب کا جواب ایک ہوتا ہے کسی کے دو یا زیادہ سے زیادہ تین مگر اصول الشریعہ کے اب تک آٹھ دس جوابات منظرِ عام پر آچکے ہیں۔ اور نہ رکنے والا یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے ع

نہ منزل کے سہارے پر نہ رہبر کے اشارے پر

تو اب حقیقتِ حال دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو ان حضرات کے دل و دماغ پر یہ بات مسلط ہے کہ ان سے اصول الشریعہ کا جواب نہیں دیا جا رہا جیسا کہ ان میں سے ہر ایک اپنی کتاب کو سراہتے ہوئے دوسرے کی کتاب کو لا شئی ظاہر کر رہا ہے (کما سمع عن بعض الثقات) یا یہ حضرات اس جواب نویسی اور کتب فروشی کو آمدنی کا ایک معقول ذریعہ اور علمی میدان میں سستی شہرت حاصل کرنے کا آسان وسیلہ سمجھتے ہیں؟ بہر حال ؎

توئی نشناسندۂ راز است وگرنہ   اینہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است

ہمارا ردِّ عمل

خدائے قدیر نے ہمارے قلم میں بفضلہٖ تعالیٰ اس قدر طاقت و توانائی ودیعت فرمائی ہے۔ کہ اگر چاہیں تو موجب کلوخ انداز را سنگ پاداشت است۔ وبقول البادی اظلم تیر کا جواب پتھر سے دے سکتے ہیں۔ اور انہی کے ردیف قافیہ میں جوابِ آں غزل پیش کر سکتے ہیں۔ اور اگر دین کی اس اجارہ دار مقدس جماعت کی کتابِ زندگی کے صرف چند اوراقِ پریشان کو منظرِ عام پر لائیں۔ تو ان کے لئے عرصۂ حیات تنگ و زندگی ننگ۔ اور سر چھپانے کے لئے جگہ عنقا اور ان کا سارا گھروندا ہی بادِ ہوا ہو جائے اور ہونگے بھی اس کارروائی میں حق بجانب

---

[1] جس وقت یہ سطور لکھی جا رہی ہیں۔ پاک و ہند کی جنگ زوروں پر ہے۔ اس وقت بھی خطرہ کا سائرن بج چکا ہے۔ ہوائی حملوں کا سلسلہ جاری ہے ہماری شیر دل افواج ہر محاذ پر بزدل بھارتیوں کو تیر کا جواب پتھر سے دیکر ذلت آمیز شکست دے رہی ہیں۔ دنیا دیکھ رہی ہے۔ (باقی برصفحہ)

مگر بوجوہ ہم ایسا نہیں کرنا چاہتے۔

اولاً۔ اصولاً ہم پر جواب دہی کی ذمہ داری عائد ہی نہیں ہوتی۔ کیونکہ ہم نے اس کتاب کی طبع اول میں جواب نویسی کے لئے دس شرائط مقرر کی تھیں۔ جن میں سے پہلی اور اہم شرط یہ تھی کہ ہمارے دلائل و براہین کو من و عن نقل کر کے جواب دیا جائے۔ تاکہ تصویر کے دونوں رُخ سامنے آجانے کے بعد قارئین کرام کو حق و باطل کے درمیان امتیاز کرنے میں آسانی ہو۔ مگر ان بزعم خود جواب نویسندگان میں سے کسی کو بھی یہ توفیق نصیب نہیں ہوئی۔ کہ ہمارے پیش کردہ دلائل کو مس بھی کرے۔ البتہ ان لوگوں کو کتر بیونت کرنے، خلط مبحث کرنے، اور عبارتوں کو توڑ موڑ کر رائی کا پہاڑ بنانے میں ید طولیٰ حاصل ہے۔ نہ معلوم وانتم سکاریٰ کو علیحدہ کر کے صرف لا تقربوا الصلوٰۃ پیش کرنے والی ذہنیت اس گروہ نے کس مدرسہ میں زانوئے ادب تہ کرنے سے حاصل کی ہے؟

ثانیاً۔ تقریر و تحریر میں سب و شتم اور کذب، افترا اور غوغہ آرائی کی ان حضرات نے جو نیو رکھی ہے۔ وہ سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کی سیرت و کردار اور اخلاق و اطوار سے بمراحل دور ہے۔ بلکہ اس سے دشمنانِ اہل بیتؑ کے کردار کا عکس آشکار ہوتا ہے۔ اس لئے سیرتِ آل محمدؑ اس قابل مذمت روش و رفتار کے اختیار کرنے سے مانع ہے ہم سب کچھ برداشت کر سکتے ہیں۔ مگر خانوادۂ عصمتؑ و طہارت کی مقدس سیرت کے دامن کو ہاتھ سے نہیں چھوڑ سکتے۔ ولکل وجھۃ ھو مولیھا اور یہی رب العباد کا ارشاد ہے کہ ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن۔ مسلمان تو بجائے خود خدائے رحمٰن کا تو یہ فرمان ہے کہ اہل کتاب سے بھی احسن طریقہ پر گفتگو کرو۔ چنانچہ ارشاد فرماتا ہے ولا تجادلوا اھل الکتب الا بالتی ھی احسن" بنا بریں اپنوں کے ساتھ کیونکر شدت و غلظت برتی جا سکتی ہے؟ ورنہ انہی کے ردیف قافیہ میں اس انداز میں جواب آں غزل پیش کر کے ان کی ضیافتِ طبع کی جاتی کہ ساری زندگی اپنے زخم چاٹتے رہتے۔ کیونکہ ؎

جراحات السنان لھا التیام — ولا یلتام ما جرح اللسان
ہمیں بھی آتی ہے بات کرنی مگر نہ کہنا ہی خوب تر ہے — تمہاری خاطر یہ مانتے ہیں کہ تم سے ہم بے خبر سے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۷) کہ باوجودیکہ دشمن کا اسلحہ اور تعداد ہم سے کئی گنا زیادہ ہے لیکن فتح و نصرت ہر محاذ پر پاک فوج کا مقدر بن کر ان کے پاؤں چوم رہی ہے کیوں؟ محض اس لئے کہ پاکستانی حق پر ہیں۔ اور ایک عظیم مقصد کے لئے لڑ رہے ہیں۔ جبکہ مخالف کا کوئی بلند نصب العین نہیں بلکہ محض توسیع پسندانہ عزائم کی تکمیل کے لئے بے پناہ مادی طاقت کے گھمنڈ و بل بوتے پر قسمت آزمائی کر رہا ہے۔ لیکن ہماری ضرب تکبیر (لا الٰہ الا اللہ) اور عقیدہ رسالت (محمد رسول اللہ) اور نعرۂ حیدری (علی ولی اللہ) کی گونج کے سامنے دشمن کے طیارے و ٹینک دھنی ہوئی کپاس کی طرح فضائے محیط میں اڑتے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں۔ ان مناظر کو دیکھ کر اب مادہ پرست دنیا بھی یہ بات سمجھنے لگی ہے۔ کہ کامیابی و کامرانی کے لئے [illegible]
(باقی برصفحہ ۶۹)

ثالثاً ہمیں سخت اندیشہ ہے کہ اس نوک جھونک اور بیت بازی سے علماء کا رہا سہا وقار (جس کو یہ لوگ اپنے قول وفعل سے پہلے ہی سخت دھچکا لگا چکے ہیں) بھی خاک میں مل جائے گا۔ بلکہ اس طرح مذہب کا جنازہ نکل جائے گا اور اغیار واجانب یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ جس مذہب کے علماء کا یہ اخلاق وکردار ہے۔ "آں مذہب معلوم و اہل مذہب معلوم"۔

ہمیں ذاتی وقار واقتدار سے مذہب وملت کی فلاح وبہبود زیادہ عزیز ہے۔ ہم سب کچھ گوارا کرسکتے ہیں مگر دین ومذہب کے وقار پر آنچ آنا برداشت نہیں کرسکتے۔ اس لئے ہم نے ان کے عائد کردہ ذاتی اتہامات اور خرافات کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔ ہاں البتہ اگر کتابوں میں کوئی توجہ کے لائق اور قابلِ جواب چیز تھی تو اُسے نظر انداز بھی نہیں کیا۔ بلکہ پوری متانت وزرانت سے اس کا جواب پیش کردیا ہے۔ بعدازیں اب کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ فلاں جوابی کتاب لاجواب ہے اگر یہ حضرات بنظرِ غائر اصول الشریعہ کے موجودہ ایڈیشن کا مطالعہ فرمائیں گے تو بزعمِ خویش اپنے تمام پیش کردہ دلائل ومسائل کا نقد جواب باصواب حاضر پائیں گے ان شاء اللہ ہمیں خدائے رحیم کے لطف وکرم اور سرکار محمد وآلِ محمد علیہم السلام کی تائید وشفاعت پر بھروسہ کرتے ہوئے یقینِ کامل ہے کہ یہ تمام جوابی کتب برساتی کیڑوں کی طرح کچھ عرصہ کے بعد اپنی موت آپ مرجائیں گی۔ اور حرفِ غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹ جائیں گی اور ہم نے جو شمعِ ہدایت روشن کی ہے قیامِ قیامت تک دنیا اس کی ضیا پاشیوں سے استفادہ واستفاضہ کرتی رہے گی ان شاء اللہ ع

شہرتِ تقسیمِ بگیتی بعد من خواہد شدن

فقدمنا الی ما عملوا من عمل فجعلناہ ھباءً منثوراً۔ ہم نے بحسن توفیق گرزِ حق مار کر باطل کے سر کا مغز نکال کر رکھ دیا ہے۔ بل نقذف بالحق علی الباطل فیدمغہ فاذا ھو زاھق۔ والحمد للہ رب العلمین علی حسن توفیقہ لاحقاق الحق وابطال الباطل بالدلائل والبراھین

توجّہ طلب نکتہ جس طرح قرونِ اولیٰ میں ذاتی اقتدار کے بندے اور نام نہاد لیڈرانِ قوم حقیقی مصلحین یعنی انبیاء ومرسلین کو انظارِ عامہ سے گرانے اور ان کے کلام کو غیر مؤثر بنانے کے لئے ان کو شاعر، مجنون، سفیہ، ضال، ساحر، کذاب اور نامعلوم کن کن قبیح القاب کے ساتھ یاد کیا کرتے تھے۔ مگر ان امور کو حقیقت کے ساتھ دور کا بھی کوئی

(بقیہ حاشیہ ص) افرادی کافی نہیں ہے بلکہ اس کے لئے "زورِ حیدر، فقرِ بوذر، صدقِ سلمانی" کی اشد ضرورت ہے۔ اور یہی حق بذاتِ خود وہ عظیم طاقت ہے کہ اس کے بلند پرچم کو دنیا کی کوئی بھی طاقت پست وسرنگوں نہیں کرسکتی انشاء اللہ العزیز آخر فتح ہماری ہوگی اس لئے کہ ہم حق پر ہیں۔ اسی طرح مولویوں کی اس جنگِ زرگری میں بھی جہاں ہمارے مخالفین کو اپنی عددی کثرت اور وسائل کی برتری پر ناز ہے ہمیں اپنی حقانیت وصداقت پر فخر ہے۔ اس لئے بموجب الحق یعلو ولا یعلیٰ علیہ۔ اللہ سبحانہٗ کی نصرت اور سرکار محمد وآلِ محمد علیہم السلام کی تائید ہمارے ساتھ ہے۔ اس لئے فتح ونصرت اور کامیابی وکامرانی ہمارا مقدر ہے۔
(باقی دیکھو ص)

تعلق نہ تھا۔ اس لئے عقلاء روزگار پر ان فتنہ پردازوں کے کذب و افتراء کا قطعاً کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔ ہاں البتہ وق طور پر سادہ لوح لوگوں پر ان کے اس پروپیگنڈے کا کچھ اثر ضرور ہو جاتا تھا۔ اور وہ ان کے دام تزویر میں آ جاتے تھے بلا تشبیہ اسی طرح آج بھی منبر و محراب کے بعض اجارہ دار اور قوم کی قیادت و سیادت کے بلا شرکت غیرے دعویدار او نے بیچارے سادہ لوح عوام کو اپنے علمائے اعلام سے دور رکھنے اور اپنی اجارہ داری کی دکان چمکانے کی خاطر لف "وہابی" مقرر کر رکھا ہے۔ اس لئے جس عالم دین کی تذلیل کر کے اسے انظارِ عامہ سے گرانا اور اس طرح اس کے کلام ک غیر مؤثر بنانا مطلوب ہو تو اس پر فوراً "وہابی" ہونے کا فتویٰ عائد کر دیا جاتا ہے مگر ظاہر ہے کہ کاٹھ کی ہنڈیا زیاد دیر چولھے پر نہیں ٹھہر سکتی۔ اور نہ ہی کاغذ کی ناؤ زیادہ دیر تک سطح آب پر چل سکتی ہے ؎ "جھوٹ کی ناؤ چلتی ہے کیونکر" اس لئے بہت جلد ان کی افتراپردازی کا پردہ چاک ہو جاتا ہے۔ اور دوسروں کو ذلیل و رسوا کرنے والے اپنے ہاتھ سے کھودے ہوئے کنوئیں میں گر کر خود ذلیل و رسوا ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ارشاد رسولؐ ہے من حفر بئراً لاخیہ وقع فیہ یعنی چاہ کن را چاہ در پیش۔ ؎

میرے مخالفین ہمیشہ ہوئے ذلیل میری فروتنی نے کیا مجھ کو ارجمند

اور اپنی کیفیت تو یہ ہے کہ ؎ نہ گلہ ہے دوستوں سے نہ شکایت زمانہ ؎

میر و وزیر ہیں مری نظر میں مشتِ خاک پہنچا سکی نہ گردشِ دوراں مجھے گزند

الحق یعلو ولا یعلیٰ علیہ۔ حق و حقیقت پر ہزار پردے ڈالے جائیں۔ مگر قدرتِ کاملہ اپنے دستِ قدرت سے ان تمام پرد کو چاک کر دیتی ہے۔ اس لئے ہمیشہ حق کا بول بالا ہوتا ہے ؎ وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے۔

مقامِ شکر ہے کہ اس گئے گزرے دور میں بھی کم ہی سہی (وقلیل من عبادی الشکور) ہماری قوم میں خدا کے فضل و ک سے کچھ دور بین، خدا بین اور جہاں بین افراد موجود ہیں جو حق و باطل، عالم و جاہل اور صالح و طالح میں امتیاز کرنے کی اہلیت و لیاقت رکھتے ہیں۔ وہ ہر فریق کی روش و رفتار، کردار و گفتار اور اپنے اپنے موقف پر ان کے پیش کردہ دلائل کا جائزہ لے بآسانی حق و باطل کا فیصلہ اور علماء حق و علماء سوء کے درمیان امتیاز کر سکتے ہیں اور وہ اس بات کو بھی بآسانی معلوم کر سکتے ہیں کہ یہ ہاؤ ہو اور فتنہ و فساد کی جو یہ گرتی ہوئی دیوار کو سہارا دینے کی خاطر ہے۔ یا اس میں درد قوم و ملت کا جذبہ کار ف ہے؟ بہرحال ؎

نہیں ہے نا امید اقبال اپنی کشت ویراں سے ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

ہم نے اس کتاب میں یہ اہتمام کیا ہے کہ ہر ہر مسئلہ و موضوع پر پہلے قرآن مجید کی آیات محکمات پیش کی ہیں اس کے

(بقیہ حاشیہ ص ۶۹) قدرتِ کاملہ کا وعدہ ہے "وحقاً علینا نصر المؤمنین" اس لئے ؎ ممکن نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا۔ نصر من اللہ وفتح قریب (منہ عفی عنہ)

جنابِ رسولِ خدا اور ائمۂ ہدیٰ کی مستند احادیث درج کی ہیں۔ بعد ازاں تقریباً چودہ سو سال کے مشہور شیعہ علماء اعلام و اساطینِ اسلام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بیانات معتبر حوالہ جات سے قلم بند کئے ہیں۔ اور سب کے آخر میں دوسرے فریق کے وہ تمام شکوک و شبہات جو وہ پیش کیا کرتے ہیں یا اس مقام پر پیش کئے جا سکتے ہیں پیش کرکے ان کے مکمل و مدلل تحقیقی جوابات پیش کر دیئے ہیں۔ تاکہ اتمامِ حجت میں کسی قسم کی ذرہ برابر بھی کوئی کمی نہ رہ جائے۔ اور طالبانِ حق کے لئے حق و صدق اپنی پوری تاب و تابش اور جلوہ ریزی و ضیا خیزی کے ساتھ اس طرح سامنے آجائے کہ ظلمتِ کذب و باطل کے تمام تیرہ و تار بادل چھٹ جائیں۔ اور یہ خاکدانِ عالم بقعۂ نور بن جائے یھدی بہ اللّٰہ من اتبع رضوانہ سبل السلام

کہہ ڈالے قلندر نے اسرارِ کتاب آخر ∴ ع تھا ضبط بہت مشکل اس سیلِ معانی کا

ان فی ذلک لذکری لمن کان لہ قلب او القی السمع وھو شھید۔ والسلام علی من اتبع الھدیٰ۔

وانا الاحقر محمد حسین عفی عنہ

شب دوشنبہ ۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۶ھ مطابق ۴ ستمبر ۱۹۶۶ء
بوقت ۱۰½ بجے شب
سرگودھا

طبع ثانی :-

۱۰ دسمبر ۱۹۷۱ء بمطابق ۲۸ شوال ۱۳۹۱ھ
بروز شنبہ بوقت پونے چھ بجے شام

کاتب (سید) وزیر حسین شیرازی
سرگودھا

طبع ثالث :-

۲۸ فروری ۱۹۸۳ء بمطابق ۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۳ھ
بروز سوموار بوقت سوا بارہ بجے دن

والحمد للہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَبِہٖ نستعین

اُصُولُ الشَّرِیعَہ فِی عَقَائِدِ الشِّیعَہ

الحمد للہ الذی لا یبلغ مدحتہ القائلون۔ ولا یحصی نعمائہ العادون۔ ولا یؤدّی حقہ المجتہدون۔ الّذی لا یدرکہ بُعد الہمم ولا ینالہ غوص الفطن الذی لیس لصفتہٖ حد محدود ولا نعت موجود ولا وقت معدود ولا اجل ممدود فطر الخلائق بقدرتہ ونشر الریاح برحمتہ ووتّد بالصخور میدان ارضہٖ۔ الحمد للہ العلّی عن شبہ المخلوقین۔ الغالب لمقال الواصفین۔ الظاہر بعجائب تدبیرہٖ للناظرین۔ والباطن بجلال عزتہٖ عن توہم المتوہمین۔ العالم بلا اکتساب ولا ازدیاد۔ ولا علم مستفاد۔ المقدر لجمیع الامور بلا رویّۃ ولا ضمیر و شرائف صلوٰتہٖ ونوامی برکاتہٖ علی محمّد عبدہ ورسولہ الخاتم لما سبق۔ والفاتح لما انغلق والمعلن الحق بالحق والدافع جیشات الاباطیل الدامغ صولات الاضالیل۔ القائم علی امرہٖ والحافظ علی عہدہٖ۔ الذی ارسلہ نذیرًا للعالمین وعلی الہٖ الطاہرین الذین ہم اساس الدین وعماد الیقین الیہم یفیئُ الغالی وبہم یلحق التالی۔ الی یوم الدّین[1] ——— اما بعد ———

تمہید سدید

جیسا کہ مقدمہ میں تفصیلاً بتایا جا چکا ہے کہ ہم بفضلہٖ تعالیٰ و حسن توفیقہ مذہب شیعہ خیر البریہ کے تمام اصول عقائد کے فریضۂ تحریر سے دلائلِ قاطعہ و براہین ساطعہ کے ساتھ "احسن الفوائد فی شرح العقائد" لکھ کر سبکدوش ہو چکے ہیں، اب اس کتاب مستطاب میں ان عقائد و مسائل کا تکرار و اعادہ کرنا مقصود نہیں ہے مذہب شیعہ کے تمام تفصیلی عقائد مع الدلائل دیکھنے اور پھر ان حقائق کی روشنی میں اپنے اعتقادات و نظریات کی اصلاح کرنے کے خوا حضرات اس کتاب مستطاب کی طرف رجوع فرمائیں۔ یہاں تو محض موجودہ دور کے ان بعض اختلافی مسائل و ع

---

[1] یہ خطبہ مبارکہ نہج البلاغہ کے مختلف مقامات سے ماخوذ و مستنبط ہے فلا تغفل (منہ عفی عنہ)

ومسائل کا قرآن کریم واحادیث معصومینؑ، اتفاق علماء متقدمین ومتاخرین اور عقل سلیم کی روشنی میں تفصیلی تذکرہ کرتا ہے۔ جن کا زیادہ تر تعلق نبیؐ وامامؑ کی معرفت شان ومقام کے ساتھ ہے۔ البتہ اصل مطالب کو شروع کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ایک جامع حدیث شریف بیان کردی جائے۔ جس میں حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے مصدقہ تمام ضروری عقائد ومسائل بکمال اختصار موجود ہیں۔

حدیث شریف مشتمل بر اکثر عقائد شیعہ امامیہ کثرہم اللہ فی البریہ

اس حدیث کو رئیس المحدثین حضرت شیخ صدوقؒ نے اپنی کتاب التوحید صفحہ ۹۵ طبع بمبئی میں اور ان سے جناب غفران مآبؒ نے عماد الاسلام ج ۱ صفحہ ۵ میں اور دیگر علمائے اعلام نے اپنی اپنی کتب میں نقل فرمایا ہے۔ جناب شہزادہ عبدالعظیم بن عبداللہ حسنی بیان کرتے ہیں (بحذف الاسناد) دخلت علی سیدی علی بن محمد بن علی بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب صلوات اللہ علیہم فلما بصرنی قال مرحباً بک یا ابا القاسم انت ولینا حقاً قال قلت یا ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ انی ارید ان اعرض علیک دینی فان کان مرضیاً ثبتّ علیہ حتی القی اللہ عز وجل فقال ھاتہا یا ابا القاسم فقلت انی اقول ان اللہ تبارک وتعالی واحد لیس کمثلہ شیئٌ خارج من الحدین حد الابطال وحد التشبیہ وھو انہ لیس بجسم ولا صورة ولا عرض ولا جوھر بل ھو مجسم الاجسام ومصور الصور وخالق الاعراض والجواھر ورب کل شیئٌ ومالکہ وجاعلہ ومحدثہ وان محمدؐ اً عبدہ ورسولہ خاتم النبیین فلا نبی بعدہ الی یوم القیمة واقول ان الخلیفة وولی الامر من بعدہ امیر المومنین علیؑ بن ابی طالب ثم الحسنؑ ثم الحسینؑ ثم علیؑ بن الحسینؑ ثم محمدؑ بن علیؑ ثم جعفرؑ بن محمدؑ ثم موسیٰؑ بن جعفرؑ ثم علیؑ بن موسیٰؑ ثم محمدؑ بن علیؑ ثم انت مولائیؑ فقال علیہ السلام ومن بعدی الحسنؑ ابنی۔ فکیف للناس بالخلف من بعدہ قال فقلت وکیف ذاک یا مولائی قال لانہ لا یری شخصہ ولا یحل ذکرہ باسمہ حتی یخرج فیملأ الارض قسطاً وعدلاً کما ملئت جوراً وظلماً فقلت اقررت واقول ان ولیہم ولی اللہ وعدوھم عدو اللہ وطاعتہم طاعة اللہ ومعصیتہم معصیة اللہ واقول ان المعراج حق والمسئلة فی القبر حق وان الجنة حق والنار حق والصراط حق والمیزان حق وان الساعة آتیة لا ریب فیہا وان اللہ یبعث من فی القبور واقول وان الفرائض الواجبة بعد الولایة الصلوٰة والزکوٰة والصوم والحج والجہاد والامر بالمعروف والنہی من المنکر فقال علی بن محمد علیہما السلام یا ابا القاسم ھذا واللہ دین اللہ الذی ارتضاہ لعبادہ فاثبت علیہ ثبتک اللہ بالقول الثابت فی الحیوٰة الدنیا والآخرة ——

ترجمہ حدیث

اس جلیل القدر حدیث کی شرح و بسط کے لئے تو ایک دفتر درکار ہے لیکن ہم بتقاضائے وقت و گنجائش صرف اسکے مطالب خیز ترجمہ پر اکتفا کرتے ہیں۔ حضرت شہزادہ عبدالعظیم بیان کرتے ہیں کہ میں ایک بار اپنے مولا و آقا حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا جب آنجنابؑ نے مجھے دیکھا تو فرمایا! مرحبا اے ابوالقاسم! تم ہمارے حقیقی موالی ہو۔ میں نے عرض کیا فرزند رسولؐ! میں چاہتا ہوں کہ اپنا دین و اعتقاد آپ کی خدمت میں پیش کروں تاکہ اگر پسندیدہ ہو تو تازیست اس پر ثابت قدم رہوں (اور بصورت دیگر اس سے عدول کروں) امام عالی مقام نے فرمایا۔ ہاں اے ابوالقاسم پیش کرو۔ میں نے عرض کیا (توحید کے بارے میں) میرا عقیدہ یہ ہے کہ خداوند عالم (ذات و صفات میں) واحد و یگانہ ہے کوئی بھی اُس کا ہمسر و نظیر نہیں ہے۔ وہ ابطال و تشبیہ کی دونوں حدوں سے خارج ہے (نہ تو وہ معطل محض یعنی معدوم ہے اور نہ ہی ذات و صفات میں مخلوق کی مانند ہے) اور نہ وہ جسم و صورت رکھتا ہے اور نہ ہی وہ عرض و جوہر کی قسم سے ہے بلکہ وہ جسموں کو جسم بنانے والا صورتوں کو صورت عطا کرنے والا اور اعراض و جواہر کا خالق ہے (پھر خالق اپنی مخلوق اور صانع اپنی مصنوع کے ساتھ کیونکر متصف ہو سکتا ہے!) وہ کائنات کی ہر چیز کا رب اور خالق و مالک ہے۔ اور نبوت کے متعلق میرا عقیدہ یہ ہے کہ جناب محمد مصطفےٰؐ اللہ سبحانہ کے بندۂ خاص، اس کے رسول اور تمام انبیاءؑ کے سلسلۂ مبارکہ کے ختم کرنے والے ہیں۔ اب قیامت تک ان کے بعد کوئی (نیا یا پرانا نبی بحیثیت) نبی نہیں آ سکتا۔ اور (امامت کے بارے میں) میرا اعتقاد یہ ہے کہ رسالت مآبؐ کے بعد ان کے جانشین امام برحق اور ولی امر حضرت امیرالمومنین علی بن ابی طالبؑ ہیں ان کے بعد حضرت امام حسنؑ۔ ان کے بعد امام حسینؑ پھر حضرت علیؑ بن الحسینؑ پھر حضرت محمدؑ بن علیؑ۔ پھر جعفرؑ بن محمدؑ پھر حضرت موسیٰؑ بن جعفرؑ پھر حضرت علیؑ بن موسیٰؑ پھر حضرت محمدؑ بن علیؑ اور ان کے بعد آپ امام برحق ہیں۔ جب شہزادہ عبدالعظیم کا سلسلۂ کلام یہاں تک پہنچا تو امام عالی مقام نے فرمایا اور میرے بعد میرا بیٹا حسنؑ (عسکری) امام ہوگا۔ اور اس وقت لوگوں کی کیا حالت ہوگی جب حسن عسکریؑ کے خلفؑ (صالح) کا دور ہوگا۔ شہزادہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا۔ میرے آقا! اس وقت کیا حالت ہوگی؟ امامؑ نے فرمایا (بوجہ غیبت کبریٰ) نہ تو وہ دکھائی دیں گے اور ان کے ظہور تک ان کو ان کے مخصوص نام (م ح م د) سے یاد کرنا بھی ممنوع ہوگا۔ ہاں جب ظہور فرمائیں گے تو زمین کو عدل و انصاف سے اس طرح بھر دیں گے جس طرح اس سے قبل ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔ شہزادہ کا بیان ہے میں نے (یہ سن کر) عرض کیا میں ان کی امامت و خلافت کا بھی اقرار کرتا ہوں۔ (پھر اپنے عقائد کا سلسلہ جاری کرتے ہوئے کہا) اور میرا یہ بھی عقیدہ ہے کہ جو شخص ان ائمہ اہل بیتؑ کا دوست ہے وہ خدا کا دوست ہے اور جو ان کا دشمن ہے وہ خدا کا دشمن ہے۔ ان کی اطاعت خدا کی اطاعت اور ان کی نافرمانی خدا کی نافرمانی ہے اور میرا یہ بھی عقیدہ ہے کہ (جسمانی) معراج (رسولؐ) برحق ہے اور قبر میں سوال و جواب کا ہونا بھی برحق ہے۔ اسی طرح جنت و جہنم کا وجود بھی برحق ہے اسی طرح پل صراط اور اعمال کا میزانِ عدل پر تولا جانا بھی برحق ہے اور یہ کہ قیامت ضرور آئے گی اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے ایک دن ضرور خدائے تعالیٰ مردوں کو زندہ کرے گا۔ اور میرا یہ

بھی عقیدہ ہے کہ ولایت اہل بیتؑ کے بعد مندرجہ ذیل امور (اہم) واجب ہیں۔ نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، جہاد اور بالمعروف ونہی عن المنکر۔ حضرت امام علی نقی علیہ السلام نے (یہ اعتقادات حقہ سماعت فرما کر) فرمایا، اے ابو القاسم! خدا کی قسم یہی وہ خدا کا (پسندیدہ) دین ہے جسے اُس نے اپنے بندوں کے لئے منتخب فرمایا ہے (ان الدین عند اللہ الاسلام ومن یبتغ غیر الاسلام دیناً فلن یقبل منہ وھو فی الاخرۃ من الخسرین) اس پر ثابت قدم رہو۔ خدا تمہیں دنیا وآخرت میں اس پر ثابت قدم رکھے۔"

اس حدیث کی جامعیت کے متعلق جناب غفرانمآبؒ کا بیان

حضرت علامہ سید دلدار علی غفرانمآبؒ نے عماد الاسلام میں اس حدیث شریف کو درج کرنے کے بعد اس کی جامعیت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے "ھذا الحدیث الشریف مشتمل لجلّ عقائد الشیعۃ الامامیۃ ومعظم الاصول الأثنا عشریۃ ولذلک المعصوم علیہ السّلام حسّنہ واثنی علیہ وقال مشیرًا الیہ ھذا دین اللہ الذی ارتضاہ" (ج ۱ صنہ) یعنی یہ حدیث شریف حضرات شیعہ امامیہ کے اکثر اصول وعقاید پر مشتمل ہے۔ اسی وجہ سے امام معصوم علیہ السلام نے اس کی تحسین وتعریف فرمائی ہے۔ اور اس کی اسی جامعیت کے پیش نظر فرمایا ہے کہ یہی خدا کا پسندیدہ دین ہے۔"

ارباب عقل وانصاف کیلئے لمحۂ فکریہ

ناظرین کرام مکرر سہ کرر اس حدیث شریف پر غور فرمائیں کہ اس حدیث میں عقائد حقہ ایمانیہ کو کس صاف وسادہ اور دلنشیں انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ آیا اس میں موجودہ دور کی لایعنی ابحاث وعقائد کی طرف کوئی اشارہ تک موجود ہے؟ جن کو آجکل صرف محور قیل وقال اور مرکز جنگ وجدال ہی نہیں بلکہ انہی پر اسلام وایمان کا دارومدار سمجھا جا رہا ہے مثلاً یہ کہ ائمہ اطہارؑ مجسم نور ہیں۔ وہ نوعِ انسانی کے افراد کاملہ نہیں بلکہ ان کی نوع علیحدہ ہے۔ وہ باذن اللہ خالق ورازق اور محی وممیت ہیں اور یہ کہ وہ عالم الغیب ہیں اور وہ ہر وقت ہر جگہ حاضر وناظر ہیں۔ الی غیر ذلک من العقائد المخترعۃ۔ اس حدیث شریف ہی پر کیا منحصر ہے۔ اس قسم کی جس قدر احادیث معتبرہ کا ذخیرہ موجود ہے جن میں عقائد امامیہ کا تذکرہ ہے۔ یا وہ روایات جن میں بعض اصحاب ائمہؑ کا اپنے اعتقادات کو بغرض تصحیح وتصدیق بارگاہ معصومین صلوات اللہ علیہم اجمعین میں پیش کرنے کا تذکرہ ہے (جن کا ایک شمہ مقدمۂ کتاب میں بیان کیا جا چکا ہے) میں بھی ان غیر ضروری مسائل بلکہ غلط عقائد کا نام ونشان تک نہیں۔ جس سے یہ حقیقت واضح وآشکار ہو جاتی ہے کہ ان اختلافی نظریات کو ایمانیات واعتقادیات میں ہرگز کوئی دخل نہیں ہے۔ ؎

ذرا سی بات تھی اندیشۂ عجم نے اسے
بڑھا دیا ہے فقط زیب داستاں کے لئے

اس قدر تمہیدی بیانات کے بعد اب ہم اصل مقصد کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ وبہ التوفیق وبیدہ ازمۃ التحقیق۔

پہلا باب

انبیاء و ائمہ علیہم السّلام کی علیحدہ نوع ہونے یا بنی نوع انسان کے ہی اکمل افراد ہونے کا بیان

اہلِ افراط یعنی غلاۃ اور مفوضہ کے طبع زاد عقائد و نظریات میں سے ایک نظریہ فاسدہ یہ بھی ہے کہ انبیاء و ائمہ علیہم السلا
نوعِ انسانی کے افراد کاملہ نہیں بلکہ ان کی نوع علیحدہ ہے۔ اس غلط عقیدہ کی بنیاد انہوں نے ایک عجیب مفروضہ پر قائم ک
ہے چونکہ بر منطق نوع کے لئے "جنس" و "فصل" کا ہونا ضروری ہے جن سے مل کر نوعِ عالم وجود میں آتی ہے اس لئے ا
لوگوں نے ان ذواتِ مقدسہ کی جنس "بشر" اور فصل "وحی" کو قرار دیتے ہوئے علیحدہ نوع تجویز کی ہے اس سلسلہ میں
ان کے بیانات کا خلاصہ انہی کے الفاظ میں یہ ہے۔

" تعریفِ نبی جو خداوند عالم نے کی ہے وہ اپنے افراد پر حاوی ہے اور غیر افراد اس میں داخل نہیں ہو سکتے "قل انما
الابشر مثلکم یوحی الی" "لفظ بشر" جنس ہے تمام انسان بشر میں شریک ہیں۔ اور مساوی ہیں اور نبی بھی بشر ہے "فصل
ممیز" یوحی الی" ہے جو نبی کو عام انسانوں سے جدا و ممیز کرتی ہے جس طرح "انسان حیوانِ ناطق" یا "الانسان حیوان منطیق"
"انسان حیوان ناطق ہے یا انسان وہ حیوان ہے جو نطق رکھتا ہے اس میں حیوان جنس ہے جس میں تمام انسان و حیوان شریک
مساوی ہیں اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ انسان حیوان میں شریک ہونے سے گھوڑا، گدھا بن جائے۔ اسی طرح انسانوں میں نبی بش
کی حیثیت سے شریک ہونے میں نبی عام انسان زید، بکر جیسا نہیں بن جائے گا۔ ناطق یا منطیق ملانے سے انسان تمام
حیوان سے ممیز و ممتاز ہو جائے گا۔ اسی طرح لفظ بشر جنس ہے اور "یوحی الی" ملانے سے نبی دوسرے بشروں اور انسانو
سے جدا و ممتاز ہو جائے گا۔ نہ نطق میں حیوان شریک ہے نہ عام انسان "یوحی الی" میں شریک ہے۔ نطق صرف انسان ک
صفت ہے اور وحی صرف نبی کی صفت ہے لہٰذا نبی اور عام انسانوں میں وہی فرق ہے جو عام حیوان اور انسانوں میں
فرق ہے۔"

اس نظریہ کے ابطال اور انبیاء و ائمہ کے نوع انسانی کے اکمل افراد ہونے کے اثبات پر دلائل قرآنِ کریم، احادیث
معصومین، اتفاقِ علماء کاملین اور عقلِ سلیم کی روشنی میں

برادرانِ ایمانی پر مخفی و مستور نہ رہے کہ یہ نظر
فاسدہ قرآنِ کریم، تعلیماتِ معصومین، اتفاق

متقدمین و متاخرین اور مسلماتِ عقلِ سلیم کے سراسر خلاف ہونے کی وجہ سے واجب الرد اور قطعاً ناقابلِ قبول ہے۔ ہم ذیل میں اس کے ابطال پر چند عقلی و سمعی دلائلِ قاطعہ و براہینِ ساطعہ پیش کرتے ہیں۔ تاکہ اس اعتقاد کا بالکل بے بنیاد ہونا تمام دنیا پر واضح و عیاں ہو جائے۔

پہلی دلیل

یہ قیاسی نظریہ ان حضرات کے علم معقول (منطق و فلسفہ وغیرہ) سے بالکل تہی دامن ہونے پر دلالت کرتا ہے ورنہ اس فن کے طفلِ مکتب بھی یہ حقیقت جانتے ہیں کہ جنس و فصل کا شمار "ذاتیاتِ شیٔ" میں ہوتا ہے۔ نہ کہ "عرضیات" میں۔ یعنی انواعِ عالم میں سے کوئی بھی نوع جنس و فصل کے بغیر "کتمِ عدم" سے نکل کر منصۂ شہود پر قدم نہیں رکھ سکتی۔ خلاصہ یہ کہ جنس و فصل کے بغیر کسی بھی نوع کا وجود میں آنا محال ہے کیونکہ اس کی ماہیت و حقیقت کی ایک جزء جنس اور دوسری جزء فصل ہے۔ بنابریں یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ کوئی بھی نوع کسی وقت بھی (جنس کی طرح) اپنی فصل سے علیحدہ نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ شرح مطالع مطبوعہ اسلامبول ص۵۹ پر ذاتی کے یہ معنی لکھے ہیں۔ "وھو ما یکون جزء ماھیۃ الشیٔ" جو کسی ماہیت و حقیقت کی جزء ہو پھر ص۶۰ پر بیان کیا ہے کہ اس کی دو قسمیں ہیں "والذاتی اما جنس او فصل" ایک کا نام جنس ہے اور دوسری کا فصل ہے۔ اور ص۷۲ پر ذاتی کے خواص شمار کرتے ہوئے لکھا ہے والذاتی یمتنع رفعہ عن الماھیۃ ای اذا تصور مع الماھیۃ امتنع الحکم بسلبہ عنھا و یجب اثباتہ لھا ای لا یمکن تصورھا الا مع تصورہ۔ موصوفۃ بہ و یتقدم علیھا فی الوجود الذھنی والخارجی الخ یعنی کسی شیٔ کی ذاتی کا اس سے علیحدہ ہونا ناممکن ہے۔ یعنی جب بھی شیٔ کے ساتھ ذاتی کا تصور کیا جائے تو اس کا اثبات (شیٔ) کے لئے واجب اور علیحدگی محال ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ کسی شیٔ کا تصور بھی اس کی ذاتی کے بغیر ناممکن ہے اور یہ ذاتی اس شیٔ پر وجود ذہنی و خارجی میں مقدم ہوتی ہے۔" (لتقدم الجزء علی الکل)

اسی طرح کتاب نقد الآراء المنطقیۃ ص۲۴۹ پر ذاتی کے خصوصیات ششگانہ بیان کرتے ہوئے پہلی خصوصیت یہی لکھی ہے کہ "عدم تحقق الشیٔ بدونہ" کہ شیٔ اس کے بغیر وجود میں نہیں آ سکتی۔

بعد تیسری خصوصیت یہ بیان کی ہے کہ ما کان بیّن الثبوت للشیٔ و ممتنع الحکم بسلبہ یعنی اس کا ثبوت شیٔ کے لیے بیّن ہو (محتاجِ دلیل نہ ہو) اور اس سے جدا ہونا محال ہو۔ اور پانچویں خصوصیت یہ تحریر فرمائی ہے کہ ما یتقدم علی الشیٔ فی الوجود الذھنی والخارجی تقدمًا ذاتیًا لاحتیاج ذاتہ الیھا بحسب الوجود۔ یعنی ذاتی وہ ہوتی ہے جو شیٔ سے اس کے وجود ذہنی و خارجی میں تقدم ذاتی رکھتی ہو کیونکہ شیٔ اپنی ذات و ماہیت میں اس کی طرف محتاج ہوتی ہے۔" (ایسا ہی افادہ منطق کی مشہور کتب حمد اللہ اور قاضی وغیرہ میں فرمایا گیا ہے) الغرض یہ ایک ایسی مسلّمہ حقیقت ہے

۱؎ جیسا کہ اب متن میں مذکور ہے اس طرح طبع اول میں ہم نے قاضی کے ساتھ حمد اللہ کا بھی حوالہ دیا تھا۔ اس پر لکھنؤ کے بعض ممتاز الافاضل
(باقی اگلے صفحہ پر)

کہ کوئی معمولی پڑھا لکھا اور عقلمند انسان اس سے انکار نہیں کر سکتا جس طرح نطق "کے بغیر (جو کہ اس کی فصل ہے) انسان کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ (بلا حیوان ناطق) تو اگر اسی طرح "وحی" نبی کی فصل ہے تو اس کے بغیر نبی کا تصور بھی ناممکن ہوگا۔ بنا بریں حقائق آیئے اس بات کا جائزہ لیں کہ آیا "وحی" "ذات نبی میں داخل ہے یا نہ؟ آیا نبی کا وجود اس کے بغیر متحقق ہو سکتا ہے یا نہ؟ اس سلسلہ میں قرآن مجید کی صریح نصوص موجود ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ وحی نبی کی ذات میں داخل نہیں ہے اور اس کے بغیر نہ صرف یہ کہ نبی کا تصور ممکن ہے۔ بلکہ وجود خارجی بھی ممکن ہے۔ یہاں صرف ایک آیت پیش کی جاتی ہے۔ ارشاد قدرت ہے وکذلک اوحینا الیک روحاً من امرنا ما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان ولکن جعلناہ نوراً نھدی من نشاء (پ۲۵ س شوریٰ ع۵) "اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے روح الامین کو تمہاری طرف وحی کے ساتھ بھیجا جس کے پہلے تم یہ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا چیز ہے۔ اور نہ یہ کہ تعلیم ایمان کیا چیز ہے لیکن ہم نے اس کو ایک نور قرار دیا جس کے ذریعہ سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں ہدایت کر دیں۔ (ترجمہ قرآن) "اور اسی طرح ہم نے تیری طرف اپنے امر سے ایک روح وحی کی تو نہیں جان سکتا تھا کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ ہی ایمان لیکن ہم نے اسے نور قرار دیا اس کے ذریعہ ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں

(بقیہ حاشیہ ص۷۷) پاس مبلغین نے اپنی جوابی کتاب میں "مدرسین کو کتب درسیہ کا بھی علم نہیں ہے" کا عنوان قائم کر کے غلط جذبات کی رو میں بہہ کر یا اپنی طبعی عمر کے تقاضوں سے مجبور ہو کر لکھنؤ کے نصاب تعلیم کی تعریف کرتے ہوئے پاکستان کے نصاب مولوی فاضل کے ساتھ ساتھ نجف اشرف جیسے مرکز علم و ایمان کے نصاب تعلیم پر بھی ہاتھ صاف کر دیئے اور یہ نہ سوچا کہ نجف اشرف کا نصاب و مقام تو بہت اونچا ہے خود مولوی فاضل کا کورس ایسا ہے کہ ہم نے لکھنؤ کے کئی ممتاز الافاضل پاس حضرات کو کئی کئی بار امتحان مولوی فاضل دیتے اور اس میں ناکام ہوتے دیکھا ہے۔ بہر حال یہ صاحب کہنا یہ چاہتے تھے۔ کہ یہاں حمد اللہ کا نام غلط لکھا گیا ہے۔ کیونکہ یہ مسئلہ منطق کی بحث تصورات سے متعلق ہے اور حمد اللہ میں سرے سے یہ مبحث ہے ہی نہیں۔ کیونکہ وہ صرف تصدیقات کے مباحث پر مشتمل ہے۔ انہوں نے یہ تنقید شدید کرتے وقت یہ نہ سوچا کہ بعض اوقات ایک حصہ کے بعض مباحث متعلقہ کتب میں ضمنی حیثیت سے دوسرے بعض حصوں میں جگہ پا جاتے ہیں۔ چنانچہ ہمارے متعلقہ مسئلہ کی یہی نوعیت ہے اور اس کا اصل مقام گو بحث تصورات ہی ہے مگر ضمنی حیثیت سے تصدیقات میں بھی آ گیا ہے لیجئے ہم اس کے مقام کی نشاندہی کئے دیتے ہیں حمد اللہ ص۵۵ طبع مفید عام لاہور مع حاشیہ فاضل ٹونکی میں حمل شائع متعارف کے ضمن میں لکھا ہے: "فان الجنس و الفصل والنوع و ان کانت موجودۃ بوجود واحد" الخ یعنی اگرچہ جنس، فصل اور نوع ایک ہی وجود سے موجود ہیں" اس کے حاشیہ نمبر ۲ پر فاضل ٹونکی نے یہ فاضلانہ حاشیہ لکھا ہے "حاصلہ ان کلاً من الجنس و الفصل و النوع و ان کانت موجودۃ بوجود واحد بالذات و متحدۃ فیما بینھما اتحاداً کذلک کما ھو المحقق الا ان مفھوم الجنس والفصل واحد فی مفھوم النوع فلا یتصور وجودہ فی مرتبۃ من المراتب الا و یکون وجودھما فی ضمنہ الخ (ص۵۵) یعنی اس کلام کا ماحصل یہ ہے کہ جنس، فصل اور نوع اگرچہ بالذات ایک ہی وجود کے ساتھ خارج میں موجود (باقی دیکھو ص۷۹)

(۲) اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے روح (الامین) کو تمہاری طرف وحی کے ساتھ بھیجا جس کے پہلے تم یہ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا چیز ہے اور یہ کہ تعلیم) ایمان کیا چیز ہے لیکن ہم نے اس کو ایک نور قرار دیا جس کے ذریعے سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں ہدایت کر دیں (ترجمہ مقبول ؒ)

ہم اس وقت اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتے۔ کہ آنحضرتؐ کی خلقت کے بعد کتنا وقت ایسی حالت میں گذرا۔ آیا یہ کیفیت کسی وقت میں تھی؛ یا مکان میں؛ یا صرف ایک حالت تھی؛ کیونکہ اس موضوع پر آج سے قریباً نصف صدی پہلے بعض علماء میں بہت بحثیں ہو چکی ہیں۔ اور اس سلسلہ میں بعض مستقل کتابیں بھی منظر عام پر آ چکی ہیں۔ بہرکیف محتاط سے محتاط الفاظ میں اس قدر تو اس آیت مبارکہ سے بعبارۃ النص واضح ہوتا ہے کہ ایک وقت (اگرچہ بالکل مختصر سہی) ایسا ضرور تھا۔ کہ آنحضرتؐ تو موجود تھے (خلقت اولی روحانی و نورانی ہی سہی) لیکن ہنوز وحی کا سلسلہ جاری نہ ہوا تھا۔ اور نہ ہی ابھی روح القدس کے ساتھ ارتباط قائم ہوا تھا۔ مزید اطمینان قلب کے لئے اس آیت مبارکہ کی جو تفسیر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے وہ ملاحظہ کریں۔ انه سئل من العلم اهو شئی یتعلمه العالم من افواه الرجال ام فی الکتاب عندکم تقرؤنه فتعلمون منه قال الامر اعظم من ذلك واوجب اما سمعت قول الله عزوجل وکذلك اوحینا الیك روحا من امرنا ما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان ثم قال ای شئی یقول اصحابك فی هذه الایة ایقرون انه کان فی حال ما یدری ما الکتاب ولا الایمان فقلت لا ادری جعلت فداك ما یقولون قال بلی قد کان فی حال لا یدری ما الکتاب ولا الایمان حتی بعث الله عزوجل الروح التی ذکر فی الکتاب فلما اوحاها الیه علم بها العلم والفهم وهی الروح التی یعطیها الله عزوجل من شاء فاذا اعطاها عبداً علمه الفهم یعنی امامؑ سے اپنے علم کے متعلق سوال کیا گیا۔ کہ عالم (امام) لوگوں کے مونہوں سے اسے حاصل کرتا ہے۔ یا آپ کے پاس کسی کتاب میں لکھا ہوا ہے جسے آپ پڑھ کر معلوم کر لیتے ہیں؟ آنجنابؑ نے فرمایا اصل حقیقت اس سے اجل و ارفع ہے۔ کیا تم نے ارشاد خداوندی نہیں سنا وکذلك اوحینا الیك روحاً پھر فرمایا تمہارے اصحاب اس آیت کے متعلق کیا کہتے ہیں؟ آیا وہ یہ اقرار کرتے ہیں۔ کہ آنحضرتؐ پر ایسی حالت بھی گذری ہے

(بقیہ حاشیہ ص ش) ہیں اور دونوں (وجود خارجی و ذہنی) میں ان کے درمیان ایسا ہی (ذاتی) اتحاد پایا جاتا ہے مگر جنس و فصل کا مفہوم نوع کے مفہوم میں اس طرح داخل ہے کہ کسی (خارجی یا ذہنی) مرتبہ وجود میں نوع کا تصور بھی ان دونوں کے بغیر نہیں کیا جا سکتا۔" اس پوری عبارت پر بالعموم اور خط کشیدہ مقام پر بالخصوص مکرر نظر ڈالیں۔ کیا یہ بعینہ ہمارا متعلقہ مسئلہ نہیں ہے؟ ایسے حضرات پر یہ شعر پوری طرح منطبق ہوتا ہے ؎

وقل للذی یدعی فی العلم فلسفة   حفظت شیئاً وغابت عنك اشیاء

ہمارا مخلصانہ مشورہ ہے کہ ؎   شکوہ بے جا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور   (منہ عفی عنہ)

کہ وہ کتاب و ایمان کو نہ جانتے تھے۔ راوی کہتا ہے میں نے عرض کیا کہ میں آپ پر قربان ہو جاؤں مجھے تو معلوم نہیں کہ وہ کیا کہتے ہیں؟ امامؑ نے فرمایا کہ ہاں ایک حالت ایسی تھی کہ آنحضرت نہیں جانتے تھے کہ ایمان کیا ہے اور کتاب کیا ہے یہاں تک کہ خداوند عالم نے وہ روح ان کو عطا کی جس کا ذکر اس نے قرآن میں فرمایا ہے پس جب خدا نے یہ روح ان کو عطا فرمائی تو اس وقت ان کو خاص علم و فہم عطا ہو گیا۔ پس یہ وہ روح ہے کہ اپنے بندوں میں سے خدا جس (نبی یا امام) کو عطا فرما دے" تو اسے اس کے ذریعے سے خاص علم و فہم بھی عطا فرما دیتا ہے (تفسیر صافی ص۴۵۵ و تفسیر برہان ج ۴ ص۱۳۳ و اصول کافی ص۱۳۳) انہی کتب کے انہی صفحات پر اس امر کے بھی مختلف۔ متعدد احادیث موجود ہیں کہ اس روح سے روح القدس مراد ہے"۔

لہٰذا ان حقائق کی روشنی میں روز روشن کی طرح یہ حقیقت واضح و آشکار ہو جاتی ہے کہ وحی کو نبی کا فصل ممیز نہیں قرار دیا جا سکتا البتہ تشریعی وحی خصائص نبوت و رسالت میں سے ہے **وخاصۃ الشئ ما یوجد فی الشئ ولا یوجد فی غیرہ** یعنی کسی چیز کا خاصہ وہ ہوتا ہے جو اس کے بغیر کسی اور چیز میں نہ پایا جائے۔ مگر خاصہ کا شمار عرضیات خفی میں ہوتا ہے نہ ذاتیات میں **کما لا یخفی علی اولی الابصار**۔ ہاں اگر یہ حضرات اہلِ منطق کی اصطلاح کے خلاف "فصل ممیز" سے مراد خاصہ ہی لیتے ہیں تو یہ اور بات ہے **ولا مشاحۃ فی الاصطلاح** لیکن اس سے ان ذواتِ مقدسہ کی نوع تو علیحدہ[1] ثابت نہیں ہو سکتی۔ **کما ھو اوضح من ان یخفی**۔

---

[1] اس مقام پر اکثر جواب نویسندگان نے عجیب گل کھلائے ہیں۔ گرجے ہیں برسے ہیں اور عجیب اتہام لگائے ہیں۔ مگر کوئی علمی و تحقیقی چیز پیش نہیں کر سکے۔ اور نہ ہی یہ ان کے بس کا روگ ہے۔ بعض نے یہ لکھا ہے کہ آیت میں قضیہ حملیہ سالبہ بانتفاء الموضوع ہے یعنی آنحضرت کو جبکہ ابھی خلعتِ وجود ہی نہیں ملی تھی اس وقت کتاب و ایمان کا علم بھی نہ تھا۔ یہ درست ہے کہ قضیہ سالبہ بعض اوقات انتفاء موضوع سے بھی صادق آتا ہے جس طرح کہ انتفاء محمول سے صادق آتا ہے۔ مگر یہ فیصلہ قرائن حالیہ و مقالیہ دیکھ کر ہی کیا جا سکتا ہے کہ کس جگہ اس کا صدق محمول کے انتفاء سے ہے اور کہاں موضوع کے منتفی ہونے کی وجہ سے؟ اس مقام پر جب روایات اہل بیتؑ میں صراحت موجود ہے کہ "**کان فی حال ما یدری ما الکتاب ولا الایمان**" یعنی ایک ایسی حالت بھی تھی کہ آنحضرتؐ تو تھے مگر علم کتاب و ایمان نہ تھا؟ تو بعد ازیں بھی یہ کہنا کہ یہاں قضیہ سالبہ بانتفاء موضوع ہے۔ تفسیر بالرائے نہیں تو اور کیا ہے؟

اور بعض نے یہ تحقیق انیق فرمائی کہ اس مقام پر وحی سے مراد فطری وحی ہے جس طرح آیت **واوحینا الی النحل** (ہم نے شہد کی مکھی کو وحی کی) میں فطری وحی مراد ہے یعنی ہم نے یہ چیز اس کی فطرت میں ودیعت کر دی۔ اور یہ قیاس کرنے والے نے اس قدر بھی نہ سوچا کہ یہ قیاس اور وہ بھی مع الفارق ہے جو عند العقل باطل ہے۔ اشرف الانبیاء کا قیاس شہد کی مکھی پر کرنا۔ کیا اس میں شان رسالت کا استخفاف نہیں؟ حالانکہ اہل بیتؑ کی روایات متظافرہ میں وارد ہے کہ یہاں "**اوحینا الیک روحًا من امرنا**" سے مراد روح القدس ہے جیسا کہ تفسیر قمی، صافی اور برہان وغیرہ ایسی احادیث سے لبریز ہیں۔ ان تمام ارشادات معصومینؑ کو اپنے زعم باطل کے خلاف پا کر
(باقی دیکھو ص۵۹)

دوسری دلیل

ایک مسلم الثبوت عقلائی قاعدہ ہے کہ دلیل کو عموم و خصوص میں دعویٰ کے مطابق ہونا چاہئے یعنی یہ کہ اگر دعویٰ عام ہو تو دلیل بھی عام ہونی چاہئے۔ اور اگر دعویٰ خاص ہو تو دلیل بھی خاص ہونی چاہئے لیکن یہاں معاملہ اس کے برعکس ہے یعنی دعویٰ تو عام ہے مگر دلیل خاص جو کہ عند العقلاء باطل ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ دعویٰ تو یہ ہے کہ انبیاؑ اور ائمہ ہر دو کی نوع علیحدہ ہے مگر دلیل میں صرف "وحی" کو فصل ممیز کے طور پر پیش کیا گیا ہے کہ بشر جنس اور "وحی" فصل ہے۔ اب غور طلب امر یہ ہے کہ آیا اس وحی سے مراد تشریعی و نبوتی وحی ہے یا وحی غیر تشریعی؟ اگر پہلی شق کو اختیار کیا جائے کہ اس سے وحی تشریعی مراد ہے (کما ہو الحق)، تو پھر یہ دلیل (بنا بر تسلیم و بدون اشتباہ خرط القتاد) زیادہ سے زیادہ انبیاء کی نوع کے علیحدہ ہونے پر دلالت کرتی ہے کیونکہ ائمہ علیہم السلام پر تشریعی وحی کے نازل نہ ہونے پر تمام مسلمانوں کا اجماع و اتفاق ہے۔ اور اس کا قائل دائرہ اسلام سے خارج ہے چنانچہ حضرت شیخ مفید علیہ الرحمہ اوائل المقالات ص۴۵ پر قمطراز ہیں **وانما منعت من نزول الوحی علیہم والایحاء بالاشیاء الیہم للاجماع علی المنع من ذلک والاتفاق علی انہ من زعم ان احداً بعد نبینا یوحی الیہ فقد اخطاء وکفر۔** یعنی میں نے اس لئے ائمہ اطہار پر وحی تشریعی کے نزول کو ممنوع قرار دیا ہے کیونکہ اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے اور ان کا اس امر پر اتفاق ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ آں حضرتؐ کے بعد کسی شخص پر وحی ہوتی ہے وہ خطاکار بلکہ کافر ہے۔" اسی طرح محقق جلیل جناب سید علی خان ریاض السالکین (ص۳۱۲ پر) فرماتے ہیں "**الوحی من خواص الرسالۃ**" (تشریعی) وحی رسالت و نبوت کے خواص میں سے ہے۔ اور اگر دوسری شق اختیار کی جائے۔ یعنی اس سے مراد غیر تشریعی وحی لی جائے۔ تو وہ صرف ائمہ کے ساتھ ہی مختص نہیں بلکہ ایسی وحی غیر انبیاء و ائمہ کو بھی ہوتی رہتی ہے جیسا کہ آیات قرآنیہ **واوحینا الی ام موسیٰ** ہم نے مادر موسیٰ کو وحی کی **واوحینا الی النحل** ہم نے شہد کی مکھی کو وحی کی وغیرہ سے ظاہر ہے۔ لہٰذا پھر یہ وحی نبیؐ یا امامؑ کی "فصل ممیز" کیوں کر بن سکتی ہے؟ یہی تھے دو حساب سو یوں پاک ہو گئے۔

(بقیہ حاشیہ ص۸۰) نظر انداز کرتے ہوئے مذکورہ بالا فاسد نظریہ قائم کرنا تفسیر بالرائے کی بدترین مثال ہے (ومن فسر القرآن برأیہ فلیتبوأ **مقعدہ من النار**۔ (تفسیر صافی ص۴ وغیرہ) اور بعض نے خوف خدا سے بالا ہو کر ہم پر یہ افترا پردازی کی کہ ہم نے چالیس برس تک جناب رسول خداؐ کو جاہل لکھا ہے (معاذ اللہ) چالیس برس تو بجائے خود ہماری عبارت میں کہیں آنحضرتؐ کی ظاہری جسمانی خلقت تک کا بھی کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ بلکہ عبارت کے سیاق و سباق میں غور و تدبر کرنے سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ یہاں خلقت روحانی و نورانی کے وقت کا تذکرہ ہے کہ خدا نے آنحضرتؐ کو خلق کرنے کے بعد روح القدس سے ان کا ارتباط قائم کیا اور اس کے ساتھ ہی علم ایمان اور دیگر فیوض کے فیضان کا سلسلہ جاری ہو گیا جو اب تک برابر جاری ہے۔ اور اس بیان کا مقصد صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ علم ان حضرات کی ذات میں داخل نہیں۔ بلکہ عطیہ پروردگار ہے لہٰذا کچھ فاصلہ تو ماننا پڑے گا۔ کہ خدا نے ان کو پیدا کیا۔ اور پھر علم عطا کیا۔ ع

اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا۔ **ھدوا الی الطیب من القول وھدوا الی صراط الحمید** (منہ عفی عنہ)

بنا بریں حقائق تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ دعویٰ بلا دلیل و برہان ہے بایں وجہ سے ناقابلِ قبول ہے ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین!

تیسری دلیل

اس فاسد عقیدہ میں "بشر" کو جنس قرار دیا گیا ہے۔ یہ ان حضرات کے علم معقولات سے ناواقفیت کی ایک بیّن دلیل ہے۔ کیونکہ یہ بات واضح ہے کہ بشر و انسان ایک ہی حقیقت کے دو مختلف نام ہیں (تفصیل چوتھی دلیل میں آرہی ہے انش) اور انسان حقیقی نوع ہے (نہ اضافی) اور یہ حقیقت اربابِ منطق کے نزدیک محقق و مسلّم ہے کہ کوئی نوع حقیقی ہرگز جنس نہیں ہوسکتی۔ بنا بریں بشر کو جنس تصور کرکے انبیاء اور ائمہ کی کس طرح علیحدہ نوع تسلیم کی جاسکتی ہے؛ ان ھذا الا اختلاق

چوتھی دلیل

اس نظریہ میں ان حضرات نے انبیاء و ائمہ کو بشر تسلیم کرنے کے باوجود انسانوں کے علاوہ ان کی علیحدہ نوع تسلیم کرکے جہاں علم معقول سے اپنی تہی دامنی کا ثبوت دیا ہے (جیسا کہ ابھی اوپر ثابت کیا جاچکا ہے) وہاں لغتِ عربی سے بھی اپنی ناواقفیت کا ثبوت فراہم کیا ہے کیونکہ معمولی عربی دان صاحبان پر بھی یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ بشر اور انسان ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں۔ بطور نمونہ چند مستند کتبِ لغت کے حوالہ جات ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں۔

قاموس اللغات ج ۱ ص[illegible] طبع مصر پر لکھا ہے البشر محرکۃ الانسان ذکراً او انثی واحداً او جمعاً الخ یعنی بشر کا مطلب ہے انسان خواہ مرد ہو یا عورت ایک ہو یا ایک سے زائد" کلیات ابوالبقاء ص[illegible] پر لکھا ہے البشر ھو علم لنفس الحقیقۃ من غیر اعتبار کونہا مقیدۃ بالتشخصات والصور یعنی بشر نفس حقیقت (انسانیہ) کا نام ہے۔ قطع نظر اس سے کہ وہ شخصی تشخصات اور (فردی) تعینات (جیسے وحدت و کثرت، تذکیر و تانیث حسن و قبح وغیرہا) سے متصف و مقید ہو" قرآن و حدیث کی مشہور لغت مجمع البحرین ص[illegible] طبع ایران پر لکھا ہے البشر الانسان الواحد والجمع المذکر والمؤنث فی ذلک سواء" یعنی بشر انسان کا دوسرا نام ہے اس لفظ میں مذکر و مؤنث واحد اور جمع برابر ہیں۔ اسی طرح لغات القرآن یعنی مقدمہ تفسیر مرآۃ الانوار ص۹۰ پر لکھا ہے البشر الانسان ذکراً او انثی کذا فی مرآۃ العقول للمجلسی ج ۱ ص۲۹۲ یعنی بشر کا مطلب ہے انسان، اس میں مرد، عورت، واحد، جمع برابر ہے۔ مشہور لغت القرآن مفردات راغب اصفہانی ص[illegible] پر لکھا ہے "وعبّر عن الانسان بالبشر اعتباراً بظھور جلدہ من الشعر۔ انسان کو بشر اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کا چمڑا بالوں میں ڈھکا ہوا نہیں بلکہ ظاہر ہے" اسی طرح عربی کی سب سے بڑی مبسوط و مفصل کتاب لسان العرب ج ۴ ص۶۰ طبع لبنان پر لکھا ہے البشر الانسان الواحد والجمع والمذکر والمؤنث فی ذلک سواء۔ عصر حاضر کی مستند لغت المنجد ص۳۶ [illegible] پر لکھا ہے البشر الانسان ذکراً او انثیٰ واحداً وجمعاً ان عبارتوں کا بھی مطلب وہی ہے جو مذکورہ بالا عبارات کا ہے۔ ان حقائق سے یہ بات اظہر من الشمس ہوجاتی ہے کہ بشر و انسان ایک ہی حقیقت کے دو مختلف نام ہیں۔ نہ یہ کہ دو مختلف

حقیقتیں ہوں۔ ہاں ان کے درمیان صرف اعتباری فرق ہے یعنی ایک ہی حقیقت کو اس اعتبار سے کہ وہ ظاہر الجلد ہے اور اس کا جسم بالوں میں ڈھکا ہوا نہیں ہے بشر کہہ دیا جاتا ہے یعنی بادی البشرہ۔ چنانچہ تفسیر مجمع البیان ج ۲ ص ۴۳۱ طبع قدیم میں لکھا ہے وسمی البشر الا انہ ظاہر الجلد لا یواریہ شعر ولا صوف یعنی انسان کو بشر اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کے چہرے کو بال یا صوف ڈھانپے ہوئے نہیں (بلکہ کھلا ہوا ہے) اور اس اعتبار سے کہ اس میں انس و محبت کا جذبہ وجوہ نمایاں طور پر موجود ہے اسے انسان کہہ دیا جاتا ہے ورنہ ہر دو کا مصداق ایک ہی ہے کما لا یخفیٰ۔ اگر اسماء و صفات کے تعدد و اختلاف سے کسی شئے کی حقیقت بھی متعدد ہو جائے تو پھر خدا ایک نہیں رہے گا۔ بلکہ ننانوے بلکہ ایک ہزار ہو جائیں گے۔ کیونکہ دعائے جوشن کبیر میں خدا کے ایک ہزار اسماء و صفات مذکور ہیں۔ نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے ؎

عباراتنا شتّیٰ وحسنک واحد ۔۔۔ وکل الی ذاک الجمال یشیر

ان حقائق کی موجودگی میں انبیاءؑ و ائمہؑ کے بشر ہونے کا اقرار اور انسان ہونے کے انکار کو عجائباتِ روزگار میں سے شمار نہ کیا جائے تو اور کیا کیا جائے ؎

خرد کا نام جنوں رکھ دیا اور جنوں کا خرد ۔۔۔ جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

پانچویں دلیل

آیاتِ قرآن کریم احادیثِ معصومینؑ اور جمہور مسلمین کے اتفاق کی روشنی میں یہ حقیقت ناقابلِ انکار ہے۔ کہ تمام انواعِ عالم اور تمام موجوداتِ ارضی و سماوی سے حضرتِ انسان افضل و اشرف ہے جیسا کہ آیتِ مبارکہ ولقد کرمنا بنی آدم وحملناھم فی البر والبحر ورزقناھم من الطیبٰت وفضلناھم علیٰ کثیر ممن خلقنا تفضیلا (پ ۱۵ س بنی اسرائیل رکوع ۷) اور یقیناً ہم نے اولادِ آدم کو عزت دی اور خشکی اور تری میں ان کو سواریاں دیں۔ اور اچھی اچھی چیزوں سے ان کو روزی دی۔ اور سب مخلوق پر ان کو ایسی فضیلت دی جیسا کہ فضیلت دینے کا حق ہے۔ سے صاف ظاہر ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں فضلنا بنی آدم علیٰ سائر الخلق۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے بنی آدم کو تمام مخلوق پر فضیلت دی ہے (تفسیر صافی ص ۲۹۳ و تفسیر برہان ج ۲ ص ۴۳۱) تفسیر صافی کے اسی صفحہ پر حضرت امیر المومنینؑ سے انسانی صورت کے متعلق مروی ہے انھا اکرم صورۃ علی اللہ۔ انسانی صورت نگاہِ قدرت میں سب سے زیادہ مکرم و محترم ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ خلاقِ عالم نے افضلیت و اشرفیت کا تاج حضرت انسان کے سر پر رکھا ہے۔ فتبارک اللہ احسن الخالقین۔

ازالۂ شبہ

شاید کسی کو یہاں یہ شبہ لاحق ہو کہ ارشادِ ایزدی وفضلناھم علیٰ کثیر سے تو صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انسان کو اکثر مخلوقِ خدا پر برتری حاصل ہے نہ کہ تمام پر۔ عند التحقیق یہ شبہ بالکل بے حقیقت ہے۔ محقق علماء مفسرین نے اس شبہ کا یہ جواب دیا ہے کہ ان المراد بالکثیر الجمیع فوضع الکثیر موضع الجمیع والمعنی انا

فضلنا هم علی من خلقنا هم کثیر..... وفی القرآن و محاورات العرب من ذلک ما لا یحصی ولا یخفی علی من عرف کلامهم (تفسیر مجمع البیان ج ۶ ص ۴۳۹) یعنی کثیر سے مراد جمیع ہے اور معنی یہ ہے کہ ہم نے انسان کو اپنی تمام مخلوق پر فضیلت دی ہے اور یہ مخلوق کثیر ہے قرآن اور محاورات عرب میں اس قسم کی بکثرت مثالیں موجود ہیں۔" اکثر کثیر سے مراد جمیع ہوتی ہے تفصیل کے لئے فقہ اللغۃ ثعالبی ملاحظہ ہو) اسی طرح علامہ شہر ابن آشوب نے اپنی جلیل القدر کتاب متشابہ القرآن و مختلفہ ج ۱ ص ۳۲ طبع ایران پر اسی آیت مبارکہ کے ضمن میں لکھا ہے فالمراد بقوله علی کثیر ممن خلقنا. انا فضلناهم علی من خلقنا وهم کثیر ولم یرد التبعیض کما قال ولا تشتروا بآیاتی ثمنا قلیلا المعنی لا تشتروا بها ثمنا فکل ثمن تاخذونه عنها قلیل ولم یرد التخصیص والمنع من الثمن القلیل خاصة یعنی اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے انسان کو تمام مخلوق پر فضیلت دی ہے اور وہ مخلوق بکثرت ہے خدا کا یہ مقصد نہیں کہ اس نے انسان کو صرف بعض مخلوق پر فضیلت دی ہے جیسے ارشاد قدرت ہے کہ میری آیات کو قلیل عوض کے بدلے فروخت نہ کرو۔ مطلب یہ ہے کہ اس سلسلہ میں تم جو معاوضہ بھی لوگے وہ قلیل ہوگا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ صرف قلیل معاوضہ لینا ممنوع ہے (اور کثیر جائز ہے) حضرت علامہ حائری مرحوم نے اپنی تفسیر لوامع التنزیل ج ۵ ص ۳۶ سے لے کر ص ۲۴۳ تک پورے ۱۰ عدد دلائل انسان کے تمام مخلوقات عالم سے افضل ہونے پر ذکر فرمائے ہیں۔ من شاء فلیرجع الیہ۔ صاحب رسالہ انوار قدسیہ ص ۱۹ و ص ۵۵ پر لکھتے ہیں "نوع انسان باعتبار جامعیت حقیقت اکمل انواع است" یعنی انسانی نوع اپنی حقیقت کی جامعیت کے اعتبار سے تمام انواع سے زیادہ مکمل ہے۔"

جناب مولانا محمد سبطین صاحب لکھتے ہیں: "حکماء حال اور حکماء سلف کا اتفاق ہے کہ انسان آخر درجۂ مکونات ارضی ہے اور اس سے بالا سوائے خدا کے کوئی ہستی نہیں ہے باقی تمام انواع اس کے ماتحت ہیں۔ اس سے اوپر اور اس سے بالا کوئی نوع نہیں ہے اس سے بالا بس ذات خالق ہی ہے اور اس لئے کل حکماء سلف اور فلاسفہ حال کا اتفاق ہے کہ انسان جو کہ ششم درجۂ مکونات اور آخری مرتبۂ کائنات میں ہے اشرف المخلوقات و افضل کائنات ہے۔" (پیغام توحید ص ۵۱ طبع لاہور) اسی طرح اس رسالہ کے ص ۵۸ و ص ۵۹ پر معلم کامل (نبی) کے انسانی نوع سے ہونے کو لازمی بتاتے ہوئے لکھتے ہیں: "باقی انواع عالم انسان سے پست تر ہیں۔ وہ ہمارے اور خدا کے درمیان واسطۂ فیضان تعلیم نہیں بن سکتے۔ الخ..... اور نوع بشر سے بالا کوئی نوع نہیں ہے ———— وہ کوئی خاص بشر ہی ہو سکتا ہے۔" (ص ۶۰) بنا بریں حقائق یہ کہاں کی دانشمندی ہے، اور اس میں انبیاء و ائمہ علیہم السلام کی کیا فضیلت ہے کہ اشرف و اعلیٰ نوع سے نکال کر ان کے لئے کوئی ادنیٰ واسفل نوع تجویز کی جائے؟ آیا ایسا کرنے سے ان بزرگواروں کی تعظیم ہوگی یا تنقیص؟ ان هذا الا اختلاق!

مگر سچ ہے ع فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

قل کل یعمل علی شاکلته۔ زیادہ سے زیادہ عامۃ الناس کے ذہن میں ملائکہ کا ہی تصور آ سکتا ہے کہ شاید ان کی نوع ان

نوع سے افضل ہو۔ مگر ارباب بصیرت جانتے ہیں کہ یہ خیال بھی غلط ہے کیونکہ اگر تمام مسلمانوں کا نہیں تو کم ازکم شیعان حیدر کرار تو اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ انبیاءؑ و مرسلینؑ اور ہمارے ائمہ طاہرینؑ نہ صرف ملائکہ سے افضل ہیں بلکہ ان کے مخدوم ہیں۔ اور فرشتے ان کی خدمت کرنے کو اپنے لئے باعثِ صد سعادت و افتخار سمجھتے ہیں۔ کتاب دمعۂ ساکبہ ص۲۶۶ میں ایک طویل حدیث کے آخر میں جناب جبرئیل امین کا خدمت اہل بیت کی وجہ سے فخر و مباہات کرنا ایں الفاظ مروی ہے ومن مثلی انا خادم محمد وآل محمدؐ خود ائمہ اطہار کا ارشاد ہے ان الملائکۃ لخدامنا وخدام محبینا یعنی فرشتے ہمارے اور ہمارے خالص شیعوں کے خادم ہیں (علل الشرائع ج ۱ ص۵) یہ پوری بحث اور اس موضوع پر دلائل قاطعہ ہماری کتاب احسن الفوائد میں ملاحظہ فرمائیں۔ لیکن اس زمانہ میں اس طرح الٹی گنگا بہ رہی ہے کہ جو شخص ائمہ اہل بیتؑ کو ذات میں "فرشتہ" سمجھے اُسے تو آج عارف معارف اہل بیتؑ سمجھا جاتا ہے اور جو شخص ان بزرگواروں کو فرشتوں سمیت تمام کائنات سے افضل و اشرف سمجھے اُسے معرفت سے عاری کہا جاتا ہے۔ ع

انقلابات ہیں زمانے کے

چھٹی دلیل

یہ حقیقت عیاں را چہ بیاں کی مصداق ہے کہ انبیاءؑ و مرسلینؑ ہوں یا ائمہ طاہرینؑ خداوند عالم ان کو اس لئے مقرر کرتا ہے اور بھیجتا ہے کہ جن کی طرف ان کو بھیجا گیا ہے ان کے لئے ان بزرگواروں کا ہر قول و فعل حجت اور نمونۂ عمل ہے اور ان کا قول و کردار اہل عالم کے لئے مشعل راہ اور ان کا اسوۂ حسنہ منارۂ سعادت ثابت ہو چنانچہ خدائے حکیم بعثت انبیاءؑ کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے۔ رسلاً مبشرین ومنذرین لئلا یکون للناس علی اللہ حجۃ بعد الرسل (پ۶ س نساء ع ۲۳)۔ (ایسے) رسول (جو) خوشخبری دینے والے (بھی) تھے۔ اور ڈرانے والے (بھی) تاکہ ان کے آنے کے بعد اللہ پر آدمیوں کی کوئی حجت باقی نہ رہے (ترجمہ فرمانؒ) ظاہر ہے کہ یہ اتمام حجت اسی صورت میں ہی ممکن ہے کہ یہ بزرگوار انہی لوگوں کی نوع سے ہوں۔ جن کے لئے ان کو ہادی و رہبر بنا کر بھیجا گیا ہے ورنہ واضح ہے کہ اگر وہ بزرگوار کسی اور نوع کے ساتھ تعلق رکھتے ہوں تو پھر ان کے اقوال اور بالخصوص افعال جیسے نماز، روزہ اور مصائب و شدائد پر صبر و ثبات وغیرہا لوگوں کے لئے اتمام حجت کا باعث قرار نہیں پا سکتے کیونکہ اس صورت میں گمراہ لوگ بآسانی یہ کہہ کر اپنی گلو خلاصی کرا سکتے ہیں۔ کہ چونکہ ہمارے رہنماؤں اور ہدایت کے علمبرداروں کی نوع علیحدہ ہے اس لئے ان پر دنیوی مشکلات و مصائب اور آلام و شدائد کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ لہٰذا اگر وہ سردیوں میں نماز پڑھتے یا گرمیوں میں روزہ رکھتے یا کسی تکلیف و مصیبت پر صبر کرتے ہیں تو اس میں ان کا کمال ہی کیا ہے۔ جبکہ سردی و گرمی اور بھوک و پیاس اور تکلیف و مصیبت کا ان پر کوئی اثر ہی نہیں ہوتا اس لئے ان کے یہ افعال و اعمال ہمارے لئے حجت نہیں ہیں۔ اہل عقل و دانش انصاف سے فرمائیں کہ اس صورت میں کیا واقعی حجت خدا نا مکمل نہیں رہ جاتی؟ لہٰذا عقل سلیم مجبور کرتی ہے کہ انبیاءؑ و ائمہؑ کا انسانی نوع سے ہونا لازم ہے خدائے حکیم نے بھی انبیاءؑ کے بشر و انسان ہونے کا یہی فلسفہ

بیان فرمایا ہے وما منع الناس ان یؤمنوا اذ جاءھم الھدیٰ الا ان قالوا ابعث اللہ بشراً رسولاً۔ قل لو کان فی الارض ملائکۃ یمشون مطمئنین لنزلنا علیھم من السماء ملکاً رسولاً۔ (پ ۱۵ س بنی اسرائیل ع ۱۱) اور آدمیوں کو جب کہ ان کے پاس ہدایت آچکی ایمان لانے سے روکا کسی چیز نے ہے سوائے اس کے کہ انہوں نے کہہ دیا کہ خدا نے کسی آدمی کو رسول بنا کر بھیجا ہے! تم یہ کہہ دو کہ اگر اس زمین میں فرشتے اطمینان سے چلتے پھرتے ہوتے تو ہم ان پر آسمان سے کسی فرشتہ ہی کو رسول بنا کر بھیجتے۔" (ترجمہ مقبول م)

علامہ طبرسی مجمع البیان ج ۲ ص ۲۲۱ پر ذیل آیت مبارکہ وما ارسلنا قبلک الا رجالا نوحی الیھم (ہم نے تم سے پہلے مردوں کو ہی رسول بنا کر بھیجا ہے جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے) فلسفۂ بشریت انبیاءؑ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے الشکل الی الشکل امیل وبہ آنس وعنہ افھم ومن الانفۃ منہ ابعد۔ اسی طرح علامہ شہر بن آشوب نے متشابہ القرآن ج ۱ ص ۲۲۱ پر مذکورہ بالا آیت کے تحت لکھا ہے وجہ اللطف فی ارسال الرجال من البشر ان الشکل الی شکلہ آنس وعنہ افھم والانفۃ منہ ابعد لانہ یجری نفسہ والانسان لا یأنف من نفسہ (کذا فی جلد ۲ ص ۲۲) یعنی انسانوں میں سے مردوں کو نبی بنا کر بھیجنے میں یہ لطف خداوندی ہے کہ شکل اپنے ہم شکل سے زیادہ مانوس ہوتی ہے اس سے بہتر طریقہ پر استفادہ کرتی ہے۔ اور اس سے نفرت نہیں کرتی۔ کیونکہ وہ اسے اپنا ہم نفس تصور کرتی ہے اور ظاہر ہے کہ انسان اپنے نفس سے نفرت نہیں کرتا۔" حضرت علامہ حائری مرحوم اپنی تفسیر لوامع التنزیل ج ۱۵ ص ۲۲ پر ذیل آیت سبحان ربی ھل کنت الا بشراً رسولاً لکھتے ہیں۔ اقول۔ پس ازیں جا معلوم شد کہ معتقد ایشاں ہمیں بود کہ بشریت مانع رسالت وایشاں از غایت جہالت ونہایت ضلالت در مسئلہ خطا کردند ونہ دانستند کہ تجانس موجب توانس است وتخالف مقتضی تنافر الجنس الی الجنس یمیل پس بالیقین ثابت شد کہ رسول از جنس مرسل الیھم باید باشد تا افادہ واستفادہ وحد بیان پدید آید وھو العالم یعنی میں کہتا ہوں کہ ان (کفار) کا عقیدہ یہ تھا کہ بشریت رسالت سے مانع ہے لیکن انہوں نے اپنی انتہائی جہالت وضلالت کی وجہ سے اس مسئلہ میں غلطی کی اور یہ نہ سمجھا کہ ہم قسم ہونا باعث انس اور ہم قسم نہ ہونا باعث نفرت ہوتا ہے۔ کیونکہ الجنس یمیل الی الجنس۔ پس یہ بات بالیقین ثابت ہو گئی۔ کہ رسول کو مرسل الیہم کی قسم سے ہونا چاہیئے۔ تاکہ بآسانی افادہ و استفادہ ہو سکے۔ واللہ العالم۔

ایک ضروری وضاحت

کہا جاتا ہے کہ یہ ذوات مقدسہ صرف لباس بشریت میں ملبوس ہیں در باطن بشر و انسان نہیں ہیں بلکہ کچھ اور ہی ہیں۔ ان باطن بین حضرات سے التماس ہے کہ اگر اس نظریہ کی کوئی اساس و بنیاد ہو تو پھر خدائے حکیم خود انبیاءؑ و مرسلینؑ اور ائمہ طاہرینؑ کو بشریت کا فلسفہ بیان کرکے کفار و مشرکین کی تسلی و تسکین کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ صرف یہ کہکر ان کا ناطقہ بند کر دیا جاتا کہ تم اپنی کوتاہ بینی سے (جن انبیاءؑ و اوصیاءؑ) کو بشر سمجھ رہے ہو یہ تمہاری نظر کا دھوکہ ہے وہ در حقیقت بشر و انسان نہیں۔ بلکہ کسی اور نوع کے افراد ہیں۔ اور صرف بشری جامہ میں ملبوس ہیں۔ لیکن

جب یہ جواب نہیں دیا گیا۔ بلکہ بشریت کا فلسفہ و راز سمجھا کر ان کو قائل کرنے کی سعی جمیل کی گئی ہے۔ کہ اگر زمین میں فرشتے چلتے پھرتے ہوتے تو ان کی طرف رسول بھیجنا ہوتا تو کسی فرشتہ کو ہی رسول بنا کر بھیجا جاتا۔ لیکن جب انسانوں کی طرف بھیجنا مقصود تھا۔ تو ضرورت تھی کہ کسی انسان کامل کو ہی بھیجا جائے۔ تو اس سے واضح و آشکار ہو گیا کہ یہ بزرگوار حقیقی انسان کامل ہیں۔

نیز یہ بھی محقق رہے کہ سطور بالا میں بعض علمائے کرام کا جو کلام پیش کیا گیا ہے۔ اس میں بار بار جنس بشر کی لفظ استعمال ہوئی ہے۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اس سے اس خیال کے لوگوں کی تائید ہوتی ہے۔ جو بشر کو جنس اور وحی کو فصل قرار دیتے ہوئے انبیاءؑ کی نوع علیحدہ تجویز کرتے ہیں۔ کیونکہ یہاں جنس کی لفظ اس کے لغوی معنی (قسم) میں استعمال کی گئی ہے نہ کہ منطق والے اصطلاحی معنی میں۔ اس امر کی مزید وضاحت آٹھویں دلیل کے ضمن میں کی جائے گی۔ انشاء

[illegible]

ایک توہم کا ازالہ :- اسی طرح یہاں یہ توہم بھی کیا جاتا ہے کہ جناب رسول خداؐ کی نبوت اور نہیں کہ ان کو انسان تسلیم کیا جائے وہ تو پورے عالمین کے ہادی ہیں۔ سو اس توہم کے ازالہ کے لئے پہلی گذارش تو یہ ہے کہ یہاں جو بحث ہو رہی ہے وہ صرف آنحضرتؐ اور ائمہ اہل بیتؑ کے متعلق نہیں بلکہ یہ سب انبیاءؑ و اوصیاءؑ کے متعلق ہے اور ظاہر ہے کہ سرکار ختمی مرتبتؐ اور ان کی عترت اطہارؑ کے علاوہ باقی تمام انبیاءؑ و اوصیاءؑ صرف بنی نوع انسان کے ہی راہنما تھے۔ لہٰذا وہاں تو فلسفۂ بشریت کے پیش نظر ان کو بشر و انسان تسلیم کرنا پڑے گا۔ اور دوسری التماس یہ ہے کہ یہ بالکل صحیح ہے کہ آنحضرتؐ عالمین کے بشیر و نذیر اور ائمہ اطہارؑ عالمین کے رہنما و پیشوا ہیں۔ اور اس عالمین میں بے شمار انواع کا جال بچھا ہوا ہے کوئی نوع عالی ہے، کوئی سافل ہے، اور کوئی متوسط۔ تو ظاہر ہے کہ ان پیشواؤں کا تعلق بھی آخر ضرور کسی تو نوع سے ہوگا۔ اب حقیقت حال تین حال سے خالی نہیں۔ یا تو نوع عالی سے ہوگا۔ یا سافل سے، یا متوسط سے۔ آخری دو شقیں تو بالبداہتہ باطل ہیں ورنہ لازم آئے گا۔ کہ مقتدی کی نوع بلند اور مقتدا اور پیشوا کی پست ہو۔ ان هذا الا اختلاق۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ پہلی شق ہی صحیح ہے یعنی ان کا تعلق نوع عالی سے ہی ہونا چاہیئے۔ اب رہا یہ سوال کہ وہ نوع عالی کونسی ہے؟ تو ہم ابھی اوپر پانچویں دلیل میں ثابت کر چکے ہیں کہ تمام انواع عالم میں سے انسانی نوع ہی سب سے اجل و ارفع ہے۔ اس کے بعد یہ حقیقت ناقابل انکار حد تک واضح و آشکار ہو جاتی ہے کہ ان ذوات مقدسہ کا تعلق اسی انسانی نوع سے ہے

ساتویں دلیل

بکثرت آیات محکمہ اور روایات متواترہ میں انبیاء و ائمہ علیہم السلام پر لفظ "انسان" کا اطلاق کیا گیا ہے بطور نمونہ صرف چند آیات مقدسہ پیش کی جاتی ہیں۔ ملاحظہ ہوں (۱) ارشاد قدرت ہے۔ ام یحسدون الناس علی ما آتٰھم اللہ من فضلہ (پ ۵ س نساء ع ۵) کیا وہ لوگوں پر اس کا حسد کرتے ہیں۔ جو کچھ اللہ نے ان کو اپنے فضل سے دیا ہے" (ترجمہ مقبول)

اس آیت مبارکہ میں "الناس" (لوگوں) سے مراد حضرات ائمہ طاہرین علیہم السلام ہیں جیسا کہ اصول کافی، تفسیر برہان اور

تفسیر صافی وغیرہ کتب میں مروی ہے (۲) سورۂ زلزال میں ہے جب بروز قیامت زمین میں زبردست زلزلہ آئے گا۔ تو قال الانسان مالہا ایک انسان کہے گا اسے کیا ہو گیا ہے؟ تفاسیر اہل بیتؑ میں یہی ہے کہ اس انسان سے مراد حضرت امیر علیہ السلام ہیں۔ (مرآۃ الانوار ص۶۸ وغیرہ) (۳) خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ واللہ رؤف بالعباد۔ لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو خدا کی رضا جوئی کی خاطر اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہیں خدا اپنے بندوں پر مہربان ہے۔" باتفاق فریقین یہ آیت مبارکہ جناب امیر المومنینؑ کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ اسی طرح سورۂ دہر جو اہل بیتؑ کا قرآنی قصیدہ ہے۔ اس میں کئی بار ان پر انسان کا اطلاق ہوا ہے۔ اس پر کیا منحصر ہے روایات اور علماء اعلام کے ارشادات سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ تین سو سے زیادہ آیات ائمہ اہل بیتؑ کی مدح وثنا میں وارد ہیں۔ اور ان میں اکثر و بیشتر میں ان کو انسان ہی کہا گیا ہے۔ تو اگر اس فاسد نظریہ کی بنا پر یہ ذوات مقدسہ انسان نہیں (معاذ اللہ) بلکہ ان کی نوع الگ ہے تو پھر ان آیات کا مصداق کوئی اور تلاش کرنا پڑے گا۔ انہی حقائق کی بنا پر علامہ ابو الحسن الشریف اپنی کتاب مقدمہ تفسیر مرآۃ الانوار و مشکوٰۃ الاسرار ص۶۱ پر اصول کافی کے حوالہ سے ایک روایت نقل کرنے کے بعد جس میں ایک آدمی کا حضرت امیر المومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر الناس۔ اشباہ الناس اور نسناس کا مطلب دریافت کرنا اور آنجنابؑ کا شہزادہ امام حسنؑ کو جواب پر مامور کرنا۔ اور امام حسنؑ کا الناس (لوگوں) سے جناب رسول خدا و ائمہ ہدیٰ اور اشباہ الناس (لوگوں سے مشابہ) سے شیعان اہل بیتؑ اور نسناس سے مخالفین کا مراد لینا مذکور ہے فرماتے ہیں والاخبار فی تاویل الناس بالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والائمۃ کثیرۃ۔ یعنی اس سلسلہ میں کہ بکثرت اخبار موجود ہیں کہ الناس سے جناب رسول خدا اور ائمہ ہدیٰ مراد ہیں

جو لوگ علوم عربیہ سے معمولی سی واقفیت بھی رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ التبادر علامۃ الحقیقۃ کہ کسی لفظ کو سن کر کسی معنی کا متبادر الی الذہن ہونا (جلد ذہن میں آنا) اس کے حقیقی معنی ہونے کی قطعی دلیل ہوا کرتا ہے۔ جب تک اس کے خلاف کوئی قطعی دلیل اور قرینہ موجود نہ ہو۔ (معالم، قوانین اور کفایۃ الاصول و مطول وغیرہ کتب معا واصول ملاحظہ ہوں) لہٰذا جب انبیاءؑ و ائمہؑ پر لفظ انسان کا اطلاق ہوا ہے۔ تو جب تک اس اطلاق کے مجاز ہونے پر کو قطعی قرینہ اور دلیل نہ پیش کی جائے اس وقت تک اس سے یہی سمجھا جائے گا کہ انسان کا ان ذوات مقدسہ پر حقیقی معنو میں اطلاق ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں کوئی قرینۂ مجاز نہیں ہے لہٰذا لامحالہ اسے اپنے حقیقی معنی پر ہی محمول کیا جائے گا" وھو المقصود۔ حق یہ ہے کہ اصل اور حقیقی انسان تو یہی ہیں یہی ذوات مقدسہ جن پر پورے عالم انسانیت کو فخر و ناز ہے عام لوگ اس لئے انسان کو معمولی سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو انسان سمجھتے ہیں۔ اس لئے خیال کرتے ہیں کہ اگر یہ بزرگوار انسا ہونے تو ہم جیسے ہی ہونگے حالانکہ ؎

آدمی کو بھی میسر نہیں انسان ہونا

اگر ان کو مقام انسانی کی بلندی کا علم ہوتا تو وہ قطعاً انبیاءؑ و ائمہؑ کے انسان ہونے کا ابا و انکار نہ کرتے۔

آٹھویں دلیل

جن اخبار و آثار میں وارد ہے کہ انبیاءؑ و ائمہؑ جنسِ بشر سے ہیں۔ اگرچہ ان سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ وہ نوعِ بشر سے ہیں کیونکہ اربابِ علم و انصاف جانتے ہیں کہ ان مقامات میں جنس کے لغوی معنیٰ مراد ہیں نہ منطقی۔ ظاہر ہے کہ قرآن و حدیث میں یہ الفاظ لغتِ عرب کے اعتبار سے استعمال ہوئے ہیں نہ کہ فلاسفہ و مناطقۂ یونان کی اصطلاح کے لحاظ سے جیسا کہ گلستانِ قرآن و حدیث کی سیر کرنے والے اہلِ علم و عرفان پر یہ حقیقت واضح و عیاں ہے۔ واضح ہے کہ جنس کے معنی لغتِ عرب میں "ضرب" یعنی نوع یعنی قسم کے ہیں چنانچہ لغت کی مشہور و مستند کتاب منجد ص۱ طبع ۸، میں مرقوم ہے کل ضرب من الشئی فالابل مثلاً جنس من البہائم یعنی ہر وہ چیز جو کسی شئی کی قسم سے ہو۔ مثلاً اونٹ چارپایوں کی جنس یعنی قسم سے ہے (کذا فی القاموس ج ۲ ص۲۰۵ طبع مصر) خلاصہ یہ کہ لغوی اعتبار سے جنس، نوع اور صنف باہم متقارب المعنیٰ الفاظ ہیں اور ایک دوسرے معنوں میں استعمال ہوتے رہتے ہیں۔" اگرچہ ہمہ کوئی صاحب اسی بات پر ہی مُصر اور بضد ہوں کہ جب تک آلِ محمدؐ کے فرمان میں لفظ نوع نہیں دکھایا جائے گا۔ اس وقت تک وہ ان کو انسانی نوع کے افراد نہیں تسلیم کریں گے۔ تو ان کی ضیافتِ طبع کے لئے ان کا یہ مطالبہ بھی پورا کیا جاتا ہے۔

کئی اخبار و آثار میں ان ذواتِ قدسیہ کے لئے نوعِ انسانی کے افراد ہونے کی تصریح موجود ہے چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ احتمل رسول اللہؐ علیاًؑ یرید بذلک ان یعلم نوعہ انہ ھو الذی یخفف عن ظھر رسول اللہؐ من الدین والعداۃ والاداء عنہ من بعدہ الخ جناب رسولِ خداؐ نے روزِ فتح مکہ حضرت علیؑ کو اپنے کاندھوں پر سوار کرکے یہ چاہا کہ اپنے بنی نوعِ انسان کو یہ بتائیں۔ کہ جناب علیؑ ہی ایک ایسے آدمی ہیں جو آنحضرتؐ کے بعد آپ کے قرضوں اور وعدوں کو پورا کرکے آپ کی پشت سے بوجھ ہلکا کریں گے۔" (الروضۃ الکافیہ ج ۱ ص۱۱۱)

مرآۃ العقول علامہ مجلسی ج ۱ ص۱۲۸ میں مرقوم ہے "فثبت انہ لابد من سفراء بینہ وبینھم ولابد ان یکونوا من نوع البشر وان یکونوا مع مشارکتھم لھم فی الخلق والترکیب مباینین لھم فی سائر اطوارھم واخلاقھم مقدسین منزھین روحانیین لیضاھوا الملاء الاعلیٰ کما مر ذکرہ فیما مضیٰ ومعصومین مؤیدین بالمعجزات لیکونوا حجۃ علی غیرھم الخ ذرا آگے چل کر مزید لکھا ہے فاذا تمھدت ھذہ المقدمات فثبت وتبین انہ واجب ان یوجد نبی وان یکون انساناً وان تکون لہ خصوصیۃ لیست لسائر الناس وھی الامور الخارقۃ للعادۃ ص۱۲۹ الخ اس بیان سے یہ ثابت ہو گیا کہ خالق اور عام مخلوق کے درمیان سفیروں کا ہونا ضروری ہے اور یہ کہ ان سفراء کا نوعِ بشر ہی سے ہونا لازم ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ یہ بزرگوار باوجود اسکے کہ خلقت و ترکیب میں عام انسانوں کے ساتھ شریک ہوں اپنے مخصوص اخلاق و اطوار میں ان سے جدا ہوں بلکہ ایسے مقدس و روحانی ہوں کہ عالم بالا کے رہنے والوں کی ہمسری کر سکیں نیز وہ معصوم ہوں اور معجزات سے مؤید ہوں تاکہ غیروں پر حجت خدا قرار پا سکیں (رد عبارت کا ترجمہ) پس جب یہ مقدمات ذہن نشین ہو گئے تو اب یہ بات واضح ہو گئی کہ نبی کا ہونا واجب ہے جو علاوہ اسکے کہ انسان ہو ضروری ہے ہاں البتہ اس میں ایسی خصوصیت کا ہونا لازم ہے جو عام لوگوں میں نہ ہو اور وہ خصوصیت اسکے خارقِ عادات امور (معجزات) ہیں۔"

جیسے انبیاء و ائمہ علیہم السلام کے لئے نوع انسانی سے ہونے کی تصریحات بھی مل گئیں۔ فماذا بعد الحق الا الضلال ہم نے ارشادات معصومین کی روشنی میں ان حضرات کا بھی نوع انسان سے ہونا دکھایا ہے۔ اگر علیحدہ نوع کے مدعیوں میں کچھ بھی مس تب و تاب ہے تو وہ بھی اسی طرح ارشاد معصوم کی علیحدہ نوع کی تصریح پیش کریں۔ ورنہ لایاتون بہ ولو کان بعضہم لبعض ظہیرا، اور اگر ایسا نہ کر سکیں تو پھر اس فاسد عقیدہ سے توبہ کریں۔

نویں دلیل اگر تاحال بھی کسی ضدی الطبع آدمی کی تسلی نہ ہوئی ہو تو ہم مزید اتمام حجت کی خاطر اس سے بھی بڑھ کر تصریح پیش کرتے ہیں۔ بعض اخبار و آثار میں انبیاء و ائمہ کے صنف بشر سے ہونے کی تصریح بھی موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ منطقی اصطلاح میں صنف "وہ نوع ہے جو کسی خارج از ذات خصوصیت سے مقید و مشروط ہو جیسے انسان کے لئے ترکی، رومی، عراقی، ایرانی، پاکستانی، ہندی، مصری، لاہوری، پشاوری وغیرہ (حقائق الوسائط ص۵)

حضرت حسین بن روح سفیر خاص امام العصر والزمان عجل اللہ فرجہ (جن کے مناقب و محامد سے کتب سیر و تواریخ چھلک رہی ہیں اور ان فضائل کا ایک معتد بہ حصہ حقائق الوسائط اور جواہر الاسرار میں بھی موجود ہے) یہ جناب فلسفہ بشریۂ انبیاء بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ولکنہ جلت عظمتہ یبعث الیہم من اجناسہم واصنافہم بشرا امثالہم ولو بعث الیہم رسلا من غیر صنفہم وصورہم لنفروا عنہم ولم یقبلوا منہم الخ یعنی خداوند عالم لوگوں کی طرف انہی کی جنس اور صنف سے ان جیسے بشروں اور انسانوں کو رسول بنا کر بھیجتا ہے۔ اگر وہ ان کی طرف ایسے رسول بھیجتا جو ان کی صنف و صورت سے نہ ہوتے۔ تو لوگ ان سے نفرت کرتے اور ان کے احکام قبول نہ کرتے (احتجاج طبرسی ص۲۴۹ طبع النجف) ایسا ہی ایک استدلال جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ خدا و خلق کے درمیان ایسے وسائط معرفت کا وجود ضروری ہے مشارکین للناس فی احوالہم علی مشارکتہم فی الخلق والترکیب مؤیدین من عند الحکیم العلیم (احتجاج ص۱۹۳)

تنبیہ جن احادیث میں لفظ جنس وارد ہے اگر اس جنس سے منطقی جنس مراد لی جائے تو پھر یہاں لفظ "نوع" اور "صنف" سے بھی ان کے منطقی معنے مراد لئے جائیں گے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ یہاں لغوی معنے مراد ہیں تو پھر جنس کے بھی لغوی معنے ہی مراد لینے پڑیں گے حذو النعل بالنعل بہرحال جو شق بھی اختیار کی جائے ہمارا مدعا بہرحال حاصل ہے کہ انبیاء و ائمہ نوع انسانی کے افراد کاملہ ہیں۔ یہ دھاندلی کسی طرح بھی روا نہیں رکھی جا سکتی کہ جنس سے مراد تو منطقی جنس ہو اور نوع و صنف سے لغوی۔ افتؤمنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض ان ھذا لشیء عجاب۔

دسویں دلیل احادیث متظافرہ و متکاثرہ میں وارد ہے کہ ایمان و یقین اور سرکار محمد و آل محمد علیہ وعلیہم السلام ایک ہی طینت مقدسہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ ذیل میں اس دعویٰ کے اثبات کے لئے دو چار احاد

معتبرہ پیش کی جاتی ہیں۔ (۱) جناب رسالتمآب فرماتے ہیں۔ انی خلقت انا وانت من طینۃ واحدۃ ففضلت منہا فضلۃ فخلق منہا شیعتنا الخ یا علیؑ! میں اور تم ایک ہی طینت (مٹی) سے پیدا ہوئے ہیں۔ اس مخصوص طینت میں سے کچھ بچ گئی جس سے ہمارے شیعہ پیدا ہوئے (امالی شیخ طوسی ص۹۴ طبع ایران)

(۲) جناب امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں انا وشیعتنا خلقنا من طینۃ من علیین الخ ہم اور ہمارے شیعہ علیین کی طینت سے پیدا ہوئے ہیں (امالی مذکور ص۳۰۵)

(۳) نیز انہی جناب سے مروی ہے فرمایا شیعتنا جزء منا خلقوا من فضل طینتنا یسوءہم ما یسوءنا ویسرہم ما یسرنا۔ ہمارے شیعہ ہماری جزء ہیں وہ ہماری ہی بچی ہوئی طینت سے پیدا کئے گئے ہیں۔ اس لئے جو چیز ہمیں دکھ پہنچائے ان کو بھی دکھ پہنچاتی ہے۔ اور جو چیز ہمیں خوش کرے وہ ان کو بھی خوش کرتی ہے (ایضاً ص۱۹۵)

(۴) جناب رسول خداؐ فرماتے ہیں۔ ان فی الفردوس لعیناً احلی من الشہد والین من الزبد وابرد من الثلج واطیب من المسک فیہا طینۃ خلقنا اللہ عزوجل منہا وخلق منہا شیعتنا ومن لم یکن من تلک الطینۃ فلیس منا ولا من شیعتنا یعنی فردوس بریں میں ایک چشمہ ہے جس کا پانی شہد سے زیادہ شیریں، مکھن سے زیادہ نرم، برف سے زیادہ ٹھنڈا، اور کستوری سے زیادہ خوشبودار ہے اس میں ایک خاص طینت (مٹی) ہے، جس سے خدائے عزوجل نے ہمیں اور ہمارے شیعوں کو پیدا کیا ہے پس جو شخص اس مقدس طینت سے پیدا نہیں ہوا وہ نہ ہم سے ہے اور نہ ہمارے شیعوں میں سے ہے (ایضاً ص۱۷۱ کذا فی الدمعۃ الساکبہ ج۱ ص۱۲)

(۵) جناب امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں لانا وایاکم من نور اللہ عزوجل فجعلنا وطینتنا وطینتکم واحدۃ۔ یعنی ہم اور آپ (شیعہ) خدائے عزوجل کے خاص نور سے ہیں۔ اس نے ہمیں اور ہماری وتمہاری طینت کو ایک بنایا ہے (علل الشرائع ص۳۳ طبع قدیم)

اسی طرح بصائر الدرجات ص۱۷ وغیرہ میں اس قسم کے اتحاد طینت کے متعلق قریباً سولہ احادیث موجود ہیں۔ نیز الدمعۃ الساکبہ ص۱۲ پر بھی اس قسم کی متعدد احادیث موجود ہیں فراجع۔

ابراز حقیقت

جہاں ان احادیث مبارکہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ حضرات ائمہ اطہار علیہم السلام اور ان کے مخلص موالیان کی طینت ایک ہے تو اس سے یہ امر بھی واضح ہو گیا کہ جن بعض احادیث میں یہ وارد ہے کہ ہم اس مخصوص طینت سے پیدا ہوئے کہ لیس لاحد فیہا نصیب " جس میں کسی کا کوئی حصہ نہیں۔ اس سے بظاہر مخالفین مراد ہیں کیونکہ اہل ولاء وایمان تو خود معصومینؑ کے ارشاد باسداد کے مطابق اس طینت مقدسہ میں شریک ہیں۔ اس لئے ان کو اس حصہ سے محروم قرار نہیں دیا جا سکتا۔ واللہ العالم۔

جب روز روشن کی طرح یہ حقیقت واضح ولائح ہو گئی کہ اہل ایمان وایقان سرکار محمد وآل محمد علیہم السلام والی

مقدس طینت ہی سے پیدا ہوئے ہیں تو بعد ازیں یہ حقیقت محتاجِ بیان نہیں رہتی کہ اگر ایں ہمہ ائمہ علیہم السلام کی نو علیحدہ ہے تو پھر مومنین کی نوع بھی علیحدہ تسلیم کرنا پڑے گی۔ اور اگر اہلِ ایمان انسانی نوع کے فرد ہیں اور یقیناً ہیں تو پھر ائمہ اہلبیتؑ کو بھی اسی نوع کے افراد کاملہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ یہ درست ہے کہ اس موضوع کے متعلق وارد شدہ بعض روایات میں یہ بھی وارد ہے کہ جس طینت سے خدا نے ہمارے ابدان خلق فرمائے ہیں۔ اس سے ہمارے شیعوں کے قلوب کو پیدا کیا ہے (اصول کافی) مگر ان روایتوں سے بھی اس مخصوص طینت میں باہمی اشتراک تو ثابت ہے۔ ان روایات کی بنا پر بھی نوع ایک ہی رہے گی۔ وھذا اوضح من ان یخفی۔

گیارھویں دلیل

یہ بات ہر قسم کے شک وشبہ سے بالا ہے۔ کہ سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کے سلسلۂ آباء و اجداد کے و بزرگوار جو نبی نہیں ہیں۔ یہ قید۔ اس لئے لگائی گئی ہے کہ انبیاء کی نوع تو محل بحث ہے۔ اور اسی طرح ان کی امہات محترمات مثلاً جناب رسولِ خدا اور حضرت امیرؑ کے والدین یقیناً بنی نوع انسان کے ہی افراد ہیں۔ انکا سلسلۂ آباء و امہات کتب سیر و تواریخ میں مذکور ہے۔ نیز ان کی ذریت و اولاد (سادات کرام) بھی بالوجدان انسان ہی ہیں۔ تو اب قابلِ غور بات یہ ہے کہ جب اس مقدس خانوادہ کے سلسلہ بالا اور سلسلہ پائیں میں سب انسان ہی انسان ہیں تو صرف درمیان سے یہ نوع کیونکر تبدیل ہو گئی؟ اور کس طرح یہ بزرگوار نوعِ انسانی کے علاوہ کسی اور نوع کے افراد بن گئے؟ کیا کو صحیح الدماغ انسان اس کی کوئی صحیح اور معقول وجہ پیش کر سکتا ہے؟ اور کیا عقلِ انسانی اس لاینحل عقدہ کو حل کر سکتی ہے؟ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین! اسلام میں جو کہ عقل و خرد کا دین ہے۔ جو دینِ فطرت ہے۔ ایسے غیر معقول نظریہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اور نہ ہی وہ ایسے خلافِ عقل و فطرت عقیدہ کی تائید کر سکتا ہے۔ اس لئے قانونِ اسلام کا مقننِ اعلیٰ (خداوند تعالیٰ اپنے) پیغمبر اسلام سے اعلان کراتا ہے کہ قل انما انا بشر مثلکم یوحی الیّ۔ اب لوگوں کی مرضی پر منحصر ہے کہ اس کا اقرار کریں یا انکار؟ من شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر۔

بارھویں دلیل

تمام متقدمین و متاخرین علماء شیعۂ امامیہ کثرہم اللہ فی البریۃ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ انبیاء و مرسلین و اوصیاء و ائمہ طاہرین سب کے سب نوعِ انسان سے تعلق رکھتے ہیں۔ بلکہ فی الحقیقت انسان کہلانے کے حقدار وہی ہیں۔ قرائن قاطعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ متقدمین کے عہد میں اس مسئلہ میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں تھا سب ہی بالاتفاق انبیاء و ائمہ کو حقیقی بشر و انسان ہی سمجھتے تھے۔ اور اگر کچھ تھا بھی تو وہ اس قدر خفیف اور اختلاف کرنے والوں کی شخصیت اس قدر معمولی اور غیر اہم تھی کہ علماء ان کو درخور اعتنا اور قابلِ توجہ ہی نہ سمجھتے تھے اسی لئے ان کی کتب میں اس بحث کا کوئی مخصوص عنوان نہیں ملتا۔ ہاں ان کے کلام حقیقت ترجمان میں کچھ خفی یا جلی اشارات اور بعض جگہ ویسے ضمنی تصریحات ضرور ملتے ہیں جن سے ان کے عقائدِ حقہ کی ترجمانی ہوتی ہے۔ پہلے پہل جس شخص نے اس اختراعی عقیدہ کو ہوا دی اور باقاعدہ مدون کیا وہ شیخ احمد احسائی ہے اور اب انہی خود ساختہ نظریات کو کفر و اسلام کا دارومدار سمجھا جا

ہے بہرحال ذیل میں علماء کے چند ارشادات پیش کئے جاتے ہیں

(۱) حضرت شیخ مفید علیہ الرحمۃ اوائل المقالات ص۲۹ طبع ایران پر لکھتے ہیں۔ **اتفقت الامامیۃ علی ان انبیاء اللہ تعالیٰ عزوجل ورسلہ من البشر افضل من الملائکۃ** یعنی تمام فرقہ امامیہ کا اتفاق ہے کہ بشر میں سے جو خدا کے انبیاء ہیں وہ فرشتوں سے افضل ہیں۔"

(۲) حضرت شیخ صدوقؒ اس سلسلہ میں حضرت ابو القاسم حسین بن روح نائب خاص حضرت حجتؑ کا استدلال نقل کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔ **ولکنہ عزوجل بعث الیھم رسلاً من اجناسھم واصنافھم بشراً مثلھم فلو بعث الیھم رسلاً من غیر صنفھم وصورھم لنفروا عنھم ولم یقبلوا منھم** یعنی خداوند عالم نے لوگوں کی طرف انہی کی جنس وصنف سے بشر رسولؑ بنا کر بھیجے۔ اگر وہ ان کی جنس وصنف کے علاوہ کسی اور صنف وصورت کے انبیاء مبعوث کرتا تو لوگ ان سے نفرت کرتے اور ان کی بات قبول نہ کرتے۔

(علل الشرائع ج ۱ ص۲۳ طبع قم)

(۳) سرکار علامہ حلیؒ باب حادی عشر ص۳۲ پر نبی کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ **النبی ھو الانسان المخبر عن اللہ بغیر واسطۃ احد من البشر** یعنی نبی وہ انسان ہے جو کسی بشر کے واسطہ کے بغیر اللہ کی طرف سے خبر دے۔ کذا فی شرحہ وکذا افادہ الطریحی فی مجمع البحرین ص۳) قریباً تمام کتب علم کلام میں نبی کی یہی تعریف کی گئی ہے۔ فراجع۔

(۴) عالم عارف حضرت محسن فیض کاشانی اپنی کتاب علم الیقین فی اصول الدین ص۳۵ طبع ایران پر صفات نبی وامام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ **ویجب ان یکون انساناً لان مباشرۃ الملک لتعلیم الانسان علی ھذا الوجہ مستحیل کما قال اللہ عزوجل ولو جعلناہ ملکاً لجعلناہ رجلاً وللبسنا علیھم ما یلبسون** یعنی نبی وامام کا انسان ہونا واجب ہے کیونکہ فرشتہ کا اسی طرح آکر انسانوں کو تعلیم دینا محال ہے جیسا کہ ارشاد قدرت ہے اور اگر ہم فرشتہ کو نبی بناتے تو آخر اس کو بھی مرد صورت بناتے اور جو شبہے یہ لوگ کر رہے ہیں وہی شبہے (گویا ہم خود ان پر اس وقت بھی اوڑھا دیتے (ترجمہ فرمانؒ)

(۵) سرکار علامہ مجلسیؒ فلسفہ بشریت انبیاء بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں **فاحب واقتضی حکمتہ البالغۃ ان یعرّف خلقہ بالتوحید ویخصوہ بہ ولم یکن ذلک ممکناً الا بارسال الرسل لما قد تمھّد من کمال علوہ ونھایۃ سموہ وانحطاط درجۃ المکلفین وجھلھم وعجزھم فلا بد ان یجعل بینہ وبین خلقہ سفراء یفیض علیھم من جھۃ کمالھم ویفیضوا علی الخلق من جھۃ بشریتھم ومجانستھم لھم** (بحار الانوار ج ۵ ص۱۱) یعنی خدا کی حکمت بالغہ نے تقاضا کیا اور خدا نے پسند فرمایا کہ اپنی مخلوق کو اپنی توحید کی

معرفی کرائے اور خلق اس کی توحید کی قائل ہو۔ اور یہ امر بغیر رسولوں کے بھیجنے کے ممکن نہ تھا کیونکہ وہ انتہائی مرتبہ کمال و بلندی پر فائز ہے اور مکلفین عجز و قصور کے انتہائی پست درجہ پر ہیں۔ اس لئے اس نے اپنے اور اپنی مخلوق کے درمیان کچھ سفیر مقرر فرمائے جن پر ان کے کمال کی وجہ سے (احکام) نازل کرتا ہے اور مخلوق کے ساتھ اپنی مجانست و بشریت کی وجہ سے وہ احکام پہنچاتے ہیں۔

(۹) شیخ اکبر شیخ جعفر کاشف الغطا نجفی اپنی کتاب کشف الغطا صفحہ ۵ پر اتمام حجت کے لئے آدمی کے انسانوں سے ہونے کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "ولا بارسال من لا یدخل تحت قسم الناس من الملائکة او الجن او النسناس لان النفوس لا ترکن الیه" یعنی اگر کوئی ایسا آدمی بھیجا جائے جو انسانوں کی قسم (نوع) سے نہ ہو بلکہ فرشتوں یا جنوں یا نسناس کی قسم سے ہو تو حجت تمام نہیں ہو سکتی کیونکہ نفوس انسانی اس کی طرف مائل نہیں ہوتے"۔

(۱۰) حضرت مولانا دلدار علی صاحب لکھنوی عماد الاسلام ج ۴ صفحہ ۳ پر نبی کے اصطلاحی معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "ومعنی النبی فی الاصطلاح انسان بعثہ اللہ تعالی لتبلیغ ما اوحی اللہ" یعنی اصطلاح میں نبی کے معنی یہ ہیں کہ وہ ایک انسان ہے جسے خدا اس لئے مبعوث کرتا ہے کہ جو کچھ اس پر منجانب اللہ وحی ہو اس کی تبلیغ کرے۔ سطور بالا میں (۶) علامہ طبرسی (۷) علامہ ابن شہر آشوب (۸) اور علامہ حائری مرحوم کا اس سلسلہ میں کلام حق ترجمان نقل ہو چکا ہے (۱۱) صاحب رسالہ صراط النجاة صفحہ ۵ طبع ایران لکھتے ہیں "بر خدا لازم است عقلاً کہ در روئے زمین از نوع بشر یک نفر شخص کامل من جمیع الجہات را بمنصب نبوت و خلافت الٰہیہ برگزیند" یعنی از روئے عقل خدا کے لئے لازم ہے کہ نوع بشر سے ایک ایسے شخص کو

(۱۲) آقائے سید مہدی موسوی نے اپنی کتاب لوامع الانوار طبع ایران کے صفحہ ۱۹۸ پر لکھا ہے "لا یخفی ان الانبیاء والرسل من البشر فہو خیر منہم (افضل) الخ" "یہ بات مخفی نہیں ہے کہ انبیاء و رسل بشر ہیں۔ (اور جب حضرت امیر خیر البشر ہیں) تو وہ (علی) یقیناً ان سے افضل ہوں گے" اور صفحہ ۵۱ پر لکھتے ہیں "ونعتقد ان علیاً بشر مخلوق من مخلوق اللہ تعالی و وصی رسول اللہ الخ" ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت علی بشر (انسان) ہیں اور منجملہ مخلوق خدا کے خدا کی مخلوق اور جناب رسول خدا کے وصی ہیں۔

(۱۳) جناب آقائے محسن اپنی کتاب صراط الحق ج ۳ صفحہ ۶۲ طبع النجف میں انبیاء کے خواص شمار کرتے ہوئے چوتھی خصوصیت یہ بیان کرتے ہیں "کونہم کغیرہم فی اوصاف البشریة لقولہ تعالی قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی (الکہف) ولقولہ وما ارسلنا من قبلک من المرسلین الا انہم لیاکلون الطعام ویمشون فی الاسواق (الفرقان ۲۰)" "ضروری ہے کہ بشری اوصاف میں دوسرے انسانوں کی طرح ہوں۔ چنانچہ خداوند عالم کا ارشاد ہے (اے رسول) تم کہہ دو کہ (بحیثیت مخلوق) میں (بھی) تم ہی جیسا ایک آدمی ہوں (فرق یہ ہے) میری طرف وحی کی جاتی ہے" نیز خدا کا ارشاد ہے۔ اور ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھیجے تھے وہ کھانا بھی کھایا کرتے تھے۔ اور بازاروں میں پھرا کرتے تھے۔ (ترجمہ مقبول)

(۴) فاضل جلیل جناب آقا سید اسماعیل نوری اپنی کتاب کفایۃ الموحدین ج ۱ ص۴۸۵ پر نبوت مطلقہ کے اثبات کیلئے دلائل قائم کرتے ہوئے بطور نتیجہ لکھتے ہیں "پس لازم است کہ آں واضع از جنس بشر باشد کہ بتوانند نوع انسان الفت گیرند و انس نمائند با او الخ۔ پس لازم ہے کہ وہ (قانون کا) واضع بشر کی قسم سے ہو تاکہ انسان اس سے الفت کریں اور اس سے مانوس ہوں۔" اس مقام پر لفظ جنس بشر سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے۔ کیونکہ ہم قبل ازیں بھی اس امر کی وضاحت کر چکے ہیں کہ ایسی عبارات میں جنس کا لغوی مفہوم مراد ہوتا ہے نہ کہ منطقی۔ اس کا مزید ثبوت خود فاضل موصوف کی اس عبارت سے ملتا ہے۔ سابقہ عبارت کے چند صفحے بعد ص۴۹۱ پر انبیاءؑ کے صاحب معجزہ ہونے کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے: "پس پیغمبر عبارت از فردیست از افراد انسان کہ متمکن باشد از کردن کارے کہ سایر مردم از آں عاجز باشند" پس پیغمبر انسانی افراد میں سے وہ فرد (کامل) ہے جو ایسا کام (معجزہ) انجام دینے پر قادر ہے جس کی انجام دہی سے تمام لوگ عاجز و قاصر ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ نبی کا جنس بشر سے ہونے کا مطلب ہے نوع انسان کا فرد اکمل ہونا۔

(۵) عالم جلیل جناب سید مہدی قزوینی نے اپنی کتاب انوار الغالبین ص۳۳ طبع بمبئی میں انبیاء و ائمہ کے بنی نوع انسان سے ہونے پر تمام مسلمانوں کے **اجماع** ...... کا دعویٰ کیا ہے چنانچہ وہ شیخ احمد احسائی بانی مذہب شیخیہ کے بعض عقائد سخیفہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "من جملۃ عقائد الشیخ احمد المخالفۃ لما علیہ المسلمون کون النبی و عترتہ خلقا فوق بنی آدم۔ الخ" شیخ احمد احسائی کے من جملہ ان عقائد کے جن میں اس نے تمام مسلمانوں کی مخالفت کی ہے یہ ہے کہ وہ کہتا ہے نبیؐ اور ان کی عترت اطہار بنی آدم کے اوپر کوئی اور مخلوق ہیں۔ الخ

ان حقائق و دقائق کی روشنی میں معمولی فہم اور عقل و انصاف رکھنے والا انسان بھی آسانی اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ انبیاء و ائمہ علیہم السلام کو انسان کے علاوہ کوئی اور نوع قرار دینا عقل و نقل اور قرآن کریم و حدیث معصومینؑ اور اتفاق علماء کاملین کے سراسر خلاف ہے اور حقیقت واقعیہ یہی ہے کہ یہ ذوات عالیہ و متعالیہ نوع انسان کے ہی افضل ترین و مقدس ترین افراد ہیں۔ ہاں جہاں تک ان کے فضائل و کمالات اور محامد صفات کا تعلق ہے ان کی وجہ سے وہ صرف بنی نوع انسان ہی نہیں بلکہ جن و ملک بلکہ تمام کائنات کے سید و سردار ہیں۔ یا ایہا الناس قد جاءتکم موعظۃ من ربکم وشفاء لما فی الصدور وھدی ورحمۃ للمؤمنین۔

بعض شکوک و اوہام کا ازالہ

جو کچھ اب تک اس موضوع پر سپرد قلم کیا گیا ہے وہ اگرچہ اہل عقل و انصاف کے لئے کافی سے بھی کچھ زیادہ ہے تاہم یہ بحث تشنہ تکمیل رہے گی اگر دوسرے حضرات کے جملہ دلائل اور بالفاظ مناسب شکوک و شبہات ذکر کرکے ان کا پوری طرح ازالہ نہ کر دیا جائے اس لئے ہم ذیل میں یہ شبہات مع قطعی جوابات کے پیش کرتے ہیں۔

پہلا شبہ اور اس کا جواب۔ جو لوگ انبیاء و ائمہ کی علیحدہ نوع تجویز کرکے بزعم خود اس میں ان کی عظمت کا راز

پوشیدہ سمجھتے ہیں معلوم ہوتا ہے وہ درحقیقت بعض مغالطات وشبہات کا شکار ہیں۔ ان کا سب سے پہلا اور بڑا شبہ یا مغالطہ یہ ہے کہ اگر ان بزرگواروں کو انسانی نوع کے افراد تسلیم کر لیا جائے۔ تو پھر ان کو تمام صفات وخصوصیات میں بھی عام انسانوں جیسا تسلیم کرنا پڑے گا۔ اس طرح وہ بس جمیع الجہات ہماری طرح ہو جائیں گے پھر ان کو ہم پر کیا فوقیت وفضیلت ہوگی اور وہ کس طرح نبی یا امام بن سکیں گے یہ امر ان کی سراسر غلط فہمی اور حقائق سے چشم پوشی پر مبنی ہے ورنہ ارباب دانش وبینش جانتے ہیں کہ کائنات عالم کی جہاں مختلف انواع میں باہمی فرق مدارج پایا جاتا ہے۔ وہاں ہر ہر نوع کے افراد میں بھی درجات ومراتب کا تفاوت واختلاف موجود ہے اور ہر ہر نوع میں فاضل ومفضول اور راجح ومرجوح افراد پائے جاتے ہیں "فضلنا بعضهم علی بعض فی الدرجات" اس میں شک نہیں کہ نبی بشر ہوتا ہے لیکن اگر ہم خاک ہیں تو وہ اکسیر، ہم پتھر ہیں تو وہ گوہر، ہم سنگ خارا وہ پارس، ہم ذرہ وہ آفتاب۔ ہم جاہل وہ عالم، ہم ناقص وہ کامل، ہم مثل قالب ہیں وہ جان عالم۔ وہ بشر ہے مگر روح مجسم، وہ جسم ہے مگر جسم مرقت۔ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ جنسیت یا نوعیت میں شریک ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ جملہ کمالات وصفات میں مساوی ہوں۔ جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک حیوان نہایت ہی ضعیف القویٰ والحواس ہوتا ہے اور تمام حواس بھی نہیں رکھتا۔ اور ایک حیوان نہایت ہی قوی الحواس سریع الحس ہوتا ہے اور حرکت ارادی واحساس میں درجہ کمال پر پہنچا ہوا۔ حالانکہ دونوں حیوان ہی کہلاتے ہیں۔ اسی طرح انسان تمام انسان کہلاتے ہیں لیکن ایک انسان نہایت ادنیٰ درجہ میں ہوتا ہے حتیٰ کہ حیوانوں سے بھی بدتر۔ اور ایک نہایت درجہ کامل۔ حالانکہ وہ بھی بشر ہے اور یہ بھی۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ باقل اور ابن حبنق جو حماقت میں ضرب المثل ہیں، ایسی بشر ہے بلکہ انسان ہے جیسے ارسطو وافلاطون۔ اور یہ کہنا بالکل صحیح ہے تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ جملہ کمالات میں مساوی ہیں۔ بلکہ اتنا فرق ہے کہ ان میں آپس میں کوئی نسبت قائم نہیں کی جا سکتی۔ سوائے اس کے کہ صورت انسانی رکھتے ہیں اور آدمی کہلاتے ہیں (کشف الاسرار ص ۴۹)

دوسرا شبہ اور اس کا جواب

روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی وامام کی خلقت جس قسم کے مادہ سے ہوتی ہے وہ اور ہے اور عام لوگوں کی خلقت کا مادہ اور ہے۔ چنانچہ راوی کا بیان ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کے ہمراہ اس سال حج ادا کیا جس سال جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ جب جناب حمیدہ نے یہ خبر دی کہ جناب موسیٰ کاظم علیہ السلام جس وقت شکم مادر گرامی سے باہر تشریف لائے ہیں تو دونوں ہاتھ زمین پر رکھے اور سر مبارک بلند کیا تو امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔

ان ذلك امارة رسول الله، وامارة الوصی من بعده فقلت جعلت فداك وما هذا من امارة رسول الله وامارة الوصی من بعده فقال لی انه لما كانت الليلة التی علق فيها بجدی اتی آت جد ابی بكأس فيه شربة ارق من الماء والين من الزبد واحلی من الشهد وابرد من الثلج وابيض من اللبن فسقاه اياه وامره بالجماع فقام فجامع فعلق بجدی ولما كانت الليلة التی علق فيها بابی اتی آت جدی فسقاه كما سقی

جد ابی وامرہ بمثل امرہ فقام فجامع فعلق بابی ولمّا کانت اللیلۃ التی علق فیھا بی اتی ات ابی فسقاہ بما سقاھم وامرہ بالذی امرھم بہ فقام فجامع فعلق بی ولمّا کانت اللیلۃ علق فیھا بابنی اتانی اتٍ کما اتاھم ففعل بی کما فعل بھم فقمت وانا مسرور بما یھب اللہ لی فجامعت فعلق بابنی ھذا المولود فدونکم فھو واللہ صاحبکم من بعدی وان نطفۃ الامام مما اخبرتک (الخ اصول کافی کتاب الحجۃ باب موالید الائمہ جلد ۲ صفحہ ۳)

بے شک یہ جناب رسولِ خداؐ کی نشانی ہے اور آپ کے بعد علامتِ وصی۔ راوی کہتا ہے میں نے عرض کی، میری جان آپ پر فدا ہو علامتِ رسولؐ اور علامتِ وصیؑ کا کیا مطلب ہے۔ امامؑ نے فرمایا جب کہ وہ شب آئی جس میں میرے جدِ بزرگوار کا انعقاد ہوا تھا۔ تو لایا ایک لانے والا جنابِ امام حسین علیہ السلام کے پاس ایک جام جس میں شربت تھا۔ جو پانی سے زیادہ رقیق، مکھن سے زیادہ نرم، شہد سے زیادہ میٹھا، برف سے زیادہ ٹھنڈا اور دودھ سے زیادہ سفید تھا۔ پس پلایا میرے جدِ بزرگوار کے والد کو۔ اس کے بعد اللہ کا حکم پہنچایا کہ مقاربت کریں، چنانچہ وہ اُٹھ کر اپنی زوجہ محترمہ کے پاس گئے۔ میرے جد کا انعقاد ہوگیا۔ اور جب میرے پدر بزرگوار کا انعقاد ہونا تھا تو اسی طرح لایا لانے والا شربت کا پیالہ میرے جد کے پاس اور ان کو پلایا جیسا کہ میرے جد کے پدر بزرگوار کو پلایا تھا۔ پھر اُن کو خدا کا وہی حکم پہنچایا تھا۔ پس میرے جد نے اُٹھ کر مقاربت کی۔ پس میرے پدر بزرگوار کا انعقاد ہوگیا۔ اور جب وہ شب آئی جس میں میرا انعقاد ہونا تھا تو پھر لایا لانے والا۔ پس پلایا میرے والد بزرگوار کو جس طرح ان حضرات کو پلایا اور وہی حکم ہوا جس طرح ان حضرات کو حکم ہوا تھا۔ پس میرے والدؑ نے تعمیل کی۔ پس میرا انعقاد ہوگیا۔ اور جب وہ شب آئی جس میں میرے بیٹے کا انعقاد ہونا تھا۔ تو پھر لایا لانے والا پس اسی طرح کیا جس طرح ان حضرات کے ساتھ کیا تھا۔ پس میں اس بات کی وجہ سے خوش و خرم ہو کر اُٹھا جو خدا مجھے عطا فرمانے والا تھا۔ اور مباشرت کی پس میرے اس بیٹے کا انعقاد ہوگیا۔ جو اب پیدا ہوا ہے۔ خدا کی قسم! میرے بعد تمہارا صاحب (امام) یہی ہے۔ اور بے شک نطفہ امامؑ کا اسی شربت سے ہوتا ہے جس کی تجھ کو خبر دی ہے۔"

پس امامؑ نے نص فرما دی ہے کہ امام کا مادہ کثیف اور ارضی نہیں بلکہ لطیف اور عرشی ہوتا ہے۔" اس شبہ کا پہلا جواب یہ ہے کہ ہمیں اس بات کا ہرگز انکار نہیں ہے کہ امام کا مادہ نہایت طیب و لطیف اور پاکیزہ غذا سے تشکیل پاتا ہے اس امر کا بھی اعتراف ہے کہ ان کی طینتِ مقدسہ نہایت اعلیٰ اور لطیف ہوتی ہے جیسا کہ اصول کافی، بصائر الدرجات اور ہفتم بحار وغیرہ کتب میں اس قسم کی متعدد احادیث موجود ہیں۔ مگر بایں ہمہ اس سے یہ تو ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ ان کی نوع علیحدہ ہے۔ ورنہ اگر اتنے سے اختلاف کی وجہ سے نوع بدل جائے تو پھر کافر و مسلم اور مومن و مخالف کی بھی نوعیں علیحدہ علیحدہ تسلیم کرنا پڑیں گی۔ کیونکہ متعدد احادیث میں ان سب کی طینتوں کا باہم مختلف ہونا بھی

مذکور ہے بطور نمونہ یہاں صرف ایک دو حدیثیں پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) عن علی بن الحسین علیہ السلام قال ان اللہ عزوجل خلق النبیین من طینة علیین قلوبهم وابدانهم وخلق قلوب المؤمنین من تلك الطینة وجعل خلق ابدان المؤمنین من دون ذلك وخلق الكفار من طینة سجین قلوبهم وابدانهم الخ (الحدیث طویل نقلناه بقدر الحاجة) خداوند عالم نے انبیاء علیہم السلام کے دلوں اور بدنوں کو طینت علیین (بہشت کی مٹی) سے پیدا کیا ہے اور مومنین کے دلوں کو بھی اسی طینت سے پیدا کیا ہے اور ان کے بدنوں کو اس کی نسبت قدرے پست طینت سے پیدا کیا۔ اور کفار کے دلوں اور بدنوں کو طینت سجین (دوزخ کی مٹی) سے پیدا کیا ہے الخ (اصول کافی ص۳۰۶ یک جلدی طبع تہران)

(۲) صالح بن سہل بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت صادق آل محمد علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا المؤمنون من طینة الانبیاء؟ کیا مومنین انبیاء والی طینت سے پیدا ہوئے ہیں؟ قال نعم۔ فرمایا ہاں! (ایضاً ص۳۰۷)

(۳) حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں۔ خلق عدونا من سجین خدا نے ہمارے دشمنوں کو طینت سجین (دوزخ کی مٹی) سے پیدا کیا ہے (ایضاً ص۳۰۷)

تو کیا ان احادیث کے پیش نظر کوئی شخص یہ تصور بھی کر سکتا ہے کہ مومن کی نوع الگ ہے اور کافر کی الگ؟ تو بالکل اسی طرح اس سے بھی نوع پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کہ نطفہ عرشی شربت سے متکون ہو یا فرشی غذا سے۔ شرعی اور طبی نقطہ نظر سے یہ درست ہے کہ غذا کی لطافت و کثافت اور حلت و حرمت کا ضرور اثر مولود کی سیرت اور اس کے کردار بلکہ اس کی جسمانی صحت پر بھی فی الجملہ اثر پڑتا ہے مگر یہ چیزے دیگر است۔ غذا کے اس اختلاف کو دیکھتے ہوئے کیا کوئی صاحب عقل سلیم اور طبع مستقیم یہ کہہ سکتا ہے کہ اس غذا سے متولد ہونے والے بچوں کی نوعیں بھی مختلف ہوں گی؟ ما لکم کیف تحکمون؟ دوسرا جواب٭ ——

تیسرا شبہ اور اس کا جواب

متعدد اخبار و آثار سے واضح و آشکار ہو چکا ہے کہ انبیاء و ائمہ علیہم السلام میں عام ارواح کے علاوہ ایک اور خاص روح ہوتی ہے جسے روح القدس کہا جاتا ہے۔ چنانچہ جناب جابر جعفی امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں۔ امامؑ نے فرمایا یا جابر ان فی الانبیاء والاوصیاء خمسة ارواح روح القدس و روح الایمان و روح الحیٰوة و روح القوة و روح الشهوة فبروح القدس یا جابر عرفوا ما تحت العرش الی ما تحت الثریٰ، ثم قال یا جابر ان هذه الاربعة ارواح یصیبها الحدثان الا روح القدس فانها لا تلهو ولا تلعب، اصول کافی ص۱۳۶ طبع ایران۔

اے جابرؓ! انبیاءؑ اور ائمہ طاہرینؑ میں پانچ روحیں ہوتی ہیں۔ روح قدس، روح قوت، روح شہوت، روح ایمان اور روح حیات، پس اے جابر یہ حضرات روح القدس کے ذریعہ سے ما تحت عرش سے ما تحت الثریٰ تک علم رکھتے ہیں۔

٭ اگر اس بنا پر نبی و امام کی نوع علیحدہ تجویز کی جاتی ہے کہ ان کا مادہ کثیف اور ارضی نہیں بلکہ لطیف اور عرشی ہے۔ تو پھر تمام اہل ایمان کی نوع الگ تسلیم کرنا پڑے گی کیونکہ جہاں یہ امر روایات میں وارد ہے کہ امام کا مادہ ماکول و مشروب عرشی سے متکون ہوتا ہے وہاں یہ بھی وارد ہے کہ مومن کا مادہ خلقت بھی ماکول و مشروب عرشی سے بنا ہے ملاحظہ ہو انوار نعمانیہ

پھر فرمایا اے جابرؓ! ان چار ارواح پر حوادثِ زمانیہ طاری ہوتے ہیں۔ مگر روح قدس پر حوادثِ زمانیہ طاری نہیں ہوتے۔ اور روح قدس نہ لہو و لعب میں مشغول ہوتی ہے اور نہ اس میں تغیرات واقع ہوتے ہیں۔ یہ خاص روح جو خاص خاص برگزیدہ اور منتخب بندوں کو دی جاتی ہے یہ روح نبوتی ہی ہے جو روح انسانی سے بلند و بالا ہے اور یہ روح ان کی ذاتیات میں داخل ہے۔ اور اس کا خاصہ و اثر وحی ہے۔ اور یہی فصلِ ممیز ہے۔ ماہیت نبی بشر اور روحی ہے۔ کیونکہ جنس اور فصلِ ممیز سے مل کر ماہیت شی بنتی ہے۔ نتیجہ کلام یہ کہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبی و امام کی بوجہ روح القدس کی زیادتی کے نوع علیحدہ ہے۔"

اس شبہ کے کئی جوابات پیش کئے جاتے ہیں۔

پہلا جواب روح القدس کی حقیقت میں اختلاف

اس امر کے متعلق علماء میں شدید اختلاف ہے کہ روح القدس کی حقیقت کیا ہے بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد فرشتہ ہے بعض نے یہ کہا ہے کہ وہ فرشتوں کے علاوہ ایک اور قسم کی مخلوق ہے۔ بعض نے دوسری روحوں کی طرح اسے جسم کے اندر تسلیم کیا ہے بعض نے جسم سے الگ مگر اس کے ہمراہ ہونے کا نظریہ قائم کیا ہے۔ جو صاحبِ روح کی برابر تائید و تسدید کرتا ہے۔ اور بعض نے یہ کہا ہے کہ روح القدس دو ہیں۔ ایک جسم میں داخل ہے اور دوسرا خارج۔ چنانچہ مولانا شیخ محمد تقی اصفہانی نے اپنی کتاب العنایات الرضویہ کے [illegible] پر اس کے متعلق سات احتمالات ذکر کئے ہیں۔ مگر کسی احتمال کو کسی پر ترجیح نہیں دے سکے۔ لکھتے ہیں (اضافتہ) لعل المراد بالروح العقل ففی الحدیث العقل اول الروحانیین من یمین العرش وهذا مطابق للحدیث اول ما خلق العقل واول ما خلق الله الروح۔ او ان المراد به الملک ففی الحدیث الروح خلق اعظم من جبرئیل ومیکائیل۔ ویمکن ان یکون بمعنی الرحمة الدائمیة التی لا انزال لانهم احیاء عند ربهم یرزقون۔ او بمعنی الرحمة القدسیة کما فی تفسیر قوله تعالیٰ انه لا ییأس من روح الله ای رحمته وذلک لانهم معدن الرحمة القدسیة فهذه الرحمة روح قدسی او بمعنی الایمان کما فی قوله تعالیٰ وایدهم بروح منه قیل هو الایمان وهو مروی عنهم وقیل الهدی والظاهر ان تسمیة الروح بالهدی والایمان باعتبار اطلاق الحال علی المحل۔ وقیل ان الروح هی نفس الانسان وحقیقته وهی اخفی الاشیاء یعنی روح سے مراد شاید عقل ہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہے کہ عقل عرش کے دائیں طرف موجود روحانی مخلوق میں سے ہے۔ اور یہ اس حدیث کے بھی مطابق ہے جس میں وارد ہے کہ سب سے پہلے خدا نے عقل کو پیدا کیا اور سب سے پہلے روح کو پیدا کیا۔ یا اس سے مراد فرشتہ ہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہے کہ روح جبرئیل و میکائیل سے بھی زیادہ عظیم المرتبت مخلوق ہے۔ ممکن ہے روح بمعنی رحمتِ دائمیہ ہو۔ جو ہمیشہ ان بزرگواروں کو حاصل رہتی ہے کیونکہ وہ درحقیقت زندہ جاوید ہیں۔

اور اپنے پروردگار سے رزق پاتے ہیں، یا بمعنی رحمتِ قدسیہ ہے جیسا کہ ارشاد ربّ العزت "انہ لا ییئس من روح اللہ" میں روح کی تفسیر رحمت کے ساتھ کی گئی ہے اور یہ اس لئے ہے کہ یہ بزرگوار رحمتِ قدسیہ کا منبع و معدن ہیں، پس یہی رحمتِ قدسیہ روح القدس ہے، یا روح بمعنی ایمان ہے جیسا کہ ارشاد قدرت "وایدھم بروح منہ" میں روح کی تفسیر ایمان سے کی گئی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ روح سے مراد ہدایت ہے ظاہر یہ ہے کہ روح القدس پر ایمان و ہدایت کا اطلاق مجازی ہے باعتبار اطلاق حال برمحل (کیونکہ روح القدس ہدایت و ایمان کا محل ہے)، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ روح سے مراد حقیقتِ انسانیہ ہے اور یہ تمام ضروری اشیاء سے زیادہ مخفی و مستور ہے۔"

اسی طرح عالم ربانی جناب ملا محمد صالح مازندرانی نے اپنی شرح اصولِ کافی ج ۹ ص ۲۶ پر روح القدس کے متعلق چند احتمالات ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے۔ "واللہ العالم وانا استغفر اللہ مما اقول" اللہ ہی اس کی کیفیت کو بہتر جانتا ہے میں نے اس کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس کے متعلق بارگاہِ قدرت سے مغفرت طلب کرتا ہوں:

سرکار علامہ مجلسیؒ جیسا غواص بحار الانوار جلد ۲۵ ص ۲۶ پر روح القدس کے متعلق قریباً دس احتمالات ذکر کرنے کے بعد کسی کو کسی پر ترجیح دیئے بغیر اسے قالب اشکال و اجمال میں چھوڑ دیتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں:۔

"ثم اعلم ان الروح یطلق علی النفس الناطقة وعلی الروح الحیوانیة الساریة فی البدن وعلی خلق عظیم اما من جنس الملائکة او اعظم منهم والارواح المذکورة هنا یمکن ان یکون ارواحاً مختلفة متباینة بعضها فی البدن وبعضها خارجة عنه او یکون المراد بالجمیع النفس الناطقة باعتبار اعمالها واحوالها ودرجاتها ومراتبها او اطلقت علی تلك الاحوال والدرجات کما انه یطلق علیها النفس الامارة واللوامة والملهمة والمطمئنة بحسب درجاتها ومراتبها فی الطاعة والعقل الهیولانی وبالملکة وبالعقل المستفاد بحسب مراتبها فی العلم والمعرفة ویحتمل ان یکون روح القوة والشهوة والمدرج کلها الروح الحیوانیة وروح الایمان وروح القدس النفس الناطقة بحسب کمالاتها او تکون الاربعة سوی روح القدس مراتب النفس وروح القدس الخلق الاعظم (فان ظاهر اکثر الاخبار مباینة روح القدس النفس مرآة العقول ص ۱۵) ویحتمل ان یکون ارتباط روح القدس علی النفس فی تلك الحالة او علی تلك النفس تطلق روح القدس علی النفس وعلی تلك الحالة وعلی الجوهر القدسی الذی یحصل له الارتباط بالنفس فی تلك الحالة کما تقول الحکماء فی ارتباط النفس بالعقل الفعال بزعمهم وبه یأوّلون اکثر الآیات والاخبار اعتماداً علی عقولهم القاصرة وانکارهم الخاسرة" (کذا فی مرآة العقول ج ۱ ص ۱۹۶) وقال فی آخره "وعلم جمیع ذلك عند العلیم الخبیر" یعنی جاننا چاہئے کہ روح کا چند معانی پر اطلاق ہوا ہے کبھی تو اس کا، اطلاق نفس ناطقہ پر ہوتا ہے اور کبھی اس روح حیوانی پر جو بدن انسانی میں جاری و ساری ہے۔

ہی اس مخلوقِ عظیم پر ہو یا تو ملائکہ کی قسم سے ہے یا ان سے بھی عظیم تر ہے۔ یہ ارواح (جو ان احادیث میں بیان) مذکور ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ متعدد و مختلف اور باہم دیگر متضاد ہوں۔ بایں طور کہ بعض بدن میں داخل اور بعض اس سے خارج ہوں۔ اور ممکن ہے کہ ان تمام سے مراد نفس ناطقہ ہی ہو اور اس پر یہ مختلف نام اس کے مختلف اعمال و احوال اور درجات کی وجہ سے اطلاق کئے گئے ہوں یا نفس ناطقہ کے انہی احوال و درجات پر ان روحوں کا اطلاق کیا گیا ہو۔ جس طرح کہ انہی مختلف احوال و درجات پر نفسِ امّارہ، لوّامہ، ملہمہ اور نفسِ مطمئنہ کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ باعتبار اطاعت و عقل ہیولانی، عقل بالملکہ اور عقلِ مستفاد کے مختلف مراتب علم و معرفت کے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ روح القوہ روح الشہوہ اور روح مدرج سے مراد روح حیوانی اور روح الایمان و روح القدس سے مراد نفسِ ناطقہ ہو۔ بحسب اس کے کمالات کے۔ یا روح القدس کے علاوہ دوسرے چاروں روحوں سے نفسِ انسانی کے مختلف مراتب مراد ہوں اور روح القدس سے مراد (جبرئیل و میکائیل سے بھی) عظیم تر مخلوق ہو۔ کیونکہ آثار و اخبار سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ (روح القدس) نفس سے مختلف ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ روح القدس کا تعلق نفس سے اس کی اسی حالت (معرفت) میں ہوتا ہو۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ اسی نفس پر یا اس کی اس (عرفانی) کیفیت و حالت پر روح القدس کا اطلاق کیا گیا ہو۔ یا اس سے مراد وہ جوہر قدسی ہو جس کا ربط و تعلق نفس کے ساتھ اس کی اسی (معرفت تامہ) والی صورت میں ہوتا ہے جس طرح حکماء اپنے گمان کے مطابق نفس کے عقلِ فعال کے ساتھ ارتباط کے متعلق کہتے ہیں۔ اور اپنے عقولِ ناقصہ و آراء کاسدہ پر اعتماد کرتے ہوئے (اس موضوع کے متعلق) بہت آیات و روایات کی اسی کے ساتھ تاویل کرتے ہیں۔" ان تمام حقائق کا صحیح علم علیم و خبیر ذات ہی کو ہے۔"

قارئین کرام بکرّات اس غوّاص بحارِ اخبارِ ائمہ اطہارؑ کے اس کلام پر غور و تامّل فرمائیں کہ انہوں نے روح القدس کے بارے میں کس قدر احتمالاتِ کثیرہ ذکر فرمائے ہیں۔ اور بالآخر اس کی حقیقت تک اپنی نارسائی کا کس صراحت و صفائی کے ساتھ اقرار فرما لیا ہے تو جس چیز کی حقیقت سمجھنے سے بڑے بڑے اعاظم علماء و جہابذہ فضلاء سپر انداز ہو گئے ہوں۔ اس مجہول الحقیقت چیز پر کیونکر استدلال کی دیوار استوار کی جا سکتی ہے؟

روح القدس کی حقیقت ائمہ اطہارؑ کے اخبار کی روشنی میں

جہاں تک ہم نے سرکار محمد و آلِ محمد علیہم السلام کے اخبار و آثار کا تتبع و تفحص کیا ہے اور بقدرِ امکان و استطاعت جانفشانی اور عرق ریزی کرنے کے بعد جس نتیجہ پر پہنچے ہیں وہ یہ ہے کہ "روح القدس" دیگر ارواح کی قسم سے نہیں بلکہ فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہے جو جناب جبرئیل و میکائیل جیسے جلیل القدر فرشتوں سے بھی زیادہ عظیم الشان ہے۔ یہ جناب پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ کے برابر ہمراہ رہا۔ اور ان کے بعد یکے بعد دیگرے دوسرے ائمہ اطہارؑ کی طرف منتقل ہوتا رہا ہے۔ وہ اگرچہ بغرض تائید و تسدید ہمیشہ ان بزرگواروں کے ہمراہ رہتا تھا۔ اسی وجہ سے اسے روح مسدّد بھی کہا جاتا ہے

SISTANI.COM

مگر کبھی باقتضائے مصلحتِ ایزدی کچھ وقت کے لئے ان سے الگ بھی ہو جایا کرتا تھا۔ رہا یہ امر کہ اس کا ربط و تعلق کب
نبیؐ و امامؑ سے ہوتا ہے؟ تو اس میں بھی سخت اختلاف ہے۔ اکثر اخبار و آثار سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ یہ سلسلہ نبیؐ و امامؑ
کے ظاہری مرتبۂ نبوت و امامت پر فائز ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے البتہ بعض اخبار سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ جسمانی ولاد
کے ساتھ ہی اس اتصال و ارتباط کا سلسلہ جاری ہو جاتا ہے۔ اور بعض آثار سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ اس جسمانی خلقت
سے پہلے ان ذواتِ مقدسہ کی روحانی خلقت کے وقت بھی اس سے ربط و تعلق کا رشتہ قائم تھا۔ واللہ العالم

ذیل میں ہم اپنی اس تحقیق کے مختصر سے شواہد پیش کرتے ہیں۔ بصائر الدرجات ص۱۳۴ طبع قدیم پر ائمہ طاہرینؑ کی اس
مضمون کی متعدد روایات وارد ہیں جن میں مختلف سائلین ان حضراتؑ سے دریافت کرتے ہیں۔ تسئلون عن الشیٔ فلا
یکون عندکم علمہ قال ربما کان ذلک قلت کیف تصنعون؟ قال تلقانا بہ روح القدس کہ آیا کبھی ایسا
ہوتا ہے کہ آپ سے کسی چیز کا سوال کیا جائے اور آپ کے پاس اس کا علم نہ ہو؟ فرمایا ہاں کبھی ایسا ہوتا ہے۔ سائل نے
کہا پھر آپ اس وقت کیا کرتے ہیں؟ فرمایا روح القدس (منجانب اللہ) اس کی اطلاع دے دیتا ہے۔ بعض روایات
میں یہ لفظ وارد ہیں فاذا ورد علینا شیٔ لیس عندنا تلقانا بہ روح القدس جب ہمیں کوئی ایسا واقعہ در
آئے جس کا حل ہمارے پاس نہ ہو تو روح القدس اس کے متعلق ہم سے ملاقات کرتا ہے۔ بعض احادیث میں یہ الفاظ مو
ہیں ان عیینا شیئا تلقانا بہ روح القدس جب ہم کسی چیز کے بارے میں درماندہ ہو جائیں تو روح القدس تائید
کرتا ہے (کذا فی منہاج البراعۃ ج ۶ ص ۱۶۹) بصائر الدرجات کے اسی صفحہ پر امام محمد باقر علیہ السلام کا یہ ارشاد موجو
ہے۔ ان الاوصیاء محدثون یحدثھم روح القدس ولا یرونہ الخ اوصیاء محدّث ہوتے ہیں روح القد
ان کے ساتھ گفتگو کرتا ہے لیکن وہ اسے دیکھتے نہیں ہیں۔ ص۱۳۵ پر ایک روایت درج ہے کہ حضرت امام جعف
علیہ السلام سے آیت مبارکہ کذلک اوحینا الیک روحاً من امرنا ما کنت تدری ما الکتاب ولا الایما
میں وارد شدہ روح کے متعلق سوال کیا گیا۔ آپؑ نے فرمایا ملک منذ انزل ذلک الملک لم یصعد الی السم
کان مع رسول اللہ وھو مع الائمۃ یسددھم یہ ایک فرشتہ ہے جب سے اترا ہے پھر آسمان پر نہیں گیا۔ پہ
جناب رسول خداؐ کے ہمراہ تھا۔ پھر ان کے بعد ائمہ ہدیٰ کے ہمراہ رہ کر ان کی تائید و تسدید کرتا رہتا ہے۔

ص۱۳۴ پر ایک طویل حدیث کے ضمن میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا فاذا ق
النبیؐ انتقل روح القدس فصار فی الامام۔ الخ جب جناب رسول خداؐ کا انتقال ہو گیا۔ تو روح القدس امام بر
علیؑ کی طرف منتقل ہو گیا۔ اگر دوسری روحوں کی طرح روح القدس بھی ایک روح ہو تو پھر اس طرح تناسخ لازم آ
جو تمام اہل اسلام کے نزدیک باطل اور اس کا اعتقاد رکھنا کفر ہے جناب امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں م
بالتناسخ فھو کافر باللہ العظیم جو شخص تناسخ کا قائل ہو وہ کافر ہے۔" (عیون اخبار الرضا ص۲۷۳)

بصائر ص۴۵۳ پر متعدد روایات موجود ہیں جن کا مضمون یہ ہے کہ منذ انزل اللہ ذلک الروح علی محمد لم یصعد الی السماء وانہ لفینا۔ جب سے خدا نے اس روح القدس کو آنحضرتؐ پر اتارا ہے پھر آسمان پر نہیں گیا اور وہ ہم میں موجود ہے نیز اسی کتاب کے ص۴۶۳ پر وہی روایت متعدد طرق سے مروی ہے جو ہم پہلی دلیل کے ضمن میں تفسیر صافی و برہانؒ اصول کافی سے نقل کر چکے ہیں کہ امامؑ نے آنحضرتؐ کے متعلق فرمایا قد کان فی حال لا یدری ما الکتاب ولا الایمان حتی بعث اللہ تلک الروح فعلمہ بہا العلم والفہم وکذلک تجری تلک الروح اذا بعثہا اللہ الی عبد علمہ بہا العلم والفہم یعنی آنحضرتؐ پر ایک ایسی حالت بھی گذری ہے کہ کتاب و ایمان کا علم نہ رکھتے تھے۔ حتی کہ خدا نے اس روح (القدس) کو بھیجا۔ پس اس کے ذریعہ ان کو (مخصوص) علم و فہم عطا فرمایا۔ اسی طرح اس روح کا یہ سلسلہ برابر جاری رہتا ہے جب خدا یہ روح اپنے کسی خاص بندے (امامؑ) کے پاس بھیجتا ہے تو اسے (مخصوص) علم و فہم عطا فرما دیتا ہے۔

اسی طرح ص۴۶۳ کی بعض روایات سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ یہ روح "خلق اعظم من جبرئیل ومیکائیل لم یکن مع احد ممن مضیٰ غیر محمد وھو مع الائمۃ یسددھم ولیس کلما طلب وجد۔ یہ جبرئیلؑ و میکائیلؑ سے بھی عظیم الشان ایک مخلوق ہے سوائے سرور کائنات کے گذشتہ (انبیاءؑ و اوصیاءؑ) میں سے کسی کے ہمراہ نہ تھا۔ البتہ آنحضرتؐ کے بعد یہ روح القدس ائمہ علیہم السلام کے ہمراہ تسدید و تائید کی غرض سے رہتا ہے۔ اور ایسا نہیں ہے کہ جب بھی اسے طلب کیا جائے تو ضرور پایا ہی جائے۔ بعض حضرات نے جملہ "خلق اعظم من جبرئیلؑ و میکائیلؑ" سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ وہ فرشتوں کے علاوہ کسی اور نوع سے تعلق رکھتا ہے یہ مطلب درست نہیں ہے اس کے بطلان پر علاوہ اس روایت کے جو بصائر کے حوالہ سے ہم پیش کر چکے ہیں بحار الانوار جلد ہفتم ص۲۶۵ پر متعدد روایات موجود ہیں۔ جن میں مذکور ہے ھو ملک اعظم من جبرئیلؑ و میکائیلؑ کان مع رسول اللہؐ وھو مع الائمۃ علیھم السلام وہ جبرئیلؑ و میکائیلؑ سے بھی عظیم الشان ایک فرشتہ ہے جو پہلے جناب رسول خداؐ کے ہمراہ تھا۔ پھر ان کے بعد ائمہؑ کے ہمراہ رہتا ہے۔" بصائر الدرجات کی مذکورہ بالا حدیث کے آخری جملہ ولیس کلما طلب وجد کی توضیح کرتے ہوئے علامہ مجلسی نے اس کا ایک مطلب یہ بیان کیا ہے کہ "ذلک الروح قد یحضر وقد یغیب ولیس کلما طلب وجد فلذا قد یتأخر جوابھم (بحار ج ۷، ص۲۶۲) یعنی اس جملہ کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ روح القدس کبھی حاضر ہوتا ہے اور کبھی غائب اور جب غائب ہو تو ایسا نہیں کہ جب بھی اُسے طلب کیا جائے۔ تو پایا ہی جائے اسی بنا پر بعض اوقات ان حضراتؑ کا جواب مؤخر ہو جاتا ہے۔" روح القدس کے بعض اوقات غائب ہو جانے کی تصریح۔ اس جملہ کی توضیح اور مجلسی مرحوم کے بیان کردہ مفہوم کی تائید مزید رجال کشی ص۲۷۴ اور رجال مامقانی ج ۲ ص۱۹ پر ایک طویل حدیث کے ضمن میں حضرت امام رضاؑ سے مروی ہے جس میں آپ نے اپنے والد ماجد

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو پیش آمدہ سانحہ کے متعلق ایک شبہ کا جواب دیتے ہوئے فرمایا غاب عنہ المحدث قلت من المحدث قال ملک اعظم من جبرئیل ومیکائیل کان مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وھو مع الائمۃ صلوات علیھم ولیس کلما طلب وجد یعنی اُس وقت محدث آپ سے غائب ہو گیا تھا۔ طاؤس راوی کہتا ہے میں نے عرض کیا محدث کون ہے؟ فرمایا وہ جبرئیلؑ ومیکائیلؑ سے عظیم المرتبت ایک فرشتہ ہے جو جناب رسولِ خداؐ کے ہمراہ تھا اور ان کے بعد ائمہ ہدیٰؑ کے ساتھ رہتا ہے اور ایسا نہیں کہ جب بھی اسے طلب کیا جائے تو وہ ضرور پایا جائے۔ مذکورہ بالا احادیث بحار طبع جدید کے ص۵۴ج۴ سے لیکر ص۵۵ج۴ تک نیز یہی احادیث مع شئ زائد بحار الانوار ج ۷ ص۲۶۵ تا ص۲۸۲ چھپی ہوئی میں اور اصول کافی کتاب الحجۃ تفسیر برہان جلد ۴، مقدمہ تفسیر مرآۃ الانوار میں بھی ایسی روایات کا خاصا ذخیرہ موجود ہے فراجع لتعرف صدق المقال وتنکشف لک الحال۔

روح القدس کے فرشتہ ہونے پر دلائل

چونکہ روح القدس کے فرشتہ ہونے پر بعض حلقوں کی طرف سے بہت لے دے ہو رہی ہے اس لئے اس موضوع پر قدرے تفصیل کے ساتھ تبصرہ کیا جاتا ہے

پہلی دلیل

بکثرت روایات معتبرہ میں اسے "ملک" (فرشتہ) کہا گیا ہے (۱) چنانچہ تفسیر قمی ص۳۲۶ طبع ایران میں بروایت ابی بصیر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے قل الروح من امر کی تفسیر میں فرمایا ھو ملک اعظم من جبرئیل ومیکائیل کان مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وھو مع الائمۃ۔ اس سے مراد ایک فرشتہ ہے جو جبرئیلؑ ومیکائیلؑ سے بھی زیادہ عظیم المرتبہ ہے۔ یہ آنحضرتؐ کے ہمراہ تھا اور ان کے بعد ائمہ اہل بیتؑ کے ہمراہ رہا۔"

(۲) بحار ج ۷ ص۲۶۵ پر آیت مبارکہ "وکذلک اوحینا الیک روحا من امرنا" (الآیۃ) کی تفسیر میں انہی جناب سے مروی ہے ھو ملک اعظم من جبرئیلؑ ومیکائیلؑ کان مع رسول اللہ وھو مع الائمۃ (مطلب ایک ہی ہے)

(۳) بصائر الدرجات ص۱۳۵ جزء ۹ طبع جدید میں مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں جناب امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے فرمایا ملک منذ انزل اللہ ذلک الملک لم یصعد الی السماء وکان مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وھو مع الائمۃ یسددھم یہ روح ایک فرشتہ ہے جب سے خدا نے اسے زمین پر اتارا ہے پھر آسمان کی طرف نہیں گیا یہ جناب رسول خداؐ کے ساتھ تھا۔ ان کے بعد ائمہ اطہارؑ کے ہمراہ ہے جو ان کی تسدید وتائید کرتا ہے۔

(۴) بحار ج ۷ ص۲۶۵ پر آیت مبارکہ "وایدھم بروح منہ" کی تفسیر میں بحوالہ تفسیر قمیؒ امام جعفر صادقؑ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے ملک اعظم من جبرئیلؑ ومیکائیلؑ وکان مع رسول اللہ وھو مع الائمۃ علیھم السلام اس مضمون کی چار روایات بصائر الدرجات ص۴۶۱ و ص۴۶۲ طبع جدید پر موجود ہیں۔ ان روایات سے ان روایات کی

بھی ہو جاتی ہے جن میں "ہو خلق اعظم من جبرئیل" الخ یا "ہو اعظم من جبرئیل" وارد ہے کہ یہ عظمت باعتبار مرتبہ و مقام ہے نہ باعتبار جنس و نوع فتدبر۔

دوسری دلیل

صحیفہ کاملہ کی تیسری دعا فرشتوں پر درود و سلام کے متعلق ہے جس کا عنوان ہے "وکان من دعائہ علیہ السلام فی الصلوٰۃ علی حملۃ العرش وکل ملک مقرب" اس دعاء مبارکہ میں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نام بنام ملائکہ مقربین پر درود و سلام بھیجتے ہوئے فرماتے ہیں " والروح الذی ھو من امرک" اس روح پر بھی سلامتی نازل کر جو تیرے امر سے ہے (صحیفہ سجادیہ ص۳۲ طبع ایران) اس کی شرح کرتے ہوئے محدث جلیل جناب جزائری اپنی شرح نور الانوار ص۵۹ پر لکھتے ہیں "اشارۃ الی قولہ تعالیٰ یسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلاً۔ وللمفسرین فیہ آراء والصواب ما رواہ الصفار بسند صحیح من ھشام بن سالم قال سمعت ابا عبد اللہ علیہ السلام یقول یسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی۔ قال خلق اعظم من جبرئیل ومیکائیل لم یکن مع احد ممن مضیٰ غیر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وھو مع الائمۃ یوفقھم ویسددھم ولیس کلما طلب وجد۔ یعنی بعض مفسرین نے اس آیت مبارکہ (قل الروح من امر ربی) کے متعلق مختلف رائیں قائم کی ہیں۔ مگر صحیح وہ ہے جسے صفار نے (بصائر الدرجات ص۴۶۲ طبع جدید) بسند صحیح بروایت ہشام بن سالم امام جعفر صادق ع سے نقل کیا ہے۔ امام نے فرمایا یہ ایک مخلوق ہے جو جبرئیل و میکائیل سے بھی زیادہ عظیم المرتبت ہے۔ جناب رسول خدا کے علاوہ اور کسی گذشتہ نبی کے ہمراہ نہ تھا۔ آنحضرت کے بعد یہ ائمہ اطہار کے ساتھ توفیق و تسدید کی خاطر موجود رہا ہے اور ایسا نہیں کہ جب بھی اسے طلب کیا جائے تو پایا جائے" ظاہر ہے کہ چونکہ یہ دعا صرف ملائکہ پر درود و سلام بھیجنے کے لئے وقف ہے تو اس میں جس روح کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ وہ بھی ملائکہ میں سے ہی ہوگا۔ اسی طرح دعائے روز ماہ رمضان میں دوسرے فرشتوں پر درود و سلام بھیجنے کے ساتھ ساتھ روح القدس پر بھی سلام کیا گیا ہے "وعلی رضوان خازن الجنان وعلی مالک خازن النار وروح القدس والروح الامین حملۃ عرشک المقربین (مفاتیح الجنان ص۲۱۴)" اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ روح القدس بھی فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہے۔

تیسری دلیل

ماہ رمضان کی دعائے افتتاح میں امام زمان عج کے متعلق دعائیہ فقرہ میں وارد ہے "وحفہ بملائکتک المقربین وایدہ بروح القدس" ان کو ملائکہ مقربین کے ساتھ گھیر لے اور ان کی تائید روح القدس کے ساتھ فرما (مفاتیح الجنان ص۱۸۲ طبع ایران) یہاں بھی ملائکہ مقربین کے علاوہ روح القدس کا تذکرہ کیا گیا ہے نیز اگر روح القدس بدن میں داخل ہوتی تو پھر اس کے ساتھ تائید کی دعا کرنے کا کوئی محل ہی باقی نہیں رہتا۔ کما لا یخفیٰ۔

چوتھی دلیل

کئی روایات میں وارد ہے کہ انبیاء و ائمہ کے علاوہ خدا اپنے چاہنے والوں کی وقتی طور پر روح القدس سے تائید کرتا ہے چنانچہ وارد ہے ما قال فینا قائل بیتاً من الشعر حتیٰ یؤید بروح القدس (عیون الاخبار ص۷)

امام جعفر صادقؑ نے ہشام بن الحکم سے فرمایا لا تزال مؤیداً بروح القدس ما نصرتنا بلسانک (اصول کافی) نیز امام محمد باقرؑ نے کمیت شاعر سے فرمایا معک روح القدس ما ذببت عنا (رجال مامقانی ج ۲ ص ۳۹) اسی طرح جناب رسول خداؐ

ازالہ شبہ

عیون اخبار الرضا باب ۲۰ جز ۲ ص ۳۰ پر امام رضاؑ سے مروی ہے ان اللّٰہ قد ایدنا بروح منہ مقدسۃ مطہرۃ لیس بملک ولم تکن مع احد ممن مضیٰ الا مع رسول اللّٰہؐ وھو مع الائمۃؑ منا تسددھم وتوفقھم وھو عمود من نور بیننا وبین اللّٰہ۔ خدا نے ہماری تائید ایک ایسی مقدس روح کے ذریعہ سے کی ہے۔ جو فرشتہ نہیں ہے اور یہ سوائے آنحضرتؐ کے اور کسی نبی کے ساتھ نہ تھی آپؐ کے بعد ہم ائمہ اہل بیتؑ کے ہمراہ ہے اور یہ ہمارے اور خدا کے درمیان ایک عمود نور ہے اس سے یہ استدلال کیا جاتا ہے۔ کہ روح القدس عمود نور نبیؐ و امام کی اسی روح کا نام ہے جو ان کی تکوین میں شامل ہے۔ اور یہ کہ روح القدس فرشتہ نہیں ہے۔ اس شبہ کا پہلا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں اور ان احادیث میں جن میں روح القدس کا فرشتہ ہونا مذکور ہے فی الحقیقت کوئی تعارض نہیں ہے۔ اس حدیث میں وارد شدہ جملہ "لیست بملک" وہ فرشتہ نہیں ہے کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ یہ روح القدس عام فرشتوں جیسا نہیں ہے کیونکہ اس کی شان ان سے کہیں اجل و ارفع ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ بکثرت روایات میں وارد ہے "ہو اعظم من جبرئیل ومیکائیل" کہ وہ مرتبہ و مقام میں جبرئیلؑ سے بھی زیادہ جلیل ہے

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر بالفرض اس حدیث میں اور ان سابقہ احادیث میں تعارض تسلیم کر لیا جائے تو ترجیح ان ہی احادیث کو دی جائے گی جن میں اس کے فرشتہ ہونے کی تصریح موجود ہے۔ کیونکہ وہ احادیث تعداد کے اعتبار سے اکثر اور سند کے لحاظ سے اصح ہیں۔ جیسا کہ علم درایت الحدیث کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ خذ بما اشتہر بین اصحابک ودع الشاذ النادر۔ جہاں تک روح القدس اور عمود نور کے متحد ہونے کا تعلق ہے یہ قطعاً غلط ہے۔ ہم اسی کتاب کے چھٹے باب میں ارشاد امام اور کلام علماء اعلام کی روشنی میں ثابت کریں گے کہ عمود نور سے ایک فرشتہ مراد ہے جو روح القدس کے علاوہ ہے۔ اسی عیون اخبار الرضا باب ۱۹ جزو اول ص ۲۱۳ طبع جدید پر امام رضا علیہ السلام کا ایک ارشاد موجود ہے۔ جو بعبارۃ النص اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ روح القدس اور عمود نور دو مختلف حقیقتیں ہیں۔ فرماتے ہیں ان الامام مؤید بروح القدس وبینہ وبین اللّٰہ عزوجل عمود نور یری فیہ اعمال العباد وکلما احتاج الیہ لدلالۃ اطلع علیہ الخ یعنی امام کی تائید روح القدس کے ساتھ ہوتی ہے۔ اور امام و خدا کے درمیان ایک عمود نور ہے جس کے ذریعہ وہ لوگوں کے اعمال دیکھتا ہے اور جس چیز کی طرف احتیاج ہو اس عمود کے ذریعہ اس پر آگاہی حاصل کر لیتا ہے الخ اس سے بڑھ کر اور کس طرح صراحت کی جا سکتی ہے کہ روح القدس اور ہے اور عمود نور اور؟ ان فی ذلک لذکری لقوم یعقلون۔

روح ایمان کے فرشتہ ہونے کا بیان

بعض اخبار سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ روح الایمان بھی دوسر

ارواح کی طرح جزو بدن نہیں بلکہ یہ ایک فرشتہ ہے جو مومن کو اچھے کاموں کی طرف رہنمائی کرتا ہے چنانچہ اصول کافی (ص ۴۳۹) پر بروایت ابو بصیر جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ فرمایا اذا هم العبد بذنب قال له روح الایمان لا تفعل وقال له الشیطان افعل واذا کان علی بطنها نزع منه روح الایمان جب انسان کسی گناہ کا ارادہ کرتا ہے تو روح ایمان اسے کہتا ہے کہ گناہ نہ کر اور شیطان کہتا ہے کہ کر۔ اور جب بندہ زانیہ عورت کے شکم پر سوار ہو جاتا ہے تو اس سے روح ایمان کو الگ کر دیا جاتا ہے (والعیاذ باللہ) اس کی شرح کرتے ہوئے حضرت علامہ مجلسیؒ نے روح الایمان کے متعلق چھ احتمالات ذکر کئے ہیں۔ ان میں سے پہلا احتمال یہ بیان کیا ہے کہ "ان یکون المراد به الملک کما صرح به فی بعض الاخبار، سمی بروح الایمان لانه مؤید له وسبب لبقائه فکانه روحه وبه حیوته" یعنی اس سے مراد ایک فرشتہ ہے جیسا کہ اس کی تصریح بعض اخبار میں موجود ہے اور اس (فرشتہ) کا نام اس لئے روح الایمان رکھا گیا ہے کہ چونکہ یہ ایمان کی تائید کرتا ہے اور اس کی بقا کا سبب ہے تو گویا یہ ایمان کی روح ہے۔ اور اس سے ایمان کی زندگی وابستہ ہے پھر دوسرے پانچ احتمالات ذکر کرنے کے بعد آخر میں اسی پہلے احتمال کی تقویت کرتے ہوئے لکھا ہے "والاول اظهر علی قواعد متکلمی الامامیة وظواهر الاخبار" یعنی شیعہ علماء متکلمین اور ظواہر اخبار کے پیش نظر پہلا احتمال ہی اظہر ہے (مرآۃ العقول ج ۲ ص ۲۴۴) جن بعض اخبار کی طرف جناب علامہ نے اشارہ فرمایا ہے وہ اصول کافی کے باب الروح الذی اید به المؤمن" میں (ص ۴۳۹) بروایت ابی خدیجہ جناب امام موسیٰ کاظمؑ سے مروی ہیں۔ فرمایا "ان الله تبارک وتعالیٰ اید المؤمن بروح منه تحضره فی کل وقت یحسن فیه ویتقی ویغیب عنه فی کل وقت یذنب فیه ویعتدی" الخ الحدیث یعنی خداوند عالم نے مومن کی تائید ایسی روح سے کی ہے کہ جب مومن نیکی کرتا ہے اور برائی سے بچتا ہے تو وہ موجود رہتی ہے۔ اور جب برائی کرتا اور حدود شرعیہ سے تجاوز کرتا ہے تو وہ اس سے علیحدہ ہو جاتی ہے۔ الخ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے جناب علامہ مجلسیؒ فرماتے ہیں۔ "قد مرّ تفسیر الروح والاظهر ان المراد هنا ایضاً ملک" الروح کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے اظہر یہ ہے کہ یہاں بھی روح سے مراد فرشتہ ہے (مرآۃ العقول جلد ۲ ص ۲۴۴)

اس امر کی تائید مزید اس روایت صادقیہ سے ہوتی ہے جس میں وارد ہے کہ ہر بندۂ مومن کے دل میں دو کان ہیں ان میں سے ایک میں خناس (شیطان) پھونک مارتا ہے (وسوسہ ڈالتا ہے) اور دوسرے میں فرشتہ پھونک مارتا ہے (تائید کرتا ہے) فیؤید الله المؤمن بالملک فذلک قوله وایدهم بروح منه پس خدا اپنے بندۂ مومن کی فرشتہ سے تائید کرتا ہے۔ اور یہی خدا کے اس ارشاد کا مطلب ہے کہ خدا نے ان کی تائید ایک روح سے کی ہے" (اصول کافی ص ۴۳۹)

روح القدس و روح الایمان بدن میں داخل نہیں

مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں جب یہ بات الم نشرح ہو گئی کہ روح القدس اور روح الایمان دو فرشتوں کے نام ہیں تو پھر ان کے داخل جسم اور جزو بدن ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ انہی ناقابل انکار حقائق کے پیش نظر

غواصِ بحار اخبار ائمہ اطہارؑ سرکار علامہ مجلسی علیہ الرحمہ اصول کافی میں ص۲۷۲ ج۱ حضرت امیر المومنینؑ سے جو طویل روایت مروی ہے جس میں وارد ہے "واسکن فی ابدانھم ثلاث ارواح، روح القوۃ، روح الشہوۃ و روح البدن الخ" یعنی خدا نے ان کے بدنوں میں تین روحیں ساکن کیں روحِ قوۃ، روحِ شہوۃ اور روحِ بدن، الخ۔ اس کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں "تخصیص تلک الارواح بالابدان لان الروحین الآخرین لیسا معًا یسکن الابدان وان کانا متعلقین بہ" یعنی ان تین روحوں کو بدنوں کے ساتھ اس لئے خاص کیا گیا ہے کہ دوسری دو روحیں (روح القدس اور روح الایمان) بدن میں ساکن نہیں ہوتیں، اگرچہ ان کا تعلق بدن کے ساتھ ضرور ہوتا ہے (مرآۃ العقول ج۲ ص۲۵۹)

فی بمعنی مع مراد ہے

بنا بریں جن روایات میں وارد ہے کہ "فی الانبیاء والائمۃ خمسۃ ارواح" میں سے ظاہرین اور حضرات قشریین یہ سمجھتے ہیں کہ یہ تمام روحیں ان بزرگواروں کے ابدانِ مقدسہ میں داخل ہیں اور جزوِ بدن ہیں۔ یہاں "فی" کو بمعنی "مع" ہے جس کا مفہوم "انبیاءؑ وائمہؑ میں" نہیں بلکہ "انبیاءؑ وائمہؑ کے ہمراہ پانچ روحیں ہوتی ہیں" ہوگا۔ اب رہا یہ سوال کہ آیا فی بمعنی مع استعمال ہوتی ہے؟ اس کا انکار اپنی جہالت کے اقرار کے مترادف ہے۔ علم نحو کی مشہور و مستند کتاب مغنی اللبیب ج۱ ص۱۲۵ طبع مصر پر "فی" کے دس معانی ذکر کرتے ہوئے دوسرے معنی مصاحبت و معیت کے لکھے ہیں۔ "الثانی المصاحبۃ نحو ادخلوا فی امم ای معھم" یعنی اس کے دوسرے معنی مصاحبت و معیت کے ہیں جیسے ادخلوا فی امم میں ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ امتوں کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ یہاں "فی" "بمعنی مع" ہے۔

اسی طرح علامہ مجلسیؒ ایک دعا جس میں وارد ہے "اھدنی فیمن ھدیت" کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ وقیل فی بمعنی الیٰ او بمعنی مع۔ کہا گیا ہے کہ یہاں "فی" "بمعنی الیٰ" یا بمعنی "مع" ہے (مرآۃ العقول ج۲ ص۴۲۰) اس امر کی تائید ان احادیث مبارکہ سے بھی ہوتی ہے جن میں یہ وارد ہے کہ "یکون معھم" یہ روح القدس ائمہ اہل بیتؑ کے ہمراہ ہوتا ہے۔ چنانچہ آیت مبارکہ کذالک اوحینا الیک روحًا من امرنا، الآیۃ اور آیت قل الروح من امر ربی کی تفسیر میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے ھو ملک اعظم من جبرئیلؑ و میکائیلؑ کان مع رسول اللہؐ و مع الائمۃ۔ یہ ایک فرشتہ ہے جو جبرئیل و میکائیل سے بھی زیادہ عظمت کا مالک ہے۔ یہ جناب رسول خداؐ کے ہمراہ تھا اور پھر ائمہ اطہارؑ کے ساتھ (بحار الانوار ج، ص۲۶۵)

نیز اس مطلب کی تائید مزید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ احادیث کی تعبیرات مختلف ہیں۔ بعض میں وارد ہے "فی الانبیاءؑ والائمۃؑ خمسۃ ارواح" (بحار ج۶ ص۲۶) یہاں "فی" موجود ہے، بعض میں یوں وارد ہے ان اللہ "خلق الانبیاءؑ والائمۃؑ علیٰ خمسۃ ارواح" (بصائر الدرجات ص۴۵۳ طبع جدید یہاں "علیٰ" موجود ہے) اور

بعض روایات میں وارد ہے ان اللّٰہ جعل للنبی خمسۃ ارواح " (بحار ج ، ص۲۶ وبصائر ص۵۵) یہاں " لام " موجود ہے۔ سچ ہے ؎

عبارا تنا شتّی وحسنک واحد   وکل الی ذاک الجمال یشیر

ان حقائق کی روشنی میں صاحب طوالع الانوار وغیرہ کے اس قول سقیم کی کیا وقعت رہ جاتی ہے کہ " ان روح القدس کما ھو کان فی النبیؐ وھو جزء منه کسائر الارواح فکل فی الائمۃ وھو جزء منھم خلق اللّٰہ فیھم (لوامع ص۹۴) اسی طرح یہ کہنا بھی بوجہ عدم دلیل ناقابل قبول ہے کہ روح القدس دو ہیں۔ ایک داخل بدن اور دوسرا خارج از بدن " آللّٰہ اذن لکم ام علی اللّٰہ تفترون ؟

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

بعض مدعیان علم نے اس مقام پر یہ تحقیق انیق فرمائی ہے کہ وہ روایات جن سے روح القدس کا فرشتہ ہونا ظاہر ہوتا ہے چونکہ وہ روایات اہل سنت کے مطابق ہیں اس لئے ناقابل قبول ہیں۔ لیکن اس دعویٰ کے اثبات میں تفسیر کبیر ج ا ص۳۹۲ سے جو اقوال نقل کئے ہیں وہ یہ ہیں (۱) روح القدس سے مراد جبرئیل ہے (۲) اس سے مراد انجیل ہے (۳) اس سے مراد اسم اعظم ہے (۴) اس سے مراد روح عیسوی ہے۔" یہ بات ہمارے لئے ناقابل فہم ہے کہ ہماری شیعی کسی ایک روایت میں بھی یہ درج نہیں ہے کہ روح القدس سے مراد جبرئیل ہے (بلکہ یہ وارد ہے کہ ملک اعظم من جبرئیل ومیکائیل وہ ایک ایسا فرشتہ ہے جو جبرئیل و میکائیل سے بھی زیادہ عظیم الشان ہے) اور مخالفین کی کسی ایک روایت میں بھی موجود نہیں کہ وہ ایک ایسا فرشتہ ہے۔ جو جبرئیل ومیکائیل سے عظیم تر ہے! تو پھر یہ اہل سنت کی روایات کے ساتھ موافقت ومطابقت اور اس کی وجہ سے روایات اہل بیت کا انکار کیا معنی رکھتا ہے؟ یا سعد الابل! معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے اس محقق نے کہیں سے یہ سن لیا کہ جو روایت شیعی مسلمات کے خلاف اور عامۃ مذہب کے مطابق ہو وہ ناقابل استدلال ہوتی ہے لیکن جو ہر لطیف سے (بشرطیکہ موجود ہو) یہ نہ سوچا کہ شیعی مسلمات کی مخالفت اور روایات مخالفین سے مطابقت کا مفہوم کیا ہے؟ اور بلا سوچے سمجھے اس کو یہاں پر نافذ کر دیا۔ حالانکہ اس قاعدہ کا اس مقام سے کوئی ربط وتعلق ہی نہیں ہے اور ایسا ہی اس محقق نے آیت مبارکہ ماکنت تدری ما الکتاب ولا الایمان کے متعلق ہماری پیش کردہ تفسیر معصومؑ کے ساتھ سلوک کیا ہے۔ کہ یہ تفسیر تفاسیر اہل سنت کے موافق ہونے کی وجہ سے ناقابل اعتنا ہے۔ حالانکہ جو کچھ ہم نے کلام معصومؑ کی روشنی میں پیش کیا ہے وہ عالم ارواح وانوار والی خلقت کے متعلق ہے جو اس ظاہری وجسمانی خلقت سے ہزارہا سال متقدم ہے اور انہوں نے تفسیر کبیر ج ، ص۴۱۰ سے جو حوالہ پیش کیا ہے اس میں اعلان نبوت سے قبل والی ظاہری زندگی مراد لی گئی ہے کیا اسی کا نام موافقت ہے؟ اگر یہ کارروائی عمداً کی گئی ہے تو اس سے بڑھ کر تدلیس وتلبیس نہیں ہو سکتی۔ اور اگر غیر ارادی طور پر ایسا کیا گیا ہے تو اس سے بڑھ کر جہالت وضلالت متصور نہیں ہو سکتی۔ بہرحال فقدمنا الی ما عملوا من عمل فجعلناہ هباءً منثوراً۔

مذکورہ بالا احادیث سے استنباط کردہ نتائج

مذکورہ بالا ارشاداتِ معصومینؑ پر نظرِ غائر ڈالنے سے مندرجہ ذیل امور واضح ہوجاتے ہیں:- (اوّل) ائمہ طاہرینؑ کے پاس مبدءِ فیض وجود خالق ہر موجود یعنی خدائے ودود سے علم وفضل حاصل کرنے کے بہت سے وسائل وذرائع ہیں ایک طریقہ وذریعہ روح القدس بھی ہے۔

(دوم) یہ روح القدس ائمہ علیہم السلام کے ساتھ گفتگو کرتا ہے لیکن وہ اسے دیکھتے نہیں ہیں۔

(سوم) یہ روح القدس عام ارواح کی طرح نہیں بلکہ یہ ایک فرشتہ ہے جو جبرئیل ومیکائیل جیسے جلیل القدر فرشتوں سے بھی زیادہ عظیم الشان ہے۔

(چہارم) یہ روح القدس تا زیست جنابِ رسولِ خداؐ کے ہمراہ رہا اور ان کی رحلت کے بعد یکے بعد دیگرے دوسرے ائمہ ہدیٰ کی طرف منتقل ہوتا رہا ہے۔

(پنجم) روح القدس کو جب سے زمین پر اتارا گیا ہے پھر آسمان پر نہیں گیا۔

(ششم) جب روح القدس کا نبیؐ یا امامؑ کے ساتھ ارتباط قائم ہوتا ہے تو خدا ان کو خاص علم وفہم عطا فرماتا ہے۔

(ہفتم) روح القدس کی ایک خاص فرد یا صنف ایسی ہے جو پیغمبرِ اسلام اور ائمہ اہلبیت علیہم السلام کے ساتھ مختص ہے جو سابقہ انبیاءؑ ومرسلینؑ کے ہمراہ نہ تھی (دیگر تاویل سرکار علامہ مجلسی نے بحار ج ۲۵ ص ۴۷ پر جمع بین الروایات کرتے ہوئے فرمائی ہے کہ بعض آیات وروایات سے اس کا تمام انبیاءؑ، اور بعض میں اس کا صرف آنحضرتؐ اور ائمہ ہدیٰ کے ساتھ مختص ہونا ظاہر ہوتا ہے فلا تغفل)

(ہشتم) یہ روح القدس امامؑ کو ظاہری درجۂ امامت پر فائز ہونے کے بعد عطا ہوتا ہے۔

(نہم) یہ روح القدس ملائکہ کے علاوہ کسی اور نوع سے تعلق نہیں رکھتا۔

(دہم) یہ روح القدس مصلحتِ خداوندی کے تقاضوں کے مطابق کبھی کبھی نبیؐ وامامؑ سے کچھ لمحات کے لئے غائب بھی ہوجاتا ہے۔ بنا بریں جن روایات میں وارد ہے کہ لا تفارقہم ان کو اغلب اوقات پر محمول کیا جائے گا۔ یعنی اکثر وبیشتر ہمراہ ہی رہتا ہے لہٰذا کبھی کبھار اس کی علیحدگی النادر فی حکم المعدوم کا حکم رکھتی ہے تلک عشرۃ کاملۃ۔ بفضلہ تعالیٰ ان حقائق کی روشنی میں اس نظریہ کہ یہ روح ان بزرگواروں کی ذاتیات میں داخل ہے" کا بوداپن بلکہ بطلان واضح وعیاں ہوگیا۔ اور اسی کے ساتھ وہ نتائج بھی کالعدم ہوگئے جو اس روح کے ذاتیات میں داخل تسلیم کرنے کے لئے مرتب کئے گئے تھے۔ کہ اس کا خاصہ وحی ہے اور اس سے حاصل شدہ کمالات ان کے ذاتی ہیں الخ

وہ شاخ ہی نہ رہی جس پہ آشیانہ تھا

جب مستند ارشاداتِ معصومینؑ کی روشنی میں ثابت کر دیا گیا کہ روح القدس دوسری ارواح کی قسم سے نہیں جو بدن میں داخل ہیں بلکہ یہ ایک عظیم الشان فرشتہ ہے تو اس سے حاصل شدہ کمالات کیونکر ان کے ذاتی اور اس کی وجہ سے

ان کی نوع کیونکر علیحدہ ہو سکتی ہے؟

دُوسرا جواب

اس شبہ کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر مذکورہ بالا حقائق سے قطع نظر کرتے ہوئے بفرض محال چند لمحات کے لئے روح القدس کو دیگر ارواح کی طرح ایک روح بھی تسلیم کر لیا جائے جو بدن میں داخل ہے تو بھی اس سے انبیاء و ائمہ میں ایک روح کی زیادتی سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ ان حضرات کی نوع علیحدہ ہو کیونکہ یہ اختلاف ارواح تو مومنین و کفار کے درمیان بھی پایا جاتا ہے احادیث میں جہاں یہ وارد ہے کہ انبیاءؑ و ائمہؑ میں پانچ روحیں ہوتی ہیں وہاں متعدد احادیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ کافر میں تین اور مومن میں چار روحیں ہوتی ہیں۔ صرف تبرکاً و تیمناً ایک حدیث پیش کی جاتی ہے۔

بصائر الدرجات ص ۱۳۴ پر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا فی الانبیاء والاوصیاء خمسة ارواح۔ روح البدن و روح القدس و روح القوۃ و روح الشھوۃ و روح الایمان و فی المومنین اربعة ارواح افقدھا روح القدس روح البدن و روح القوۃ و روح الشھوۃ و روح الایمان و فی الکفار ثلاثة ارواح روح البدن و روح القوۃ و روح الشھوۃ الخ کذا فی سابع البحار ص ۲۶ وغیرہ

انبیاء و اوصیاء میں پانچ روحیں ہوتی ہیں۔ روح البدن۔ روح القدس۔ روح القوۃ۔ روح الشہوہ اور روح الایمان اور مومنین میں چار روحیں ہوتی ہیں ان میں صرف روح القدس کی کمی ہوتی ہے وہ چار روحیں یہ ہیں روح البدن۔ روح القوۃ روح الشہوۃ اور روح الایمان۔ اور کفار میں صرف تین روحیں۔ روح البدن۔ روح القوہ۔ اور روح الشہوۃ ہوتی ہیں الخ پس جیسے کفار میں تین روحیں ہیں اور اہل ایمان میں چار تو اس اختلاف کی وجہ سے کوئی ذی عقل و ہوش انسان یہ کہہ سکتا ہے کہ کافر اور مومن کی نوعیں الگ الگ ہیں؟ اور بنا بریں خدا نہ کرے اگر کوئی مومن مرتد ہو جائے جیسا کہ ممکن بلکہ کبھی کبھار واقع بھی ہوا ہے۔ یا کوئی کافر مسلمان ہو جائے جیسا کہ عموماً ایسا ہوتا رہتا ہے تو کیا اس طرح ان کی نوع بدل جائے گی؟ پھر تو نوع نہ ہوئی بازیچۂ اطفال ہو گیا۔ ڈارون کی تھیوری قبول کئے بغیر تو بات بنتی نظر نہیں آتی ؎

ودون اثباتہ خرط القتاد؛

اور اگر اس کافرانہ نظریہ کی ڈھارس لی گئی تو پھر اسلام کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جائے گا بہر کیف ع
بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہیں بنتی

چوتھا شبہ اور اُس کا جواب امری و خلقی خلقت کا تذکرہ

روح نبوتی، امامتی امری مخلوق ہے خلقی مخلوق نہیں ہے چنانچہ خدا فرماتا ہے لہ الخلق والامر یعنی دونوں عالم خلق و امر کا وہی مالک و مدبر ہے۔ لفظ خلق کا استعمال اکثر جسمانیت پر ہوتا ہے اور ہمیشہ اشیاء عالم خلق سے تعلق رکھنے والی تدریجاً درجہ بدرجہ وجود میں آتی ہیں۔ عالم امر کی مخلوق کا تعلق صانع مطلق سے ہوتے ہی اپنے کمال سمیت وجود میں آجاتی ہے۔ نہ سبب کی احتیاج۔ نہ تدریج کو دخل انما امرہ اذا اراد شیئاً ان یقول لہ

کن فیکون۔ پڑھو قصۂ آدم علیہ السلام نہ ماں نہ باپ۔ اسباب ظاہری نہیں ہیں۔ اسی طرح جناب عیسیٰؑ کی ولادت کا قصہ پڑھو۔ اس سے بالکل واضح ہے کہ انبیاءؑ کی خلقت عالم امر سے ہے۔ اسباب ظاہری کی ضرورت نہیں۔ وہ عالی ہوتے ہیں۔ اربعہ عناصر ان کو ضرر نہیں پہنچا سکتے" یہ ہے ان حضرات کے دلائل اور بالفاظ مناسب شبہات کا خلاصہ وہ انبیاءؑ و ائمہؑ کی علیحدہ نوع ثابت کرنے کی ناکام کوشش کے سلسلہ میں پیش کیا کرتے ہیں۔ ہم ذیل میں ان امور کو تحقیق کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ باتیں کہاں تک حقیقت پر مبنی ہیں۔ یہاں چند امور کی تنقیح ضرو

امر اول کی تنقیح

"خلقی" و "امری" والی جس اصطلاح جدیدہ کا اس شبہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ اس کا قرآن و حدیث و کلام علماء شیعہ میں کہیں نام و نشان تک موجود نہیں۔ اس کی ایجاد کا سہرا بانیٔ فرقۂ شیخیہ مغفو شیخ احمد احسائی کے سر ہے۔ پھر اسی کے اگلے ہوئے نوالہ کو ہمارے ملک میں بعض لوگوں نے چبایا اور اب موجودہ غلو نواز حضرات اسی کی جگالی کر رہے ہیں۔ آیت مبارکہ لہ الخلق والامر کا اس اصطلاح سے ہرگز کوئی تعلق نہیں یہ محض تفسیر بالرائے ہے۔ اس کا صاف و سادہ مطلب یہ ہے کہ حقیقی خالق و حاکم خدا ہی ہے ویخلق ما یشاء و یختا ما کان لہم الخیرۃ اور بظاہر یہ اصطلاح ہے بھی بالکل مہمل۔ کیا خلق و امر میں کوئی تضاد ہے؟ کیا عالم خلق والی مخلو خدا کے امر کے بغیر پیدا ہوتی ہے؟ کیا ان لوگوں کے خیال کے مطابق امری مخلوق۔ مخلوقِ خدا نہیں ہے؟ یہ خدا کی حکمت و مصلحت پر منحصر ہے۔ جسے چاہے آناً فاناً بلا مادہ و مدت اور بلا لحاظ سن و سال طبعی پیدا کر دے۔ (جیسے آدم کو پیدا کیا اور بڑھاپے میں جناب خلیل کو اولاد سے نوازا۔ اور چاہے تو عام اسباب کے ماتحت تدریجاً خلق فرمائے۔ لا دا لقضائہ۔ الخ

امر دوم

بنا بر تسلیم اصطلاح۔ خود اصل شبہ میں یہ اعتراف کیا گیا ہے کہ روح نبوتی و امامتی امری مخلوق ہے نہ خلقی بات ہمارے محل نزاع سے خارج ہے کیونکہ بحث تو ظاہری و جسمانی خلقت میں ہے کہ وہ ظاہری اسباب آلات کے ماتحت تدریجاً ہوتی ہے۔ یا ان کی محتاج نہیں؟ جہاں تک روح کی خلقت کا تعلق انبیاءؑ و ائمہؑ کے ارواح مقد پر کیا انحصار ہے۔ سب لوگوں کی روحیں امری مخلوق ہیں۔ قل الروح من امر ربی کیا اس اصطلاح کے مطابق دوسرے لوگوں روحیں عالم خلق سے تعلق رکھتی ہیں؟ اور وہ ظاہری اسباب کے ماتحت عالم وجود میں آتی ہیں؟ اگر ایسا ہے تو عالمِ ذر میں خ نے کس طرح ان کو پیدا کر کے ان سے عہدِ الست لیا تھا؟ یا دوسری روحوں کی خلقت کے وقت کتنے دن یا ماہ و سال ہوتے تھے؟ بینوا و توجروا۔

امر سوم

اس شبہ میں دو تین انبیاءؑ کی مثال پیش کر کے اس سے ایک قاعدہ کلیہ بنایا گیا ہے کہ سب انبیاءؑ کی خلقت ایسی ہی ہوتی ہے جو کہ استقراء ناقص پر مبنی ہے۔ جو صرف موجب ظن ہوتا ہے۔ وان الظن لا یغنی من الحق شیئاً اگر ماں باپ یا صرف باپ کے بغیر پیدا ہونا ان کے امری مخلوق ہونے کی دلیل ہے تو پھر شہادت ہابیل کے

بعد خدا نے جو کوا بھیجا تھا اس کے والدین کی نشاندہی کی جائے۔ حضرت صالحؑ کی ناقہ کے ماں باپ بھی بتائے جائیں؟ نیز حضرت موسیٰ کے سانپ اور فخرِ موسیٰؑ امام موسیٰ کاظمؑ کے شیرِ قالین کا سلسلۂ نسب بھی ظاہر کیا جائے؟ و انہی چند مثالوں پر ہی کیا منحصر ہے ابتدائے آفرینش میں بدیع السموات والارض خالقِ کائنات نے جو بھی ذی رُوح (جاندار) چیزیں پیدا کی ہیں کیا وہ سب ماں باپ کے بغیر نہیں تھیں؟ کیا وہ مادہ و مدت کے بغیر وجود میں نہیں لائی گئیں تھیں؟ تو اگر امری مخلوق ہونے کا یہی معیار ہے تو پھر ساری کائنات امری مخلوق ہے مالکم کیف تحکمون

بہرکیف اس اصطلاح کے مطابق خلقتِ امری ہوتی ہی وہاں ہے جہاں سلسلۂ اب و ام ختم ہوتا ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ بزرگوار ارواح کے اعتبار سے امری اور اجسام کے لحاظ سے خلقی مخلوق ہیں۔ امری خلقت کے اعتبار سے تمام امریوں (جن میں فرشتے سرِفہرست ہیں) کے سردار۔ اور خلقی خلقت کے لحاظ سے تمام خلقی مخلوق سے تعلق رکھنے والی مخلوق کے سرتاج ہیں۔ علی خیر البشر من ابی فقد کفر

امر چہارم ہماری متعدد روایات میں وارد ہے کہ پورے عالمِ امکان میں صرف دو مولود ایسے ملتے ہیں جو چھ ماہ کے پیدا ہوئے اور پھر زندہ بھی رہے ایک حضرت یحییٰؑ (بروایتے عیسیٰؑ) اور دوسرے جناب امام حسین علیہ السلام (اصول کافی عاشر بحار وغیرہ) چنانچہ ہماری بکثرت روایات میں آیتِ مبارکہ حملہ وفصالہ ثلاثون شہراً کی تفسیر جناب امام حسینؑ کے ساتھ کی گئی ہے۔ (اصول کافی عاشر بحار وغیرہ) اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ دوسرے انبیاؑء و ائمہؑ پوری مدت حمل کے بعد متولد ہوتے ہیں۔ ورنہ صرف ان حضرات کی تخصیص کا کوئی مقصد ہی نہیں۔ بعد ازیں خلقتِ امری کے نظریہ کی کیا حقیقت باقی رہ جاتی ہے؟

امر پنجم متعدد آثار و اخبار سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ عالمِ آب و گِل میں صرف تین ایسے بزرگ پیدا ہوئے۔ جن کے حمل کو وضعِ حمل کے آخری لمحہ تک بتقاضائے وقت خدا نے مخفی و مستور رکھا۔ ایک جناب ابراہیمؑ دوسرے جناب موسیٰؑ تیسرے حضرت امام العصر والزمانؑ (قصص الانبیاء، بحار ج ۵، منتہی الامال، بحار ۱۳، اصول کافی وغیرہ) اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان حضرات کی ولادت کے وقت حالات کا تقاضا یہ تھا کہ حمل کو مخفی رکھا جائے جیسا کہ باخبر حضرات پر یہ حقائق مخفی نہیں ہیں۔ خود اسی بیان سے ظاہر ہے کہ ان کے علاوہ دوسرے سب بزرگواروں کے حمل کے آثار نمایاں و آشکار ہوتے ہیں کیونکہ اگر سب حضرات کی یہی کیفیت ہوتی تو پھر ان صاحبان کی کوئی خصوصیت باقی نہ رہتی۔ امام زمانہ کے حالات میں عربی، فارسی اور اردو وغیرہ میں لکھی جانے والی تمام کتب میں یہ واقعہ مرقوم ہے کہ نیمۂ شعبان کو جب امام حسن عسکریؑ نے اپنی عمۂ محترمہ جناب حکیمہ خاتون سے فرمایا۔ کہ آج کی شب وہ یہیں قیام فرمائیں۔ کیونکہ آج کی رات آخری حجتِ خدا کی ولادت ہونے والی ہے تو اس معظمہ نے امامؑ سے دریافت کیا۔ کہ کس محترمہ کے بطن سے ہوگی؟ امامؑ نے فرمایا۔ جناب نرجس خاتونؑ کے بطن سے۔ یہ سُن کر جناب حکیمہ خاتون نے تعجب کے لہجہ میں کہا ان کے ہاں تو حمل کے کوئی آثار نہیں ہیں۔

امامؑ نے ان کے تعجب کو رفع کرتے ہوئے فرمایا ان کی ولادت جناب موسیٰؑ کے نقش بنقش ہوگی (یعنی جس طرح مصلحتِ وقت کے پیشِ نظر خدائے قادر نے ان کے حمل کو آخری وقت تک مخفی رکھا تھا یہاں بھی وہی صورتِ حال درپیش ہے)۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ جنابِ حکیمہ امام محمد تقی علیہ السلام کی دخترِ نیک اختر۔ امام علی نقی علیہ السلام کی ہمشیرہ، امام حسن عسکری علیہ السلام کی پھوپھی، خانوادۂ عصمت کی فردِ کامل اور اس مقدس خاندان کے حالات و اطوار سے کما حقہ واقف و آگاہ، تو کیا ان کو معلوم نہ تھا کہ امام کی خلقت عالمِ امر سے تعلق رکھتی ہے وہ ظاہری اسباب و تدریج کے پابند نہیں ہوتے! اگر علم تھا، تو پھر حمل کے ظاہری آثار نہ دیکھ کر تعجب کیوں کیا؟ اور سب سے زیادہ یہ کہ امامؑ نے ان کے استعجاب کو دور کرنے کے لئے جنابِ موسیٰؑ بن عمران کی مثال کیوں پیش فرمائی۔ یہ فرما کر کیوں نہ ان کو خاموش کر دیا "پھوپھی اماں یہ امام کی ولادت ہے۔ اور ان کی خلقت امری ہوتی ہے۔ یہاں آثارِ حمل اور وضعِ حمل چہ معنی دارد؟ معلوم ہوا کہ نہ اس معظمہ کو اس بے سروپا نظریہ کا کوئی علم تھا اور نہ ہی امام حسن عسکریؑ نے اسے بیان کیا۔ اور نہ ہی کسی اور امام عالی مقام کا ایسا کوئی فرمان کتبِ معتبرہ میں موجود ہے پھر نہ معلوم ان مولوی صاحبان کو کس نے یہ وحی کی ہے؟

سرِ خدا کہ عارف و سالک بکس نگفت
در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید؟

امرِ ششم

احادیثِ اہلِ بیت علیہم السلام میں انعقادِ حمل سے لے کر وقتِ ولادت تک کے مکمل حالات و کوائف مذکور ہیں۔ بحار الانوار جلد، جو کہ فضائلِ امامت کے لئے مخصوص ہے ص ۲۶۱ پر پورا ایک باب موجود ہے۔ جس کا عنوان ہے" احوال ولادتھم علیھم السلام وانعقاد نطفھم واحوالھم فی الرحم وعند الولادۃ و برکات ولادتھم صلوات اللہ علیھم فیہ بعض غرائب علومھم وشئونھم" اسی طرح دوسری احادیث میں یہ تفاصیل مرقوم ہیں۔ اس کا ایک شمہ ہم یہاں درج کرتے ہیں۔

(۱) متعدد روایات میں وارد ہے کہ جب امامؑ کے صلب کی طرف انتقال و وقت آتا ہے۔ تو خدا کے حکم سے ایک فرشتہ تحت العرش سے ایک پیالہ خدمتِ امام میں پیش کرتا ہے جس میں ایک مخصوص قسم کا شربت ہوتا ہے۔ جو پانی سے زیادہ رقیق، مکھن سے زیادہ نرم، شہد سے زیادہ شیریں، برف سے زیادہ ٹھنڈا اور دودھ سے زیادہ سفید ہوتا ہے۔ امام عالی مقام اسے نوش کرنے کے بعد خدا کے حکم سے، اس مخدرہ کے ساتھ مقاربت کرتے ہیں جس کے شکم سے حجتِ خدا نے پیدا ہونا ہوتا ہے بعض روایات میں یوں وارد ہے کہ خدا اس مخصوص شربت کا قطرہ دنیا کے کسی پھل یا سبزی پر ڈال دیتا ہے امامؑ اسے تناول کرتا ہے۔ اور اس مخصوص غذا سے نطفہ متکون ہوتا ہے۔ (اس قسم کی تمام احادیث اصول کافی ص ۱۹۵ کتاب الحجۃ، ہفتم بحار ص ۲۶ وغیرہ میں موجود ہیں، ہمارے کرم فرماؤں میں سے صاحبِ حقائق الوسائط نے بھی ص ۲۹ پر ان کا ایک شمہ بذیل عنوان "حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام کی خلقت جسمانی" نقل کیا ہے۔ فراجع)

(۲) جب حمل کو چار ماہ گذر جاتے ہیں۔ تو ایک فرشتہ بحکمِ الٰہی ان کے داہنے کاندھے پر یہ آیت مبارکہ لکھتا ہے

"وتمت کلمۃ ربک صدقاً وعدلاً لا مبدل لکلماتہ وھو السمیع العلیم"۔ بعض دوسری روایات میں وارد ہے کہ یہ آیت ولادت کے بعد لکھی جاتی ہے بعض شارحین کا خیال ہے کہ اس کتاب سے مراد استعارہ تمثیلیہ ہے۔ (صافی شرح کافی جزو ۳ حصہ ۱ ص ۲۵۴)

(۳) امام شکم مادر میں کلام سنتا ہے۔ چنانچہ امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں "لا تتکلموا فی الامام فان الامام یسمع الکلام وھو فی بطن امہ"۔ امام کے متعلق (لایعنی) باتیں نہ کرو۔ امام (کی یہ شان ہے) کہ وہ شکم مادر میں ہی کلام سنتا ہے۔ (اصول کافی ص ۹۹ ہفتم بحار ص ۲۶۳ بصائر ص ۲۳۵ طبع جدید)

(۴) امام جب شکم مادر میں ہوتا ہے تو سورہ انا انزلناہ وغیرہ بعض سور و آیات کی تلاوت کرتا ہے (حق الیقین مجلسی ص ۲۵۳ حدیقۃ سلطانیہ ص ۱۶۹)

(۵) اسحاق بن امام جعفر صادقؑ نے اپنے والد ماجد سے خلقت امام علیہ السلام کے متعلق جو طویل روایت نقل کی ہے اس میں وارد ہے "فاذا کان لتسعۃ من شہرھا سمعت فی البیت حساً شدیداً" (اصول کافی ص ۱۹۸ بحار ج ۷ ص ۲۶۳) جب حمل کو نو ماہ گذر جائیں تو مادر امامؑ گھر میں سخت حس و حرکت کی آواز محسوس کرتی ہیں۔" اس عبارت کا ترجمہ فاضل قزوینی نے صافی شرح اصول کافی (جزو ۳ حصہ ۲ ص ۳۹) پر یوں کیا ہے "پس وقتیکہ شد نہ از ماہہائے ابستنی او بشنود درخانہ آواز حرکتے سخت چنانچہ جمعے بسیار تردد کنند"۔ (کذا فی منتہی الآمال ج ۲ ص ۲۵۲)

(۶) جب امامؑ کی ولادت ہوتی ہے تو طاہر و مطہر و ناف بریدہ، ختنہ شدہ، رو بقبلہ پیدا ہوتا ہے۔ دونوں ہتھیلیاں زمین پر رکھتا ہے سر آسمان کی طرف بلند کرکے توحید و رسالت کی شہادت دیتا ہے (اصول کافی ص ۱۹۸ ہفتم بحار ص ۲۹۵، ۲۶۴ وغیرہ) بعض آثار سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ذکر شہادتین کے ساتھ ساتھ امام لاحق۔ امام سابق کی امامت کی بھی گواہی دیتا ہے۔ (منتہی الآمال ج ۲ ص ۲۲۴)

ان حالات و کوائف میں ارباب عقل و دانش کے لئے لمحۂ فکریہ موجود ہے کہ جب ائمہ معصومینؑ کے ارشادات یں اول حمل سے لے کر نو ماہ تک اور پھر وضع حمل تک کے تمام جزئی جزئی حالات و کیفیات کتب معتبرہ و اصول معتمدہ میں وجود ہیں تو آیا ان تمام حقائق کو نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔ بہرحال ان حقائق کی روشنی میں یہ بات کالنار فوق المنار واضح و شکار ہوگئی کہ انبیاءؑ و ائمہؑ بھی جسمانی و بدنی خلقت کے اعتبار سے عالم خلق سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔ ہاں ان کے صوصیات انہی کے ساتھ خاص ہیں۔ ان خصوصیات کا انکار کرنا کھلم کھلا تقصیر و تفریط ہے بالکل اسی طرح جس طرح انکی ی تدریجی ولادت کا انکار کرنا بھی کھلا ہوا غلو و افراط ہے۔ مگر اب تو بعض بے لگام مقررین نے اس ساری بحث کا ری کردیا ہے۔ یہ کہہ کر کہ یہ بزرگوار نہ کسی سے پیدا ہوتے ہیں اور نہ ان سے کوئی پیدا ہوا ہے۔ جیسا کہ موثق ذرائع سے وم ہوا ہے گویا کہ یہ حضرات لم یلد ولم یولد کے مصداق ہیں۔ اس طرح بیک حرکت زبان ائمہ اطہارؑ اور سادات اخیار

کے حسب و نسب کو ہی ختم کر دیا گیا (خاک بدہن قائل) انا للہ و انا الیہ راجعون کاش ؎

کرتا کوئی اس بندۂ گستاخ کا منہ بند

انبیاء و ائمہؑ کے صاحب علمِ لدنی ہونے کا بیان

یہ درست ہے کہ انبیاءؑ و ائمہ علیہم السلام عام لوگوں کی طرح شکم مادر سے جاہل (معاذ اللہ) پیدا نہیں ہوتے بلکہ مبدا و فیض سے علم و معرفت لے کر عرصۂ ہستی میں قدم رکھتے ہیں اور وہ صاحب علم وہبی و لدنی ہوتے ہیں۔ ان کا علم کسبی و تحصیلی نہیں۔ مگر یہ کہنا بھی ہرگز صحیح نہیں کہ وقت ولادت ہی تمام علوم کے اس طرح ماہر ہوتے ہیں کہ اس میں مزید کچھ اضافہ کی گنجائش ہی نہ ہو۔ بلکہ علم میں اضافہ و ازدیاد کا سلسلہ ان کے آخری لمحات حیات بلکہ اس کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔ اس امر کی مزید وضاحت تو ہم اس کتاب کے باب ششم و باب ہفتم میں پیش کریں گے۔ یہاں صرف اس قدر اشارہ کر دینا کافی ہے کہ جہاں قرآن مجید میں یہ وارد ہے کہ لبشرہ بغلام علیم (پ س ذاریات ع ۲) یعنی فرشتوں نے جناب ابراہیمؑ کو صاحب علم بچے کی ولادت کی بشارت دی۔ وہاں حضرت یوسفؑ کے بارے میں قرآن مجید میں خدا کا یہ فرمان بھی موجود ہے ولما بلغ اشدہ اٰتیناہ حکماً و علماً (پ ۱۲ س یوسف ع ۱۳) اور جب وہ اپنی پوری قوت کو پہنچ گیا۔ تو ہم نے اس کو حکمت و علم عطا کیا۔ اسی طرح جناب موسیٰؑ کے متعلق خدا کا یہ ارشاد موجود ہے ولما بلغ اشدہ و استویٰ اٰتیناہ حکماً و علماً (پ ۲۰ سورہ قصص ع ۲) اور جب کہ موسیٰؑ اپنی پوری قوت کو پہنچے اور خوب ہاتھ پاؤں نکالے تو ہم نے ان کو فیصلہ کی قوت اور علم عطا کیا۔ (ترجمہ مقبول) اسی طرح سرکار ختمی مرتبتؐ کو خدا کا یہ حکم دینا بھی قرآن میں موجود ہے۔ کہ قل رب زدنی علماً اے میرے پروردگار میرے علم میں اضافہ فرما۔

انبیاء و ائمہ پر مواد ارضی کے اثر انداز نہ ہونے کے خیال کا ابطال

باقی رہا یہ خیال کہ مواد ارض اور عناصر ان پر اثر انداز نہیں ہوتے تو اس کے متعلق صرف اتنا بتا دینا ہی کافی ہے کہ وہ زہر جس سے ائمہ اطہارؑ کو شہید کیا جاتا رہا ہے آیا و مواد ارضی سے تعلق رکھتی تھی یا عالم بالا سے منگوائی گئی تھی؟ نیزہ و تیر اور سنان و شمشیر جن سے ان بزرگواروں کی شمع کو گل کیا جاتا رہا ہے کیا وہ بھی زمین کے موالید ثلاثہ میں سے جمادات سے تعلق رکھتے تھے یا وہ بھی آسمان سے اتر تھے؟ اب دو ہی راستے ہیں۔ ایک یہ کہ اقرار کیا جائے کہ ان ذوات مقدسہ پر عناصر و مواد ارضی اثر انداز ہوتے ہیں وھو الحق، یا پھر نصیریوں کی طرح کھلم کھلا ان کی شہادتوں کا انکار کر دیا جائے۔ ؎

بیفگن پردہ تا معلوم گردد　　کہ یاراں دیگرے را می پرستند

اس مقام پر جناب یونسؑ کے شکم ماہی میں، جناب ابراہیمؑ کے آتش نمرودی میں اور جناب موسیٰؑ کے صند میں بسلامت رہنے کو اس مطلب کی دلیل میں پیش کرنا بالکل لغو اور غیر متعلق ہے۔ کیونکہ قرآن اور سرکار محمد و آل مح

کا فرمان شاہد ہے کہ یہ سارا انتظام خدائے قادر و قیوم نے اپنی قدرتِ کاملہ سے کیا تھا۔ (واذ قلنا یا نار کونی بردًا و سلامًا) یہاں بزرگواروں کے اجسام کی خاصیت اور ان کا طبعی تقاضا نہ تھا۔

افسوسناک روش و رجحان

اس بات کا رونا ہم کئی بار رو چکے ہیں کہ بدقسمتی سے ہماری قوم میں ذاتی خیالات اور شیطانی قیاسات کو مذہبیات و ایمانیات سمجھنے کا رجحان منبر پر اکثر نااہلوں کے تسلط و قبضہ کی وجہ سے دن بدن بڑھتا جا رہا ہے اور روز بروز نئے نئے نظریے جنم لے رہے ہیں۔ جن میں سے اکثر و بیشتر کا اس کتاب میں نشاندہی کر کے بعونہ تعالیٰ قلع قمع بھی کر دیا گیا ہے۔ سردست جس چیز پر مختصر الفاظ میں یہاں تبصرہ کرنا مقصود ہے وہ یہ ہے کہ ہم نے سطورِ بالا میں خود ائمہ طاہرینؑ کے مستند فرامین کی روشنی میں ثابت کر دیا ہے کہ ان کی جسمانی اور ظاہری ولادتیں انسانی قانون۔۔۔ قدرت و فطرت کے مطابق ہوتی ہیں۔ مگر بعض لوگوں نے ان مطہرین عن الارجاس (الذین لا یقاس بہم احد من الناس) ذواتِ قادسہ کے زن و شوہر والے جنسی تعلقات (جن پر بحث کرنا بھی سوءِ ادبی ہے) کا "مور" کے نر و مادہ والے تعلقات پر قیاس بے اساس کرتے ہوئے ان کے انسانی قانونِ فطرت کے مطابق ہونے کا انکار کر دیا ہے۔ اس کے متعلق یہاں بڑے اختصار کے ساتھ صرف یہ کہنا ہے کہ اولاً تو کائنات کے سید و سردار ان بزرگواروں کا قیاس ایک حرام پرندہ پر کرنا سراسر ان کی توہین ہے۔ ثانیاً شریعت مقدسہ میں قیاس کرنا اور اس پر عمل کرنا حرام ہے، مستند شرعی دلیل کے بغیر قیاس پر کسی عقیدہ یا عمل کی بنیاد قائم نہیں کی جا سکتی۔ ثالثاً۔ یہاں مور کے نر و مادہ والے جن خیالی تعلقات پر قیاس کیا گیا ہے وہ سرے سے خیال ہی غلط ہے۔ خود حضرت امیر المومنینؑ نے اس زعم فاسد کی تردید فرمائی ہے اور یہ فرمایا ہے کہ ان کے مابین مرغ اور مرغی جیسے تعلقات ہوتے ہیں (نہج البلاغہ ج ۲ ص ۸۳ طبع مصر در خطبہ صفتِ طاؤس) بایں ہمہ اگر حقیقت میں کچھ شک و شبہ ہو وہ کسی بھی چڑیا گھر میں جا کر بچشم خود اس امر کا مشاہدہ کر کے تصدیق کر سکتا ہے۔ ع

بعد اس کے دیکھئے ابھی کیا کیا کھلیں گے گل

پس ان حقائق سے واضح و آشکار ہو گیا کہ انبیاء و ائمہ علیہم السلام کی ہرگز کوئی علیحدہ نوع نہیں ہے۔ بلکہ وہ نوعِ انسانی کے ہی مقدس و معصوم افرادِ کاملہ ہیں۔ وھو المقصود و قد حصل بعون اللہ الودود۔ ھذہٖ تذکرۃ فمن شاء اتخذ الی ربہ سبیلاً۔

دُوسرا باب

انبیاء و ائمہ علیہم السّلام کے نُور یا بشر ہونے کا بیان

اگرچہ پہلے باب میں جو حقائق پیش کئے گئے ہیں وہ زیر بحث موضوع میں اہل حق و حقیقت کو سمجھنے کے لئے کافی ہیں لیکن چونکہ اس موضوع پر بڑے شد و مد اور زور و شور سے بحث و مباحثہ کا سلسلہ شروع ہے اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ اس مسئلہ پر بھی ایک مستقل باب میں نہ صرف عقل عام بلکہ تعلیم قرآن، فرمان نبیؐ و امامؑ اور شیعہ علماء اعلام کے کلام کی روشنی میں مکمل تبصرہ کر دیا جائے۔ واللہ سبحانہ ولی التوفیق۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر چشم بصیرت سے دیکھا جائے تو اس مسئلہ میں چنداں بحث کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ امر عند الکل مسلم و محقق ہے کہ انبیاءؑ یا ان کے اوصیاءؑ بشر ہوں تو، اور نور ہوں تو، ہیں تو بہرحال معصوم و مطہر اور واجب الاطاعت بنا بریں ہمارا اصل کام تو ان کے ارشادات و احکام کی تعمیل کرنا ہے نہ کہ ان کی حقیقت و ماہیت سے بحث کرنا۔

ذات سے بحث کرنے کا آغاز کس نے کیا تھا؟

جو لوگ در اصل عمل چور ہوتے ہیں وہ عمل کی بجائے لا یعنی بحثوں میں خود اُلجھنے اور دوسروں کو اُلجھانے میں ہی اپنی سلامتی سمجھتے ہیں وہ چونکہ کردار کی بجائے صرف گفتار کے غازی ہوتے ہیں۔ اس لئے اکثر و بیشتر وہ انہی چیزوں کے متعلق بحثیں کرتے ہیں جن کے متعلق خدا اور رسولؐ نے خاموشی اختیار کی ہو۔ اور انہی چیزوں سے پہلو تہی کرتے ہیں جن کا خدا اور رسولؐ نے حکم دیا ہو۔ زیادہ دور نہ جائیے اسی متنازعہ مسئلہ ہی کو لے لیجئے پورے قرآن اور سارے دفتر حدیث میں کہیں کوئی ایسی آیت یا حدیث نہیں ملتی جس میں یہ حکم دیا گیا ہو کہ تم نبی و امام کی ذات و ماہیت معلوم کرو۔ کہ کیا ہے؟ بلکہ خدا تو اپنی اطاعت کے ساتھ ساتھ نبی و امام کی اطاعت و فرمانبرداری کرنے کا بار بار حکم دیتا ہے (اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم)۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیشہ کردار کے غازی عمل پر زور دیتے ہیں اور گفتار کے غازی لا یعنی بحثوں پر۔ چنانچہ کسی کی ذات و اصلیت کی بحث کا آغاز بھی بے عملوں کے پیر مغاں یعنی شیطان علیہ اللعن نے اس وقت کیا تھا جبکہ خالق حکیم نے اس کو عمل کرنے یعنی آدمؑ کے سامنے جھکنے کا حکم دیا تھا۔ تو اُس شقی ازلی نے تعمیل حکم کرنے سے انکار کر دیا اور بموجب خوئے بد را بہانہ بسیار بہ ذات اور اصل خلقت کی بحث شروع کر دی۔ کہ انا خیر منہ خلقتنی من نار و خلقتہ من طین (پ۔ س ص ع ۵)

"میں آدمؑ سے بہتر ہوں کیونکہ تُو نے مجھے آگ سے اور آدمؑ کو مٹی سے پیدا کیا ہے"، الغرض اس نے اپنے قیاس فاسد میں اپنے مادۂ خلقت کو جناب آدمؑ کے مادۂ خلقت سے بہتر سمجھتے ہوئے جہاں ان کے سامنے اپنی گردن خم کرنے سے انکار کر دیا وہاں اصل و ذات کے متعلق کبھی نہ ختم ہونے والی بحث کا آغاز بھی کر دیا۔ مطالعہ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ نگاہ قدرت میں یہ بحث اس قدر غلط و لایعنی تھی کہ خدائے حکیم نے اس کا جواب دینا بھی مناسب نہ سمجھا اور فوراً ابدی لعنت کا طوق اس کی گردن میں ڈال کر راندۂ درگاہ بنا دیا۔

تکبر عزازیل را خوار کرد
بزندانِ لعنت گرفتار کرد

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابلیسؔ کی اتباع کرنے والوں کا انجام بھی اس سے مختلف نہیں ہوگا قال الصادق علیہ السلام من قاس فی الدین قرنہ اللہ مع ابلیس یوم القیامۃ اعاذنا اللہ وجمیع المؤمنین من ھذہ السیئۃ الغیر المرضیۃ

عظمت وفضیلت کا قرآنی معیار کیا ہے؟

یہی وجہ ہے کہ ائمہ طاہرین علیہم السلام ہوں یا علمائے اسلام انہوں نے کسی کی عظمت و افضلیت ثابت کرنے کے لئے کبھی اس کی ذات و ماہیت کو پیش نہیں کیا بلکہ ہمیشہ قرآنی معیار کی کسوٹی پر پرکھ کر اسے افضل قرار دیا ہے۔ اب رہی اس امر کی تحقیق کہ قرآن نے افضلیت کا معیار کس چیز کو قرار دیا ہے؟ تو یہ بات قرآنی تعلیمات پر نظر رکھنے والے حضرات پر ڈھکی چھپی نہیں ہے قرآن نے علم و عمل کی فراوانی اور طاقت و قوتِ جسمانی میں برتری کو کسی کی افضلیت و برتری معلوم کرنے کا میزان قرار دیا ہے نہ کہ مادہ خلقت کو کہ وہ نور ہے یا نار، مٹی ہے یا کوئی اور چیز؟ اس موضوع پر آدمؑ و ملائکہ والا قرآنی واقعہ نص صریح ہے ظاہر ہے کہ فرشتوں کی خلقت محض نور سے اور طینت سے ہوئی ہے۔ مگر جب خالق کائنات نے خلافت کا عہدہ جلیلہ آدمؑ کے سپرد کرنے کا اعلان کیا۔ اور فرشتوں نے (بطور استفہام ہی سہی) کچھ لب کشائی کی۔ تو حکیم مطلق نے ان کا علم کے ذریعہ سے امتحان لیا اور جب آدمؑ اس امتحان میں کامران اور فرشتے ناکام ہوگئے تو قرآن شاہد ہے کہ فرشتوں نے آدمؑ کی برتری تسلیم کرتے ہوئے ان کے سامنے اپنی مقدس گردنیں خم کر دیں۔ اس سے واضح ہوگیا کہ صرف نور ہونا باعث افضلیت* علم کی کثرت (مع العمل ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم) ہے اس لئے ائمہ طاہرینؑ کا ارشاد ہے ان الملائکۃ لخدامنا و خدام محبینا۔ فرشتے ہمارے اور ہمارے خالص محبوں کے خادم ہیں۔ (علل الشرائع ج ۱ ص۵)

اسی طرح ایک اور قرآنی واقعہ سے بھی اس معیار و میزان کی تائید مزید ہوتی ہے جناب شمویل نبی کے زمانہ میں کفار و مشرکین ہمیشہ یلغار کر کے ان کے متبعین کو تاخت و تاراج کرتے، مختلف اذیتیں پہنچاتے اور قتل و غارت کا بازار گرم کرتے۔ بالآخر ان اہل ایمان نے بموجب "تنگ آمد بجنگ آمد" ان لوگوں سے فیصلہ کن نبرد آزمائی کا فیصلہ کیا۔ لیکن چونکہ ان کا

---

* نہیں ورنہ آدمؑ نور نہ ہوتے ہوئے بھی نوریوں سے افضل قرار نہ پاتے بلکہ معیار افضلیت

کوئی حاکم اعلیٰ نہ تھا۔ اس لئے نبی کی خدمت میں درخواست پیش کی۔ اجعل لنا ملکاً نقاتل فی سبیل اللہ۔ ہمارے لئے
ایک دینی حاکم مقرر کیجئے۔ جس کے ساتھ مل کر ہم (کفار) سے جنگ کر سکیں۔ نبیؑ نے ان کی یہ درخواست بارگاہِ ربوبیت
میں پیش کی تو، چنانچہ خدا نے جناب طالوتؑ کو حاکم مقرر کیا۔ جب نبیؑ نے ان کی حاکمیت کا اعلان کیا کہ ان اللہ
قد بعث لکم طالوت ملکاً۔ خدا نے طالوت کو تمہارا حاکم مقرر کیا ہے تو ان لوگوں نے فوراً زبانِ اعتراض دراز
کی کہ انیٰ یکون لہ الملک علینا ونحن احق بالملک منہ ولم یؤت سعۃً من المال۔ بھلا وہ کیونکر ہمارے حاکم
ہو سکتے ہیں۔ ان سے تو ہم حاکم بننے کے زیادہ حق دار ہیں کیونکہ وہ مالدار نہیں (اور ہم مالدار ہیں) ان کو یہ جواب دیکر
مطمئن کیا گیا۔ کہ ان اللہ اصطفاہ علیکم وزادہ بسطۃً فی العلم والجسم۔ خدا نے اس لئے ان کو منتخب
کیا ہے کہ ان کا علم اور قوتِ جسمانی تم سے زیادہ ہے۔“ اس سے روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہو جاتا ہے کہ
معیارِ افضلیت زیادہ خلقت ہے۔ نہ مال و منال کی کثرت اور نہ ہی حسن و جمال کی فراوانی جیسا کہ بعض کوتاہ
اندیش مسلمانوں کا خیال ہے یہی وجہ ہے کہ قدیم الایام سے ہمارے علماء اعلامؒ نے حضرت امیر المومنینؑ اور
ائمہ طاہرینؑ کی افضلیت ثابت کرنے کے لئے ہمیشہ ان کی علمی و عملی برتری اور قوت و طاقت جسمانی کی فراوانی سے
کرکے مخالفین کا ناطقہ بند کیا ہے۔ جیسا کہ کتب کلامیہ پر نظر رکھنے والے حضرات سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے۔

نور و بشر میں کوئی تضاد نہیں ہے

جن لوگوں نے اس مسئلہ کو محورِ قیل و قال اور محاذِ جنگ و جدال
آسمان سر پر اٹھا رکھا ہے ان کے بیانات کا سرسری جائزہ لینے سے
ہوتا ہے کہ انھوں نے نور و بشر کو دو متضاد چیزیں سمجھ رکھا ہے کہ اگر نور ہے تو بشر نہیں اور اگر بشر ہے تو پھر نور نہیں
حالانکہ فی الحقیقت ایسا نہیں ہے یعنی نور و بشر میں کوئی تضاد نہیں۔ بلکہ ایک ہی چیز میں دونوں کا بیک
اجتماع ممکن ہے۔

انبیاءؑ و ائمہؑ میں دو جنبے ہوتے ہیں!

انبیاء عظام یا ائمہ علیہم السلام چونکہ یہ بزرگوار خدا کے اوامر و
بندوں تک اور بندوں کی عرضداشتیں خدا تک پہنچانے میں
مخلوق کے درمیان وسیلہ ہیں اس لئے ان کے دو جنبے ہوتے ہیں۔

(۱) ایک نورانی و روحانی جس کی وجہ سے نظام شریعت میں خدا سے احکام حاصل کرتے اور تکوین میں
قدس میں مخلوق کی شفاعت و سفارش کرتے ہیں۔

(۲) دوسرا حیثیہ بشری و جسمانی جس کی وجہ سے خدائے واحد کے احکام و فرمان بندوں تک پہنچاتے ہیں کما قیل

اُدھر اللہ سے واصل اِدھر مخلوق میں شامل
خواص اس برزخِ کبریٰ میں ہے حرفِ مشدد کا

چنانچہ سرکار علامہ محمد باقر مجلسیؒ ان حضرات کے انہی دو پہلوؤں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں فلابد ان

بیننا وبین الله سفراء وحجب ذو جهات قدسیة وحالات بشریة یکون لهم بالجهات الاولی ارتباط بالجناب الاعلیٰ یاخذون عنه الاحکام والحکم ویکون بهم بالجهات الثانیه مناسبته للخلق یلقون الیهم ما اخذوا عن ربهم فلذا جعل الله تعالیٰ سفرائه ظاهراً من جنس البشر وباطناً مباینین عنهم فی اطوارهم واخلاقهم ونفوسهم وقابلیاتهم فهم مقدسون، روحانیون قائلون انما انا بشر مثلکم لئلا ینفر عنهم امتهم ویقبلوا منهم ویانسوا بهم لکونهم من جنسهم وشکلهم والیه یشیر قوله تعالیٰ ولو جعلناه ملکاً لجعلناه رجلاً وللبسنا علیهم ما یلبسون" (رسالہ اعتقادیہ مطبوع معہ توحید الصدوق ص۴۸۲ وعلی هامش عقائد الصدوق مع شرح باب حادیعشر ص۹۶) یعنی "ہمارے اور ہمارے خدا کے درمیان ایسے حجاب وسفراء کا ہونا ضروری ہے جن میں دو جنبے ہوں۔ ایک جنبۂ قدسی اور دوسرا جنبۂ بشری۔ تاکہ پہلے جنبہ کی وجہ سے ان کا خدائے تعالیٰ سے ربط وتعلق ہو۔ اور اس سے احکام واوامر لے سکیں اور دوسرے جنبہ کی بنا پر مخلوق کے ساتھ مناسبت رکھنے کی وجہ سے جو کچھ (احکام واوامر) خدا سے حاصل کئے ہیں ان تک پہنچا سکیں۔ اس مقصد کے لئے خدائے عزوجل نے اپنے سفراء وانبیاءؑ کو ظاہری خلقت کے اعتبار سے تو بشر (وانسان) کی قسم سے ہی بنایا۔ لیکن باطنی طور پر اخلاق واطوار کے تئیں (پاکیزہ) نفوس اور ان کی قابلیت کے لحاظ سے ان کو ان سے جدا قرار دیا۔ (غرضیکہ بشر وانسان ہونے میں باہم شریک اور صفات وکمالات میں جدا جدا) اس لئے یہ تمام نقائص) سے مقدس وپاک روحانی ہیں۔ جو زبان قال سے یہ کہتے ہیں کہ ہم تمہارے جیسے بشر ہیں۔ تاکہ ان کی اُمتیں ان سے نفرت نہ کریں۔ ان کی بات قبول کریں اور ان سے مانوس رہیں۔ کیونکہ وہ انہی کی قسم اور شکل وصورت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسی طرف خدا کے اس ارشاد میں اشارہ ہے کہ "اگر ہم فرشتہ کو نبی بناتے تو (آخر) اس کو بھی مرد صورت بناتے اور جو شبہے یہ لوگ کر رہے ہیں (گویا ہم خود ان پر) اس وقت بھی اوڑھا دیتے"۔ (ترجمہ فرمانؒ) (کذا فی کتاب الاربعین للماحوزی ص۶۱)۔ اسی طرح فاضل محدث ابوالحسن الشریف اپنی کتاب مرآۃ الانوار ص۳۱ پر نبیؐ وامامؑ کے انہی دو جنبوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں "من الجهة الروحانية التی بسببها کانوا قابلین للفیوضات التی اختصت بهم وبها صاروا وسائط الاستفادة من طرف الله تعالیٰ کما انهم من الجهة البشریة کانوا وسائط ایصال احکام الله وغیرها الی الخلق" یعنی "یہ بزرگوار روحانی جہت کی وجہ سے اپنے فیوضات مخصوصہ حاصل کرنے اور خالق ومخلوق کے درمیان وسیلہ بننے کے قابل ہوتے ہیں۔ اور بشریت والے جنبہ کی وجہ سے اللہ کے احکام وغیرہ لوگوں تک پہنچاتے ہیں"۔ ایسا ہی فاضل نوری نے کفایۃ الموحدین ج ۱ ص۱۱۵ پر ضرورت امامؑ ونبیؐ ثابت کرتے ہوئے لکھا ہے "تفاوت مراتب انسان امریست ظاهره وهویدا" پس لازم است وجود شخصے کہ ممتاز باشد بقابلیت امور مذکورہ وذو جهتین باشد تا از جہتے تلقی وحی الٰہی نماید وبجہتی دیگر تبلیغ اوامر ونواہی بمکلفین نماید" یعنی انسانی مراتب ومدارج کا اختلاف ایک کھلا حقیقت ہے لہٰذا ایک ایسے شخص کا وجود ضروری ہے جو دونوں جنبے رکھتا ہو تاکہ ایک جنبہ سے اللہ سے احکام حاصل کرے اور دوسرے

جنبہ کی بنا پر مکلفین تک وہ اوامر و نواہی پہنچا سکے"۔

افادۂ جدیدہ

پس مذکورہ بالا حقائق سے یہ حقیقت واضح و لائح ہو گئی کہ نور و بشریت میں کوئی باہمی تضاد نہیں ہے۔ اور ان بیانات سے ثابت ہو گیا کہ انبیاءؑ و مرسلینؑ ہوں، یا ائمہ طاہرینؑ دو جنبوں کے حامل ہوتے ہیں یعنی جسمانی و بدنی طور پر بشر و انسان اور روحانی طور پر نور۔ لہٰذا ہو سکتا ہے کہ کوئی شئی ذاتی طور پر عناصر سے مرکب ہو اور صفاتی طور پر نور کہلائے۔ آج اس سائنسی ترقی کے دور میں تو یہ امر مشاہدہ میں آ چکا ہے مثلاً خداوند عالم نے قرآنِ مجید میں چاند کو "نور" قرار دیا ہے (وجعل القمر فیھن نوراً) مگر آج اس چاند کی مٹی کا مغربی ممالک کی لیبارٹریوں اور تجربہ گاہوں میں تجزیہ کر کے اس پر مختلف تجربات کئے جا رہے ہیں۔ صاحبانِ عقل و انصاف کے لئے اس مطلب کے اثبات کے لئے یہی مقدار کافی ہے۔ ومن لم یجعل اللہ لہٗ نوراً فمالہ من نور۔

انبیاء و ائمہ کی بشریت کا انکار قرآن کریم، حدیث معصومینؑ اور اجماع مسلمین کی تکذیب ہے

اس قدر تمہیدی بیانات کے بعد اس موضوع پر ذرا تفصیل سے گفتگو کرتے ہیں۔ سو اربابِ بصیرت پر یہ حقیقت مخفی و محتجب نہ رہے کہ انبیاءؑ و مرسلینؑ ہوں یا ائمہ طاہرینؑ وہ یقیناً بشر و انسان کا نمونۂ اکمل ہی ہیں ان کی بشریت و انسانیت کا انکار کرنا درحقیقت قرآن و حدیث اور اجما مسلمین کی تکذیب کے مترادف ہے

بشریتِ انبیاءؑ قرآن و حدیث کی روشنی میں

اہل ایمان کے جلائے ایمان اور زیادتی بصیرت و ایقان کے لئے ذیل میں ہم اس سلسلہ میں چند آیاتِ مبارکہ مختصر تقریبِ استدلال کے ساتھ پیش کرتے ہیں اور ان کے ضمن میں کئی روایات بھی آجائیں گی۔ (۱) خدائے حکیم اس عالمِ آب و گل میں سب سے پہلے نبی حضرت آدمؑ ابو البشر کے بارے میں فرماتا ہے "انی خالق بشراً من طین (پ۲۳ س ص ع ۱۲)" "میں گیلی مٹی سے ایک آدمی بنانے والا ہوں"۔ دوسرے مقام پر ان ہی کے متعلق ارشاد فرماتا ہے انی خالق بشراً من صلصال من حماء مسنون (پ۱۴ س حجر ع ۳) میں ایک آدمی کو خمیر دی ہوئی مٹی سے جو سوکھ کر کھن کھن بولنے لگے پیدا کرنے والا ہوں۔ (ترجمہ فرمانؒ)

تقریبِ استدلال

ان آیاتِ مبارکہ میں بشر، طین، صلصال اور حماء مسنون سب ہی لفظیں خداوند عالم نے صر کی ہیں۔ لغوی اعتبار سے اب ذرا صلصال کی حقیقت بھی سن لیں "بجتی ہوئی مٹی، کھنکھنا ہوئی مٹی۔ وہ خشک مٹی کہ جب اس پر انگلی ماری جائے تو بجنے اور کھنکھنانے لگے صلصال کہلاتی ہے اور بعض نے اس معنی سڑی ہوئی مٹی کے بھی کئے ہیں۔ امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں۔ اصل میں صلصال خشک چیز کے بجنے کا نام ہے اسی سے محاورہ ہے صل المسمار (کھونٹی بجی) اور اسی سے خشک مٹی صلصال سے موسوم ہے (کیونکہ وہ بجتی ہے) ارشاد ہے خلق

صلصال کالفخار (کھنکھناتی مٹی جیسے ٹھیکرا) اور من صلصال من حماءٍ مسنون (کھنکھناتے سنے گارے سے) اور صلصلة باقی ماندہ پانی کا نام ہے۔ جو مشکیزہ میں ہلنے کی کھڑکھڑاہٹ سے مشابہ ہونے کی بنا پر اس نام سے موسوم ہے اور بعض نے لکھا ہے کہ صلصال سڑی ہوئی مٹی ہے یہ عرب کے محاورہ صل اللحم (گوشت سڑ گیا) سے ماخوذ ہے ان کا بیان ہے کہ اس کی اصل صلال ہے، ایک لام کو ص سے بدل لیا گیا ہے فراء کا بیان ہے کہ صلصال وہ مٹی ہے جس میں ریگ ملی ہوئی ہو۔ اور اس طرح بجنے لگے کہ جس طرح ٹھیکری بجتی ہے اور ابو عبیدہ نے لکھا ہے کہ صلصال وہ خشک مٹی ہے جس کو آنچ نہ پہنچی ہو اور جب تم اسے انگل سے ٹھونکو تو بجنے لگے۔ اور تم اس کی کھنکھناہٹ سن لو۔ اور جب وہ آگ میں پکائی جائے تو فخار ہے نیز ہر وہ شئی جو کھن کھن بولے صلصال ہے۔ طبری نے قتادہ سے باسناد صحیح ایسا ہی نقل کیا ہے۔

اعتراض - حضرت آدمؑ کی تخلیق کے بارے میں قرآن مجید میں مختلف عبارتیں مذکور ہیں کہیں ارشاد ہے من تراب (مٹی سے) کہیں فرمایا من طین لازب (چپکتے گارے سے) اور کہیں مذکور ہے من حماءٍ مسنون (رستے گارے سے) اور کہیں وارد ہے من صلصال کالفخار (کھنکھناتی مٹی سے جیسے ٹھیکرا) یہ اختلاف کیوں ہے؟

الجواب - ان عبارتوں میں حقیقت میں کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ مطلب ایک ہی ہے حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت کے مختلف مدارج بیان کئے گئے ہیں۔ کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے اول مٹی سے پیدا کیا پھر اس میں پانی ملا تو طین لازب ہوئی۔ یعنی اس میں چپک پیدا ہوئی اس کے بعد حماءٍ مسنون کہلائی کہ سیاہ ہو گئی اور سڑ گئی پھر جب خشک ہو گئی تو صلصال کالفخار سے موسوم ہوئی کہ ٹھیکری کی طرح کھن کھن بولنے لگی"۔ (لغات القرآن نعمانی ص۲۴ بحوالہ ترجمہ قرآن تفسیر المتقین ص۶۳۷ حاشیہ نمبر۲)

خلقتِ آدمؑ کی کیفیت

احادیثِ اہل بیتؑ میں جناب آدمؑ کی اس طینی خلقت کی پوری تفاصیل موجود ہیں۔ اگر اس سلسلہ میں نہج البلاغہ کے پہلے خطبہ کا ہی مطالعہ کیا جائے تو کافی و وافی ہے۔

جناب امیر المومنینؑ حضرت آدمؑ کی اس خلقت کا بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں "ثم جمع سبحانہٗ من حزن الارض وسہلها وعذبها وسبخها تربۃً سنّها بالماء حتی خلصت ولاطها بالبلّة حتی لزبت فجبل منها صورۃ ذات احناء ووصول واعضاء وفصول اجمدها حتی استمسکت واصلدها حتی صلصلت لوقت معدود واجل معلوم ثم نفخ فیہ من روحہ فتمثلت انساناً ذا اذهان یجیلها وفکر یتصرف بها۔ وجوارح یختدمها وادوات یقلبها ومعرفة یفرق بها بین الحق والباطل والاذواق والمشام والالوان والاجناس معجوناً بطینة الالوان المختلفة والاشباه المؤتلفة والاضداد المتعادیة والاخلاط المتباینة من الحر والبرد والبلّة والجمود والمساءة والسرور الخ" پھر جب خداوند متعال آسمان و زمین، خورشید و ماہ و ستارگان پیدا کر چکا، اس نے جائے سنگلاخ

وہموار زمین شور اور ارض رخاکی، سے جو قابل کاشت تھی۔ پارۂ ذرات خاکی اکٹھا کیا اس کو پانی میں سانا تاکہ وہ خالص اور پاکیزہ ہو جائے۔ پھر اسے تری سے گوندھا۔ یہاں تک کہ زمین کے عناصر ایک دوسرے میں پیوست ہو گئے۔ اس سے خدا نے ایک صورت پیدا کی۔ اس میں کچھ ٹیڑھی ہڈیاں تھیں، اعضاء تھے، جوڑ تھے، پٹھے تھے۔ اسے ایک خاص مدت اور مخصوص وقت تک اسی طرح رکھا۔ یہاں تک کہ وہ سوکھ کر خشک ہو گئی۔ اور سخت ہو کر کھنکھناہٹ دینے کے قابل ہو گئی پھر خدا نے اس میں اپنی روح پھونک دی۔ اب ایک ایسا انسان پیدا ہو گیا۔ جو ذہین ہے اور ذہن سے کام لیتا ہے۔ جو صاحب فکر ہے اور فکر کو کام میں لاتا ہے جو صاحب اعضاء و جوارح ہے اور ان سے خدمت لیتا ہے وہ اپنے اعضاء کو جس طرح چاہے جنبش دیتا ہے صاحب فہم و فراست ہے حق و باطل میں تمیز کر سکتا ہے۔ وہ چکھنے کی حس کا مالک بھی ہے۔ اور سونگھنے کی حس کا بھی۔ وہ رنگ و جنس میں امتیاز کر سکتا ہے۔ مختلف رنگوں کی مٹی سے بنا ہوا۔ ہم شکل چیزوں سے مرکب جو آپس میں ایک دوسرے کی ضد اور مخالف ہیں ان اخلاط سے ترتیب دیا ہوا جو ایک دوسرے سے معارض ہیں۔ گرمی سے بھی اور سردی سے بھی۔ تری سے بھی اور خشکی سے بھی، اندوہ و خوشحالی سے بھی (خدا نے یہ مخلوق پیدا کی۔ اور آدم نام رکھا) "حاشیہ پر لکھا ہے "گرمی سے مراد صفرا ہے سردی سے مراد بلغم ہے۔ تری سے مراد خون ہے۔ خشکی سے مراد سودا ہے"۔ (نہج البلاغہ ج ۱ ص ۱۲۵) ترجمہ و تحشیہ رئیس احمد جعفری

CIRTAIN.COM

جناب امیر علیہ السلام کے اس فرمان واجب الاذعان سے واضح و عیاں ہو گیا کہ آدم کی مٹی فرشی تھی نہ عرشی۔ اور وہ عناصر اربعہ سے مرکب تھے۔ آیا بعد ازیں بھی کوئی مسلمان ان کے بشر و انسان ہونے کا انکار کرنے کی جرأت و جسارت کر سکتا ہے؟ لیکن من لم یجعل اللہ لہ نورا فما لہ نور۔

(۲) سورۂ ابراہیم میں خداوند عالم کفار کا یہ قول نقل کرتا ہے کہ انہوں نے یہ کہہ کر انبیاءؑ کی نبوت کا انکار کر دیا تھا۔ "قالوا ان انتم الا بشر مثلنا تریدون ان تصدونا عما کان یعبد آباؤنا فاتونا بسلطان مبین (پ ۱۳ س ابراہیم ع ۲) کہ تم بھی بس ہمارے ہی سے آدمی ہو (اچھا اب سمجھے) تم یہ چاہتے ہو کہ جن معبودوں کی ہمارے باپ دادا پرستش کرتے تھے تم ہم کو ان سے باز رکھو (اچھا اگر تم سچے ہو تو) کوئی صاف کھلا ہوا صریح معجزہ ہمیں لا دکھاؤ۔

تقریب استدلال

اب قابل غور بات یہ ہے کہ اگر یہ بزرگوار فی الحقیقت بشر و انسان نہ تھے۔ بلکہ صرف ظاہری جامۂ بشریت میں ملبوس اور حقیقت میں کچھ اور تھے تو یہاں چونکہ صرف ان انبیاءؑ کے بشر ہونے کی وجہ سے ان کی نبوت کا انکار کیا جا رہا تھا۔ تو مقتضائے مقام یہ تھا کہ وہ یہاں یہ جواب دے کر کفار کا ہمیشہ کے لئے ناطقہ بند کر دیتے کہ تمہیں مغالطہ ہوا ہے صرف ظاہر میں ہم تم کو بشر و انسان دکھائی دیتے ہیں ورنہ حقیقت میں ہم کچھ اور ہی ہیں۔ مگر قرآن شاہد ہے کہ انہوں نے ایسا جواب نہیں دیا۔ بلکہ اپنی بشریت کے کھلم کھلا اقرار کے ساتھ ساتھ صرف اپنی خصوصیت کا اظہار فرمایا ہے خدا تعالیٰ نے ان کے جواب کو بایں الفاظ نقل فرمایا ہے "قالت لھم رسلھم ان نحن الا بشر

مثلکم ولکن اللہ یمن علی من یشاء من عبادہ وما کان لنا ان ناتیکم بسلطان الا باذن اللہ وعلی اللہ فلیتوکل المومنون (پ۱۳ س ابراہیم ع ۱۴)" "ان کے پیغمبروں نے ان کے جواب میں کہا کہ اس میں شک نہیں کہ ہم بھی تمہارے ہی سے آدمی ہیں۔ مگر خدا اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنا فضل (وکرم) کرتا ہے (اور رسالت عطا فرماتا ہے) اور ہمارے اختیار میں یہ بات نہیں کہ بے حکم خدا (تمہاری فرمائش کے موافق) ہم کوئی معجزہ تمہارے سامنے لاسکیں اور خدا ہی پر سب ایمانداروں کو بھروسا رکھنا چاہئے" (ترجمہ فرمان)

اس آیت مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ انبیاءؑ کو "بشر" کہنا صرف کفار کا ہی مقولہ نہیں ہے (جیسا کہ بعض غلو نواز حضرات کا خیال ہے) بلکہ اس حقیقت کا خود انبیاء علیہم السلام کو بھی اقرار ہے فرق صرف اس قدر ہے کہ کفار بموجب "کلمۃ حق یراد بہا الباطل" ان کو بشر کہہ کر ان کے خصائص نبوت کا انکار کر دیتے تھے۔ اور انبیاءؑ نے اپنی بشریت کے اعتراف کے ساتھ ساتھ ان خصائص کا اظہار بھی فرما دیا ہے۔ چنانچہ شیخ الطائفہ حضرت شیخ طوسیؒ نے اپنی تفسیر التبیان ج ۶ ص ۲۷۷ پر مذکورہ بالا آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے حکی اللہ تعالیٰ فی ہذہ الآیۃ ما اجابت بہ الرسل الکفار فانہم قالوا لہم ما نحن الا بشر مثلکم ولسنا ملائکۃ کما زعمتم ولکن اللہ من علینا فاصطفانا وبعثنا انبیاء وہو یمن علی من یشاء من عبادہ ولم یکن لنا ان نجیئکم بسلطان۔ ای بحجۃ علی صحۃ دعوانا الا بامر اللہ واطلاقہ لنا فی ذلک۔ (وکذا فی مجمع البیان للطبرسیؒ ج ۶ ص ۳۰۷) یعنی خداوند عالم نے اس آیت میں انبیاءؑ کے اس جواب کی حکایت کی ہے جو انہوں نے کفار کو دیا تھا۔ کہ ہم یقیناً بشر ہیں اور جس طرح تمہارا گمان ہے کہ نبی کو فرشتہ ہونا چاہئے ہم فرشتے نہیں ہیں لیکن خدائے منان نے ہم پر احسان فرمایا ہے اور ہم کو اپنے بندوں میں سے منتخب کر کے نبی بنا دیا ہے اور وہ جس پر چاہتا ہے احسان کرتا ہے اور ہم اپنے دعوے کی صحت وصداقت پر خدا کے امر واجازت کے بغیر کوئی بینہ وبرہان (معجزہ) نہیں لاسکتے۔"

(۲) بالکل ایسا ہی جناب رسول خدا کا یہ ارشاد ہے قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی انما الہکم الہ واحد۔ (اے رسول کہدو) کہ میں بھی تمہارا ایسا ہی ایک آدمی ہوں (فرق اتنا ہے) کہ میرے پاس یہ وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود یکتا معبود ہے۔"

تقریب استدلال

اس آیت مبارکہ میں بھی اسی امر کا اظہار کیا گیا ہے کہ چونکہ کفار آنحضرتؐ کو "بشر" کہتے ہوئے ان کے خصائص کو نظر انداز کر دیتے تھے آنحضرتؐ نے بحکم پروردگار جہاں اپنے بشر وانسان ہونے کا اعلان کیا وہاں اپنی خصوصی خاصیت (وحی نبوت) کا بھی اظہار فرما دیا۔ چنانچہ علامہ طبرسی مجمع البیان ج ۶ ص ۱۱۳ پر اسی آیت کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں لا فضل لی علیکم الا بالدین والنبوۃ ولا علم لی الا ما علمنیہ اللہ تعالیٰ" (یعنی مجھے آپ لوگوں پر سوائے دین اور نبوت کے اور کوئی فضیلت نہیں (ہاں البتہ یہی فضیلت تمام فضائل کی جامع ہے)

تفسیر صافی ص۲۹۳

اور مجھے اتنا ہی علم ہے جتنا خدا نے مجھے عطا فرمایا ہے۔" (احتجاج طبرسی ص۲۵) پر جناب رسولِ خدا سے اور امام حسن عسکری علیہ السلام سے اس آیت مبارکہ کی تفسیر یوں مروی ہے یعنی "قل لھم انا فی البشریۃ مثلکم ولکن ربی خصنی بالنبوۃ دونکم کما یخص بعض البشر بالغنیٰ والصحۃ والجمال دون بعض من البشر فلا تنکروا ان یخصنی ایضا بالنبوۃ" "یعنی اے رسولؐ ان (منکرینِ نبوت) سے کہدو کہ میں بشر ہونے میں تمہاری مانند ہوں لیکن جس طرح خداوند عالم بعض انسانوں کو تونگری، صحت و سلامتی اور حسن و جمال سے نوازتا ہے اور (بعض کو ان چیزوں سے) محروم رکھتا ہے اسی طرح اس خدائے حکیم و علیم نے مجھے مرتبۂ نبوت پر ممتاز کیا ہے (اور تمہیں اس سے محروم رکھا ہے لہٰذا جس طرح تم بعض انسانوں پر خدا کی مذکورہ بالا عنایات کا انکار نہیں کرتے اسی طرح (تم) اس بات کا بھی انکار نہ کرو۔ کہ خدا نے مجھ ہی کو عہدۂ نبوت پر فائز کیا ہے۔" (کذا فی الاحتجاج للطبرسی ص۲۵ عن النبیؐ) جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ رسولؐ کو بشر کہنا کفر اور کفار کا مقولہ ہے۔ اس آیت مبارکہ میں ان کے لئے لمحۂ فکریہ ہے اس سے منطقی شکل کا صغریٰ کبریٰ اس طرح بنتا ہے۔ صغریٰ: خدا نے رسولؐ کو بشر کہا۔ کبریٰ: جو رسولؐ کو بشر کہے وہ کافر ہے۔ نتیجہ:۔ اگر گویم زباں سوزد ع

کردم اشارتے و مکرر نمی کنم

جناب مولانا سید محمد سبطین صاحب نے اس آیت مبارکہ کا ترجمہ و تشریح اس طرح کی ہے "کہدو اے حبیب کہ میں مثل تمہارے بشر ہوں مجھ کو یہ وحی کی گئی ہے کہ تمہارا معبود خدائے وحدہٗ لاشریک ہی ہے اس پر ثابت قدم رہو۔ اور اس سے معافی چاہو اور میں بشر ہوں مگر مجھ کو امتیازِ خاص حاصل ہے کہ علمِ توحید مجھے عطا کیا گیا ہے۔ سبقِ وحدتِ حقیقی مجھے پڑھایا گیا ہے۔ حقیقتِ توحید میرے وجود میں ودیعت کی گئی ہے اور اس سے تم عاری ہو۔ (پیغام توحید ص۶۹)

(۲) سورۂ انبیاءؑ میں خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے وما ارسلنا قبلک الا رجالا نوحی الیھم فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون وما جعلنٰھم جسدا لا یاکلون الطعام وما کانوا خالدین (پ۱۷ س انبیاء ع ۱) "اور اے رسولؐ ہم نے تم سے پہلے بھی آدمیوں ہی کو رسولؐ بنا کر بھیجا تھا۔ کہ ان کے پاس وحی بھیجا کرتے تھے تو اگر تم لوگ خود نہیں جانتے ہو تو عالموں سے پوچھ دیکھو اور ہم نے ان (پیغمبروں) کے بدن ایسے نہیں بنائے تھے کہ وہ کھانا نہ کھائیں۔ اور نہ وہ دنیا میں ہمیشہ رہنے والے تھے۔" (ترجمہ فرمانؒ)

تقریبِ استدلال

ظاہر ہے کہ "رجال" بنی نوعِ انسان کی صنفِ درشت کو ہی کہا جاتا ہے (یعنی مردوں کی) اس آیت مبارکہ میں بھی سابقہ مطلب کا اعادہ کیا گیا ہے چونکہ کفار مکہ آنحضرتؐ کے کھانا کھانے ... بازار میں چلنے پھرنے اور مصائب و شدائد میں گرفتار ہونے غرض کہ ان کے بشر ہونے کی وجہ سے ان کی نبوت کا انکار کرتے تھے جس کا جواب خدائے متعال نے یہ دیا کہ آپؐ سے قبل ہم نے جس قدر انبیاء بھیجے ہیں وہ بھی انہیں صفات سے متصف تھے۔ پھر ان کی نبوت کا اقرار اور آپ کی نبوت کا انکار چہ معنی دارد؟ صاحب مجمع البیان لکھتے ہیں:

"معناه وما جعلنا الانبیاء قبلک اجساداً لا یاکلون الطعام ولا یموتون حتی یکون اکلک الطعام وشربک وموتک علة فی ترک الایمان بک فانا لم نخرجهم عن حد البشریة بالوحی" (ج ۲ ص۴۵ اکذا فی تفسیر التبیان ج ۷، ص۲۲۲ بادنیٰ تفاوت) یعنی اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ہم نے تجھ سے پہلے انبیاءؑ کو ایسا صاحبِ جسم نہیں بنایا تھا کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں یا وہ موت کا ذائقہ نہ چکھتے ہوں تاکہ تمہارا کھانا کھانا، پانی پینا، اور موت کا ذائقہ چکھنا تم پر ایمان نہ لانے کی علت بن سکے کیونکہ ہم نے ان نبیوں پر وحی نازل کرکے ان کو بشریت سے نہیں نکال دیا تھا۔"

(۵) ارشادِ قدرت ہے ھو الذی خلق من الماء بشراً فجعلہ نسباً وصھراً وکان ربک قدیراً (پ۱۹ س فرقان ع ۳) اور وہ وہی ہے جس نے پانی سے آدمی کو پیدا کیا پھر اس کو بیٹا (بیٹی اور بہو) اور داماد بنا دیا اور تمہارا پروردگار (پوری پوری) قدرت رکھنے والا ہے (ترجمہ مقبول ؒ)

تقریبِ استدلال

بکثرت روایاتِ اہلِ بیتؑ میں وارد ہے کہ اس آیتِ مبارکہ میں بشراً سے مراد جناب رسولِ خدا و علی مرتضیٰ ہیں اور نسباً سے خاص ذاتِ نبویؐ اور صھراً سے خاص ذاتِ علویؑ مراد ہے۔ چنانچہ صاحبِ مقدمہ تفسیر مرآۃ الانوار ص۹۵ پر رقمطراز ہیں "فالمراد بالبشر رسول اللہ وعلی صلوات اللہ علیہما کما ان المراد بالصھر علی علیہ السلام وبالنسب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" بنابر اختصار اسی مقدار پر اکتفا کی جاتی ہے ورنہ اگر ان تمام آیات و روایات کو یکجا جمع کیا جائے جن میں ان ذواتِ مقدسہ پر بشر کا اطلاق کیا گیا ہے تو اس کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔ العاقل یکفیہ الاشارۃ والبلید لاینفعہ الف عبارۃ ؎

نی گروید کوتہ رشتۂ معنی رہا کردم   حکایت بود بے پایاں بخاموشی ادا کردم

بشریتِ انبیاءؑ وائمہؑ اتفاقِ علماءِ کاملین کی روشنی میں

اس سلسلہ میں پہلے باب میں بہت سے علماءِ اعلام کا کلام حقیقت ترجمان پیش کیا جا چکا ہے۔ جو ہمارے مدعا پر شاہدِ عادل ہے۔ یہاں مزید بعض علماءِ عظام کا کلام حق توأمان پیش کیا جاتا ہے جناب علامہ سید مہدی قزوینی اپنے رسالہ بوار الغالین ص۲۶ طبع بمبئی پر زیرِ عنوان "من جملة عقائد الشیخ احمد المخالفة لما علیه المسلمون کون النبی وعترته خلقاً فوق بنی آدم" ھذه المقالة عجیبة غریبة مناقضة للکتاب والسنة ولبعض مبانیه فاما الکتاب المجید فقد قال فیه سبحانه قل انما انا بشر مثلکم فانها نص بیّن علی کونه لیس نوعاً غیر البشر واما السنة فکثیرة وهی بعبائر مختلفة منها خبر الخیرة الذی فیه، ثم اختار بنی هاشم فاختارنی منهم ولیس ینافی کونه من البشر وکونه افضلهم لما هو معلوم من وجود الفاضل والمفضول فی کل قسم من المخلوقات من دون ریب فاين الهادی

من المهدی واین الرسول من الرعیة بل این خاتم الرسل من مرتبة غیره من المرسلین؟"
یعنی احمد احسائی کے من جملہ ان عقائد کے جو تمام مسلمانوں کے عقائد کے خلاف ہیں ایک عقیدہ یہ ہے کہ جناب رسول خدا
اور ائمہ ہدیٰ ؑ انسانوں سے مافوق مخلوق ہیں۔" یہ ایک عجیب و غریب نظریہ ہے جو قرآن و سنّت کے مخالف ہے۔
قرآن کے مخالف اس طرح ہے کہ ارشاد قدرت ہے اے رسول کہہ دو میں بھی تمہاری طرح بشر ہوں۔ یہ آیت اس بات پر
نص صریح ہے کہ آنحضرتؐ کی بشر و انسان کے علاوہ اور کوئی نوع نہیں ہے۔ (اور وہ مافوق البشر مخلوق نہیں ہیں) اور سنّت
کے مخالف اس طرح ہے کہ بکثرت روایات مختلف الفاظ و عبارات کے ساتھ آپ کے بشر ہونے پر دلالت کرتی ہیں منجملہ
ان کے ایک وہ روایت بھی ہے جس میں تمام عالم سے بنی ہاشم اور پھر بنی ہاشم سے آنحضرتؐ کو منتخب کرنے کا تذکرہ ہے (البتہ
سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں) کہ ان کو بشر و انسان ماننے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ دوسرے بنی نوع انسان سے
افضل نہ ہوں کیونکہ تمام مخلوقات عالم میں سے ہر ہر قسم میں فاضل و مفضول کا سلسلہ برابر جاری ہے بھلا کہاں ہادی اور
کہاں مہدی، کہاں رسول اور کہاں رعیت۔ بلکہ کہاں خاتم الرسل کا مقام اور کہاں دوسرے رسولوں کا جہاں کیونکہ

ع این زمین را آسمانے دیگر است

عالم جلیل آقائے الشیخ محمد رضا مظفر النجفی اپنے رسالہ عقائد الشیعہ ص ۵۱ طبع نجف پر بعنوان "عقیدتنا فی الائمہ" رقمطراز
ہیں "لا نعتقد فی ائمتنا ما یعتقده الغلاة والحلولیون کبرت کلمة تخرج من افواههم بل عقیدتنا
الخاصة انهم بشر مثلنا لهم ما لنا وعلیهم ما علینا وانما هم عباد مکرمون اختصهم الله تعالیٰ بکرامته
وحباهم بولایته اذ کانوا فی اعلیٰ درجات الکمال فی البشر من العلم والتقوی والشجاعة والکرم
والعفة وجمیع الاخلاق الفاضلة والصفات الحمیدة لا یدانیهم احد من البشر فیما اختصوا
به وبهذا استحقوا ان یکونوا ائمة وهداة ومرجعاً بعد النبیؐ فی کل ما یعود للناس من احکام
وحکم وما یرجع للدین من بیان وتشریع وما یختص بالقرآن من تفسیر وتاویل" یعنی ائمہ کے بارے
میں ہم وہ اعتقاد نہیں رکھتے جو غالی اور حلول کے قائل رکھتے ہیں۔ یہ بہت ہی بڑا مشرکانہ کلمہ ہے جو ان کے مونہوں سے
نکلتا ہے۔ بلکہ ہمارا ان بزرگواروں کے متعلق یہ عقیدہ ہے کہ وہ بشر اور انسان ہیں۔ ان پر بھی تکالیف شرعیہ عائد ہیں
وہ اللہ سبحانہ کے مکرم بندے ہیں۔ خدا نے ان کو مخصوص کرامت و ولایت کے ساتھ ممتاز کیا ہے کیونکہ وہ ان صفات جلیلہ
و اخلاق جمیلہ کے ساتھ متصف تھے۔ جو بشر میں ممکن ہو سکتے ہیں۔ جیسے علم، تقویٰ، شجاعت، سخاوت اور عفت وغیرہ
تمام اخلاق فاضلہ۔ ان خصوصیات میں کوئی بھی بشر ان کی ہمسری نہیں کر سکتا۔ انہی خصائص کی بنا پر وہ اس بات کے
مستحق ہوئے کہ پیغمبر اسلامؐ کے بعد احکام و اسرار، بیان شریعت اور قرآن کی تفسیر و تاویل میں لوگوں کے امام و ہادی اور
مرجع الخلائق قرار پائیں۔ صاحب کفایۃ الموحدین در ج ۱ ص ۵۱۱ پر ضرورت نبوت اور صفات نبی پر دلائل پیش کرتے

ہوئے رقمطراز ہیں: "دلیل چہارم براثبات نبوت مطلقہ اینکہ ببراہین قاطعہ ثابت شد وجوب تکلیف برحق سبحانہ وتعالیٰ چنانچہ ذکر شد سابقاً وشک نخواہد بود کہ ہر کسے قابل تلقی وحی از حضرت آفریدگار نخواہد بود وہر فردے از افراد انسان را استعداد تحمل ایمان باو امر و نواہی ربانی نمی باشد وایں مطلب ثابت است بوجدان وعیان چہ تفاوت مراتب انسان امریست ظاہر وہویدا پس لازم است از وجود شخصے کہ ممتاز باشد بقابلیت امور مذکورہ وذوجہتین باشد تا از جہتے تلقی وحی الٰہی نماید وبجہتے دیگر تبلیغ اوامر و نواہی بمکلفین نماید" یعنی دلائل قاطعہ کے ساتھ سابقاً یہ امر ثابت کیا جا چکا ہے کہ خداوند عالم پر لطفاً واجب ہے کہ بندوں کو عقاید و احکام شرعیہ کی تکلیف دے اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ہر انسان خدا کی وحی اور اس سے احکام حاصل کرنے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ انسانی مراتب کا اختلاف وجداناً معلوم ہے اس لئے ایک ایسے شخص کا وجود ضروری ہے جو وحی کا متحمل اور خدا سے اوامر و نواہی حاصل کرنے کی قابلیت رکھتا ہو۔ اور روحانی وجسمانی دو جنبے رکھتا ہو۔ تاکہ روحانی جنبہ کی بنا پر بذریعہ وحی خدا سے احکام حاصل کرے اور دوسرے جنبہ کی بنا پر مکلفین تک وہ اوامر و نواہی پہنچا سکے" بحمدہ تعالیٰ ان حقائق سے ہمارے بیان کی صداقت روز روشن کی طرح واضح وعیاں ہو گئی کہ انبیاؑ وائمہؑ کے بشر وانسان ہونے کا انکار کرنا قرآن، احادیث معصومینؑ، اجماع علماء و عقلیت اسلام کے انکار کے مترادف ہے۔ قد جاءکم بصائر من ربکم فمن ابصر فلنفسہ ومن عمی فعلیہا وما انا علیکم بوکیل۔

بشریت انبیاء وائمہؑ عقل سلیم کی روشنی میں

عقل سلیم و شرع قویم ہر دو متفق ہیں کہ انبیاؑ و ائمہؑ انسان ہیں۔ اور ان کو انسان ہی ہونا چاہئے۔ اگر وہ بشر وانسان نہ ہوں۔ تو پھر ان کے مقرر کرنے کا جو مقصد ہے وہ فوت ہو کر رہ جائے گا۔ ہم اختصار کے ساتھ بشریت انبیاؑ وائمہؑ کے متعلق عقل سلیم کی روشنی میں چند رموز و اسرار پیش کرتے ہیں۔

رمز اوّل

اگر خدائے متعال عامۃ الناس کے نظریہ کے مطابق فرشتوں کو نبی و امام بنا کر بھیجتا تو اب اگر فرشتہ اپنی اصلی حالت پر آتا اور لوگوں کی بصارت بھی اپنی موجودہ حالت پر قائم رہتی تو وہ اس کا مشاہدہ نہ کر سکتے کیونکہ عام لوگ فرشتہ تو کیا جن کا بھی مشاہدہ نہیں کر سکتے (جیسا کہ ارشاد قدرت ہے یراکم ھو وقبیلہ من حیث لا ترونھم۔ یعنی شیطان اور اس کا گروہ تمہیں دیکھتا ہے مگر تم ان کو نہیں دیکھ سکتے) اس صورت میں اس کے بھیجنے کا مقصد فوت ہو جاتا اس لئے ضروری تھا کہ مجسم ہو کر انسانی شکل وصورت میں ہی آئے۔ اسی لئے خداوند عالم فرماتا ہے ولو جعلناہ ملکاً لجعلناہ رجلاً اگر ہم کسی فرشتہ کو نبی بناتے تو بھی مرد ہی بنا کر بھیجتے۔ لیکن اس صورت میں پھر اعتراض کرنے والے وہی اعتراض کرتے کہ ہم جیسا مرد کیوں نبی بنا کر بھیجا گیا ہے؟ معلوم ہوا کہ لوگوں کے اعتراض سے بچنا تو بہرحال محال ہے اس لئے حکیم کو وہ کام کرنا چاہئے جو تقاضائے حکمت کے مطابق ہو۔ اور وہ یہی ہے کہ بشر وانسان ہی کو ہدایت خلق کے منصب اعلیٰ پر فائز کیا جائے چنانچہ خلاق علیم وحکیم نے ایسا ہی کیا۔ وما جعلناھم جسداً لا یاکلون الطعام۔

رمز دوم اگر نبی و امام فی الواقع فرشتہ ہوتے اور متشکل بشکل انسانی ہو کر آجاتے تو اس صورت میں اُن کے مقرر کرنے کا مقصد فوت ہو کر رہ جاتا۔ لوگ اُن کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیتے اور ان کے معجزات و کمالات بھی ان کی صداقت و حقانیت کی دلیل نہ بن سکتے کیونکہ اس وقت لوگ یہ کہتے کہ چونکہ یہ حضرات فی الحقیقت انسان نہیں اس لئے ان کی طاقت و قدرت ہم سے بدرجہا زیادہ ہے۔ اس وجہ سے یہ محیر العقول کارنامے انجام دے سکتے ہیں اگر ہم بھی ان کی طرح دراصل فرشتے ہوتے تو ہم بھی ایسے کارہائے نمایاں انجام دے سکتے۔ کیونکہ جس طرح پرندہ کے لئے ہوا میں اڑنا معجزہ نہیں اسی طرح فرشتوں کا ایسے کام کرنا بھی ان کے لئے معجزہ نہیں۔ ہاں البتہ انسان کے لئے آلات و اسباب کے بغیر ایسا کرنا ضرور معجزہ ہے جو اس کے خدا کی طرف سے مبعوث ہونے کی قطعی دلیل ہے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ اس طرح ان کا بھیجنا اور نہ بھیجنا برابر ہو جاتے۔ ونقض الغرض محال علی الحکیم۔ واضح رہے کہ یہ دونوں رمزیں جناب رسولؐ خدا کے اس جواب باصواب سے ماخوذ ہیں جو آنحضرتؐ نے کفار قریش کے اس سوال پر کہ خدا نے کسی فرشتہ کو رسولؐ بنا کر کیوں نہیں بھیجا بشر کو کیوں نبی بنایا ہے ارشاد فرمائی تھیں (ملاحظہ ہو احتجاج طبرسی ص۵ طبع النجف)

رمز سیوم اگر انبیاءؑ و ائمہؑ نور مجسم ہوتے تو پھر ان کی چمک دمک اور شان و شکوہ کو دیکھ کر عامۃ الناس کی گردنیں ان کے سامنے خم ہو جاتیں اور قدرت کو جو ابتلاء و آزمائش مقصود ہے کہ بندے صرف کمال کو دیکھیں ظاہری چمک دمک پر فریفتہ نہ ہوں وہ ابتلاء و آزمائش ختم ہو جاتی اس طرح انسان ثواب جزیل کے مستحق نہ رہتے۔ اسی رمز کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے جناب امیر علیہ السلام خطبہ قاصعہ میں فرماتے ہیں " لو اراد اللہ ان یخلق آدم من نور یخطف الابصار ضیاءہ ویبھر العقول رواؤہ وطیب یاخذ الانفاس عرفہ لفعل ولو فعل لظلت لہ الاعناق خاضعۃ ولخفت البلوی فیہ علی الملائکۃ ولکن اللہ سبحانہ ابتلی خلقہ ببعض ما یجھلون اصلہ تمییزاً بالاختبار لھم ونفیا للاستکبار عنھم وابعاداً للخیلاء منھم الخ یعنی " اگر خدا چاہتا تو آدمؑ کو چکاچوند کرنے والے نور اور عقلوں کو حیران کرنے والی چمک اور نفس رساں، نفس میں بسی ہوئی خوشبو سے پیدا کرتا۔ تو ضرور ایسا کرتا اور اگر ایسا کرتا (کہ آدمؑ نور و نکہت کا مجموعہ ہوتے) تو تمام گردنیں تعظیماً جھک جاتیں۔ اور فرشتوں کا یہ امتحان ہلکا ہو جاتا۔ لیکن خداوند پاک نے اپنی مخلوق کا امتحان کچھ ایسی باتوں سے لیا جس کی بنیاد سے وہ ناواقف ہیں تاکہ ان کا امتحان لے کر ممتاز اور ان کے تکبر کو دور اور خود پسندی سے الگ کر دے۔" (نہج البلاغہ ج ۱ ص۱۹۸ ترجمہ رئیس احمد جعفری طبع مصر ج ۲ ص۱۶۲)

انہی حقائق کی بنا پر صاحب صراط الحق فی المعارف الاسلامیہ و الاصول الاعتقادیہ نے ج ۳ ص۳۰ پر خواص انبیاء کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔ " (۴) کونہم کغیرھم فی اوصاف البشریۃ لقولہ تعالی قل انما انا بشر مثلکم یوحی الیّ (الکہف ۱۱۰) ولقولہ وما ارسلنا من قبلک من المرسلین الا انھم لیاکلون الطعام ویمشون فی الاسواق (الفرقان ۲۰)" یعنی اس مقدس گروہ کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ وہ خواص بشری میں دوسرے انسانوں کی مانند ہوں جبکہ

ارشاد خداوندی ہے اے میرے حبیبؐ! کہدو کہ میں تمہاری مانند بشر ہوں۔ ہاں مجھ پر وحی ہوتی ہے نیز ارشاد قدرت ہے۔ "ہم نے تم سے پہلے جتنے بھی رسولؐ بھیجے ہیں وہ سب کے سب طعام کھاتے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے"۔

انبیاء و ائمہؑ کے دُنیاوی جاہ وجلال سے محرُومی کا اصل راز

انبیاء و ائمہ علیہم السلام کے دنیوی مال ومنال، ظاہری جاہ وجلال اور مادی زخارف وخزائن سے تہی دامن ہونے کی اصل وجہ بھی یہی ہے کہ اگر وہ دنیوی اقتدار و اختیار، خزائن ودفائن اور جاہ وجلال کے مالک ہوتے تو ان کے ظاہری اقتدار سے مرعوب ہو کر یا ان کے مال ومنال کی طمع ولالچ میں آکر لوگ انکے آگے سر نیاز جھکا دیتے اور اس طرح مخلص ومنافق، طالب دین اور طالب دنیا کے درمیان امتیاز ختم ہو جاتا۔ اختیار و امتحان ہلکا ہو جاتا اور جزا و سزا باطل ہو جاتی۔ اس لئے خداوند حکیم نے اپنے ان خاص بندوں کے دامن کو ان چیزوں سے تہی رکھا۔ تاکہ جو لوگ ایمان لائیں تو وہ خالصاً لوجہ اللہ لائیں اس میں دنیوی طمع ولالچ کا کوئی جذبہ کارفرما نہ ہو۔ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جناب امیر علیہ السلام مذکورہ بالا خطبہ جلیلہ میں ارشاد فرماتے ہیں "ولو اراد اللہ سبحانہ لانبیائہ حیث بعثھم ان یفتح لھم کنوز الذھبان، ومعادن العقیان، ومغارس الجنان وان یحشر معھم طیر السماء ووحوش الارض لفعل- ولو فعل لسقط البلاء وبطل الجزاء واضمحلت الانباء ولما وجب للقابلین اجور المبتلین- ولا استحق المؤمنون ثواب المحسنین ولا لزمت الاسماء معانیھا ولکن اللہ سبحانہ جعل رسلہ اُولی قوۃ فی عزائمھم وضعفۃ فیما تری الاعین من حالاتھم مع قناعۃ تملأ القلوب والعیون غنیً وخصاصۃ تملأ الابصار والاسماع اذیً الخ (نہج البلاغہ طبع مصر ج۲ ص۱۹۵ و مترجم اردو ج۱ ص۴۸۹) اور اگر خداوند عالم یہی چاہتا تو جب پیغمبر مبعوث فرماتا تو ان کے لئے سونے کے خزانے اور چاندی کی کانیں، جنتوں کے باغ کھول دیتا۔ ان کے ساتھ آسمانوں کے طائر اور زمین کے جانور (ہر وقت) رہتے اور اگر یہ (انتظام) کر دیتا۔ تو آزمائش وجزا بیکار (دوزخ وجنت کی) خبریں رائگاں ہو جاتیں۔ اور (دعوت اسلام) قبول کرنے والوں کو آزمائش میں مبتلا ہونے والوں کا بدلہ اور مومنوں کو احسان کرنے والوں کا جیسا حق نہ ہوتا اور ناموں کے معنی نہ ہوتے (بلکہ کھلی ہوئی باتیں ہوتیں جن کو اختیار کرنے میں کسی باریکی اور ذہنی کاوش کی ضرورت ہی نہ ہوتی) لیکن خدائے پاک نے اپنے رسولوں کو ان کے ارادوں میں صاحب قوت بنایا اور نظر آنے والے عام حالات میں کمزور وسست۔ مگر اس قناعت کے ساتھ جو لوگوں کے دل اور آنکھوں کو ان کے بے فکر و مستغنی ہونے کا یقین دلا دے۔ مگر وہ تنگ حالی (کہ) گہری نظروں اور کانوں کو دکھ دے"۔ ان فی ذلک لرحمۃً وذکری لقوم یؤمنون۔

ایک مشہور مغالطہ کا ازالہ

اس مقام پر بعض غلو نواز حضرات عوام الناس کو یہ مغالطہ دیا کرتے ہیں کہ آیت میں لفظ "مثلکم" وارد ہے نہ "منکم"، مثل شئ کسی شئ کا عین نہیں ہوتا۔ جیسے آنحضرت

ان اکون مثل هذا الغراب وغیرہ آیات سے معلوم ہو سکتا ہے دیکھو حضرت مریمؑ کے پاس جناب جبرئیل شکل بشری بن کر آئے۔ (فتمثل لها بشراً سویا) یہاں تو سب اقرار کرتے ہیں کہ وہ در حقیقت بشر نہ تھا صرف بشری شکل و صورت اختیار کرکے آیا تھا لہذا انبیاءؑ و ائمہؑ کے بارے میں ایسا کیوں تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ نیز یہ حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ نبی کو بشر کہنا کفار کا قول ہے کہ وہ کہا کرتے تھے ابشر یھدوننا ما انت الا بشر مثلنا وغیرہ

پہلا جواب

اس ہیر پھیری یا خود فریبی کا کسی طرح کا جواب باصواب دیا جا سکتا ہے یہ تفسیر بالرائے ہے جو تمام مسلمانوں کے نزدیک ناجائز اور حرام ہے لقولہؐ من فسر القرآن برأیہ فلیتبوأ مقعدہ من النار۔ (تفسیر صافی و کافی وغیرہ) کیونکہ جب حقیقی وارثان علم قرآن، مہابط وحی و تنزیل ائمہ طاہرین علیہم السلام نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر بیان کر دی ہے۔ (جو اوپر درج کی جا چکی ہے) اور انہوں نے نہ آنحضرتؐ کو حدود بشریت سے خارج کیا۔ اور نہ ہی آنحضرتؐ نے اپنے آپ کو۔ تو بعد ازیں ادھر ادھر ہاتھ پیر مار کر آں جنابؐ کے حقیقی بشر و انسان ہونے کی نفی کرنا اور ان کو مثل بشر قرار دینا تفسیر بالرائے نہیں تو اور کیا ہے؟

دوسرا جواب

آں حضرتؐ کو تمام حالات و صفات اور واردات و کیفیات میں عام انسانوں جیسا ماننا درست نہیں ہے ع

چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ حفظ مراتب کا ہمیں پورا پورا خیال ہے ع

گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی

مگر ہیں پھر بھی بشر و انسان، بلکہ حقیقی بشر و انسان ہیں یہی بزرگوار اور انہی کی وجہ سے حضرت انسان اشرف المخلوقات کہلانے کا حقدار ہے۔ نہ کہ ماوشما کی وجہ سے ہم میں اکثر و بیشتر آدمی تو اولئک کالانعام بل ھم اضل کا مصداق ہیں۔ سچ ہے ع

آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

"مثلکم" سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ وہ عین بشر نہیں مشابہ بشر ہیں یہ علوم عربیہ میں مہارت نہ رکھنے اور الفاظ کے موارد استعمال کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے ورنہ معمولی علم و عقل رکھنے والا انسان بھی سمجھ سکتا ہے کہ جو کفار محض اس بنا پر سابقہ انبیاءؑ اور بالخصوص جناب ختم الرسلؐ کی نبوت و رسالت کا انکار کرتے تھے کہ وہ بشر ہیں۔ وہ ان کو ذات و صفات میں اپنے جیسا بشر سمجھتے تھے نہ کہ مشابہ بہ بشر لیکن بایں ہمہ ان کے الفاظ جو قرآن مجید نے پیش کئے ہیں وہ یہی ہیں ان انتم الا بشر مثلنا "تم نہیں ہو مگر ہماری طرح کے بشر" ما انت الا بشر مثلنا "تو نہیں ہے مگر ہماری طرح بشر"۔ وہ اہل زبان تھے: الفاظ کے موارد و مواقع استعمال سے کماحقہ واقف تھے۔ ان کو اپنی زبان دانی پر اس قدر فخر و ناز تھا کہ اپنے علاوہ تمام اہل عالم کو عجم (گونگا) سمجھتے تھے مگر بایں ہمہ جب انہوں نے انبیاءؑ کو من کل الوجوہ ہو بہو اپنی طرح بشر ثابت کرنا چاہا تو لفظ "مثل" لائے۔ اور انبیاءؑ نے بھی ان کے جواب میں اپنی بشریت کا انکار نہیں کیا۔ بلکہ یہ کہا کہ ان نحن الا بشر مثلکم

ہاں یہ درست ہے کہ ہم بھی تمہاری طرح بشر ہیں) اس امر کا اقرار کیا۔ ہاں کفار نے ان کو اپنے جیسا بشر قرار دیتے ہوئے چونکہ ان کے خصائص کا بھی انکار کر دیا تھا۔ اس لئے انبیاء علیہم السلام نے اپنی بشریت کے اقرار کے ساتھ ساتھ اپنے ان خصائص کا بھی اظہار کر دیا کہ ولکن اللہ یمن علی من یشاء من عبادہ "لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے اپنا انعام فرما دے (تم اس انعام الٰہی کا انکار نہ کرو) چنانچہ تفسیر صافی ص۲۹۲ پر اس آیت مبارکہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے سلموا مشارکتھم فی البشریۃ وجعلوا الموجب لاختصاصھم بالنبوۃ فضل اللہ ومنہ علیھم بخصائص فیھم لیست فی ابناء جنسھم یعنی حضرات انبیاء علیہم السلام نے کفار کے جواب میں یہ تسلیم کر لیا ہے کہ وہ بشریت میں ان لوگوں کے ساتھ شریک ہیں اور درجۂ نبوت کے ساتھ اختصاص کا سبب انہوں نے خداوند عالم کے فضل و احسان کو قرار دیا ہے۔ ان خصائص و صفات کی وجہ سے جو ان کے دوسرے ابناء جنس میں نہ تھیں" اس بیان سے یہ حقیقت واضح و آشکار ہو گئی کہ کبھی لفظ مثل "شئی بمعنی "عین شئی" بھی استعمال ہوتا رہتا ہے لہٰذا مثل ہٰذا العذاب وغیرہ آیات سے استدلال کرنا بے جا ہے۔ عربی زبان (جو ام الالسنہ ہے) کی وسعت کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہئے۔ (تفصیل فقہ اللغۃ ثعالبی میں دیکھی جا سکتی ہے من شاء فلیرجع الیہ) بعد ازیں بھی کوئی شخص یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ انبیاءؑ کو بشر کہنا کفار کا مقولہ ہے؟ اگر اب بھی کوئی شخص "لا نسلم" کہتے ہوئے یہی رٹ لگاتا رہے تو پھر ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ انبیاءؑ کو ظاہر میں بشر اور حقیقت میں فرشتہ یا کچھ اور سمجھنا کافر زنانِ مصر کا مقولہ ہے جنہوں نے جمال یوسفؑ سے مسحور ہو کر کہا تھا ما ھٰذا البشر اُن ھٰذا الا ملک کریم

تیسرا جواب

اگر تاحال تسلی نہ ہو اور اس بات پر اصرار ہو کہ جواب میں ضرور کوئی ایسی آیت پیش کی جائے جس میں ان بزرگواروں کے لئے "منکم" "یا منھم" یا "من انفسکم" یا "من انفسھم" وغیرہ الفاظ کی تصریح موجود ہو۔ یا اس میں "مثل بشر" کی بجائے صرف بشر کہا گیا ہو تو لیجئے اتمام حجت کے لئے ایسی چند آیات صریحہ بھی پیش کی جاتی ہیں۔

جناب پیغمبر اسلامؐ کا یہ ارشاد بمطابق فرمان رب العباد قرآن میں موجود ہے قل سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا (پ۱۵ سورہ بنی اسرائیل ع ۱۰) (اے رسولؐ) کہدو کہ سبحان اللہ! میں ایک آدمی (خدا کے) رسولؐ کے سوا آخر اور کیا ہوں؟ اس آیہ وافی ہدایہ میں جیسا کہ ظاہر ہے مثل کی لفظ موجود نہیں ہے ایک اور مقام پر ارشاد ایزدی ہے کما ارسلنا فیکم رسولا منکم یتلوا علیکم ایاتنا (سورہ بقرہ پ۲ ع ۲) مسلمانو! یہ احسان بھی ویسا ہی ہے جیسے ہم نے تم میں تم ہی میں کا ایک رسول بھیجا جو تم کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائے" اس آیت مبارکہ میں جیسا کہ ان حضرات کا مطالبہ تھا لفظ "منکم" موجود ہے۔ اسی طرح ذات احدیت کا فرمان ہے لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلوا علیھم ایاتہ (پ۴ س آل عمران ع ۸) خدا نے تو ایمانداروں پر بڑا احسان کیا کہ ان کے واسطے انہی کی قوم کا ایک رسولؐ بھیجا جو انہیں خدا کی آیتیں پڑھ پڑھ کے سناتا ہے۔ یہاں

من انفسہم کہہ کر خلاق عالم نے ان کے نوع بشر سے ہونے کی تاکید مزید فرمائی ہے نیز ارشاد قدرت ہے لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم و بالمؤمنین رؤف رحیم (پ ۱۱ س توبہ ع ۵) لوگو! تم ہی میں سے (ہمارا) ایک رسولؐ تمہارے پاس آچکا جس کی شفقت کی یہ حالت ہے کہ اس پر شاق ہے کہ تم تکلیف اٹھاؤ اور اسے تمہاری بہبودی کا ہوکا ہے۔ ایمانداروں پر حد درجہ شفیق مہربان ہے" (ترجمہ فرمان) یہاں بھی مطلوبہ الفاظ موجود ہیں فماذا بعد الحق الا الضلال

چوتھا جواب

اس سلسلہ میں آیت فتمثل لہا بشرا سویا اور اس کی مانند بعض دوسری آیات سے تمسک واستدلال کرنا ان حضرات کے علم صرف اور خواص ابواب کی ابجد سے بھی عدم واقفیت کی غمازی کرتا ہے ورنہ اس علم کے ادنیٰ طالب علم بھی اس حقیقت سے واقف ہیں کہ تمثل باب "تفعل" کی ماضی معلوم کا صیغہ ہے۔ اور اس باب کے خواص میں سے نمایاں خاصیت ہے "تکلف و تصنع" یعنی جو صفت کسی کے اندر موجود نہ ہو اسے زور و زبردستی سے اپنے اندر ظاہر کرنا جیسے حدیث میں وارد ہے ان لم تکن حلیما فتحلم۔ اگر تو حلیم و بردبار نہیں ہے تو زبردستی سے اپنے آپ کو حلیم بنا۔ یا جیسے حضرت امیر المؤمنینؑ خطبہ شقشقیہ میں مسلمانوں کی خلافت اول کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں اما واللہ لقد تقمصہا ابن ابی قحافہ وھو یعلم ان محلی منہا محل القطب من الرحی الخ لوگو! خدا کی قسم ابو قحافہ کے فرزند نے پیراہن خلافت کو زبردستی پہن لیا حالانکہ وہ جانتے تھے کہ میں کمالات علمی و عملی کے لحاظ سے اتنا ناگزیر ہوں جتنا چکی کے لئے وہ کھونٹا جس پر اس کی گردش منحصر ہوتی ہے (نہج البلاغہ ج ۱ ص ۱۳۶ ترجمہ رئیس احمد ندوی طبع لاہور) بنا بریں اس آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ فرشتہ نے تقاضائے مصلحت زبردستی سے اپنے آپ کو بشر ظاہر کیا جو کہ در حقیقت بشر نہ تھا۔ معلوم ہوا کہ متمثل بہ بشر ہونا اور ہے اور "بشر" یا مثل بشر ہونا اور۔

صرف شکل بدلنے سے خواص و آثار نہیں بدلتے

یہی وجہ تھی کہ جو فرشتہ حضرت مریمؑ کے پاس آیا تھا یا جو فرشتے حضرت ابراہیمؑ و لوطؑ کے پاس گئے تھے اگرچہ وہ متمثل بہ بشر تھے مگر ان میں خواص و آثار اب بھی وہی موجود تھے جو فرشتوں میں ہوتے ہیں۔ چنانچہ قرآن شاہد ہے کہ جب حضرت خلیل الرحمٰنؑ نے ان کی ضیافت کے لئے بھونا ہوا بچھڑا ان کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے "انا رسل ربک" "ہم تمہارے رب کی طرف سے فرستادہ (فرشتے) ہیں" کھانے سے اپنی معذوری ظاہر کر دی

اسی طرح عموماً جناب جبرئیل وحیہ کلبی کی شکل میں متمثل ہو کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوتے تھے نیز ائمہ اطہارؑ کے گھر مختلف الملائکہ ہیں یعنی وہاں برابر فرشتوں کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری و ساری رہتا ہے مگر یہ کسی بھی روایت میں نہیں ملتا کہ انہوں نے یہاں آکر کبھی کوئی کھانے پینے کی چیز کھائی ہو یا پی ہو؟ اس سے بڑھ کر یہ کہ جنگ بدر میں خداوند

نے تین ہزار فرشتے اہلِ اسلام کی نصرت و مدد کے لئے اُتارے تھے۔ یہ بات محتاجِ بیان نہیں کہ جنگ میں بھوک اور بالخصوص پیاس کا غلبہ زیادہ ہوتا ہے مگر کوئی تاریخ یہ نہیں بتاتی کہ انہوں نے کچھ کھایا ہو یا پیا ہو۔ ان حقائق کی روشنی میں یہ بات ناقابلِ انکار حد تک ثابت ہو جاتی ہے کہ اگر کبھی کبھار فرشتے بحکمِ پروردگار انسان کی شکل میں متشکل ہو کر زمین پر آ جائیں تو تب بھی ان کے نوعی آثار و لوازم ان سے منفک و جدا نہیں ہو سکتے۔ یعنی نہ وہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں اور نہ نکاح کرتے ہیں (منہاج البراعۃ ج ۲ ص۸۱ طبع جدید ارشاد صادقؑ)

انبیاءؑ و ائمہؑ میں آثارِ بشریت

مگر ہم دیکھتے ہیں کہ انبیاءؑ و ائمہؑ میں تمام لوازم و آثارِ بشریت (نہ نقائص و عیوبِ بشریت) موجود ہیں۔ مثلاً خورد و نوش، نیند و بیداری، صحت و مرض، نکاح و اولاد، بیوی اور بچے، خوشی و غمی، رونا ہنسنا، بول و براز اور موت و حیات وغیر ذلک من الآثار سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ خود ائمہ اطہارؑ نے اپنے انہی لوازم و آثارِ بشریت کو پیش کر کے ان لوگوں کے زعمِ باطل کی تردید فرمائی ہے جو ان کی الوہیت و ربوبیت کے قائل تھے چنانچہ جناب امام رضا علیہ السلام ایسے لوگوں کی رد میں فرماتے ہیں۔

اولیس علیٌّ آکلاً فی الآکلین و شارباً فی الشاربین و ناکحاً فی الناکحین و محدثاً فی المحدثین وکان مع ذلک مصلیاً خاضعاً بین یدی اللّٰہ ذلیلاً و الیہ اواباً منیباً افمن ھٰذہ صفتہ یکون الٰھاً فلیس منکم احد الا وھو الٰہ لمشارکتہ لہ فی ھٰذہ الصفات الدالات علی حدث کل موصوف بھا الخ یعنی کیا حضرت علیؑ روٹی نہیں کھاتے تھے کھانے والوں میں؟ پانی نہیں پیتے تھے پینے والوں میں؟ کیا وہ نکاح نہیں کرتے تھے نکاح کرنے والوں میں؟ کیا وہ حادث (غیر قدیم) نہیں تھے محدثین میں؟ یہ ترجمہ تو اس بنا پر ہے کہ محدث کی دال پر زبر پڑھی جائے لیکن اگر اس کی دال کو زیر کے ساتھ پڑھا جائے تو پھر ترجمہ یوں ہوگا۔ کیا وہ بول و براز نہیں کرتے تھے۔ بول و براز کرنے والوں میں؟ کیا وہ خداوند عالم کی بارگاہ میں خشوع و خضوع کے ساتھ نماز نہیں پڑھتے تھے۔ اور کیا وہ ربِ جلیل کی بارگاہ میں تضرع و زاری کے ساتھ رجوع نہیں کرتے تھے؟ کیا جس شخص کے یہ صفات ہوں وہ خدا ہو سکتا ہے؟ اگر وہ ان صفات کے باوجود خدا ہیں تو پھر تم سب کے سب خدا ہو کیونکہ تم بھی ان صفات میں ان کے ساتھ شریک ہو۔ جو اپنے موصوف کے حادث ہونے پر دلالت کرتی ہیں (احتجاج طبرسی ص۲۴۲ طبع النجف۔ مرآۃ الانوار ص۶۲ الدمعۃ الساکبہ ج ۳ ص۹۵ ہفتم بحار ص۲۴۱ وغیرہ)

(۲)۔ نیز انہی امام ثامن ضامنؑ سے مروی ہے۔ صفات و علامات امامؑ کے سلسلہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔ "ان الامام مؤید بروح القدس و بینہ و بین اللّٰہ عمود من نور یری فیہ اعمال العباد وکلما احتاج الیہ لدلالۃ اطلع علیہ و یبسطہ اللّٰہ فیعلم و یقبض عنہ فلایعلم والامام یولد و یلد و یصح و یمرض و یاکل و یشرب و یبول و یتغوط و ینکح و ینام و ینسی و یسہو و یفرح و یحزن و یضحک و یبکی و یحیی و یموت و یقبر و یزار و یحشر و

یوقف ویعرض ویسئل ویثاب ویکرم ویشفع و دلالته فی خصلتین فی العلم واستجابة الدعوة وکل ما اخبر به من الحوادث التی تحدث قبل کونها فذلک بعهد معهود الیه من رسول اللہ صلی اللہ علیه وآله وسلم توارثه عن ابائه عنه علیهم السلام ویکون ذلک مما عهده الیه جبرئیل عن علام الغیوب، الخ: یعنی امام کی روح القدس سے تائید کی جاتی ہے۔ اور اس کے اور خدا کے درمیان ایک عمودِ نور ہوتا ہے۔ جس کے ذریعہ لوگوں کے اعمال دیکھتا ہے جس چیز کی احتیاج ہو اس پر مطلع ہو جاتا ہے۔ اس کے لئے علم کشادہ کیا جاتا تو وہ جانتا ہے اور جب قبض کیا جائے تو نہیں جانتا۔ امام (والدین سے) متولد ہوتا ہے اور خود اولاد جنتا ہے۔ تندرست ہوتا ہے اور مریض بھی، وہ کھاتا اور پیتا بھی ہے۔ بول و براز بھی کرتا ہے۔ نکاح و مقاربت کرتا ہے اور سوتا بھی ہے۔ خوش ہوتا ہے اور غمناک بھی۔ ہنستا ہے اور کبھی روتا بھی ہے۔ موت کا ذائقہ چکھتا اور قبر میں دفن بھی ہوتا ہے۔ اس کی زیارت کی جاتی ہے۔ پھر بروز حشر زندہ ہوکر مقامِ حساب میں لایا جائے گا۔ اور سوال و جواب کے بعد اسے ثواب و اکرام سے نوازا جائے گا۔ وہ شفاعت کرے گا اور (مقبول الشفاعہ ہوگا) امام کی امامت دو باتوں سے معلوم ہوتی ہے۔ ایک کثرتِ علم و فضل سے دوسرے دعاؤں کے مستجاب ہونے سے۔ وہ جو قبل از وقت پیشگوئیاں کرتا ہے تو یہ جناب رسولِ خدا سے ایک عہد معہود ہے جو امام تک بطور آنحضرت کی وراثت کے اپنے آباء و اجداد کے توسط سے پہنچا ہے اور آنحضرتؐ کو جبرئیل نے علام الغیوب کی طرف سے اس کی اطلاع دی ہوتی ہے (عیون اخبار الرضا ص۲۱۲ جزو اول باب ۱۹ طبع جدید بحار ج ، ص۱۲۹۔ الخصال ص۲۰۶ وغیرہ۔

اب ان حقائق کی روشنی میں اربابِ عقل و انصاف بتائیں کہ ان ذواتِ مقدسہ کو بشر و انسان نہ ماننا بلکہ نورِ مجسم قرار دینا کہاں تک درست ہے؟ اور فرشتوں کے انسانی شکل میں متشکل ہوکر آنے پر ان حضرات کا قیاس کرنا کہ یہ حضرات بھی صرف انسانی شکل میں متشکل ہیں ورنہ درحقیقت کچھ اور ہیں (علاوہ قیاس کے فی نفسہ باطل ہونے کے) کہاں تک قرینِ عقل و خرد ہے؟ ان فی ذلک لآیةً لمن کان له قلب او القی السمع وھو شهید۔

ایک عذر لنگ کا ازالہ

بعض حضرات ان آیات و روایات (جن میں انبیاءؑ و ائمہؑ کو بشر کہا گیا ہے) کے جواب میں یہ کہہ کر گلو خلاصی کرانے کی ناکام کوشش کیا کرتے ہیں کہ "یہ ہم بھی مانتے ہیں کہ وہ بشر ہیں لیکن بشر ان کی جنس ہے نہ نوع)، اس کے ساتھ فصل روحی، مل کر ان کی علیحدہ نوع بن جاتی ہے۔ اس عذر لنگ کے مکمل ازالہ کے لئے اس کتاب کے پہلے باب کی طرف رجوع کیا جائے جس میں ہم عقلی و نقلی دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ کے ساتھ ثابت کر چکے ہیں کہ بشر کو جنس اور روحی کو فصل قرار دینا ناممکن و محال ہے۔

دوسرا مغالطہ اور اس کا جواب (آنحضرتؐ کے سایہ نہ ہونے کی بحث)

امام محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تین خصوصیتیں ایسی تھیں جو کسی دوسرے میں موجود نہ تھیں۔ ایک تو آنحضرتؐ کا سایہ نہ تھا

دوسرے جب کسی راستہ سے گذرتے تھے تو تین روز تک وہاں خوشبو رہتی ۔ تیسرے جب کسی حجر یا شجر کے پاس سے گذرتے تو وہ سجدہ ریز ہو جاتے تھے (کافی ص ۴۴۰ ، حق الیقین ص ۱۴۰) سایہ کا نہ ہونا دلیل نورانیت ہے ۔ اب انکار کیجئے آپ کے نور نہ ہونے کا ؟ اس مغالطہ کے کئی جواب دیئے جا سکتے ہیں ۔

پہلا جواب اس موضوع کے سلسلہ میں جس قدر آثار مروی ہیں وہ اخبار احاد (اور وہ بھی ضعیف نہ صحیح[ل]) کے حدود سے خارج نہیں ہیں اور ہم مقدمۂ کتاب میں ثابت کر چکے ہیں کہ اصول عقائد میں اخبار احاد پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا ۔

دوسرا جواب روایات کے الفاظ و تعبیرات مختلف ہیں بعض میں وارد ہے لم یکن لہ فئی (آپ کا سایہ نہ تھا) بعض میں مرقوم ہے لم یر لہ ظل (آپ کا سایہ کبھی دیکھا نہیں گیا) بعض میں یوں مروی ہے لم یقع لہ ظل علی الارض (آپؐ کا سایہ کبھی زمین پر نہیں پڑا) ظاہر ہے کہ سوائے پہلی تعبیر کے دوسری دونوں تعبیروں سے آنحضرتؐ کے سایہ کی بالکل نفی نہیں ہوتی ۔ بلکہ زیادہ سے زیادہ صرف اس کے دیکھے جانے اور زمین پر پڑنے کی نفی ہوتی ہے پہلی تعبیر کو بھی اسی معنی پر محمول کیا جا سکتا ہے لہٰذا ان روایات سے آنحضرتؐ کے سایہ نہ ہونے پر استدلال نہیں کیا جا سکتا ۔

تیسرا جواب یہ بات بھی محل کلام ہے کہ "نور کا سایہ نہیں ہوتا" متعدد احادیث میں سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کے لئے اس ظاہری جسمانی خلقت سے پہلے روحانی و نورانی خلقت کے متعلق "ظل النور" (نور کے سائے) کے الفاظ موجود ہیں ۔ (اصول کافی ۔ بحار ، بصائر وغیرہ) اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ نور کا بھی فی الجملہ سایہ ہوتا ہے ۔ بنا بریں باوجود آنحضرتؐ کو نور تسلیم کرنے کے بھی ان کے سایہ کی نفی نہیں ہو سکتی ۔ اگر فی الواقع سایہ نہ تھا ۔ تو پھر اس کی کوئی اور توجیہ کرنا پڑے گی ۔ ہمارے علوم ناقص ہیں آج ہم ایک نظریہ قائم کرتے ہیں ۔ کل اس کا غلط ہونا ثابت ہو جاتا ہے ۔ اس لئے معلومات دن بدن بدلتے رہتے ہیں ۔ کچھ عرصہ پہلے تک یہ نظریہ درست سمجھا جاتا تھا کہ نور و ظلمت کا کوئی وزن نہیں ہوتا مگر صاحب علم لدنی جناب امام زین العابدینؑ نے آج سے قریباً چودہ سو سال پہلے یہ فرما دیا تھا کہ "سبحانک تعلم وزن الظلمۃ والنور ۔ پاک ہے تو جو ظلمت و نور کے وزن کو جانتا ہے" (صحیفہ ص ۲۱۲) موجودہ دور سائنسی تجربات نے کلام امام پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے ۔ یہی کیفیت سایہ کی ہے ۔ آج تک یہی مشہور ہے کہ نور کا سایہ نہیں ہوتا ممکن ہے کل اس کی بھی غلطی ظاہر ہو جائے

چوتھا جواب فلسفہ کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ الشئی اذا تحقق تحقق باثارہ یعنی جب کوئی چیز وجود میں آئے تو اپنے تمام لوازم و آثار کے ساتھ آتی ہے اگر آنحضرتؐ نور مجسم تھے تو پھر نور کے دوسرے لوازم و آثار کیوں غائب ہیں کیونکہ نوری مخلوق (جیسے ملائکہ) کے آثار یہ ہیں کہ وہ نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں ۔ اور نہ نکاح کرتے ہیں (ارشاد امام صادقؑ ۔ منہاج البراعہ ج ۲ ص ۱۳) بلکہ اس کے برعکس آپؐ کی بشریت کے لوازم و آثار موجود ہیں ۔ جیسا کہ ابھی اوپر ثابت کیا جا چکا ہے ۔

[ل] چنانچہ سرکار علامہ مجلسی مرآۃ العقول ج ۵ ص ۲۵۹ پر اسی حدیث کی ذیل میں لکھتے ہیں "الحادی عشر ضعیف" یعنی یہ گیارھویں حدیث ضعیف ہے ۔ منہ عفی عنہ

تو ان حالات میں کیونکر آنحضرتؐ کو نور مجسم تسلیم کیا جا سکتا ہے۔"

پانچواں جواب

یہ کہنا کہ "سایہ اس لئے نہ تھا کہ وہ نور تھے" یہ علتِ مستنبطہ ہے علتِ منصوصہ نہیں یعنی یہ ان لوگوں کا ذاتی قیاس ہے۔ سایہ نہ ہونے کی یہ وجہ روایات میں موجود نہیں ہے۔ اگر ذاتی رائے و قیاس سے کام لینا ہے تو پھر محدث عبد الحق دہلوی کے بیان کے مطابق بعض اصحاب رسولؐ کی اس رائے سے کیوں اتفاق نہ کیا جائے کہ "سایۂ تو بر زمین نمی افتد کہ مبادا بر زمین نجس افتد" "ایک صحابی نے عرض کیا، کہ آپؐ کا سایہ زمین پر اس لئے نہیں پڑتا کہ کہیں زمین نجس پر نہ پڑ جائے" (مدارج النبوۃ ج ۲ ص۱۶۱) اور ممکن ہے کہ یہ وجہ ہو کہ اس سایۂ اقدس پر کسی کے قدم نہ آ جائے جو کہ احترام رسولؐ کے منافی ہے خیر چھوڑیئے ان ذاتی آراء و قیاسات کو۔ احادیث معصومینؑ سے اس کی اور وجہ معلوم ہوتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ کے یوم ولادت سے یوم وفات حسرت آیات تک بادل کا ایک ٹکڑا ہر وقت سفر و حضر میں آپؐ پر سایہ فگن رہتا تھا ظاہر ہے کہ ان حالات میں آنحضرتؐ کے سایۂ اقدس کا نظر نہ آنا اس امر کا قدرتی و فطری نتیجہ ہے۔ چنانچہ احتجاج طبرسی میں حضرت امیر المومنینؑ کی ایک طویل حدیث موجود ہے جو آنجنابؑ نے ایک یہودی کے سامنے افضلیت ختمی مرتبتؐ بر انبیاء سلف کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے ارشاد فرمائی۔ فرمایا "قد فعل ذلک بموسیٰ فی التیہ و اعطی محمدؐ افضل من هذا ان الغمامة كانت تظلہ من یوم ولد الی یوم قبض فی حضرہ و اسفارہ فهذا افضل مما اعطی موسیٰ" یعنی جناب موسیٰؑ کے ساتھ تو صرف گردشِ صحرا کے وقت ایسا کیا گیا تھا لیکن جناب رسولِ خداؐ کو اس سے بہتر و برتر کمال دیا گیا۔ ان کے یوم ولادت سے لے کر یوم وفات تک ہمیشہ سفر و حضر میں ان پر بادل سایہ فگن رہتا تھا" (احتجاج ص۱۱۳ طبع النجف) چنانچہ فاضل جلیل ملا خلیل قزوینی نے اپنی شرح اصول کافی جزو سوم حصہ دوم ص۲۵۸ طبع نول کشور لکھنؤ میں جناب امام محمد باقر علیہ السلام والی اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے جس کا حوالہ اس شبہ میں دیا گیا ہے آنحضرتؐ کے سایہ نہ ہونے کی وجہ اسی بادل کو قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں "و نبود او را سایہ یعنی ہمیشہ ابرے میان او و قرص آفتاب بود" یعنی آنحضرتؐ کا سایہ نہ تھا۔ کیونکہ ہمیشہ بادل کا ایک ٹکڑا آپؐ کے اور آفتاب کے درمیان حائل رہتا تھا۔"

ان حقائق کی روشنی میں واضح و آشکار ہو گیا کہ آنحضرتؐ کے سایہ نہ ہونے سے ان کے نور مجسم ہونے پر استدلال کرنا تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ بودہ و کمزور ہے۔ و ان اوهن البیوت لبیت العنکبوت۔

انبیاءؑ و ائمہؑ پر نور کا اطلاق

سابقہ اوراق میں قرآن و حدیث کی روشنی میں اب تک جو کچھ لکھا گیا ہے اسے بنظر امعان و انصاف پڑھ لینے کے بعد اس حقیقت کو تسلیم کرنے میں ذرہ بھی تامل و تردد نہیں ہوتا کہ انبیاءؑ و ائمہؑ بشر و انسان کامل ہیں اور ان پر بشر و انسان ہونے کا اطلاق حقیقی معنوں کے اعتبار سے ہے۔ ہاں یہ بھی درست ہے کہ قرآن و حدیث میں ان ذواتِ مقدسہ پر نور کا اطلاق بھی ہوا ہے۔ جیسے ارشاد قدرت ہے قد جاءکم من الله نور و کتاب مبین (پ۶ س مائدہ ع۳)، تمہارے پاس تو خدا کی طرف سے ایک (چمکتا ہوا) نور صاف صاف بیان کرنیوال

کتاب آچکی ہے"۔ اگرچہ اس آیت میں وارد شدہ لفظ "نور" کی تفسیر میں اختلاف ہے کہ اس سے مراد آں حضرت ہیں۔ یا قرآن ہے۔ مگر ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے آں حضرتؐ مراد ہیں۔ (ملاحظہ ہو تفسیر تبیان ج ۳ ص ۴۷۶) بروایتے اس سے مراد جناب امیرالمومنین اور دوسرے ائمہ طاہرینؑ ہیں۔ (تفسیر صافی ص ۱۳۲) اسی طرح آیت مبارکہ یا ایھا الناس قد جاءکم برھان من ربکم و انزلنا الیکم نوراً مبینا (پ ۶ س نساء ع ۴) اے لوگو اس میں تو شک ہی نہیں کہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے (دین حق کی) دلیل آچکی اور ہم تمہارے پاس ایک چمکتا ہوا نور نازل کر چکے ہیں"۔ اگرچہ اس آیت مبارکہ میں وارد شدہ لفظ "نوراً مبینا" کے متعلق شیخ الطائفہ حضرت شیخ طوسیؒ نے تبیان ج ۳ ص ۴۰۶ پر "جمیع المفسرین" کا یہ قول لکھا ہے کہ اس سے مراد قرآن ہے (ذلک النور القرآن الذی انزلہ اللہ علی محمدؐ) یعنی اس نور سے مراد قرآن ہے جسے خدا نے آنحضرتؐ پر نازل کیا"۔ مگر صاحب تفسیر صافی نے ص ۱۲۷ پر بحوالہ تفسیر عیاشی ایک روایت درج کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ برہان سے مراد جناب رسول خداؐ اور نور سے مراد حضرت امیرالمومنین علیہ السلام ہیں۔ بروایتے اس سے امامت علیؑ اور ولایت ائمہؑ مراد لی گئی ہے نیز ارشاد قدرت ہے امنوا باللہ و رسولہ واتبعوا النور الذی انزلنا (پ ۲۸ س تغابن ع ۱) "تم خدا اور اس کے رسولؐ اور اسی نور پر ایمان لاؤ جس کو ہم نے نازل کیا (ترجمہ فرمانؒ)

اگرچہ عموماً مفسرین نے اس جگہ "نور" سے قرآن مجید کو مراد لیا ہے۔ مگر اصول کافی کتاب الحجۃ میں امام محمد باقرؑ سے ایک روایت مروی ہے کہ یہاں نور سے ائمہ اطہارؑ مراد ہیں (ص ۹۵) اسی طرح متعدد روایات میں آنحضرتؐ کی نوری خلقت کا تذکرہ موجود ہے جیسے مشہور حدیث اول ما خلق اللہ نوری "سب سے پہلے خدا نے میرے نور کو پیدا کیا"۔ یا جیسے آنحضرتؐ کا یہ ارشاد انا و علی من نور واحد "میں اور علیؑ ایک نور سے پیدا ہوئے ہیں۔ الی غیر ذلک من الاخبار الکثیرۃ۔

آیات و روایات نور کے متعلق چند حقائق

بموجب آنکہ "عقل را عقل باید" روایت میں درایت لازم ہے ہم اس موضوع پر مقدمۂ کتاب میں تفصیل کے ساتھ تبصرہ کر چکے ہیں۔ بنابریں یہاں اہم مطلب یہ ہے کہ یہ سمجھا جائے کہ "نور" کا مفہوم کیا ہے؟ اور انبیاءؑ و ائمہؑ کو نور کہا گیا ہے تو کس اعتبار سے؟ بعض نو آموز عزیز جنہیں سستی شہرت حاصل کرنے کے شوق نے اس وادی پرخار میں قدم رکھنے پر آمادہ کیا۔ انہوں نے اپنی تالیف میں سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کو نور ثابت کرنے کے سلسلہ میں بلا تحقیق مطلب و معنی وہ آیات و روایات جمع کر دی ہیں جن میں ان بزرگواروں کی خلقت نوری کا تذکرہ ہے یا ان پر نور کا اطلاق کیا گیا ہے ؎

سالہا باید کہ یک کودکے از روئے علم   عالمے گردد نکو یا شاعرے شیریں سخن

اور یہی روش لکھنؤ کے بعض ممتاز الافاضل سفید ریش مبلغین نے اپنی جوابی کتب میں اختیار کی ہے"۔

نور کی تعریف کا مسئلہ

لیکن نہ تو انہوں نے نور کی تعریف کی ہے اور نہ ہی ہمارے پیش کردہ دلائل قاطعہ کا کوئی جواب دیا۔ اور نہ ہی ان آیات و روایات کا کوئی صحیح حل پیش کیا جن میں ان ذوات مقدسہ کو حقیقی معنوں میں بشر و انسان قرار دیا گیا ہے۔ سچ ہے ع

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

ہاں البتہ ایک اور صاحب جو گرجنے چمکنے (برسنے کی نوبت کبھی شاذ و نادر ہی آتی ہے) غوغا آرائی، ہنگامہ برپائی، شوق پنجہ آزمائی پینترے بدلنے او بالآخر پسپائی اختیار کرنے میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتے ع

عمر گذری ہے اسی دشت کی سیاحی میں

جب ہمارے دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ کی تاب مقاومت نہیں لا سکتے۔ تو چاروں شانے چت گرتے ہیں اور دبے لفظوں میں اظہار ہمنوائی کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ (لان الحق یعلو ولا یعلیٰ علیہ) بہرحال انہوں نے "نور" کی عربی میں تو یہی تعریف لفظی کی ہے جو عموماً کی جاتی ہے کہ "الظاہر بنفسہ والمظہر لغیرہ" مگر اس کا جو رواں دواں اور صحیح ترجمہ کیا ہے شاید معلم الملکوت بھی ایسا شگفتہ ترجمہ نہ کر سکے۔ پڑھئے اور مترجم کے علم و فضل کی داد دیجئے جس کی تیز تیز شعاعیں پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی ہیں اور اہل عالم کی آنکھوں کو خیرہ کر رہی ہیں۔ فرماتے ہیں "جس کا وجود نفس الامر میں بالتحقیق ہو اور اپنے وجود سے دوسروں کو بالتحقیق وجود میں لائے"۔ (حقائق الوسائل ص۲۰) چونکہ شمس و قمر نور ہیں جو اپنی ضیا پاشیوں سے عالم کو منور و درخشاں کرتے ہیں تو اس تعریف کی بنا پر مطلب یہ ہوگا کہ جب منظر عام پر جلوہ گر ہوں تو ان کی روشنی میں جو چیزیں نظر آتی ہیں۔ ان کو وجود میں بھی لاتے ہیں اور جب یہ نظروں سے اوجھل ہو جائیں تو اشیاء عالم بھی پردۂ عدم میں روپوش ہو جاتی ہیں۔ الغرض بنا بریں آفتاب و ماہتاب روشن کنندہ نہیں بلکہ وجود دہندہ ہوں گے۔ علاوہ بریں اس تعریف کی بنا پر صنعت گر خواہ لوہار ہو یا کمہار یا جولاہا الغرض جو بھی اپنی صنعت و کاریگری کی بدولت کوئی چیز بنا ڈالے وہ نور سمجھا جائے گا کیونکہ وہ خود نفس الامر میں بالتحقیق موجود ہے۔ (جو جیتا جاگتا ہونے کے) اور دوسری چیز کو بالتحقیق وجود میں لایا بھی ہے" حالانکہ عبارت مذکورہ کا صاف و سادہ مطلب یہ ہے کہ "جو خود بخود ظاہر ہو اور دوسروں کو ظاہر کرے" اور یہ تعریف بھی نور کی لفظی تعریف ہے (جو صرف شرح الاسم کا کام دیتی ہے) نہ حقیقی۔ کیونکہ حقیقی تعریف تو وہی ہوتی ہے۔ جو جامع جمیع افراد و مانع از دخول غیر ہو حالانکہ یہی تعریف "نار" (آگ) پر بھی صادق آتی ہے کیونکہ وہ بھی خود ظاہر ہے اور دوسری چیزوں کو ظاہر کرتی ہے"۔ افسوس کا مقام ہے کہ آج کل وہ لوگ بھی نور و بشر کی بحثیں کرتے نظر آتے ہیں جو یہ بھی نہیں جانتے کہ نور کی تعریف کیا ہے؟ اور نہ ہی یہ جانتے ہیں کہ نور و نار میں فرق کیا ہے؟ اور نہ ہی یہ معلوم ہے کہ نور جوہر ہے یا عرض؟ حقیقت یہ ہے کہ "نور" ان بعض خاص مخفی اشیاء میں سے ایک ہے جن کی ماہیت و حقیقت کے چہرہ سے آج تک کوئی نقاب کشائی نہیں کر سکا اور نہ ہی آئندہ امید کی جا سکتی

ہے کہ اس لاینحل معمہ کو کوئی حل کر سکے گا۔ رسالہ شرح آیت نور کے مصنف نے بالکل درست کہا ہے کہ: "حقیقتِ نور مستور است نہ تا حال کسے او را فہمیدہ و نخواہد فہمید" (نقل بالمعنیٰ) ع

کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معمہ را

آیات و روایاتِ نور متشابہ ہیں

متشابہ کا مطلب ہے ما اشتبہ بہ مراد المتکلم۔ وہ کلام جس سے متکلم کا مقصد سامع پر (کسی لفظی یا معنوی پیچیدگی کی وجہ سے) مشتبہ ہو جائے کوئی اس کا اقرار کرے یا نہ کرے مگر یہ حقیقت بہرحال مسلّم ہے کہ آیات اور بالخصوص روایاتِ نور متشابہ ہیں۔ ان کے الفاظ و تعبیرات اس قدر مختلف اور اندازِ بیان اس قدر متفاوت ہے کہ ان سے اصل حقیقت کا سراغ لگانا جُوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے۔ بوجہ خوفِ طوالت ان امور کی تفصیلات نظرانداز کی جاتی ہیں ورنہ دیدۂ بینا رکھنے والوں کے لئے ہم ان کو یہاں پیش کرتے۔ یہ وہ مقام ہے کہ بڑے بڑے علماء اعلام و محققینِ عظام سپر انداز نظر آتے ہیں۔

(۱) چنانچہ محدثِ جلیل سید نعمت اللہ جزائریؒ انوار نعمانیہ میں (ص ۹ پ ۱) نوری خلقت کی مختلف احادیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "اما حقیقة هذه الانوار فلا نعرفها ولكن المفهوم" یعنی جہاں تک ان انوار کی حقیقت کا تعلق ہے ہم اسے نہیں سمجھ سکتے۔ ہاں جو کچھ ان اخبار و آثار سے ہماری سمجھ میں آتا ہے وہ یہ ہے (پھر اپنے فہم کے مطابق بالاجمال ایک مطلب بیان کیا ہے۔ فراجع)

(۲) اسی طرح عالم نحریر و محدثِ خبیر جنابِ علامہ مجلسیؒ اصلابِ آباء و ارحامِ امہات میں محمد و آلِ محمد علیہم السلام کے نور کے نقل و انتقال کی مختلف التعبیر روایات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "والاخبار فی ذلك مستفيضة اوردت اكثرها فی الكتاب الكبير لكن فهمها صعب على العقول والاولى الايمان بها مجملا و ردّ علمها اليهم عليهم السلام (مرآة العقول ج ۲ ص ۳۶۳) یعنی اس سلسلہ میں اخبار مستفیضہ وارد ہوئے ہیں میں نے ایسی اکثر اخبار کو کتابِ کبیر (بحار الانوار) میں درج کیا ہے، لیکن ان کے مطلب کا سمجھنا عقلوں کے لئے دشوار ہے اس لئے بہتر یہ ہے کہ ان پر اجمالی ایمان رکھا جائے اور ان کے حقیقی مقصد کو خود انہی بزرگواروں کی طرف لوٹایا جائے۔"

(۳) سید العلماء مولانا سید حسین صاحب لکھنوی حدیقہ سلطانیہ ج ۲ ص ۲۰۸ سے لے کر ص ۲۱۳ تک ائمۂ اہل بیتؑ کی خلقتِ نوری والی بعض وہ روایات جن میں اشباح، اظلہ، ابدان، ارواح اور انوار وغیرہ الفاظ مذکور ہیں۔ ان کی بعض توجیہات کرنے کے بعد بالآخر لکھتے ہیں: "و درکِ کنہ حقیقتِ ایں اشباح و ارواح از طاقتِ بشری بیرون است وکلما قیل فيها او يقال فهو على سبيل الاحتمال وعلم ذلك موكول الى الله المتعال" (ص ۲۱۱) یعنی ان اشباح و ارواح کی حقیقت کیا ہے؟ اس کا سمجھنا انسانی طاقت سے باہر ہے۔ اس سلسلہ میں جو کچھ کہا گیا ہے یا کہا جا رہا ہے اور کہا جائے گا۔ یہ سب بنا بر احتمال ہے ان کا حقیقی علم خدا ہی کے سپرد کیا جاتا ہے۔"

(۴) علامہ ابوالحسن الشریف اپنی کتاب مرآۃ الانوار و مشکوٰۃ الاسرار کے صفحہ ۳۲ پر بعض احادیث نور درج کرنے اور بقدر وسع و طاقت ان کی تشریح کرنے کے بعد آخر میں فرماتے ہیں "ولکن فہم حقیقۃ ھذہ ممالا تصل الی عقولنا فلا تغفل"* ان علماء اعلام کی شہادتوں کی روشنی میں یہ حقیقت بالکل بے غبار ہو جاتی ہے کہ آیات و روایات نور متشابہ ہیں لہٰذا محکمات کو چھوڑ کر متشابہات پر دیوار اعتقاد استوار نہیں کی جا سکتی۔ ہاں ان پر اجمالاً ایمان رکھنا لازم ہے۔ واللہ العالم۔

مؤمن کی نورانی خلقت کا بیان

بہرحال جو لوگ ان روایات نور کے پیش نظر سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کو مجسم نور سمجھتے ہیں اور انکی نوع کو علیحدہ سمجھتے ہیں تو ہم انکو اپنے اس نظریہ پر نظرثانی کرنے کی دعوت دینے کے لئے ان کی خدمت میں دو جواب پیش کئے جاتے ہیں۔ پہلا الزامی اور دوسرا حقی۔

الزامی جواب

اس جواب کا ماحصل یہ ہے کہ اگر ان روایات کی وجہ سے ان ذوات مقدسہ کو انسان کامل ہونے کی بجائے نور مجسم قرار دینا صحیح ہے تو پھر اہل ایمان بھی انسان نہیں بلکہ ان کو بھی نور مجسم تسلیم کرنا لازم ہے۔ کیونکہ اہل ایمان کی نوری خلقت کے متعلق بھی ایسی بکثرت روایات معتبرہ کتب حدیث میں موجود ہے ذیل میں ان کا ایک شمہ درج کیا جاتا ہے۔

(۱) امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے بعض مخصوص اصحاب کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا "انتم نور اللہ فی الارض" تم زمین میں خدا کے نور ہو۔ (تنقیح المقال فی احوال الرجال مامقانی جلد ا ص ۳۰۴، رجال کشی ص ۲۰۰)

(۲) سلیمان جعفری بیان کرتے ہیں کنت عند ابی الحسن علیہ السلام قال یا سلیمان اتق فراسۃ المؤمن فانہ ینظر بنور اللہ فسکت حتی اصبت خلوۃ فقلت جعلت فداک سمعتک تقول اتق فراسۃ المؤمن فانہ ینظر بنور اللہ۔ قال نعم یا سلیمان ان اللہ خلق المؤمنین من نورہ و صبغھم فی رحمتہ واخذ میثاقھم لنا بالولایۃ والمؤمن اخو المؤمن لابیہ و امہ ابوہ النور وامہ الرحمۃ و انما ینظر بذلک النور الذی خلق منہ" میں جناب امام موسیٰ کاظم کی خدمت میں حاضر تھا کہ آپ نے فرمایا۔ اے سلیمان! مؤمن کی فراست سے بچو کہ وہ خدا کے نور سے دیکھتا ہے! میں یہ سن کر خاموش ہو گیا۔ جب خلوت ہوئی تو میں نے عرض کیا میں آپ پر قربان ہو جاؤں۔ میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مومن کی فراست سے ڈرو۔ کیونکہ وہ خدا کے نور سے دیکھتا ہے (یعنی اس کا مطلب کیا ہے؟) امام نے فرمایا۔ ہاں اے سلیمان! خداوند عالم نے مومنین کو اپنے خاص نور سے پیدا کیا ہے۔ پھر انہیں اپنی رحمت (کے رنگ) میں رنگا ہے اور ان سے ہماری ولایت کا عہد و پیمان لیا ہے۔ مؤمن مؤمن کا پدری و مادری بھائی ہے (یعنی اُن کا) باپ نور اور ماں رحمت ہے۔ مؤمن اسی نور سے دیکھتا ہے۔ جس سے اس کی خلقت ہوئی ہے (بصائر الدرجات باب ۱۵ جزء ۲ ص ۸۰) اسی باب اور اسی صفحہ پر اسی مضمون کی

---

* یعنی یہ خیال رہے کہ ان احادیث کی اصل حقیقت تک ہماری عقلوں کی رسائی نہیں ہو سکتی۔

(۲) اور روایات معتبرہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہیں فراجع (کذا فی التفسیر الصافی ص۲۲۵ و شرح الزیارۃ للاحسائی ص۲)

(۳) امالی شیخ مفید علیہ الرحمۃ ص طبع النجف میں امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے فرمایا ان اللہ خلق المؤمن من نورہ خداوند عالم نے مؤمن کو اپنے نور سے پیدا کیا ہے۔

(۴) امام موسیٰ کاظمؑ سے منقول ہے فرمایا ان اللہ خلق المؤمنین من نورہ الخ خداوند عالم نے اہل ایمان کو اپنے نور سے پیدا کیا ہے (مجمع البحرین ص)

(۵) جناب امام جعفر صادقؑ ایک طویل حدیث میں فرماتے ہیں "واللہ شیعتنا من نور اللہ خلقوا والیہ یعودون الخ (مرآۃ العقول ج ۲ ص۲۹۰)" خدا کی قسم ہمارے شیعہ خدا کے نور سے پیدا ہوئے ہیں اور اسی طرف لوٹ کر جائیں گے۔

(۶) ہفتم بحار ص۲۵ ایک روایت کے مطابق جو امام محمد باقرؑ سے مروی ہے شیعہ کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ لانھم خلقوا من شعاع نورنا کہ وہ ہمارے نور کی شعاع سے پیدا ہوئے ہیں (کذا فی حقائق العقائد ص۴۹)

(۷) تفسیر صافی ص پر بذیل آیت یخرجہم من الظلمات الی النور حدیث صادق آل محمدؑ سے تو مؤمن کا جسم نور ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ المؤمن ینقلب فی خمسۃ من النور مدخلہ نور ومخرجہ نور وکلامہ نور ومنظرہ یوم القیامۃ الی النور (کذا فی الخصال ص۱۳ ج ۱) ان حقائق کی روشنی میں واضح ہو گیا کہ خلقت انوار والی آیات و روایات کی بنا پر ائمہ اطہارؑ کو نور مجسم تسلیم نہیں کیا جا سکتا ورنہ پھر عام اہل ایمان کو بھی انسانوں کے زمرہ سے نکال کر مجسم نور تسلیم کرنا پڑے گا۔ ولا یقول بہ احد فما ھو جوابھم چیست یاران طریقت بعد ازیں تدبیر ما۔

فریب کاری

بعض حضرات نے دیگر مقامات کی طرح اس مقام پر بھی ایک عجیب فریب کاری کا مظاہرہ کیا ہے۔ انہوں نے قریباً ہر اس عالم کا نام اپنی تائید میں درج کر دیا ہے جس نے اپنی کتاب میں ائمہ اطہارؑ کی خلقت نوری والی احادیث میں سے کوئی حدیث درج کر دی ہے یا ان کی اس نورانی خلقت کا تذکرہ کر دیا ہے اگر یہ طرز استدلال درست ہے تو پھر مؤیدین کی فہرست میں ہمارے نام کا بھی اضافہ کر دیا جائے کیونکہ ایسی احادیث تو ہم نے بھی احسن الفوائد، اثبات الامامت اور اصول الشریعہ میں درج کی ہیں۔ کیا اسی کا نام تحقیق ہے؟ اور اسی کو استدلال کہتے ہیں؟ یا یہ کھلی ہوئی ابلہ فریبی یا خود فریبی ہے؟ ؎

ہزار نکتۂ باریک تر ز مو اینجاست
نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

حلی جواب آیات و روایات نور کے صحیح مفہوم

اس دوسرے حلی جواب کا لب لباب ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ اخبار و آثار ائمہ اطہارؑ کے بحر ذخار اور علمائے ابرار

کے کلامِ حقیقت آثار میں شناوری و غوطہ زنی کرنے یا اس گلشن سدا بہار کی سیر کرنے سے جو تائید ایزد جبار گوہر ہائے شہوار اور گلہائے خوشبودار ہم نے حاصل کئے ہیں۔ ان کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے کہ ان آیات و روایات کے چار صحیح مفہوم ہو سکتے ہیں۔

پہلا صحیح مطلب!!

یہ ہے کہ آیات و روایات میں وارد شدہ لفظ "نور" سے ان حضرات کے بدن و جسم مبارک مراد نہیں ہیں، بلکہ ان کے ارواحِ مقدسہ مراد ہیں جو کہ نورانی ہیں اور چونکہ ان کے اجسامِ مقدسہ ان کے ارواحِ مطہرہ کے حامل ہیں اس مناسبت سے خود ان حضرات کو من باب المجاز "نور" کہہ دیا گیا ہے۔ ہمارے اس بیان کردہ مفہوم کی تائید متعدد احادیث معصومین علیہم السلام اور کلام علمائے اعلام سے ہوتی ہے۔ چنانچہ اصول کافی مع شرح مرآۃ العقول ج ۱ ص ۲۵ پر حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے فرمایا قال اللہ تعالیٰ یا محمدؐ! انی خلقتک وعلیاً نوراً یعنی روحاً بلا بدن قبل ان اخلق سماواتی وارضی وعرشی وبحری فلم تزل تہللنی وتمجدنی ثم جمعت روحیکما فجعلتھما واحدۃ الخ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے یا محمدؐ! میں نے تجھے اور علیؑ کو نور یعنی روح بلا بدن پیدا کیا۔ قبل اس کے کہ میں آسمانوں، زمینوں، عرش اور سمندر کو پیدا کرتا۔ پس تم برابر میری تہلیل و تمجید کرتے رہے پھر میں نے تم دونوں کی روحوں کو جمع کرکے ایک بنا دیا الخ۔ حضرت صادق آل محمدؐ کی حدیث ان اللہ خلقنا من نور عظمتہ الخ (اصول کافی)، خدا نے ہمیں اپنے نورِ عظمت سے پیدا فرمایا۔ کی شرح میں علامہ مجلسیؒ لکھتے ہیں خلقنا ای ارواحنا والضمیر لمحمد والاوصیاء صلوات اللہ علیہم من نور عظمتہ الظاہر من نور یدل علی کمال عظمتہ وقدرتہ الخ (مرآۃ ج ۱ ص ۲۹۳) یعنی خدا نے ہماری روحوں کو پیدا فرمایا ضمیر جمع متکلم سے مراد جناب رسول خدا اور ان کے حقیقی اوصیاء یعنی ائمہ ہدیٰ ہیں۔ اپنے نور عظمت سے یعنی اس نور سے جو اس (خدا) کی کمال عظمت و قدرت پر دلالت کرتا ہے "فلاسفہ نے جو خصوصیات عقل اول کے لئے تجویز کی ہیں۔ جناب علامہ مجلسیؒ ان کو سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام پر منطبق کرتے ہوئے فرماتے ہیں" فانھم اثبتوا القدم للعقل وقد ثبت التقدم فی الخلق لارواحھم الخ یعنی فلاسفہ نے (اپنے مزعومہ) عقل اول کے لئے قدیم ہونا ثابت کیا ہے۔ یہ تقدم خلقی (محمد و آل محمد علیہم السلام) کی روحوں کے لئے ثابت ہے۔ (مرآۃ العقول ج ۱ ص ۸) بعد ازاں اول ما خلق نوری وغیرہ احادیث سے استدلال کیا ہے"

علامہ ابو الحسن الشریف لکھتے ہیں" ان اول من خلقہ انوار ارواح النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والائمۃ علیہم السلام وارواح شیعتھم وان بعد ذلک خلق سائر الخلق سعیداً وشقیاً (مرآۃ الانوار صفحہ ۹) "یعنی سب سے پہلے خلاقِ عالم نے جناب رسول خدا اور ائمہ اطہارؑ کے ارواح قدسیہ کے نور اور ان کے شیعوں کے ارو پیدا کئے۔ اس کے بعد دوسری مخلوق کو خواہ سعید تھی یا شقی پیدا کیا" اس حدیث شریف کی فرمائش سے بھی واضح ہوتا ہے

کہ خلقتِ نوری سے مراد خلقتِ روحانی ہے۔ صرف تعبیر کا اختلاف ہے کہیں لکھا ہے پہلے نورِ نبی و آلِ نبی پیدا کیا گیا کہیں یہ اور سے پہلے "نبیؐ و آلِ نبیؐ کی ارواح کو پیدا کیا ہے" اور کہیں یہ بیان ہوا ہے کہ "نبیؐ و آلِ نبیؐ کے ارواح کے انوار کو پیدا کیا"۔ ؎

عباراتنا شتی وحسنک واحدٌ ۔۔۔ وکل الی ذاک الجمیل لیشیرُ

ہمارے بیان کردہ مفہوم کی تائید مزید حضرت امام رضا علیہ السلام کی اس طویل حدیث شریف سے بھی ہوتی ہے جو عیون اخبار الرضاؑ ج۱ ص۲۶۲ طبع جدید و ص۱۴۷ طبع قدیم پر موجود ہے، امامؑ فرماتے ہیں لان اول ما خلق اللہ عزوجل ارواحنا فانطقها بتوحیده و تمجیده ثم خلق الخ ۵ یعنی ہم تسبیح و تہلیلِ پروردگار میں اس لئے سب لوگوں سے سبقت لے گئے ہیں کہ خدا نے سب سے پہلے ہماری روحوں کو پیدا فرمایا پھر انہیں اپنی توحید و تمجید کے ساتھ گویا کیا۔ اس کے بعد ملائکہ کو پیدا کیا جب انہوں نے ہماری روحوں کو ایک نور دیکھا تو ہمارے معاملہ کو بہت عظیم سمجھا۔ اس وقت ہم نے خدا کی تسبیح کی، تاکہ فرشتوں کو معلوم ہو جائے کہ ہم خدا کی مخلوق ہیں۔ اور وہ ہماری (مخلوق والی) صفات سے منزہ و مبرا ہے"۔ اسی طرح بحار الانوار ج ۶ ص۳۴۰ پر جناب رسولِ خداؐ سے ایک طولانی حدیث مروی ہے جس میں آنحضرتؐ جناب امیر علیہ السلام کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ یا علیؑ ان اللہ تبارک و تعالیٰ کان ولا شیءٌ معہ فخلقنی و خلقک روحین من نور جلالہ فکنا امام عرش رب العالمین نسبح اللہ و نقدسہ و نحمده و نهلله الخ یا علیؑ خداوند عالم موجود تھا اور اس کے ہمراہ اور کوئی چیز نہ تھی پس اس نے مجھے اور تجھے اپنے مخصوص نورِ جلال سے دو روحوں کی صورت میں پیدا کیا۔ پس ہم اس کے عرش کے روبرو اس کی تسبیح و تقدیس اور تحمید و تہلیل کرتے تھے (کذا فی مرآۃ الانوار ص۳ نقلاً عن کتاب المعراج للصدوقؒ) اسی کتاب کے ص۲۴۹ پر بحوالہ کتاب منہج التحقیق بروایت جناب جابرؓ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا ان اللہ خلق اربعۃ عشر نوراً من نور عظمتہ قبل خلق آدم باربعۃ عشر الف عام فهی ارواحنا الخ خداوند عالم نے حضرت آدمؑ کی خلقت سے چودہ ہزار سال قبل چودہ انوار کو اپنے خاص نورِ عظمت سے پیدا کیا اور یہ انوار ہمارے ارواح ہیں"۔ یہی حدیث ص۲۵۰ پر حضرت امام جعفر صادقؑ سے بحوالہ کتاب اکمال الدین شیخ صدوقؒ منقول ہے"۔ ان حقائق سے واضح ہو گیا کہ نورانی خلقت سے مراد روحانی خلقت ہے اور اسی ؎ عالمِ اجسام و ابدان میں بھی مجازاً نور کہہ دیا گیا ہے۔ چنانچہ غواصِ بحار اخبار ائمہ اطہار سرکار علامہ مجلسیؒ مرآۃ العقول ج۱ ص۳۴۲ پر آیت مبارکہ واتبعوا النور الذی انزلنا میں نور کی مختلف توجیہات کرنے کے بعد بطور خلاصہ لکھتے ہیں:" وعلی سائر التقادیر فقولہ انزلناہ ای انزلنا ہو وهو منزل علیہ حقیقۃً علماً کان او کتاباً او روحاً والائمۃ علیهم السلام هم حملتہ و حفظتہ و ذووہ و اطلاق النور علیهم کاطلاق کتاب اللہ و کلامہ فی قول امیر المومنینؑ انا کتاب اللہ الناطق لکونہ حامل الکتاب و حافظہ و لکونہ مستکملاً بہ و موصوفاً بہ و متحداً معہ فکانہ هو یعنی ان تمام صورتوں میں ارشاد ایزدی انزلنا کا مفہوم یہ ہے کہ یہ نور فی الحقیقت آنحضرتؐ پر نازل ہوا ہے خواہ اس سے مراد علم ہو۔ خواہ کتاب یا روح۔ اور چونکہ حضرات ائمہ طاہرینؑ

۵ ثم خلق الملائکۃ فلما شاہدوا ارواحنا نوراً واحداً استعظمت امرنا فسبحنا لتعلم الملائکۃ انا خلق مخلوقون وانہ منزہ عن صفاتنا الخ

؎ اور اسی نورانی روح کے حامل ہونے کی وجہ سے ان حضرات کو

اس علم، یا کتاب، یا روح کے حامل، حافظ اور صاحب ہیں۔ اس لئے ان پر اسی طرح نور کا اطلاق کیا گیا ہے جس طرح حضرت امیر علیہ السلام کے ارشاد میں ان پر کتاب اللہ و کلام اللہ کا اطلاق ہوا۔ (انا کتاب اللہ الناطق) کہ میں خدا کی بولتی ہوئی کتاب ہوں۔ کیونکہ یہ حضرات حافظ و حامل کتاب ہیں۔ الغرض ان حقائق کی روشنی میں واضح ہو گیا کہ انبیاء و ائمہ ذوجنبتین اور بشر نورانی ہوتے ہیں۔ یعنی روح کے اعتبار سے نور اور جسم کے لحاظ سے بشر۔ نہ ان کے جنبۂ نورانی کا انکار ممکن ہے اور نہ ہی جنبۂ بشری کا۔ جیسا کہ اس باب کی ابتدا میں یہ امر واضح کیا جا چکا ہے باقی رہا یہ امر کہ اگر اس خلقتِ نوری سے خلقتِ روحی مراد لی جائے۔ تو اصلابِ آباؤ ارحامِ امہات میں اس روح کا نقل و انتقال کیونکر اور کس طرح ہوگا۔ اس امر کی حقیقت تک انسانی عقول و افہام کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ علامہ مجلسیؒ جیسے محدثِ خبیر نے اعتراف کیا ہے۔ کہ "لکن فهمها صعب علی العقول" یعنی ان احادیث کا سمجھنا عقلوں کے لئے سخت مشکل ہے۔" اس لئے الاولی الایمان بها مجملاً و رد علمه الیهم علیهم السلام بہتر یہ ہے کہ ان امور پر اجمالی ایمان رکھا جائے اور تفصیلی علم خود انہی حضرات کے سپرد کیا جائے (مرآۃ ج ۱ ص ۲۴۲)

دوسرا صحیح مطلب یہ ہے کہ چونکہ یہ بزرگوار حقیقی ہادی و راہنما ہیں۔ جس طرح ظاہری و حسی نور سے ظاہری ظلمت و تاریکی دور ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ان بزرگواروں کی بدولت کفر و شرک اور گناہ و عصیاں کی ظلمتوں کے بادل چھٹ جاتے ہیں۔ اسی بنا پر اسلام و ایمان کو نور کہا گیا ہے۔ (یخرجهم من الظلمات الی النور باذنه) کی تفسیر میں لکھا ہے "معناه من الکفر الی الایمان لان الکفر یتحیر فیه صاحبه کما یتحیر فی الظلام و یهتدی بالایمان الی النجاة کما یهتدی بالنور" یعنی اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا ان کو کفر سے نکال کر اسلام میں داخل کرتا ہے اور وجہ تشبیہ یہ ہے کہ آدمی کفر میں اسی طرح حیران و سرگردان ہوتا ہے جس طرح تاریکی میں اور ایمان کے ذریعہ سے راہِ نجات کی طرف اس طرح ہدایت حاصل کرتا ہے جس طرح نور سے راہ پاتا ہے (مجمع البیان) بعض مفسرین نے سابقہ آیاتِ نور سے قرآن مجید مراد لیا ہے جیسا کہ تفسیر تبیان ج ۲ ص ۳۰۳ پر آیت (وانزلنا الیکم نوراً مبیناً) میں نور سے قرآن مراد لیا گیا ہے۔ ان حضرات نے قرآن کو نور کہنے کی وجہ یہ لکھی ہے (وانما سماه نوراً لما فیه من الدلالة علی ما امر الله به ونهی عنه والاهتداء به تشبیها بالنور الذی یهتدی به فی الظلمات) یعنی خدا نے قرآن کو اس لئے نور کہا ہے کہ اس کے ذریعہ سے خدا کے امر و نہی پر راہنمائی ہوتی ہے اور اس کے ذریعہ ہدایت حاصل ہوتی ہے جس طرح نور کے ذریعہ تاریکی میں راہ حاصل ہوتی ہے۔ حضرت امام زین العابدینؑ صحیفہ کاملہ کی دعائے ختم القرآن میں فرماتے ہیں (وجعلته نوراً نهتدی من ظلم الضلالة) (دعا ۴۲ ص ۱۹۹) بار الٰہا! تو نے قرآن کو نور بنایا ہے جس سے ہم ضلالت کی تاریکیوں میں راہ پاتے ہیں۔ اس فقرہ کی شرح میں فاضل جلیل سید علی خان تحریر فرماتے ہیں (جعله نوراً لکشفه ظلمات الشرک والشک وابانته ما خفی علی الناس من الحق وفرقه بین الحق والباطل وایصاله الی المطلوب من الحق کما

ان النور یکشف الظلمات الحسیّۃ ویبین ما خفی بسببہا ویفصل بہ بین الاشیاء ویدرک المطلوب الخ یعنی امام علیہ السلام نے قرآن مجید کو اس لئے نور قرار دیا ہے کہ اس کے ذریعہ سے شرک وشک کی تاریکیاں اس طرح دُور ہو جاتی اور اس کی وجہ سے حق وباطل میں اسی طرح امتیاز ہو جاتا ہے اور آدمی منزلِ مقصود تک پہنچ جاتا ہے۔ جس طرح حسّی وظاہری نور سے تاریکیاں دُور ہو جاتی ہیں۔ مخفی چیزیں ظاہر ہو جاتی ہیں اور گوہرِ مقصود دستیاب ہو جاتا ہے (ریاض السالکین ص۲۰۰) قرآن کی طرح توراۃ کو بھی "نور" کہا گیا ہے "انا انزلنا التوراۃ فیہا ھدی ونور یحکم بہا النبیون" (پ۶ س مائدہ ع۱) اور انجیل کو بھی نور کہا گیا ہے (واتینہ الانجیل فیہ ھدی ونور) (پ۶ س مائدہ ع۱) ہم نے (عیسیٰؑ) کو انجیل عنایت کی جس میں ہدایت ونور ہے۔ یہ دُوسرا صحیح مطلب جو ہم نے بیان کیا ہے یہ ہمارا ذاتی خیال نہیں ہے بلکہ بڑے بڑے محققین نے یہی مطلب بیان کیا ہے چنانچہ عظیم مفسر قرآن علامہ طبرسیؒ مجمع البیان ج ۱ ص۳۱۹ طبع ایران پر ذیل آیت "قد جاءکم من اللہ نور" الآیۃ کی تفسیر میں "نور" سے (یعنی بالنور محمداً) آنحضرتؐ کو مراد لینے کے بعد آنجنابؐ کو نور کہنے کی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں "لانہ یہتدی بہ الخلق کما یہتدی بالنور" یعنی آنحضرتؐ سے خلق خدا اسی طرح ہدایت ورہنمائی حاصل کرتی ہے جس طرح حسّی نور سے راہنمائی حاصل کرتی ہے۔" (کذا فی التبیان ج ۳ ص۴۷۴) فاضل طریحیؒ مجمع البحرین ص۲۲۳ طبع ایران میں لکھتے ہیں "سمی النبی نوراً للدلالات الواضحۃ التی لاحت منہ للبصائر" یعنی آنحضرتؐ کو ہدایت کی ان واضح دلالتوں کی وجہ سے جو آپ سے (ایمانی) بصیرتوں کے لئے ظاہر ہوئی ہیں "نور" کہا گیا ہے۔ اسی طرح عالم عریف مولانا ابوالحسن الشریف اپنے مقدمہ تفسیر مرآۃ الانوار ص۳۱۲ پر ذیل "مادۂ نور" اس کے معانی وموارد استعمال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں "فمن ذلک ما ورد من تاویلہ بالامام الحق من آل محمدؐ وبالائمۃ علیہم السلام وبخصوص علی علیہ السلام اذھم بولایتہم وعلومہم تنور العالم وتنور قلوب المومنین وتنور الدنیا والدین ومن ذلک ما ورد من تاویلہ بالامام الحق من آل محمدؐ وبالائمۃ والامامۃ" یعنی "نور" کی تاویل برحق ائمہ اہل بیتؑ اور بالخصوص جناب امیر علیہ السلام کے ساتھ بھی کی گئی ہے کیونکہ ان کی ولایت وامامت اور ان کے علوم ومعارف کے سبب سے پورا عالم اور بالخصوص مومنین کے دل نیز تمام دنیا ودین روشن ودرخشندہ ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے اس کی تاویل ہادی اور ہدایت کے ساتھ کی گئی ہے۔ کیوں کہ ہدایت بھی ولایت وامامت کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے" اسی طرح حضرت علامہ مجلسیؒ مرآۃ العقول ج ۱ ص۱۹۲ الثانی پر آیات وروایات کی توجیہ کرتے ہوئے جن میں ائمہ اہل بیتؑ کو "نور" کہا گیا ہے فرماتے ہیں۔ "اقول النور فی الاصل ما یصیر سبباً لظہور شیٔ فسمی الوجود نوراً لانہ یصیر سبباً لظہور الاشیاء فی الخارج والعلم نوراً لانہ سبب لظہور الاشیاء عند العقل وکل کمال نوراً لانہ یصیر سبباً لظہور صاحبہ وانوار النیّرین والکواکب نوراً لکونہا اسباباً لظہور الاجسام وصفاتہا للحس وبہذہ الوجہ یطلق علی الرب تعالیٰ النور ونور الانوار لانہ منبع کل وجود وعلم وکمال فاطلاقہ علی الانبیاء والائمۃ علیہم السلام لانہم اسباب لہدایۃ الخلق

وعلمهم وکمالهم بل وجودهم لانهم العلل الغائیة لوجود جمیع الاشیاء الخ یعنی" میں کہتا ہوں کہ چونکہ دراصل نور اُسے کہا جاتا ہے جو کسی چیز کے ظہور کا سبب ہو۔ اسی لئے وجود کو نور کہا جاتا ہے کیونکہ وہ چیزوں کے ظہور کا سبب بنتا ہے۔ اسی طرح علم کو اس لئے نور کہا جاتا ہے کہ وہ عقل کے نزدیک چیزوں کے ظہور کا سبب بنتا ہے۔ نیز ہر کمال کو بھی اسی وجہ سے نور کہا جاتا ہے۔ کہ وہ صاحبِ کمال کے ظہور و شہرت کا ذریعہ ہوتا ہے۔ آفتاب و ماہتاب اور ستاروں کے انوار کو بھی اسی وجہ سے نور کہا جاتا ہے کہ ان کے ذریعہ اجسام اور ان کے صفات حواس کے سامنے ظاہر ہوتے ہیں اور انہی وجوہ کی بنا پر خداوند تعالیٰ کو بھی نور بلکہ نور الانوار کہا جاتا ہے کیونکہ وہ ہر وجود، ہر علم اور ہر کمال کا منبع و مرکز ہے۔ پس نور کا اطلاق انبیاءؑ و ائمہؑ پر اس لئے کیا جاتا ہے۔ کہ وہ مخلوقِ خدا کی ہدایت، ان کے علم و فضل و کمال کا سبب و ذریعہ ہیں۔ بلکہ ان کے وجود میں آنے کا سبب بھی یہی بزرگوار ہیں۔ کیونکہ یہی حضرات تمام کائنات کے وجود میں آنے کی علتِ غائی ہیں" (کذا افاد فی ص۳۱ من ہذا المجلد)

تیسرا صحیح مطلب

یہ ہے جس کی طرف سرکار علامہ مجلسیؒ نے اشارہ فرمایا ہے کہ چونکہ یہ علتِ غائی ممکنات ہیں اس لئے ان کو نور کہا گیا ہے۔ یہاں دو چیزیں غور طلب ہیں۔ ایک ان ذواتِ مقدسہ کا علتِ غائیہ کائنات ہونا۔ اور دوسرا۔ جو علتِ غائی ہو۔ اسے نور کہنا۔ جہاں تک پہلے امر کا تعلق ہے ہم اُسے **احسن الفوائد** میں دلائل قاطعہ سے ثابت کر چکے ہیں۔ اور اس کتاب کے تیسرے باب میں بھی اس پر تبصرہ کریں گے کہ یہی ذواتِ قادسہ علتِ غائی ممکنات ہیں اگر خداوند عالم ان کو پیدا نہ کرتا تو آدم ہوتے نہ حوا۔ نہ جنت نہ جہنم۔ نہ زمین اور نہ آسمان غرضیکہ کائنات کی کوئی چیز کتمِ عدم سے نکل کر عرصۂ ہستی میں قدم نہ رکھتی۔ ان اللہ خلق الخلق لہ ولاھلبیتہ۔ رہا دوسرا امر کہ جو باعثِ تخلیق کائنات و علتِ غائی ممکنات ہو اُسے نور کہا جا سکتا ہے یہ ظاہر ہے کیونکہ نور کی اگرچہ حقیقی تعریف تو معلوم نہیں لیکن (تعریف لفظی یہ ہے "الظاھر بنفسہ والمظھر لغیرہ" جو خود روشن ہو اور دوسروں کو روشن کرے۔ تو جو دوسرے کے وجود میں آنے کا سبب ہوگا وہ اُسے روشن کرنے والا ہی سمجھا جائے گا۔ اس بنا (نسبۃ الشیٔ الی السبب) پر ان حضرات کو نور کہا گیا ہے۔ صاحبِ **حقائق الوسائط** نے بھی ان کو نور کہنے کی وجہ یہی قرار دی ہے کہ "محمد و آل محمد علیہم السلام خدا کے بعد تمام خلائق کے لئے نور ہیں کیونکہ ان کا وجود نفس الامر میں بالتحقیق ثابت ہے اور وہ دیگر خلائق کے وجود کا سبب ہیں" (ص۱۲) بعد ازاں سرکار مجلسیؒ کا سابقہ کلام اپنی تائید میں پیش کیا گیا ہے۔ اب سوائے اس کے فرق کیا رہ گیا کہ وہ سے حقیقی نور کہتے ہیں اور ہم مجازی* جس اعتبار سے ہم ان حضرات کو نور کہہ رہے ہیں۔ اب نورِ مجسم کی گردان کرنے والے بھی اسی سطح پر اتر آئے ہیں۔ ویحق اللہ الحق بکلماتہ۔ لان الحق یعلو ولا یعلیٰ علیہ

چوتھا صحیح مطلب

چونکہ نور اشیاء کے بروز و ظہور کا سبب ہوتا ہے اس بنا پر بطور مجاز (استعارہ) علم کو نور کہا جاتا ہے چونکہ یہ ذواتِ مقدسہ علمِ خدا کے خزینہ دار ہیں اس لئے ان کو بھی نور کہا جاتا ہے یہ معنی فاضل نبیل ملا خلیل قزوینیؒ نے کتاب الصافی شرح اصول کافی کتاب الحجۃ جزء سوم ص۴۶ طبع لکھنؤ پر بیان فرمائے ہیں کہ "وقس آن

---

* اسی کا نام نزاع لفظی ہے ورنہ درحقیقت

تعبیر الائمۃ بنور اللہ تعالیٰ شدہ باعتبار اینکہ چوں علم الٰہی کہ وحی شدہ برسل نزد ایشاں است و نور عبارت از علم است" یعنی قرآن مجید میں ائمہؑ کو "نور اللہ" کہا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ خداوند عالم نے جو علوم بذریعہ وحی انبیاء و رسل پر نازل کئے وہ سب ان بزرگواروں کے پاس ہیں۔ اور نور سے مراد ہے علم" پھر صفحہ ۵ پر لکھا ہے "از ینجا ظاہر می شود کہ اطلاقِ نور بر امام و امامت در قرآن و مانند اینہا بیک معنیٰ راجع می شود۔ چہ استعارۂ نور برائے علم شدہ و ہر کدام اینہا جائے علم است" یعنی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام، امامت اور قرآن وغیرہ پر نور کا اطلاق ایک ہی معنی کے اعتبار سے ہے

کیونکہ نور علم سے استعارہ ہے اور یہ تمام اشیاء علم کا ظرف ہیں" اس لئے ان کو نور کہا گیا ہے، تمام علماء اعلام کا اپنے اپنے مذاق اور اپنی اپنی فہم و بصیرت کے مطابق آیاتِ نور کی تاویل اور اطلاقِ نور کی وجوہ بیان کرنا اس بات کی قطعی دلیل ہے۔ کہ یہ آیات و روایات اپنے ظاہری معنوں پر محمول نہیں اور نہ ہی ہو سکتی ہیں کیونکہ اگر یہ بزرگوار حسی و ظاہری نور یعنی مجسم نور ہوتے تو پھر ان کو نور کہنے کی وجوہ تلاش کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ کہ فلاں وجہ سے نور کہا گیا ہے تبادرِ معنی از لفظ اس وقت علامتِ حقیقت ہوتا ہے جبکہ اس کے برخلاف کوئی قطعی قرینہ موجود نہ ہو۔ ہم چونکہ سابقہ اوراق میں قرآن و حدیث معصومینؑ اور عقل سلیم کی روشنی میں ناقابلِ انکار دلائل و براہین سے انبیاءؑ و مرسلینؑ اور ائمہ طاہرین صلوات اللہ علیہم اجمعین کا حقیقی معنوں میں بشر و انسان ہونا محقق و مبرہن کر چکے ہیں۔ اس لئے اب آیات و روایاتِ نور کو انکے بیان کردہ مطالب و معانی چہارگانہ میں سے کسی ایک مطلب و معنیٰ پر محمول کرنا ناگزیر ہے ہاں للناس فیما یعشقون مذاہب۔ یا ایھا الناس قد جاءکم الحق من ربکم فمن اھتدیٰ فانما یھتدی لنفسہ و من ضل فانما یضل علیھا و ما انا علیکم بوکیل۔

تیسرا باب

تفویض کے معانی واقسام اور تفویضِ ممنوع کے بطلان کا بیان

تفویض غلو کی ہی ایک قسم ہے

جیسا کہ کتاب کے مقدمہ میں ثابت کیا جا چکا ہے تفویض کا عقیدہ باطلہ بھی بعض دیگر من گھڑت عقاید کی طرح ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے حق میں افراط و غلو کرنے کی پیداوار ہے یہی وجہ ہے کہ علمائے اعلام نے عقیدہ "تفویض" کو "غلو" اور "مفوضہ کو غالیوں" کی ہی ایک قسم شمار کیا ہے چنانچہ ہم اس سلسلہ میں مفید الطائفہ المحقہ حضرت شیخ مفید کا کلام حق ترجمان ان کے رسالہ شرح عقائد صدوقؒ ص۲۱ سے مقدمہ میں پیش کر چکے ہیں مزید ان رجوع کیا جائے جس میں انہوں نے تصریح فرمائی ہے کہ "المفوضۃ صنف من الغلاۃ" کہ فرقہ مفوضہ غالیوں کی ہی ایک قسم ہے۔ یہاں اب صرف ایک اور عالم جلیل کا بیان پیش کیا جاتا ہے اور وہ ہیں شیخ اجل شیخ فضل اللہ زنجانی جو کتاب اوائل المقالات شیخ مفیدؒ کے حاشیہ پر "مفوضہ" کا یوں تعارف کراتے ہیں وھم فرقۃ من الغلاۃ الذین غلوا فی حق بعض المخلوقین واجروا فی حقھم احکام الالٰھیۃ تعالی عن ذلک وقول ھذہ الفرقۃ الذی فارقوا بہ غیرھم انھم قالوا ان الائمۃ علیھم السلام انھم عباد مخلوقون وان ذواتھم حادثۃ ونفوا سمات القدم عنھم وقالوا ان اللہ تعالی تفرد بخلقھم خاصۃ ثم فوض الیھم خلق العالم بما فیہ وجعل الیھم امر الخلق والرزق وجمیع الافعال الواقعۃ فی الکون" اور خلق و رزق کو ان کی طرف منسوب کر کے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ خدا نے صرف انہی بزرگواروں کو پیدا کیا ہے اس کے بعد تمام عالم کی خالقیت کو ان کے سپرد کر دیا ہے۔ لہٰذا اب خلق کرنا، رزق دینا اور کائنات کی ہر شے کا پیدا کرنا انہی کے متعلق ہے۔"

انواع واقسامِ تفویض

چونکہ تفویض کی کئی قسمیں ہیں۔ جیسے (۱) تفویض فی الامور التکوینیہ (۲) تفویض فی التربیۃ والتعلیم (۳) تفویض فی المنع والعطاء (۴) تفویض فی الامور التشریعیۃ وغیرہا اور ان میں سے بعض قسمیں صحیح ہیں اور بعض غلط۔ اس لئے مناسب یہ ہے کہ اس موضوع پر نقد و تبصرہ کرنے سے پہلے ان تمام اقسام کو بیان کر دیا جائے تاکہ بعد ازاں خلط مبحث نہ ہو سکے اور احقاق حق و ابطال باطل میں بھی سہولت ہو جائے۔ نیز انسب یہ ہے کہ اس سلسلہ میں اپنی طرف سے کچھ کہنے کی بجائے غواص بحار اخبار ائمہ اطہار سرکار علامہ مجلسیؒ کی تحقیق انیق کو بلا کم و کاست نقل کر کے اس کا مطلب خیز ترجمہ پیش کر دیا جائے۔ سرکار موصوف قدس سرہ کی علمی شخصیت اس قدر عظیم المرتبت ہے کہ کوئی بھی شیعہ کہلانے والا آپ کی فرمائش کا انکار کرنے کی جرأت و جسارت نہیں کر سکتا۔

"مفوضہ" غالیوں کی ہی ایک قسم ہے جو بعض مخلوق کے حق میں غلو کر کے ان کے حق میں خدائی احکام کے قائل ہوتے ہیں۔ ہاں ان (مفوضہ) اور دیگر غالیوں میں صرف یہ فرق ہے کہ وہ آئمہ کو حادث اور مخلوق تسلیم کرتے ہیں لیکن وہ یہ ضرور کہتے ہیں کہ خدا نے صرف انہی ذوات

تفویض کے اقسام سرکار علامہ مجلسیؒ کے کلام حق ترجمان کی روشنی میں

سرکار علامہ اعلی اللہ مقامہ مرآۃ العقول فی شرح الاصول من الکافی ج ۱ ص۹۲ اور بحار الانوار جلد ۷ ص۳۶۵ طبع تبریز پر اس سلسلہ میں رقمطراز ہیں ہم مرآۃ العقول سے نقل کر رہے ہیں:

"اعلم ان التفویض یطلق علی معان بعضها منفی عنهم علیهم السلام و بعضها مثبت لهم" جاننا چاہیے کہ تفویض کا اطلاق مختلف معنوں پر ہوتا ہے بعض معنوں کے اعتبار سے آنحضرات سے منفی ہے اور بعض کے لحاظ سے ثابت۔

فالاول التفویض فی الخلق والرزق والتربیة والاماتة والاحیاء فان قوما قالوا ان الله خلقهم وفوض الیهم امر الخلق فهم یخلقون ویرزقون ویحیون ویمیتون وهذا یحتمل وجهین احدهما ان یقال انهم یفعلون جمیع ذلك بقدرتهم وارادتهم وهم الفاعلون لها حقیقة فهذا کفر صریح دلت علی استحالته الادلة العقلیة والنقلیة ولا یستریب عاقل فی کفر من قال به وثانیهما ان الله تعالی یفعلها مقارنا لارادتهم کشق القمر واحیاء الموتی وقلب العصا حیة وغیر ذلك من المعجزات فان جمیعها انما تقع بقدرته سبحانه مقارنا لارادتهم لظهور صدقهم فلا یأبی العقل من ان یکون الله تعالی خلقهم واکملهم والهمهم ما یصلح فی نظام العالم ثم خلق کل شیء مقارنا لارادتهم ومشیتهم وهذا وان کان العقل لا یعارضه کفاحا لکن الاخبار الکثیرة مما اوردناها فی کتاب بحار الانوار یمنع من القول به فیما عدا المعجزات ظاهرا بل صریحا مع ان القول به قول بما لا یعلم اذ لم یرد ذلك فی الاخبار المعتبرة فیما نعلم وما ورد من الاخبار الدالة علی ذلك کخطبة البیان وامثالها فلم توجد الا فی کتب الغلاة واشباههم مع انه یمکن حملها علی ان المراد بها کونهم علة غائیة لایجاد جمیع المکونات وانه تعالی جعلهم مطاعا فی الارضین والسموٰت ویطیعهم باذن الله تعالی کل شیء حتی الجمادات وانهم اذا شاؤا امرا لا یرد الله مشیتهم لکنهم لا یشاؤن الا ان یشاء الله وما ورد من الاخبار فی نزول الملائکة والروح لکل امر الیهم وانه لا ینزل من السماء ملك لامر الا بدأ بهم فلیس لمدخلیتهم فی تلك الامور ولا للاستشارة بهم فیها بل له الخلق والامر تعالی شانه ولیس ذلك الا لتشریفهم واکرامهم واظهار رفعة مقامهم وقد روی الطبرسیؒ فی کتاب الاحتجاج عن علی بن احمد القمی قال اختلف جماعة من الشیعة فی ان الله عزوجل فوض الی الائمة صلوات الله علیهم ان یخلقوا ویرزقوا فقال قوم هذا محال لا یجوز علی الله لان الاجسام لا یقدر علی خلقها غیر الله عزوجل [1] اقدر الائمة علی ذلك وفوض الیهم فخلقوا ورزقوا وتنازعوا فی ذلك تنازعا شدیدا فقال قائل ما بالکم لا ترجعون الی ابی جعفر محمد بن عثمان فتسألونه عن ذلك لیوضح لکم الحق فیه فانه

---

[1] وقال اخرون بل الله عزوجل اقدر الائمة الخ ……

الطریق الی صاحب الامر علیہ السلام فرضیت الجماعۃ بابی جعفر وسلمت واجابت الی قولہ فکتبوا المسئلۃ وانفذوھا الیہ فخرج الیھم من جھتہ توقیع نسختہ " ان اللہ تعالیٰ ھو الذی خلق الاجسام وقسم الارزاق لانہ لیس بجسم ولا حال فی جسم لیس کمثلہ شیئ وھو السمیع البصیر فاما الائمۃ علیھم السلام فانھم یسئلون اللہ تعالیٰ فیخلق ویسئلونہ فیرزق ایجاباً لمسئلتھم واعظاماً لحقھم " و روی الصدوق فی العیون عن الرضا علیہ السلام معنی قول الصادق " لا جبر ولا تفویض بل امر بین امرین قال من زعم ان اللہ تعالیٰ یفعل افعالنا ثم یعذبنا علیھا فقد قال بالجبر ومن زعم ان اللہ عزوجل فوض امر الخلق والرزق الی حججہ علیھم السلام فقد قال بالتفویض والقائل بالجبر کافر والقائل بالتفویض مشرک ":

تفویض کی پہلی قسم۔ پیدا کرنے، رزق دینے، تربیت کرنے اور مارنے و جلانے کے متعلق ہے۔ جیسا کہ ایک گروہ کا خیال ہے کہ خداوند عالم نے ان بزرگواروں کو پیدا کرکے دوسری مخلوق کے معاملات ان کے سپرد کر دیے ہیں۔ لہٰذا اب یہی پیدا کرتے ہیں رزق دیتے اور یہی مارتے و جلاتے ہیں اس نظریہ میں دو احتمال ہیں۔ اوّل یہ کہ یہ حضرات سب کچھ اپنی قدرت اور اپنے ارادہ سے کرتے ہیں اور یہی ان افعال کے حقیقی فاعل ہیں۔ یہ کفر صریح ہے۔ اس کے محال و ناممکن ہونے پر ادلۂ عقلیہ و نقلیہ قائم ہیں۔ اور کوئی بھی عقل مند انسان ایسا اعتقاد رکھنے والے کے کفر میں شک و شبہ نہیں کر سکتا۔

دوم یہ کہ تمام کام خداوند عالم خود کرتا ہے مگر اس وقت جب ائمہ ارادہ کرتے ہیں جس طرح شق القمر کرنے، مردہ زندہ کرنے اور عصا کے سانپ بنانے یا اس قسم کے جو دوسرے معجزات ہیں۔ کیونکہ یہ سب معجزات خداوند عالم کی ہی قدرت وطاقت سے ظاہر ہوتے ہیں۔ مگر خدا ظاہراً اس وقت کرتا ہے جب ارادہ یہ حضرات کرتے ہیں: تاکہ ان کی صداقت وسچائی ظاہر ہو جائے۔ اس دوسرے احتمال کے متعلق اگرچہ عقل ابا و انکار نہیں کرتی کہ خلاقِ عالم نے ائمہ اہل بیتؑ کو خلق کرکے کامل و اکمل بنا دیا ہو۔ اور جو چیز نظامِ عالم کے لئے بہتر ہے اس کا ان کو الہام و القا بھی کر دیا ہو اور پھر ہر چیز کو ان کے ارادہ اور ان کی مشیت کے ساتھ ساتھ پیدا فرمایا ہو۔ اگرچہ عقل اس احتمال کی حتمی نفی نہیں کرتی۔ لیکن کثیر التعداد اخبار و آثار جن کو ہم نے بحار الانوار جلد ہفتم وغیرہ میں درج کیا ہے۔ وہ بظاہر بلکہ صریحاً سوائے مقام اعجاز کے دوسرے معاملات و حالات میں یہ اعتقاد رکھنے سے مانع ہیں۔ علاوہ بریں یہ عقیدہ ایسا ہے جس کے صحیح ہونے کا ہمیں کوئی علم نہیں۔ وحالانکہ اصول عقائد میں علم ویقین ضروری ہے۔ کیونکہ جہاں تک ہمیں علم ہے یہ بات اخبار معتبرہ میں وارد نہیں ہے۔ اور جو اس قسم کے بعض اخبار و آثار وارد ہوئے ہیں جو بظاہر اس بات (یعنی ائمہ کے خالق و رازق ہونے) پر دلالت کرتے ہیں۔ جیسے خطبۃ البیان اور اس کے ساتھ ملتے جلتے دوسرے بعض خطبے تو یہ صرف غالیوں یا ان کے ساتھ ملتے جلتے (بعض باطل) فرقوں کی کتابوں میں ہی پائے جاتے ہیں۔ ہماری کتب معتبرہ میں ان کا کہیں نام و نشان تک نہیں ہے۔ اس لئے ناقابلِ اعتماد ہیں۔ اور بنا بر تسلیم۔ ان خطبوں کی تاویل ممکن ہے کہ ان سے مراد یہ ہے کہ چونکہ یہ بزرگوار

تمام مخلوقاتِ عالم کے وجود کی علتِ غائی ہیں (اگر یہ نہ ہوتے تو خدا کچھ بھی پیدا نہ کرتا) خدا نے ان کو زمین و آسمان میں ایسا مطاع بنایا ہے کہ اللہ سبحانہ کے حکم سے ہر شئی حتیٰ کہ جمادات بھی ان کی اطاعت کرتے ہیں اور یہ کہ یہ حضرات جب کسی امر کا ارادہ کریں تو خداوند عالم ان کی مشیت امرضی کو مسترد نہیں کرتا۔ مگر یہ وہی کچھ چاہتے ہیں جو خدا چاہتا ہے اور یہ جو اخبار و آثار میں وارد ہے کہ تمام ملائکہ اور روح جو جبرئیلؑ و میکائیلؑ سے بھی عظیم الشان ہے) ہر امر میں ان کے پاس حاضر ہوتے ہیں اور یہ کہ جو فرشتہ بھی آسمان سے زمین پر اترتا ہے پہلے ان کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے (جس سے غلو پرور حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ ائمہ ان کی ڈیوٹیاں مقرر کرتے ہیں) تو یہ آمد و رفت اس لئے نہیں کہ ان حضرات کو ان امور کی انجام دہی میں کچھ دخل ہے اور نہ ہی اس لئے ہے کہ ان امور میں (خدا کو) ان حضرات سے مشورہ لینا مقصود ہے بلکہ خلق و امر تمام امور قبضۂ قدرت میں ہیں۔ ان کی بارگاہ میں فرشتوں کا حاضر ہونا محض ان حضرات کے اکرام و احترام اور ان کی رفعت مقام و عظمتِ شان ظاہر کرنے کے لئے ہے۔ جناب طبرسیؒ احتجاج میں علی بن احمد قمی سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ شیعوں کی ایک جماعت میں باہم اختلاف پیدا ہوگیا۔ کہ آیا خداوند عالم نے پیدا کرنے اور رزق دینے کے معاملات ائمہ علیہم السلام کے سپرد کئے ہیں یا نہ؟ چنانچہ بعض نے کہا کہ ایسا ہونا محال ہے اس لئے خدا ایسا نہیں کرتا۔ کیونکہ جسموں کے پیدا کرنے پر سوائے خدا تعالیٰ کے اور کوئی قدرت نہیں رکھتا اور بعض نے یہ کہا کہ خداوند قدیر نے ائمہ اہلبیتؑ کو اس بات پر قدرت دے دی ہے اور یہ معاملات ان کے سپرد فرما دیئے ہیں لہٰذا اب وہی پیدا کرتے ہیں اور وہی رزق دیتے ہیں۔ ان کا یہ نزاع بہت شدت اختیار کر گیا۔ ان میں سے ایک (عقلمند) آدمی نے کہا تم اس معاملہ میں جناب ابو جعفرؒ محمد بن عثمان (نائب خصوصی امام العصر علیہ السلام) کی طرف رجوع کرکے ان سے کیوں حقیقتِ حال معلوم نہیں کرتے؟ کیونکہ وہ اس وقت حضرت صاحب الامرؑ کی بارگاہ تک رسائی حاصل کرنے کا (واحد) ذریعہ ہیں چنانچہ پوری جماعت نے اس رائے سے اتفاق کیا۔ اور صورتِ سوال لکھ کر جناب ابو جعفرؒ کی خدمت میں پیش کر دی (اور انہوں نے اسے خدمتِ امام میں پیش کیا) پس ناحیۂ مقدسہ سے اس کا جو جواب صادر ہوا اس کے الفاظ یہ ہیں (ترجمہ) "خداوند عالم ہی جسموں کا پیدا کرنے اور رزق تقسیم کرنے والا ہے کیونکہ نہ وہ جسم رکھتا ہے اور نہ کسی جسم میں حلول کرتا ہے کوئی چیز اس کی ہمسر و نظیر نہیں اور وہ سننے اور دیکھنے والا ہے ہاں ائمہ علیہم السلام بارگاہِ قدرت میں سوال و سفارش کرتے ہیں اور وہ ان کے سوال کو قبول کرتے ہوئے اور ان کے حقوق کی نگہداشت کرتے ہوئے پیدا کر دیتا ہے اور یہ سوال و سفارش کرتے ہیں تو وہ رزق عطا فرما دیتا ہے۔" (یہی وسیلہ کا صحیح مفہوم ہے) حضرت شیخ صدوقؒ نے عیون اخبار الرضا (ص۱۲۴ کذا فی الاحتجاج ص۲۶۴) میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے ارشاد "لا جبر ولا تفویض بل امر بین الامرین" کی تشریح کے سلسلہ میں حضرت امام رضا علیہ السلام سے یہ روایت نقل کی ہے کہ آں جنابؑ نے فرمایا جو شخص یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ خداوند عالم ہی ہمارے افعال کا فاعل ہے اور پھر ہمارے (برے) افعال پر ہمیں عذاب بھی کرتا ہے وہ جبر کا قائل ہے اور جو یہ کہتا ہے کہ خدا نے پیدا کرنے، رزق دینے کا

معاملہ اپنی حجتوں (ائمہؑ) کے سپرد کر دیا ہے تو وہ تفویض کا قائل ہے جبر کا قائل کافر اور تفویض کا قائل مشرک ہے۔"

الضرب الثانی التفویض فی امر الدین وھذا ایضاً یحتمل وجھین احدھما ان یکون اللہ تعالیٰ فوض الی النبی والائمۃ صلوات اللہ علیھم عموماً ان یحلوا ما شاؤا او یحرموا ما شاؤا من غیر وحی والھام او یغیروا ما اوحی الیھم بآرائھم وھذا باطل لا یقول بہ عاقل فان النبیؐ کان ینتظر الوحی ایاماً کثیرۃ لجواب سائل ولا یجیبہ من عندہ وقد قال تعالیٰ وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ وثانیھما انہ تعالیٰ لما اکمل نبیہ بحیث لم یکن یختار من الامور شیئاً الا ما یوافق الحق والصواب ولا یحل ببالہ ما یخالف مشیتہ سبحانہ فی کل باب فوض الیہ تعیین بعض الامور کالزیادۃ فی رکعات الفرائض وتعیین النوافل من الصلوٰۃ والصیام وطعمۃ الجد وغیر ذلک مما سیأتی بعضھا فی ھذا الکتاب اظھاراً لشرفہ وکرامتہ عندہ ولم یکن اصل التعیین الا بالوحی ولا فساد فی ذلک عقلاً وقد دلت النصوص المستفیضۃ علیہ وظاھر الکلینی واکثر المحدثین القول بہ والصدوق وان ادعی کلامہ نفی ذلک یمکن تاویلہ بما یرجع الی نفی المعنی الاول لانہ قد اورد فی کتبہ کثیراً من الاخبار الدالۃ علی المعنی الثانی لاسیما فی کتاب علل الشرائع ولم یردھا ولم یتعرض لتاویلھا وقال فی الفقیہ وقد فوض اللہ عزوجل الی نبیہ امر دینہ ولم یفوض الیہ تعدی حدودہ۔

تفویض کی دوسری قسم دینی معاملات کے متعلق ہے۔ اس میں بھی دو احتمال ہیں اوّل یہ کہ خدا نے دین کا معا بالکل انہی بزرگواروں کے سپرد کر دیا ہے لہٰذا یہ بغیر وحی و الہام کے جس چیز کو چاہیں حلال بتائیں اور جسے چاہیں حرام قرار دیں یا وحی شدہ امور میں اپنی رائے سے جو چاہیں تغیر و تبدل کریں تفویض بایں معنی بھی باطل ہے کوئی بھی عقلمند اس کا قائل نہیں ہو سکتا کیونکہ آنحضرتؐ بعض اوقات ایک سائل کے جواب میں کئی کئی دن تک وحی الٰہی کا انتظار کرتے رہتے تھے۔ مگر اپنی طرف سے پھر بھی کچھ نہیں کہتے تھے چنانچہ خداوند عالم ان کے متعلق فرماتا ہے ہمارا رسولؐ اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتا بلکہ جو کچھ اسے وحی ہوتی ہے اس کی ترجمانی کرتا ہے (دوم) یہ کہ خدائے حکیم نے اپنے نبی (آخر الزمانؐ) کو اس طرح خلق فرما اور کامل بنایا ہے کہ وہ ہمیشہ ایسے ہی امر کو اختیار کرتے تھے جو حق و صواب ہوتا تھا۔ اور ہر ہر معاملہ میں ان کے قلب مبارک میں وہی بات پیدا ہوتی تھی جو مشیت ایزدی کے عین مطابق ہوتی تھی۔ اس لئے خدا نے اپنے نزدیک ان کے شرف و کرامت کے اظہار کی خاطر بعض امور کی تعیین ان کے سپرد کر دی جیسے نماز فرائض میں (آخری) رکعت کی زیادتی۔ یا مستحبی نماز و روزہ کی تعی جد کا طعمہ (چھٹا حصہ) اس کے علاوہ اور بعض امور بھی جن کا بیان اسی کتاب میں (اپنے مقام پر) آئے گا۔ بایں ہمہ اصل تعیین و اختیار، وحی و الہام کے ماتحت ہی ہوتا تھا۔ پھر آں حضرت صلعم جو شق اختیار فرماتے اس کی تائید و تاکید (آنے والی) وحی سے ہو جاتی۔ تفویض بایں معنی کے تسلیم کرنے میں عقلاً کوئی خرابی نظر نہیں آتی۔ اور نصوص مستفیضہ اس پر دلالت کرتی ہیں جن

شیخ کلینیؒ اور اکثر محدثین کے حالات سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس کے قائل تھے (کیونکہ انہوں نے بلا ردّ و قدح ایسی روایات اپنی کتابوں میں درج کی ہیں) حضرت شیخ صدوقؒ کے کلام سے اگرچہ اس بات کا وہم ہوتا ہے کہ وہ اس کے قائل نہیں۔ مگر ان کے کلام کی بھی ایسی تاویل ممکن ہے کہ ان کی مراد امور دین میں پہلے احتمال کے مطابق تفویض کی نفی کرنا ہے کیونکہ انہوں نے اپنی کتب بالخصوص علل الشرائع میں ایسی روایات بکثرت درج کی ہیں جو اس دینی تفویض کی دوسرے معنی کے مطابق صحت پر دلالت کرتی ہیں۔ نہ ان کو رد فرمایا ہے اور نہ ان کی کوئی تاویل فرمائی ہے نیز انہوں نے من لا یحضرہ الفقیہ میں فرمایا ہے کہ خداوند عالم نے اپنی نبیؐ کو دین کا معاملہ سپرد تو فرمایا ہے مگر اپنی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرنے کی اجازت نہیں دی (اس سے یہی ظاہر کہ وہ دینی امور میں تفویض کو درست سمجھتے ہیں)

الثالث تفويض امور الخلق اليهم من سياستهم وتاديبهم وتكميلهم وتعليمهم وامر الخلق باطاعتهم فيما احبوا وكرهوا وفيما علموا جهة المصلحة فيه وما لم يعلموا وهو المراد بهذا الخبر وهذا معنى حق دلت عليه الاخبار وادلة العقل۔

تفویض کی تیسری قسم یہ ہے کہ خدا نے اپنی مخلوق کی تادیب و تہذیب اور تکمیل و تعلیم وغیرہ امور کو ان بزرگواروں کے سپرد فرمایا ہے اور پھر اپنی مخلوق کو حکم دیا ہے کہ وہ ہر امر میں خواہ ان کا پسندیدہ ہو یا ناپسندیدہ اور خواہ وہ اس کی حکمت و مصلحت کو سمجھ سکیں یا نہ سمجھ سکیں بہرحال ان کی اطاعت و فرمانبرداری کریں۔ اس حدیث سے جو کہ اصول کافی میں موجود ہے جس کی شرح میں یہ ساری تحقیق پیش کی گئی ہے۔ کہ ان اللّٰہ ادب نبیہ علی محبّتہ فقال انک لعلی خلق عظیم۔ ثم فوض الیہ فقال عز وجل وما اٰتٰکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا وقال عز وجل من یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ الخ یہی معنی مراد ہیں۔ تفویض کی یہ قسم بالکل صحیح ہے اس کی صحت پر آیات و روایات اور ادلّہ عقلیہ دلالت کرتے ہیں۔

الرابع تفويض بيان العلوم والاحكام اليهم بما ارادوا المصلحة فيها بسبب اختلاف عقولهم وافهامهم او بسبب التقية فيفتون بعض الناس بالاحكام الواقعية وبعضهم بالتقية ويسكتون عن جواب بعضهم للمصلحة ويجيبون في تفسير الايات وتاويلها وبيان الحكم والمعارف بحسب ما يحمله عقلهم كما سياتي ولهم ان يجيبوا ولهم ان يسكتوا كما ورد في اخبار كثيرة عليكم المسئلة وليس علينا الجواب كل ذلك بحسب ما يريهم الله من مصالح الوقت كما سيأتي في خبر ابن اشيم وغيره ولعل تخصيصه بالنبي والائمة صلوات الله عليه وعليهم لعدم تيسر هذه التوسعة لسائر الانبياء والاوصياء عليهم السلام بل كانوا مكلفين بعدم التقية في بعض الموارد وان اصابهم الضرر وان كانوا مكلفين بان يكلموا الناس على قدر عقولهم والتفويض بهذا المعنى ايضاً حق ثابت بالاخبار المستفيضة وتشهد له الادلة العقلية ايضاً۔

تفویض کی چوتھی قسم۔ یہ ہے کہ خدا نے احکام و علوم کے بیان کرنے کو ان حضرات کے سپرد کیا ہے کہ لوگوں کے عقول

وافہام کے اختلاف یا تقیہ وغیرہ حالات کے پیش نظر جہاں جو بات مناسب سمجھیں وہ بیان کریں یا بعض لوگوں کو احکام واقعیہ اور بعض کو تقیہ کے مطابق فتویٰ دیں یا بعض مقامات پر حسب مصلحت بالکل سکوت اختیار فرمائیں اسی طرح آیات قرآنیہ کی تفسیر و تاویل اور اسرار و معارف ربانیہ کے بیان کرنے میں سوال کرنے والوں کی عقل و فہم کے مطابق کارروائی کریں جس طرح کہ اس کا بیان آئندہ آئے گا۔ اسی طرح ان کو یہ حق بھی حاصل ہے کہ چاہیں تو جواب دیں اور چاہیں تو خاموشی اختیار کریں۔ جیسا کہ ان حضرات کے متعدد اخبار میں وارد ہے۔ کہ تم لوگوں پر سوال کرنا واجب ہے مگر ہم پر جواب دینا لازم نہیں ہے یہ سب کچھ وہ ان وقتی مصلحتوں یا نزاکتوں کے تحت کرتے ہیں جو خدائے سبحانہ ان کو سمجھاتا ہے جس طرح ابن اشیم والی روایت میں آئے گا۔ (جو کہ متن میں مذکور ہے) بعید نہیں کہ اس معنے کے اعتبار سے تفویض صرف جناب رسولؐ خدا اور ائمہ ہدیٰ کے ساتھ مختص ہو۔ کیونکہ اس قدر وسعت دوسرے انبیاءؑ و اوصیاءؑ کو حاصل نہ تھی۔ بلکہ وہ بعض مقامات پر تقیہ نہ کرنے پر مامور تھے۔ اگرچہ اس طرح ان کو ضرر و نقصان بھی پہنچ جائے۔ ہاں البتہ اس بات کا ان کو بھی اختیار تھا کہ وہ لوگوں کے عقل و فہم کے مطابق ان کے ساتھ بات کریں۔ بہر حال تفویض کی یہ قسم بھی ثابت ہے اور ادلہ عقلیہ بھی اس کی تائید مزید کرتے ہیں۔

الخامس الاختيار في ان يحكموا بظاهر الشريعة او بعلمهم وبما يلهمهم الله تعالى من الواقع ومخ الحق في كل واقعة وهو احد محامل خبر ابن سنان الآتي ودلّ عليه غيره من الاخبار

تفویض کی پانچویں قسم یہ ہے کہ ان بزرگواروں کو یہ اختیار ہے کہ وہ ظاہری شریعت کے قواعد و اصول کے مطابق عمل کریں یا ہر ہر واقعہ میں اپنے علم ربانی اور الہام یزدانی کے مطابق نفس الامر اور اصل واقع کے موافق عمل کریں۔ یہ معنی ابن سنان والی حدیث جو بعد میں مذکور ہوگی۔ (جسے ہم مقدمہ کتاب میں افراط و تفریط کے بین بین درمیانہ عقیدہ کے ضمن میں بیان کر چکے ہیں) کے صحیح محامل میں سے ایک محمل ہے اس کے علاوہ اور اخبار بھی اس پر دلالت کرتے ہیں۔

السادس التفويض في الاعطاء والمنع فان الله تعالى خلق لهم الارض وما فيها وجعل لهم الانفال والخمس والصفايا وغيرها فلهم عليهم السلام ان يعطوا من شاؤا ويمنعوا من شاؤا وهذا المعنىٰ ايضاً حق يظهر من كثير من الاخبار واذا احطتَ خُبراً بما ذكرنا من معاني التفويض سهل عليك فهم اخبار هذا الباب وعرفت ضعف قول من نفى التفويض مطلقاً ولما يحط بمعانيه

تفویض کی چھٹی قسم یہ ہے کہ ان بزرگواروں کو عطا و بخشش کرنے میں اختیار ہے کیونکہ زمین و مافیہا کی خلقت کا سبب و علت غائی یہی بزرگوار ہیں۔ یعنی خدا نے ساری کائنات انہی کی خاطر پیدا کی ہے۔ اور پھر اس زمین و مافیہا میں سے انفال خمس اور صفایا (مال غنیمت میں سے جو عمدہ چیز نبیؐ و امامؑ منتخب کر لیں) وغیرہ ان کے لئے مقرر فرمائے۔ لہٰذا ان کو حق حاصل ہے کہ جسے جس قدر چاہیں عطا کریں اور جسے چاہیں کچھ نہ دیں۔ اس معنی کے اعتبار سے بھی تفویض کی صحت بکثرت اخبار سے ظاہر ہوتی ہے جب تم تفویض کے مذکورہ بالا تمام معانی و اقسام سمجھ لوگے تو تمہارے لئے اس باب کی تمام احادیث کا سمجھنا آسان

ہو جائے گا۔ اور قم پر اس شخص کے قول کی کمزوری بھی ظاہر ہو جائے گی جس نے تفویض کے تمام معانی و اقسام پر احاطہ کئے بغیر مطلقاً اسے ممنوع قرار دیا ہے۔ ہم نے واضح کر دیا کہ اس کی بعض قسمیں غلط اور ممنوع ہیں اور بعض صحیح۔ انتہی کلامہ۔ رفع فی الخلد مقامہ فقدنا و بطولہ لجودۃ محصولہ۔ اکثر علمائے متاخرین نے سرکار علامہ کے اس کلام کو اپنی کتب میں نقل کر کے اپنی پسندیدگی ظاہر کی ہے۔ جیسے علامہ سید حبیب اللہ خوئی (در منہاج البراعۃ ج ۴ ص ۳۶۱ طبع) و علامہ ابوالحسن الشریف (در مراۃ الانوار ص ۹۶) و علامہ شیخ عبداللہ مامقانی (در مقیاس الدرایہ ص ۸۳) وغیرہم۔

تفویض کی ساتویں قسم علامہ الشیخ عبداللہ مامقانی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب مقیاس الدرایہ مطبوعہ مع رجال مامقانی ص ۸۳ کذا فی منتہی المقال ص ۱۳ للشیخ ابی علی الحائری۔ طبع نجف اشرف پر تفویض کے مذکورہ بالا اقسام بیان کرنے کے بعد ساتویں قسم یہ بیان فرمائی ہے۔

"السابع تقسيم الارزاق جعله في الفوائد مما يطلق عليه التفويض وصحته وفساده يعرف من المعنى الاول ولعله يرجع اليه او عينه الا ان يعمّ الاول للخلق والرزق والآجال وغيرها ويختص بخصوص الارزاق كما هو ظاهره۔"

تفویض کی ساتویں قسم تقسیم رزق ہے (کہ رزق خدا دیتا ہے اور اسے تقسیم ائمہ کرتے ہیں) کتاب فوائد میں اسے بھی تفویض میں داخل کیا ہے اس قسم کا صحیح یا باطل ہونا تفویض کے پہلے معنی سے معلوم ہو سکتا ہے کیونکہ اس قسم کی بازگشت بھی اسی قسم اول کی طرف ہے (جو کہ غلط اور ممنوع ہے) بلکہ یہ قسم بعینہ وہی قسم اول ہی ہے۔ ہاں صرف اس قدر فرق ہو سکتا ہے۔ کہ قسم اول پیدا کرنے، رزق دینے اور عمر کے گھٹانے و بڑھانے میں سب امور کو شامل ہو۔ اور یہ آخری قسم صرف تقسیم رزق کے ساتھ مختص ہو" انتہی کلامہ

بہر حال اگرچہ اس عالم ربانی و فاضل صمدانی کی تحقیق انیق کے بعد جسے تقریباً بعد میں آنے والے تمام علمائے اعلام نے بنظر استحسان دیکھا ہے اس موضوع پر مزید خامہ فرسائی کی ضرورت تو باقی نہیں رہتی۔ اس سے طالبان حق و حقیقت کی تسلی و تشفی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ آیات و روایات کے بحر بیکراں میں اس عظیم شناور نے غواصی کر کے نتائج کے جو گرانقدر دُرِ شہوار حاصل کئے ہیں۔ ان میں کسی صاحب عقل و انصاف کو کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی لیکن ہم مزید اطمینان قلب کے لئے سرکار علامہ کی فرمائش کی تائید میں مزید چند آیات محکمہ و روایات معتبرہ اور بعض اعاظم علمائے کرام کے کلام حق ترجمان کو پیش کرتے ہیں۔ نیز شکوک و شبہات کا ازالہ بھی کریں گے جو کہ اس سلسلہ میں پیش کئے جاتے ہیں یا کئے جا سکتے ہیں تاکہ ہر اعتبار سے یہ بحث مکمل و مختتم ہو جائے اور اتمام حجت میں کوئی کمی باقی نہ رہ جائے۔ ليهلك من هلك عن بيّنة ويحيى من حيّ عن بيّنة

محلِ نزاع کی تعیین لیکن قبل اس کے کہ ہم اس موضوع پر دلائل و براہین پیش کریں ایک اہم امر یعنی محل اختلاف کی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں سرکار علامہ مجلسیؒ کے کلام سے معلوم ہو گیا کہ امور تکوینیہ (مثل خلق و رزق اور

امانت و احیاء وغیرہ) میں تفویض ممنوع کی دو قسمیں ہیں (۱) تفویض استقلالی یعنی یہ کہ ائمہ اہل بیتؑ اپنی قدرت اور اپنے ارادہ کے ساتھ امور کو انجام دیتے ہیں۔ اور یہی بزرگوار ان افعال کے حقیقی فاعل ہیں۔ (۲) تفویض غیر استقلالی یا بالفاظ دیگر تفویض آلی یعنی یہ کہ ائمہ اطہارؑ ان امور کو خدا کے اذن اور اس کی مشیت و مدد کے تحت بجا لاتے ہیں اور تفویض کی دونوں قسمیں غلط اور ممنوع ہیں۔ نیز اس بیان سے یہ بھی واضح و عیاں ہو جاتا ہے کہ ان ہر دو قسم کی تفویض کے کچھ لوگ قائل گزرے ہیں۔ اور ہیں۔ اور اس میں قطعاً کسی قسم کا کوئی استبعاد بھی نہیں۔ کیونکہ جب ائمہؑ کو خدا ماننے والے گزرے ہیں۔ اور اب بھی موجود ہیں۔ تو ان کو بالذات خالق و رازق تسلیم کرنے والوں کے وجود کا کیونکر انکار کیا جا سکتا ہے؟ نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر ایسے بدعقیدہ لوگ ماضی میں نہ گزرے ہوتے تو ہمارے علمائے اعلام و حجج اسلام کو ان کے ان نظریات باطلہ کی ردّ میں کیوں زور قلم صرف کرنا پڑتا؟ بہرحال ہمیں قول سے مطلب ہے قائل سے کوئی سروکار نہیں۔ (انظر الی ما قال ولا تنظر الی من قال) البتہ آج کل وہ تمام لوگ جو متہم بالتفویض ہیں۔ وہ بھی تفویض استقلالی والے عقیدہ سے اپنی برات ظاہر کرتے ہیں۔ لہٰذا ہمیں بھی کوئی اصرار نہیں کہ ضرور ہی ان کو اس کا قائل ثابت کریں۔ لہٰذا سردست جو امر مورد بحث ہے یا آئندہ ہم جو کچھ آیات و روایات اور علمائے اعلام کے ارشادات پیش کریں گے۔ اس سے تفویض کی اسی دوسری قسم یعنی تفویض غیر استقلالی، اور تفویض آلی کا باطل کرنا مقصود ہے۔ اس معنی کی رو سے بے شمار مدعیانِ تشیع تفویض کے قائل موجود ہیں۔ آج کل ۳۲ حضرات مدعیان علم[1] کے دستخطوں سے ۲۶ عدد سوالات اور ان کے جوابات پر مشتمل ایک رسالہ بنام "حقائق مذہب شیعہ تفسیر اہل بیتؑ کی روشنی میں حضرات علمائے کرام کے قلم سے" شائع ہوا ہے اس رسالہ کے ص۱۰ پر سوال نمبر ۱۰ یہ ہے "کیا آنحضرت صلعم اور ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کی یہ ڈیوٹی ہے کہ وہ احیاء و امانت و خلق و رزق کے کام کرتے رہیں؟ اس سوال کا متفقہ طور پر یہ جواب دیا گیا ہے "یہ عقیدہ کسی شیعہ کا نہیں ہے اگر کوئی شخص یہ عقیدہ ان کی طرف منسوب کر کے علمائے کرام سے اس قسم کے فتوے طلب کرتا ہے تو وہ انہیں غلط فہمی میں مبتلا کرتا اور عوام الناس کو دھوکہ دیتا ہے ..... الخ

ہمیں یہ دیکھ کر روحانی مسرت و شادمانی ہوئی ہے کہ اب علمائے حق کی شبانہ روز کی تقریری و تحریری مسلسل جدوجہد و تگ و تاز کے خوشگوار ثمرات سامنے آ رہے ہیں۔ اور بعض وہ افراد جو کھلم کھلا تفویض کے قائل ہیں۔ وہ بھی اس سے اپنی بیزاری ظاہر کرنے پر مجبور نظر آتے ہیں۔ ہم اشخاص و افراد کی نشاندہی نہ ضروری سمجھتے ہیں اور نہ ہی مناسب ورنہ ہم بلا خوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ عوام کا تو ذکر ہی کیا بزعم خود خواص اور ان میں سے بھی مبلغین حضرات کی کم از کم اسی فی صد کھیپ انہی عقائد کی معتقد نظر آتی ہے۔ ھداھم اللہ الی صراط مستقیم بجاہ النبیؐ و آلہ الطاہرینؑ۔

تفویض کا بطلان قرآن مجید کی روشنی میں

اگرچہ اس سلسلہ میں بکثرت آیات پیش کی جا سکتی ہیں مگر ہم اختصار کے پیش نظر صرف چند ایسی آیات محکمہ پیش کرتے ہیں جو بعبارۃ النص اس

---

[1] جن میں اکثریت ایسے لوگوں کی ہے کہ "علم" پر اس سے بڑھ کر اور کوئی ستم نہیں کہ ان کو "اہل علم" کہا جائے فتدبر۔ منہ عفی عنہ

امر پر دلالت کرتی ہیں کہ خلق و رزق اور اماتت و احیاء وغیرہ امور تکوینیہ کی انجام دہی ذات خداوندی کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ امور اس نے کسی بھی مخلوق کے سپرد نہیں کئے۔ نہ استقلالی طور پر اور نہ آلی اور غیر استقلالی طور پر۔ (۱) ارشاد قدرت ہے۔ ھو اللہ الخالق البارئ المصور لہ الاسماء الحسنیٰ (پ ۲۸ س حشر ع ۳) وہی خدا تمام چیزوں کا خالق، موجد، صورتوں کا بنانے والا اسی کے لئے اچھے اچھے نام ہیں۔" اس آیت مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ خداوند عالم ہی خالق و مصور ہے۔

(۲) اھم یقسمون رحمۃ ربک نحن قسمنا بینھم معیشتھم فی الحیوۃ الدنیا (پ ۲۵ س زخرف ع ۹) کیا یہ لوگ تمہارے پروردگار کی رحمت کو (اپنے طور پر) بانٹتے ہیں۔ ہم نے تو ان کے درمیان ان کی روزی دنیاوی زندگی میں بانٹ ہی دی ہے۔" اس آیہ وافی ہدایہ سے ثابت ہوتا ہے کہ خداوند عالم ہی رزق دینے اور اس کے تقسیم کرنے والا ہے۔"

(۳) اللہ الذی خلقکم ثم رزقکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ھل من شرکائکم من یفعل من ذلکم من شیء سبحانہ و تعالیٰ عما یشرکون (پ ۲۱ س روم ع ۴) خدا وہ (قادر و توانا) ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر اسی نے روزی دی۔ پھر وہی تم کو مار ڈالے گا۔ پھر وہی تم کو (دوبارہ) زندہ کرے گا۔ بھلا تمہارے (بنائے ہوئے خدا کے) شریکوں میں سے کوئی بھی ایسا ہے جو ان کاموں میں کچھ بھی کر سکے۔ جسے لوگ (اس کا) شریک بناتے ہیں، وہ اس سے پاک و پاکیزہ اور برتر ہے۔" (ترجمہ فرمان علی) اس آیت مبارکہ سے بھی روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہوتا ہے کہ خالق و رازق اور محی و ممیت خداوند عالم ہی ہے۔ اس آیت کے ذیل میں سرکار علامہ مجلسی فرماتے ہیں: "یدل علی عدم جواز نسبۃ الخلق والرزق والاماتۃ والاحیاء الی غیرہ سبحانہ وانہ شرک" ([illegible] بحار الانوار ص ۳۴۳) یعنی یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ غیر خدا کی طرف خلق، رزق اور اماتت و احیاء کی نسبت دینا ناجائز اور شرک ہے۔" (۴) ام جعلوا للہ شرکاء خلقوا کخلقہ فتشابہ الخلق علیھم قل اللہ خالق کل شیء وھو الواحد القھار (پ ۱۳ س الرعد ع ۲) ان لوگوں نے خدا کے کچھ شریک ٹھہرا رکھے ہیں کیا انہوں نے خدا ہی کی سی مخلوق پیدا کر رکھی ہے جن کے سبب مخلوقات ان پر مشتبہ ہو گئی ہے (اور ان کی خدائی کے قائل ہو گئے) تم کہدو کہ خدا ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی یکتا اور سب پر غالب ہے۔" یہ آیت بھی ہمارے مدعا پر نص صریح ہے اور ان امور میں کسی بھی شریک و سہیم خدا کے وجود کی نفی کرتی ہے سرکار علامہ مجلسی نے اس کے ذیل میں لکھا ہے یدل علی عدم جواز نسبۃ الخلق الی الانبیاء والائمۃ علیھم السلام (بحار ج ۴ ص ۳۴۳) یعنی یہ آیت مبارکہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ انبیاء و ائمہ علیہم السلام کی طرف خلق کرنے کی نسبت دینا جائز نہیں ہے۔

(۵) امن یبدأ الخلق ثم یعیدہ ومن یرزقکم من السماء والارض أالہ مع اللہ (پ ۲۰ س النمل ع ۱) بھلا وہ کون ہے جو خلقت کو نئے سرے سے پیدا کرتا ہے پھر اسے دوبارہ (مرنے کے بعد) پیدا کرے گا اور کون ہے جو تم لوگوں کو آسمان و زمین سے رزق دیتا ہے تو کیا خدا کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ (۶) وربک یخلق ما یشاء و یختار ما کان لھم الخیرۃ (پ ۲۰ س قصص ع ۷) اور تمہارا پروردگار جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے منتخب کرتا ہے اور یہ انتخاب

لوگوں کے اختیار میں نہیں ہے۔ (۷) الا لہ الخلق والامر تبارک اللہ رب العلمین (پ۸ س اعراف ع ۱۴) "یہ سب کے سب بھی حکم کے تابعدار ہیں۔ دیکھو حکومت اور پیدا کرنا بس خاص اسی کے لئے ہے وہ خدا جو سارے جہان کا پروردگار ہے۔ بڑا برکت والا ہے۔" (۸) واتخذوا من دونہ الھۃ لا یخلقون شیئا وھم یخلقون (پ۱۸ س الفرقان ع ۱۴) "ان لوگوں نے اس کے سوا دوسرے معبود بنا رکھے ہیں۔ جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود دوسرے کے پیدا کئے ہوئے ہیں (۹) وخلق کل شیء فقدرہ تقدیرا (پ۱۸ س الفرقان ع ۱) "اور ہر چیز کو اسی نے پیدا کیا ہے پھر اسے اندازہ سے درست کیا۔" (۱۰) ھل من خالق غیر اللہ یرزقکم من السماء والارض لا الہ الا ھو فانی تؤفکون (پ۲۲ س فاطر ع ۱) "خدا کے سوا کوئی اور خالق ہے جو آسمان اور زمین سے تمہاری روزی پہنچاتا ہے اس کے سوا کوئی معبود قابل پرستش نہیں پھر تم کدھر بہکے چلے جا رہے ہو۔" (۱۱) للہ ملک السموت والارض یخلق ما یشاء یھب لمن یشاء اناثا ویھب لمن یشاء الذکور او یزوجھم ذکرانا واناثا (پ۲۵ س حمس ع ۵) "سارے آسمان و زمین کی حکومت خاص خدا ہی کی ہے جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے (فقط) بیٹیاں دیتا ہے۔ اور جسے چاہتا ہے محض بیٹے عطا کرتا ہے یا ان کو بیٹے بیٹیاں (اولاد کی) دونوں قسمیں عنایت کرتا ہے۔" ان آیات مبارکہ سے روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہوتا ہے کہ پیدا کرنا، رزق دینا، اور اولاد نرینہ و مادینہ دینا خدا کے ہی قبضہ قدرت میں ہے اور کوئی یہ فرض انجام نہیں دیتا۔ (۱۲) اللہ یبسط الرزق لمن یشاء ویقدر (پ۱۳ س رعد ع ۴) "اور خدا ہی جس کے لئے چاہتا ہے روزی کو بڑھا ہے اور (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگ کرتا ہے۔" اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ روزی کا بڑھانا یا گھٹانا خدا کے ہی اختیار میں ہے (۱۳) واذا مرضت فھو یشفین (پ۱۹ س الشعراء ع ۵) "اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہ (خدا) مجھے شفا دیتا ہے۔" اس آیت مبارکہ سے واضح ہے کہ بیماروں کو شفا عطا فرمانا خداوند عالم کی ذات سے وابستہ ہے (۱۴) قل اللھم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء بیدک الخیر علی کل شیء قدیر (پ۳ س آل عمران ع ۱۱) "(اے رسول) تم یہ دعا مانگو کہ اے خدا تمام عالم کا مالک (تو ہی) جس کو چاہے سلطنت دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور تو ہی جسے چاہے عزت دے اور تو ہی جسے چاہے ذلت دے۔ ہر طرح کی بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ بے شک تو ہی ہر چیز پر قادر ہے۔" (ترجمہ فرمان) اس آیت مبارکہ سے کالشمس فی رابعۃ النہار واضح و آشکار ہوتا ہے کہ تمام جہان کی شہنشاہی خدا کے قبضہ قدرت میں ہے کسی کو سلطنت دینا، کسی سے چھین کسی کو عزت دینا اور کسی کو ذلت میں مبتلا کرنا اسی کے اختیار میں ہے۔ (۱۵) قل من یرزقکم من السماء والارض ام یملک السمع والابصار ومن یخرج الحی من المیت ویخرج المیت من الحی ومن یدبر الامر فسیقولون اللہ فقل افلا تتقون۔ فذلکم اللہ ربکم الحق فماذا بعد الحق الا الضلال فانی تصرفون۔ (پ۱۱ س یونس "تم یہ کہو کہ آسمان سے اور زمین سے تم کو رزق کون دیتا ہے؟ یا سماعت اور بصارت کا اختیار کون رکھتا ہے؟ اور

کون ہے جو زندہ کو مردے سے پیدا کر دیتا ہے اور مردے کو زندہ سے پیدا کر دیتا ہے۔ اور وہ کون ہے جو تمام امور کا انتظام کرتا ہے؟ قریب ہے کہ وہ کہیں گے کہ اللہ ہے پس تم یہ کہدو کہ کیا تم اس سے نہیں ڈرتے؟ پس وہی اللہ تمہارا برحق پروردگار ہے۔ تو حق کے بعد سوائے گمراہی کے اور کیا ہے۔" (۱۶) قل من ینجیکم من ظلمات البر و البحر تدعونہ تضرعاً و خفیۃ لئن انجنا من ھذہ لنکونن من الشاکرین۔ قل اللہ ینجیکم منھا و من کل کرب ثم انتم تشرکون (پ س الانعام ع ۱۴) "تم کہدو کہ خشکی اور تری کی اندھیریوں سے تم کو نجات کون دیتا ہے؟ جس سے تم رو رو کے اور چپکے چپکے دعا مانگتے ہو۔ کہ اگر اس نے اس سے ہم کو بچا لیا تو ہم ضرور شکرگذار بن جائیں گے۔ کہدو کہ اللہ تم کو ان (اندھیروں) سے اور ہر رنج سے نجات دیتا ہے۔ اور پھر تم اس کا شریک کرتے ہو (ترجمہ مقبول) یہ ہر دو آیات ہر قسم کے تبصرہ سے بے نیاز اور کسی مزید توضیح و تشریح کی محتاج نہیں ہیں۔ ان سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ رزق دینا، پیدا کرنا، مصائب و شدائد سے نجات دینا غرضکہ تمام امور تکوینیہ کی تدبیر اور ان کا انتظام کرنا خدا کا ہی کام ہے۔" پس جب یہ ثابت ہو گیا کہ رزق وغیرہ خدا کے قبضۂ قدرت میں ہے تو پھر بعد از ان خدا کے اس ارشاد کی فلاسفی معلوم ہو جاتی ہے کہ فابتغوا عند اللہ الرزق واعبدوہ واشکروا لہ الیہ ترجعون (پ س عنکبوت ع ۲) "اللہ سے رزق طلب کرو۔ اس کی عبادت کرو۔ اور اسی کا شکریہ ادا کرو اسی کی طرف تمہاری بازگشت ہے" (۱۷) اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْبِتُوْا شَجَرَهَا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ "آیا وہ کون ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا۔ اور تمہارے لئے آسمان سے پانی اتارا پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے بارونق باغات پیدا کر دیئے۔ تمہاری مقدرت نہ تھی۔ کہ تم ان باغوں کے درختوں کو اگاؤ۔ کیا تمہارے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ (ہے تو نہیں) لیکن یہ لوگ ہیں کہ حق سے منحرف ہوئے جاتے ہیں۔ (۱۸) اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ "آیا وہ کون ہے جس نے زمین کو جائے قرار مقرر کیا ہے اور اس کے بیچ بیچ میں دریا بہا دیئے ہیں۔ اور اس کے لئے بڑے بھاری بھاری پہاڑ مقرر کر دیئے ہیں اور دو دریاؤں کے مابین ایک پردہ حائل کر دیا ہے۔ (۱۹) اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ "آیا خدا کے سوا کوئی اور خدا ہے؟ (ہے تو نہیں) مگر ان میں سے بہت سے نہیں جانتے۔ آیا وہ کون ہے جو مضطر کی دعا قبول کر لیتا ہے جب بھی وہ دعا مانگے۔ اور تکلیف کو رفع کر دیتا ہے اور تم کو زمین کا حاکم مقرر کرتا ہے۔ اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے؟ (۲۰) اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ "اس کی نعمتوں کو تم کس قدر کم سوچتے ہو۔ آیا وہ کون ہے جو خشکی اور تری کی اندھیریوں میں تمہاری راہبری کرتا ہے اور وہ کون ہے جو اپنی رحمت (بارش) سے پہلے خوشخبری کے طور پر ہواؤں کو

بھیج دیتا ہے۔ کیا خدا کے ساتھ کوئی اور اللہ ہے جن چیزوں کو یہ شریک ٹھہراتے ہیں اللہ کی ذات اُن سب سے بری ہے۔ (۲۱) أَمَّنْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَمَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَإِلٰهٌ مَعَ اللّٰهِ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ۔ "آیا وہ کون ہے جو خلق کی ابتدا کرتا ہے پھر اُس کو دوبارہ پھیر دے گا۔ اور وہ کون ہے جو آسمان و زمین میں سے تم کو رزق دیتا ہے۔ کیا خدا کے ساتھ کوئی اور خدا ہے؟ تم کہدو کہ اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیل پیش کرو۔" (۲۲) قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ۔ "تم یہ کہدو کہ جو جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اُن میں سے غیب کو سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا۔ اور اُن کو یہ بھی خبر نہیں کہ وہ مبعوث کب کئے جائیں گے۔ (۲۳) بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْآخِرَةِ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِنْهَا بَلْ هُمْ مِنْهَا عَمُونَ۔ "بلکہ اُن کا علم تو آخرت میں جاکر پورا ہوگا۔ بلکہ وہ اُس کی طرف سے شک میں ہیں۔ بلکہ اُس کی طرف سے یہ اندھے (قطعاً بے خبر) ہیں۔ (پ ۲۰ س النمل ع ۱ ترجمہ مقبول)

اسی مقدار میں اس قسم کی آیات کا سلسلہ ختم کیا جاتا ہے کیونکہ ؎

اگر در خانہ کس است یک حرف بس است

سرکار علامہ مجلسیؒ ایسی ہی چند آیات مبارکہ لکھنے کے بعد فرماتے ہیں کہ "اقول دلالۃ تلک الآیات علی نفی الغلو والتفویض بالمعانی التی سنذکرھا ظاھرۃ والآیات الدالۃ علیہ اکثر من ان تحصی اذ جمیع آیات الخلق ودلائل التوحید والآیات الواردۃ فی کفر النصاری وبطلان مذھبھم دالۃ علیہ فلم نتعرض لایرادھا وتفسیرھا وبیان وجہ دلالتھا لوضوح الامر واللہ یھدی الی سواء السبیل" یعنی میں کہتا ہوں۔ کہ غلو و تفویض کے ان معانی و اقسام کی نفی پر جن کو ہم ص۳۶۵ پر ذکر کریں گے (جو ہم سابقاً پیش کر چکے ہیں) ان آیات کی دلالت واضح ہے اور ان ہر دو فاسد نظریوں کی نفی پر اس قدر آیات کثیرہ موجود ہیں جو حد شمار سے باہر ہیں۔ کیونکہ تخلیق، توحید اور نصاریٰ کے کفر اور ان کے مذہب کے بطلان کے بارہ میں جو آیات وارد ہیں وہ سب کی سب اس (ردّ غلو و تفویض) پر بھی دلالت کرتی ہیں معاملہ کی وضاحت کی وجہ سے ہم نے ان آیات کو درج نہیں کیا۔ اور نہ ہی ان کی تفسیر و وجہ دلالت پیش کی ہے۔ (واللہ یھدی الی سواء السبیل" (بحار ج ۲۵، ص۳۴۷)

تفویض کا ابطلان سرکار محمدؐ و آل محمدؐ کی روشنی میں

جن احادیث شریفہ سے امور تکوینیہ میں تفویض کی نف پر استدلال کیا جا سکتا ہے یہ مختلف نوعیت کی ہیں۔ بعض تو وہ ہیں جن میں بالتصریح ان امور کی نسبت تفویض کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ اور بعض وہ ہیں جن میں دینی ام میں تفویض کو ثابت کیا گیا ہے جس سے بدلالت التزامی امور تکوینیہ میں اس کی نفی مستفاد ہوتی ہے ہم ہر دو قسم کی احا شریفہ کا بیان بالترتیب ایک ایک شمہ پیش کرتے ہیں۔

(۱) سید الموحدین حضرت امیر المومنینؑ فرماتے ہیں۔

"ان معنی اشهد ان لا اله الا الله، ان لا هادی الا الله، واشهد سکان السموٰت والارضین وما فیهن من الملائکة والناس اجمعین وما فیهن من الجبال والاشجار والدواب والوحوش وکل رطب ویابس بانی اشهد ان لا خالق الا الله، ولا رازق الا الله، ولا معبود الا الله، ولا ضآر ولا نافع ولا قابض ولا باسط ولا معطی ولا مانع ولا دافع ولا ناصح ولا کافی ولا شافی ولا مقدّم ولا مؤخّر الا الله، له الخلق والامر بیده الخیر تبارک الله رب العالمین (عماد الاسلام ج ۱ ص ۱۸۱ طبع لکھنؤ) اشهد ان لا اله الا الله۔ کے معنی یہ ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی ہادی نہیں اور یہ کہ میں زمین و آسمان کے ساکنین، ملائکہ، انسان، پہاڑ، درخت، حیوان، وحوش اور ہر خشک و تر جو کچھ ان میں موجود ہے ان سب کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی خالق، رازق، معبود، ضار، نافع، قابض، باسط، معطی، مانع، ناصح، کافی، شافی اور تقدیم و تاخیر کرنے والا نہیں ہے۔ خلق و امر اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے بابرکت ہے وہ خدا جو تمام عالمین کا پروردگار ہے۔"

(۲) نیز امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں:۔ قدّر الارزاق فکثرها وقللها وقسمها علی الضیق والسعة فعدل فیها لیبتلی من اراد بمیسورها ومعسورها ولیختبر بذلک الشکر والصبر من غنیها وفقیرها الخ (نهج البلاغه حصہ اول ص ۱۸۱ طبع مصر خطبہ ۸۹) خدا نے اپنے فضل سے لوگوں کو روزی مقدر کی۔ اسے کم و زیادہ کیا۔ تنگی و فراخی کے ساتھ تقسیم کی۔ اور اس تقسیم میں عدالت کو ہر طرح ملحوظ رکھا۔ تاکہ حصولِ روزی کی آسانی یا دشواری کے بعد جس کی چاہے آزمائش کر کے دولت مند کے شکر اور فقیر کے صبر کو پرکھے۔ (ترجمہ اردو، ص ۲۲۹)

(۳) دعائے جوشن کبیر کی فصل ۸۰ سے بھی یہی مطلب بعبارۃ النص ثابت ہوتا ہے معصوم ارشاد فرماتے ہیں یا من لا یعلم الغیب الا هو یا من لا یصرف السوء الا هو یا من لا یخلق الخلق الا هو یا من لا یغفر الا الا هو یا من لا یقلب القلوب الا هو یا من لا یدبر الامر الا هو یا من لا ینزّل الغیث الا هو یا من لا یبسط الرّزق الا هو یا من لا یحیی الموتیٰ الا هو، اے وہ ذات جس کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔ اے وہ خدا جس کے سوا کوئی خلق نہیں کرتا۔ اے وہ معبود جس کے سوا کوئی گناہ معاف نہیں کرتا۔ اے وہ مسجود جس کے سوا کوئی نعمت کو تام و تمام نہیں کرتا۔ اے وہ قادرِ مطلق! جس کے سوا کوئی دلوں کو نہیں الٹتا پلٹتا۔ اے وہ خدائے حکیم! جس کے سوا کوئی تدبیرِ امور نہیں کرتا۔ اے وہ حاکمِ اعلیٰ! جس کے سوا کوئی بارش نہیں برساتا۔ اے وہ رب رحیم! جس کے سوا کوئی رزق وسیع نہیں کرتا۔ اے وہ حی لایموت! جس کے سوا کوئی مردوں کو زندہ نہیں کرتا۔

(مفاتیح الجنان ص ۹۰)

(۴) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہ دریافت کیا جاتا ہے کہ فلاں شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ انکم تقدرون ارزاق العباد۔ فقال واللہ ما یقدر ارزاقنا الا اللہ ولقد احتجت الی طعام لعیالی فضاق صدری وابلغت الی الفکرۃ فی ذلک حتی احرزت قوتہم فعندھا طابت نفسی لعنہ اللہ وبری اللہ منہ (رجال کشی ص ۲۰۰ کذا فی البحار ج ۷ ص ۳۵۰ و رجال المامقانی ج ۱ ص ۲۵۶ و ج ۳ ص ۲۴۰) کہ آپ لوگوں کے رزق مقدر کرتے ہیں۔ یہ سن کر امامؑ نے فرمایا خدا کی قسم خود ہمارا رزق سوائے خدا کے اور کوئی مقدر نہیں کرتا۔ مجھے اپنے اہل وعیال کے لئے طعام کی ضرورت پیش آئی تو میں متفکر ہوگیا۔ اور میرا سینہ تنگ ہونے لگا۔ یہاں تک کہ جب میں نے ان کی قوت لایموت کا انتظام کرلیا تب طبیعت کو سکون حاصل ہوا۔ خدا اس پر لعنت کرے اور اس سے بیزار ہو" (جو ہمارے متعلق کیسا غلط نظریہ رکھتا ہے)

(۵) راوی کہتا ہے قلت لابی عبد اللہ علیہ السلام زعم ابو ہارون المکفوف انک قلت لہ ان کنت ترید القدیم فذاک لا یدرکہ احد وان کنت ترید الذی خلق ورزق فذاک محمدؐ بن علیؑ فقال کذب علیّ علیہ لعنۃ اللہ ما من خالق الا اللہ وحدہ لا شریک لہ حق علی اللہ ان یذیقنا الموت والذی لا یہلک ہو اللہ خالق الخلق وباری البریۃ (بحار ج ۲۵ ص ۳۴۳ کذا فی کشی ص ۱۹۴ و تنقیح المقال للمامقانی ص ۲۶۵) میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ ابو ہارون مکفوف (اندھا) یہ گمان کرتا ہے کہ جنابؑ نے اس سے فرمایا ہے کہ اگر تو قدیم ذات کا ارادہ رکھتا ہے تو اُسے تو کوئی بھی نہیں پا سکتا۔ اور اگر اس کا ارادہ رکھتا ہے جو خالق و رازق ہے تو وہ حضرت محمدؐ بن علیؑ (الباقرؑ) ہیں (یہ سن کر امامؑ نے) فرمایا خدا اس پر لعنت کرے اُس نے مجھ پر افترا کیا ہے سوائے خدا کے اور کوئی خالق نہیں ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ خدا پر لازم ہے کہ ہمیں موت کا ذائقہ چکھائے۔ وہ ذات جس کے لئے موت نہیں۔ وہ خدا ہی ہے جو تمام مخلوقات کا خالق ہے"۔

(۶) انہی سرکار سے مروی ہے فرمایا لا واللہ ما فوض اللہ الی احد من خلقہ لا الی رسول اللہ ولا الی الائمۃ علیہم السلام (کفایۃ الموحدین ج ۱ ص ۲۳۰) خدا کی قسم خدا نے اپنی کسی بھی مخلوق کو (تکوینی امور) تفویض نہیں فرمائے نہ جناب رسول خدا کو اور نہ ائمہ ہدیٰ کو"

(۷) یاسر خادم الرضا بیان کرتے ہیں۔ قلت للرضا ما تقول فی التفویض؟ فقال ان اللہ تبارک وتعالیٰ فوض الی نبیہ صلی اللہ علیہ وآلہ امر دینہ فقال وما آتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا فاما الخلق والرزق فلا۔ ثم قال ان اللہ عز وجل یقول ان اللہ خالق کل شیء ویقول اللہ الذی خلقکم ثم رزقکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ہل من شرکائکم من یفعل من ذلکم من شیء سبحانہ وتعالیٰ عما یشرکون۔ (عیون اخبار الرضا ص ۳۲۴ وحاشیہ بحار الانوار ص ۳۵۰) "میں نے آنجنابؑ کی خدمت میں عرض کیا آپؑ تفویض کے بارہ میں

کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا خداوند عالم نے امورِ دین کو اپنے پیغمبر اسلامؐ کے سپرد کیا ہے چنانچہ ارشاد فرماتا ہے جس بات کا رسولؐ تمہیں حکم دیں اُس پر عمل کرو۔ اور جس بات سے روک دیں اس سے باز رہو لیکن پیدا کرنے اور رزق دینے کا معاملہ اس نے کسی کے سپرد نہیں کیا۔ پھر یہ قرآنی آیت تلاوت فرمائی جس کا ترجمہ یہ ہے۔ ہر شئی کا خالق خدا ہے نیز اس کا ارشاد ہے وہی تمہارا خدا ہے جس نے تمہیں پیدا کیا۔ پھر رزق دیا۔ پھر تمہیں مار دے گا۔ پھر زندہ کرے گا۔ کیا تمہارے مقرر کردہ شریکوں میں سے کوئی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کوئی کام انجام دے سکے؟

(۷) حضرت شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے حضرت امام رضا علیہ السلام کی مناجات نقل کی ہے۔ کہ آپ بارگاہ رب العزت میں یوں عرض کیا کرتے تھے۔ اللّٰھمّ انی بریٔ الیک من الحول والقوۃ ولا حول ولا قوۃ الا بک وابرأ الیک من الذین قالوا فینا مالم نعلمہ فی انفسنا اللّٰھمّ لک الخلق ومنک الامر وایاک نعبد وایاک نستعین اللّٰھمّ انت خالقنا وخالق آبائنا الاولین وآبائنا الآخرین اللّٰھمّ لا تلیق الربوبیۃ الا بک ولا تصلح الالٰھیۃ الا لک فالعن النصاری الذین صغّروا عظمتک والعن المضاھئین لقولھم من بریّتک اللّٰھمّ انا عبیدک وابناء عبیدک لا نملک لانفسنا ضرًّا ولا نفعًا ولا موتًا ولا حیوۃً ولا نشورًا اللّٰھمّ من زعم ان لنا الخلق وعلینا الرزق فنحن الیک منہ براء کبراءۃ عیسیٰ بن مریم عن النصاری اللّٰھمّ انا لم ندعھم الی ما یزعمون فلا تؤاخذنا بما یقولون واغفر لنا ما یزعمون رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارًا انک ان تذرھم یضلوا عبادک ولا یلدوا الا فاجرًا کفارًا

"بارالٰہا! میں تیرے حضور میں اپنی ہر قسم کی قوت طاقت سے بیزاری کا اقرار کرتا ہوں۔ کیونکہ تیرے سوا کسی کو بھی ذاتی طور پر کوئی قوت و طاقت حاصل نہیں ہے۔ یا اللہ! میں ان لوگوں سے بھی برأت کا اظہار کرتا ہوں جو ہمارے بارے میں ایسی ایسی باتوں کا عقیدہ رکھتے ہیں جنہیں ہم اپنے اندر نہیں پاتے۔ اے اللہ! خلق و امر تجھ ہی سے متعلق ہے ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ تو ہی ہمارا خالق اور ہمارے اوّلین و آخرین آباء و اجداد کا خالق ہے۔ اے اللہ! مقام ربوبیت تیرے ہی لائق ہے اور معبودیت و الوہیت کی صلاحیت فقط تجھ ہی میں ہے۔ اے پالنے والے! تو نصاریٰ پر لعنت کر کیونکہ انہوں نے تیری عظمت کو گھٹانے کی کوشش کی۔ اور ان لوگوں پر بھی لعنت کر جو تیری مخلوق میں سے اس نظریۂ فاسدہ میں نصرانیوں کے ہم خیال ہیں۔ خداوندا ہم تیرے بندے ہیں اور تیرے بندوں کے بیٹے ہیں! ہم اپنے نفسوں کے لئے نہ نفع و نقصان کے مالک ہیں اور نہ اپنی موت و حیات اور دوبارہ زندہ ہونے پر قدرت رکھتے ہیں۔ میرے اللہ! جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ ہم پیدا کرتے ہیں اور ہم ہی روزی دیتے ہیں۔ ہم اس سے اسی طرح بری و بیزار ہیں جس طرح حضرت عیسیٰ بن مریمؑ قوم نصاریٰ سے بیزار ہیں۔ یا اللہ جن باتوں کا یہ لوگ ہمارے متعلق غلط عقیدہ رکھتے ہیں۔ ہم نے ہرگز انہیں ایسی باتوں کی طرف دعوت نہیں دی۔ اس لئے جو کچھ وہ کہتے ہیں اس کا مؤاخذہ ہم سے نہ

کرنا اور جو کچھ وہ گمان کرتے ہیں ہمیں معاف فرما تا پالنے والے! تو زمین پر کسی کافر کو زندہ نہ چھوڑ کیونکہ اگر تو انہیں زندہ رہنے دیگا۔ تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے۔ اور سوائے سخت کافروں اور بدکاروں کے اور کچھ نہیں جنیں گے۔ (اعتقادیہ صدوق" و بحار ج ۱، ص ۳۲۴)

(۹) رسالہ تصحیح العقائد مطبوعہ حیدرآباد ص ۱۳ پر بحوالہ بحار الانوار حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی یہ حدیث درج ہے فرمایا من قال نحن الخالقون بامر اللہ فقد کفر (کذا فی شرح الخطبہ طرشتی ص ۳۲۲) (حدیقہ سلطانیہ ج ۳ ص ۱۶) یعنی جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ ہم خدا کے اذن و امر سے پیدا کرتے ہیں (یعنی ہمیں باذن اللہ خالق کہے) وہ کافر ہے۔ اس سے بڑھ کر تفویض غیر استقلالی کی رد کن زوردار الفاظ سے کی جا سکتی ہے!

(۱۰) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں لا یکون الشیٔ لا من شیٔ الا اللہ و ینقل الشیٔ من جوھریتہ الی جوھر آخر الا اللہ ولا ینقل الشیٔ من الوجود الی العدم الا اللہ" (لاشی سے ایجاد نہیں کرتا یعنی بالکل نیستی سے ہستی کی طرف نہیں لاتا مگر خدا۔ ایک حقیقت سے دوسری حقیقت کے ساتھ تبدیل نہیں کرتا مگر خدا۔ ہستی سے نیستی کی طرف نہیں لے جاتا مگر خدا" (کفایت الموحدین ج ۱ ص ۱۲۳ کتاب التوحید للصدوق ص ۵۸)

(۱۱) دعائے مبارکہ جوشن کبیر فصل ۴۰ میں وارد ہے یا اول کل شیٔ و آخرہ یا الہ کل شیٔ و ملیکہ یا رب کل شیٔ و صانعہ یا باریٔ کل شیٔ و خالقہ یا قابض کل شیٔ و باسطہ یا مبدیٔ کل شیٔ و معیدہ یا منشیٔ کل شیٔ و مقدرہ یا مکون کل شیٔ و محولہ یا محی کل شیٔ و ممیتہ یا خالق کل شیٔ و وارثہ۔ اے وہ خدا جو ہر چیز سے پہلے اور ہر چیز کے آخر ہے۔ اے ہر چیز کے الٰہ و مالک، اے ہر چیز کے پروردگار اور بنانے والے، اے ہر چیز کے خالق و وجود دینے والے اے وہ جس کے قبضۂ قدرت میں ہر چیز کی بست و کشاد ہے، اے ہر چیز کو وجود دینے اور پھر واپس لوٹانے والے۔ اے ہر چیز کے ایجاد اور اس کی تصویر بنانے والے، اے ہر چیز کو وجود سے نوازنے اور اس میں تغیر و تبدل کرنے والے، اے ہر چیز کو پیدا کرنے اور مارنے والے، اے ہر چیز کے خالق و وارث" (مفاتیح ص ۹۹)

(۱۲) اسی دعائے جوشن کبیر فصل ۷۱ میں وارد ہے یا صانع کل مصنوع یا خالق کل مخلوق یا رازق کل مرزوق یا مالک کل مملوک یا کاشف کل مکروب یا فارج کل مہموم یا راحم کل مرحوم یا ناصر کل مخذول یا ساتر کل معیوب یا ملجاء کل مطرود۔ اے وہ خدا! جو ہر مصنوع کا صانع، ہر مخلوق کا خالق، ہر مرزوق کا رازق، ہر مملوک کا مالک، ہر مصیبت زدہ کی مصیبت کو دور کرنے والا۔ ہر غمزدہ کے غم کو دور کرنے والا۔ ہر مرحوم پر رحم کرنے والا ہر بے کس کی نصرت کرنے والا، ہر عیب دار کی پردہ پوشی کرنے والا۔ اور ہر راندۂ ہر جا کا ملجا و ماویٰ ہے" (مفاتیح ص ۸۰)

(۱۳) دعائے مبارکہ یستشیر میں وارد ہے فانا اشھد بانک انت اللہ لا رافع لما وضعت ولا واضع لما رفعت ولا معز لمن اذللت ولا مذل لمن اعززت ولا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت میں گواہی دیتا ہوا

اسے کوئی پست نہیں کر سکتا جسے تو ذلیل کردے اُسے کوئی عزت نہیں بخش سکتا۔ اور جسے تو عزت عطا کردے اسے کوئی ذلیل نہیں کر سکتا۔ جسے تو عطا کرے اُسے کوئی روک نہیں سکتا۔ جسے تو روک دے اُسے کوئی عطا نہیں کر سکتا"۔

(نوٹ) یہ وہ دعائے مبارکہ ہے جو جناب رسول خداؐ نے حضرت امیرؑ کو تعلیم فرمائی تھی۔ اور تا زیست اسے صبح و شام پڑھنے کا حکم دیا تھا اور ساتھ ہی یہ حکم دیا تھا کہ اسے اپنے بعد والے جانشین کو بھی تعلیم دیں"۔

(مفاتیح الجنان ص۲ صحیفہ علویہ ص۱۱)

(۴) اقسام تفویض کے متعلق علامہ مجلسیؒ کے طویل کلام کے ضمن میں حضرت امام زمانہؑ کی توقیع مبارک نقل کی جا چکی ہے جس میں حضرت امام العصر عجل اللہ تعالےٰ فرجہٗ نے عقیدۂ تفویض کی پر زور الفاظ میں رد فرمائی ہے اور صحیح عقیدہ تعلیم دیا ہے کہ ائمہ ہدیٰ سوال کرتے ہیں۔ تو خدا خلق کرتا ہے یہ سوال کرتے ہیں تو وہ رزق عطا کرتا ہے۔ وہ ان کے سوال کو کبھی رد نہیں فرماتا۔ علامہ ابوالحسن شریف نے یہ توقیع مبارک نقل کرنے کے بعد "یسئلونہ" کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے۔ اقول ای یسئلون شفاعۃً اولاظہار المعجزۃ" یعنی میں کہتا ہوں کہ وہ بطور شفاعت وسفارش سوال کرتے ہیں۔ یا معجزہ ظاہر کرنے کے لئے بارگاہ قدرت کی طرف رجوع کرتے ہیں"۔ (مشکوٰۃ الاسرار ص۹۶)

(۵) کامل بن ابراہیم بیان کرتے ہیں کہ میں مسئلۂ تفویض دریافت کرنے کی غرض سے جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور سلام کرکے بیٹھ گیا۔ اس اثنا میں قریباً چار سال کا ایک لڑکا برآمد ہوا جو حسن و جمال میں چاند کا ٹکڑا معلوم ہوتا تھا۔ (امام العصرؑ) اور آتے ہی مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ یا کامل جئت الی ولی اللہ وحجتہ تسئلہ من مقالۃ المفوضۃ کذبوا بل قلوبنا اوعیۃ لمشیۃ اللہ واللہ یقول ما تشاؤن الا ان یشاء اللہ۔ اے کامل! تو ولی خدا اور اُس کی حجت کی بارگاہ میں مفوضہ کے عقیدہ کے متعلق سوال کرنے کے لئے حاضر ہوئے ہو۔ سو تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں (یہ خالق و رازق نہیں) بلکہ ہمارے دل خدا کی مشیت کے ظرف ہیں (جب وہ کچھ چاہتا ہے تو ہم بھی چاہتے ہیں) چنانچہ خدا ارشاد فرماتا ہے تم تو کچھ چاہتے ہی نہیں مگر وہی جو خدا چاہتا ہے"۔

(مشکوٰۃ الاسرار ص۹۶ ہفتم بحار ص۳۶۱)

ان احادیث شریفہ سے یہ حقیقت کالشمس فی نصف النہار واضح و آشکار ہو جاتی ہے کہ امور تکوینیہ (خلق و رزق اور امات و احیاء وغیرہ) میں ہر قسم کی تفویض خواہ استقلالی ہو اور خواہ غیر استقلالی ممنوع اور باطل ہے اور اس کا اعتقاد رکھنا کھلم کھلا شرک (وان الشرک لظلم عظیم) جب ان امور میں تفویض کی مطلقاً نفی کر دی گئی تو پھر غیر استقلالی یعنی باذن اللہ والی تفویض کے صحیح ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لان نفی العام یدل علی نفی الخاص کما یخفی علی الخواص"۔

ان آیات وروایات کے متعلق ایک مغالطہ دہی کا ازالہ

جب اس قسم کی بعض آیات وروایات پیش کی جاتی ہیں اور غلو نواز حضرات سے ان کا کوئی معقول جواب نہیں بن سکتا تو بالعموم

یہ کہہ کر اپنی گلوخلاصی کرانے کی ناکام کوشش کیا کرتے ہیں۔ کہ اوّل و بالذات مربّی و مدبّر اللہ ہے لیکن مظاہر اسماء جن پر تجلّی تدبیر ظاہر کرتی ہے۔ وہ غیر خدا مدبر ہیں۔ جن کو قرآن یوں ذکر فرماتا ہے۔ والمدبرات امراً اور پھر فرماتا ہے یدبّر الامر ما من شفیع الا من بعد اذنہ وہ تدبیر امور کرتا ہے اور اس تدبیر میں اس کا کوئی شریک نہیں مگر بعد اذن۔ اس سے ثابت ہے کہ کچھ نفوس ایسے ہیں جو بعد اذنِ خدا تدبیرِ عالم کرتے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ بعد اذن تدبیر کرنے والے علاوہ ملائکہ کے وہ بزرگوار ہیں جو روحِ قدس کے مالک قوت و طاقت میں جبرئیل و میکائیل سے اعظم ہیں۔ تدبیر عالم میں رئیسِ مطلق ہیں۔ ریاستِ عامہ حق علہ میں ثابت ہے۔ ورنہ تعریفِ امام درست نہیں رہتی۔ باذنِ خدا یہ امور خلق و رزق وغیرہ کرتے ہیں۔ تدبیرِ عالم باذنِ خدا ان کا وظیفہ اور منصب ہے خدا بالذات کرتا ہے آیاتِ مذکورہ بالذات پر دال ہیں۔ اور یہ امر بزرگواروں علیہم السلام کی باذنِ خدا بحیثیتِ خدا کی حیثیت سے منسوب ہیں۔[1] یہ جو کچھ بیان ہوا ہے یہ سراسر ابلہ فریبی یا پھر خود فریبی اور تفسیر بالرائے ہے جو بچند وجوہ غلط اور ناقابلِ قبول ہے۔

اوّلاً۔ اتنا تو یہ حضرات بھی تسلیم کرتے ہیں۔ کہ یہ امورِ تکوینیہ بالذات ذاتِ ایزدی سے وابستہ ہیں۔ لہٰذا جب تک قرآن و حدیث کے نصوصِ ساطعہ اور دلائلِ قاطعہ سے ائمہ اطہارؑ کا بالعرض و باذن اللہ مدبّر عالم اور خالق و رازق وغیرہ ہونا ثابت نہ ہو جائے۔ اس وقت تک انہیں مدبّر تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ اور ایسی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ اگر ہمت ہے تو ایسی کوئی آیت یا کوئی صحیح السند اور صریح الدلالۃ روایت پیش کریں۔ جو قیامت تک نہیں کر سکتے۔ بلکہ اس کے برعکس آیاتِ قرآنیہ کی طرح روایات معصومیہ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ امور ذاتِ خداوندی کے ساتھ مخصوص ہیں۔ جیسا کہ پیش کردہ آیات و روایات سے یہ مطلب واضح ہے۔ اور جن بودے و رکیک استدلالات سے ان لوگوں نے اس مطلب کو ثابت کرنا چاہا ہے۔ ان کا قطعی جواب بھی ہم ذرا آگے چل کر ازالۂ شبہات کے ضمن میں پیش کریں گے۔

ثانیاً۔ ملائکہ پر ائمہ اطہارؑ کا جو قیاس کیا گیا ہے یہ بھی درست نہیں ہے کیونکہ ارباب دانش و بینش جانتے ہیں کہ ملائکہ سے جو امور صادر ہوتے ہیں۔ تو یہ بصورتِ تفویض نہیں ہیں کہ خدا نے ان امور کی انجام دہی ان کے سپرد کر دی ہو جیسا کہ ائمہ اطہارؑ کے بارہ میں یہ نزاع ہے اور نہ ہی یہ انجام دہی بشکلِ توکیلِ مطلق ہے کہ خدا نے اپنی طرف سے ملائکہ کو ان امور کی انجام دہی میں اپنی طرف سے وکیلِ مطلق بنا کر مطلق العنان چھوڑ دیا ہو۔ بلکہ یہ انجام دہی بظاہر بصورتِ آلیت ہے یعنی ملائکہ کی حیثیت صرف آلۂ کار کی سی ہے۔ جس طرح ہم قلم سے لکھتے اور تلوار سے کاٹتے ہیں۔ بلا تشبیہ خدا فرشتوں کے ذریعہ خلق و رزق اور اماتت و احیاء وغیرہ امور کو انجام دیتا ہے۔ اسے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ خدا ان کے بغیر ان امور کو انجام دے نہیں سکتا! حاشا وکلا! وہ بغیر آلات و اسباب کے بھی سب کچھ کر سکتا ہے (وہو علیٰ کل شیءٍ قدیر) لیکن اس نے اپنی حکمت با
سے اس عالم کا نظام کچھ ایسے طریقہ پر مرتب فرمایا اور چلایا ہے کہ ہر چیز علل و اسباب اور آلات کی زنجیروں میں جکڑی ہو
نظر آتی ہے اور اگر کبھی کوئی فعل ظاہری علل و اسباب کے بغیر وجود میں آجائے تو وہ معجزہ کہلاتا ہے۔" ہاں تو بظاہر چونکہ ا

---

[1] الغرض خدا بالذات خالق و رازق ہے اور یہ بزرگوار باذن اللہ خالق و رازق ہیں۔"

اُمور کا ظہور فرشتوں سے ہوتا ہے اس لئے ان کو مجازاً مدبّرات و مقسّمات امر کہا گیا ہے۔ ورنہ بموجب فرمان جناب امیر علیہ السلام فرشتے ہرگز اپنے خالق و رازق ہونے کا دعویٰ نہیں کرتے۔ لایدّعون انہم یخلقون شیئاً معًا انفرد بہ بل عباد مکرمون لایسبقونہ بالقول وہم بامرہ یعملون (نہج البلاغہ ج ۲ ص ۱۶۵ طبع مصر) یعنی جن چیزوں کو خدا پیدا کرتا ہے فرشتے ہرگز یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ وہ انہیں پیدا کرتے ہیں۔ بلکہ وہ اللہ کے ایسے مکرم بندے ہیں۔ جو کسی قول و فعل میں اس سے سبقت نہیں لے جاتے۔ بلکہ اسی کے حکم کے مطابق کام کرتے ہیں۔ صاحب کتاب عقل و دین نے بھی ایسا ہی افادہ فرمایا ہے کہ

"ملائکہ فاعل مسخر اند و برائے ہر کارے خلق شدہ اند، بہماں کار مشغول اند و تقریباً اختیارے از خود ندارند۔"

(عقل و دین ج ۱ ص ۳۲۹)

"یعنی فرشتے فاعل مسخر ہیں وہ جس جس کام کے لئے پیدا کئے گئے ہیں اُسی کی انجام دہی میں مشغول ہیں۔ اور اپنی طرف سے تقریباً کوئی اختیار نہیں رکھتے" اگر ان کا مقصد یہ ہے کہ ائمہ اطہار کا بھی یہی مقام ہے۔ کہ صدور افعال الٰہیہ میں اس کے آلات و اسباب ہیں (کما قیل) تو ہم اسے اہلبیتؑ کی تعظیم و تجلیل نہیں بلکہ ان ذوات عالیہ کی توہین و تذلیل سمجھتے ہیں ارباب عقل و انصاف غور کریں۔ کہ خدا جو جزئی جزئی اور معمولی کام فرشتوں کے ذریعہ انجام دیتا ہے کیا آل محمدؐ بھی فرشتوں کے ہم پلہ ہو کر ان کے ساتھ انہی امور کو انجام دیتے ہیں؟ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ بعض ہمدردان مذہب نے کیا پتے کی بات کہی ہے: "خدا کے لئے علیؑ کو اتنا نہ بڑھاؤ کہ ان پر شبہ خدا کا ہونے لگے۔ نہ گھٹاؤ اتنا کہ فرشتوں کے برابر اور ہم پلہ کر دو چھوڑ دو فرشتوں کو ان کی غلامانہ آن بان پر اور چھوڑ دو آقاؤں کو ان کی سردارانہ عظمت و شان پر" (اخبار رضا کار لاہور مجریہ ۲۷ مئی ۱۹۶۶ء) اب تو اس نظریہ کے بعض قائلین نے بھی دبے لفظوں میں اس بات کا اعتراف کر لیا ہے کہ اس سطح پر ائمہ اطہارؑ کو لا کھڑا کرنا ان کے شایان شان نہیں جیسا کہ ہم کتاب کے مقدمہ میں مؤلفین کی تضاد بیانیوں کے ضمن میں ان کا یہ قول مع حوالہ نقل کر چکے ہیں۔ فراجع۔

بہر کیف یہ خلق و رزق اور اماتت و احیاء وغیرہ کا وظیفہ قدرت کاملہ کی طرف سے نہ کسی نبی کے سپرد ہوا ہے اور نہ کسی وصی کے، خدائے ذوالجلال یہ امور ملائکہ کے ذریعہ سے خود انجام دیتا ہے۔ انبیاء و ائمہ علیہم السلام کے وظائف و فرائض اس سے کہیں اجل و ارفع ہیں۔ جن کی بقدر ضرورت اسی باب میں آئندہ وضاحت کی جائے گی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ بزرگوار نظام شریعت کے سربراہ اور نظام تکوین میں شفیع و سفارشی ہیں۔ ان کی سفارش سے بے اولاد و بے مال و دولت مال و اولاد سے مالا مال ہو جاتے ہیں، ان کی شفاعت سے بیمار تو کیا ہزار سالہ مردے بھی زندہ ہو جاتے ہیں۔ اور ان کی توجہ و دعا سے سب مشکلات و مصائب کے بادل چھٹ جاتے ہیں۔ جیسا کہ امام العصر والزمان کی حدیث شریف میں ان کے اس منصب جلیل کی وضاحت موجود ہے جس کا تذکرہ بحوالہ احتجاج طبرسی سرکار علامہ مجلسیؒ کے کلام حقیقت ترجمان

کے ضمن میں سابقاً کیا جا چکا ہے ؎

چوں بشنوی سخنِ اہلِ دل مگو کہ خطاست
سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجاست

ثالثاً. قبل ازیں غلو و تفویض کے معانی بیان کرتے ہوئے علامہ مجلسی وغیرہ علماء اعلام کے کلام کی روشنی میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ ان بزرگواروں کو خالق و رازق اور محی و ممیت سمجھنا غلو و تفویض ممنوع میں داخل ہے۔ یہ بالذات و باذن اللہ والی اصطلاح ان حضرات کی ذاتی اختراع ہے۔ اگر اس کی کوئی حقیقت و اصلیت ہوتی تو قرآن و حدیث میں بھی تو اس کا کہیں ذکر ہوتا۔ مگر نہ قرآن میں اس کا کوئی تذکرہ ہے نہ محمد و آل محمد علیہم السلام کے کسی مستند فرمان میں اس کا کوئی نام و نشان ہے۔ بلکہ اس کے برعکس ان کو بامر اللہ خالق سمجھنے والوں کو بھی کافر قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ ایسی بعض حدیثیں اوپر بیان ہو چکی ہیں۔ تو بعد ازیں اس کی بنا پر قرآن و حدیث سے ثابت شدہ حقائق سے کیونکر دست برداری اختیار کی جا سکتی ہے؟

رابعاً. اس سلسلہ میں آیت مبارکہ ما من شفیع الا من بعد اذنہ پ ۱۱ س یونس ع ۱ پیش کر کے جو ترجمہ کیا گیا ہے وہ تفسیر بالرائے کی بدترین مثال ہے۔ "شفیع" کا ترجمہ "شریک" کرنا عجائباتِ روزگار میں سے ہے حدیثِ قدسی میں وارد ہے خدا فرماتا ہے ما آمن بی من فسر برأیہ کلامی "جو شخص اپنی رائے کے ساتھ میرے کلام کی تفسیر کرتا ہے وہ مجھ پر ایمان ہی نہیں لایا" (احتجاج ص ۲۲۳) ہم اپنی طرف سے ترجمہ کرنے کی بجائے جناب مولانا فرمان علی صاحب و مولانا مقبول احمد صاحب کے تراجم پیش کرتے ہیں۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس آیت سے صحیح عقیدہ کی تائید ہوتی ہے۔ یا ان لوگوں کے خود ساختہ نظریہ کی؟ اول الذکر اس کا یوں ترجمہ کرتے ہیں: "اس کے سامنے کوئی کسی کا سفارشی نہیں ہو سکتا، مگر اس کی اجازت کے بعد" اور ثانی الذکر اس طرح کرتے ہیں: "بغیر اس کے حکم کے کوئی سفارشی ہو ہی نہیں سکتا" مطلب دونوں کا ایک ہی ہے۔

اب ارباب فہم و فراست و اصحاب انصاف و دیانت غور فرمائیں۔ کہ آیا اس آیت مبارکہ سے ائمہ اطہار کا وسیلہ شفیع اور سفارشی ہونا ثابت ہوتا ہے جو ہم ثابت کر رہے ہیں یا ان کا مدبر عالم اور خالق و رازق ہونا ثابت ہوتا ہے۔ جسے یہ لوگ قرآن و حدیث کا کچومر نکال کر اپنے زعم باطل میں ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ مالھم انی یؤفکون؟

ان حقائق سے یہ واضح ہو گیا کہ "بامر اللہ" یا "باذن اللہ" کا پیوند لگانے سے تفویض ممنوع والے فاسد عقیدہ کو صحیح نہیں بنایا جا سکتا۔ چنانچہ رسالہ نعم الزاد لیوم المعاد ص ۲۹ پر وضاحت کر دی گئی ہے کہ کون الفعل باذن اللہ لا یخرجہ عن کونہ تفویضاً ولا یمنع بطلان التفویض اما الاول فلکونہ باذن اللہ لا یجعل الفعل للہ ولا یخرج العبد عن کونہ ہو الفاعل "یعنی فعل کا باذن اللہ واقع ہونا اسے تفویض ممنوع سے خارج نہیں کرتا۔ کیونکہ اس کے باوجود بھی فاعل انسان ہی رہتا ہے نہ خدا" والحمد للہ علی وضوح الحق والحقیقہ۔

تکوینی امور میں تفویض کا بطلان متقدمین و متاخرین علماء اعلام کے بیان کی روشنی میں

اس سلسلہ میں اعا

علماء کی اس قدر تصریحات موجود ہیں کہ ان سب کے پیش کرنے کی اس مختصر کتاب میں گنجائش نہیں ہے صرف بعض اعلام کے

بیانات عالیہ پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) ثقۃ الاسلام حضرت شیخ محمد بن یعقوب کلینی علیہ الرحمہ نے اصول کافی ص۱۳۲ طبع ایران پر پورا ایک باب منعقد کیا ہے۔ جس کا عنوان ہے: "التفویض الی رسول اللہ والی الائمۃ فی امر الدین" اس سے ثابت ہوتا ہے کہ امور تکوینیہ میں ان کے نزدیک تفویض مطلقاً باطل ہے کیونکہ علماء محدثینؒ کے نظریات ان کے تجویز کردہ ابواب کے عناوین سے ہی معلوم ہوتے ہیں۔ جیسا کہ صاحب شرح وافیۃ الاصول، صاحب مرآۃ العقول، صاحب مقامع الفضل اور صاحب فصل الخطاب نے اس امر کی تصریح فرمائی ہے کہ "مذاھب القدماء تعلم غالباً من عناوین ابوابھم" کہ علماء متقدمین کے عقاید و نظریات ان کی کتابوں کے بابوں کے عنوانوں سے ہی معلوم ہوتے ہیں" چنانچہ اس مقام پر علامہ مجلسیؒ نے حضرت کلینی کے تجویز کردہ اسی عنوان پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے: "اقول لعل مرادہ اثبات التفویض المتعلق بالدین احترازاً من التفویض فی الخلق" میں کہتا ہوں کہ مرحوم کلینی نے تفویض کے ساتھ دینی امور کی قید لگائی ہے اس سے ان کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ خلق اور رزق والی تفویض سے اجتناب کرنا چاہتے ہیں" (مرآۃ العقول ج ۱ ص۹)

(۲) رئیس المحدثین حضرت شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے اپنے رسالہ اعتقادیہ میں سینتیسواں ۳۷ باب مستقل طور پر غلو و تفویض کی نفی کے لئے منعقد کیا ہے جس میں بکثرت دلائل سے خلق و رزق وغیرہ امور تکوینیہ میں تفویض کا باطل ہونا ثابت کیا ہے اور ہم نے بھی احسن الفوائد میں اس کی مکمل شرح کر دی ہے۔ والحمد للہ۔

(۳) مفید الفرقۃ المحقۃ حضرت شیخ مفید علیہ الرحمہ نے اپنی شرح اعتقادیہ شیخ صدوق موسوم بہ تصحیح الاعتقاد ص۴۱ طبع ایران مع اوائل المقالات پر اس نظریہ میں حضرت شیخ صدوقؒ کے ساتھ اتفاق کیا ہے۔ فراجع۔

(۴) امین الاسلام الشیخ ابوالفضل الطبرسی علیہ الرحمہ اپنی تفسیر مجمع البیان ج ۴ ص۴۳۳ پر ذیل آیت هل من خالق غیر اللہ یرزقکم من السماء والارض (پ۲۲ س فاطر ع ۱) ترجمہ کیا خدا کے سوا کوئی اور خالق ہے جو آسمان اور زمین سے تمہیں روزی پہنچاتا ہے" لکھتے ہیں: "ھذا استفھام تقریر لھم ومعناہ النفی لیقروا بانہ لاخالق الا اللہ، یرزق من السماء بالمطر ومن الارض بالنبات وھل یجوز اطلاق لفظ الخالق علی غیر اللہ سبحانہ فیہ وجھان احدھما انہ لا یطلق ھذہ اللفظۃ علی احد سواہ" (ج ۴ ص۴۳۳) یعنی یہ بظاہر استفہام ہے جس کے معنی نفی کے ہیں۔ (یعنی خدا کے سوا کوئی خالق نہیں ہے) تاکہ یہ لوگ اقرار کریں کہ خدا کے سوا کوئی خالق نہیں جو آسمانوں سے بارش برسا کر اور زمین سے انگوری اگا کر رزق پہنچاتا ہے آیا غیر خدا پر لفظ خالق کا اطلاق کرنا جائز ہے یا نہ؟ اس میں دو وجہیں ہیں ایک یہ ہے کہ سوائے خدا کے اور کسی پر اس لفظ کا اطلاق جائز نہیں ہے" (بعد ازیں مصنف علامؒ نے دوسری وجہ کا ذکر ہی نہیں فرمایا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک یہی پہلی وجہ قوی ہے۔"

(۵) شیخ الطائفہ حضرت شیخ طوسی علیہ الرحمہ اپنی تفسیر تبیان ج ۸ ص۴۱۳ پر مذکورہ بالا آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں "تقریراً لھم علی انہ لاخالق غیر اللہ فی السموات والارض لان ھذہ الصفۃ لا یطلق الا علیہ تعالیٰ ھذا صحیح لانہ لا احد

يقدر ان يرزق غيره من السماء والارض بالمطر والنبات وانواع الثمار" یعنی اس آیت مبارکہ میں استفہام انکاری کے پیرایہ میں دراصل اس بات کا اقرار ہے کہ زمین و آسمان میں خدا کے سوا اور کوئی خالق نہیں۔ اس صفاتی نام (خالق) کا اطلاق غیر خدا پر جائز نہیں ہے کیونکہ خدا کے علاوہ کوئی بھی اس بات پر قادر نہیں کہ آسمان سے بذریعہ بارش برسانے اور زمین سے انگوری اگانے کے رزق پہنچائے"۔ اسی طرح تفسیر تبیان ج ۵ ص ۴۲۶ پر یہ لکھنے کے بعد کہ لغوی معنوں کے اعتبار سے ہم بھی ایک دوسرے کو رزق دیتے ہیں۔ (عطا و بخشش کا مظاہرہ کرتے ہیں) الا انه لايطلق اسم الرازق الا على الله۔ مگر خدا کے سوا اور کسی پر لفظ رازق کا اطلاق جائز نہیں ہے (کذا فی مجمع البیان ج ۱ ص ۵۳)

(۶) مروج المذہب حضرت علامہ محمد باقر المجلسی علیہ الرحمہ کا مفصل بیان حقیقت ترجمان قبل ازیں ص ۱۵۸ اور مجمل کلام ص ۹۱ پر پیش کیا جا چکا ہے جس میں انہوں نے بڑی تفصیل جمیل کے ساتھ خلق و رزق اور اماتت و احیاء وغیرہ امور تکوینیہ میں ہر قسم کی تفویض کو باطل قرار دیا ہے۔ سردست انکے رسالہ اعتقادیہ مطبوعہ بر حاشیہ عقائد صدوق ص ۷ طبع ایران سے ان کا کلام حق ترجمان پیش کیا جاتا ہے فرماتے

(۷) محدث جلیل سید حبیب اللہ خوئی علیہ الرحمہ اپنی کتاب منہاج البراعہ شرح نہج البلاغہ ج ۲ ص ۲۶۴-۲۶۵ پر سرکار علامہ مجلسی کی فرمائشات درج کرکے حرف بحرف ان کی تائید مزید فرمائی ہے۔ فراجع

(۸) محدث فاضل مولانا محمد صالح مازندرانی قدس سرہ شرح اصول کافی ج ۶ ص ۴۲ طبع ایران پر تفویض کے معانی بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔ للتفويض معان بعضها باطل وبعضها صحيح، اما الباطل فهو تفويض الخلق والايجاد والرزق والاحياء والاماتة اليهم يدل على ذلك ما روي عن الرضا قال اللهم من زعم انا ارباب فنحن منه براء ومن زعم ان الينا الخلق وعلينا الرزق فنحن منه براء" یعنی تفویض کے کئی معنی ہیں۔ جن میں سے بعض باطل ہیں اور بعض صحیح۔ باطل معنی یہ ہیں کہ خلق کرنے، رزق دینے، مارنے، جلانے کے کام آنحضرات کے سپرد کیے جائیں۔ اس کے بطلان پر وہ روایت دلالت کرتی ہے جو حضرت امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا بار الہا جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ ہم رب ہیں ہم اس سے بیزار ہیں۔ اور جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ ہم پیدا کرتے یا رزق دیتے ہیں۔ ہم اس سے بھی بیزار ہیں"

(۹) الشیخ الاکبر الشیخ جعفر النجفی کاشف الغطاء علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب کشف الغطاء میں بحث اذان کے ضمن میں مفوضہ کی مذمت کرتے ہوئے ان کو قابلِ انکار ہونے کا مستوجب قرار دیا ہے (کتاب پر صفحات درج نہیں۔ فراجع۔)

(۱۰) جناب علامہ مرزا ابو الحسن تنکابنی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب قصص العلماء طبع بمبئی کے ص ۳۴۳ سے قریباً ص ۳۵۵ تک مفوضہ کے نظریات فاسدہ کی بڑے زور شور سے رد فرمائی ہے اور اس سلسلہ میں بالتصریح تفویض استقلالی اور غیر استقلالی کو باطل قرار دیا ہے ان کے کلام سے صرف ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس کتاب کے ص ۳۴۹ پر تحریر فرماتے ہیں۔

"اخبار بسیار از ائمہ اطہار علیہم صلوات الملک الجبار وارد و یافت کہ نسبت خلق و رزق را بائمہ دادن موجب کفر و ضلالت

بد ہیں دو تحقیقی انهم خلقوا العالم بامر الله فانا قد نهينا في صحاح الاخبار عن القول به یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ ائمہ نے خدا کے

است و ائمہ از ایں منع فرمودہ اند و ایں گروہ را مفوضہ خلقیہ می نامند و ایشان قائلند باینکہ خداوند عالم تفویض نمود خلق و رزق را با امام و حضرت صاحب الامر روحی فداہ و عجل اللہ فرجہ در توقیع نوشتہ کہ ہر کہ بیکی از من و آبای من چنیں نسبت دہد من و جد ام ازو بیزاریم و عبارت آنجناب ایں است فانا و آبائی منہ براء و علامہ مجلسی نیز مانند سائر علماء ایں طائفہ را تکفیر نمودہ اند و حقیقتہ ہم ایں طائفہ کافر اند لیکن شیخ احمد احسائی ایں است کہ من قائل بتفویض نیستم بلکہ می گویم خداوند خلق کردہ است و ائمہ بمنزلہ ید می باشند و ظاہر اینکہ ایں سخن محض تغییر عبارت باشد و اخبار عموم دارد ایں معنی و معنی اول را و اخبار ہم برخلاف آں وارد و یافتہ باشد مطروح است علاوہ و اخبار احاد است و بر فرض متواتر بودن نیز با ضروری مذہب معارضہ نمی تواند نمود"

یعنی ائمہ اطہار علیہم السلام کے بہت سے اخبار و آثار سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ خلق و رزق کی نسبت ائمہ اطہار کی طرف دینا باعث کفر و گمراہی ہے۔ ائمہ علیہم السلام نے اس کی سخت ممانعت فرمائی ہے۔ اور اس گروہ کو "مفوضہ خلقیہ" کہا جاتا ہے۔ ان کا یہ اعتقاد ہے کہ خدا نے خلق کرنے اور رزق دینے کا کام ائمہ علیہم السلام کے سپرد کر رکھا ہے حضرت امام العصر عجل اللہ فرجہ اپنی توقیع مبارک میں فرماتے ہیں کہ جو شخص اس قسم کی کوئی نسبت میری یا میرے آباؤ اجداد کی طرف دے۔ میں اور میرے آباؤ اجداد اس سے بری و بیزار ہیں۔ سرکار علامہ مجلسیؒ نے بھی دوسرے علماء شیعہ کی طرح اس گروہ کو کافر قرار دیا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ گروہ کافر ہے۔ مگر شیخ احمد احسائی یہ کہتا ہے کہ میں تفویض کا قائل نہیں ہوں۔ بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ پیدا خدا ہی کرتا ہے البتہ ائمہ علیہم السلام بمنزلہ دست قدرت ہیں (یعنی ید خداوندی ہیں) ظاہر ہے کہ یہ انداز گفتگو صرف لفظوں کا ہیر پھیر ہے اور جن روایات میں اس نظریہ کی ممانعت وارد ہوئی ہے وہ اس خیال کی بھی تردید کرتی ہیں۔ اگر کوئی روایت مذہب حق کے برخلاف وارد ہو تو وہ متروک تصور ہوگی۔ علاوہ ازیں بوجہ خبر واحد ہونے کے ناقابل اعتبار ہے۔ اور اگر بالفرض وہ خبر متواتر بھی ہو تو بھی وہ ضروریات مذہب کا معارضہ و مقابلہ نہیں کر سکتی" (یعنی اس کے مطابق عقیدہ نہیں رکھا جا سکتا)۔

(۱۱) فاضل عزیز جناب مولانا مرزا ابوالحسن شریف علیہ الرحمہ نے اپنی تالیف لطیف مقدمہ تفسیر مرآۃ الانوار و مشکوٰۃ الاسرار کے صفحہ ۹۶ ۹۸ پر غلو و تفویض کے بارہ میں سرکار علامہ مجلسی علیہ الرحمہ کے سابقہ مفصل کلام کو نقل کر کے اس پر اظہار پسندیدگی فرمایا ہے نیز اسی کے صفحہ ۹۵ پر ائمہ اطہار کے حق میں افراط و تفریط کی مذمت اور اس کی تشریح کرنے کے بعد لکھا ہے "وتامل فیما ذکرناہ حق تامل حتی تعرف ان الحق الذی علیہ محققوا اصحابنا المحققین من المتقدمین والمتاخرین فی غیر ہذین الصنفین الافراط والتفریط بل ہو ان رب العالمین وخالق الخلائق ورازقہم اجمعین ہو اللہ وحدہ القدیم القادر الذی لا شریک لہ ولا شبیہ وان رسولہ محمداً والائمۃ الاثنا عشر من ولدہ عبید للہ مخلوقون مربوبون کسائر الخلق مکلفون بلوازم العبودیۃ من فعل الطاعات وترک المناہی بلا

احتمال النبوۃ فی الائمۃ ولا مدخلیۃ لہم ولا للنبیؐ فیما ہو من علائق الالوہیۃ وخصائص المعبودیۃ "

یعنی جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس میں صحیح غور و فکر کرنے سے تم پر یہ حقیقت واضح و آشکار ہو جائے گی کہ وہ نظریۂ حقہ جس پر ہمارے تمام متقدمین و متاخرین محدثین کرام کا اتفاق ہے وہ افراط و تفریط کے علاوہ ایک تیسرا درمیانہ نظریہ ہے اور وہ یہ ہے کہ رب العالمین اور خالق الخلائق اور تمام کائنات کا رازق خداوند عالم ہی ہے اور وہی قدیم و قادر ہے۔ جس کا نہ کوئی شریک ہے اور نہ کوئی ہمسر و نظیر۔ اور جناب محمد مصطفےٰؐ اور ائمہ ہدیٰ علیہم السلام تمام کے تمام اللہ کے مخصوص بندے اور مخلوق و مربوب ہیں۔ اور تمام لوازم بندگی جیسے بجاآوریٔ طاعات و ترک مناہی و معاصی پر مامور و مکلّف ہیں۔ ائمہ علیہم السلام میں نبوت کا احتمال دینا بھی ممنوع ہے اور جو امور الوہیت سے متعلق ہیں اور معبود برحق کے خصائص میں شامل ہیں۔ ان میں جناب رسول خدا یا ائمہ ہدیٰ کو کوئی دخل نہیں ہے۔"

(۲) عمدۃ الفقہاء والاصولیین جناب آقا سید اسمٰعیل النوری الطبرسی علیہ الرحمہ اپنی کتاب کفایۃ الموحدین فی عقائد الدین ج ۱ ص ۲۴۹ طبع ایران پر تفویض استقلالی کی رد کے بعد تفویض غیر استقلالی کی رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "واگر مراد صحت نسبت ایں امور است بایشان از باب مجاز بہ آلیۃ والاسباب۔ یعنی محمد و آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آلت از برائے فعل حق تعالےٰ می باشند مانند ارض و سماو شمس و قمر و ستارگان و ملائکہ چنانچہ فرمودہ است وفی السماء رزقکم وما توعدون۔ یعنی اسباب رزق شما در آسمان است و چوں نسبت خلق بجناب اسرافیلؑ و نسبت رزق بجناب میکائیلؑ و نسبت اماتت بجناب عزرائیلؑ علیہ السلام و سائر ملائکہ از موکلین آب و باد و امثال آں پس می گوئیم کہ شان محمد و آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ اجل وارفع ازاں است کہ ایں امور نسبت دادہ شود بایشان زیرا کہ ایں امور از قبیل فراشی و میرغضبی و آلیۃ است کہ شان خدام و چاکرین ایشان است و ہمہ ملائکہ و سائر خلائق خدام و عتبہ بوس درگاہ آں بزرگواراند الخ۔"

یعنی اگر تفویض غیر استقلالی کے قائل حضرات کی مراد اس سے یہ ہے کہ بطور آلات و اسباب کے مجازاً ان امور (خلق و رزق وغیرہ) کی نسبت ان بزرگواروں کی طرف دینا جائز ہے یعنی سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام فعل خدا کے آلات ہیں جس طرح زمین و آسمان اور شمس و قمر اور ملائکہ اس کے آلات و اسباب ہیں چنانچہ اس کا ارشاد ہے وفی السماء رزقکم۔ الخ تمہارا رزق اور جن باتوں کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ سب آسمان میں ہیں۔ یعنی تمہارے رزق کے اسباب آسمان میں ہیں۔ یا جیسے تخلیق کی نسبت اسرافیلؑ اور رزق دینے کی نسبت میکائیلؑ اور مارنے کی نسبت عزرائیلؑ کی طرف ہے۔ یا جس طرح دیگر باد و باراں وغیرہ امور پر مؤکل شدہ فرشتوں کی طرف ان امور کی نسبت (مجازاً) دی جاتی ہے۔ تو ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کی شان اس سے کہیں اجل و ارفع ہے کہ یہ نوکروں اور چاکروں والے کام بنفس نفیس انجام دیں۔ کیونکہ فرشتے ہوں یا دوسری مخلوق۔ سب کے سب ان بزرگواروں کی

بارگاہِ عالی کے عقیدہ پوش ہیں[1]

(۳) جناب مولانا آقا شیخ احمد کوزہ کنانی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب ہدایت الموحدین ج ا ص۲۰ طبع ایران پر توحید افعال اور رد تفویض کے ضمن میں بیان فرمایا ہے کہ ایسی یک صد و پنجاہ آیات ان کی نظر سے گذری ہیں جن میں خلق (پیدا کرنے) کی نسبت خداوند عالم کی طرف دی گئی ہے اور اس سلسلہ میں وارد شدہ روایات کے بارہ میں فرماتے ہیں۔ "و اخبار علاوہ در اثبات صفت خلق و رزق بیشتر از آن است کہ این مختصر را گنجائش عشری از آنہا داشتہ باشد" یعنی خلق و رزق کے مخصوص صفت ربوبی ہونے کے متعلق اس قدر احادیث وارد ہوئے ہیں۔ کہ ان کے عشر عشیر کے درج کرنے کی بھی اس مختصر کتاب میں گنجائش نہیں ہے۔ پھر ص۳۲ پر بذیل عنوان "بیان اعتقاد مفوضہ" مفوضہ کے عقائد درج کرکے ان کا ابطال کیا ہے۔ فراجع۔

(۴) جناب سید العلماء مولانا سید حسین ابن حضرت غفرانمآب علیہما الرحمہ نے اپنی کتاب مستطاب حدیقہ سلطانیہ طبع لکھنؤ حصہ اول، دوم اور سوم میں جابجا دلیل و برہان سے نظریہ تفویض کا بطلان ظاہر فرمایا ہے ہم بنظر اختصار ان کے کلام حق ترجمان سے ایک دو اقتباس پیش کرتے ہیں۔ ج ا ص۳۵ پر نظریہ تفویض کی رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حضراتؑ و غیر حضرات از مکلفات در خلق جواہر و اجسام بدوا نہم قدرت دارند و نہ تفویض و اقدار از جانب جناب احدیت در خلق و رزق نسبت بایشاں از روئے عقل و شرع ثابت می شود و از طرف خود امرے را تراشیدن و بے دلیل و برہان صفت حضرات قرار دادن روا نیست چہ جائے آنکہ خلاف آں اجماع قطعی و نصوص محکمہ ثابت باشد و بالفرض اگر روایتے شاذ یا خبرے از اخبار احاد موہم آں باشد حکم مجملات و متشابہات غیر حجتیہ بلکہ مطلق اخبار آحاد در اصول اعتقاد و محل اعتقاد نمی تواند بود۔ پس مطروح خواہد بود یا مأول بمعارضہ با محکمات"

یعنی حضرات (ائمہ اطہارؑ) یا غیر ائمہ نہ تو خود بخود اجسام و ابدان کے پیدا کرنے پر قادر ہیں اور نہ ہی منجانب اللہ خلق و رزق کے بارے میں تفویض ثابت ہے نہ عقلاً اور نہ شرعاً۔ لہٰذا بلا دلیل و برہان کسی امر کو اپنی طرف سے تراش کر ان حضراتؑ کی صفت قرار دینا جائز نہیں ہے چہ جائیکہ اس کے برخلاف قطعی اجماع اور نصوص محکمہ موجود ہوں۔

---

[1] بعض حلقوں کی طرف سے اس مقام پر بہت غوغا آرائی کی گئی ہے۔ کہ صاحب کفایۃ الموحدین کی پوری عبارت نقل نہیں کی گئی۔ کیا یہ ضروری تھا کہ ہم ان کی پوری کتاب ہی یہاں نقل کر دیتے؟ جہاں تک ہمارے متعلقہ مسئلہ رد تفویض آلی و استقلالی کا تعلق ہے ہم نے ان کی وہ پوری عبارت پوری دیانتداری کے ساتھ نقل کر دی ہے۔ ہاں چونکہ بعد والی عبارت کا اس سے کوئی ربط و تعلق نہ تھا اس لئے اسے نظر انداز کر دیا گیا۔ خصوصاً جبکہ ان کا وہ افادہ جدیدہ ہماری نظر میں صحیح بھی نہ تھا۔ اب اس [illegible] باب کے آخر میں بعنوان شبہ اول تبصرہ کر دیا گیا ہے۔ دریں حالات اگر اس حصہ کو نقل نہیں کیا۔ تو اس میں کیا جائے اعتراض ہے؟ تعجب ہے کہ ان اعتراض کرنے والوں میں وہ لوگ بھی ہیں جو ہماری اور دوسرے علماء کی عبارات کے ساتھ قطع و برید کا وہ سلوک کرتے ہیں جو قصاب بکرے کے ساتھ بھی نہیں کرتا۔ بہرحال وہ مختار ہیں انہیں کوئی کیا کہہ سکتا ہے۔ ع جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے۔ منہ عفی عنہ

اندریں حالات اگر کوئی شاذ روایت یا خبرِ واحد ایسی ہو جس سے اس تفویض کا وہم ہوتا ہو۔ تو چونکہ اخبارِ مجملہ و متشابہ بلکہ مطلق اخبارِ احاد اصول اعتقاد کے سلسلہ میں ناقابلِ اعتماد ہوتی ہیں۔ اس لئے اسے متروک تصور کیا جائے گا۔ یا اس کی کوئی مناسب تاویل کی جائے گی۔ کیونکہ وہ محکمات کے معارض ہے۔ پھر ص۹۰ پر احتجاج طبرسیؒ سے حضرت امام العصرؑ والی حدیث شریف (جو سابقاً بیان ہو چکی ہے جس میں آں جنابؑ نے ان امور کی نسبت ائمہؑ کی طرف دینے کی ممانعت فرمائی ہے) درج کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ "وهو الحق الحقیق بالاتباع پس تفویضِ خلق و رزق و تمام مصنوعات باطل است" اسی کتاب کے حصہ ثانیہ ص۱۲۳ پر سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کو علتِ غائی ممکنات و باعثِ تخلیق کائنات ثابت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں" فانّهم المقصودون من خلق هذا العالم چه خلق عالم ایجاد بطفیل حضراتِ امجاد است کما صرحت به النصوص الكثیرة و اما اینکه حضرات مؤثر و موجد و مدبر این العالم باشند پس اعتقادِ آں کفر است مثل مفوضه که خلق و رزق و تدبیر عالم را تفویض او تعالیٰ به محمد و علیؑ بلکه سائر ائمہ علیہم السلام راجع می دانند و کل ذلک کفر خواہ حضرات را فاعل مستقل دانند و خواہ فاعل خدا را دانند و ایشاں بمنزلۂ آلات قرار دہند" یعنی تمام عالم کی تخلیق سے مقصودِ اصلی یہی بزرگوار ہیں۔ کیونکہ عالم ایجاد کی خلقت ائمہ امجادؑ کے طفیل ہوئی ہے جیسا کہ نصوص کثیرہ میں اس کی تصریح موجود ہے لیکن یہ اعتقاد کہ اس عالم میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کے مدبر، مؤثر اور موجد یہی بزرگوار ہیں کفر ہے جیسا کہ فرقہ مفوضہ کا یہ عقیدہ ہے کہ خدا نے خلق و رزق اور تدبیرِ عالم کے کام جناب رسولِ خدا و علی مرتضیٰؑ بلکہ تمام ائمہؑ کے سپرد کر دیئے ہیں۔ یہ عقیدہ سراسر کفر ہے خواہ ان بزرگواروں کو ان امور کا مستقل فاعل تسلیم کیا جائے۔ اور خواہ خدا کو فاعلِ حقیقی سمجھ کر ان کو بمنزلۂ آلات و اسباب قرار دیا جائے۔"

(۵) فاضلِ اجل حضرت مولانا السید ابو القاسم الرضوی القمی علیہ الرحمہ اپنی کتاب معارف الملۃ الناجیۃ الناریہ ص۲۲ طبع لاہور پر فرقہ مفوضہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "تفویض جمیع امورِ خداوندی بحضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و حضرت امیرؑ و ائمہ احد عشر صلوات اللہ علیہم می کنند چوں تدبیر دوران و تقسیم ارزاق و احیاء و اماتتِ خلق و تقدیم و تاخیر تکوین و تقدیر و انتظامِ عالم و غیر ذلک بدست ایشاں است چنانچہ خداوند بواسطۂ ملائکہ می کند ہمچنیں اختیار کل بایشاں داده و وی کنند۔ اگر تفویض امورِ شرعیات بایشاں می گوئی دراں عیب نیست اما اگر تفویض امور تکوین و تقدیر گوئی ایں باطل است اگرچہ بصورت توکیل چوں ملائکہ باشد" یعنی مفوضہ یہ کہتے ہیں کہ خدائی امور جنابِ رسولِ خدا و دیگر ائمہ ہدیٰؑ کے سپرد ہیں اس لئے وہی حضرات نظامِ عالم کو چلاتے ہیں۔ وہی تقسیم رزق کرتے ہیں۔ وہی مارتے و جلاتے ہیں اور وہی امورِ تکوینیہ میں تقدیم و تاخیر کرتے ہیں جس طرح خدا ملائکہ کے توسط سے یہ کام انجام دیتا ہے (یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ تمام امور ائمہ کے سپرد ہیں۔ وہ ان کو انجام دیتے ہیں) ہاں اگر امور شرعیہ میں تفویض کا عقیدہ رکھا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن اگر امورِ تکوینیہ (خلق و رزق اور اماتت و احیاء وغیرہ) میں تفویض کا نظریہ اختیار کیا جائے۔ تو یہ سراسر باطل ہے اگرچہ تفویض بطرزِ غیر استقلال ہو

بصورتِ توکیل بھی کیوں نہ ہو جیسا کہ فرشتوں کے بارہ میں ہے:۔

(۱۶) حضرت علامہ الشیخ محمد الحسین ال کاشف الغطاء النجفی علیہ الرحمۃ اصل و اصول الشیعہ ص۵۸ طبع نجف پر لکھتے ہیں یجب علی العاقل بحکم عقلہ عند الامامیۃ تحصیل العلم والمعرفۃ بصانعہ والاعتقاد بوحدانیتہ فی الالوھیۃ وعدم شریک لہ فی الربوبیۃ والیقین بانہ ھو المستقل بالخلق والرزق والموت والحیٰوۃ والایجاد والاعدام بل لا مؤثر فی الوجود عندھم الا اللہ فمن اعتقد ان شیئا من الرزق او الخلق او الموت او الحیاۃ لغیر اللہ فھو کافر مشرک خارج عن الاسلام الخ یعنی "شیعہ امامیہ کے نزدیک ہر عاقل پر عقلاً واجب ہے، کہ اپنے خالق کی معرفت حاصل کرے اور یہ اعتقاد رکھے کہ وہ معبود برحق واحد و یگانہ ہے اور یہ کہ ربوبیت میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے نیز یہ یقین حاصل کرے کہ خلق کرنے، رزق دینے، مارنے و جلانے اور وجود دینے و معدوم کرنے میں وہی مستقل ہے بلکہ امامیہ کے نزدیک سوائے خدا کے اور کوئی مؤثر ہی نہیں ہے پس جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ رزق یا خلق یا موت و حیاۃ کا معاملہ غیر خدا کے قبضہ میں ہے وہ کافر و مشرک ہے اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔"

(۱۷، ۱۸، ۱۹) سرکار آقائے سید علی التبریزیؒ و سرکار آقائے الشیخ علی نہاوندیؒ و سرکار آقائے آقا الشیخ مرزا محمد حسین حاجی مرزا خلیل طہرانیؒ۔ ان بزرگواروں سے دریافت کیا جاتا ہے "ما قولکم مد ظلکم العالی" اعتقاد باینکہ خدا قدرت خود را نسبت خلق و رزق و شفا دادن بائمہ علیہم السلام تفویض فرمودہ است صحیح است یا باطل؛ کیا یہ اعتقاد رکھنا کہ خداوند عالم نے ائمہ اطہار کو پیدا کرنے، رزق دینے، اور بیمار کو شفا دینے کی قدرت تفویض کی ہے صحیح ہے، یا باطل؟

اول الذکر بزرگ جواب میں تحریر فرماتے ہیں "این اعتقاد غلط و فاسد است و صاحبش گمراہ است و خلاف مذہب امامیہ است زیرا کہ اعتقاد این است کہ خود واجب الوجود رزاق و شفا دہندہ است تفویض مطلقاً باطل است. بلے ائمہ علیہم السلام واسطۂ فیض و شفیع ہستند ہر کسے کہ متوسل ائمہ اطہار علیہم السلام بودہ باشد نا امید از رحمت و مرحمت خدا نخواہد شد" دستخط "السید علی التبریزی النجفی" یعنی "یہ عقیدہ رکھنا غلط اور فاسد ہے اس کا معتقد گمراہ ہے اور یہ اعتقاد مذہب شیعہ امامیہ کے عقائد کے خلاف ہے کیونکہ ان کا اعتقاد یہ ہے کہ رازق و خالق اور شفا دہندہ خود خداوند عالم ہے تفویض مطلقاً باطل ہے (خواہ استقلالی ہو اور خواہ غیر استقلالی) ہاں یہ بزرگوار واسطۂ فیض اور ہمارے شفیع ہیں جو شخص ان کے ساتھ توسل حاصل کرے وہ رحمت و لطفِ خداوندی سے محروم نہیں رہتا۔"

ثانی الذکر حضرت جواب میں رقمطراز ہیں "باطل است" (دستخط) الراجی علی النہاوندی عفی اللہ عنہ۔ یعنی "یہ عقیدہ باطل ہے۔"

اور ثالث الذکر جناب فرماتے ہیں "آنہا را شفیع قرار دادن عیب ندارد و اما آنہا را وزیر و معطی دانستن غلط است۔"

یعنی "ان بزرگواروں کو شفیع وسفارشی سمجھنا درست ہے لیکن ان کو خدا کا وزیر یا اس کی طرف سے عطا کنندہ سمجھنا غلط ہے"
(از رسالہ کشف الحال باجمال المقال ص۳۴ مطبع عماد الاسلام لکھنؤ)

(۲۰) جناب آقا سید علی بحر العلوم اپنی کتاب برہان قاطع ج ۲ ص۲۵۴ پر مفوضہ کے کفر کا فتویٰ دیتے ہوئے رقمطراز ہیں:
"ومن الكفر لانكار الضروري ان يدعى لعليؑ او احد الائمة عليهم السلام بعض اوصاف لا ينافي التوحيد وربوبية الباري لكنها غير موجودة فيه بضرورة الاسلام كقول جماعة ممن عاصرناهم وممن سلف بانه الخالق والمحي او المميت عموماً باذن الله سبحانه او بامداده في ذلك ومشيته او تفويضه ذلك اليه" یعنی کفر کے منجملہ ان اقسام کے جو ضروریات دین کے انکار کرنے سے لازم آتے ہیں ایک قسم یہ بھی ہے کہ حضرت علیؑ یا دیگر ائمہ ہدیٰ میں سے کسی امامؑ میں بعض ایسے صفات تسلیم کئے جائیں جو اگرچہ توحید وربوبیت خداوندی کے منافی تو نہ ہوں مگر بضرورۃ الاسلام وہ صفات ان بزرگواروں میں موجود نہ ہوں جیسا کہ ہمارے بعض معاصرین (شیخ احمد احسائی کے تلامذہ سید کاظم رشتی وغیرہ) اور بعض گذشتہ لوگوں کا یہ نظریہ ہے کہ یہ بزرگوار "باذن اللہ" "یا بامداد اللہ" "یا بمشیت اللہ" یا "بتفویض اللہ خالق یا رازق یا محی یا ممیت ہیں"

(۲۱) جناب آقا سید حیدر الکاظمی الحلی اپنے رسالہ کی فصل ثانی میں لکھتے ہیں (علی ما نقل عنہ) "واما القول بانه تعالى خلق محمداً واهل بيته وجعلهم يعملون كل شيء بامره واذنه فقول بما لم يعلم" یعنی "یہ کہنا کہ خداوند عالم نے سرکار محمد وآل محمد علیہم السلام کو پیدا کرکے اس قابل بنا دیا ہے کہ اب یہ بزرگوار سب کچھ (عالم تکوین میں) اس کے امر واذن کے تحت کرتے رہتے ہیں یہ ایسا قول ہے جس کا کوئی علم نہیں ہے" آخر کلام میں موجودہ دور کے دو مراجع تقلید علماء اعلام کے ارشادات درج کرتے ہیں۔

(۲۲) مرجع اکبر تقلید شیعیان جہان حضرت آقا محسن الحکیم الطباطبائی النجفی تحریر فرماتے ہیں: "من المعلوم ان من يعتقد ذلك فهو ضال ومنحرف عن طريق السداد وان من الواضح عند المسلمين ان هذه الصفات لله تعالى وحده لا شريك له فيها وما ورد في الاخبار مما فيه خلاف ذلك فمؤول او مطروح لانه مخالف للكتاب والسنة والارتكازيات الامامية الماخوذة من صاحب الرسالة الاكرم صلى الله عليه وآله وسلم فلا مجال للعمل بها" یعنی "یہ بات معلوم ہے کہ جو شخص ایسا اعتقاد رکھے وہ گمراہ ہے اور راہ راست سے منحرف ہے اور تمام مسلمانوں کے نزدیک یہ بات واضح ہے کہ یہ صفات (خلق ورزق اور اماتت واحیاء وغیرہ) خدا کے ان خصوصی صفات میں سے ہیں کہ جن میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے اگر کوئی ایسی روایت ہو جس میں کوئی ایسی بات موجود ہو تو اس کی مناسب تاویل کی جائے گی یا اس کو نظر انداز کر دیا جائے گا کیونکہ ایسی روایات قرآن وسنت اور شیعہ اما
کے ان مسلمہ نظریات کے مخالف ہیں جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات سے ماخوذ ہیں لہٰذا ان پر عمل کرنے کی کوئی گنجا

نہیں ہے۔ دستخط رحمن الطباطبائی الحکیم، (اصل مخزن العلوم الجعفریہ ملتان میں محفوظ ہے)

(۲۳) آیۃ اللہ حضرت العلام الشیخ عبد الکریم الزنجانی النجفی اس سلسلہ میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اولاً واجب است بر ہر فرد مسلمان اینکہ اعتقاد یقینی کند توحید ذاتی خداوند متعال کہ مفاد (لا الہ الا اللہ) می باشد و ایضاً اعتقاد داشتہ باشد بتوحید صفاتی خدا کہ مفاد (لا ہو الا ہو) می باشد و ایضاً اعتقاد یقینی کند بتوحید افعالی ایزد متعال کہ مفاد (لا حول ولا قوۃ الا باللہ) می باشد (در نقل عبارت اینجا سقط شدہ) پس لازم است اعتقاد مسلمانان جمیع آنچہ در قرآن شریف و سنت صحیحہ از پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسیدہ است، الخ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سب سے پہلے ہر مسلمان پر واجب ہے کہ خدا کی توحید ذاتی کا یقینی اعتقاد رکھے جو کہ (لا الہ الا اللہ) کا مفاد ہے۔ اسی طرح توحید صفاتی کا حتمی اعتقاد رکھے۔ جو کہ (لا ہو الا ہو) کا مفاد ہے۔ نیز توحید افعالی کا قطعی اعتقاد رکھے جو کہ (لا حول ولا قوۃ الا باللہ) کا مفاد ہے۔ عقیدۂ توحید کے بعد خاتم انبیاء سرکار محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا عقیدہ رکھے جو دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ سے ثابت ہے اس کے بعد ائمہ معصومین علیہم السلام کی امامت حقہ کا اعتقاد رکھے۔ نماز کے تشہد میں وارد ہے (و اشہد ان محمداً عبدہ و رسولہ) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آں حضرت کا تمام سرمایۂ افتخار خدا کی عبودیت اور اس کی عطا کردہ رسالت میں منحصر ہے لہٰذا خدائے معبود کی تمام صفات اور اُس کے افعال اس کے مخلوق بندوں کے افعال و صفات سے جدا ہیں۔ پس تمام مسلمانوں پر لازم ہے کہ اُنہی اُمور کا اعتقاد رکھیں جو کہ قرآن شریف اور سنتِ صحیحہ میں پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہیں۔ (عبد الکریم زنجانی النجفی) (اصل ہمارے پاس محفوظ ہے)

(۲۴) حضرت مولانا سید محمد ہارون صاحب زنگی پوری تحریر فرماتے ہیں: "یوں تو براہین سے جب یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ خالقِ عالم ایک ہی ہے اور وہی قدیم ہے اس کے سوا سب چیزیں حادث ہیں۔ تو آپ سے آپ نتیجۃً یہ امر بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ شئی کا خالق وہی ہے کیونکہ دوسرا کوئی قدیم ایسا نہیں ہے جس کی طرف اس فعل خلق و ایجاد کی نسبت کی جا سکے۔ وہی مبداء اول ہے۔ الحکیم و قدیر اور علیم و خبیر ہے جس کی حکمتوں کے آثار عالم کے ہر ذرے سے نمودار ہیں۔ ہر جسم خواہ نباتی ہو یا حیوانی یا جمادات بلکہ ہر موجود خواہ جوہر ہو یا عرض بسیط ہو یا مرکب مرئی ہو یا غیر مرئی اپنے اپنے آثار و افعال و قویٰ و حرکات و الاشتمال علی الحکم العجیبۃ والصنائع الغریبۃ سے بآواز بلند پکار کر کہہ رہی ہیں کہ ہمیں اس بے نیاز صناع یکتا نے بنایا ہے جس کی حکمت کا اندازہ اور جس کے کمالات کی تقدیر ذہن بشری سے باہر ہے۔" (توحید القرآن از مولانا سید محمد ہارون صاحب زنگی پوری)

(۲۵) جناب آقائے محسنی مدظلہ نے اپنی کتاب صراط الحق ج ۲ ص ۲۲۲ پر تفویض کے عقیدۂ باطلہ کا ابطال کرتے ہوئے دلائل عقلیہ و نقلیہ کے ساتھ خلق و رزق وغیرہ امور تکوینیہ کی نسبت غیر خدا کی طرف دینے کو ممنوع ثابت کر کے تفویض استقلالی و آلی کو مقطوع العدم قرار دیا ہے۔ فراجع۔

(۲۰) عالمِ کبیر و فاضلِ جلیل علامہ سید ابوالفضل برقعی مدظلہ نے اپنی کتاب مستطاب عقل و دین ج ۱ ص ۲۳۴ سے لے کر ص ۲۳۵ تک ہماری محلِ نزاع تفویض کا دلائلِ قاطعہ سے ابطال فرمایا ہے ص ۲۳۴ پر بذیلِ عنوان "اشکال و جواب" جو کچھ تحریر فرمایا ہے اسے افادۂ عمومی کی غرض سے یہاں نقل کیا جاتا ہے فرماتے ہیں۔

"اگر کسے گوید چنانچہ عزرائیلؑ مامور قبض ارواح و اسرافیلؑ مامور دمیدن روح و جبرئیلؑ مامور رسانیدن وحی است ممکن است محمدؐ و آل اوؐ مامور تقسیم ارزاق و تدبیر جہاں باشند" جواب گوئیم اولاً دلیلے برایں مدعا نیست و چیزیکہ دلیل باشد از شرع نرسیدہ۔ ثانیاً تمام دعاہا و آیات قرآن و اخبار ایں مدعا کارہا و تدبیر امور را بخدا نسبت دادہ مانند ھو ربی و ربکم۔ و مانند یا مکوّن کل شیٔ و غیرہ در دعائے جوشن کبیر است و مانند سائر آیات و روایاتے کہ در توحید افعال حق بیان کردیم۔ خداوند بہ پیغمبرؐ میفرماید وما جعلناک علیھم حفیظاً۔ یعنی ما تو را حافظ ایشان قرار ندادیم۔ پس او حافظ کسے نیست چہ رسد باینکہ خالق و رازق باشد برائے تمام جہان ...... ثالثاً ملائکہ فاعل مسخر اند و برائے ہر کارے خلق شدہ اند بہماں کار مشغول اند و تقریباً اختیارے از خود ندارند ولے آل محمدؐ فاعل بالقدرۃ و الاختیار اند و فعل فاعل بالاختیار مستند بخود اوست نہ مستند بذات حق ...... رابعاً اگر مقصود ایں است کہ آل محمد بعد از خدا و نہ مقصدی امور اند خداوند احتیاج ببدو ندارد باضافہ قیومیت جہاں از ممکن الوجود ساختہ نیست و احاطہ بکل شیٔ از صفات اختصاصی واجب الوجود است و بندہ دادن الہی درست نمی شود ...... خامساً اخبار بسیارے بخصوص برد و ابطال ایں نظریہ وارد شدہ۔ چنانچہ ...... و بعد از ان شمہ از آں اخبار ذکر فرمودہ کہ ما سابقاً آنہا را بیان نمودیم۔ (انتہی)

یعنی "اگر کوئی شخص یہ کہے کہ جس طرح عزرائیلؑ روحیں قبض کرنے، اسرافیلؑ روح پھونکنے اور جبرئیلؑ وحی پہنچانے پر مامور و مقرر ہیں۔ ممکن ہے اسی طرح سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام بھی رزق تقسیم کرنے اور نظام عالم چلانے پر مامور ہوں۔ تو ہم جواب میں کہیں گے کہ یہ اشکال بچند وجہ مندفع ہے اولاً اس دعویٰ کی صحت پر شریعتِ مقدسہ کی جانب سے کوئی ایسی چیز نہیں مل سکی ہے جسے دلیل کہا جا سکے (لہٰذا دعویٰ بوجہ عدم دلیل باطل ہے) ثانیاً تمام آیات و روایات اس دعویٰ کے خلاف خلق و رزق وغیرہ امور تکوینیہ کو خدا کی طرف منسوب کر رہی ہیں۔ جیسے قرآن میں جنابِ رسولِ خداؐ کا یہ قول موجود ہے کہ خدا ہی میرا اور تمہارا پروردگار ہے یا جیسے دعائے جوشن کبیر میں وارد ہے اے ہر چیز کو پیدا کرنے اور الٹنے پلٹنے والے خدا۔ اسی طرح وہ سب آیات و روایات اس مطلب پر دلالت کرتی ہیں جو ہم توحید افعالی میں ذکر کر چکے ہیں۔ جیسے ارشاد ایزدی۔ اے رسولؐ! ہم نے تمہیں لوگوں کا نگہبان نہیں بنایا۔ ظاہر ہے کہ جب آنحضرتؐ لوگوں کے حافظ و نگہبان نہیں ہیں۔ تو پھر سارے جہان کے خالق و رازق کس طرح ہو سکتے ہیں؟ ثالثاً ملائکہ فاعل مسخر ہیں اور جس کام کی انجام دہی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ اسی کی انجام دہی میں مشغول ہیں اور تقریباً از خود کوئی اختیار نہیں رکھتے۔ برخلاف ان کے سرکار محمد و آل محمدؐ

علیہم السلام فاعل مختار ہیں۔ ظاہر ہے کہ فاعل مختار کا فعل خود اسی کی طرف منسوب ہوگا۔ نہ خدا کی طرف ولہٰذا بوجہ قیاس مع الفارق ہونے کے یہ اشکال باطل ہے۔ (رابعاً۔) اگر مقصد یہ ہے کہ محمد و آل محمد علیہم السلام اللہ کی مدد سے یہ کام کرتے ہیں۔ تو خدا کو مدد دینے کی ضرورت ہی کیا ہے (جبکہ خود یہ کام انجام دے سکتا ہے) علاوہ بریں کائنات کا انتظام چلانا کسی ممکن الوجود کے لئے ممکن ہی نہیں ہے اور ہر چیز کا احاطہ کرنا پروردگار عالم کی ذات کے ساتھ مختص ہے اور خدا کی مدد سے بھی یہ (ناممکن) درست (و ممکن) نہیں ہو سکتا خامساً۔ بالخصوص اس نظریہ کی رد میں بہت سے روایات وارد ہوئے ہیں: (جن سے واضح ہوتا ہے کہ یہ نظریہ باطل ہے ہم ان اخبار و آثار کا ایک شمہ پیش کیا ہے۔ جو ہم قبل ازیں پیش کر چکے ہیں۔ فراجع)

نیز اسی مرد مجاہد نے اسی کتاب کے ص۲۲ پر لکھا ہے:۔

”مؤلف گوید از آیات و روایات گذشتہ و ہزاران آیۂ دیگر محقق و مسلم مے شود کہ تدبیر عالم و امور رزق و شفاء و خلق و موت و امثال اینہا با خداوند یکتا است و کسے در افعال او شریک و معاون و وزیر و مدد نیست“

یعنی ”سابقہ آیات و روایات اور اس قسم کی اور ہزار ہا آیات و اخبار سے یہ امر پایۂ ثبوت تک پہنچ چکا ہے۔ کہ عالم کا انتظام کرنا۔ رزق اور شفا دینا۔ نیز پیدا کرنا اور مارنا یا اس قسم کے (دوسرے تکوینی) کام خدائے یگانہ کی ذات سے متعلق ہیں ان افعال میں کوئی اس کا شریک و مددگار، اور وزیر یا مدد نہیں ہے“

نیز یہی عالم خبیر اپنے رسالہ ”درسے از ولایت“ ص۳۳ پر تفویض استقلالی و آلی ہر دو کو باطل قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں

”پس فرق نمی کند چہ مستقلاً ائمہ را خالق و مدبر جہان بدانند و چہ باذن و مدد خدا آنان را خالق و مدبر بدانند در ہر دو صورت شرک است“

یعنی اس میں کوئی فرق نہیں کہ ائمہ علیہم السلام کو مستقل خالق اور منتظم عالم سمجھا جائے یا خدا کے اذن اور اس کی مدد سے ان کو خالق اور جہان کا انتظام کرنے والا قرار دیا جائے۔ بہر حال شرک ہے“ اولئک الذین ھداھم اللّٰہ فبھداھم اقتدہ۔

بطلانِ تفویض عقلِ سلیم کی روشنی میں

عقل و عقلاء کا اتفاق ہے کہ جو خود جسم ہو وہ جسم کا موجد و مبدع نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح وہ رزق کو بھی عدم سے وجود میں نہیں لا سکتا۔ اور چونکہ خدا کے علاوہ باقی سب اشیاء جسم رکھتی ہیں اس لئے خدا کے سوا اور کوئی شئی حقیقی معنوں کے اعتبار سے خالق و رازق نہیں ہو سکتی۔ اسی عقلی دلیل کی بنا پر حضرت امام العصرؑ نے خلق و رزق کو ذاتِ ایزدی میں منحصر قرار دیا ہے کہ وہ نہ جسم رکھتا ہے اور نہ کسی جسم میں حلول کرتا ہے: ”ان اللّٰہ خلق الاجسام وقسم الارزاق لانہ لیس بجسم ولا حال فی جسم لیس کمثلہ شئی“ (احتجاج ص۲۶۴) اس کلام کا مطلب نیز ترجمہ صاحبِ حقائق الوسائط نے ص۱۵۶ پر یہ کیا ہے۔

"یعنی خدا ہی وہ ہے کہ جس نے اجسام کو پیدا کیا ہے کیونکہ وہ جسم نہیں ہے یعنی عدم سے وجود میں لانے والا اجسام کا وہی ہو سکتا ہے کیونکہ وہ جسم نہیں ہے اور نہ جسم میں حلول کرنے والا ہے کیونکہ جو خود جسم ہوگا وہ جسم کو عدم سے وجود میں لانے والا نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح رزق کو عدم سے وجود میں لانا بھی اسی کا کام ہے۔" ظاہر ہے کہ سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام اجسامِ مبارکہ رکھتے ہیں لہٰذا اس عقل کلیہ کے مطابق خالق و رازق نہیں ہو سکتے لہٰذا چونکہ ان امور کا تعلق عہدۂ ربوبیت سے ہے اس لئے وہی یہ کام انجام دیتا ہے ھو الذی خلقکم ثم رزقکم ثم احیاکم ثم اماتکم ثم الیہ ترجعون (ج۔پ۔س ع) اللہ الذی خلقکم ثم رزقکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ھل من شرکائکم من یفعل من ذلکم من شئی؟ (پ ۲۱ ع ۶)

ائمہ امجادؑ کے مقام و کام کے متعلق صحیح شیعی اعتقاد

اگرچہ مذکورہ بالا تحقیقات و تنقیحات سے یہ امر بخوبی واضح و آشکار ہو جاتا ہے تاہم یہاں قدرے اس کی مزید وضاحت کی جاتی ہے۔ اگرچہ ہادیانِ دین یعنی جناب پیغمبرِ اسلامؐ و ائمہ طاہرینؑ صلوات اللہ علیہم اجمعین کے صحیح مقام و منزلت کی تعیین باوجود خدا کی صفاتِ مختصہ سے تنزیل کے بعد انسانی عقول و افہام کی دسترس سے بلند و بالا ہے لایقاس بآل محمد احد من الناس۔ نہج البلاغہ۔ تاہم عام انسانی وسعتِ عقل و استعداد کے مطابق ان راہنمایانِ دین نے اپنے مقام و کام کے متعلق جو کچھ فرمایا ہے انہی کے مستند و معتبر ارشادات و فرامین کی روشنی میں اس کا ایک جامع خلاصہ ذیل میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جاتی ہے۔

(۱) یہ بزرگوار سوائے نبوت اور اس کے خصائص کے دیگر تمام فضائل و کمالات میں خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحیح وارث و جانشین ہیں۔

(۲) واضح ہے کہ آنحضرتؐ تمام سابقہ انبیاء و مرسلینؑ کے تمام علمی و عملی کمالات کے مع شیٔ زائد حامل ہیں اور اس جامعیت کی وجہ سے ان سب سے افضل و اشرف ہیں۔ اور چونکہ یہ بزرگوار آنحضرتؐ کے کمالات و کرامات کے جامع ہیں۔ اس لئے سوائے سرکارِ ختمی مرتبتؐ کے دوسرے تمام انبیاءؑ سے ان کا مقام بلند ہے اور علم و فضل، زہد و تقویٰ، عفت و عصمت، جود و سخاوت، شجاعت و شہامت غرضکہ تمام امکانی صفاتِ جلیلہ میں سرآمد روزگار و افتخار ہر نبی و ہر وصی و ہر شہریار ہیں۔

(۳) چونکہ آنحضرتؐ کی نبوت و رسالت صرف بنی نوعِ انسان تک ہی مخصوص نہیں۔ بلکہ وہ پورے عالمین کے بشیر و نذیر اور ان کا وجودِ مسعود پورے عالمِ امکان کے لئے سراپا رحمت ہے اس لئے ان ذواتِ مقدسہ کی خلافت و امامت بھی کسی خاص قوم و قبیلہ یا کسی خاص زمان و مکان کی قید سے مقید نہیں ہے۔ بلکہ یہ تمام عالمین کے لئے ہادی و راہنما اور تمام کائنات علوی و سفلی پر حجتِ خدا ہیں۔

(۴) جس طرح آنحضرتؐ عصمتِ کبریٰ کے اجل و ارفع درجہ پر فائز ہیں۔ اسی طرح ان حضرات قدسی صفات کا دامن عصمت

"خدا وہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر اسی نے روزی دی پھر وہی تم کو مار ڈالے گا پھر وہی تم کو زندہ کرے گا بھلا تمہارے (بنائے ہوئے خداؤں) شریکوں میں سے کوئی بھی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کچھ بھی کر سکے" (ترجمہ فرمان)

بھی از مہد تا لحد ہر قسم کے گناہانِ صغیرہ و کبیرہ کی عمدی و سہوی آلودگیوں سے منزہ و مبرا ہے۔

(۵) چونکہ یہ بزرگوار پورے عالمِ امکان اور سارے جہان پر حجتِ خدائے رحمٰن ہیں۔ اس لئے وہ سب مخلوقات حتیٰ کہ چرند و پرند اور درند کی زبان بھی سمجھتے ہیں اور ہر زبان میں گفتگو کر سکتے ہیں۔

(۶) اگرچہ ہمارے پاس کوئی ایسا آلہ و پیمانہ نہیں ہے جس سے ان کے علوم لدنیہ کا حدود اربعہ معلوم کیا جا سکے لیکن اس قدر مسلّم ہے کہ حجتِ خدا کی پہچان یہی ہے کہ وہ کسی وقت، کسی جگہ، کسی سائل اور کسی موضوع کے متعلق سوال کے جواب میں یہ نہ کہے کہ مجھے اس کا جواب معلوم نہیں۔ "الحجۃ من لا یقول لا ادری" خلاصہ یہ کہ ان کا علم خدا کے مقابلہ میں جزئی اور ہمارے مقابلہ میں کلی ہے۔

(۷) جس طرح آنحضرتؐ کی ہر حالت، ہر جگہ، ہر زمانہ، ہر قوم اور ہر امر میں ہر شخص پر اطاعتِ مطلقہ واجب ہے۔ اسی طرح ہر حال، ہر جگہ، ہر زمان، ہر مکان اور ہر امر میں ہر شخص پر ان معصوم ہستیوں کی بھی اطاعتِ مطلقہ واجب ہے۔ ان کی اطاعت خدا کی اطاعت اور ان کی نافرمانی خدا کی نافرمانی ہے اور دنیوی و اخروی فوز و فلاح انہی کی اطاعت میں پوشیدہ ہے۔ فہم سفن النجاۃ و مصابیح الدجیٰ و اعلام التقیٰ والدعاۃ الی اللہ والادلاء الی مرضاۃ اللہ۔ وائمۃ الھدیٰ والسادۃ القادۃ صلوات اللہ علیہم اجمعین۔

(۸) جس طرح آنحضرتؐ کی ہر شخص پر محبت واجب و لازم ہے اور اس کے بغیر کوئی آدمی مسلمان نہیں کہلا سکتا ہے۔ اسی طرح ان ذواتِ عالیہ کی مودّت و محبت بھی اجرِ رسالت کے طور پر ہر مسلمان پر واجب و لازم ہے اس کے بغیر کم از کم کوئی شخص اہلِ ایمان نہیں کہلا سکتا۔ اور ان کا دوست خدا کا دوست اور ان کا دشمن خدا کا دشمن ہے۔

(۹) جس طرح آنحضرتؐ کی نبوت و رسالت کے بغیر کسی عامل کا کوئی عمل قبول نہیں ہو سکتا، اسی طرح ان مقربانِ بارگاہ کی امامت و ولایت کے اقرار کے بغیر بھی کسی عمل کرنے والے کا کوئی عمل بارگاہِ ربوبیت میں شرفِ قبولیت حاصل نہیں کر سکتا۔ اور ان میں سے کسی ایک کا انکار سب کے انکار کے مترادف ہے۔

(۱۰) یہ بزرگوار آنحضرتؐ کی طرح علتِ خلقِ ممکنات و باعثِ ایجادِ کائنات ہیں۔ خدائے قادر و قیوم نے آسمان کا شامیانہ انہی کی خاطر لگایا۔ اور زمین کا فرش انہی کے طفیل بچھایا ہے۔ الغرض خدا اگر ان کو پیدا نہ کرتا تو عالمِ امکان کے ایک ذرہ کو بھی خلعتِ وجود عنایت نہ کرتا۔ اس لئے یہ بزرگوار خدا تک رسائی اور اپنی مشکل کشائی کرانے کا بہترین وسیلہ و ذریعہ ہیں۔

(۱۱) اس عالم میں خدا کے دو نظام رائج ہیں۔ ایک کا نام ہے نظامِ شریعت۔ دوسرے کا نام ہے نظامِ تکوین۔ مسائل حلال و حرام، احکام جائز و ناجائز۔ اور دوسرے حقائق و معارفِ دین کا تعلق پہلے نظام سے ہے۔ اور پیدا کرنے، روزی دینے، بیماروں کو شفا دینے، مارنے اور جلانے کا تعلق دوسرے نظام سے ہے۔ جہاں تک نظامِ شریعت کا

تعلق ہے یہ ذوات قدسیہ اس کے سربراہ ہیں۔ اور شرعی نقطۂ نظر سے یہی ہمارے حاکم اعلیٰ اور بادشاہ ہیں اگر دنیوی حکام جور کے پنجۂ ظلم و استبداد سے آزاد ہوں۔ اور مبسوط الید ہوں۔ تو دینی معارف و حقائق اور مذہبی مسائل و احکام کا بیان ان کی نشر و اشاعت الغرض ہر کمی و زیادتی سے شریعت کی حفاظت و حراست کرنا۔ اور دنیوی امور میں جو فرائض ایک عادل بادشاہ کے ہوتے ہیں۔ جیسے مبنی بر انصاف عادلانہ حکومت کا قیام، اسلامی سرحدوں کی حفاظت، شرعی حدود و تعزیرات کا اجراء و انفاذ۔ غرباء و یتامیٰ اور دیگر ہر قسم کے مستحقین کی دیکھ بھال کرنا اور ان تک ان کے حقوق کا پہنچانا ظالم و جابر کو ظلم و جور سے باز رکھتے ہوئے مظلوم کی داد رسی کرنا وغیرہا ان کے حقیقی فرائض و وظائف ہیں۔ اور جہاں تک دوسرے نظام یعنی نظام تکوین (پیدا کرنے، رزق دینے، شفا دینے اور مارنے و جلانے وغیرہ) کا تعلق ہے۔ اس کا چلانا ان کے متعلق نہیں ہے۔ خدا نے ان کاموں کی انجام دہی ان کے سپرد نہیں فرمائی۔ نہ بصورت تفویض نہ بشکل توکیل نہ بلحاظ آلات و اسباب اور نہ باعتبار فرشتوں پر ناظر و نگران ہونے کے۔ بلکہ یہ سب کام خود خدائے رحمٰن و علام بذریعہ ملائکہ کرام انجام دیتا ہے۔ کل یوم ہو فی شان۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام اس نظام سے بھی بالکل الگ تھلگ اور غیر متعلق نہیں ہیں بلکہ اس نظام میں ان کا منصب و مقام ہماری شفاعت و سفارش کرنا ہے۔ وہ بارگاہ قدرت میں ہماری شفاعت کرتے ہیں تو خدا بے اولادوں کی گودیں نعمت اولاد سے بھر دیتا ہے۔ وہ سفارش کرتے ہیں تو خدا بے مال و زر کو دولت مال و منال سے مالا مال کر دیتا ہے ایسے مقرب بارگاہ ہیں کہ خدا ان کی شفاعت و سفارش کو مسترد نہیں فرماتا۔ الا لمن ارتضیٰ وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ۔ اس دعویٰ امر کی علاوہ سابقہ و لاحقہ دلائل و براہین کے بھی اخبار و آثار سے تائید مزید ہوتی ہے۔ وہ درج ذیل ہے (یہاں امام زمانہ والی توقیع مبارک " ان اللہ خلق الاجسام وقسم الارزاق الخ" جو اسی باب میں قبل ازیں دو مرتبہ پیش کی جا چکی ہے خصوصاً ملحوظ رہے جس میں آپ فرماتے ہیں کہ سفارش ہم کرتے ہیں۔ پیدا خدا کرتا ہے اور سفارش ہم کرتے ہیں رزق خدا دیتا ہے۔ الخ")

(۱) جناب سدیر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ ایک گروہ یہ گمان کرتا ہے کہ آپ خدا ہیں۔ امام علیہ السلام نے یہ سن کر ایسے لوگوں سے برأت و بیزاری ظاہر فرماتے ہوئے فرمایا۔ "یا سدیر سمعی و بصری و شعری و بشری ولحمی ودمی من ھؤلاء براء وبرئ اللہ عنھم و رسولہ" اے سدیر میرے کان، آنکھ، بال، جلد، گوشت و پوست اور میرا خون ان لوگوں سے بیزار ہے۔ خدا و رسول ان سے بیزار ہیں۔" سدیر کہتے ہیں میں نے عرض کیا۔ "فما انتم جعلت فداک؟ میں آپ پر قربان ہوں پھر آخر آپ کیا ہیں؟ قال نحن خزان علم اللہ وتراجمۃ وحی اللہ ونحن قوم معصومون امر اللہ بطاعتنا ونھی عن معصیتنا نحن الحجۃ البالغۃ علی من دون السماء وفوق الارض۔" فرمایا ہم علم خدا کے خزانہ بردار، اس کی وحی کے تر

کے ترجمان۔ ہم وہ معصوم ہیں جن کی اطاعت کا خدا نے حکم دیا ہے اور نافرمانی کی ممانعت کی ہے۔ اور ہم آسمان و زمین والی مخلوق پر حجت خدا ہیں۔" (رجال کشی ص۱۹۵ کذا فی البحار ج ۷ ص۳۴۹)

(۲) حضرت امیر المومنینؑ وظائف و فرائض امام کے سلسلہ میں فرماتے ہیں "انه لیس علی الامام الا ما حمل من امر ربه الا البلاغ فی الموعظة والاجتهاد فی النصیحة والاحیاء للسنة واقامة الحدود علی مستحقیها واصدار السهمان علی اهلها" (نہج البلاغہ جلد اول ص۲۰۹ ترجمہ مفتی صاحب) امام کا فرض تو بس یہ ہے کہ جو کام اسے اپنے پروردگار کی طرف سے سپرد ہوا ہے اسے انجام دے، اور وہ یہ ہے کہ پند و نصیحت کی باتیں ان تک پہنچائے۔ سمجھانے بجھانے میں پوری پوری کوشش کرے۔ سنت کو زندہ رکھے اور جن پر حد لگتا ہے ان پر حد جاری کرے اور مستحقین تک ان کا حصہ پہنچائے۔"

(۳) اس سلسلہ میں سرکار ملا محسن فیض کاشانی علم الیقین ص۲۰۹ پر تحریر فرماتے ہیں۔ "والوصی هو الحجة بعد ذلك النبی والامام الناطق بتاویل الکتاب الصامت یحفظ الشریعة ویقیم الحدود ویسد الثغور ویقصر ید الظالمین عن المظلوم" یعنی نبی کے بعد حجت خدا امام ہوتا ہے جس کا کام یہ ہوتا ہے کہ کتاب اللہ کی صحیح تاویل کرے۔ شریعتِ مقدسہ کی حفاظت کرے، حدود و تعزیرات شرعیہ جاری فرمائے۔ اسلامی سرحدوں کی حفاظت کرے۔ اور ظالم کو ظلم سے باز رکھے۔"

(۴) بعض کتابوں میں وارد ہے "فالولایة هی حفظ الثغور وتدبیر الامور وتعدید الایام والشهور" (مجمع ص[illegible]) یعنی ولایت کیا ہے؟ سرحدوں کی حفاظت کرنا۔ رعایا کے امور کی دیکھ بھال کرنا اور ماہ و ایام کا شمار و حساب کرنا

SHIAIN.COM

(۵) صاحب رسالہ صراط النجات ص۹۰ طبع ایران پر امامت کی امور دین و دنیا میں ریاست عامہ کے ساتھ تعریف کرنے کے بعد امور دینیہ اور امور دنیویہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں

> "ومعنائے ریاست در امور دینیہ این است کہ احکام الٰہیہ را از تغییر و تبدیل حفظ نماید و باجراء و انفاذ آں پردازد و ریاست در امور دنیویہ عبارت است از حفظ ثغور و تامین طرق و نگاہداری اطراف و اخذ حقوق مظلومین از ظالمین وفصل القضاء بین المتخاصمین و رفع الخلاف بین المتنازعین و اجراء حدود شرعیہ و فراہم آوردن آنچہ امور نوع مسلمین بآں موقوف است"

یعنی امور دینیہ میں ریاست عامہ سے یہ مراد ہے کہ احکام الٰہیہ کی تغییر و تبدیل سے حفاظت کرے اور ان کو جاری و ساری فرمائے اور دنیوی امور میں ریاست عامہ سے مراد ہے اسلامی سرحدوں اور دیگر تمام شہروں کی حفاظت و حراست کرنا۔ شریر لوگوں پر کڑی نگاہ رکھنا۔ نیز ظالموں سے مظلوموں کے حقوق واپس دلوا کر ان کی دادرسی کرنا۔ جھگڑا کرنے والوں کے درمیان صحیح فیصلہ کرنا۔ باہمی تنازعات کو رفع کرنا۔ حدود شرعیہ کا جاری کرنا اور ان تمام امور کا بجا لانا جن سے مسلمانوں کی فلاح و بہبود وابستہ ہے۔ ان حقائق سے واضح ہوگیا کہ تعریف امامت میں وارد شدہ لفظ ریاست عامہ دینی و دنیوی سے ان حضرات کے خالق و رازق ہونے پر استدلال کرنا بالکل غلط ہے۔

ہمیں اس حقیقت سے انکار نہیں کہ ایمان کے مختلف مدارج و مراتب ہیں جیسا کہ ہم دیباچہ میں بیان کر چکے ہیں اور یہ کہ ایمان گھٹتا بڑھتا بھی رہتا ہے لیکن اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کسی طرح بھی درست نہیں ہے کہ مقام و کلام ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے یہ صرف بعض علمائے اسلام کے اپنے دماغ کی اختراع ہے اور وہ اپنے درجۂ ایمان کو دوسروں پر مسلط کرنا چاہتے ہیں جیسا کہ بعض رسالوں میں یہ اتہام عائد کیا گیا ہے حاشا وکلا۔

ہمارے سابقہ بیانات واستدلالات پر اجمالی نظر ڈالنے سے اس افترا پردازی کا بالکل پردہ چاک ہو جاتا ہے۔ اور یہ حقیقت آنکھوں کے سامنے مجسم ہو کر جلوہ گر ہو جاتی ہے کہ اس سلسلہ میں جو کچھ پیش کیا گیا ہے اور ان بزرگوار کے جو جو حدود و مراتب اور فرائض و مناصب بیان کئے گئے ہیں یہ خود خدائے حکیم، جناب رسول کریم اور ائمہ طاہرین کے بیان و مقرر کردہ ہیں۔ اور انہی کی تعلیمات کی روشنی ہمارے تمام علمائے اعلام متقدمین ہوں یا متاخرین سب نے انہی عقائد حقہ ایمانیہ کو ایمان کا معیار و میزان قرار دیا ہے (ومن یتعد حدود اللہ فاولئک ہم الظالمون)

افراط و تفریط کے مابین درمیانی عقیدہ

ارباب عقل و معرفت کے لئے یہ بات محتاج دلیل نہیں کہ ہر ا میں افراط و تفریط مذموم اور اقتصاد و درمیانہ روی ممدوح ہے ہر مومن متدین پر لازم ہے کہ آیات قرآن اور اخبار اہل بیت علیہم السلام کے سمندر بے پایاں میں شناوری کرکے معل کرے کہ ہر ہر موضوع و مسئلہ میں افراط و تفریط کے مابین درمیانی صحیح عقیدہ کیا ہے؟ ہم نے اپنی سب کتابوں میں مقدو یہی کوشش کی ہے کہ قرآن اور سرکار محمد و آل محمد کے بیان کردہ حقائق و معارف کے بحر بے کراں میں شناوری کرکے ہر موضوع کے متعلق افراط و تفریط سے دامن بچا کر جو صحیح درمیانی عقیدہ ہے اسے معلوم کیا ہے۔ اور پھر بلا کم و کاست ا عمومی کی غرض سے اسے ابنائے قوم و ملت کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ اور اس سلسلہ میں دن کے سکون و رات کے آ حتی کہ اپنی صحت تک کا خیال نہیں کیا۔ با ایں ہمہ ع

نہیں ہے داد کا طالب یہ بندۂ آزاد

ان اجری الا علی اللہ، قال اللہ، لا یضیع اجر المحسنین۔ جعلنا اللہ منہم بحق النبی وآلہ الطاہرین

یہ اس ربِ رحیم و کریم کا محض تفضّل و تلطّف ہے جس نے سرکار محمد و آلِ محمد علیہم السلام کے صدقہ میں اپنے دینِ مبین کی درس و تدریس اور تقریر و تحریر کے ذریعہ کچھ خدمت کرنے کی توفیق و سعادت بخشی ہے ؎

منّت منہ کہ خدمتِ سلطاں ہمی کنی   منّت ازو شناس کہ بخدمت گذاشتت

والحمد للہ علیٰ احسانہ العمیم۔

اصولِ کافی (ص۲۴۰ طبع قدیم) اور ریاض الجنان میں (علی ما نقل عنہ) معمولی اختلافِ الفاظ کے ساتھ بروایت محمد بن سنان حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے یہ حدیث مروی ہے۔ محمد بن سنانؒ بیان کرتے ہیں کہ کنت عند ابی جعفر علیہ السلام فذکرت اختلاف الشیعۃ فقال ان اللہ لم یزل فرداً متفرداً فی الوحدانیۃ ثم خلق محمداً و علیاً و فاطمۃ علیہم السلام فمکثوا الف دھر ثم خلق جمیع الاشیاء فاشھدھم خلقھا و اجریٰ طاعتھم علیھا و جعل فیھم ما شاء و فوّض امر الاشیاء الیھم فی الامر والتصرف والارشاد والامر والنھی فی الخلق لانھم الولاۃ فلھم الامر والولایۃ فی الھدایۃ فھم ابوابہ و نوابہ و حجابہ یحلّلون ما شاء و یحرّمون ما شاء ولا یفعلون الا ما شاء عباد مکرمون لا یسبقونہ بالقول وھم بامرہ یعملون فھذہ الدیانۃ التی من تقدمھا غرق فی بحر الافراط ومن نقصھم عن ھذہ المراتب التی رتبھم اللہ فیھا زھق فی بر التفریط ولم یوفّ آل محمد حقھم فیما یجب علی المؤمن من معرفتھم ثم قال خذھا یا محمد! فانھا من مخزون العلم ومکنونہ

"یعنی میں جناب امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا۔ میں نے آپ سے (معرفتِ ائمہؑ کے متعلق) شیعوں کے اختلاف کا تذکرہ کیا (یہ سن کر امامؑ نے) فرمایا۔ خداوند عالم ذات و صفات میں ہر طرح واحد و یگانہ تھا (اور کوئی چیز موجود نہ تھی) پھر اس نے (اپنی قدرتِ کاملہ و حکمتِ بالغہ سے) جناب محمد مصطفیٰؐ، علی مرتضیٰؑ اور فاطمہ زہراؑ علیہم السلام کو پیدا کیا۔ یہ بزرگوار پورا ایک ہزار دہر[1] (ریاضِ قدس میں) قیام پذیر رہے پھر خدا نے (آفرینشِ عالم کی ابتداء کی اور) دوسری اشیاء کو پیدا کیا۔ اور ان کی پیدائش پر ان کو گواہ بنایا۔ اور ان (اشیاءِ علوی و سفلی) پر ان حضرات کی اطاعت لازم قرار دی اور ان (بزرگواروں) میں جو چاہا۔ (فضل و کمال) ودیعت فرمایا۔ اور حکم، تصرف، ارشاد اور امر و نہی، (غرضیکہ تمام دینی) امور ان کے سپرد فرمائے۔ کیونکہ یہی حضرات والیانِ امر ہیں یعنی (رشد و ہدایتِ خلق) کے متعلق انہی کو حکومت و ولایت حاصل ہے۔ اور یہی (ذواتِ مقدسہ خدا تک رسائی) حاصل کرنے کے دروازے

---

[1] دہر۔ زمانِ طویل کو کہا جاتا ہے اور ایک ہزار سال پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے (سفینۃ البحار ص۴۶۳) مرآۃ الانوار ص۱۴۱۔ (منہ عفی عنہ)

(بندوں تک احکام شرعیہ پہنچاتے ہیں) اس کے نائب اور (اس کی بارگاہ کے) حاجب و دربان ہیں (خالق و مخلوق کے درمیان وسیلہ ہیں)، یہ خدا کی مشیت و مرضی کے مطابق اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام کرتے ہیں۔ اور یہ از خو کوئی بھی کام نہیں کرتے۔ مگر وہی جو خدا چاہتا ہے۔ یہ خدا کے وہ مکرم و محترم بندے ہیں جو کسی قول (یا فعل) میں اس سے سبقت نہیں لے جاتے بلکہ اسی کے حکم کے مطابق عمل درآمد کرتے ہیں۔ (سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کی معرفت کے بارے میں) یہ ہے وہ صحیح دین و دیانت کہ جو اس سے آگے بڑھے گا (یعنی غلو و تفویض کا قائل ہوگا) وہ افراط کے سمندر میں غرق ہو جائے گا۔ اور جو ان کو خدا کے ان عطا کردہ مراتب سے گھٹائے گا وہ دشتِ تفریط میں ہلاک ہو جائے گا۔ اور ان کے اس حق کو ادا نہیں کرے گا۔ جو ان کی معرفت کے متعلق مومن پر واجب و لازم ہے پھر فرمایا اے محمدؐ! اس دیانت کو لو اور اسے محفوظ رکھو) کیونکہ یہ (آل محمدؐ) کے علم مخزون و مکنون (پوشیدہ) میں سے ہے۔ (ہفتم بحار ص۳۶۳ و مرآۃ الانوار ص۶۶ وغیرہ)

محدثِ جلیل ابوالحسن الشریف اس روایت الشریفہ کو انہی الفاظ کے ساتھ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "اقول هذا الخبر من امهات جوامع احوال الائمة علیهم السلام بل هو معیار تمیز الحق من الافراط والتفریط وقد ذکرناه علی لفظ ریاض الجنان لکونه ادلّ علی المطلوب" یعنی میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث ائمہ اہل بیتؑ کے جامع حالات معلوم کرنے کی اہم اور بنیادی احادیث میں سے ہے بلکہ افراط و تفریط میں سے اصل صحیح و حق عقید معلوم کرنے کا معیار و میزان ہے۔ ہم نے اسے ریاض الجنان کے الفاظ کے مطابق نقل کیا ہے کیونکہ اس کی دلالت م پر زیادہ واضح ہے۔ (مرآۃ الانوار ص۶۶) بالکل اسی نیک مقصد کے پیش نظر ہم نے بھی من وعن اسے یہاں پیش کرد ہے لیهلک من هلک عن بینة ویحییٰ من حیّ عن بینة۔

وضاحت

اگرچہ خود اس حدیث شریف کے اندر اس امر کی وضاحت موجود ہے کہ اس میں وارد شدہ لفظ تفوی سے ارشاد اور امر و نہی وغیرہ دینی امور میں تصرف و تفویض مراد ہے۔ کما لا یخفیٰ۔ تاہم ممکن ہے ک کوتاہ اندیش سیاق و سباق سے آنکھیں بند کرکے صرف جملہ "فوّض امر الاشیاء الیهم" پر جمود کرکے اس سے تکوینی ا میں تفویض باطل مراد لینے کی سعی نافرجام کرے۔ اس لئے ذیل میں دو علماء اعلام کا تائیدی کلام حقیقت ترجمان پیش کیا جاتا ہے:۔

(۱) سرکار علامہ مجلسیؒ اسی فقرہ کی شرح میں فرماتے ہیں: "من التحلیل والتحریم والعطاء والمنع الخ یعنی اس سے تحلیل و تحریم اور عطا و منع میں تفویض مراد ہے۔" (بحار، ص۳۶۳) اور یہ قسم درست ہے۔ دوسرے اقسام ک پوری پوری وضاحت قبل ازیں کی جا چکی ہے۔

(۲) محدث خبیر ابوالحسن الشریف اسی فقرہ کے ذیل میں لکھتے ہیں: "ای فیما ذکره علیه السلام دون الخ

والرتق نحوها کما سنذکره مفصلاً " (یعنی دینی و دنیوی امور میں تفویض مراد ہے جن کا امام نے (حدیث کے اندر) ذکر فرمایا ہے نہ کہ خلق و رزق وغیرہ امور تکوینیہ) میں جیسا کہ ہم عنقریب تفصیلاً بیان کریں گے۔ (مرآۃ الانوار ص۶۰)

ان فی ذلک لبلاغاً لقوم یعقلون۔

بعض شکوک و اوہام کا ازالہ

اس موضوع پر اب تک جو کچھ پیش کیا جا چکا ہے اگرچہ قلب سلیم و طبع مستقیم رکھنے والے شخص کے لئے اطمینانِ قلب کی دولت حاصل کرنے کے لئے کافی ہے مگر معوج المزاج اور منفی انداز فکر رکھنے والے حضرات کی مزید تسلی اور اتمام حجت کے لئے یہاں ان شکوک و اوہام کا ازالہ کر دینا انسب معلوم ہوتا ہے جن کو بموجب والذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ما تشابہ منہ ابتغاء الفتنۃ وابتغاء تاویلہ بالعموم بڑے شد و مد کے ساتھ پیش کر کے سادہ لوح عوام اہل ایمان کو جادۂ اعتدال سے ہٹانے اور صراط مستقیم سے بھٹکانے کی سعی نا فرجام کرتے رہتے ہیں۔ شاید اس طرح خدائے کریم انہیں جادۂ حق اور صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ وھو علی کل شیء قدیر۔ مگر رشد و ہدایت کی لازوال دولت سے اپنا دامن مراد وہی لوگ پُر کرتے ہیں جو حق و حقیقت کو ڈھونڈنے کی کوشش کرتے ہیں۔ خدائے قدوس کا وعدہ ہے والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا وان اللہ مع المحسنین۔

مخفی نہ رہے کہ ہم نے "احسن الفوائد فی شرح العقائد" میں غلو نواز حضرات کے پورے بارہ (۱۲) عدد شبہات کے مکمل تحقیقی جوابات پیش کر دیئے ہیں۔ جو کہ اکثر و بیشتر ان ضعیف بلکہ وضعی احادیث پر مبنی ہیں۔ جو ائمہ اہل بیت کی طرف غلط طور پر منسوب ہیں۔ اور ہم نے دلائل و براہین کے تیز حربوں سے ان کا کچھ اس طرح قلع قمع کیا ہے کہ پھر کسی کو ان کی حمایت پر قلم اٹھانے کی ہمت و جرأت نہیں ہو سکی۔ ع

وکم قد رأینا من فروع کثیرۃ　　تموت اذا لم تحیھن اصول

اب ہم ذیل میں ان شکوک و اوہام کا ازالہ کرتے ہیں جو بعد میں بعض کتب و رسائل میں پیش کئے گئے یا کئے جا سکتے ہیں۔ واللہ ولی التوفیق۔

پہلا شبہ اور اس کا جواب

خداوند عالم جو کام کرتا ہے۔ وہ فرشتوں کے ذریعہ کرتا ہے۔ تو نظام کائنات کے کارندے ملائکہ ہیں۔ ملائکہ پر حاکم اعلیٰ دیگر ان حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام ہیں۔ یہ ملائکہ پر ڈیوٹیاں تقسیم کرتے ہیں۔ فرشتے ان کے حکم کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتے۔ اور خدا ان پر حاکم اعلیٰ ہے۔ گویا کہ خدا اس کائنات کا بادشاہ ہے۔ محمد و آل محمد علیہم السلام اس کے وزیر اور فرشتے کارندے ہیں۔ اس لئے ان افعال کی نسبت جس طرح خدا کی طرف دینا صحیح ہے اسی طرح ان حضرات کی طرف دینا بھی درست ہے۔"

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ یہ درست ہے کہ سرکار محمد و آل محمد علیہ و علیہم السلام نہ صرف ملائکہ بلکہ تمام کائنات سے

افضل ہیں اور مع فرشتوں کے سارے عالم امکان کے مخدوم ہیں۔ مگر ارباب دانش و بینش جانتے ہیں کہ یہ افضلیت و اشرافیت فضائل و کمالات علمیہ و عملیہ کی بنا پر ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس لئے فرشتوں سے افضل اور ان کے مخدوم ہیں کہ نظام عالم میں ان کی ڈیوٹیاں تقسیم کرتے ہیں۔ یہ مطلب نہ قرآن سے ثابت ہے نہ حدیث سے اور نہ علماء اعلام میں سے کسی نے ایسا لکھا ہے۔ یہ بادشاہ و وزراء والی جو مثال دی گئی ہے یہ صرف ان لوگوں کی ذہنی اختراع ہے اسے حقیقت سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ قرآن و حدیث کی تصریحات کے سراسر خلاف ہے ہم ذیل میں اسکے بطلان کی چند وجوہ پیش کرتے ہیں۔

وجہ اول۔ ارشاد قدرت ہے **فلا تضربوا للہ الامثال**۔ خدا کے لئے مثالیں نہ دیا کرو کیونکہ اس کی شان تمہاری مثالوں سے کہیں اجل و ارفع ہے ؏

خاک بر من۔ تمثیل من

اسی طرح امام رضاؑ سے مروی ہے من شبہ الخالق بالمخلوق فھو مشرک جو خالق کو مخلوق سے تشبیہ دے وہ مشرک ہے (منہاج البراعۃ ج ۱۲ ص ۱۹۲ بحوالہ کتاب التوحید)

وجہ دوم۔ اس کا ارشاد ہے یدبر الامر من السماء الی الارض (پ ۲۱ س السجدہ ع ۱) وہ (خدا) آسمان سے لے کر زمین تک (تمام امور کی) تدبیر کرتا ہے۔ جب وہ خود تدبیر کرتا ہے اور فرشتوں کی حیثیت صرف آلات و اسباب کی سی ہے جیسا کہ قبل ازیں اس پر تبصرہ کیا جا چکا ہے تو پھر اسے وزراء کی کیا ضرورت ہے؟

وجہ سوم۔ وزیر "وزر" سے مشتق ہے۔ وزر کے معنی ہیں "بوجھ"، تو وزیر اسے کہا جاتا ہے جو کسی کا بوجھ ہلکا کرے۔ ظاہر ہے کہ وزیر کی ضرورت اسے ہوتی ہے جو کاروبار کی کثرت کی وجہ سے خود سارے کام انجام نہ دے سکے لیکن جو خدا علیٰ کل شیء قدیر ہونے کا مصداق ہو جس کا ارشاد ہو **ولا یئودہ حفظھما** اسے زمین و آسمان کی حفاظت تھکاتی نہیں ہے۔ اسے وزیر بنانے کی ضرورت کیا ہے؟ اور جب ضرورت نہیں تو اگر بلا ضرورت مقرر کرے۔ تو کیا یہ عبث کام نہ ہوگا؟ تعالیٰ عما یقول الظالمون علواً کبیراً۔ نیز وزیر کی ضرورت اسے دامنگیر ہوتی ہے جو ہر جگہ حاضر نہ ہو سکنے کی وجہ سے نظم و نسق خود نہ سنبھال سکے۔ لیکن جو خدا بکل شیء محیط ہو اور علمی طور پر ہر جگہ حاضر و ناظر ہو۔ اسے وزیر کی کیا احتیاج ہے؟

وجہ چہارم۔ ائمہ اطہارؑ کے ادعیہ مبارکہ میں خدا کے وزیر کی نفی کی گئی ہے مثلاً دعائے لیستشیر میں وارد ہے "المدبر بلا وزیر ولا خلق من عبادہ یستشیر الخ" خدا وہ ہے جو بلا وزیر معاملات کی تدبیر کرتا ہے اور اپنے بندوں میں سے کسی بندہ سے کوئی مشورہ نہیں لیتا ہے (مفاتیح الجنان ص ۸۳ کذا فی مہج الدعوات زاد المعاد وغیرہ) اسی طرح دعائے مبارکہ مشلول میں وارد ہے ولا کان معہ وزیر ولا اتخذ معہ مشیراً ولا احتاج

الیٰ ظهیر الخ " نہ خدا کا کوئی وزیر ہے اور نہ اس نے کوئی مشیر مقرر کیا ہے اور نہ ہی وہ کسی مددگار کا محتاج ہے "۔ (مفاتیح ص۶۹ زاد المعاد، صحیفہ علویہ، مصباح وغیرہ) دعائے جوشن کبیر فصل ۵۹ میں وارد ہے یامن لاشریک له ولاوزیر یامن لاشبیه له ولانظیر الخ۔ اے وہ ذات جس کا نہ کوئی شریک ہے اور نہ وزیر نہ کوئی ہمسر ہے نہ نظیر (مفاتیح ص۹۹)

وجہ پنجم۔ متعدد احادیث معصومینؑ میں وارد ہے کہ خدا کا کوئی وزیر و مشیر اور معین و مددگار نہیں ہے (۱) جناب امیر المومنینؑ فرماتے ہیں خلق الخلق علی غیر تمثیل ولا مشورة مشیر ولا معونة معین خدا نے ساری مخلوق کو پیدا کیا بلا کسی (سابقہ) مثال کے اور بغیر کسی مشیر کے مشورہ کے اور مددگار کی مدد کے" (نہج البلاغہ ج ۲ ص۲۶ طبع مصر) ایک اور خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔ ولم یستعن علی خلقها باحد من خلقه خدا نے خلقت کائنات میں اپنی کسی مخلوق سے مدد حاصل نہیں کی۔ (نہج البلاغہ ج ۲ ص۱۳۶) ایک اور خطبہ عالیہ میں فرماتے ہیں ولا اعتورته فی تنفیذ الامور و تدابیر المخلوقین ملالة ولا فترة۔ (اُسے وزیر و مشیر کی کیا ضرورت ہے جبکہ اُسے اپنے احکام کے نافذ کرنے اور مخلوق کی تدبیر کرنے میں کوئی ملال اور تھکاوٹ محسوس نہیں ہوتی ہے۔ احتجاج طبرسی (ص۲۲۲) پر امام رضاؑ سے مروی ہے فرمایا "یدبر اعلی الخلق من حیث یدبر اسفله و یدبر اوله من غیر عناء ولا کلفة ولا مئونة ولا مشاورة ولا نصب الخ خدا وہ ہے جو بغیر کلفت و زحمت کے اور بغیر مشورہ و تھکاوٹ کے سب اعلیٰ و اسفل اور اول و آخر کی تدبیر کرتا ہے۔

وجہ ششم۔ جہاں تک فرشتوں کی حرکت و سکون کا تعلق ہے، قرآن و حدیث سے ثابت ہے کہ وہ اپنے پروردگار کے حکم کے تابع ہیں۔ ان کا قول قرآن مجید میں نقل کیا گیا ہے۔ کہ وما نتنزل الا بامر ربك! اے رسول! ہم نہیں اُترتے مگر تیرے پروردگار کے حکم سے "۔ اسی طرح سورۃ القدر میں وارد ہے "تنزل الملائكة والروح فیها باذن ربهم" لیلۃ القدر میں (عام) فرشتے اور روح اپنے پروردگار کے حکم سے (امام العصرؑ پر) نازل ہوتے ہیں"۔

(۲) خدا نے ان کی یہ صفت بیان کی ہے کہ لا یسبقونه بالقول وهم بامره یعملون وہ کسی قول و فعل میں اپنے خدا سے سبقت نہیں کرتے بلکہ وہ اسی کے حکم کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ ہم نے تفصیل کے ساتھ اسی موضوع پر احسن الفوائد میں تبصرہ کر دیا ہے جن بعض روایات غیر معتبرہ (حدیث بساط وغیرہ) میں وارد ہے کہ کوئی فرشتہ بغیر اذن اہلبیتؑ اپنی جگہ سے حرکت نہیں کر سکتا۔ یہ روایت بوجہ مخالفت قرآن و بوجہ معارضہ با دیگر اخبار معتبرہ ناقابل استدلال و تمسک ہے۔ تفصیل کے شائقین احسن الفوائد کی طرف رجوع کریں۔

وجہ ہفتم یہ جو کہا گیا ہے کہ ائمہ اہل بیتؑ فرشتوں کی ڈیوٹیاں تقسیم کرتے ہیں یہ بات حقائق کے سراسر

خلاف ہے۔ ایسی کوئی تصریح قرآن وحدیث میں موجود نہیں ہے بلکہ اس کی نفی پر دلائل کثیرہ موجود ہیں۔ ہم عنقریب تیسرے شبہ کے جواب میں اس امر پر مزید تبصرہ کریں گے۔ انشاءاللہ۔ پس معلوم ہوا کہ یہ محض عقل خام کی پیداوار ہے۔ قرآن اور اہل بیتؑ کے فرامین کے بجائے تائید کے اُلٹا اس کی پرزور تردید ہوتی ہے فلا تغفل۔

دوسرا شبہ اور اس کا جواب

(۱) قولہ تعالیٰ۔ انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین آمنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ وھم راکعون ولی صرف اللہ اور اس کا رسولؐ اور اہل بیتؑ ہیں۔ یہ بصورت اخبار انشائیہ ہے۔ ہمیں حکم ہے کہ یہ اعتقاد رکھیں کہ بالذات ہمارا ولی اللہ ہے اور رسولؐ اور اہل بیتؑ ولی اللہ ہمارے حاکم اور متصرف ہیں۔ اور کوئی اولیاء اللہ کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے صحاح جوھری کل من ولی امر واحد فھو ولیہ۔ جو کسی دوسرے کے کام کا پورا اختیار رکھتا ہو وہ اس کا ولی کہلاتا ہے لہٰذا خدا نے رسولؐ اور ائمہ علیہم السلام کو ولی کہا ہے۔ اور یہ ولی اللہ ہیں۔

ہم یہ سمجھنے سے معذور ہیں کہ اس قسم کی آیات کو ان حضرات کے دعویٰ کے ساتھ کیا ربط ہے۔ ان کا دعویٰ تو یہ ہے کہ ائمہ اطہارؑ باذن اللہ ہمارے خالق و رازق اور محی و ممیت ہیں۔ یا فرشتوں کے اُوپر نگران اعلیٰ ہیں یا خلق و رزق کے آلات و اسبابِ خداوندی ہیں۔ (علی اختلاف الآراء) مگر یہ آیت مبارکہ پیش کر کے ثابت یہ کیا جا رہا ہے کہ خدا کے بعد ہمارے حاکم جناب رسولِ خدا اور ائمہ ہدیٰؑ ہیں۔ بھلا کون شیعہ اس کا منکر ہے؟ لیکن قابلِ غور و تدبر بات یہ ہے کہ جو شخص حاکم و بادشاہ ہو وہ خالق و رازق و محی و ممیت بھی ہوتا ہے؟ کیا عربی کی کسی کتابِ لغت میں "ولی" کے معنی خالق و رازق یا محی و ممیت اور شافی بھی لکھے ہیں؟ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین! بات صرف اس قدر ہے کہ لفظ "ولی" "مولیٰ" لغتِ عرب میں جو "بیس" معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ (تفصیل کے لئے کتاب الغدیر جلد اوّل ملاحظہ ہو) ان سب سے زیادہ نمایاں دو معنے ہیں۔ (۱) اولیٰ بالتصرف یعنی حاکم (۲) دوست۔ چنانچہ اس آیت کے بارہ میں قدیم الایام سے شیعہ سنی میں یہی متنازعہ فیہ مسئلہ چلا آ رہا ہے کہ آیا یہاں ولی بمعنی حاکم ہے یا بمعنی دوست۔ شیعہ اسے بمعنی اولیٰ بالتصرف مراد لیتے ہیں۔ اور سنی بمعنی دوست۔ اور یہی نزاع حدیث غدیر میں وارد شدہ لفظ مولیٰ میں بھی ہے (من کنت مولاہ فعلیؑ مولاہ) شیعہ بحیثیت آیت مبارکہ النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم وغیرہ قرائن و شواہد داخلیہ و خارجیہ کی بناء پر ثابت کرتے ہیں کہ یہ آیت جناب رسول خداؐ کی نبوتؐ اور ائمہ اہل بیت رسولؐ کی امامتِ بلافصل پر دلالت کرتی ہے۔ یہ بزرگوار ہمارے دینی و دنیوی حاکم و بادشاہ ہیں۔ اور ہمارے مال و جان پر ہم سے زیادہ حقِ حکومت و تصرف رکھتے ہیں (ہم نے بھی اپنی کتاب "اثبات الامامت" میں اس موضوع پر سیر حاصل تبصرہ کر کے یہ حقائق ثابت کئے ہیں) لیکن اس امر کو ان بزرگواروں کے خالق و رازق وغیرہ ہونے کے ساتھ کیا تعلق ہے؟

خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا کہئے۔

انتباہ اگر خدا کو خالق و رازق، اور محی و ممیت سمجھا جاتا ہے تو دوسری آیات و روایات کی بنا پر جن میں بالصراحت اس کو ان صفات جلیلہ کا حامل قرار دیا گیا ہے نہ کہ اس آیت کی بنا پر۔ تا کہ کوئی کوتاہ اندیش یہ خیال کرے کہ اگر مولیٰ کے معنی خالق و رازق نہیں تو پھر خدا بھی خالق و رازق نہیں رہے گا (معاذاللہ)۔ علیٰ ہذا ولی جو متصرف فی الامور ہے تو اس سے وہی تصرفات مراد ہیں جو ایک دینی حاکم و بادشاہ کر سکتا ہے، جن کی تفصیل ابھی اوپر بذیل عنوان "ائمہ امجاد کے متعلق صحیح شیعی اعتقاد" اقوال معصومینؑ کی روشنی میں بیان ہو چکی ہے۔ ولی کے معنی خالق و رازق وغیرہ کرنا کھلم کھلا قرآن کی تفسیر بالرائے ہے یہ مفہوم نہ کسی آیت سے ثابت ہے اور نہ کسی صحیح السند روایت سے۔ اس سلسلہ میں کتاب مجلی ص۴۰۲ سے جو ایک بے سروپا مرسل روایت پیش کی جاتی ہے کہ ان اللہ وکل علی بن ابی طالبؑ بحراسۃ اهل الارض و بحراسۃ اهل السماء (کہ خدا نے جناب امیر علیہ السلام کو اہل زمین و آسمان کی حفاظت کرنے کا وکیل و نگہبان مقرر کیا ہے) یہ ایک بلا سند طویل الذیل روایت کا ٹکڑا ہے جس کے حاشیہ پر خود مؤلف نے یہ کہہ کر اس کے ضعف کی طرف واضح اشارہ کر دیا ہے کہ "حدیث غریب"۔ قطع نظر اسکے درایت کے نقطہ نگاہ سے خود اس طویل روایت کے اندر اس کے وضعی ہونے کے آثار واضح و آشکار ہیں۔ جن کو تفصیلاً یہاں بیان کرنے کی گنجائش نہیں۔ علاوہ بریں کتاب مجلی اور اس کے مؤلف ابن ابی جمہور احسائی کا علماء اعلام کی نظر میں جو مقام ہے وہ ارباب اطلاع سے پوشیدہ نہیں۔ تفصیل کے شائقین منہاج البراعۃ شرح نہج البلاغۃ ج ۱۲ ص۲۳۴ طبع جدید ملاحظہ کر کے اطمینان قلب حاصل کر سکتے ہیں۔ اور بنا بر تسلیم اس کا مطلب وہ نہیں جو لیا جا رہا ہے۔ بلکہ اس کا صحیح مفہوم وہ ہے جو صاحب لوامع الانوار نے (ص۱۳۳) پر بیان کیا ہے کہ آنجنابؑ کے یمن و برکت سے زمین و آسمان اور ان کے اہل کی بقا و دوام وابستہ ہے کان بوجود امام الزمان "قامت الدنیا و ببقائہ بقیت الدنیا و بوجودہ ثبتت الارض والسماء الخ" اور یہ مفہوم بالکل صحیح ہے اور یہی مطلب ہے جناب امیر المومنینؑ اور دیگر ائمہ طاہرینؑ کے محافظ کائنات ہونے کا۔ ہذہ تحقیقات لامریۃ فیہ ذیل میں چند معتبر تفاسیر کے اقتباسات پیش کرتے ہیں جس سے جہاں ہمارے بیان کردہ مفہوم کی حرف بحرف تائید ہوتی ہے وہاں ان لوگوں کے زعم کی تردید بھی ہو جاتی ہے (۱) شیخ الطائفہ تفسیر تبیان ج۳ ص۵۴۹ پر اس آیت مبارکہ کے ذیل میں لکھتے ہیں "واعلم ان هذہ الآیۃ من الادلۃ الواضحۃ علی امامۃ امیر المومنین (علیہ السلام) بعد النبی بلا فصل ووجہ الدلالۃ فیها انہ قد ثبت ان الولی فی الآیۃ بمعنی الاولی والاحق وثبت ایضاً ان المعنی بقولہ والذین آمنوا امیر المومنین (علیہ السلام) فاذا ثبت هذان الاصلان دل علی امامتہ۔ الخ" جاننا چاہئے کہ یہ آیت حضرت امیر المومنینؑ کی بلا فصل امامت و خلافت کے دلائل واضحہ میں سے ہے۔ وجہ دلالت یہ ہے کہ یہ حقیقت ثابت ہے کہ یہاں ولی بمعنی اولیٰ و احق (زیادہ حقدار) ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ (والذین آمنوا) کا مصداق حضرت امیر المومنینؑ ہیں۔ پس جب یہ دونوں باتیں ثابت ہو گئیں۔ تو اس سے آنجنابؑ کی امامت بھی ثابت ہو گئی"۔ (۲) علامہ طبرسیؒ تفسیر مجمع البیان ج۲ ص۲۲۵ پر اسی آیت کے ذیل میں رقمطراز ہیں "وهذہ الآیۃ من اوضح الدلائل علی صحۃ امامۃ علی بعد النبی بلا فصل والوجہ فیہ انہ اذا ثبت ان لفظۃ ولیکم فی الآیۃ تفید من هو اولی

بتدابیر امورکم و یجب طاعتہ علیکم و ثبت ان المراد بالذین امنوا علی ثبت النص علیہ بالامامۃ و وضح" یعنی یہ آیت جناب رسول خدا کے بعد حضرت علیؑ کی خلافت بلافصل پر واضح ترین دلائل میں سے ہے وجہ دلالت یہ ہے کہ جب یہ ثابت ہے کہ آیت میں لفظ ولیکم کے یہ معنی ہیں کہ "تمہارے امور کی تدابیر کا سب سے زیادہ حقدار اور جس کی اطاعت تم پر واجب ہے" اور یہ بھی ثابت ہے کہ الذین آمنوا سے مراد حضرت علی علیہ السلام ہیں لہٰذا بعد ازیں حضرت علیؑ کی امامت پر واضح نص ثابت ہو جاتی ہے۔"

مخفی نہ رہے کہ عبارت میں وارد شدہ لفظ "تدبیر امور" سے وہی امور مراد ہیں جن کی وضاحت کلام حضرت امیرالمومنینؑ کی روشنی میں اوپر کی جا چکی ہے نہ کہ خلق و رزق اور اماتت و احیاء وغیرہ امور تکوینیہ فلا تغفل۔

تفسیر صافی ص۱۲۲ پر اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے فی الکافی عن الصادق فی تفسیر ہذہ الآیۃ یعنی اولی بکم ای احق بکم و بامورکم من انفسکم و اموالکم اللہ و رسولہ والذین آمنوا یعنی علیا و اولادہ الائمۃ الی یوم القیٰمۃ

یعنی اصول کافی میں حضرت صادق آل محمد علیہ السلام سے اس آیت کی تفسیر میں یوں مروی ہے کہ تمہاری جان و مال کا تم سے زیادہ حقدار اور متصرف اللہ اور اس کا رسولؐ اور مخصوص صاحبان ایمان یعنی حضرت علیؑ اور ان کی اولاد میں سے قیامت تک ہونے والے گیارہ ائمہ طاہرین علیہم السلام ہیں" پس ان حقائق کی روشنی میں ثابت ہو گیا کہ اس آیت مبارکہ کو تفویض کے عقیدۂ فاسدہ کے ساتھ قطعاً کوئی ربط و تعلق نہیں ہے!! وہو المراد

تیسرا شبہ اور اس کا جواب

اصول کافی و احتجاج میں ہے "قال ان اللہ اجل و اعظم من ان یتولی ذلک بنفسہ و فعل رسلہ و ملٰئکتہ فعلہ لانہم بامرہ یعملون فاصطفی من الملائکۃ رسلاً و من الناس فمن کان من اہل الطاعۃ تولت قبض روحہ ملائکۃ الرحمۃ و من کان من اہل المعصیۃ تولت قبض روحہ ملائکۃ النقمۃ و لملک الموت اعوان الخ ...... و ان فعل امنائہ فعلہ ......" خدائے پاک اس سے برتر و منزہ ہے کہ ان امور میں خود تصرف فرمائے اور خود انجام دے۔ اس کے قاصدوں پیغمبروں اور اس کے فرشتوں کا فعل دراصل اسی کا فعل ہوتا ہے کیونکہ وہ سب اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں پس اللہ تعالیٰ نے اپنے اور اپنی مخلوق کے درمیان فرشتوں اور انسانوں میں سے رسولؐ اور سفیر چن لئے ہیں۔ پس جو بندۂ مومن ہو اس کی روح ملائکہ رحمت قبض کرتے ہیں۔ اور جو گنہگار ہو اس کی ملائکہ عذاب قبض کرتے ہیں۔ اور ملک الموت کے بہت سے فرشتے مددگار و معاون ہیں۔ و اجری فعل بعض الاشیاء علی ایدی بعض من اصطفٰی من امنائہ و کان فعلہم فعلہ و امرہم امرہ کما قال من یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔ (احتجاج) اور اپنے امناء میں سے جس کو مصطفیٰ کیا اس کے ہاتھوں پر بعض اشیاء کے فعل (خلق) کو جاری کر دیا۔ امناء اللہ کا فعل خدا کا فعل ہے۔ امناء اللہ کا امر خدا کا امر ہے جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے یقیناً خدا کی اطاعت کی۔" قال علیہ السلام الذی بہ تنزل الملائکۃ فی اللیلۃ التی یفرق فیہا کل امر حکیم من خلق و رزق و اجل و عمل و عمر و حیوٰۃ و موت و علم غیب السمٰوات والارض والمعجزات التی لا تنبغی الا للہ

واصفیائہ والسفرۃ بینہ وبین خلقہ ...... (احتجاج) جناب علی علیہ السلام نے فرمایا وہ جن کو ملائکہ لے کر مبارک رات میں نازل ہوتے ہیں، اسی شب میں وہ امور محکم تقسیم کئے جاتے ہیں۔ (اس کی تفصیل میں فرماتے ہیں وہ امور (خلق، رزق، اجل، عمر، حیات، موت، علم غیب آسمان و زمین اور معجزات یہ ایسے امور ہیں جو اللہ اور اصفیاء و سفراء اور مخلوقات کے درمیان (کذا) اور کسی کے لائق نہیں۔" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شب قدر کو یہ تمام امور لے کر فرشتے امام زمانہ کے پاس حاضر ہوتے ہیں۔ اور پھر ولی الزمان امور کو ملائکہ پر تقسیم کرتے ہیں۔ یہ ہے ان حضرات کا مایۂ ناز استدلال یا بالفاظ مناسب مغالطہ یا شبہ (جو قریباً انہی کے الفاظ میں پیش کیا گیا ہے۔ قطع نظر ترجمہ کی صحت وسقم عند التحقیق معلوم ہوتا ہے کہ ان مختلف قطعات و اقتباسات کو ان حضرات کے دعوی سے کوئی تعلق نہیں ہے جو حضرت امیر المومنینؑ کی طرف منسوب ایک طویل حدیث کے مختلف حصے ہیں جو احتجاج طبرسی طبع نجف اشرف کے ص۲۳۵ سے ص۲۴۷ یعنی پورے تیرہ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے جس میں ترجمان قرآن امیر مومنان علیہ السلام نے ایک زندیق کے مختلف نوعیت کے کئی اعتراضات کے تسلی بخش جوابات دیئے ہیں۔ زندیق نے ادھر اُدھر سے قرآن مجید کی مختلف آیات کو جمع کرکے اپنے زعم باطل میں غلط نتائج اخذ کرتے ہوئے قرآن میں تضاد و اختلاف ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی تھی، جیسا کہ بلا تشبیہ بعض لوگ جناب امیرؑ کے اس جوابی کلام کے سیاق وسباق کو نظر انداز کرکے اس کے مختلف حصوں کو جو کوئی ص۲۳۹ پر ہے تو کوئی ص۲۴۳ پر یکجا کرکے غلط انداز میں پیش کر رہے ہیں۔ جناب امیر علیہ السلام نے اس کے تمام ایرادات کا تار و پود بکھیر کر اعتراض کے ایسے قرآنی مطلع کو صاف کر دیا۔ خلاصۃ الکلام آنکہ زندیق سوال کرتا ہے۔ کہ ایک مقام پر خدا فرماتا ہے تمہیں ایک فرشتہ مارتا ہے، دوسرے مقام پر فرماتا ہے ان لوگوں کو فرشتے مارتے ہیں۔ تیسرے مقام پر فرماتا ہے اللہ مارتا ہے کیا یہ کھلا ہوا تناقض نہیں ہے؟ حضرت امیرؑ نے اس سوال کا وہ جواب دیا جو اس شبہ کے پہلے ٹکڑے میں مذکور ہے کہ خدائے پاک اس سے برتر و بالا ہے کہ ان امور کو بذات خود انجام دے اس سے ظاہر ہے کہ یہ حصہ فرشتوں کے متعلق ہے۔ اس حقیقت کا اعتراف اس گروہ کے ایک رکن نے اپنے ایک مضمون مندرجہ اخبار درِ نجف یکم جولائی ۱۹۶۶ء میں کرلیا ہے لکھتے ہیں

> "گویا احتجاج کی اس طویل عبارت میں علی علیہ السلام نے ثابت فرمایا ہے کہ خلق و رزق، موت و حیات ملائکہ کا وظیفہ ہے یہ سارے کام بظاہر ملائکہ کرتے ہیں اور ان کا فعل گویا اللہ کا فعل ہے کیونکہ وہ اس کے امر سے کرتے ہیں۔"

پس معلوم ہوا کہ اس جزو کا ہمارے متعلقہ مسئلہ کے ساتھ کوئی ربط نہیں ہے۔ دوسرے جزو میں آنجنابؑ نے زندیق کے اس سوال کا جواب دیا ہے کہ خدا نے بعض مقامات پر اپنے لئے واحد کا صیغہ استعمال کیا ہے اور بعض مقامات پر جمع کا (اس سے تضاد ظاہر ہوتا ہے) حضرت امیرؑ نے اس شبہ کا ایک جواب یہ دیا ہے کہ خدا نے اپنے بعض منتخب شدہ بندوں کی عظمت وجلالت ظاہر کرنے کے لئے ان کو اپنے ساتھ شامل کرکے صیغۂ جمع استعمال کیا ہے (اور مقام اعجاز میں) بعض اشیاء کا اظہار و اجراء ان کے ہاتھوں پر فرمایا ہے۔ اس حصۂ کلام کا بھی ان لوگوں کے مدعا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اولاً اس لئے کہ یہ لوگ تمام اشیاء کے بارہ میں مدعی ہیں کہ خدا ان حضرات کے ذریعہ سے انجام دیتا ہے مگر حدیث میں صرف بعض اشیاء کا تذکرہ ہے ثانیاً یہ ارشاد

مقامِ اعجاز کے متعلق ہے کہ معجزہ نمائی کے وقت خدا ان بعض امور کا جن کا تعلق تکوین سے ہے ان بزرگواروں کے ہاتھ پر ظاہر کرتا ہے مگر معجزہ کا حقیقی فاعل خدا ہے جس کی تحقیق چوتھے باب میں پیش کی جائے گی انشاء اللہ جس پر جملہ "اجری بعض الاشیاء" بھی شاہد ہے کہ خدا نے ان کے ہاتھوں پر بعض اشیاء کو جاری کیا، مگر ہماری نزاع ان امور کو بطور وظیفہ و ڈیوٹی " انجام دینے میں ہے کہ آیا یہ ان کی ڈیوٹی ہے نہ کہ مقامِ اعجاز میں! اس بات کا اعتراف اس گروہ کے بعض مضمون نگار حضرات نے بھی کر لیا ہے۔ کہ اس حدیث سے ائمہ اطہارؑ کا ان امور کو بطور فرض منصبی انجام دینا ثابت نہیں چنانچہ وہ اپنے محولہ بالا مضمون میں لکھتے ہیں۔

> "تب ملائکہ جن کی خلق و رزق و موت و حیات پر ڈیوٹی ہے اور سر انجام بھی دیتے ہیں تو اہلبیتؑ جو مخدوم ملائکہ ہیں بدرجہ اولیٰ ہیں۔ ہاں یہ درست ہے کہ ہر وقت ملائکہ کی طرح ڈیوٹی نہیں دیتے۔ لیکن اگر بحیثیت عن مشیئۃ اللہ کسی وقت چاہیں تو بحکم خدا ان امور کو سر انجام دے سکتے ہیں۔ اور یہ امور اہلبیتؑ سے بعید نہیں ہیں۔" (در نجف یکم جولائی ۱۹۸۰ء)

اسے کہتے ہیں ہوشیاری کہ ؎

شریعت کیوں گریباں گیر ہو ذوقِ تکلم کی
چھپا جاتا ہوں اپنے دل کا مطلب استعارے میں۔

اس تحریر میں خدا و خلق ہر دو کو راضی رکھنے کی ناکام کوشش کی گئی ہے۔ ورنہ اس بندۂ خدا سے کوئی پوچھے کہ جب ان امور کی انجام دہی کو ائمہ اہلبیتؑ کا وظیفہ اور ڈیوٹی تم نہیں سمجھتے اور مقامِ اعجاز میں ان حضرات کے باذن اللہ ان امور کو انجام دے سکنے پر کسی بھی شیعہ کو کوئی اعتراض نہیں ہے۔ خلق و رزق تو چیز ہی کیا ہے؟ یہ تو وہ ذواتِ عالیہ ہیں کہ اگر چاہیں تو مقامِ اعجاز نمائی میں مرد کو عورت اور عورت کو مرد۔ زمین کو آسمان اور آسمان کو زمین"۔ دنیا کو آخرت اور آخرت کو دنیا بنا سکتے ہیں تو پھر نہ معلوم کہ

یہ ہنگامہ اے خدا کیوں ہے؟

تیسرے جزو کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا کہ قرآن فہمی میں یہ اختلاف اس لئے پیدا ہوا کہ لوگوں نے اولامر سے قرآن منشاء و مفہوم حاصل نہیں کیا پھر آپ نے اولامر کی معرفی کراتے ہوئے فرمایا کہ اولامر وہ ہیں جن پر لیلۃ القدر میں فرشتے مذکورہ بالا امور لے کر نازل ہوتے ہیں۔ اس حدیث شریف میں ایک حرف بھی ایسا موجود نہیں جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ اس کے بعد آئمہ علیہم السلام ان ملائکہ کرام پر تقسیم کار کرتے ہوئے ان کی ڈیوٹیاں مقرر فرماتے ہیں۔ صرف اسی ایک حدیث پر ہی منحصر نہیں۔ ہم نے سورۃ القدر کے شانِ نزول میں بیسیوں کتبِ تفسیر و حدیث کھنگال ڈالی ہیں۔ مگر کسی معتبر کتاب میں کوئی ایک صحیح بلکہ ضعیف حدیث بھی ایسی نہیں ملی جس میں یہ صراحت موجود ہو کہ یہ حضراتؑ فرشتوں کی ڈیوٹیاں مقرر کرتے ہیں۔ بصائر الدرجات، ہفتم بحار الانوار، اصولِ کافی اور چہارم تفسیر برہان میں اس سورہ کے شانِ نزول کے متعلق مستقل باب موجود ہیں اور کئی کئی صفحات تک متعلقہ احادیث پھیلی ہوئی ہیں۔ روایات کے ذخیرے جمع ہیں۔ مگر ان میں ایسی کوئی روایت نہیں ملتی جس سے یہ امر ثابت ہو کہ ولی الزمان ان امور کو ملائکہ پر تقسیم کرتے ہیں۔ یہ محض ان لوگوں کا ذاتی خیال اور قیاس آرائی ہے کہ جب ملائکہ ان بزرگواروں کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں تو اس سے مقصد یہی ہوگا۔

کہ یہ حضرات ان کی ڈیوٹیاں تقسیم کرتے ہوں گے۔ "ان ھم الا یخرصون"۔ یہ صرف ظن و گمان ہے "وان الظن لا یغنی من الحق شیئا"۔ اگر اس سلسلہ میں کہ فرشتے امام کے پاس لیلۃ القدر میں کیوں حاضر ہوتے ہیں؟ ذاتی تحقیق و استنباط سے ہی کام لینا ہے تو پھر غواص بحار اخبار آئمہ اطہار یعنی سرکار علامہ مجلسیؒ کی ہی تحقیق کو کیوں نہ صحیح تسلیم کیا جائے کہ "فلیس ذلک لسد خلتهم فی ذلک ولا للاستشارة بهم بل له الخلق والامر ولیس ذلک الا لتشریفهم واکرامهم واظهار رفعة مقامهم (سابع بحار الانوار ص۳۶۹) یعنی وہ ملائکہ کا یہ نزول اس لئے نہیں ہوتا کہ آئمہ اطہارؑ کو نظامِ عالم کے چلانے میں کچھ دخل ہے یا خدا کو ان سے مشورہ لینا مقصود ہے۔ خدا ہی خالق و حاکم ہے۔ فرشتوں کی یہ حاضری محض ائمہ علیہم السلام کے اکرام و احترام اور ان کی رفعتِ شان و عظمتِ مقام ظاہر کرنے کے لئے ہوتی ہے۔" (کہ جب ملائکہ زمین پر آئیں یا واپس آسمان پر جائیں تو پہلے حجتہائے خداوندی کی خدمت میں حاضر ہونے و سلام کرنے کا شرف حاصل کریں)

ظاہر ہے کہ اس علامۂ جلیل کی یہ تحقیق ضرور ائمہ اطہارؑ کے اخبار و آثار سے ماخوذ ہوگی۔ ورنہ ان کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ دینی معاملہ میں اپنی ذاتی رائے کو دخل دیں۔ اکثر علماء متاخرین نے جناب علامہ کی اس تاویل کو پسند فرمایا ہے چنانچہ محدث خبیر سید حبیب اللہ خوئیؒ نے جناب علامہ کی اس توجیہ کو منہاج البراعۃ ج ۴ ص۳۶۶ پر بغرض تائید مرام نقل کیا ہے۔ اسی طرح عالم ربانی مرزا ابوالحسن الشریف نے بھی مقدمہ تفسیر مرآۃ الانوار ص۹۶ پر سرکار علامہ کی اس تحقیق سے اتفاق کرتے ہوئے "اقول ما ذکرہ صاحب شراہ فیہ تنبیہ وتوجیہ وجیہ للاخبار المذکورة وغیرها" یعنی میں کہتا ہوں کہ جو کچھ علامہ صاحب شراہ نے ذکر کیا ہے اس میں مذکورہ بالا اخبار کی عمدہ توجیہ ہے۔" اسی طرح سرکار مجلسیؒ نے اپنی کتاب اربعین کے ص۔۔ پر لیلۃ القدر میں فرشتوں کے خدمتِ امام میں حاضر ہونے کی چار تاویلیں فرمائی ہیں۔ فراجع۔ یا اگر یہ توجیہ و تاویل پسند نہ ہو۔ تو پھر محدثِ جلیل سید نعمت اللہ جزائری مرحوم کی وہ تاویل قبول کر لی جائے جو انہوں نے لیلۃ القدر میں نزولِ ملائکہ کے بارہ میں نور الانوار شرح صحیفہ سجادیہ ص۱۱ طبع بمبئی پر فرمائی ہے۔ "واما فائدة تنزل الملائکة بحوادث السنة تلک اللیلة علی الامام علیه السلام مع انه قد تواتر بین الشیعة ان عند الائمة علیهم السلام کتاب الجفر والجامعة ومصحف فاطمة وسائر علوم القرآن وفیها ما کان وما یکون الی یوم القیامة فالذی یظهر من معانی آثارهم علیهم السلام ان تعلمهم مراتب فی الاجمال والتفصیل فالکتب المذکورة متضمنة لسائر العلوم علی طریق الاجمال من غیر تفصیل لحوادث کل اسبوع وفی لیلة الجمعة تزور ارواحهم العرش فیخبر من هذا العالم العلم المتعلق بذلک الاسبوع کما قال علیه السلام ولولا ان ارواحنا تزور العرش وتطوف حوله لیلة الجمعة وتکتسب من هناک علوما شتی لنفد ما عندنا واما ما یحتاجون الیه من حوادث الساعات فیحصل لهم تارةً بالنقر فی الاسماع واخری بالنکت فی القلوب"۔ انتهی کلامه۔

بالعلوم الواقعة فی کل سنة وفی لیلة القدر یخبرنا منها علم ما یقع فی تلک السنة من غیر تفصیل

دفع فی الخلد مقامہ وفیہ توجیہ وجیہ للاخبار الواردۃ عن الائمۃ الاطہارؑ فی ھذا المضمار وھذا التحقیق حقیق بان یکتب بالنور لا بالحبور۔ یعنی باوجودیکہ شیعہ کے اخبار متواترہ میں وارد ہے کہ ائمہ اطہار کے پاس کتاب جفر و جامعہ، مصحف فاطمہؑ اور جملہ علوم قرآنیہ موجود ہیں جن میں ماکان اور مایکون کا علم بھی درج ہے۔ بایں ہمہ پھر لیلۃ القدر میں ان کے پاس فرشتوں کا سال بھر کے واقعات لے کر نازل ہونے کا مقصد کیا ہے؟ ائمہ اطہار کے اخبار و آثار میں غور و فکر کرنے سے اس سلسلہ میں جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اجمال و تفصیل کے اعتبار سے ان بزرگواروں کے علوم کے مختلف مراتب ہیں۔ مذکورہ بالا صحف میں تمام علوم کا اجمالی تذکرہ موجود ہے۔ ان میں ہر ہر سال میں واقع ہونے والے واقعات کی تفصیل؎ ہے۔ مگر اس میں ہر ہر ہفتہ کے حتمی واقعات کی تفصیل نہیں ہوتی۔ یہ تفصیل شب جمعہ کو انہیں معلوم ہوتی ہے جب کہ ان کی مقدس روحیں عرش الٰہی کا طواف کرتی ہیں۔ اسی بنا پر ان کا ارشاد ہے کہ اگر ہمارے ارواح ہر شب جمعہ طواف عرش کر کے نئے نئے علوم کا استفادہ نہ کریں تو ہمارا موجودہ علم ختم ہو جائے اور ہر ہر لحظہ میں ان کو جن واقعات کی ضرورت درپیش آتی ہے ان کا انکشاف بعض اوقات ان کے گوش مبارک میں آواز آنے اور بعض اوقات قلوب منورہ میں الہام و القاء ہونے کے ذریعہ ہوتا رہتا ہے۔ اس تاویل جمیل کی تائید مزید اصول کافی کی بعض روایات معصومینؑ سے بھی ہوتی ہے۔ کہ اگرچہ آنحضرتؐ علم ماکان و مایکون کے عالم تھے مگر وکان کثیرا من علمہ ذلک جملۃ یاتی تفسیرھا فی لیلۃ القدر۔ مگر اس علم میں سے بہت سا مجمل تھا جس کی تفسیر لیلۃ القدر کو آتی تھی۔ وکذلک کان علی بن ابی طالبؑ قد علم العلم ویاتی تفسیرہ فی لیلۃ القدر۔ اسی طرح جناب امیر المومنینؑ کے مجمل علوم کی تفسیر بھی لیلۃ القدر میں آتی تھی۔ (ارشاد امام محمد باقرؑ اصول کافی ص۱۲۵ طبع ایران)۔ ان حقائق کی روشنی میں واضح ہو گیا کہ یہ اہتمام فرشتوں کی ڈیوٹیاں تقسیم کرنے کے لئے عمل میں نہیں لایا جاتا۔ بلکہ علم امامؑ میں اضافہ و ازدیاد کی خاطر ہوتا ہے۔ وھو الحق والحق احق ان یتبع۔

چوتھا شبہ اور اس کا جواب

جملہ اسماء حسنیٰ خالق و رازق و علیم و حکیم و باسط و حفیظ وغیرہ کے لئے مظاہر وجودیہ ہیں۔ قولہ تعالیٰ وللہ الاسماء الحسنیٰ فادعوہ بہا ادعوا اللہ او ادعوا الرحمٰن ایاما تدعوا فلہ الاسماء الحسنیٰ۔ خدا کو پکارو۔ یا رحمٰن کو پکارو کسی نام کو سب اللہ کے اسماء حسنیٰ ہیں۔ وہی اللہ ہے وہی رحمٰن وہی رحیم ہے۔ ان تمام اسماء کے مظاہر ہیں۔ ہر ایک صفت خاص کا اظہار اس عالم امکان زمانی میں بحکم و باذن اللہ عزوجل اس صفت کے مظہر سے ظاہر ہوتا ہے۔ مثلاً الخالق کا مظہر، الرازق کا مظہر، القابض کا مظہر، العالم اور الحکیم کا مظہر الحفیظ، الباسط وغیرہا ہر ایک کے مظہر جدا جدا اللہ تعالیٰ نے خلق کئے ہیں۔ اسی طرح ایک اسم الولیؔ ہے اور یہ اسم الولی بحیثیت تصرف جمیع اسماء الحسنیٰ یعنی اسم الباسط، اسم القابض اسم العلیم الحکیم الرزاق والخالق وغیرہا کو جامع ہے۔ لہٰذا جو بھی "اسم الولی" کا مظہر وجودی ہوگا۔ وہ جملہ اسماء الحسنیٰ کے مظاہر سے مافوق ہوگا۔ کیونکہ جملہ طاقتیں اسم الولی کی

؎ مذکور نہیں ہے لیلۃ القدر میں سال بھر کے حتمی واقع ہونے والے واقعات کی تفصیل ہوتی ہے مگر

ہیں جو مظہر اسم اول میں موجود ہوں گی۔ لہٰذا تدبیر عالم اس قوت سے کرتے ہیں۔ ولایت میں سب کچھ شامل ہے۔ اس نظریہ کو بڑے شد و مد کے ساتھ پیش کیا جاتا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر ان بیانات کو تحقیق کی کسوٹی پر پرکھا جائے۔ تو یہ بالکل ناقص العیار اور حکماء و صوفیہ کے تخیلات فاسدہ کی پیداوار معلوم ہوتے ہیں۔ فلاسفہ بزعم خود اس سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حادث زمانی کا ارتباط قدیم کے ساتھ بغیر واسطہ محال ہے۔ اس لئے انہوں نے "ارباب الانواع" والا ایک فاسد نظریہ اختراع کیا کہ ہر نوع کا علیحدہ علیحدہ ایک ایک رب ہے جو خدا کی کسی خاص صفت کا مظہر ہوتا ہے۔ جس سے اس صفت کا ظہور اور مخلوق پر فیضان ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے خالق قدیم اور مخلوق حادث کے درمیان ربط و ارتباط کا سلسلہ قائم ہے اور صوفیا اس سے وحدت الوجود یا وحدت الشہود کو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ جیسا کہ کتاب الجیل ص۲۲ پر لکھا ہے الظاهر والمظهر شیٔ واحد یعنی "مظہر (جس سے کسی صفت خدا کا ظہور ہوتا ہے) اور ظاہر (خداوند عالم) درحقیقت ایک ہی چیز ہیں" اسی وجہ سے محی الدین (بلکہ ممیت الدین) ابن العربی نے اپنے رسالہ فصوص الحکم کے خطبہ میں لکھا ہے سبحان من خلق الاشیاء وهو عینها الخ... پاک ہے وہ خدا جس نے چیزوں کو پیدا کیا۔ حالانکہ وہ خود بعینہ وہی اشیاء ہے"۔ (صرف ظاہر و مظہر کے مراتب کا اعتباری فرق ہے کہ در مرتبہ خالق در مرتبہ مخلوق) (معاذ اللہ) لیکن چونکہ یہ مردود نظریات عام محقق علماء اسلام کے نزدیک بالعموم اور شیعہ علماء اعلام کے نزدیک بالخصوص باطل ہیں۔ لہٰذا ان کے نزدیک یہ ظاہر و مظہر والی ساری بحث بالکل بے اصل و بے بنیاد ہے۔ عقائد ایمان کی بنیاد فلاسفۂ یونان یا نام نہاد صوفیائے اسلام کے مزعومات فاسدہ و نظریات کاسدہ پر نہیں رکھی جا سکتی۔ بلکہ جیسا کہ دیباچہ میں ثابت کیا جا چکا ہے۔ اصول عقائد کی دیوار آیات محکمہ اور روایات متواترہ پر استوار ہونی لازم ہے۔ اور یہاں صورت حال یہ ہے کہ اس قسم کی کوئی صریح الدلالت معتبر خبر واحد

لہ یہ فرقہ بھی اپنے آپ کو اسلامی فرقوں میں شمار کرتا ہے۔ ارباب دانش و بینش جانتے ہیں کہ یہ فرقہ بنی امیہ کی اسلام اور اہل بیت علیہم السلام کے خلاف ایک گہری سازش کی پیداوار ہے۔ وہ چاہتے تھے کہ اس بناء پر صوف پوش متزہد و متقشف گروہ کے ذریعہ ظاہری اقتدار کے ساتھ ساتھ اہل بیت نبوت سے روحانی اقتدار بھی سلب کر لیں۔ چنانچہ اسی باطل مقصد کے پیش نظر حکومت کے سایۂ عاطفت میں اس فاسد العقیدہ و العمل جماعت کی نشو و نما کر کے پروان چڑھایا گیا۔ اور ان کے بڑے بڑے کشف و کرامات عوام الناس میں مشہور کئے گئے۔ تاکہ عامۃ الناس کو ان کی طرف متوجہ کر کے اہل بیت رسالتؐ کے معجزات و کمالات کی طرف سے ان کی توجہ ہٹائی جا سکے۔ اسی لئے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ "الصوفیة کلهم من مخالفینا وطریقتهم مغائرة لطریقتنا۔ صوفی سب کے سب ہمارے دشمن ہیں اور ان کا طریقہ ہمارے طریقہ کے خلاف ہے (حقیقۃ العرفان ص۱۰ بحوالہ حدیقۃ الشیعہ از مقدس اردبیلیؒ وغیرہ) اسی طرح دیگر ائمہ اطہارؑ نے اس باطل فرقہ کی بہت مذمت فرمائی ہے۔ اور ہمارے علماء اعلام نے بھی ہمیشہ اس موضوع پر خاص توجہ مبذول کر کے اس گروہ کے نظریات باطلہ کا ابطال فرمایا ہے (منہ عفی عنہ)

بھی کتب معتبرہ میں نہیں ملتی۔ تا بہ آیاتِ محکمات و روایاتِ متواترات چہ رسد۔ ہاں آیتِ مبارکہ "ولله الاسماء الحسنیٰ" کی تفسیر میں وارد شدہ بعض روایات میں ائمہ اطہارؑ سے یہ ضرور مروی ہے کہ "نحن الاسماء الحسنیٰ التی لا یقبل الله عمل عبد الا بمعرفتنا" "ہم خدا کے وہ اسماء حسنیٰ ہیں جن کی معرفت کے بغیر خداوند عالم کسی بندے کا عمل قبول نہیں کرتا۔" لیکن ان روایات سے مذکورہ بالا مطلب پر استدلال کرنا بچند وجہ صحیح نہیں ہے۔

اولاً۔ اس لئے کہ یہ روایت خبرِ واحد ہونے کی وجہ سے اصول عقائد میں حجتِ شرعیہ نہیں ہو سکتی۔

ثانیاً اس لئے کہ یہ روایت احتمالاتِ کثیرہ رکھنے کی وجہ سے مجمل ہے۔ اور مجمل تو آیت بھی ہو تو عقائد میں حجت نہیں ہو سکتی بلکہ آیتِ محکمہ ضروری ہے۔ چہ جائیکہ روایت اور وہ بھی خبرِ واحد

ثالثاً۔ اس اجمال کی تفصیل اور صحیح مفاہیم و معانی کی توضیح ذیل میں پیش کی جاتی ہے۔

(۱) ممکن ہے کہ ان روایات سے مراد یہ ہو کہ جس طرح خدا کا اسم اعظم اور دیگر ظاہری اسماء حسنیٰ بندوں کی دعاؤں کے قبولیت کا ذریعہ ہیں۔ اسی طرح ائمہ اطہارؑ کے اسماء بھی قبولیتِ دعا کا سبب ہیں۔ چنانچہ اور لوگوں کا تو ذکر ہی کیا ہے روایات کثیرہ سے ثابت ہے کہ انبیاء سلف کی مشکلات بھی انہی ذواتِ مقدسہ کے اسماء مبارکہ کے ساتھ توسل کرنے سے حل ہوتی ہیں۔ اس کی تفصیل پانچویں باب میں آرہی ہے انشاءاللہ۔

(۲) ممکن ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ ہمارا وجود خداوند عالم کے موجود ہونے کی قطعی دلیل ہے کیونکہ جس طرح دلالت لفظی الفاظ کے ذریعہ سے ہوتی ہے اسی طرح دلالت موجودی وجود کے ذریعہ سے ہوتی ہے اور اس طرح اگرچہ کائنات کا ہر ذرہ ذاتِ ایزدی کے وجود منبع کل جود پر دلالت کرتا ہے ؎

وفی کل شیءٍ له آیۃٌ   تدل علی انه واحد

مگر انسانِ کامل کا وجود خدا کے وجود کی سب سے بڑی علامت ہے ؎

وھم آیۃ دونھم کل آیۃ

علامہ محسن فیض علیہ الرحمہ لکھتے ہیں فان الدلالۃ کما یکون بالالفاظ کذلک یکون بالذوات من غیر فرق بینھما فیما یؤل الی المعنی یعنی معنی و مفہوم کے اعتبار سے دلالتِ لفظی اور دلالتِ وجودی میں کوئی نہیں ہے (علم الیقین ص۳۰) کذا فی ھدایۃ المسترشدین ص۲۶ فحینئذ نقول ان کل شیءٍ من مخلوقاتہ اسم له لدلالۃ جمیع الموجودات علیه سبحانہ فان الدلالۃ کما تکون بالالفاظ کذلک تکون بالذ

یعنی اس طرح عالم کی ہر چیز خدا کا اسم (وجودی) ہے کیونکہ تمام موجوداتِ عالم اس کے[1] اسی طرح ذات کے ذریعہ بھی ہو سکتی ہے

(۳) ممکن ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ خدا کی طرف یہ نسبت اسماء اللہ (یعنی اللہ کے اسماء) ان ذواتِ مقدسہ کے قرب کی وجہ سے ہو جس طرح خانہ کعبہ کو بیت اللہ اور حضرت عیسیٰؑ کو روح اللہ اور کلمۃ اللہ کہا جاتا ہے۔ اسی طرح

---

[1] وجود پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ یہ دلالت جس طرح الفاظ کے ذریعے سے ہوتی ہے۔

بزرگواروں کی عظمت وجلالت کی بنا پر ان کو اسماء اللہ کہہ دیا گیا ہو۔

(۲) ممکن ہے کہ چونکہ ان بزرگواروں کے اسماء خداوند عالم کے اسماء سے مشتق ہیں جیسا کہ اور بعض روایات میں وارد ہے۔ اس لئے ان حضرات کو بطور کنایہ اسماء اللہ کہہ دیا گیا ہو۔ چنانچہ خود حضرت صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے "وکنی عن اسمائنا باحسن الاسماء واحبها وسمی اضدادنا واعدائنا فی کتابہ بابغض الاسماء الیہ" یعنی خدا نے ہمیں بطور کنایہ اچھے اور پسندیدہ اسماء سے یاد کیا ہے اور ہمارے دشمنوں کو برے ناموں سے یاد فرمایا ہے" (کفایۃ الموحدین ج ۱ ص ۲۴۲) پس جس روایت میں اس قدر صحیح معانی کے احتمالات موجود ہوں۔ اس سے خواہ مخواہ کوئی غلط معنی اخذ کر کے اس پر کیوں کر عقیدہ کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے؟

مذکورہ بالا تمام تحقیقِ انیق کتاب مستطاب کفایۃ الموحدین ج ۱ ص ۲۴۱، ۲۴۲ طبع ایران سے ماخوذ ہے۔ چنانچہ کتاب مذکور کے مصنفِ علام نے اس قسم کی بعض روایات (نحن واللہ اسماء اللہ الحسنیٰ) نقل کرنے کے بعد لکھا ہے "ایں دو عبارت مجمل اند علی الظاہر و دلالت بر مقصود او ندارند" یہ عبارتیں بظاہر مجمل ہیں۔ اور اس (شیخ احسائی) کے مقصد پر دلالت نہیں کرتیں۔ بعد ازیں "محتمل است" کہہ کر وہی چند احتمالات صحیحہ ذکر فرماتے ہیں، جن کا خلاصہ ہم نے پیش کر دیا ہے اور آخر کلام میں ص ۲۴۳ پر تحریر فرمایا ہے

"وبالجملہ حدیثے کہ امام علیہ السلام بفرماید کہ مراد ازآں کنایہ است وبیانے از ایشاں در مجملات نرسیدہ باشد وہمہ ایں احتمالات کہ بعضے از انہا را خود خصم نیز ذکر نمودہ آیا می شود کہ از بابت رجم بالغیب او را دلیل از برائے امرے قرار داد و آیا جائز است از برائے احدی از اہل علم کہ باں تفوہ نماید و او را دلیل از برائے مدعائے خود قرار دادن در مسئلہ از مسائل شرعیہ فضلاً در چنیں مسئلہ از توحید کہ متفرع است بر وے ہمہ الحادات وجحودہا اگر اقامۂ توحید الٰہی وتشیید دین جناب اقدس نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باینچنیں نمود پس علی الاسلام السلام فانا للہ وانا الیہ راجعون"

یعنی "خلاصہ کلام یہ ہے کہ جس حدیث کے بارہ میں خود امام علیہ السلام یہ فرمائیں کہ اس سے مراد کنایہ ہے اور مجملات کی تفصیل میں ان کی طرف سے کوئی صریح بیان بھی نہ ہو اور اس (مجمل کلام) میں یہ تمام (مذکورہ بالا) احتمالات موجود ہوں جن میں بعض کا اقرار خود مخالف (شیخ احسائی) کو بھی ہے۔ آیا محض رجم بالغیب کے طور پر اسے کسی دعویٰ کی دلیل قرار دیا جا سکتا ہے؟ آیا کسی اہلِ علم کے لئے ایسی بات کرنا روا بھی ہے؟ یا اسے کسی بھی مسئلہ میں چہ جائیکہ مسئلۂ توحید میں جس سے سب کفر والحاد متفرع ہوتے ہیں۔ ایسے کلام کو دلیل کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے؟ اگر توحید کا قیام اور رسالت مآبؐ کے دین کا نظام اسی چیز کا نام ہے تو پھر اسلام پر سلام ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون"۔ اس عالم جلیل کے اس گرانقدر بیان پر ہم مزید کسی تبصرہ وکلام کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ کیونکہ "آنجا کہ عیاں است چہ حاجت بیان است"۔

اسی طرح کتاب مستطاب عقل و دین ج ا ب ۲۹/۳ طبع ایران میں مذکورہ بالا بعض احتمالات ذکر کئے گئے ہیں اور آخر میں لکھا ہے

"و بالجملہ اجماع جمیع مسلمین و ضروری اسلام آنست کہ خدا را اسماء حسنیٰ ثبت و آیات و اخبار مملو است از آں و احدے انکار ندارد جز شیخ احسائی و اتباعش در کتاب صافی و سائر کتب روایت کردہ اند از امیرالمومنین علیہ السلام کہ فرمود "اللہ" بزرگ ترین نامے است از نامہا و اسماء الٰہی کہ سزاوار نیست بہ غیر خداوند اطلاق شود۔ پس باید دانست کسانیکہ محمدؐ و آل محمدؐ اور صفات خدا یا خالق یا رازق بدانند مانند نصاریٰ کہ در حق عیسیٰؑ ادعا کردند از اسلام خارجند بلکہ بالاترین ظلم را نسبت بآل محمدؐ روا داشتہ اند و ایشان را شریک خدا قرار دادہ اند" الخ

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ خدا کے اسماء حسنیٰ ہیں آیات و روایات اس سے لبریز ہیں سوائے شیخ احسائی اور اس کے اتباع کے کوئی ان کا منکر نہیں۔ تفسیر صافی وغیرہ تمام الکتب تفسیر و حدیث) میں حضرت امیرؑ سے مروی ہے فرمایا خدا کے تمام ناموں سے زیادہ بزرگ و برتر نام "اللہ" ہے جو غیر خدا پر نہیں بولا جا سکتا۔ پس جو لوگ محمد و آل محمد علیہم السلام کو خدا کی صفات یا ان کو خالق و رازق جانتے ہیں وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔ ان لوگوں نے ان ذوات مقدسہ پر بڑا ظلم کیا ہے کہ ان کو خدا کا شریک قرار دے دیا ہے۔ تعالیٰ عما یقول الظالمون علواً کبیراً۔

پانچواں شبہ اور اُس کا جواب

کہا جاتا ہے کہ چونکہ ائمہ اہل بیت علیہم السلام وسیلہ اور واسطۂ فیض ہیں۔ لہٰذا اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ وہ خدا سے لیتے ہیں اور مخلوق کو پہنچاتے ہیں۔ یہ شبہ دراصل وسیلہ و واسطہ کے مفہوم کو نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے حالانکہ ارباب دانش و بینش پر مخفی و مستور نہیں ہے کہ ان ذوات مقدسہ کے واسطۂ فیض ہونے کا صحیح مطلب یہ ہے کہ یہ بزرگوار باعث تخلیق موجودات اور علت غائی ممکنات ہیں۔ اگر خدا نے آسمان کا شامیانہ لگایا ہے تو ان کی خاطر، اگر زمین کا فرش بچھایا ہے تو ان کی وجہ سے، اگر آفتاب و ماہتاب کی قندیلیں روشن کی ہیں تو ان کے طفیل، غرضیکہ کائنات کا ذرہ ذرہ کو خلعت وجود بخشی گئی ہے تو ان کے صدقہ میں۔ اگر یہ نہ ہوتے تو کائنات کی کوئی چیز کتم عدم سے نکل کر عرصۂ وجود میں قدم نہ رکھتی۔ کما ورد فی الروایات لولاهم لما خلق اللہ آدم ولا حوا ولا الجنة ولا النار ولا الارض ولا السماء ولا شیئاً مما خلق صلوات اللہ علیهم اجمعین (عقائد شیخ صدوق و مقدمہ تفسیر مرآۃ الانوار وغیرہ) اور یہی حدیث لولاک لما خلقت الافلاک کا منشاء ہے۔ (اگر یہ بزرگوار نہ ہوتے تو خدا نہ آدمؑ کو پیدا کرتا نہ حواؑ کو، نہ جنت کو نہ جہنم کو، نہ زمین کو نہ آسمان کو اور نہ کسی اور مخلوق کو")، لہٰذا سلسلۂ موجودات کا قیام۔ فیوض و برکات (خداوندی) کا نزول اور ان کا دوام خدا کے بعد انہی ذوات مقدسہ کا مرہون منت و ممنون احسان ہے۔ اسی طرح ان کے وسیلہ و واسطۂ فیوض ہونے کا یہ مفہوم بھی درست

ہے کہ ان کی شفاعت سے خداوند عالم رزق دیتا ہے۔ ان کی سفارش سے اولاد مرحمت فرماتا ہے۔ ان کے سوال کرنے سے بیماروں کو شفا ملتی ہے اور انہی کی دعا و استدعا سے اہل دنیا کے مشکلات و مصائب دور ہوتے ہیں۔ غرضیکہ نظامِ دُنیا کا بقائے دوام انہی حضراتؑ کی شفاعت و سفارش کے ساتھ وابستہ ہے جیسا کہ قبل ازیں اس موضوع پر تفصیلی گفتگو کی جا چکی ہے اسی بنا پر یہ بزرگوار فرماتے ہیں۔" بنا اثمرت الاشجار و اینعت الاثمار و جرت الانہار و نزل الغیث من السماء و نبت عشب الارض" الخ" ہمارے طفیل درخت پھل دیتے ہیں۔ ہمارے صدقہ میں پھل پکتے ہیں۔ ہماری وجہ سے نہریں جاری ہوتی ہیں۔ ہمارے سبب سے آسمان سے بارش برستی ہے اور ہمارے باعث زمین سے گھاس اگتی ہے۔ الخ (بحار ج ۷، ص۴۹۲) موجودہ دور میں حجتِ خدا حضرت امام العصرؑ والزمان ہیں۔ جن کے متعلق دعائے عدیلہ میں وارد ہے ببقائہ بقیت الدنیا و بیمنہ رزق الوریٰ و بوجودہ ثبتت الارض والسماء یعنی ان کی بقا کی برکت سے دنیا باقی ہے اور ان کے وجودِ مسعود کی برکت سے زمین و آسمان قائم ہیں اور ان کے یمن و برکت سے لوگوں کو رزق مل رہا ہے (مفاتیح الجنان ص۵۸) و لنعم ما قیل ؎

قدم سے مہدیٔ دیں کے زمیں قائم ہے پانی پر
قرار کشتیٔ دُنیا کے لنگر ایسے ہوتے ہیں

زیارت جامعۂ کبیرہ میں ان افعال کے حقیقی فاعل کی تصریح موجود ہے کہ خداوند عالم ہے "بکم فتح اللہ و بکم یختم و بکم ینزل الغیث و بکم یمسک السماء ان تقع علی الارض" خدا نے آپؑ سے ہی کائنات کا آغاز کیا، اور آپؑ پر ہی اس کا اختتام کرے گا۔ اور آپؑ کی برکت سے خدا آسمان کو زمین پر گرنے سے روکتا ہے اور آپؑ کی برکت سے بارش برساتا ہے (مفاتیح الجنان ص۵۴۵)

پس معلوم ہوا کہ یہ کام خود خدا انجام دیتا ہے نہ کہ اہلبیتؑ۔ بعض لوگ ایسی احادیث دیکھ کر جن میں بنا اثمرت الاشجار و جرت الانہار الخ جیسے الفاظ وارد ہیں ان سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں۔ کہ یہ کام خود ائمہ اہلبیتؑ انجام دیتے ہیں۔ یہ مطلب محض غلط ہے۔ ان احادیث میں باءِ سببیہ موجود ہے جس کا وہی مطلب ہے جو اوپر بیان کر دیا گیا ہے۔ کہ ان بزرگواروں کی برکت سے یہ سب اُمور انجام پاتے ہیں۔ اس امر کی تائید مزید ان بعض احادیث سے بھی ہوتی ہے جن میں اس قسم کے الفاظ بعض کامل الایمان مومنین کے متعلق وارد ہوئے ہیں۔ چنانچہ تحف العقول ص۹۴ پر حضرت صادق علیہ السلام سے اہلِ ایمان کی جو تین قسمیں مروی ہیں۔ ان میں سے طبقۂ اعلیٰ کے متعلق آپ فرماتے ہیں" بہم یشفی اللہ السقیم و یغنی العدیم و بہم تنصرون و بہم تمطرون و بہم ترزقون فہم الاقلون عدداً الاعظمون قدراً و خطراً۔ ان کی وجہ سے خدا بیمار کو شفا اور غریب کو مالدار بناتا ہے انہی کے طفیل تمہاری نصرت کی جاتی ہے، بارش برسائی جاتی ہے۔ اور

؎ بائے سببیت کی تفصیل معلوم کرنے کے لئے کتاب مغنی اللبیب ج ۱ ص۱۰۳ طبع مصر وغیرہ کتب نحو کی طرف رجوع کریں (منہ عفی عنہ)

انہی کی برکت سے تمہیں رزق ملتا ہے۔ یہ لوگ اگرچہ تعداد میں قلیل ہیں۔ مگر قدر و منزلت کے اعتبار سے عظیم ہیں۔ اسی طرح علل الشرائع (ص۳۵۱) والی حدیث باقری میں بھی ان افعال کے فاعل کی تصریح موجود ہے کہ "بھم یرزق اللہ عبادہ" "خدا ان کی برکت سے رزق دیتا ہے"۔ اسی طرح جناب امام محمد باقر علیہ السلام اپنے آباء طاہرینؑ کے سلسلۂ سند سے جناب امیرالمومنینؑ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آنجنابؑ نے فرمایا ضاقت الارض بسبعة بھم ترزقون وبھم تنصرون وبھم تمطرون منھم سلمان الفارسی والمقداد وابوذر وعمار وحذیفہ رحمة اللہ علیھم وکان علیؑ یقول وانا امامھم وھم الذین صلوا علی فاطمة علیھا السلام "آج سات آدمیوں کے لئے زمینِ خدا تنگ ہے حالانکہ ان کی برکت سے تمہیں رزق ملتا ہے۔ اور انہی کی طفیل تمہاری نصرت و امداد کی جاتی ہے اور انہی کی وجہ سے بارش برستی ہے۔ ان میں سے سلمانؓ، مقدادؓ، ابوذرؓ، عمارؓ اور حذیفہؓ علیہم الرحمہ ہیں جناب امیرؑ فرماتے ہیں اور میں ان کا امام ہوں۔ یہی وہ حضرات ہیں جنہوں نے جناب سیدہؑ کی نماز جنازہ میں شرکت کی تھی۔ (رجال کشی ص۳ رجال مامقانی ج۲ ص ۴۶/۹۵)

مخفی نہ رہے کہ خصال (ج ۲ ص۱۲) میں ضاقت الارض بسبعة کی بجائے خلقت الارض بسبعة وارد ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ زمین سات آدمیوں کی وجہ سے پیدا کی گئی ہے یا بقول جناب شیخ صدوقؒ اپنے وقت میں زمین سے صحیح فائدہ سات شخصوں نے حاصل کیا ہے۔ والاول اظہر لفظاً ومعناً واللہ العالم۔

کیا کوئی شخص ان احادیث کے پیشِ نظر تسلیم کر سکتا ہے کہ کامل اہل ایمان ان امور کو خود انجام دیتے ہیں۔ اور وہ باذن اللہ خالق و رازق و محی و ممیت ہیں (معاذ اللہ) بہر حال ان کے واسطۂ فیض اور وسیلہ ہونے کا یہ مفہوم کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے کہ وہ خدا سے لیتے ہیں اور مخلوق کو دیتے ہیں یعنی نظامِ عالم کو خود چلاتے ہیں۔ چنانچہ عالمِ جلیل فخر الحاج آقا سید عبد الحسین اپنی کتاب الکلم الطیب در تقریر عقاید اسلام (ج ۱ ص۱۱۹ مطبوعہ اصفہان) پر ائمہ اطہار کے واسطۂ فیض ہونے کی اسی طرح وضاحت کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

> "لکن واسطۂ فیض بودن باین معنی کہ از خدا بگیرند و بخلق بدہند، چنانچہ بعضے گمان کردہ اند درست نیست و نہ تنہا دلیلے برائے اثبات آں مدعا ندارند بلکہ ادلہ برخلاف آں قائم است و این عقیدہ با توحید افعالی منافات دارد"

"یعنی ائمہ اطہارؑ کا یہ معنیٰ واسطۂ فیض ہونا کہ وہ خدا سے لیتے ہیں اور مخلوق کو دیتے ہیں۔ جیسا کہ بعض لوگوں کا گمان ہے درست نہیں ہے علاوہ اس کے کہ اس مطلب کے اثبات پر ان لوگوں کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ الٹا اس کے برخلاف دلائل موجود ہیں اور یہ عقیدہ رکھنا توحید افعال کے منافی ہے"۔ توحید افعالی کا صحیح مفہوم اسی کتاب کے ص۱۰۲ پر یوں بیان کیا گیا ہے۔

"و مراد از توحید افعالی اینست کہ برائے واجب الوجود در افعال از قبیل خالقیت و رازقیت و احیاء و اماتت و عطا و منع وغیرہ شریک نمی باشد و بقدرتِ کاملہ خود پیدا فرماید، روزی می دہد و حیات می بخشد و میراند و زندہ می کنند و در ہیچ کارے احتیاج بمعین و کمک کنندہ ندارد۔"

"یعنی توحیدِ افعال سے مراد یہ ہے کہ واجب الوجود (خدا) کا اپنے افعال مثل خالقیت، رازقیت اور اماتت و احیاء وغیرہ میں کوئی شریک نہیں ہے بلکہ وہ خود ہی اپنی قدرتِ کاملہ سے پیدا کرتا ہے، روزی دیتا ہے، زندگی عطا کرتا ہے۔ اور مارتا و جلاتا ہے۔ غرضکہ وہ اپنے کسی فعل میں بھی کسی معین و مددگار کا محتاج نہیں ہے" علاوہ بریں واسطہ و وسیلہ کے درمیان جو باریک فرق ہے وہ ارباب علم و معرفت پر پوشیدہ نہیں ہے۔ اور ہمیں وسیلہ تلاش کرنے کا حکم دیا گیا ہے نہ واسطہ کا "یا ایہا الذین امنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ" بالخصوص واسطہ فیض کو جن معنوں میں یہ حضرات مراد لے رہے ہیں۔ علمائے محققین کی تصریحات کے پیشِ نظر اس کی نفی کرنا ضرورتِ دین میں سے ہے چنانچہ سید العلماء مولانا سید حسین لکھنوی حدیقہ سلطانیہ ج ۳ ص ۱۹ پر فرماتے ہیں۔

"نفیِ واسطہ فی الخلق از ضروریاتِ دین است۔"

یعنی خلق کرنے میں خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ کی نفی کرنا ضروریاتِ دین میں سے ہے۔" اور ص ۱۲۸ پر لکھا ہے کہ

"در روایاتِ دیگر ماثور است کہ قول آنہا واسطہ کفر است۔"

یعنی روایات میں وارد ہے کہ اہل بیتؑ رسولؐ کو خلق کرنے اور رزق دینے میں آلہ اور واسطہ سمجھنے والا قول کفر ہے۔" لہٰذا معلوم ہوا کہ واسطہ فیض کے وہی معنی درست ہیں۔ جو ہم نے بیان کر دیئے ہیں۔ اور جو یہ حضرات بیان کر رہے ہیں۔ وہ ضروریاتِ دین کے خلاف ہے ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ۔

← اور یہی صحیح مفہوم ہے حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے اس ارشاد کا کہ نحن صنائع ربنا والخلق بعد صنائع لنا یعنی خدا نے ہمیں اپنی ذات کی خاطر پیدا کیا ہے۔ اور باقی مخلوق کو ہماری وجہ سے۔ مقصد یہ کہ یہ بزرگوار علتِ غائی ممکنات ہیں۔ اس مفہوم سے اس پر کوئی زد نہیں پڑتی۔ کہ حدیث میں فقرہ "صنائع لنا" لام کے ساتھ پڑھا جائے جیسا کہ نہج البلاغہ ج ۳ ص ۳۶ طبع مصر میں موجود ہے یا "صنائعنا" بغیر لام کے اضافت کے ساتھ پڑھا جائے۔ جیسا کہ احتجاج طبرسی ص ۲۶۱ طبع النجف پر موجود ہے۔ کیونکہ اہل علم جانتے ہیں۔ کہ اضافت میں ہمیشہ ایک حرف مستتر ہوتا ہے۔ "من" "فی" یا "لام"۔ اس لئے اضافت کی تین قسمیں قرار دی گئی ہیں ۱۔ اضافتِ منی ۲۔ اضافتِ فوی ۳۔ لمی۔ کوئی بھی اضافت ان اقسام سے خارج نہیں ہوتی۔ لہٰذا اس اضافت (صنائعنا) کو بھی انہی میں سے کسی ایک قسم میں داخل کرنا پڑے گا۔ پہلی دو قسمیں تو یہاں بالبداہت مراد ہو نہیں سکتیں۔ لہٰذا اضافت لمی ہی تسلیم کرنا پڑے گی وھذا ھو المطلوب۔ اس کے یہ معنی بالکل غلط اور باطل ہیں کہ "ہم اپنے رب کی صنعتیں ہیں اور تمام مخلوقات اس کے بعد ہماری صنعتیں ہیں۔

(حقائق الوسائل ج۳ ص۱۵۱، معالم الشریعۃ ج۳) اس معنی کو علمائے شیعہ نے کفر قرار دیا ہے چنانچہ جناب آقائے السید مہدی الموسوی ۔۔ اپنی کتاب لوامع الانوار ج۱ ص۱۰۱ پر اس حدیث کو دونوں الفاظ کے ساتھ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ "اقول والمعنی فی کلیھما ای نحن مخلوق اللہ والخلق کلھم مخلوقون لاجلنا لقولہ تعالیٰ لولاک لما خلقت الافلاک لا انھم خالقون وصانعون کما ھو مفاد الظاھر لانہ کفر و زندقۃ لیس من مذھبنا معشر الامامیۃ رضوان اللہ علیھم بل ذلک مذھب الغلاۃ" یعنی میں کہتا ہوں کہ دونوں طرح اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ ہمیں خدا نے اپنے لئے خلق فرمایا ہے۔ اور باقی تمام مخلوق کو ہماری وجہ سے پیدا کیا ہے جیسا کہ حدیثِ قدسی میں خدا کا فرمان ہے "اے رسولؐ! اگر تجھے پیدا نہ کرتا تو افلاک کو پیدا نہ کرتا۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ بزرگوار مخلوق کے پیدا کرنے اور بنانے والے ہیں۔ کیونکہ یہ عقیدہ سراسر کفر و زندقہ ہے۔ ہم شیعیانِ اہل بیتؑ کا یہ عقیدہ نہیں۔ بلکہ یہ غالیوں کا فاسد عقیدہ ہے۔ ان حضرات کے ممدوح خاص آقائے موسوی کی فرمائش سے واضح ہو گیا کہ یہ حضرات غالیوں کے عقائدِ فاسدہ کی نشر و اشاعت کر رہے ہیں۔

چھٹا شبہ اور اس کا جواب

بعض بدعقیدہ روضہ خوان اور نیم ملّا خطرۂ ایمان قسم کے لوگ حدیث شریف صادقؑ "خلق اللہ المشیۃ بنفسھا ثم خلق الاشیاء بالمشیۃ" "کہ خدا نے مشیت کو خود بخود خلق فرمایا اور پھر دوسری اشیا کو مشیت کے ساتھ پیدا کیا" میں وارد شدہ لفظ "مشیت" سے ائمہ اطہارؑ کو مراد لیتے ہیں۔ کہ خدا نے ان کے ذریعہ کائنات کو پیدا کیا ہے یعنی یہ حضرات تخلیقِ کائنات کے کارندہ ہیں۔ یہ اس حدیث کا صحیح مفہوم نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے اور یہ حقیقت ہے کہ یہی ناسمجھی حقائق و معارف کے راستہ میں سنگِ گراں ہے۔ بہرکیف علاوہ اس کے کہ یہ خبرِ واحد ہے جس کے ساتھ اصولِ عقائد میں تمسک کرنا جائز نہیں ہے۔ اس حدیث کا صحیح مطلب یہ ہے کہ امام عالی مقام چاہتے ہیں۔ کہ خداوندِ عالم کا فاعلِ مختار ہونا ثابت کریں۔ بخلاف اکثر فلاسفہ کے جو خدا کو فاعلِ موجَب و مسلوب الاختیار سمجھتے ہیں۔ (مشیت سے مراد ارادۂ خداوندی ہے جو کہ خدا کے صفاتِ فعلیہ میں سے ہے نہ کہ صفاتِ ذاتیہ سے۔ اس کی پوری تحقیق احسن الفوائد میں دیکھی جائے) اس طرح اب اس حدیث شریف کا مفہوم یہ ہوگا۔ کہ خدا نے ارادہ کو خود بخود (بلا کسی اور ارادہ کے) پیدا کیا ہے کیونکہ اگر ہر ارادہ دوسرے ارادہ کا محتاج ہو تو دور یا تسلسل لازم آئے گا۔ اور یہ دونوں باطل ہیں۔ اور پھر تمام اشیاء کو اپنے ارادہ و اختیار سے پیدا کیا ہے۔ یہ معنی بالکل واضح و آشکار اور بے غبار ہیں۔ معمولی علم و بصیرت رکھنے والا آدمی بھی بآسانی سمجھ سکتا ہے اور یہی علمائے اعلام کی تحقیق انیق ہے چنانچہ سید العلماء سید حسین لکھنوی حدیقۂ سلطانیہ ج۱ ص۔۔ پر اس حدیث کے متعلق بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں

> "غرض ازیں حدیث آنست کہ حق تعالیٰ چناں قرار دادہ کہ ہر چیزے بارادہ واقع شود و متعاقب ارادہ را سابق بریں دانستہ نہ آں کہ مشیت و ارادہ چیزے مستقل الوجود است کہ آلہ و یا واسطۂ خلق میانِ خالق یگانہ و مخلوقات او

مسمی بمشیت اللہ و قدرۃ اللہ چنانکہ ایں جماعت توہم کردہ اند الخ

یعنی امام علیہ السلام کی غرض یہ بیان کرنا ہے کہ خداوند عالم نے اس عالم کا سلسلہ کچھ اس طرح قائم کیا ہے کہ ہر چیز اس کے ارادہ کے تحت واقع ہوتی ہے اور خدا کے ارادہ کے معانی قبل ازیں تم معلوم کر چکے ہو۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مشیت و ارادہ کوئی مستقل وجود رکھنے والی چیز ہے جس کا نام "مشیت اللہ" و "قدرت اللہ" ہے جو خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ خلق ہے کہ خدا اس کے ذریعہ چیزوں کو پیدا کرتا ہے، جیسا کہ اس جماعت (مفوضہ و شیخیہ) نے توہم کیا ہے" اسی کتاب کی ج ۲ مبحث امامت ص۱۹۱ پر اسی موضوع کے متعلق لکھا ہے

"ظاہر است کہ مشیت نام عزم ارادہ است و ماخوذ از شاء یشاء مشیۃ و آنرا جوہر نتواں گفت الخ

یعنی واضح ہے کہ مشیت نام ہے عزم و ارادہ کا جو باب شاء یشاء کا مصدر ہے۔ (لہٰذا یہ عرض اور قائم بالغیر ہے) اسے جوہر (قائم بنفسہ) قرار نہیں دیا جا سکتا۔ نیز اسی صفحہ پر لکھا ہے کہ

"نفی واسطہ در خلق از ضروریات دین است"

یعنی خلقت عالم میں واسطہ کی نفی کرنا ضروریات دین میں سے ہے۔"

اسی طرح صاحب رسالہ ہدایۃ المسترشدین نے معرفۃ اصول الدین طبع نجف ص۶۷ پر اسی حدیث کا مفہوم بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں "فلو کان خلق المشیۃ بمشیۃ اخری للزم التسلسل الذی لانہایۃ لہ والمشیۃ تنقسم الی قسمین مشیۃ تکوینیۃ و مشیۃ تکلیفیۃ او تشریعیۃ ولا مشاحۃ فی التسمیۃ والمشیۃ ھی الارادۃ التی ھی صفۃ زائدۃ علی ذاتہ سبحانہ فاللہ سبحانہ خلق جمیع الموجودات بھذہ المشیۃ التی ھی الارادۃ التکوینیۃ الخ یعنی" اگر خدا مشیت کو بھی کسی اور مشیت کے ساتھ پیدا کرتا تو اس سے تسلسل لازم آتا مشیت کی دو قسمیں ہیں۔ مشیت تکوینی اور مشیت تشریعی۔ اور مشیت سے مراد ارادہ ہے جو زائد بر ذات (صفت و فعل) ہے پس خدا نے تمام موجودات کو اسی مشیت کے ساتھ جو بمعنی ارادہ تکوینی ہے خلق فرمایا ہے۔" (انما امرہ اذا اراد شیئا ان یقول لہ کن فیکون) بہرحال ائمہ طاہرین صلوات اللہ علیہم اجمعین مشیت اللہ کا محل ہیں کما ورد فی بعض الزیارات السلام علی محال مشیت اللہ۔ نہ کہ خود مشیت اللہ۔ امام زمان عجل اللہ فرماتے ہیں قلوبنا اوعیۃ لمشیۃ اللہ۔ فاذا شاء شئنا ہمارے دل اللہ کی مشیت کے ظرف ہیں۔ جب وہ کچھ چاہتا ہے تو ہم بھی چاہتے ہیں (بحار ج ۲۵، ص۳۳۷) اگر کسی جگہ ان پر "مشیت اللہ" کا اطلاق ہوا ہے تو یہ "ید اللہ"، "عین اللہ" وغیرہ کی طرح من باب المجاز ہے ان کی مشیت مشیت ایزدی کے تحت ہے۔ خواہ وہ امور تکوینیہ کے متعلق ہو یا امور تشریعیہ کے متعلق۔ وہ ہر حال میں راضی برضائے الٰہی و تابع مشیت خدائی ہیں۔ جیسا کہ ان کی مدح و ثنا میں خود خدائے متعال ارشاد فرماتا ہے وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ و ماشاء اللہ کان و مالم یشاء لم یکن (ارشاد رسولؐ حاشیہ مفاتیح الجنان ص۴۴۲)

وقال سعد اللہ فی العالمین ؎

رضینا قسمۃ الجبار فینا　　لنا علم وللجہال مال

الغرض وہ اس طرح "فنا فی مشیت اللہ" ہیں کہ گویا مجسم مشیت اللہ ہیں۔ وھٰذا حق لا یعتریہ شک ولکن این ھذا من ذالک؟

ساتواں شبہ اور اُس کا جواب

کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالٰے نے آیت مجیدہ فتبارک اللہ احسن الخالقین میں اپنے سوا دیگر خالقین کا اعلان کیا ہے اور اپنی ذات کو ان خالقین میں احسن فرمایا ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ غیر خدا کا خالق ہونا شرک نہیں ہے۔ واللہ خیر الرازقین میں خدا نے اپنے سوا دیگر رازقین کے وجود کا اعلان کیا ہے اور اپنی ذات کو ان رازقین میں افضل فرمایا ہے لہٰذا غیر خدا کا رازق ہونا شرک نہیں ہے۔ یہ شبہ بوجوہ چند در چند حقیقت حال کے سمجھنے میں تسامح و چشم پوشی کرنے پر مبنی ہے اگرچہ ہم احسن الفوائد میں بطریق احسن اس شبہ کا قلع قمع کر چکے ہیں۔ لیکن چونکہ اسے تازہ شائع شدہ بعض کتب و رسائل میں نئے رنگ و روپ میں پیش کیا گیا ہے اس لئے یہاں اس کے ایک دو مزید اجمالی جوابات پیش کئے جاتے ہیں۔ تفصیل کے شائقین کتاب مذکور کی طرف رجوع کریں۔ **فان فیہ شفاءٌ لکل علیل وریًّا لکل غلیل**۔ اس استدلال یا شبہ میں شرع انور کے حقائق کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف الفاظ کے ظاہری لغوی معنوں کا سہارا لیا گیا ہے ورنہ خود اس تحریر سے مترشح ہوتا ہے کہ خود استدلال کنندگان بھی حقیقت الامر کی طرف متوجہ ضرور ہیں۔ چنانچہ خود انہوں نے منقولہ بالا عبارت کے تحت حقیقت کا دبے لفظوں میں بایں طور اقرار کر لیا ہے کہ "درحقیقت خلق و رزق جو صرف خدا کے ساتھ مخصوص ہے وہ عدم سے وجود میں لانا ہے اور وجود میں آنے کے بعد اس کی نسبت غیر خدا کی طرف غلط نہیں (حقائق الوسائط ص ۱۳۶/۱۴۴) اسے کہتے ہیں۔

"جادو وہ جو سر چڑھ کے بولے"

مگر اس شاطرانہ چال کا کیا علاج کہ حقیقت کا اعتراف کرنے کے باوجود کہ حقیقی شرعی مفہوم کے اعتبار سے خالق و رازق صرف خدا ہی ہے۔ مگر عوام کی آنکھوں میں دھول ڈالنے کے لئے پر اسرار و خوشنما الفاظ میں بھی چھپا جا رہا ہے کہ غیر خدا خالق و رازق ہیں"۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ جھگڑا محض نسبت دینے کے جواز یا عدم جواز کا ہے یا نزاع ان امور خلق و رزق کو عدم سے وجود میں لانے کے متعلق ہے؟ ظاہر ہے کہ نزاع اسی آخری امر میں ہے کہ آیا باذن اللہ خلق و رزق کو عدم سے وجود میں لانے والے سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام ہیں۔ یا یہ فعل خود خداوند عالم کا ہے؟ اور جب یہ صاحبان خود اقرار کرتے ہیں کہ "عدم سے وجود میں لانا خدا کے ساتھ مختص ہے۔ تو بعد ازیں یہ سب قیل و قال اور بحث و جدال برائے چہ؟ ع

اگر گویم ——— زبان سوزد

بہرحال جب حقیقی و اصطلاحی معنوں کے اعتبار سے خلق و رزق خدائے تعالٰے کی ذات سے مختص ہیں۔ تو اس

واضح ہو جاتا ہے کہ اگر کسی جگہ ان امور کی نسبت غیر خدا کی طرف دی گئی ہے تو وہ نسبت شرعی نقطۂ نظر کے اعتبار سے مجازی ہے۔ چنانچہ "خلق" کے معنی اصطلاح میں الاخراج من العدم الی الوجود کے ہیں۔ ہاں البتہ اس کے لغوی معنی یہ ہیں۔ "التقدیر والاتقان فی الصنعۃ" کسی چیز کا اندازہ کرنا اور کسی چیز کو عمدہ طریقے پر بنانا (متشابہ القرآن ج ۱ ص ۱۳۱) بنا بریں احسن الخالقین کے معنی یہ ہوں گے۔ "احسن المقدرین واحسن الصانعین" ولا ضیر فیہ چنانچہ کتاب کلیات ابو البقاء ص ۱۶۳ پر لکھا ہے "واحسن الخالقین ای المقدرین اجمع بطریق عموم المجاز اذ لا مؤثر فی الحقیقۃ الا اللہ" یعنی احسن الخالقین کے معنی ہیں احسن المقدرین یا یہ جمع بطور عموم المجاز ہے۔ (اس کی وضاحت احسن الفوائد میں دیکھی جائے) کیونکہ فی الحقیقت اللہ کے سوا اور کوئی مؤثر (اور خالق) نہیں ہے۔ (کذا فی المفردات" للراغب ص ۱۵۹) فراجع۔ باوجود اس کے کہ اس لغوی معنی کے اعتبار سے غیر خدا پر ہنرمند صانع کو خالق کہا جا سکتا ہے، مگر پھر بھی اصول شریعت کے پیش نظر علماء اعلام نے اس کی بھی ممانعت کی ہے۔ چنانچہ علامہ ابن شہر آشوب فرماتے ہیں۔ "انا لا نطلق ہذہ الصفۃ الا فیہ تعالیٰ لان ذلک یوہم" ہم اس صفت (خالقیت) کا اطلاق صرف ذات باری تعالیٰ پر کرتے ہیں۔ کیونکہ (غیر خدا پر اس کا اطلاق کرنا) غلط معنوں کا وہم پیدا کرتا ہے (متشابہ القرآن ج ۱ ص ۱۳۱) اسی طرح سرکار علامہ مجلسیؒ نے آیت قل اللہ خالق کل شیء کے ذیل میں افادہ فرمایا ہے۔ "یدل علی عدم جواز نسبۃ الخلق الی الانبیاء والائمۃ علیہم السلام" یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ خلق (پیدا کرنے) کی نسبت انبیاء وائمہ علیہم السلام کی طرف دینا جائز نہیں ہے۔ (بحار ج ۲۵ ص ۳۴۳) ہل من خالق غیر اللہ؟ اسی طرح اسی باب میں بذیل عنوان "بطلان تفویض علماء اعلام کے کلام کی روشنی میں" حضرت شیخ طوسی اور علامہ طبرسیؒ کا کلام بھی اسی عدم جواز کے سلسلہ میں پیش کیا جا چکا ہے۔ فراجع۔ اور جن آیات میں حضرت عیسےٰؑ کی طرف خلق کی نسبت دی گئی ہے وہ من باب المجاز ہے جس کی تفصیل باب چہارم میں آ رہی ہے انشاء اللہ۔ اسی طرح رزق کے اصطلاحی معنی یہ ہیں۔ "الرزق ما ہو بالانتفاع بہ اولیٰ فاضافۃ الرزق الی اللہ تعالیٰ واجبۃ لانہ خلق الحیوۃ والشہوۃ ومکن من الانتفاع بالقدرۃ والآلات وقال ان اللہ ہو الرزاق المتین وقال ہل من خالق غیر اللہ یرزقکم من السماء والارض" الرزق وہ چیز ہے جس سے استفادہ کرنا اولیٰ ہو۔ (جس پر زندگی کی بقا منحصر ہو) اس کی نسبت خدا کی طرف واجب ہے کیونکہ اسی نے زندگی کو خلق فرمایا ہے۔ اور اسی نے کھانے پینے کی خواہش پیدا کی ہے، اور طاقت وآلات کے ذریعہ اس سے استفادہ کرنے کی قدرت دی ہے چنانچہ اس کا ارشاد ہے "خدا ہی رزق دینے والا ہے اور صاحب قوت ومتانت ہے" اس معنی کے اعتبار سے غیر خدا کی طرف رزق دینے کی نسبت جائز نہیں ہے چنانچہ سرکار علامہ مجلسیؒ آیت مبارکہ اللہ الذی خلقکم ثم رزقکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ہل من شرکائکم من یفعل من ذلکم من شیء سبحانہ وتعالیٰ عما یشرکون۔ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "یدل علی عدم جواز نسبۃ الخلق والرزق والاماتۃ

والاحیاء الی غیرہ سبحانہ وانہ شرک (بحار ج، ص ۳۳) یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ غیر خدا کی طرف خلق ورزق اور اماتت واحیاء کی نسبت دینا ناجائز اور شرک ہے۔ لیکن رزق کے دوسرے معنیٰ کسی کو کچھ بلا عوض دینا بھی ہے۔ جیسے ہبہ، ہدیہ اور وصیت وغیرہ لفظ عطیہ جاریہ کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے "رزق السلطان جندہ" یعنی بادشاہ نے اپنے لشکر کو رزق دیا۔ پس معلوم ہوا کہ اس معنیٰ کے اعتبار سے غیر خدا کی طرف اس کی نسبت مجازاً جائز ہے اس کی تائید خود بعض آیات قرآنیہ سے بھی ہوتی ہے۔ **واذا حضر القسمۃ اولوا القربیٰ والیتمیٰ والمساکین فارزقوھم وقولوا لھم قولاً معروفاً** (پ ۴ س نساء ۱۲) اور جب ترکہ کی تقسیم کے وقت (وہ) قرابتدار (جن کا کوئی حصہ نہیں) اور یتیم بچے اور محتاج لوگ آجائیں تو انہیں بھی کچھ اس میں سے دیدو اور ان سے اچھی طرح بات کرو (ترجمہ فرمان) یہاں اس آیت میں عام لوگوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ تقسیم وراثت کے وقت قرابت داروں، یتیموں اور مسکینوں کو کچھ رزق دیں (یعنی ان کو کچھ عطا کریں)، مگر بایں ہمہ پھر بھی علی الاطلاق غیر خدا کو "رازق" کہنا شرعاً روا نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے فاسد معنیٰ کا توہم ہوتا۔ **کما تقدم بیانہ۔**

علاوہ بریں اس شبہ کا ایک دوسرا جواب یہ بھی دیا جا سکتا ہے کہ آیت "خیر الرازقین واحسن الخالقین" کا مطلب یہ ہے کہ کفار جن کو خالق و رازق سمجھتے تھے ان کے بالمقابل یہ اعلان کیا جا رہا ہے۔ کہ جن کو تم خالق و رازق سمجھتے ہو۔ جب خدا یقیناً خود تمہارے عقیدہ کے مطابق بھی ان سے بہتر خالق و رازق ہے تو پھر افضل کو چھوڑ کر مفضول کے دامن سے متمسک ہونا کہاں کی دانشمندی ہے؟ ان آیات کا طرز و انداز بیان ویسا ہی ہے جیسا حضرت یوسفؑ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ اختیار کیا تھا۔ کہ: **یا صاحبی السجن ارباب متفرقون خیر ام اللہ الواحد القھار؟** اے میرے ساتھیو! کیا متفرق رب بہتر ہیں۔ یا ایک قہار خدا کو پروردگار ماننا بہتر ہے؟ کیا کوئی شخص یہ باور کر سکتا ہے کہ حضرت یوسف کی نگاہ میں خدا کے بالمقابل کچھ برحق رب تھے؟ حاشا و کلا۔ اسی طرح بعض ادعیہ میں وارد ہے **یا رب الارباب ویا ملک الملوک ویا سید السادات ویا جبار الجبابرۃ ویا الٰہ الالھۃ**؂ **صل علی محمد وآل محمد!** اے تمام ربوں کے رب، تمام بادشاہوں کے بادشاہ، تمام سرداروں کے سردار، تمام جابروں پر جابر اور تمام معبودوں کے معبود محمدؐ و آل محمدؐ پر رحمت نازل فرما۔ اہل انصاف بتائیں۔ خدا کے علاوہ کوئی اور معبود ہے؟ حاشا و کلا۔ سب اہل اسلام کا اجماع و اتفاق ہے کہ لا الٰہ الا اللہ یعنی خدا کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ لہٰذا ماننا پڑے گا۔ کہ مطلب صرف یہی ہے کہ جن کو کفار معبود و مسجود سمجھتے ہیں۔ اور فی الحقیقت معبود نہیں تھے۔ خدا ان کا بھی معبود ہے یہی کیفیت خیر الرازقین اور احسن الخالقین کی ہے کہ کفار و مشرکین کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ جن کو تم خالق و رازق سمجھتے ہو۔ جب خود تمہارے ہی عقائد کے مطابق خدا ان سے بہتر خالق و رازق ہے تو پھر اس احسن الخالقین وخیر الرازقین کی بارگاہ کو چھوڑ کر دوسروں کی چوکھٹوں پر جبہ سائی کرنا عقل و دانش پر ظلم کرنے کے مترادف ہے چنانچہ ایک دوسرے مقام پر خدائے حکیم کفار و مشرکین کو جھنجھوڑ کر فرماتا ہے تدعون

؂ (مفاتیح الجنان ص [illegible])

بعلاً وتذرون احسن الخالقین کیا تم لوگ بعل (بت) کو پکارتے ہو اور احسن الخالقین کو چھوڑ دیتے ہو۔ ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ بلکہ فابتغوا عند اللہ الرزق (خداوند عالم سے رزق طلب کرو۔ کیونکہ للہ خزائن السمٰوات والارض زمین و آسمان کے خزانے خدا ہی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ چنانچہ کتاب مفردات راغب اصفہانی (جو کہ لغات القرآن کی مشہور و مستند کتاب ہے) کے ص ۱۵۸ پر احسن الخالقین کے ایک معنی تو وہی لکھے ہیں جو ہم کلیات ابوالبقا کے حوالے سے لکھے ہیں۔ اور دوسرے معنی یہ ہیں " او یکون علی تقدیر ما کانوا یعتقدون ویزعمون ان غیر اللہ یبدع فکانہ قیل فاحسب ان ھھنا مبدعین وخالقین فاللہ احسنھم ایجاداً علی ما یعتقدون الخ یعنی یا اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ جن کو یہ لوگ خالق سمجھتے ہیں خدا ان سے احسن خالق ہے گویا اس طرح کہا جا رہا ہے۔ کہ فرض کرو یہاں کچھ اور خالق و مبدع موجود ہیں۔ جیسا کہ ان لوگوں کا خیال ہے۔ تب بھی خدا ان سے بہتر خالق ہے۔"

آٹھواں شبہ اور اُس کا جواب

ارشاد قدرت ہے ولو انھم رضوا ما آتٰھم اللہ ورسولہ وقالوا حسبنا اللہ سیؤتینا اللہ من فضلہ ورسولہ انا الی اللہ راغبون یعنی اور جو کچھ خدا نے اور اُس کے رسولؐ نے ان کو اپنے فضل و کرم سے عطا فرمایا ہے اگر یہ اس پر راضی رہتے اور کہتے کہ خدا ہمارے لئے کافی ہے۔ ہمیں اللہ اور اُس کا رسولؐ دونوں اپنے فضل و کرم سے عطا کریں گے۔ ہم یقیناً خدا کی طرف رغبت رکھنے والے ہیں۔ تو یہ اظہار ان کے لئے ثبوت ایمان کی دلیل ہوتا۔ ارشاد فرمایا۔ وما نقموا الا ان اغنٰھم اللہ ورسولہ من فضلہ۔ اور ان لوگوں نے محض اس وجہ سے مخالفت کی ہے کہ اللہ نے اور اس کے رسولؐ نے اپنے فضل و کرم سے ان کو دولت مند بنا دیا۔" اس آیت میں صاف صاف اعلان ہے کہ خدا نے اور اُس کے رسولؐ نے اپنے فضل و کرم سے ان کو مالدار بنا دیا ہے۔"

اس شبہ کے جواب میں ہمیں مزید خامہ فرسائی کی ضرورت نہیں ہے بلکہ سابقہ شبہ کے جواب سے اس کا جواب با صواب بھی معلوم ہو جاتا ہے۔ یہاں ایتاء و اغنا کی نسبت من باب المجاز بالکل اسی طرح پیغمبرِ اسلام کی طرف دی گئی ہے جس طرح سرمایہ دار کو حکم دیا گیا ہے کہ وآتوھم من مال اللہ الذی آتاکم۔ (پ ۱۸ س نور ع ۱۰) اللہ کے مال سے غرباء و مساکین کو اسی طرح عطا کرو جس طرح قدرت نے تم کو عطا کیا ہے۔ ان آیات کا تعلق باتفاق تمام مفسرین اسلام ...... مال غنیمت سے ہے یعنی اس مال سے منافقین کو عطا کر کے دولت مند کرنا مراد ہے اور یہ امر محل نزاع سے خارج ہے اس کا نزاعی مسئلہ کے ساتھ بالکل کوئی ربط نہیں ہے۔

اس امر کا ثبوت کہ یہ آیات مال غنیمت و صدقات سے متعلق ہیں اور بعض منافقین کی مذمت میں وارد ہوئی ہیں۔ ان آیات کے سیاق و سباق پر نظر کرنے سے مل جاتا ہے۔ ارشاد قدرت ہے" ومنھم من یلمزک فی الصدقات فان اعطوا منھا رضوا وان لم یعطوا منھا اذا ھم یسخطون۔ ولو انھم رضوا ما آتاھم اللہ ورسولہ

وقالوا حسبنا اللہ سیؤتینا اللہ من فضلہ ورسولہ انا الی اللہ راغبون (پ ۱۰ س توبہ ع ۱۴) (اے رسولؐ) ان میں سے کچھ تو ایسے بھی ہیں جو تمہیں خیرات (کی تقسیم) میں (خواہ مخواہ) الزام دیتے ہیں پھر اگر ان میں سے انہیں (کچھ معقول مقدار) دے دیا گیا تو خوش ہو گئے۔ اور اگر (ان کی مرضی کے موافق) اس میں سے انہیں کچھ نہیں دیا گیا۔ تو بس فوراً ہی بگڑ بیٹھے۔ اور جو کچھ خدا نے اور اس کے رسولؐ نے ان کو عطا فرمایا تھا اگر یہ لوگ اس پر راضی رہتے اور کہتے کہ خدا ہمارے واسطے کافی ہے (اس وقت نہیں تو) عنقریب ہی خدا ہمیں اپنے فضل (وکرم) سے اور اس کا رسول دے ہی گا۔ ہم تو یقیناً اللہ ہی کی طرف لو لگائے بیٹھے ہیں۔ (تو ان کا کیا کہنا تھا) (ترجمہ فرمان) ان ہر دو آیات مبارکہ کو پڑھنے کے بعد اگرچہ اب یہ حقیقت کسی مزید ثبوت کی محتاج نہیں رہتی۔ مگر اطمینانِ قلب کے لئے بعض تفاسیر کے حوالہ جات بھی پیش کئے جاتے ہیں۔ علامہ طبرسیؒ اپنی تفسیر مجمع البیان ج ۳ ص ۴۰ پر فرماتے ہیں۔ "ومنھم ای من ھؤلاء المنافقین یلمزک فی الصدقات۔ ای یعیبک ویطعن علیک فی امر الصدقات۔ ولو انھم رضوا ما آتاھم اللہ ورسولہ معناہ ولو ان ھؤلاء المنافقین الذین طلبوا منک الصدقات وعابوک رضوا بما اعطاھم اللہ ورسولہ الخ"

یعنی کچھ منافق ایسے بھی ہیں جو صدقات وخیرات کے تقسیم کرنے میں تجھ پر عیب لگاتے ہیں اور طعن وتشنیع کرتے ہیں۔ جو کچھ خدا نے اور اس کے رسولؐ نے ان کو عطا فرمایا تھا اگر اس پر راضی ہو جاتے۔" اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ منافقین جو تم سے اور صدقات کا مطالبہ کر کے تجھ پر الزام لگاتے ہیں۔ اگر اس مقدار پر راضی ہو جاتے جو خدا اور رسولؐ نے (مناسب سمجھ کر) ان کو دی تھی (تو یہ بات ان کے لئے اچھی تھی) اسی طرح فاضل کاشانیؒ اپنی تفسیر صافی ص ۲۱۲ پر لکھتے ہیں۔" ولو انھم رضوا ما آتاھم اللہ ورسولہ ما اعطاھم الرسول من الغنیمۃ او الصدقۃ۔ سیؤتینا اللہ من فضلہ صدقۃ او غنیمۃ اخری الخ" یعنی اس آیت مبارکہ "کہ اگر وہ اس مقدار پر راضی ہو جاتے جو خدا اور اس کے رسولؐ نے ان کو عطا فرمائی تھی کا مطلب یہ ہے کہ رسولؐ نے ان کو مال غنیمت یا مال صدقہ سے عطا کیا تھا" اور کہتے عنقریب خدا ہمیں اپنے فضل سے عطا کرے گا" یعنی مال صدقات یا کسی اور مال غنیمت سے عطا فرمائے گا۔"

اسی طرح دوسری مکمل آیت اس طرح ہے۔" ویحلفون باللہ ما قالوا* کلمۃ الکفر وکفروا بعد اسلامھم وھموا بما لم ینالوا وما نقموا الا ان اغناھم اللہ ورسولہ من فضلہ فان یتوبوا یک خیرا لھم وان یتولوا یعذبھم اللہ عذابا الیما فی الدنیا والآخرۃ وما لھم فی الارض من ولی ولا نصیر (پ ۱۰ س توبہ ع ۱۰)

"یہ منافقین خدا کی قسمیں کھاتے ہیں کہ (کوئی بری بات) نہیں کہی حالانکہ ان لوگوں نے کفر کا کلمہ ضرور کہا۔ اور اپنے کے بعد کافر ہو گئے۔ اور جس بات پر قابو نہ پا سکے۔ اسے ٹھان بیٹھے۔ اور ان لوگوں نے (مسلمانوں سے) صرف اس وجہ عداوت کی کہ اپنے فضل وکرم سے خدا نے اور اس کے رسولؐ نے دولت مند بنا دیا ہے۔ تو ان کے لئے اسی میں خیر ہے کہ یہ لوگ اب بھی توبہ کر لیں۔ اور اگر یہ نہ مانیں گے تو خدا ان پر دنیا وآخرت میں دردناک عذاب نازل فرمائے گا۔ اور تمام دنیا میں ان

---

* ولقد قالوا [illegible]

کوئی حامی ہوگا نہ مددگار،، (ترجمہ فرمانؒ) اس آیت میں ان منافقین کی ریشہ دوانیوں کا تذکرہ کیا گیا ہے جنہوں نے شب عقبہ آنحضرتؐ کو شہید کرنے کا ناپاک منصوبہ بنایا تھا۔ اس آیت میں بھی اسی بات کا تذکرہ ہے۔ کہ خدا اور رسولؐ نے مال غنیمت و صدقات سے ان کو دولت مند بنایا تھا۔ مگر ان بدباطنوں نے احسان کا بدلہ برائی سے دیا چنانچہ تفسیر مجمع البیان ج ۱ ص۲۸۳ پر لکھا ہے "وما نقموا الا ان اغناهم الله ورسوله من فضله۔ معناه انهم عملوا بضد الواجب فجعلوا موضع شكر النعمة ان نقموها وبيانه انهم نقموا فيما ليس بموضع للنقمة فانه لم يكن للمسلمين ذنب ينقمونه منهم بل الله تعالىٰ اباح لهم الغنائم واغناهم بذلك فقابلوا النعمة بالكفران وكان من حقهم ان يقابلوها بالشكر الخ۔۔۔۔ یعنی آیت وما نقموا الا ان۔۔۔۔ کا مفہوم یہ ہے کہ جو کچھ ان پر اخلاقاً واجب تھا انہوں نے اس کا اُلٹ کیا۔ یعنی خدا نے ان کے لئے مال غنیمت کو مباح قرار دے کر اس مال سے ان کو دولت مند بنایا تھا۔ انہوں نے اس احسان کا شکر ادا کرنے کی بجائے الٹا کفرانِ نعمت کیا۔" (وکذا فی التفسیر الصافی ص۲۱۲) یہ ہے ان لوگوں کے اس مایۂ ناز استدلال کی حقیقت جس پر اتراتے ہوئے کہتے ہیں" کہ اہل حق قیامت تک اس کا جواب نہیں دے سکتے" ان حقائق کی روشنی میں واضح و آشکار ہوگیا کہ یہ استدلال تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ بودہ اور کمزور ہے وان اوھن البیوت لبیت العنکبوت ایسی آیات مبارکہ کے ساتھ استدلال کرکے یہ لوگ اپنے علم و فضل اور دین و دیانت کا کوئی اچھا مظاہرہ نہیں کرتے۔ ھداھم اللّٰہ ثم الی صراط مستقیم۔

بایں ہمہ بعض حضرات کو اصرار ہے کہ جب "شئی سے شئی بنانا یعنی مادۂ موجودہ کی شکل بدل دینا بھی خلق ہے" اور اسی طرح "جب لغتِ عرب میں رزق کے معنی عطا کرنا بھی ہیں تو پھر غیر خدا کو خالق و رازق کہنا کیوں درست نہیں ہے؟" اس کے متعلق ہوا یا واضح رہے کہ اگر یہ دھاندلی روا رکھ لی جائے کہ شریعتِ مقدسہ کی اصطلاحات اور اس کے اصولوں سے قطع نظر کرکے صرف لغوی معنوں کا سہارا لے کر اس طرح نام تقسیم کرنا شروع کر دیئے جائیں تو اس سے دو عظیم خرابیاں لازم آئیں گی۔ ایک یہ کہ ہمارے متعلقہ مسئلہ میں موجودہ مادہ میں کسی قسم کا تغیر کرنے والا خالق کہلانے لگے گا۔ خواہ وہ نجار ہو یا سادہ حتیٰ کہ حائک (جولاہا) بھی کیوں نہ ہو۔ اور اسی طرح کسی کو کچھ عطا کرنے والا ہر شخص رازق کہلوانا شروع کر دے گا۔ کالقاسم کان (جو بھی ہو) اس طرح پھر اہل بیتؑ کی فضیلت ہی کیا رہ جائے گی؟ دوسری یہ کہ اس طرح ہر خبر دینے والا "نبی" اور ہر پیغام رساں "رسول" کہلانے لگے گا۔ کیونکہ لغتِ عرب کی رُو سے "نبی" خبر دینے والے اور "رسول" پیغام پہنچانے والے کو ہی کہا جاتا ہے۔ کیا مستدل صاحبان اس دھاندلی کو روا رکھنے کے روادار ہیں؟ قل اللّٰہ اذن لکم ام علی اللّٰہ تفترون۔ خدا کا شکر یہ ہے کہ بعض خود اپنی کتب میں بھی کھل کر اس حقیقت کا اقرار کر لیا گیا ہے کہ حقیقی معنوں کے لحاظ سے خالق و رازق خدا ہی ہے۔ چنانچہ امام زمانہؑ کی توقیع مبارک "ان اللّٰہ خالق الاجسام وقسم الارزاق لانہ لیس بجسم ولا حال فی جسم لیس کمثلہ شئی" کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھا ہے: "یعنی خدا ہی وہ ہے کہ جس نے اجسام کو پیدا کیا۔ کیونکہ

وہ جسم نہیں ہے۔ یعنی عدم سے وجود میں لانے والا اجسام کا وہی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ وہ جسم نہیں ہے اور نہ جسم میں حلول کرنے والا ہے۔ کیونکہ جو خود جسم ہوگا وہ جسم کو عدم سے وجود میں لانے والا نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح رزق کو عدم سے وجود میں لانا بھی اُسی کا کام ہے۔" (حقائق الوسائل ص۱۵) بعد ازیں صرف لفظی نزاع ہی باقی رہ جاتا ہے۔ حقیقی معنی کے لحاظ سے نہ یہ غیر خدا کو خالق و رازق سمجھتے ہیں اور نہ ہم اور لغوی اعتبار سے ہم بھی درست سمجھتے ہیں۔ اور یہ بھی۔ مگر فرق صرف اس قدر ہے کہ ہم لغت کے ساتھ ساتھ شرعی اصولوں کو بھی پیش نظر رکھتے ہیں۔ اس لئے علی الاطلاق غیر خدا پر لفظ خالق و رازق کا اطلاق جائز نہیں سمجھتے۔ کیونکہ اس سے حقیقی معنوں کا توہم ہوتا ہے۔ مگر یہ حضرات ان اصولوں کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف لغوی معنوں کا سہارا لے کر غیر خدا پر خالق و رازق کا اطلاق کرتے ہیں۔ جو کہ صحیح نہیں ہے حالانکہ یہ بات یعنی یہ کہ حقیقی وارثان شریعت کے ارشادات اور ان کے مقرر کردہ اصولوں کو نظر انداز کر کے صرف لغوی معنوں کا سہارا لے کر کوئی مطلب ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ایک ایسی مسلمہ حقیقت ہے کہ استدلال مذکور کرنے والوں نے بھی اس کی صداقت کا اقرار کر لیا ہے چنانچہ ایک اور مقام پر زیر عنوان "الفاظ قرآن کا مقصد لغت سے حل نہیں ہو سکتا۔" لکھتے ہیں "قرآن مجید میں الفاظ بالتحقیق عربی ہیں۔ اور اسی زبان پر وہ نازل ہوا ہے۔ لیکن ظاہری الفاظ کا ورد کرنا اور قرأت کرنا مقصود خدا نہیں ہے۔ بلکہ اس کے معانی و مطالب اور تاویل مراد خدا ہے۔ اور اس کا علم بغیر وحی و الہام نہیں ہو سکتا۔ مثلاً صلوٰۃ، زکوٰۃ، حج یا لفظ نبی و امام، رسولؐ یا لفظ ید، وجہ، ساق، یا لفظ غضب، رحمت، تحیت یا لفظ بیت، قریہ، مدینہ۔ یا لفظ علم قدرت، ارادہ یا لفظ صراط، سبیل، سبل وغیرہ خدا کی طرف منسوب ہو کر لغوی معنی میں باقی نہیں رہتے۔ اس لئے ان الفاظ کے مقاصد و معانی خداوندی، کتب لغت سے حل نہیں کیا جا سکتے۔ جیسا کہ ہماری اس کتاب کے مطالعہ سے ثابت ہو جائے گا۔ لہٰذا مراد و مقصد خدا معلوم کرنے کے لئے وحی و الہام کی ضرورت ہے۔ اسی مطلب کو خداوند عالم نے اس آیت وافی ہدایہ میں بیان فرمایا ہے وما یعلم تاویلہ الا اللّٰہ والراسخون فی العلم۔ جب مقصد خدا کا بغیر وحی والہام علم ممکن نہیں ہے۔ تو ہمارے علوم ناقصہ اور آرائے کاسدہ سے جو کچھ ثابت ہوگا۔ وہ ہمارے ہی عقول کا مخلوق ہوگا۔ اور اس پر عمل اور اعتقاد بے دینی کہلائے گی۔ کیونکہ دین صرف امر و نہی خدا کا نام ہے نہ کہ اپنے طبع زاد آراء کا" (حقائق الوسائل ص۳/۲۸۱) نقلناہ بطولہ بجودۃ محصولہ۔ ہم اس بیان کی حرف بحرف تائید کرتے ہیں۔ مؤلف نے جہاں ایسے الفاظ کی طویل فہرست پیش کی ہے جن کا مقصد و معنی بغیر وحی و الہام کے محض لغت کی مدد سے حل نہیں کیا جا سکتا۔ کاش کہ اس میں لفظ خلق و رزق، اماتت و احیاء اور شفا کا بھی اضافہ کر دیتے۔ اس طرح مطلب اور واضح ہو جاتا۔ مگر افسوس اس بات کا ہے کہ مؤلف نے اس اصول کی اپنی کتاب میں پابندی نہیں کی۔ بلکہ اس اصول کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دی ہیں۔ جہاں دیکھو لغوی معانی کا سہارا، قیاسات کی ڈھارس، اور ذاتی آراء و خیالات کی پناہ لی ہے جیسا کہ اس کتاب کے ناظرین پر یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے۔ بہر حال ہم اسی زریں اصول کی روشنی میں یہ دریافت

کرتے ہیں کہ اسی کتاب حقائق الوساطہ ص ۱۲ و ص ۱۳۰ و ص ۱۳۵ اور ص ۱۴۲ وغیرہ پر ائمہ اہل بیتؑ کو خالق و رازق ثابت کرنے کے لئے مؤلف نے صرف لغوی معنوں اور ذاتی قیاس کا سہارا نہیں لیا؟ لیکن جبکہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ ان الفاظ قرآنی کا مقصد و مطلب بغیر وحی و الہام متعین نہیں کیا جا سکتا تو پھر ہم ببانگ دہل کہتے ہیں کہ یا ان معاون وحی و تنزیل یعنی سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کا کوئی مستند فرمان پیش کریں۔ جس میں انہوں نے اپنے اوپر لفظ خالق و رازق وغیرہ کا اطلاق کیا ہو یا دوسروں کو اس کی اجازت دی ہو۔ اگر ایسا نہیں کر سکتے اور تا طلوع آفتاب قیامت یقیناً نہیں کر سکتے۔ ولو کان بعضهم لبعض ظهیراً۔ تو پھر صرف لغوی معانی کا سہارا لے کر ائمہ ہدیٰ کو خالق و رازق کہنے کے بدعقیدے سے توبۃ النصوح کریں۔ ولعل الله یقبل توبتهم وان کان یظهر من اخبار السادة الاطهار ان توبة الضال المضل لا تقبل الا ان یرد الضال الذی اضل عن ضلالته وهو متعسر بل متعذر ولا سیما بعد موته حتی یلج الجمل فی سم الخیاط۔ والله الموفق۔

نواں شبہ اور اس کا جواب

بحار الانوار جلد ہفتم میں ایک حدیث معرفۃ بالنورانیۃ حضرت امیر المومنینؑ اور اس کے ساتھ ملتی جلتی ایک روایت حضرت امام زین العابدینؑ کی طرف منسوب ہے جس میں یخلق باذنہ و یرزق باذنہ کے الفاظ موجود ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام باذن اللہ خلق کرتے اور رزق دیتے ہیں اس کے متعلق جواباً عرض ہے کہ ہفتم بحار الانوار ص ۲۷۲ طبع تبریز پر ایک باب موجود ہے جس کا عنوان ہے "باب نادر فی معرفتهم صلوات الله علیهم بالنورانیة وذکر جمل فضائلهم علیهم السلام" اور اس باب میں علامہ مجلسیؒ نے کسی پرانی قلمی کتاب سے (جس کے مؤلف کا نام خود سرکار موصوف کو بھی معلوم نہیں۔) دو طویل الذیل اور غریب المضامین حدیثیں درج کی ہیں۔ اور ہر حدیث کو درج کرنے کے بعد اپنی علمی شان کے مطابق پوری دیانت داری کے ساتھ ان کے متعلق اپنی رائے گرامی کا اظہار کر دیا ہے یعنی اس کی تضعیف فرما دی ہے چنانچہ حدیث معرفۃ بالنورانیہ لکھنے کے بعد بذیل عنوان "بیان" فرماتے ہیں۔ اقول لو صح صدور هذا الخبر عنه لاحتمل ان یکون المراد به وبامثاله ان الانبیاء علیهم السلام بالاستشفاع بانوارنا رفعت عنهم المکاره والفتن" یعنی اگر اس خبر کا آں جناب سے صادر ہونا تسلیم کر لیا جائے۔ تو پھر (انا الذی حملت نوحا" میں وہ ہوں جس نے نوح کو کشتی میں سوار کیا) یا اس قسم کے اور جملوں کے متعلق احتمال ہے۔ کہ ان کا مطلب یہ ہو کہ ہمارے انوار مقدسہ کے ساتھ توسل کرنے کی وجہ سے انبیاء کے مشکلات و مصائب دور

شاید آپ ارشادات معصومینؑ کی روشنی میں ان کے لئے خالق و رازق کے الفاظ کب دکھا سکیں گے! البتہ ہم بھی یہ دکھا دیتے ہیں کہ معصومینؑ نے ان لوگوں کو کافر قرار دیا ہے" جو ان کو باذن اللہ بھی خالق و رازق قرار دیں۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں "من قال نحن الخالقون بامر الله فقد کفر" یعنی جو شخص ہمیں بامر اللہ بھی خالق کہے وہ کافر ہے (شرح خطبہ طتنجیہ ص ۲۲ حدیقۂ سلطانیہ ص ۳ و ص ۱۶ رسالہ تصحیح العقائد ص ۳ طبع حیدر آباد دکن بحوالہ بحار الانوار جلد ۲۵ ص ۳۴۳)

ہوتے تھے۔ (لہٰذا وہ من باب المجاز یہ فرماتے ہیں کہ ہم نے ایسا کیا اور ویسا کیا الخ

اسی طرح دوسری روایت جس میں تخلق باذنہ کے الفاظ موجود ہیں، نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ اقول انما افردت لهذه الاخبار بابًا لعدم صحة اسانيدها وغرابة مضامينها فلا نحكم بصحتها ولا ببطلانها ونرد علمها اليهم عليهم السلام (بحار ج، ص۳۷۲) میں کہتا ہوں کہ میں نے ان اخبار کے لئے ایک علیحدہ باب اس لئے منعقد کیا ہے کہ ان اخبار کی سندیں صحیح نہیں ہیں۔ علاوہ بریں ان کے مضامین بھی عجیب و غریب ہیں۔ لہٰذا ہم نہ تو ان کے صحیح ہونے کا حکم لگاتے ہیں۔ اور نہ ہی ان کو بالکل غلط قرار دیتے ہیں۔ بلکہ ان کی حقیقت کا علم انہی بزرگواروں کے سپرد کرتے ہیں۔"

ارباب عقل و انصاف غور فرمائیں کہ آیا اصولِ عقائد کے مرحلہ میں جہاں صحیح السند اخبار احاد پر بھی اعتماد کرنا جائز نہیں ہے۔ آیا ایسے اخبار غریبہ پر عقائد کی دیوار استوار کی جا سکتی ہے جن کے ناقل خود ان کو صحیح نہ سمجھتے ہوں۔ یا اهل الكتاب لم تلبسون الحق بالباطل وتكتمون الحق وانتم تعلمون۔

کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ ہماری قوم علمی سطح سے اس قدر گر چکی ہے کہ آج اس کے نام نہاد واعظ و مبلغ اپنے مبلغ علم کے مطابق ایسی روایات کو ان کے سامنے پیش کرتے ہیں، ان کے تراجم شائع کرتے ہیں۔ اور بلا تاویل ان کو ان کے ظاہری معنوں پر محمول کرکے عوام کے عقائد و اعمال کو خراب و برباد کر رہے ہیں اور اس نام نہاد معرفت پر اتراتے ہیں۔ اور مزید برآں علماء اعلام کو ان کا مطالعہ کرنے کا مشورہ دیتے ہیں (گویا ان کے خیال میں ان روایات پر علماء کی نظر نہیں ہے)، مگر کوئی روکنے ٹوکنے اور عملی محاسبہ کرنے والا نہیں ہے کیونکہ اہل حق کی گرفت ڈھیلی ہے۔ وما يتبع اكثرهم الا ظنا ان الظن لا يغني من الحق شيئًا۔ اور یہ سب صرف اس لئے ہے کہ ائمہ اہل بیتؑ کے حق میں تقصیر نہ ہو جائے لیکن انہیں اس کی ہرگز پروا نہیں کہ مبادا کہیں توحید کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹ جائے اور شرک و غلو کے چاہ ضلالت میں نہ گر جائیں۔ وان الشرك لظلم عظيم۔

دسواں شبہ اور اس کا جواب

حضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت مطلقہ جس کو امام جعفر صادق علیہ السلام نے انشا فرمایا ہے میں ایک جگہ وارد ہے ارادة الرب في مقادير اموره تهبط اليكم وتصدر من بيوتكم (مفاتیح الجنان ص۴۲۴) یعنی اے اہل بیت محمدؐ! اللہ تعالٰے کا ارادہ جملہ امور کی مقدار میں تمہارے ہاں نازل ہوتا ہے اور تمہارے گھر سے صادر ہوتا ہے۔ معلوم ہوا ارادہ اللہ تعالٰے فرماتا ہے۔ لیکن جملہ امور تقسیم اہل بیتؑ کے ذریعہ ہوتے ہیں۔

اس شبہ کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ یہاں ارادۃ الرب سے بظاہر ارادہ تشریعیہ مراد ہے۔ یعنی وہ ارادہ جو امور شریعت سے متعلق ہوتا ہے۔ نہ ارادہ تکوینیہ۔ کیونکہ یہ ارادہ اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر نہیں جاتا ثم حسن الف

میں اس پر مکمل تبصرہ کر چکے ہیں۔ کہ ارادہ صفاتِ فعل میں سے ہے اور خدا کا ارادہ بندوں کے مانند بھی نہیں کہ اس کی تکمیل میں کچھ مقدمات طے کرنے پڑیں۔ بلکہ الارادۃ من اللہ احداثہ اللہ کے ارادہ کا مطلب یہ ہے کسی چیز کو وجود دینا۔ (ارشاد امام صادقؑ در حدیث الہلیج مندرجہ بحار) فارادۃ اللہ الفعل یعنی خدا کے ارادہ کا مطلب ہے کام کرنا (توحید صدوقؒ) مطلب یہ کہ ارادہ ہوا اور مراد واصل ہو گئی۔ بنا بریں جب اس ارادہ کا کوئی مکان ہی نہیں۔ تو عرش سے اوپر نیچے آنے جانے کا مطلب کیا ہے؟ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ اس سے مراد شرعی امور کے متعلق ارادہ ہے جس کی تائید بعد والے فقرہ "عما فصل من احکام العباد" یعنی یہ کہ جو کچھ آپ کے گھروں سے صادر ہوتا ہے وہ بندوں کے احکام کی تفاصیل ہیں۔ یہ مطلب بالکل درست ہے کیونکہ حلال و حرام اور دیگر تمام مسائل و احکام شرعیہ کا علم دوسرے لوگوں کو اسی خانوادہ عصمت و طہارت کے ذریعہ ہوتا ہے۔

دوسرا جواب۔ اور اگر تسلیم کر لیا جائے کہ اس ارادہ سے مراد ارادہ تکوینیہ ہے تو پھر اس شبہ کا جواب وہی ہے جو تیسرے شبہ کا پیش کیا گیا ہے۔ کہ اس فقرہ کا مطلب سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ لیلۃ القدر میں فرشتے تمام امور کو لے کر بغرض اطلاع و اعلام اور تحیہ و سلام خدمت امام زمانؑ میں حاضر ہوتے ہیں۔ اور پھر اپنی ڈیوٹی کی انجام دہی پر چلے جاتے ہیں۔ یہ اس جملہ کا ایسا صاف و صریح مطلب ہے کہ جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے چنانچہ عالم ربانی علامہ محمد تقی کاشانی اپنی کتاب الوافی ج ۲ ص ۱۰ پر زیارت مطلقہ کے اسی جملہ کی شرح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

"یعنی انتم الذین یعلمونہا اولاً ثم تفصل (من بیوتکم) الی سائر الناس فیہ اشارۃ الی ما ینزل الیہم فی لیلۃ القدر من کل امر یکون فی السنۃ یعنی اے اہل بیت رسولؐ! تم سب سے پہلے خدا کے ارادہ کو معلوم کرتے ہو۔ پھر آپ کے گھروں سے دوسرے لوگوں کی طرف صادر ہوتا ہے۔ اس میں لیلۃ القدر میں فرشتوں کے سال بھر کے امور لے کر حاضر ہونے کی طرف اشارہ ہے۔" جس طرح لیلۃ القدر میں فرشتوں کے خدمت امام میں حاضر ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ امام علیہ السلام ان کی ڈیوٹیاں تقسیم کرتے ہیں۔ جیسا کہ اس کی تحقیق سابقاً کی جا چکی ہے۔ اسی طرح اس فقرہ سے بھی یہ بات ثابت نہیں ہوتی۔ حذو النعل بالنعل والقذۃ بالقذۃ۔

گیارھواں شبہ اور اس کا جواب

حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام خدا کے خلیفہ ہیں۔ لفظ خلیفہ کے موارد استعمال سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تین معنوں میں مستعمل ہے۔ (۱) بیٹا۔ یہاں یہ معنی درست نہیں۔ کیونکہ خدا کا کوئی بیٹا نہیں ہے (۲) کسی مرے ہوئے کا وارث ہو۔ یہ معنی بھی یہاں صحیح نہیں ہیں۔ کیونکہ خدا حی لایموت ہے (۳) مظہر صفات و آئینۂ کمالات۔ یہ معنی درست ہیں۔ یعنی یہ حضرات خدا کے صفات کے مظہر اور اس کے کمالات کا آئینہ ہیں۔ جو کام وہ کرتا ہے یہ بھی کرتے ہیں۔ چونکہ یہ خدا کے جانشین ہیں۔ لہٰذا ان کو خالق و رازق سمجھنا درست ہے۔"

یہ شبہ بچند وجہ درجۂ اعتبار سے ساقط ہے

اولاً۔ یہاں تک ظاہر و مظہر کی بحث کا تعلق ہے سطور بالا میں چوتھے شبہ کے جواب میں اس فاسد نظریہ کا قلع قمع کیا جا چکا ہے وہاں رجوع کیا جائے (فلا نطیل الکلام بالتکرار)

ثانیاً۔ یہ جانشینی والی بات بھی یہاں لایعنی معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہ جانشینی یا مقام میں ہوگی یا مکان میں۔ اور یہاں یہ دونوں شقیں باطل ہیں پہلی شق اس لئے کہ کوئی مخلوق خالق کے منصب و مقام پر فائز ہو۔ یہ بات عقلاً و شرعاً محال و ناممکن ہے۔ اور دوسری شق اس لئے کہ خدا کا کوئی حیز و مکان نہیں ہے۔ تاکہ کوئی اس کا جانشین بنے وہ لازمان و لامکان ہے۔

ثالثاً۔ اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ بزرگوار خدا کے جانشین ہیں تو اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ وہ خدا کی ہر ہر صفت میں اس کے قائمقام ہوں۔ مثلاً خدا جسم و جوہر اور مکان و زمان کے حدود و قیود سے منزہ و مبرا ہے تو یہ بھی ان امور سے منزہ ہوں۔ خدا خالق و رازق ہے۔ تو یہ بھی خالق و رازق ہوں۔ خدا لم یلد ولم یولد کا مصداق ہے تو یہ بھی بیوی بچوں سے بے نیاز ہوں وعلی ہذا القیاس۔ لہذا ماننا پڑے گا کہ یہ جانشینی اور قائم مقامی صرف بعض مخصوص امور میں ہے اور وہ نظام شریعت ہے۔ جیسا کہ قبل ازیں اسی باب میں اس کی مکمل وضاحت کی جا چکی ہے۔ اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ خداوند عالم حضرت داؤد سے فرماتا ہے۔ یاداؤد انا جعلناک خلیفۃ فی الارض فاحکم بین الناس۔ اے داؤد ہم نے تمہیں خلیفہ بنایا ہے۔ اس لئے تم لوگوں میں عدل و انصاف کے ساتھ حکم کرو۔ صاحبان عقل و فکر کے لئے لمحۂ فکریہ ہے کہ احکام شریعت نافذ کرنا کیا اور خلق و رزق وغیرہ امور تکوینیہ کی انجام دہی اور وہ بھی بطور خلیفہ ڈیوٹی کجا۔ ع

سماع وعظ کجا نغمۂ رباب کجا ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

رابعاً۔ انبیاء و اوصیا کو خلیفۃ اللہ محض اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ بزرگوار لوگوں کے نہیں بلکہ خدا کے مقرر کردہ ہیں۔ یہ نسبت مجازی اور یہ اضافت تشریفی ہے۔ جیسے خانہ کعبہ کو بیت اللہ اور ماہ رمضان کو شہر اللہ۔ بغرض تعظیم و تکریم کہا جاتا ہے۔ ان کو خلیفۃ اللہ اس لئے نہیں کہا جاتا کہ وہ خدا کے صفات کے اوتار۔ یا نظام عالم چلانے میں اس کے قائم مقام ہیں۔ سبحان اللہ عما یقول الظالمون علواً کبیراً۔

خامساً۔ اگر خلیفہ کا یہی مفہوم ہو جو اس شبہ میں بیان کیا گیا ہے تو پھر ان آیات کا مفہوم کیا ہوگا۔ ھو الذی جعلکم خلائف فی الارض (پ س فاطر ع) "خدا وہ ہے جس نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا" اسی طرح قوم صالح کو خطاب ہوتا ہے واذکروا اذ جعلکم خلفاء "اس احسان کو یاد کرو کہ خدا نے تمہیں خلیفہ بنایا" تو کیا یہ تمام لوگ خدا کے جانشین یا اس کے کمالات و صفات کے مظہر تھے؟ اگر یہاں یہ کہا جائے کہ وہ گذشتہ امتوں کے جانشین تھے۔ تو پھر یہاں بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ جناب آدم قوم جنات و نسناس کے۔ جناب داؤد سابقہ نبیوں کے۔ سرکار خاتم الانبیاء تمام انبیاء و مرسلین کے اور ائمہ طاہرین جناب خاتم النبیین کے قائم مقام و جانشین تھے۔ نیز آدم و داؤد کے واقعہ میں ان کے خلیفۃ اللہ ہونے کی

تصریح ہے بلکہ خلیفہ ہونے کا تذکرہ ہے۔ اور نہ ان آیات میں لوگوں کے خلفاء اللہ ہونے کا تذکرہ ہے بلکہ صرف خلیفہ ہونے کا بیان ہے۔ ہاں البتہ بوجہ نصب و تقرر خداوندی انبیاء و ائمہ کو من باب المجاز و بغرض تعظیم و تکریم خلیفۃ اللہ کہا جاتا ہے (درسے از ولایت)

بارھواں شبہ اور اس کا جواب

قرآن مجید میں مذکور ہے کہ جب جبرئیل متمثل بہ بشر ہو کر جناب مریم کے پاس پہنچے۔ اور جناب مریمؑ نے گھبرا کر ان سے خدا کی پناہ مانگی۔ تو انہوں نے جواباً کہا انما انا رسول ربك لاهب لك غلاما زكيا " میں تمہارے پروردگار کا ایلچی ہوں تاکہ تمہیں پاکیزہ بچہ عطا کروں"۔ اس سے معلوم ہوا کہ جناب جبرئیل بچہ عطا کر سکتے ہیں تو پھر سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کیوں نہیں دے سکتے؟

اس شبہ کا جواب واضح ہے کہ جناب جبرئیل کے کلام میں اعطاء الولد کی نسبت ان کی طرف مجازی ہے۔ ورنہ اولاد عطا کرنے والا خداوند عالم ہی ہے جبرئیل تو صرف بشارت دینے آئے تھے چنانچہ اس بات کی تصدیق خود کلام مجید میں مذکورہ بالا سوال و جواب کے بعد موجود ہے۔ کہ جناب مریمؑ نے بچے کی بشارت کی خبر سن کر تعجب کے لہجہ میں کہا انی یکون لی ولد ولم یمسسنی بشر؟ بھلا میرے ہاں کیونکر بچہ ہو سکتا ہے جبکہ کسی انسان نے مجھے چھوا بھی نہیں؟ جناب جبرئیلؑ نے جواب میں کہا قال کذلك قال ربك هو علي هين تمہارے پروردگار نے فرمایا ہے کہ یہ بات (باپ کے بغیر اولاد دینا) مجھ پر آسان ہے۔ (پ ۱۶ - س مریم ع ۲) اس جواب سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ بچے کا پیدا اور عطا کرنے والا الغرض مالک و متصرف خدا ہے نہ جبرئیلؑ۔ وہ تو صرف مبشر ہیں۔ تفسیر مقتنیات الدرر ج ۲ ص ۱۱۲ پر مرقوم ہے کہ ان النفخ فی مریم کان من جبرئیل والخلق من اللہ۔ "پھونک مارنا جبرئیلؑ کا کام تھا اور بچہ پیدا کرنا خدا کا کام"۔ اسی معمولی سی مناسبت کی بنا پر "عطیہ ولد" کی نسبت جبرئیل کی طرف دے دی گئی ہے ورنہ انهم لا يدعون انهم يخلقون شيئا معا انفرد به بل عباد مكرمون لا يسبقونه بالقول وهم بامره يعملون۔ (نہج البلاغہ ج ۱ ص ۱۶۵)

ایسا ہی واقعہ جناب خلیل خدا کی زوجہ محترمہ کے ساتھ بھی پیش آ چکا تھا۔ جب فرشتوں نے ان کو اولاد کی خوشخبری دی۔ تو موصوفہ نے سن کر کہا۔ "االد وانا عجوز وهذا بعلي شيخا۔ میں بچہ جنوں گی حالانکہ میں بڑھیا ہوں اور میرے شوہر بھی بوڑھے ہیں۔ فرشتوں نے کہا۔ اتعجبين من امر الله۔ کیا آپ خدا کے امر قدرت سے تعجب کرتی ہیں؟ وہ قادر مطلق جو چاہے کر سکتا ہے۔ (پ ۱۲ س ہود ع ۷) معلوم ہوا کہ اولاد عطا کرنا خدا کا فعل ہے اسی لئے تو جناب ابراہیمؑ خدا کا شکر ادا کرتے ہیں۔ الحمد لله الذي وهب لي على الكبر اسماعيل اور انہی حقائق کی بنا پر انبیاء و مرسلین اور عباد اللہ الصالحین ہمیشہ خدا سے ہی اولاد طلب کرتے تھے۔ رب هب لي من لدنك ذرية طيبة انك سميع الدعاء (پ ۳ س آل عمران ع ۱۲)

تیرھواں شبہ اور اس کا جواب

جب حضرت امیر المومنینؑ بالاتفاق قسیم النار والجنۃ ہیں تو اگر دنیوی رزق بھی وہی بزرگوار تقسیم کریں تو اس میں کیا استبعاد ہے؟ اس شبہ کا جواب واضح ہے۔ کہ

شریعتِ مقدسہ میں قیاس حرام ہے فروعِ دین میں اس پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا ہے چہ جائیکہ اصول اعتقادیں اس پر اعتماد کیا جائے۔ جب تک بطریق ائمہ طاہرینؑ کوئی قطعی دلیل نہ پہنچے۔ صرف ایسا ہونا ممکن ہے" اس میں کیا استبعاد ہے؟! ایسے ظنون و اوہام پر عقائد کی دیوار کھڑی نہیں کی جا سکتی۔ چونکہ جنت و نار کی تقسیم کے ان کے متعلق ہونے پر ائمہ اطہارؑ کے متعدد آثار و اخبار موجود ہیں۔ اس لئے ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ آنجنابؑ قسیم الجنۃ والنار ہیں۔ اور تقسیم رزق کے متعلق چونکہ معصومینؑ کے ارشادات نہیں ملتے۔ اس لئے ہم بلا دلیل یہ عقیدہ نہیں رکھ سکتے۔ بلکہ اس کی نفی پر آیات و روایات موجود ہیں۔

(۱) ارشاد ربانی ہے نحن قسمنا بینھم معیشتھم فی الحیوۃ الدنیا (پ ۲۵ س زخرف ع ۹) ہم نے ہی زندگانی دنیا میں انسانوں کا رزق تقسیم کیا ہے۔

(۲) اسی طرح ایک مقام پر ارشاد فرماتا ہے ولو بسط اللہ الرزق لعبادہ لبغوا فی الارض ولکن ینزل بقدر ما یشاء (پ س ع) اگر خدا تعالے (اپنے سب) بندوں کے رزق کو وسیع کر دیتا۔ تو وہ زمین میں بغاوت کرتے۔ لیکن جتنی مقدار مناسب سمجھتا ہے نازل کرتا ہے۔

(۳) ارشاد قدرت ہے اللہ یبسط الرزق لمن یشاء و یقدر (پ ۱۳ س رعد ع ۴) خدا جس کی روزی چاہتا ہے فراخ کر دیتا ہے اور جس کی چاہتا ہے کم کرتا ہے۔

(۴) احتجاج طبرسی میں جناب رسول خداؐ کی ایک طویل حدیث شریف موجود ہے جس میں آنحضرتؐ نے کفار قریش کے تمام اعتراضات کے شافی و کافی جوابات دیئے ہیں۔ ان کے اس اعتراض " لولا نزل ھذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم " کہ یہ قرآن (مکہ یا طائف) کے دو بڑے شہروں میں سے کسی بڑے (مالدار آدمی) پر کیوں نہیں اتارا گیا) کے جواب میں آنحضرتؐ نے فرمایا (لیس قسمۃ اللہ الیک بل اللہ ھو القاسم للرحمات والفاعل لما یشاء فی عبیدہ و امائہ) اللہ کی تقسیم تمہارے متعلق نہیں ہے بلکہ وہ خود ہی رحمتوں کے تقسیم کرنے والا ہے وہ جو چاہتا ہے اپنے بندوں اور کنیزوں کے ساتھ سلوک کرتا ہے (۱۵)

(۵) پھر ذرا آگے چل کر فرماتے ہیں " ولکن الحکم للہ یقسم کیف یشاء و یفعل کما یشاء " لیکن حکم خدا کا چلتا ہے وہ جس طرح چاہے تقسیم کرے اور جو چاہے سو کرے (۱۶)

(۶) حضرت امام رضا علیہ السلام رب العالمین کے معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں مالکھم و خالقھم و سائق ارزاقھم الیھم من حیث یعلمون و من حیث لا یعلمون فالرزق مقسوم و ھو یاتی ابن آدم علی ای سیرۃ سارھا من الدنیا لیس تقوی متق بزائدہ و لا فجور فاجر بناقصہ الخ یعنی رب العالمین کا مطلب یہ ہے کہ خدا ان کا مالک و خالق اور جہاں سے انہیں علم بھی نہ ہو ان کا رزق پہنچانے

والا ہے۔ رزق مقسوم و مقدر ہو چکا ہے۔ فرزند آدمؑ جہاں بھی ہو اس کا مقررہ رزق اس تک پہنچ جائے گا۔ نہ پرہیزگار کی پرہیزگاری اسے بڑھا سکتی ہے نہ گنہگار کی گنہگاری اسے گھٹا سکتی ہے (عیون اخبار الرضاؑ ج ۱ باب ۲۸ ص ۴۲ طبع جدید)

(۷) جناب امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام سے ارزاق الخلائق کے متعلق سوال کیا گیا۔ فرمایا فی السماء الرابعة تنزل بقدر و تبسط بقدر۔ رزق چوتھے آسمان میں ہیں جو خدا کی قضا و قدر سے نازل ہوتے ہیں اور اسی کے فیصلہ کے مطابق فراخ ہوتے ہیں (تفسیر صافی ص ۴۹۴ ذیل آیت وفی السماء رزقکم سورہ الذاریات)

(۸) آیت مبارکہ کل یوم ہو فی شان کی تفسیر میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا یحیی و یمیت و یرزق و یزید و ینقص۔ یعنی خدا ہر روز زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ رزق دیتا ہے اور اس میں کمی بیشی کرتا رہتا ہے۔ (تفسیر صافی ص ۴۹۸ تفسیر سورہ رحمن)

(۹) قبل ازیں جناب امیرالمومنینؑ کا یہ ارشاد نقل کیا جا چکا ہے قدّر الارزاق فکثّرها و قلّلها و قسمها علی الضیق و السعة خدا نے رزق مقدر کئے اور اسی نے کمی بیشی کے ساتھ ان کو تقسیم فرمایا۔ (نہج البلاغہ ج ۱ ص ۱۸۱ طبع مصر) علاوہ بریں قبل ازیں اس قسم کی کئی آیات و روایات پیش کی جا چکی ہیں۔ جن میں وارد ہے کہ خداوند عالم ہی رازق اور رزق کو کم و زیادہ کرنے والا ہے۔ اور اس کی بسط و کشاد اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ ان حقائق کی روشنی میں واضح ہو گیا۔ کہ قسیم الرزق خداوند عالم ہی ہے۔

(۱۰) حضرت امیرالمومنینؑ کے یہ اشعار آبدار زبان زد خلائق ہیں ؎

رضینا قسمة الجبار فینا   لنا علم و للاعداء مال
فان المال یفنی عن قریب   و ان العلم یبقی لا یزال

یعنی ہم خدا کی اس تقسیم پر راضی ہیں کہ اس نے ہمیں علم و فضل اور ہمارے دشمنوں کو مال و منال دیا۔ کیونکہ مال عنقریب فنا ہو جائے گا۔ لیکن علم ہمیشہ باقی رہے گا۔" اس سے بھی یہی واضح ہوتا ہے۔ کہ خدا رزق تقسیم کرتا ہے۔

(۱۱) امام موسیٰ کاظمؑ ایک دعا میں فرماتے ہیں۔ یا خالق الخلق و یا باسط الرزق" اے مخلوق کے خالق اور رزق کے فراخ کرنے والے الخ (عیون الاخبار ج ۱ ص ۱۹)

(۱۲) نماز عشا کے تعقیب میں یہ دعا پڑھی جاتی ہے اس میں وارد ہے وانت الذی تقسم بلطفك اے خدا تو ہی اپنے لطف و کرم سے رزق تقسیم کرتا ہے" (مفاتیح الجنان ص ۱۹) قطع نظر ان دلائل قاطعہ کے اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو یہ تقسیم رزق والی بحث بالکل مہمل سی معلوم ہوتی ہے۔ یہ خود تقسیم تقسیم کی رٹ لگانے والوں کو بھی معلوم نہیں کہ اس کا مفہوم کیا ہے؟ کیونکہ اگر تقسیم سے مراد تقدیر ہے یعنی رزق مقدر کرنا تو بالاتفاق رزق مقدر کرنے والا خدائے قادر و قیوم ہی ہے۔ اور اگر یہ مطلب ہے کہ کوئی مال و اسباب کا خزانہ موجود ہے جس میں سے مٹھیاں

بھر بھر کر مولا تقسیم فرماتے ہیں تو یہ بالوجدان غلط ہے کیونکہ روزی کسب و اکتساب یعنی کمانے اور ہاتھ پیر ہلانے سے ملتی ہے (ولیس للانسان الا ما سعیٰ) ایسا نہیں ہے کہ چھت کے سوراخ سے رزق نازل کر دیا جاتا ہے۔ بہر حال یہ تقسیم رزق والی بحث بالکل ہی لا یعنی اور مہمل ہے۔

وہ مقررین قابلِ داد ہیں جو اس مقام پر دوسرے خلیفہ کے چیونٹی کو ڈبیا میں بند کرنے اور جناب امیرؑ کے اس کے منہ میں دانہ ڈالنے" جیسے بے سروپا اور بے اصل و بے بنیاد قصص و حکایات سے اس قسم کے اعتقادی مسائل کو ثابت کرنے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں۔ نہ بیان کرنے والوں کو خود معلوم کہ اس من گھڑت قصہ کا ثبوت کیا ہے؟ اور نہ سامعین کو یہ توفیق کہ حوالہ دریافت کریں۔ ؎

وزیرے چنیں شہریارے چناں

اگر قوم میں تحقیق و جستجو کا یہ جذبہ پیدا ہو گیا تو پھر ایسے بے لگام مقررین دین کو کھلونا نہیں بنا سکیں گے۔ الحمد للہ اب دن بدن قوم خواب گراں سے بیدار ہو رہی ہے اور عوام کو الو بنانے والوں کا یوم الحساب قریب ہے۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز

چودھواں شبہ اور اس کا جواب

کتاب نفس الرحمان ص۴۹ پر امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک حدیث نقل کی گئی ہے جس کا ترجمہ مستدل کے الفاظ میں یہ ہے۔

> "جب اللہ کسی امر کو نافذ کرنا چاہتا ہے تو پہلے اس کو رسول اللہ پر پیش کرتا ہے، پھر امیر المومنینؑ پر۔ پھر یکے بعد دیگرے باقی ائمہ اطہارؑ پر یہاں تک کہ اس کو امام زمانہؑ کے پاس پیش کیا جاتا ہے۔ اور پھر دنیا میں نافذ کیا جاتا ہے۔ اور جب فرشتے چاہتے ہیں کہ کسی عمل کو اللہ کے پاس پیش کریں تو پہلے وہ امام زمانہؑ کے پاس پیش کیا جاتا ہے۔ پھر یکے بعد دیگرے باقی ائمہؑ کے پاس یہاں تک کہ وہ رسول اللہؐ کی خدمت میں پیش ہوتا ہے۔ اور پھر خدا کے پاس پیش ہوتا ہے۔ پس جو کچھ اللہ تعالےٰ کی طرف سے نازل ہوتا ہے۔ وہ آنحضرتؐ اور ائمہ اطہارؑ کے ہاتھوں پر نازل ہوتا ہے۔ اور جو کچھ اللہ کی طرف جاتا ہے وہ آنحضرتؐ اور ائمہ اطہارؑ کے ہاتھوں سے جاتا ہے اور وہ چشم زدن سی دیر بھی اللہ سے مستغنی نہیں ہوتے"

اسی طرح بصائر الدرجات ص۲۳ وغیرہ میں امام زین العابدین علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا (ترجمہ) "اے ابو حمزہ! طلوع شمس سے قبل نہ سویا کرو۔ چونکہ اس وقت اللہ تعالےٰ بندوں کے رزق تقسیم کرتا ہے۔ اور ہمارے ہاتھوں پر جاری فرماتا ہے۔" ان حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ "بندوں کے رزق ائمہ معصومینؑ کے دست ہائے مبارک سے جاری کئے جاتے ہیں۔" یہ ہے بعض حضرات کے عقیدہ مع الدلیل کا خلاصہ جس پر انہوں نے بڑا زور دیا اور کئی صفحات سیاہ کر کے اسے افراط و تفریط کے مابین درمیانی نظریہ قرار دیا ہے۔ نہ معلوم وہ یہ لکھ کر تردید کس کی کر رہے ہیں؟ اس پر تو ہمارا بھی ایمان ہے کہ جب بھی کوئی فرشتہ زمین پر آتا ہے تو پہلے ان ذوات مقدسہ کی خدمت میں حاضر ہوتا

ہے اور جب واپس جاتا ہے تو اُن کی خدمت میں حاضری دے کر جیسا کہ یہ مضمون متعدد احادیث میں وارد ہے۔ بحث طلب امر تو یہ ہے۔ کہ فرشتوں کی آمد و رفت کس غرض کے ماتحت ہے؟ آیا خدا کو ان حضرات سے مشورہ لینا مطلوب ہے؟ یا ان حضرات کو نظام عالم چلانے میں کچھ دخل ہے؟ یا امور تکوینیہ کو یہ حضرات نافذ کرتے ہیں؟ یہ استدلال ص۲۲۴ پر پیش کرنے والے نے اپنی کتاب کے ص۲۵۸ پر اس پہلی حدیث کا آخری حصہ نقل کرنے کے بعد ان سوالوں کا نفی میں جواب دیتے ہوئے لکھا ہے: "یہ صحیح الاسناد روایت تمام سابقہ روایات (واردہ در تفسیر سورۃ انا انزلناہ و تاقبل) کا مفہوم واضح کر دیتی ہے کہ حق تعالیٰ اپنے تمام مقدر امور کے احکام کو پہلے ان ذوات مقدسہ کی خدمت میں پیش کرتا ہے۔ اور پھر کائنات میں ملائکہ کے ذریعے نافذ و رائج کرتا ہے جس کا مقصد محض ان حضرات معصومینؑ کی عظمت و جلالت اور رفعت شان کا اظہار ہے نہ یہ کہ ذوات مقدسہ اس کے افعال و اختیارات میں شریک یا مشاور ہیں" (جواہر الاسرار ص۲۵۸) پھر اس مطلب کی تائید میں سرکار علامہ مجلسی کا کلام بحار ج، ص۲۶۴ سے پیش کیا ہے۔ بعینہ یہی مطلب ہم اصول الشریعہ طبع اول کے ص۲۲۱ پر پیش کر چکے ہیں۔ لہٰذا موصوف نے جو کچھ لکھا ہے وہ ہماری تائید مزید ہے نہ تردید۔

اس حدیث اور بیان میں بار بار اس امر کی وضاحت کی گئی ہے۔ کہ امور کو مقدر بھی خدا کرتا ہے۔ اور ملائکہ کے ذریعہ نافذ بھی خدا کرتا ہے۔ اللہ کی بارگاہ میں فرشتوں کی یہ آمد و رفت محض ان کی عظمت شان و بلندی مقام کے اظہار کے لئے ہے و بس۔"

باقی رہی دوسری حدیث اس کا صحیح مفہوم وہی ہے جو اس کتاب کے ناشر نے اپنے وضاحتی نوٹ میں لکھا ہے کہ "بندوں کے رزق کا ائمہ طاہرین کے ہاتھوں پر جاری کرنے سے مراد آپ کے وسیلہ برکت اور توسط سے جاری کرنا ہے جیسا کہ سابق روایت میں ہے۔ کہ خداوند عالم جو چیز اپنے بندوں پر نازل کرتا ہے تو پہلے اس کو فرشتے خدا کے حکم سے یکے بعد دیگرے رسالت مآبؐ اور ائمہ ہدیٰؑ کے علم میں لانے کے لئے ان کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ بعد ازاں بندوں پر نازل ہوتی ہے۔ اس امر کا ثبوت مابعد کی روایت میں بالوضاحت ہے" (ناشر جواہر الاسرار ص۲۵۸) حدیث میں تقسیم کی نسبت خود خدائے لم یزل کی طرف ہے۔ معلوم ہوا کہ تقسیم خدا ہی کرتا ہے۔ ہاں بوجہ حجت رزق ہونے کے ائمہ ہدیٰ کی طرف نسبت مجازی ہے۔ وبیمنہم رزق الوریٰ وبوجودہم ثبتت ثم والحمد للہ علیٰ وضوح الحال و انکشاف الاجمال

پندرھواں شبہ اور اس کا جواب

ایک خطبہ جو کہ خطبۃ البیان کے نام سے موسوم ہے حضرت امیر المومنینؑ کی طرف منسوب ہے اس سے تفویض اور ان حضرات کا خالق و رازق ہونا ابت ہوتا ہے کیونکہ اس خطبہ میں وارد ہے: انا داحی الارضین۔ انا مورق الاشجار۔ انا المصور فی الارحام۔ ناحی و امیت انا اخلق و ارزق۔ یعنی زمینوں کا فرش بچھانے والا، درختوں پر پتے اگانے والا، رحم مادر بچے کی تصویر کشی کرنے والا میں ہوں۔ میں زندہ کرتا ہوں اور میں مارتا ہوں۔ میں خلق کرتا ہوں اور میں رزق دیتا ہوں۔

الارشاد و اسمار

اگرچہ ہم نے احسن الفوائد میں (صفحہ ۲۳۶ سے صفحہ ۲۴۲ تک طبع اول) اس شبہ کا تفصیلی اور قطعی جواب پیش کر دیا ہے اور روایت و درایت اور علمائے اعلام کے کلام حق ترجمان سے ثابت کر دیا ہے کہ یہ جناب امیر المومنینؑ کا کلام معجز نظام نہیں ہے اس لئے اس کے ساتھ تمسک کرنا بالکل غلط ہے۔ اور بفرض تسلیم اس کا وہ مفہوم نہیں ہے جو مفوضین کہتے ہیں شائقین تفصیل اس کتاب کی طرف رجوع کریں۔ تاہم مزید اطمینان اور وضاحت کی خاطر ذیل میں دو چار اور جلیل القدر علماء اعلام کا کلام حقیقت ترجمان پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) حضرت علامہ مرزا ابو الحسن تنکابنی اپنی کتاب مستطاب قصص العلماء طبع بمبئی ص ۲۵۰ پر حضرت امیر علیہ السلام کی طرف منسوب حدیث انا خالق السموات والارض کا جواب دیتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

"می گوئیم کہ ایں خبر مجعول و کذب محض و افترا است و ایں خبر در خطبۃ البیان محمود علی دیدار است۔ کہ از موضوعات است و شیخ رجب برسی صوفی نیز آں را در کتب خود نقل کردہ والا پس علماء عالی مقدار و مشہورین اعصار از علماء اخیار و فضلاء ابرار و نقاد اخیار و ائمۂ اخبارؒ مانند غواص اخبار علامہ مجلسی اعلی اللہ مجالس الرضا والرضوان صاحب بحار الانوار و سید رضی جامع خطب حیدر کرار صاحب نہج البلاغۃ و ثقۃ الاسلام شیخ کلینی تا مدار و اضراب ایشاں ایں خبر را نقل نکردہ اند۔ و در ہیچ کتاب معتبرے آں را ندیدیم و نشنیدیم بلکہ بعضے از افاضل اکابر حکم بوضع و تصریح بر کذب آں فرمودہ اند" یعنی ہم کہتے ہیں کہ یہ روایت بالکل جعلی اور من گھڑت ہے۔ یہ خبر محمود علی دیدار کے خطبۃ البیان میں موجود ہے جو کہ موضوعات و من گھڑت اخبارات میں سے ہے۔ اسے شیخ رجب برسی صوفی نے بھی اپنی کتب میں درج کیا ہے۔ ورنہ دوسرے عالی مقدار تمام زمانوں کے مشہور علمائے اخیار و فضلائے ابرار اور ائمہ اخبارؒ کے ناقدین کبار مثل غواص بحار الاخبار سرکار علامہ مجلسی علیہ الرحمہ اور جناب سید رضی جامع خطب حضرت حیدر کرار صاحب نہج البلاغۃ اور ثقۃ الاسلام حضرت کلینی مرحوم یا ان جیسے دیگر علماء ذوی الاقتدار نے اسے اپنی اپنی کتب میں نقل نہیں کیا۔ اور نہ ہم نے اسے کسی معتبر کتاب میں دیکھا ہے اور نہ سنا ہے بلکہ بعض علماء افاضل نے اس کے وضعی و جعلی ہونے کی تصریحات فرمائی ہیں۔ جیسے حضرت علامہ مجلسی در ہفتم بحار ص ۳۴ محقق قمی در جامع الشتات و محدث خوئیؒ در منہاج البراعۃ ج ۴ ص ۳۶۵ وغیرہم)

(۲) زبدۃ الفضلاء حضرت آقا سید اسماعیل النوری اپنی کتاب کفایۃ الموحدین ج ۱ ص ۲۴۱ طبع ایران میں تحریر فرماتے ہیں۔

"آنچہ تفحص نمودیم دریں باب چیزے نیافتیم و چیزے ہم در اخبار نرسیدہ اینکہ نسبت خلق و رزق و اماتت و احیا بایشاں دادہ شود علی الاطلاق بلی در خطبۃ البیان بعضے ازیں الفاظ مذکور است۔ ولکن ایں خطبہ را اصحاب

---

۱ مصنفہ [illegible] کتاب فی الرد علی الصوفیہ"

ما نقل نمودہ اند و گفتہ اند کہ ایں خطبہ را بعضے از غلاۃ موضوع نمودند و آں را نسبت دادند بحضرت امیر المومنین علیہ السلام و اصل ناقلین ایں خطبہ ہم نیز بعضے از عامہ می باشند و خود جناب شیخ نیز تصریح کردہ است بعدم اعتبار او چنانچہ در شرح زیارۃ در مقام نقل بعضے از اخبار رجعت می گوید کہ من در خصوص ایں مضمون خاص کہ عدد اصحاب حضرت عجل اللہ فرجہ ہر یک از آں ہا از بلد خاصے باشند و تعداد آں ہا از بلدان متفرقہ حدیثے دریں باب ندیدیم مگر در خطبۃ البیان و آں اعتبارے ندارد ... (الی ان قال) پس بایں احوال چہ حجت و دلیل خواہد شد ایں خطبہ برائے احدی"۔

یعنی ہم نے جہاں تک تتبع اور جستجو کی ہے احادیث میں کوئی ایک دلیل نہیں ملی جس کی بنا پر خلق و رزق اور اماتت و احیاء کی نسبت ائمہ اہل بیتؑ کی طرف دینا علی الاطلاق جائز ہو۔ ہاں البتہ اس قسم کے بعض الفاظ خطبۃ البیان میں مذکور ہیں۔ لیکن اس خطبہ کو ہمارے علماء نے نقل نہیں کیا بلکہ یہ فرمایا ہے کہ اس خطبہ کو بعض غالیوں نے وضع کر کے حضرت امیر علیہ السلام کی طرف اس کی نسبت دیدی ہے۔ اور اس کے ناقل بھی بعض سنی المذہب حضرات ہیں۔ خود شیخ (احمد احسائی تفویضی) نے بھی اس خطبہ کے ناقابل اعتبار ہونے کی تصریح کی ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی کتاب شرح الزیارہ میں رجعت کا بیان کرتے ہوئے حضرت حجت عجل اللہ فرجہ کے ہر شہر سے مخصوص اصحاب کے عدد کے بارہ میں لکھا ہے۔ کہ اس سلسلہ میں ہمیں سوائے خطبۃ البیان کے اور کوئی حدیث نہیں ملی۔ اور یہ خطبہ ناقابل اعتبار ہے (بعد ازاں صاحب کتاب نے اس خطبہ کے اختلاف نسخ و عبارات کو کہ ایک نسخہ کے ساتھ دوسرا نہیں ملتا اس کے بطلان کی دلیل قرار دیتے ہوئے آخر میں لکھا ہے) پس ان حقائق کی روشنی میں یہ خطبہ کیوں کر کسی شخص کے لئے کسی مطلب کے اثبات پر دلیل بن سکتا ہے"۔ ہم دیباچہ میں ارشادات معصومینؑ کی روشنی میں ثابت کر چکے ہیں کہ یہ فرقہ غالیہ اپنے باطل دعووں کے ثبوت میں بے حجاب حدیثیں گھڑ لیا کرتا تھا۔

(۳) فاضل محترم آقائے محسن تفویض کی رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں "فما یفہم من بعض الروایات ومنہا خطبۃ البیان من مدخلیۃ الائمۃ فی وجود الاشیاء و اثبات العلۃ الفاعلیۃ لہم بالنسبۃ الیہا فلابد من تاویلہ ان صح سندہ والا فطرحہ ... متعین کخطبۃ البیان التی لم توجد الا فی کتب الغلاۃ او فی اذہان غفلۃ العوام حفظنا اللہ من وسواس الشیطان"۔ اور یہ جو بعض روایات سے کہ منجملہ ان کے ایک خطبۃ البیان بھی ہے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ائمہ اہل بیتؑ کو اشیاء عالم کے وجود میں کچھ دخل ہے۔ اور یہ کہ وہ ان اشیاء کی علت فاعلی ہیں۔ تو اگر اس قسم کی روایات کی سند صحیح ہوئی تو ان کی لازماً تاویل کی جائے گی۔ ورنہ انکو نظر انداز کر دیا جائے گا۔ جیسے خطبۃ البیان کہ اس کا سوائے غالیوں کی کتابوں کے یا (حقیقت حال سے) غافل عوام الناس کے ذہنوں کے اور کہیں وجود نہیں ہے۔ خدا ہمیں وسوسۂ شیطانی سے محفوظ رکھے"۔ (صراط الحق ج ۳ ص ۳۳۴)

(۴) آیۃ اللہ المجاہد جناب علامہ سید حامد حسین (صاحب عبقات) اپنی کتاب استقصاء الافحام ج ۳ ص ۲۷۴ پر مخالف

کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے جس نے خطبۃ البیان کے بعض مندرجات کی بنا پر مذہب شیعہ پر ایراد کیا تھا فرماتے ہیں " والزام وقتے متصور می شد کہ تصریح اہل حق بصحت این خطبہ ثابت میگردد و وانی لہ ذالک " یعنی یہ الزام اس وقت درست ہوتا کہ اہل حق (شیعہ) نے اس خطبہ کے صحیح ہونے کی کہیں کوئی تصریح کی ہوتی۔ اور مخالف اسے کب ثابت کرسکتا ہے؟

(ہ) علامہ سید حسین لکھنوی نے اپنی کتاب حدیقہ سلطانیہ ج ۲ ص ۲۱۸/۲۱۹ پر اس خطبہ کی شدت سے پر زور الفاظ میں رد فرمائی۔ ایک جگہ لکھتے ہیں " و دیگر مخفی نماند کہ غلاۃ شیعہ بسیار دعوی ہائے بلند و سخنان چند با آنحضرتؑ نسبت دادند بعضے آنحضرتؑ را خدا گفتند[۱] چوں راوی خطبۃ البیان مجہول است می تواند بود کہ این خطبہ را یکے از ایشان با آنحضرتؑ منسوب کردہ باشند " الخ یعنی مخفی نہ رہے غالی شیعوں نے بہت سے بلند و بالا دعوے آنجنابؑ کی طرف منسوب کئے ہیں کہ کسی غالی نے خود وضع کرکے اسے جناب امیر علیہ السلام کی طرف منسوب کر دیا ہو الخ

انکشاف حقیقت

چونکہ کوکب دری کے مؤلف نے اس خطبہ کو خواجہ محمد دہدار کے کسی رسالے سے نقل کیا ہے اب غور طلب بات یہ ہے کہ یہ خواجہ محمد دہدار کون ہیں؟ ان کی شخصیت کیا ہے۔ اور ان کا مذہب کیا ہے؟ اس سلسلہ میں محیی الخاصہ علی العامہ جناب علامہ حامد حسین اعلی اللہ مقامہ کی تحقیق بڑی وقیع و قابل قدر ہے۔ وہ اپنی مایہ ناز کتاب استقصاء الافحام ج ۲ ص ۳۷۷ طبع لکھنؤ پر فرماتے ہیں۔ کہ " محمد بن محمود الملقب بہ دہدار کہ از اکابر علمائے اہل سنت است و حاشیہ بر نفحات جامی مشہور و پیش فقیر ہم حاضر " یعنی محمد بن محمود ملقب بہ دہدار اکابر علمائے اہل سنت میں سے ہیں نفحات الانس جامی (جو کہ تصوف میں ہے) پر ان کا حاشیہ مشہور اور فقیر (مصنف کتاب) کے پاس موجود ہے " اسی طرح علامہ سید حسین لکھنوی کے حدیقہ سلطانیہ ج ۲ ص ۲۱۸ پر حضرت قاضی نور اللہ شوشتری (شہید ثالث) اعلی اللہ مقامہ کا وہ کلام حق ترجمان نقل کیا ہے جو انہوں نے میر یوسف علی کے بعض سوالات کے جواب میں ارشاد فرمایا جس کا تعلق خطبہ البیان سے تھا۔

" جواب آنست کہ ثبت العرش ثم انقش سخن در اثبات است و کلام ما تا غایت نہ اثبات صحت خطبۃ البیان بحضرت امیر مومناں نبودہ بلکہ مؤلف آن مانند شیخ مرد صوفی مجہول المذہب بودہ "

یعنی اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے تخت تو ثابت کرو۔ پھر اس پر کچھ لکھو۔ کلام اس میں ہے کہ آیا خطبۃ البیان صحیح بھی ہے؟ اس خادم (شہید ثالثؒ) کے نزدیک تا حال جناب امیر المومنینؑ کی طرف اس کا انتساب ثابت نہیں ہے۔ بلکہ اس خطبہ کا مؤلف شیخ (سعدی) کی طرح ایک مجہول المذہب صوفی ہے " ان دو جلیل القدر محقق علماء اعلام کے کلام سے معلوم ہو گیا کہ اس خطبہ مجہولہ کا اصل راوی بلکہ مصنف ایک سنی العقیدہ اور صوفی المسلک شخص ہے اور ہم ارشادات معصومینؑ کی روشنی میں کئی بار ثابت کر چکے ہیں کہ اغیار سے اہل بیت رسولؐ کی کوئی فضیلت والی روایت بھی اس وقت تک قبول نہیں کی جا سکتی جب تک بطریق ائمہ اہلبیتؑ اس کی تائید مزید نہ ہوتی ہو۔ اور یہاں اس خطبہ کی تائید کی بجائے مذہب اہلبیتؑ کے ذمہ دار علماء اعلام بڑی شد و مد سے اس کی رد فرما رہے ہیں۔ تو بعد ازیں بھی کوئی معمولی عقل و انصاف اور دین و دیانت رکھنے والا انسان اس خطبہ پر اپنے اعتقاد کی بنیاد رکھ سکتا ہے؟ قل یا اہل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم ان لا نعبد الا اللہ و لا نشرک بہ شیئاً و لا یتخذ بعضنا بعضاً ارباباً من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشہد انا مسلمون۔

---

[۱] حتی کہ بعض نے تو انہیں خدا بھی کہہ دیا ہے چونکہ اس خطبہ کا راوی مجہول ہے اسلئے ممکن ہے

چوتھا باب

انبیاؑ و ائمہ علیہم السّلام سے استمداد کے جواز و عدم جواز کا بیان

تیسرے باب میں جو حقائق و معارف پیش کئے گئے ہیں اگرچہ ان میں سے اس موضوع (استمداد از انبیاؑ و ائمہؑ) کا بھی فیصلہ ہو جاتا ہے یعنی جب مذکورہ بالا باب میں عقلی و نقلی دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ سے ثابت کر دیا گیا کہ خلق و رزق و اماتت و احیاء وغیرہ امور تکوینیہ خدا نے انبیاؑ و ائمہؑ کے سپرد نہیں فرمائے۔ تو اس سے یہ حقیقت مسلم قرار ہو جاتی ہے کہ ان امور میں ان ذواتِ مقدسہ سے مدد مانگنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مگر چونکہ یہ مسئلہ قدیم الایام سے محل بحث و تمحیص اور معرکۃ الآراء بنا ہوا ہے۔ لہٰذا ضروری سمجھا گیا کہ اس موضوع پر ایک مستقل باب میں جامع تبصرہ کر کے بلا خوف لومۃ لائم حق و حقیقت کو واضح و آشکار کر دیا جائے۔ الحق من ربک فلا تکونن من الممترین۔

امر اول۔ محلِ نزاع کی تحریر و تنقیح

قبل اس کے کہ اصل موضوع پر خامہ فرسائی کی جائے۔ مناسب ہے کہ بطور تمہید پہلے چند امور پر تبصرہ کر دیا جائے جن کا اصل مقصد کے سمجھنے و سمجھانے کے ساتھ گہرا ربط و تعلق ہے۔ سب سے پہلے تو محلِ نزاع کی تنقیح و تحریر ضروری ہے تاکہ خلط مبحث کی وجہ سے یہ بحث بے نتیجہ ہو کر نہ رہ جائے۔ جیسا کہ اس موضوع پر قلم اٹھانے والوں میں سے اکثر نے خلطِ مبحث سے کام لیا ہے۔ ارباب دانش و بینش پر یہ حقیقت واضح و عیاں ہے کہ خلاق عالم نے انسان کو مدنی الطبع پیدا کیا ہے یعنی کوئی بھی آدمی اپنے تمام امورِ معاش و معاد کو تن تنہا انجام نہیں دے سکتا۔ بلکہ وہ اپنے اکثر و بیشتر امور میں اپنے بنی نوعِ انسان کے بھرپور تعاضد و تعاون کا محتاج ہے۔ اسی حقیقت کے پیش نظر خلاق حکیم نے مسلمانوں کو امداد باہمی کا بار بار حکم دیا ہے۔ اور وعدہ و وعید، ثواب و عقاب کے ذریعہ اس کی بڑی ترغیب دلائی ہے۔ تعاونوا علی البر والتقویٰ یعنی نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی امداد کرو اور پیغمبر اسلامؐ نے اس سلسلہ میں اس قدر اہتمام فرمایا ہے۔ کہ اس شخص کو ”خیر الناس“ قرار دے دیا ہے جو ”نفع الناس“ کا مصداق ہے۔ (خیر الناس من نفع الناس) (لئالی الاخبار) اسی طرح ائمہؑ نے خدمتِ خلق کی اس قدر تاکید مزید فرمائی ہے کہ جس شخص کو اسلامی برادری کی حاجت براری اور ان کے دکھ سکھ میں شریک ہونے کا خیال نہ ہو۔

اسے دائرۂ اسلام سے ہی خارج کر دیا (من اصبح ولم یہتم بامر المسلمین فلیس منہم (بحار ج ۲))، اور وہ شخص جو نفع کی بجائے اُلٹا مخلوقِ خدا کو نقصان اور راحت کی بجائے اذیت پہنچائے۔ اسے بدترین خلائق قرار دیا۔ (جامع السعادت) اور بعض نغز گو اسلامی شعراء نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ ؎

عبادت بجز خدمتِ خلق نیست — بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست
کام آ خلقِ خدا کے کہ خدا کے نزدیک — اس سے بڑھ کر نہ ہوئی ہے، نہ عبادت ہوگی

بہرحال دینِ حق کی نصرت کرنا جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعہ نبیؐ و امامؑ کی کمر مضبوط کر کے اسلام کی نشر و اشاعت کرنا، گمراہ کو راہ راست دکھانا، مظلوم کو ظالم کے پنجۂ ظلم و جور سے چھڑانا۔ فقیر و مسکین کی خدمت کرنا اور بھوکے کو روٹی کھلانا، اسی طرح صاحبِ احتیاج کو قرضۂ حسنہ دینا اور گرفتار بلا و مصیبت کی اخلاقی و مادی مدد کرنا۔ وغیرہ وغیرہ وہ کارہائے خیر اور وہ بلند اخلاقی اُمور ہیں۔ جن کی بجا آوری پر ثواب بے حساب بیان کر کے شریعتِ مقدسہ میں ترغیب و تحریص دلائی گئی ہے۔ لہٰذا اس قسم کی باہمی امداد و نصرت کے جواز میں تو کوئی سلیم العقل انسان کلام ہی نہیں کر سکتا۔ ہاں جو کچھ اختلاف ہے وہ انبیاءؑ و ائمہؑ سے ان اُمور کے بارے میں مدد و نُصرت طلب کرنے کے جواز یا عدم جواز میں ہے۔ جو انسانی قدرت و دسترس سے بالا ہیں۔ جیسے پیدا کرنا، مارنا، جلانا، رزق دینا اور بیماروں کو شفا دینا وغیرہ امورِ تکوینیہ جن پر تیسرے باب میں پوری بحث و گفتگو کی جا چکی ہے۔ چنانچہ وہ لوگ جنہوں نے اُصولِ مذہب کا گہری نظر سے مطالعہ نہیں کیا۔ ان امور میں براہ راست ان بزرگواروں سے استمداد کو جائز سمجھتے ہیں۔ مگر جنہوں نے مذہب کو من حیث المذہب سمجھا ہے جن کے نزدیک ہر ہر موضوع و مسئلہ میں قرآن کے نصوصِ محکمہ اور پیشوایانِ دین کے اخبارِ معتبرہ و متفقہ سے سرمو تجاوز کرنا جائز نہیں ہے۔ وہ ان امورِ تکوینیہ میں ان ذواتِ مقدسہ سے صرف توسل و طلب شفاعت کرنے کو جائز سمجھتے ہیں و بس۔

ان حقائق سے معلوم ہو گیا کہ جن بعض رسائل میں پانچ عدد آیاتِ مبارکہ کو پیش کر کے خلطِ مبحث کرتے ہوئے ان سے جوازِ استمداد پر استدلال کیا گیا ہے جیسے آیت ان تنصروا اللہ ینصرکم۔ ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ ولتنصرنہ۔ فاستغاثہ الذی من شیعتہ علی الذی من عدوہ الخ فان اللہ مولاہ وجبرئیل وصالح المؤمنین۔ دراصل ان آیاتِ شریفہ کا ہمارے نزاعی مسئلہ کے ساتھ ہرگز کوئی ربط و تعلق نہیں ہے بلکہ ان میں ان امور کے بارہ میں ایک دوسرے کی مدد و نصرت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یا تذکرہ کیا گیا ہے۔ جن کے متعلق ایک دوسرے کی نصرت و اعانت کرنے کے جواز بلکہ استحباب بلکہ بعض صورتوں میں وجوب میں بھی کوئی کلام نہیں ہے۔

امر دوم ائمۂ طاہرینؑ زندۂ جاوید ہیں اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام

اہری موت کا ذائقہ چکھ کر دارِ دنیا سے دارِ آخرت کی طرف منتقل ہو چکے ہیں اور موت کے جو شرعاً ظاہری علائم اور کام ہیں جیسے نمازِ جنازہ کا پڑھنا، غسلِ میت دینا، کفن پہنانا، دفن کرنا اور بطورِ وراثت کا تقسیم کرنا وغیرہ یہ سب ورعمل میں آچکے ہیں۔ ظاہر ہے کہ زندہ آدمی کے ساتھ ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ زندہ درگور کرنا۔ بلکہ اس کی نماز جنازہ پڑھنا اور اس کے مال و ترکہ کو بطورِ وراثت تقسیم کرنا حرام ہے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت بھی ناقابلِ کار ہے کہ ان بزرگواروں کی اس ظاہری موت سے ان کے تمام آثارِ حیات کا خاتمہ نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض آثار سلسلہ اس کے بعد بھی برابر جاری رہتا ہے۔ اگر کمالاتِ نبوت و امامت سے بھی قطع نظر کر لیا جائے۔ جن کے بارے یں حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں۔ "وانہ یموت من مات منا و لیس بمیت" کہ ہمارا مرنے والا فی الحقیقت رتا نہیں ہے (نہج البلاغہ ج ۱ ص ۱۵۳)۔

تاہم اتنا تو مسلم ہے کہ ان ذواتِ مقدسہ میں سے کوئی بزرگوار بھی اپنی طبعی موت سے دارِ فانی سے عالمِ جاودانی ی طرف منتقل نہیں ہوا بلکہ ان سب حضرات نے شمشیرِ جفا یا زہرِ جفا کے ذریعہ جامِ شہادت نوش فرمایا ہے جیسا کہ خود وات قادسہ کا ارشاد ہے۔ "ما منا الا مقتول او مسموم" یعنی ہم سب کے سب تلوار یا زہر سے شہید ہوتے ہیں (الدمعۃ الساکبہ۔ المنتخب طریحی وغیرہ)

پس جب ان حقایق کی روشنی میں ان حضرات کا شہید ہونا مسلم ہے تو اس سے ان کی حیاتِ جاودانی بھی ثابت ہو جاتی ہے۔ کیونکہ شہداء کے بارہ میں قرآن مجید کا فیصلہ یہ ہے۔ کہ "لا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ امواتا یل احیاء و لکن لا تشعرون (پ ۲ س البقرہ ع ۳)" اور جو لوگ خدا کی راہ میں مارے گئے انہیں کبھی مردہ نہ کہنا لکہ وہ زندہ ہیں مگر تم ان کی زندگی کی حقیقت کا کچھ بھی شعور نہیں رکھتے۔" ایک اور مقام پر ارشادِ ربّ العباد ہے۔ "ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون (پ ۴ س آل عمران ع ۸)" اور جو لوگ خدا کی راہ میں شہید کئے گئے ہیں انہیں ہرگز مردہ نہ سمجھنا بلکہ وہ لوگ جیتے جاگتے موجود ہیں۔ اپنے پروردگار کے ہاں وہ طرح طرح کی روزی پاتے ہیں" (ترجمہ فرمان)

جس طرح ہم اور بہت سے حقائق کو نہیں سمجھ سکتے۔ اسی طرح اگر اپنے عقولِ ناقصہ کی نارسائی کی وجہ سے ان کی اس حیاتِ طیبہ کی حقیقت کو نہ سمجھ سکیں تو یہ اور بات ہے۔ لیکن صاحبانِ علم و معرفت جانتے ہیں۔ کہ عدمِ علم کو دلیل عدم قرار نہیں دیا جاسکتا۔ لہٰذا جب ان حضرات کی حیاتِ باطنیہ برزخیہ[1] قرآن و حدیث کے نصوص صحیحہ و صریحہ سے محقق

---

[1] اگرچہ قرآن اور حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام کے فرمان سے عام اہلِ ایمان کی حیاتِ برزخیہ بھی ثابت ہے مگر جتنا فرقِ مراتب عام مومنین اور ائمہ طاہرین علیہم السلام میں ہے۔ اتنا ہی فرق ان ہر دو کی حیاتِ برزخیہ کے درمیان ہے (منہ عفی عنہ)

دہرین ہے تو پھر ماننا پڑے گا۔ کہ ان کی ظاہری موت سے ان کے تمام آثار و تصرفات حیات منقطع نہیں ہوتے۔ اس طرح یہ بزرگوار مو آیت قرآنی وما یستوی الاحیاء ولا الاموات (کہ زندہ اور مردہ برابر نہیں ہو سکتے) کے عموم سے مستثنیٰ سمجھے جائیں گے۔ ہاں البتہ اس امر کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ جو ظاہری حین حیات میں ان کو کن کن اختیارات و تصرفات کا حق حاصل تھا؟

امور تکوینیہ کی انجام دہی ائمہ طاہرینؑ کے متعلق نہیں ہے

تیسرے باب میں ناقابل انکار دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ سے اس امر کو ثابت کیا جا چکا ہے کہ

امور تکوینیہ (خلق، رزق، اماتت، احیاء اور شفاء امراض وغیرہ) میں ان بزرگواروں کا منصب و مقام بارگاہ قدرت میں لوگوں کی شفاعت و سفارش کرنا ہے۔ جہاں تک ان کی انجام دہی کا تعلق ہے اور یہ بھی بطور وظیفہ و ڈیوٹی وہ قطعاً ان کے متعلق نہیں ہے نہ بطور تفویض نہ بلحاظ توکیل اور نہ بصورت آلات وغیرہ۔ تو اس سے ارباب عقل سلیم و طبع مستقیم کے لئے یہ معمہ خود حل ہو جاتا ہے کہ جب یہ امور خداوند عالم نے ان کے قبضہ و اختیار میں دیئے ہی نہیں۔ (بل له الخلق والامر) تو پھر امور کو ان حضرات سے طلب کرنا اور ان کے متعلق براہ راست ان سے اس طرح مدد مانگنا کہ وہ خود اولاد دیں، یا رزق دیں یا بیمار کو شفا دیں۔ وعلیٰ ہذا القیاس دوسرے تکوینی امور کو انجام دیں۔ اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ اگر بفرض محال چند لمحات کے لئے تفویض غیر استقلالی کو تسلیم بھی کر لیا جائے۔ کہ باذن اللہ ان امور کی انجام دہی ان کے سپرد ہے تاہم ان امور میں ان کی طرف رجوع کرنا ایک بے معنی سی بات ہے۔ کیونکہ بنا بریں کرتا تو پھر بھی یہ سب کام خدا ہی ہے ہاں صرف ان کا اظہار و اجراء ان کے ذریعہ ہوتا ہے۔ مگر یہ حضرات اپنی مرضی و منشاء سے وہ کچھ بھی نہیں کرتے۔ (وهم بامره یعملون) اندریں حالات ظاہر ہے کہ رجوع اسی ذات قادر و قیوم کی طرف ہی کیا جائے گا جس کے قبضہ قدرت میں ان تمام امور کی بست و کشاد ہے۔ (تبارك الذی بیده الملك وهو علی كل شیء قدیر) جیسا کہ ملائکہ جو مدبرات امر ہیں۔ اور تدبیر عالم میں بمنزلہ آلات خداوندی ہیں۔ یعنی خداوند عالم روحیں بذریعہ ملک الموت قبض کرتا ہے۔ رزق بتوسط میکائیل تقسیم فرماتا ہے۔ اور حفاظت بواسطہ جبرئیل کرتا ہے (الی غیر ذلك) تو کیا کبھی کسی شخص نے ان فرشتوں سے مدد طلب کی ہے؟ کہ میری روح قبض کرو یا میری روزی فراخ کر دو۔ یا میری حفاظت کرو۔ کیوں؟ صرف اس لئے کہ ان امور کی انجام دہی میں ان فرشتوں کی ذاتی مرضی و منشا کو کوئی دخل نہیں ہے۔ نہ یہ کچھ بڑھا سکتے ہیں اور نہ گھٹا سکتے ہیں۔ بل عباد مکرمون لا یسبقونه بالقول وهم بامره یعملون۔ یہی وجہ ہے کہ باوجودیکہ دینی امور میں تفویض ثابت ہے مگر آج تک کسی مومن نے ائمہ اطہارؑ سے یہ گذارش کرنے کی جرات نہیں کی۔ کہ میرے آقا۔ فلاں چیز کو حلال بنا دو یا فلاں چیز کو حرام قرار دے دو۔ یا فلاں واجب کے ترک کرنے یا فلاں حرام کے بجا لانے کی مجھے رخصت دے دو۔ (معاذ اللہ) کیوں؟ فقط اس لئے

ماتشاؤن الا ان یشاء اللہ کے مصداق ہیں۔ خدا کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام قرار دینے والے ہیں۔ نظام یت میں انہیں کسی قسم کا کچھ تغیر و تبدل کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ لیکن جب تکوینی امور میں سرے سے تفویض ت ہی نہیں۔ نہ استقلالی اور نہ غیر استقلالی۔ پھر خلق کرنے، رزق دینے اور مارنے و جلانے جیسے اُمور میں ان سے انگنے کا کیا محل باقی رہ جاتا ہے؟

اں چونکہ ان اُمور میں ان ذوات مقدسہ کا کام ہماری شفاعت اور سفارش کرنا ہے لہٰذا ان کے ظاہری حین حیات رح اب بھی ان کی بارگاہ ذی علی میں یہ استدعا کرنا صحیح ہے کہ وہ بارگاہ خداوندی سے ہمارے یہ کام انجام دلوا دیں ں بطور وسیلہ و شفاعت ان سے مدد مانگنا درست ہے ظاہر ہے کہ کسی کام کو کسی اور ہستی سے انجام دلوا دینا بھی قسم کی مدد ہے۔ اس لئے بطور وسیلہ "یا علی مدد" کہنا اور ان کو "حلالِ مشکلات" بلکہ "مشکل کشائے عالم" سمجھنا یقیناً ہے۔ کوئی مومن عارف اس کا انکار نہیں کر سکتا۔

ہارم۔ صحیح طریقۂ توسّل و طلبِ شفاعت

مذکورہ بالا بیانات سے ثابت ہو گیا کہ امور تکوینیہ (خلق و رزق اور اماتت و احیاء وغیرہ) میں ائمۂ اطہارؑ کو خطاب کرکے ے بطور وسیلہ و سفارش مدد طلب کرنا جائز ہے۔ مثلاً یوں کہنا کہ یا علیؑ سفارش کرکے مجھے خدا سے اولاد دلوا دو یا میرا رزق وسیع کرا دو۔ یا میرے بیمار کو شفا دلوا دو۔ یا استدعا کرکے میری فلاں مصیبت دور کرا دو۔ یا شفاعت کے میرے گناہ خدا سے بخشوا دو۔ وغیرہ وغیرہ صحیح ہے۔ یہ طریقہ ادعیۂ اہل بیت علیہم السلام میں وارد ہوا ہے چنانچہ عائے توسّل میں وارد ہے یا سادتی و موالی انی توجہت بکم و توسلت بکم الی اللہ و استشفعت م الی اللہ فاشفعوا لی عند اللہ و استنقذونی من ذنوبی عند اللہ الخ اے میرے آقایان! میں پ کے ذریعہ خدا کی بارگاہ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ اللہ کی بارگاہ میں آپ کا توسّل حاصل کرتا ہوں، اور آپ سے ب شفاعت کرتا ہوں آپ میری شفاعت فرمائیں، اور خدا کے ہاں گناہوں سے میری گلو خلاصی کرائیں۔ (فاتیح الجنان ص۱۱۰)

اسی طرح استغاثہ بنام امام زمان علیہ السلام میں وارد ہے سل اللہ تعالیٰ فی نجح طلبتی و اجابۃ عوتی و کشف کربتی میرے آقا! آپ بارگاہ خدا میں سوال کریں۔ کہ وہ میرے حاجات بر لائے میری دعا قبول ائے۔ اور میرے رنج و الم کو دور کرے (مفاتیح الجنان ص۱۱) زیارت جامعہ میں تمام ائمہ اہل بیت علیہم السلام خطاب کرکے اس طرح ان کی بارگاہ میں درخواست پیش کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ استوھبتم ذنوبی و نتم شفعائی آپ میرے گناہ بخشوائیں اور میری شفاعت فرمائیں (مفاتیح ص۵۴۸) یہاں اس بحث میں پڑنے کی ئی ضرورت نہیں۔ کہ یہ بزرگوار ہماری اس ضعیف آواز کو براہ راست سماعت فرماتے ہیں۔ یا خدا کے کچھ مخصوص

فرشتے ان تک ہماری یہ عرضداشت پہنچاتے ہیں کیونکہ یہ غیر ضروری بحث ہے۔ اس قدر مسلّم ہے کہ ان ذواتِ مقدسہ کو ہماری اس داد و فریاد کی اطلاع ضرور ہو جاتی ہے۔ اور مشیت ایزدی کا مطالعہ کرنے کے بعد شفاعت بھی فرماتے ہیں۔ ولا یشفعون الا لمن ارتضیٰ۔ بہرکیف توسل اور استشفاع کا ایک اور طریقہ ایسا بھی ہے جو مذکورہ بالا طریقہ سے بھی انسب و اولیٰ ہے اور وہ یہ ہے کہ ائمہ اطہارؑ کی ذواتِ مقدسہ یا ان کی عزت و عظمت کا واسطہ دے کر براہ راست خداوند عالم کو خطاب کرکے یہ چیزیں خدا سے طلب کی جائیں۔ مثلاً یوں کہا جائے اللّٰھم انی اسئلک بحق یا بجاہ یا بحرمت محمدؐ و علیؑ و فاطمۃؑ والحسنؑ والحسینؑ و تسعۃ من ذریۃ الحسینؑ ارزقنی یا اعطنی مالًا و علمًا و ولدًا۔ یا اشفنی یا اشف فلانا۔ یا احی فلانا یا امت فلانا یہی طریقہ ہمیشہ سے عباد و زہاد اور علماء و مجتہدین بلکہ انبیاءؑ و مرسلینؑ کا معمول رہا ہے۔ اور کتب سیر و تواریخ اور کتب احادیث و تفاسیر میں اس قسم کے متعدد اخبار و آثار موجود ہیں کہ اور تو اور خود انبیاء و مرسلینؑ نے بھی مشکلات و مصائب کے وقت بارگاہ قدرت میں سید ابرار اور ان کی اہلبیت اطہار علیہم صلوات الملک الجبار کے ذواتِ مقدسہ سے توسل حاصل کیا ہے اور ان کے ساتھ توسل کرنے سے ان کی مشکلات حل ہوئی ہیں۔ اس قسم کے بکثرت اخبار بصائر الدرجات، جلد ہفتم بحار الانوار مقدمہ تفسیر مرآۃ الانوار اور تفسیر برہان وغیرہ کتب میں موجود ہیں۔ ہم یہاں بطور نمونہ دو چار روایات پیش کرتے ہیں۔

بحار الانوار ج ۷، ص ۲۸۹ طبع تبریز پر ایک مستقل باب موجود ہے جس کا عنوان ہے "باب ان دعاء الانبیاءؑ استجیب بالتوسل والاستشفاع بھم صلوات اللہ علیھم اجمعین" یہ باب بحار کے چار طویل و عریض صفحات تک پھیلا ہوا ہے جس میں اس دعوے کے ثبوت میں متعدد احادیث پیش کی گئی ہیں۔ پہلی روایت بحوالہ کتاب جامع الاخبار و امالی شیخ صدوقؒ بروایت معمر بن راشد حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے راوی کا بیان ہے کہ سمعت ابا عبد اللّٰہ السلام یقول اتی یہودی النبیؐ فقام بین یدیہ یحد النظر الیہ فقال یا یہودی ما حاجتک قال انت افضل ام موسیٰ بن عمران الذی کلمہ اللّٰہ وانزل علیہ التوراۃ والعصا و فلق لہ البحر و اظلہ بالغمام؟ فقال النبیؐ انہ یکرہ للعبد ان یزکی نفسہ ولکنی اقول ان آدم لما اصاب الخطیئۃ کانت توبتہ ان قال اللّٰھم انی اسئلک بحق محمد و آل محمد لما غفرت لی فغفرھا اللّٰہ لہ و ان نوحًا لما رکب فی السفینۃ و خاف الغرق قال اللّٰھم انی اسئلک بحق محمد و آل محمد الا انجیتنی من الغرق فنجاہ اللّٰہ منہ و ان ابراھیم لما القی فی النار قال اللّٰھم انی اسئلک بحق محمد و آل محمد لما انجیتنی منھا فجعلھا اللّٰہ علیہ بردًا و سلامًا و ان موسیٰ لما القی عصاہ و اوجس فی نفسہ خیفۃ قال اللّٰھم انی اسئلک بحق محمد و آل محمد لما امنتنی فقال جل جلالہ لا تخف انک انت الاعلیٰ یا یہودی ان موسیٰ لو ادرکنی ثم لم یؤمن بی و بنبوتی ما نفعہ ایمانہ شیئًا

ولا نفعته النبوة یا یهودی ومن ذریتی المهدی اذا خرج نزل عیسیٰ بن مریم لنصرته وقدمه وصلی خلفه یعنی میں نے حضرت صادق علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا ایک دفعہ ایک یہودی جناب رسول خدا کی خدمت میں حاضر ہوا اور گھور گھور کر آنجناب کو دیکھنے لگا۔ آں حضرتؐ نے اس سے دریافت فرمایا۔ اے یہودی! تجھے کیا کام ہے؟ اس نے عرض کیا۔ آیا آپ افضل ہیں یا موسیٰ بن عمران۔ جن کے ساتھ خدا نے کلام کیا۔ ان پر توراۃ نازل کی۔ عصا مرحمت فرمایا۔ دریا کو شگافتہ فرمایا اور بادل کا سایہ کیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا اگرچہ انسان کے لئے اپنے نفس کی پاکیزگی بیان کرنا پسندیدہ امر نہیں۔ مگر میں (اظہار حقیقت کی خاطر) کہتا ہوں کہ جب حضرت آدمؑ سے ترک اولیٰ ہوا تو ان کی توبہ اس طرح تھی کہ بارگاہ قدرت میں عرض کیا یا اللہ محمدؐ و آل محمدؐ کا واسطہ مجھے معاف فرما۔ پس خدا نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ اسی طرح جب جناب نوحؑ کشتی میں سوار ہوئے اور غرق ہونے کا خطرہ لاحق ہوا۔ تو بارگاہ رب العزت میں یوں عرض کیا۔ یا اللہ! محمدؐ و آل محمدؐ کا واسطہ مجھے غرق ہونے سے نجات عطا فرما۔ چنانچہ خدا نے ان کو نجات عطا فرمائی۔ اور ان کی کشتی کنارے لگائی۔ جب حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالا گیا تو انہوں نے قاضی الحاجات کی بارگاہ میں یوں دعا و پکار کی۔ یا اللہ محمدؐ و آل محمدؐ کا واسطہ مجھے اس آتش (نمرودی) سے نجات دے چنانچہ خدا نے آگ کو ان پر برد و سلام فرما دیا۔ اور جب حضرت موسیٰؑ نے عصا پھینکا (اور وہ اژدہا بن گیا) تو جناب موسیٰؑ نے خوف محسوس کیا۔ اور اس طرح بارگاہ قدس میں فریاد کی۔ یا اللہ محمدؐ و آل محمدؐ کا واسطہ مجھے امان دے۔ ارشاد قدرت ہوا۔ خوف نہ کرو۔ تم ہی غالب آؤ گے۔ اے یہودی اگر حضرت موسیٰؑ میرے زمانے کو پا لیتے اور پھر مجھ پر اور میری نبوت پر ایمان نہ لاتے۔ تو نہ ان کا ایمان ان کو کوئی فائدہ پہنچاتا اور نہ نبوت! اے یہودی میری ہی اولاد سے وہ مہدیؑ ہے کہ جب وہ ظہور کرے گا تو حضرت عیسیٰ بن مریمؑ ان کی نصرت کے لئے (آسمان سے) نازل ہوگا۔ اور ان کو آگے کرکے ان کی اقتدا میں نماز پڑھے گا۔" ولنعم ما قیل ؎

اگر نام محمدؐ را نیاوردے شفیع آدمؑ
نہ آدمؑ یافتے توبہ نہ نوحؑ از غرق نجینا (جامی)

(۲) ہفتم بحار ج ۷، ص ۴۹۱ پر بحوالہ خصال، معانی الاخبار و عیون اخبار الرضا ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں۔ سألت النبیؐ عن الکلمٰت التی تلقاها آدمؑ من ربه فتاب علیه قال سأله بحق محمد وعلی وفاطمة والحسن والحسینؑ الا تبت علی فتاب (کذا فی التفسیر الدر المنثور ج ۱ ص ۶۱ للسیوطی والسیرة النبویة لابن دحلان ج ۱ ص ۹ وشرح الشفاء ج ۲ ص ۲۴۲ طبع مصر)

یعنی میں نے جناب رسول خداؐ سے دریافت کیا کہ وہ کلمات کیا تھے جو حضرت آدمؑ نے خدا سے حاصل کئے تھے۔ ران کی بدولت ان کی توبہ قبول ہوئی؟ فرمایا وہ کلمات یہ تھے اللّٰھم انی اسئلك بحق محمد الخ نیز بحار کی ی جلد اور اسی صفحہ پر حضرت امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے۔ فرمایا لما اشرف نوح علی الغرق دعی اللہ

بحقنا قد نجا اللہ عنہ الغرق ولما القی ابراھیم فی النار دعی اللہ بحقنا فجعل اللہ النار علیہ بردا و سلاما وان موسیٰ لما ضرب طریقاً فی البحر دعی اللہ بحقنا فجعلہ اللہ یبسا وان عیسیٰ لما اراد الیہود قتلہ دعی اللہ بحقنا فنجی من القتل فرفعہ الیہ (کذا فی مقدمۃ تفسیر مرأۃ الانوار ص۳۰) یعنی جب حضرت نوحؑ کو غرق ہونے کا اندیشہ دامنگیر ہوا۔ تو ہماری عظمت کا واسطہ دے کر خدا کو پکارا۔ خدا نے غرق ہونے کے خطرہ کو ٹال دیا۔ جب حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالا گیا۔ تو انہوں نے بھی خدا کو ہماری عزت کا واسطہ دے کر پکارا۔ خدا نے ان کے لئے آگ کو سرد اور باعث سلامتی بنا دیا۔ جب حضرت موسیٰؑ نے دریا کو عبور کرنا چاہا تو ہمارے حق کا واسطہ دے کر خدا کو پکارا۔ خدا نے اسے شگافتہ کر دیا اور جب یہودیوں نے حضرت عیسیٰؑ کو قتل کرنا تو انہوں نے ہمارا واسطہ دے کر خدا کو پکارا۔ چنانچہ خدا نے ان کو اپنی بارگاہ میں زندہ اٹھا لیا۔" اخبار و آثار سے یہ حقیقت بھی واضح و آشکار ہوتی ہے کہ فرشتے بھی سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کے توسل سے خدا کا تقرب حاصل کرتے ہیں۔ چنانچہ مقدمہ تفسیر مرأۃ الانوار ص۳۲ پر بروایت حمادؒ حضرت امام جعفر صادق علیہم السلام سے مروی ہے کہ آنجنابؑ سے کثرت ملائکہ کے بارے میں استفسار کیا گیا۔ تو آپؑ نے فرمایا۔ والذی نفسی بیدہ لملائکۃ اللہ فی السموات اکثر من عدد التراب فی الارض وما فی السماء موضع قدم الا وفیہا ملک یسبحہ ویقدسہ ولا فی الارض شجر ولا مدر الا وفیہا ملک موکل بہا وما منہم احد الا ویتقرب الی اللہ کل یوم بولایتنا (الظاھر ان یکون ولایتنا) اہل البیت ویستغفر لمحبینا ویلعن اعداءنا یعنی مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ آسمان والے فرشتے ذراتِ زمین سے بھی تعداد میں زیادہ ہیں۔ تمام آسمان میں ایک قدم رکھنے کی جگہ بھی ایسی نہیں جہاں کوئی نہ کوئی ایسا فرشتہ موجود نہ ہو۔ جو خدا کی تسبیح و تقدیس کرتا ہے۔ اور زمین میں کوئی بھی شجر و حجر ایسا نہیں جس کے ساتھ کوئی فرشتہ موکل نہ ہو۔ اور یہ تمام فرشتے ہر روز بارگاہِ قدرت میں ہم اہل بیتؑ کی ولایت کے ذریعہ قرب حاصل کرتے ہیں اور ہمارے دوستوں کے لئے طلبِ مغفرت کرتے ہیں اور ہمارے دشمنوں پر لعنت!!

انہی حقائق کی بنا پر علامہ میرزا ابوالحسن الشریف نے مقدمہ تفسیر مرأۃ الانوار ص۱۵۰ پر لکھا ہے۔" ومن الواضحات ایضاً انہ لایستجاب دعاء الا بالتوسل بہم علیہم السلام ولم یدع احد من الاخیار ولم یسئل منہ شیئاً الا بواسطتہم بل عمدۃ دعاء ھؤلاء البقاء والثبات علی ولایتہم یعنی یہ بات واضحات میں سے ہے کہ ان ذوات مقدسہ کے ساتھ توسل کے بغیر کوئی دعا مستجاب نہیں ہوتی۔ کبھی خدا کے کسی نیک بندے نے ان کے ساتھ توسل کئے بغیر خدا سے کوئی سوال کیا ہے اور نہ کوئی حاجت طلب کی ہے بلکہ ان نیک لوگوں کی تو سب

ارزقنا الثبات علیٰ ولایتهم فی الدنیا والآخرة وتوفنا علیٰ ملتهم واحشرنا فی زمرتهم وارزقنا شفاعتهم بحقهم علیک وبحقک علیهم علیهم السلام

علامہ حائری مرحوم نے اپنی تفسیر بے نظیر لوامع التنزیل ج ۱۵ ص ۱۸۵ سے ص ۱۸۹ تک کتب موالف و مخالف سے انبیاءؑ و اولیاءؑ اور دیگر اعلامِ امت کے ان ذواتِ مقدسہ کے ساتھ توسل حاصل کرنے کے متعدد واقعات درج فرمائے ہیں۔ من شاء التفصیل فیرجع الیہ ؎

علیؑ کا نام مقدس وہ اسمِ اعظم ہے
کہ جس کسی نے پکارا اسی کے کام آیا

ان احادیث سے حاصل شدہ نتائج

اس امر چہارم میں جو چند اخبار و آثار پیش کئے گئے ہیں۔ ان سے چند قطعی نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

(۱) سلفِ صالحینؒ۔ ملائکہ مقربینؑ اور انبیاءؑ و مرسلینؑ کے عمل و طریقہ کار سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ شدائد و مصائب کے وقت بارگاہ رب العزت میں سرکار محمدؐ و آل محمدؑ کے توسل سے دُعا کرنی چاہیئے۔ اور یہی طریقہ احسن ہے۔

(۲) اس سلسلہ میں تمام کائنات سرکار محمدؐ و آل محمدؑ کی محتاج ہے۔ اور وہ سوائے خدا کے اور کسی کے محتاج نہیں ہیں۔ اور یہ اس لئے ہے تاکہ ان کے رحمۃ للعالمین اور حجۃ اللہ علی الخلق اجمعین ہونے کا مفہوم واضح ہو جائے۔

(۳) ان کے وسیلہ و شفاعت کے بغیر کوئی دعا قبول نہیں ہوتی۔ یہ اور بات ہے کہ خود داعی کو اس بات کا علم ہی نہ ہو۔ اندراج چیزے دیگر ہے۔ فتدبر۔

(۴) اس سے حضرت امیر علیہ السلام کی طرف منسوب کردہ بعض روایات کا مفہوم بھی واضح و لائح ہو جاتا ہے جیسے نصرت الانبیاءؑ سراً و نصرت محمداً جہراً کہ میں نے تمام انبیاءؑ و مرسلینؑ کی مدد پوشیدہ طور پر کی۔ اور آنحضرتؐ کی کھلم کھلا طور پر۔

قطع نظر اس سے کہ یہ روایت یا اس کے ساتھ ملتی جلتی دیگر روایات کتب معتبرہ میں موجود نہیں ہیں۔ اس سلسلہ میں حضرت شیخ صدوق اور جناب مقدس اردبیلی کا نام لینا غلط بیانی کی انتہا ہے۔ صاحب طوالع الانوار نے اسے کتاب مجمع الروائق سے نقل کیا ہے اور اس کتاب کو شیخ صدوقؒ کی تالیف سمجھا ہے۔ جو ان کا سراسر اشتباہ ہے۔ یہ کتاب شیخ عکبری کی تصنیف ہے جس کی طرف خود موصوف نے اشارہ بھی کیا ہے۔ (ص ۱۰۳) اور اس صفحہ پر حضرت مقدس اردبیلی کا نام تو صرف کتاب مذکور کے شیخ صدوقؒ کی طرف انتساب کے سلسلہ میں ذکر کیا ہے۔ مگر بعض حضرات نے ہم آنجناب کا نام بھی اس روایت کے نقل کرنے والوں میں درج کر دیا۔ ان ھذا لشی عجاب۔

اور محدث جزائری نے انوار نعمانیہ میں (ص۳۱) پر اسے کسی سنی المذہب شخص کی کتاب کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ فراجع اور عام کتب متداولہ میں بھی کسی قابل اعتبار سلسلۂ سند کے بغیر محض مرسلاً مروی ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کے ساتھ استدلال اور وہ بھی عقائد کے معاملہ میں نہیں کیا جا سکتا، کما لا یخفیٰ۔ لیکن اگر بالفرض انہیں درست بھی تسلیم کر لیا جائے۔ تو آنجنابؑ کے انبیاءؑ کی مدد کرنے کا بھی مفہوم وہی ہے جو اوپر درج کردہ روایات معتبرہ سے مستفاد ہوتا ہے۔ کہ ان کے ساتھ توسل کرنے سے انبیاءؑ کے مشکلات و مصائب دور ہوئے ہیں۔ اس لئے من باب مجاز عقلی (نسبت الشئی الی السبب) یہ بزرگوار فرما سکتے ہیں۔ کہ میں نے انبیاءؑ کی مدد و نصرت کی۔ اسی طرح آنجنابؑ کی طرف منسوب کردہ بعض خطبات میں جو وارد ہے کہ "میں نے نوحؑ کو کشتی میں سوار کیا۔ اور ان کو غرق ہونے سے بچایا۔ میں نے ابراہیمؑ کو آتش نمرودی سے نجات دی۔ الخ"...... تو بشرط صحت روایت (و دون اثباتہ خرط القتاد) اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ ہمارے ساتھ توسل و استشفاع کرنے سے ان کو ان شدائد سے نجات ملی چنانچہ سرکار علامہ مجلسیؒ "معرفۃ بالنورانیۃ" والی روایت لکھنے کے بعد (جسے ان کے والد ماجد نے کسی مجہول الاسم والمؤلف کہنہ کتاب میں دیکھا تھا۔ اور اس سے علامہ موصوف نے اسے نقل کیا ہے۔ جس میں اس قسم کے بعض فقرے موجود ہیں۔ بذیل عنوان بیان فرماتے ہیں: قولہ انا الذی حملت نوحاً الخ اقول لو صح صدور ھذا الخبر عنہ لاحتمل ان یکون المراد بہ و بامثالہ ان الانبیاءؑ علیہم السلام بالاستشفاع بانوارنا رفعت عنہم المکارہ والفتن کما دلت علیہ الاخبار الصحیحۃ۔ (بحار ج۷، ص۲۷) یعنی میں کہتا ہوں کہ اگر اس خبر کا آں جنابؑ سے صادر ہونا صحیح تسلیم کیا جائے۔ تو احتمال ہے کہ اس سے اور اس کے ساتھ ملتی جلتی روایات سے مراد یہ ہو کہ ہمارے انوار مقدسہ کے ساتھ توسل و استشفاع کرنے سے انبیاءؑ کے شدائد و مصائب دور ہوئے ہیں۔ جیسا کہ اس مطلب پر اخبار صحیحہ دلالت کرتے ہیں۔

علامہ سید حسین لکھنوی نے جناب علامہ مجلسی علیہ الرحمہ کی یہ تاویل نقل کرنے کے بعد اس پر بڑی اچھی تعمیری تنقید فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

> "این تاویل اگرچہ صحیح است لکن از سیاق این عبارات براحل دور است و اگر راہ چنین تاویلات مفتوح شود ہیچ کلامے بے تاویل نخواہد بود پس چنین تاویلات حسب ضرورت بعد صحت روایات لائق اعتنا است نہ بدون آں واللہ یعلم۔ (حدیقۂ سلطانیہ ج۲ ص۲۳)

یعنی یہ تاویل اگرچہ ہے تو درست۔ مگر ان (خطبوں) کی عبارتوں کے سیاق و سباق ———— سے بمراحل دور ہے۔ اگر اس قسم کی دور دراز کار تاویلات کا دروازہ کھول دیا جائے تو پھر کوئی (غلط سے غلط) کلام بھی تاویل کے بغیر نہیں رہے گا

اسی طرح اگر بیاض فخری والا واقعہ (جو کہ کتب معتبرہ میں موجود نہیں ہے۔ اور بظاہر ہے بھی خلاف عقل وفطرت کہ جناب امیر علیہ السلام جبکہ ہنوز اصلاب آبائؑ وارحام امہات میں تھے تو اس حالت میں کس طرح ظاہری عالم آب وگل میں تشریف لائے۔ اور کس طرح بجسد عنصری جن کو مار بھگایا) بہرحال اگر اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی اس سے ہمارے دعویٰ کی صداقت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کیونکہ چونکہ عالم اسباب میں ہر چیز کا ظہور کسی نہ کسی سبب سے ہوتا ہے۔ جب خدا کسی کی نصرت کرتا ہے تو وہ بھی کسی سبب وذریعے ہی کرتا ہے۔ البتہ وہ کسی خاص سبب وذریعہ کا پابند نہیں ہے۔ خواہ انبیاء واولیاء کے ذریعے سے نصرت کردے۔ خواہ فرشتوں کے ذریعہ سے مدد فرما دے۔ چنانچہ جنگ بدر وحنین میں خدا نے ہزاروں فرشتے نصرت رسولؐ کے لئے اُتارے تھے۔ گو بظاہر یہ فرشتوں کی مدد تھی۔ مگر بنص قرآن دراصل مدد خدا فرما رہا تھا۔ الیس یکفیکم ان یمدکم ربکم بثلاثۃ الاف من الملائکۃ منزلین (پ ۴ س آل عمران ع ۱۳) کیا یہ بات تمہارے لئے کافی نہیں کہ تمہارے پروردگار نے تین ہزار فرشتے اتار کر تمہاری مدد کی ہو۔ اسی طرح یہ بات بھی عقلاً ناممکن نہیں ہے کہ خدائے قادر وقیوم نے کبھی عالم ارواح میں سید اولیاء کو اپنی قدرت کاملہ سے بھیج کر اپنے کسی برگزیدہ نبی کی امداد فرمادی ہو۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔ بہرحال ہمارا کام تو ان ذوات مقدسہ کے توسل سے بارگاہ قدرت میں دعا وپکار کرنا ہے۔ اب یہ امر خدائے حکیم کی مرضی وصوابدید پر منحصر ہے۔ کہ جس ذریعے سے چاہے ہماری مشکل حل فرمادے۔ اور جس طرح چاہے ہم وغم سے ہماری گلو خلاصی کرادے۔ رضی مولا از ہمہ اولیٰ۔ وما یعلم جنود ربک الا ھو۔ وھو علیٰ کل شئی قدیر وبالاجابۃ جدیر۔

مسئلہ استمداد از انبیاء وائمہ قرآن مجید کی روشنی میں

اگرچہ مذکورہ بالا تحقیقات کے بعد یہ مسئلہ مزید کسی دلیل وبرہان کا محتاج نہیں رہ جاتا۔ کہ امور تکوینیہ (خلق ورزق۔ اماتت واحیاء وغیرہ) میں خداوند عالم کی ذات کے سوا اور کسی ذات سے استمداد جائز نہیں ہے۔ تاہم اس مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر اختصار کے ساتھ اس موضوع پر ذیل میں قرآن مجید کی چند آیات، سرکار محمدؐ وآل محمد علیہم السلام کی چند روایات اور اعاظم علماء کے چند بیانات پیش کئے جاتے ہیں۔ تاکہ اصل حقیقت بالکل نکھر کر منقح وواضح وآشکار ہو جائے

فاستمع لما یتلیٰ علیک

(۱) ارشاد رب العزت ہے ایاک نعبد وایاک نستعین سورہ فاتحہ میں بطور تعلیم المسئلہ ہمیں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ ہم یہ اقرار کریں "ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں" عبادت کا مفہوم تو واضح ہے البتہ قابل غور یہ امر ہے کہ یہ کون سے امور ہیں جن میں بجز ذات احدیت اور

کسی سے مدد طلب کرنا جائز نہیں ہے۔ ان امور سے امور شرعیہ اور عام عادی دنیوی امور تو مراد لئے نہیں جا سکتے۔ کیوں کہ ہم سطورِ بالا میں ثابت کر آئے ہیں کہ ان امور میں ایک دوسرے کی مدد کرنا اور دستِ تعاون دراز کرنا نہ صرف جائز بلکہ بعض حالات میں مستحب بلکہ بعض اوقات واجب بھی ہے۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ ان امور سے مراد وہی امور ہیں جن پر کوئی انسان بحیثیت انسان ہونے کے قدرت نہیں رکھتا۔ جیسے خلق و رزق اور اماتت و احیاء و شفاء مرض (وغیرہ) جنہیں امور تکوینیہ کہا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں دو جلیل القدر مفسرین کے بیانات ملاحظہ ہوں (۱) جناب علامہ شیخ محمد جواد بلاغی اپنی تفسیر آلاء الرحمٰن ص۵۹ طبع صیدا میں ذیل عنوان "حصر الاستعانة بالله جل اسمه" رقمطراز ہیں: "قال الله تعالىٰ في سورة المائدة۔ تعاونوا على البر والتقوىٰ اما المعاونة في المباحات فهي احسان أمر الله به ايضاً في كتابه بقوله تعالىٰ في سورة النحل" ان الله يأمر بالعدل والاحسان وفي سورة البقرة وال عمران "ان الله يحب المحسنين" والمعلوم بالضرورة من سيرة النبي (ص) والصحابه والائمة والمسلمين انهم يستعينون في غالب امورهم المباحة بالآلات والدابة والخادم والزوجة والصاحب والرسل والاجراء وغيرهم وفي سورة البقرة " استعينوا بالصبر والصلوٰة " وفي سورة النساء " ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحيما "۔ فقد لامهم الله على عدم مجيئهم للاستعانة على المغفرة باستغفار الرسول۔ وهذا يكفي في الحجة والدلالة على ان الاعانة ليست بجميع اقسامها منحصرة بالله وعلى انه لا يلزمنا ان نقصر استعانتنا بقول مطلق على الله تعالىٰ۔ وتفصيل ذالك هو انا ننظر الى استعانات البشر قولاً وعملاً فنراها على نحوين (النحو الاول)، هو الاستعانة بالوسائل المجعولة من الله لنيل المقصود التي هي وما فيها من التسبيب من جعل الله تعالىٰ وخلقه (النحو الثاني) هو الاستعانة بالاله فيما هو المعين بالهية وقدرته الذاتية المطلقة الفائقة ولاريب فيه ان النحو الثاني من الاستعانة هو المتيقن في قصره على الله لان الاستعانة بهذ النحو اذا كانت بغير الله كانت تاليهاً لذالك الغير واشراكا بالله وما ذكرنا من الآية والسيرة واقتران اياك نعبد واياك نستعين في سياق توحيد الله وتمجيده بالمجد الالٰهي تقوم الحجة وتتضح الدلالة على ان هذا النحو من الاستعانة هو تمام المقصور على الله دون النحو الاول"۔

یعنی خداوند عالم سورہ مائدہ میں فرماتا ہے۔ نیکی و پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی امداد کرو۔

لہٰذا ان اُمور میں ایک دوسرے کی مدد کرنا تو یقیناً جائز ہے) باقی رہے مباح اُمور ان میں باہمی امداد کرنا بھی نیکی اور احسان ہے جس کا خدا نے سورۂ النحل میں حکم دیا ہے۔ کہ خدا تمہیں عدل اور احسان کرنے کا حکم دیتا ہے اور سورۂ بقرہ و آلِ عمران میں ہے۔ خدا احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے جناب رسولِ خداؐ۔ ان کے اصحاب باصفا نیز ائمہؑ طاہرینؑ اور دیگر مسلمینؒ کی سیرتوں سے یہ بات بالبداہت ثابت ہے کہ وہ اپنے اکثر مباح اُمور میں آلات و اسباب مثل سواری، خادم، زوجہ، ساتھی، پیامبر اور مزدور وغیرہ سے امداد حاصل کرتے تھے۔ سورۂ بقرہ میں وارد ہے صبر و صلوٰۃ سے مدد حاصل کرو۔ سورۂ نساء میں ارشادِ خدا ہے جب کہ ان لوگوں نے اپنے نفسوں پر (گناہ کرکے) ظلم کیا تھا۔ اگر (اے رسولؐ) تیرے پاس آجاتے اور اللہ سے طلب مغفرت کرتے اور رسولؐ بھی ان کے لئے مغفرت طلب کرتا تو یقیناً خدا کو توبہ قبول کرنے والا پاتے" اس آیت میں خدائے حکیم نے ان لوگوں کی محض اس لئے ملامت کی ہے کہ انہوں نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر استغفارِ رسولؐ سے اپنی بخششِ گناہ کے سلسلہ میں اعانت حاصل نہیں کی۔ یہی مقدار اس بات کو واضح کرنے کے لئے کافی ہے کہ ہر قسم کی اعانت و امداد خدا کے ساتھ مختص نہیں ہے اور یہ کہ ہم پر یہ لازم نہیں ہے۔ کہ ہر قسم کی امداد و اعانت کو خدا ہی میں منحصر سمجھیں (پھر آخر وہ کون سی مدد ہے جو خدا کے ساتھ مختص ہے؟) اس کی تفصیل معلوم کرنے کے لئے ہمیں چاہئے کہ ہم انسانوں کی تمام قولی اور عملی استعانتوں پر نگاہ کریں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم۔ کی استعانت وہ ہے جو ان ظاہری وسائل و اسباب سے حاصل کی جاتی ہے۔ جن کو مطلب براری کے لئے مقرر بھی خدا نے کیا ہے اور ان میں جو سببیت و تاثیر ہے وہ بھی خدا نے ودیعت فرمائی ہے۔ (جیسے اولاد کے لئے زوجہ، روزی کے لئے تجارت وغیرہ۔ باربرداری کے لئے سواری اور بھوک اور پیاس کے لئے روٹی اور پانی وغیرہ)

دوسری قسم کی استعانت وہ ہے جو معبودِ برحق سے بحیثیت معبودِ برحق و قادرِ مطلق ہونے کے طلب کی جاتی ہے۔ (یعنی ان امور میں جن کا تعلق عہدۂ ربوبیت سے ہے اور وہ ہیں امورِ تکوینیہ) اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ دوسری قسم کی استعانت وہ ہے جو خدا کے ساتھ ہی مختص ہے۔ کیونکہ اس قسم کی استعانت جب غیرِ خدا سے حاصل کی جائے۔ تو اس سے اس غیر کا معبودِ برحق بنانا اور اس کو خدا کے ساتھ شریک کرنا لازم آتا ہے۔ اور پر ہم نے سیرتِ نبیؐ و ائمہؑ اور آیتِ مبارکہ ایاک نعبد و ایاک نستعین کے توحید و تمجیدِ خداوندی کے ساتھ مقرون ہونے کے سلسلہ میں جو کچھ بیان کر دیا ہے۔ اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ کہ یہی دوسری قسم کی استعانت ذاتِ خداوندی کے ساتھ مختص ہے۔ نہ پہلی قسم (۱) [illegible]

(۱) حضرت مولانا عمار علی صاحب مرحوم اپنی تفسیر عمدۃ البیان ج ۱ ص۱۲ پر بذیل آیت ایاک نعبد و ایاک نستعین

لکھتے ہیں "اس آیت سے ثابت ہوا کہ مدد چاہنی سوائے خدا کے کسی دوسرے سے پیغمبر ہو یا امام جائز نہیں اسی طرح سے یہ بزرگوار بالاستقلال حاجتوں اور مقصدوں لوگوں کی بر لائیں اس واسطے کہ بر لانا حاجتوں کا سوائے خدا کے کسی کی قدرت میں نہیں ہے۔ البتہ ان بزرگوں سے اسی طرح سے سوال کرنا کہ تم میرے واسطے خدا سے دعا کا اس میں کچھ مضائقہ نہیں یہ مقبولانِ درگاہ خدا ہیں۔ اور یا یہ کہ ان کے واسطے سے خدا سے دعا کرے یہ بھی درست ہے۔ اس صورت میں حصر بھی آیت میں باقی رہتا ہے اور سوائے خدا کے بالاستقلال کسی کی حاجت کو روا کرنے وا جاننا درست نہیں ہے کہ حصر ہو گیا ہے۔ عبادت سوائے خدا کے کسی غیر کو جائز نہیں ہے۔ اسی طرح سوائے خدا کے کسی کو بالاستقلال حاجت کا بر لانے والا جان کر مدد چاہنی بھی اس سے جائز نہیں ہے اگر خدا کے غیر سے مدد چاہنی جائز ہو تو چاہیے کہ عبادت بھی اُسی کی ہو۔"

(۲) جناب پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا جاتا ہے قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ (پ۷ س انعام ع۱) کہ دو کہ میں تو یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں (ترجمہ قرآن) خزائن کی تفسیر خزائن رحمۃ اللہ یا خزائن مقدورات اللہ یا ارزاق العباد کے ساتھ کی گئی ہے (تفسیر مجمع البیان ج ۱ ص۲۲۷) مطلب یہ کہ میرے پاس خدا کی رحمت، اس کے مقدورات اور بندوں کے رزق کے خزانے نہیں ہیں۔

(۳، ۴) اسی طرح آنحضرتؐ کو یہ وضاحت کرنے کا حکم دیا جاتا ہے کہ "قل انی لا املک لکم ضراً ولا رشداً قل انی لن یجیرنی من اللہ احد ولن اجد من دونہ ملتحداً الا بلاغاً من اللہ ورسالتہ (پ۲۹ س جن ع۱)" اے رسولؐ تم کہہ دو کہ میں تمہارے حق میں نہ برائی کا اختیار رکھتا اور نہ بھلائی کا کہ دو کہ مجھے خدا (کے عذاب سے) کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔ اور نہ میں اس کے سوا کہیں پناہ دیکھتا ہوں۔ خدا کی طرف سے (احکام کے) پہنچا دینے اور اس کے پیغاموں کے سوا (کچھ نہیں کر سکتا) (ترجمہ قرآن) مفسر قرآن علامہ طبرسیؒ اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں۔ انی لا اقدر علی دفع الضر عنکم ولا ایصال الخیر الیکم وانما القادر علی ذلک ھو اللہ تعالی ولکنی رسول لیس علی الا البلاغ والدعا الی الدین والھدایۃ الی الرشاد وھذا اعتراف بالعبودیۃ واضافۃ الحول والقو الیہ تع الخ (مجمع البیان ج ۲ ص۳۷۳) یعنی میں۔ تم سے ضرر و نقصان کے دور کرنے اور نفع کے پہنچانے پر قدرت نہیں رکھتا، ان چیزوں پر خدا ہی قدرت رکھتا ہے۔ میں تو رسولؐ ہوں اور میرا کام صرف (احکام خداوندی کا پہنچانا (لوگوں کو) دین کی طرف بلانا اور نیکی کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ یہ آں حضرتؐ کی عبدیت و بندگی کا اعتراف اور ہر قسم کی قوت و طاقت کا خدا کی طرف [illegible] ہے۔" (کذا فی تفسیر التبیان ج ۱۰ ص[illegible])

مقامِ تدبر ہے کہ جب بنصِ قرآن روزی اور نفع و نقصان جناب سید الانس والجان کے قبضۂ قدرت میں ہے ہی نہیں، بلکہ روزی رساں اور نفع و نقصان کا مالک خدائے رحمٰن ہی ہے تو پھر ان امور میں آنحضرتؐ یا ان کی عترت طاہرہؑ کی طرف رجوع کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(۵) ارشادِ قدرت ہے فلا تدع من دون اللہ مالا ینفعک ولا یضرک فان فعلت فانک اذا من الظلمین (پ ۱۱ س یونس ع ۱۶) اور خدا کو چھوڑ کر ایسی چیز کو نہ پکارو جو نہ تجھے نفع ہی پہنچا سکتی ہے نہ نقصان ہی پہنچا سکتی ہے تو اگر تم نے (کہیں ایسا) کیا تو اس وقت تم بھی ظالموں میں (شمار) ہوگے ”، اس آیت مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ جو شخص ایسی ہستی کو پکارے۔ جو نفع و نقصان پہنچانے پر قادر نہیں وہ ظالم ہے اور سابقہ آیت مبارکہ کی روشنی میں واضح کیا جا چکا ہے کہ نفع و نقصان کا مالک صرف خدا ہے“:

(۶) آں حضرتؐ کو حکم ہوتا ہے کہ اس امر کی تشریح کر دیں قل لا املک لنفسی نفعاً ولا ضراً الا ما شاء اللہ (پ ۹ س اعراف ع ۱۱) اے رسولؐ! تم کہہ دو کہ میں خود اپنا آپ تو اختیار رکھتا نہیں نہ نفع نہ ضرر کا مگر وہی جو خدا چاہے“: اس اعلان سے بھی بظاہر اپنی بندگی کا اظہار کر کے لوگوں کو ذاتِ احدیت کی بارگاہ کی معرفی کرانا مقصود ہے۔ کہ تم لوگ اسی ذات کی طرف رجوع کرو جس کا میں خود محتاج ہوں۔ اور یہی امر تو آں حضرتؐ بلکہ تمام انبیاءؑ کی بعثت کا مقصدِ اصلی تھا۔ کہ لوگ متوجہ الی اللہ ہو کر اس کی عبادت کریں۔ وما ارسلنا من قبلک من رسول الا نوحی الیہم انہ لا الہ الا انا فاعبدون (پ ۱۷ س انبیاء ع ۲) (اے رسولؐ) ہم نے تم سے پہلے جب کبھی رسول بھیجا تو اس کے پاس ہم یہی وحی بھیجتے رہے کہ بس ہمارے سوا کوئی معبود و قابلِ پرستش نہیں تو میری عبادت کیا کرو“ (ترجمہ فرمانؐ) اور یہ دعا و پکار بھی عبادتِ خداوندی ہے جیسا کہ خود ذیل آیت میں اسے عبادت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(۷) قال ربکم ادعونی استجب لکم ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جہنم داخرین (پ ۲۴ س مومن ع ۱۱) تمہارا پروردگار ارشاد فرماتا ہے۔ کہ تم مجھ سے دعائیں مانگو تمہاری دعا قبول کروں گا۔ جو لوگ ہماری عبادت سے اکڑتے ہیں وہ عنقریب ذلیل و خوار ہو کر یقیناً جہنم واصل ہوں گے“ حضرت امام زین العابدینؑ صحیفۂ سجادیہ کی دعائے وداعِ شہرِ رمضان میں یہی آیت پیش کرنے کے بعد بارگاہِ قدرت میں یوں عرض کرتے ہیں فسمیت دعائک عبادۃ وترکہ استکبارا و توعدت علی ترکہ دخول جہنم داخرین ”بار الٰہا تو نے دعا کو عبادت اور ترک کو تکبر قرار دیا ہے۔ اور ترکِ دعا پر ذلیل و رسوا کر کے داخلِ جہنم کرنے کی دھمکی دی ہے“: (صحیفۂ کاملہ ص ۲۲۵ طبع ایران) بلکہ بعض احادیث میں تو اسے افضل العبادۃ قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ”ھو الدعاء وافضل العبادۃ الدعاء“ یعنی یہاں عبادت

سے مراد دعا ہے اور یہ سب عبادتوں سے افضل عبادت ہے۔ (اصول کافی ص۵۱۶) اور بعض روایات میں اسے "مخ العبادۃ" بتایا گیا ہے۔ (عدۃ الداعی)، انہی حقائق کی بنا پر فاضل ابن فہد حلیؒ نے لکھا ہے "ان الدعاء عبادۃ فی نفسہ تعبد اللہ عبادہ بہ" دعا فی نفسہ عبادت ہے جس کی خدا نے بندوں کو تکلیف دی ہے (عدۃ الداعی ص۱۰ طبع بمبئی) پس جب دعا کرنا نہ صرف عبادت بلکہ افضل العبادت ہے۔ اور عبادت ذاتِ ایزدی کے ساتھ مختص ہے تو دعا (پکار) بھی خدا کی ذات سے ہی مختص ہوگی۔ ہاں قبولیتِ دعا کے منجملہ دیگر شرائط کے ایک عظیم شرط سرکار محمدؐ و آل محمدؑ کے ساتھ توسل حاصل کرنا بھی ہے جیسا کہ ارشاد ہے ولو انہم اذ ظلموا انفسہم جاؤک واستغفروا اللہ واستغفر لہم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما۔ (پ۵ س نساء ع ۷) اور (اے رسولؐ) جب ان لوگوں نے نافرمانی کرکے) اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا اگر تمہارے پاس چلے آتے اور خدا سے معافی مانگتے اور تم بھی ان کی مغفرت چاہتے تو بے شک وہ لوگ خدا کو بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان پاتے (ترجمہ فرمانؒ) اس آیت مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ بخشش گناہ وغیرہ امور میں آنحضرتؐ کا توسل حاصل کرنا ضروری ہے۔ اور یہی وہ صحیح طریقہ ہے جو تعلیمات اہل بیتؑ سے مستفاد ہوتا ہے۔ چنانچہ زائر رسولؐ کو یہ ہدایت کی جاتی ہے۔ کہ وہ بارگاہ رسالت میں پہنچ کر یوں عرض کرے۔ یا محمد یا رسول اللہ بابی انت وامی یا نبی اللہ یا سید خلق اللہ انی اتوجہ بک الی اللہ ربک وربی لیغفر ذنوبی ویتقبل منی عملی ویقضی لی حوائجی فکن لی شفیعا عند ربک وربی فنعم المسئول المولیٰ ربی ونعم الشفیع انت (مفاتیح الجنان ص۳۲۰)، یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں یا نبی اللہ اے مخلوقِ خدا کے سردار! میں آپ کے ذریعہ اپنے اور آپ کے پروردگار کی بارگاہ میں متوجہ ہوتا ہوں۔ تاکہ وہ میرے گناہ معاف کردے۔ میرے عمل کو قبول کرے اور میری حاجات برلائے پس آپ خدا کی بارگاہ میں میری شفاعت کریں کیونکہ بہترین مسئول خدا اور بہترین شفیع آپ ہیں۔

(۵) خداوند عالم حضرت یعقوبؑ کے کلام کی اس طرح حکایت فرماتا ہے کہ قال یا بنی لا تدخلوا من باب واحد وادخلوا من ابواب متفرقۃ وما اغنی عنکم من اللہ من شیٔ ان الحکم الا للہ، علیہ توکلت وعلیہ فلیتوکل المتوکلون ولما دخلوا من حیث امرہم ابوہم وما کان یغنی عنہم من اللہ من شیٔ الا حاجۃ فی نفس یعقوب قضاہا وانہ لذو علم لما علمناہ ولکن اکثر الناس لا یعلمون (پ۱۳ س یوسف ع ۸) اور یعقوب نے نصیحتاً چلتے وقت بیٹوں سے کہا۔ اے فرزندو (دیکھو خبردار) سب کے سب ایک ہی دروازہ سے نہ داخل ہونا۔ (کہ کہیں نظر نہ لگ جائے) اور متفرق دروازوں سے داخل ہونا اور میں تم سے (اس بلا کو جو) خدا کی طرف سے (آئے) کچھ بھی ٹال نہیں سکتا۔

حکم تو دراصل خدا ہی کے واسطے ہے۔ میں نے اسی پر بھروسہ کیا ہے اور بھروسہ کرنے والوں کو اسی پر بھروسہ رکھنا چاہیئے۔ اور جب یہ سب بھائی جس طرح ان کے والد نے حکم دیا تھا۔ اسی طرح (مصر میں) داخل ہوئے مگر جو حکم خدا کی طرف سے آنے کو تھا۔ اسے یعقوبؑ کچھ بھی ٹال نہیں سکتے تھے۔ مگر (ہاں) یعقوبؑ کے دل میں ایک تمنا تھی جسے انہوں نے یوں پورا کر لیا۔ اس میں تو شک نہیں کہ اسے چونکہ ہم نے تعلیم دی تھی۔ صاحبِ علم ضرور تھا۔ مگر بہتیرے لوگ (اس سے بھی) واقف نہیں" (ترجمہ فرمانؒ) اربابِ نظر و فکر غور کریں۔ کہ کس احسن طریقہ سے توحید افعالی کو بیان کیا گیا ہے اور امورِ قضا و قدر میں اللہ سبحانہٗ کی ذات مستجمع جمیع صفات پر اعتقاد کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ خداوند عالم نے حضرت یعقوبؑ کے اس موحدانہ و متوکلانہ کلام کی وجہ سے ان کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ انہ لذو علم لما علمناہ اس کی تفسیر صاحب صافیؒ نے یوں کی ہے لذو یقین ومعرفۃ من اجل تعلیمنا ایاہ ولذالک قال وما اغنی عنکم من شیء ولم یغتر بتدبیرہ (تفسیر صافی ص۲۴۵) یعنی ہماری تعلیم کی وجہ سے حضرت یعقوبؑ صاحبِ یقین و معرفت تھے۔ اسی لئے انہوں نے یہ کہا تھا۔ کہ میں تم سے (اس بلا کو) جو خدا کی طرف سے (آئے) کچھ بھی ٹال نہیں سکتا۔ اور اپنی تدبیر پر اعتماد کر کے دھوکہ نہیں کھایا"

(۹) بانیؐ اسلام کو حکم ہوتا ہے کہ کفار و مشرکین سے صاف صاف کہہ دو۔ انما انا منذر وما من الٰہ الا اللہ الواحد القہار رب السموات والارض وما بینہما العزیز الغفار (پ۲۳ ص ع ۱۴) (اے رسولؐ) تم کہدو کہ میں تو بس عذابِ خدا سے ڈرانے والا ہوں اور یکتا قہار خدا کے سوا کوئی معبود قابلِ پرستش نہیں۔ سارے آسمان اور زمین کا اور جو چیزیں ان دونوں کے درمیان ہیں۔ سب کا پروردگار غالب بڑا بخشنے والا ہے" (ترجمہ فرمانؒ)

اس آیت مبارکہ میں بموجب دریا بحباب اندر (کوزہ میں دریا) بند کر دیا گیا ہے اس آیت میں آنحضرتؐ نے اپنی الوہیت کی نفی کرتے ہوئے اسے ذاتِ احدیت میں منحصر کر کے تمام امورِ تکوینیہ (مثل خلق و رزق اور اماتت و احیاء وغیرہ) کو اسی ذاتِ ذوالجلال کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے اور یہی کلمۂ توحید (لا الٰہ الا اللہ) کا مفاد ہے۔

مقامِ اُلوہیت کی وضاحت

اب قابلِ غور و تدبر یہ بات ہے کہ کون کون سے کام مقامِ الوہیت سے تعلق رکھتے ہیں۔ بیسویں پارہ کا پہلا رکوع بغور پڑھنے سے کم از کم پندرہ عدد تکوینی امور کی انجام دہی کا ذاتِ خداوندی سے وابستہ ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔ ان امور کی اجمالی فہرست یہ ہے:-

(۱) خلقتِ زمین و آسمان (۲) بارش برسانا (۳) باغات وغیرہ اُگانا (۴) زمین کو قرار گاہ بنانا۔

(۵) زمین میں دریا جاری کرنا (۶) زمین کی روک تھام کے لئے پہاڑوں کا سلسلہ کھڑا کرنا۔ (۷) میٹھے اور کھاری پانی کے درمیان حائل قرار دینا (۸) مضطر کی دعاؤں کا سننا (۹) دکھ درد اور مصائب کا دور کرنا۔ (۱۰) زمین پر خلیفے بنانا۔ (۱۱) خشکی و تری کی تاریکیوں میں رستہ دکھانا (۱۲) ہواؤں کا چلانا (۱۳) پہلے مخلوق کو پیدا کرنا پھر لوٹانا (۱۴) زمین و آسمان سے مقرر رزق پہنچانا۔ (۱۵) عالم الغیب ہونا۔ پس ان حقائقِ قرآنیہ سے معلوم ہو گیا کہ امور تکوینیہ خداوند عالم کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ اور الٰہ وہ ہوتا ہے جو یہ کام انجام دیتا ہے۔ لہٰذا اس سلسلہ میں اسی ذات واحد یکتا کی طرف ہی رجوع کرنا واجب ہے۔ ہاں سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام چونکہ خالق و مخلوق کے درمیان وسیلہ ہیں۔ اس لئے ان کے ساتھ توسل ضرور حاصل کرنا چاہئے۔

خلاصہ یہ کہ یہ سب کچھ کلمۂ توحید و ایمان کے اندر پوشیدہ ہے (لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہِ وَصِیُّ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَخَلِیْفَتُہٗ بِلَا فَصْلٍ) پس جب خدا کو الٰہ مان لیا تو پھر اُسے سب کچھ مان لیا۔

چوں گوئم لا الٰہ از جاں بترسم ۔ کہ دانم مشکلاتِ لا الٰہ را

(۱۶) اللہ الذی جعل لکم الارض قرارا والسماء بناء و صورکم فاحسن صورکم و رزقکم من الطیبٰت ذٰلکم اللہ ربکم فتبارک اللہ رب العٰلمین (پ ۲۴ س مومن ع ۷) اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے واسطے زمین کو ٹھہرنے کی جگہ اور آسمان کو چھت بنایا اور اسی نے تمہاری صورتیں بنائیں تو اچھی صورتیں بنائیں اور اسی نے تمہیں صاف ستھری چیزیں کھانے کو دیں۔ یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے۔ تو خدا بہت ہی متبرک ہے جو سارے جہان کا پالنے والا ہے۔

(۱۷) ھو الحی لا الٰہ الا ھو فادعوہ مخلصین لہ الدین الحمد للہ رب العٰلمین (پ ۲۴ س مومن ع ۷) وہی (ہمیشہ) زندہ ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو نری کھری اُس کی عبادت کر کے اس سے دعا مانگو۔ سب تعریف خدا ہی کو سزاوار ہے جو سارے جہان کا پالنے والا ہے۔ (ترجمہ فرمان)

ایک عام مغالطہ دہی کا ازالہ

میدانِ شرک کے شاہسوار بالعموم اس مقام پر یہ کہہ کر عوام الناس کی آنکھوں میں دھول ڈالنے کی کوشش کیا کرتے ہیں۔ کہ ہم اہل بیتؑ کو خدا یا خدا جیسا تھوڑا ہی سمجھتے ہیں۔ ہم تو اُن کو خدا کا خاص بندہ سمجھ کر ان سے مدد مانگتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب خدا کی صفاتِ خاصہ ان میں تسلیم کر لیں اور خدائی کاموں کا مطالبہ ان سے کر لیا۔ اولاد ان سے مانگی۔ دکھ درد دور کرنے کی استدعا ان سے کی۔ ازالۂ مرض کا سوال ان سے کیا! مقدمات میں کامیابی حاصل کرنے کی دعائیں ان سے کیں۔ روزی ان سے طلب کی وعلیٰ ہذا القیاس۔ حالانکہ یہ سب کام خدا سے مختص ہیں۔ جیسا کہ اوپر ثابت کیا جا چکا ہے۔ تو باقی کیا رہ گیا؟ سبحان اللہ عما یشرکون۔

(۱۸) ما یفتح اللہ للناس من رحمۃ فلا ممسک لہا وما یمسک فلا مرسل لہ من بعدہ وھو العزیز الحکیم (پ۲۲ س فاطر ع ۱) خدا جب لوگوں کے واسطے اپنی (رحمت کے دروازے) کھول دے۔ تو کوئی اُسے روک نہیں سکتا۔ اور جس چیز کو روک لے اس کے بعد اسے کوئی جاری نہیں کر سکتا۔ وہی ہر چیز پر غالب اور دانا و بینا حکیم ہے " اس آیۂ مبارکہ سے بھی ظاہر ہے کہ ہر قسم کا نفع و نقصان پہنچانا خدا کے قبضۂ قدرت میں ہے لہٰذا ان امور میں رجوع بھی اسی کی بارگاہِ اقدس کی طرف کرنا لازم ہے۔

(۱۹) قل ادعوا الذین زعمتم من دونہ فلا یملکون کشف الضر عنکم ولا تحویلا (پ۱۵ س بنی اسرائیل ع ۶) (اے رسول) تم ان سے کہدو کہ خدا کے سوا اور جن لوگوں کو معبود سمجھتے ہو۔ ان کو (وقت پڑے) پکار کر دیکھو کہ وہ نہ تو تم سے تمہاری تکلیف ہی دفع کر سکتے ہیں اور نہ اس کو بدل سکتے ہیں۔ (ترجمہ فرمانؒ) علامہ طبرسیؒ من دونہ (خدا کے سوا) کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ والمراد بالذین من دونہ الملائکۃ والمسیح وعزیر الخ (مجمع البیان ج ۲) یعنی غیر خدا سے مراد ملائکہ اور حضرت مسیح و جناب عزیر ہیں) اس سے معلوم ہوا کہ یہ آیت صرف بتوں تک محدود نہیں بلکہ اس کے دامن "من دونہ" میں اس قدر وسعت ہے کہ وہ جن، ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام سب کو شامل ہے "

اسی طرح تفسیر صافی ص۲۹۸ میں من دونہ کی تفسیر "الملائکۃ والمسیح والعزیر" کے ساتھ کرنے کے بعد کشف الضر کی تفسیر "المرض والفقر والقحط" کے ساتھ کی گئی ہے یعنی یہ بزرگوار تمہارے مرض و فاقہ اور قحط کو تم سے دُور نہیں کر سکتے "

(۲۰) وان یمسسک اللہ بضر فلا کاشف لہ الا ھو وان یردک بخیر فلا راد لفضلہ یصیب بہ من یشاء من عبادہ وھو الغفور الرحیم (پ۱۱ س یونس ع ۱۰)

نہیں کوئی برائی چھو بھی گئی تو پھر اس کے سوا کوئی اس کا دفع کرنے والا نہیں ہوگا۔ اور اگر تمہارے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرے تو پھر اس کے فضل (و کرم) کا پلٹنے والا بھی کوئی نہیں وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے فائدہ پہنچائے۔ اور وہ تو بڑا بخشنے والا مہربان ہے " علامہ طبرسی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ معناہ وان یحلل اللہ بک ضرا من بلاء او شدۃ او مرض فلا کاشف لہ الا ھو ای لا یقدر احد علی کشفہ غیرہ کانہ سبحانہ لما بیّن ان غیرہ لا ینفع ولا یضر عقّب ببیان کونہ قادرا علی الضر والنفع (مجمع البیان ج ۳ ص ۱۱۵)

یعنی اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ اگر خدا تعالٰی تمہارے اُوپر کوئی بلا و سختی اور مرض نازل کرے تو سوائے اس کے اور کوئی اُسے دُور کرنے پر قادر نہیں ہے۔ (ربط آیات یہ ہے کہ) گویا جب (سابقہ آیت میں) خدا نے یہ فرمایا کہ غیر خدا نہ نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ ضرر تو اس کے بعد یہ فرمایا کہ خدا ہی نفع و ضرر پہنچانے پر قادر ہے "

(۲۱) لیس لک من الامر شئ او یتوب علیہم او یعذبہم فانہم ظالمون۔ (پ۴ س آل عمران ع ۴) "اے رسولؐ، اس معاملہ میں تمہارا کچھ اختیار نہیں۔ خواہ خدا ان کی توبہ قبول کرے یا ان کو عذاب دے، اس لئے کہ وہ ظالم ہیں۔"

یہاں "لیس" حرف نفی اور "شئ" نکرہ ہے۔ ارباب علم جانتے ہیں۔ کہ جب نکرہ تحت نفی واقع ہو تو مفید عموم ہوتا ہے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ خلاق عالم نے اس آیت میں ہر قسم کے معاملات کی آنحضرتؐ کے قبضہ میں ہونے کی نفی فرمائی ہے۔ چونکہ امور تشریعیہ دلائل خارجیہ کی بنا پر اس سے خارج ہیں۔ باقی امور تکوینیہ عموم آیت کے تحت رہیں گے۔ و یبقی الباقی تحت العموم۔ کہا جاتا ہے کہ یہ آیت صرف جنگ کے بارے میں ہے۔ کہ اس میں آنحضرتؐ کو کوئی اختیار نہ تھا۔ اس سے بھی ہمارے مدعا پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ بلکہ تائید ہوتی ہے۔ کیونکہ جس بزرگوار کو امور جنگ میں کوئی اختیار نہیں وہ پورے عالم امکان کا کیونکر بااختیار فرمانروا ہو سکتا ہے۔

(۲۲) فذکر انما انت مذکر لست علیہم بمصیطر (پ۳۰ س غاشیہ ع ۱) "پس نصیحت کرو تم تو فقط نصیحت کرنے والے ہو۔ تو ان پر کوئی داروغہ تو نہیں"۔ جب آنحضرتؐ کا صرف لوگوں پر بھی تسلط نہیں تو پھر تمام کائنات کس طرح ان کے قبضۂ اقتدار میں تسلیم کی جا سکتی ہے؟ جب ایسا نہیں تو پھر ان تمام امور میں ان کی طرف رجوع کرنا کہاں تک قرین عقل ہو سکتا ہے؟

(۲۳) قل لست علیکم بوکیل (پ۷ س انعام ع ۱۴) "تم کہہ دو میں تمہارا نگران نہیں ہوں۔"

(۲۴) وما جعلناک علیہم حفیظاً وما انت علیہم بوکیل۔ (پ۷ س الانعام ع ۱۹) "اور ہم نے تم کو ان کا نگہبان نہیں بنایا اور نہ تم ان کے ذمہ دار ہو۔"

ان آیات سے روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہو جاتا ہے کہ امور تکوینیہ میں حفاظت و ذمہ داری اور نگرانی و نگہبانی آنحضرتؐ کے وظائف میں داخل نہیں ہے لہٰذا بعد ازیں ان امور میں براہ راست ان کی طرف رجوع کرنے کا کوئی محل باقی نہیں رہتا۔

(۲۵) ولم یکن لہ شریک فی الملک ولم یکن لہ ولی من الذل وکبرہ تکبیراً (پ۱۵ س الاسراء ع ۱۲) "اور نہ سلطنت میں کوئی اس کا شریک ہے اور نہ وہ عاجز ہے۔ کہ کوئی اس کا حامی ہو۔ اور تم اس کی بڑائی کبریائی کا اظہار کرتے رہا کرو۔"

اس آیت مبارکہ سے بھی واضح ہوتا ہے کہ اس کارخانۂ قدرت میں کوئی خدا کا شریک و سہیم نہیں ہے۔ وہ ذات و صفات میں یگانہ و یکتا ہے۔ قل ھو اللہ احد۔

(۲۶) قل انما ادعوا ربی ولا اشرک بہ احداً (پ۲۹ س جن ع ۱۲) "تم کہہ دو میں تو صرف اپنے پروردگار

یاتا ہوں۔ اور کسی کو اس کا شریک نہیں بناتا۔

(۲۷) وان المساجد للہ فلا تدعوا مع اللہ احدا (پ ۲۹ س جن ع ۱۱) "اور ضرور سجدے کے مقامات
دا کے لئے مخصوص ہیں پس تم اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو (ترجمہ مقبولؒ)

مشکلات و مصائب میں غیر اللہ کی دعا و پکار کی اس سے بڑھ کر اور کس طرح ممانعت کی جاسکتی ہے۔

(۲۸) ان ینصرکم اللہ فلا غالب لکم وان یخذلکم فمن ذا الذی ینصرکم من بعدہ
(پ ۴ س آل عمران ع ۸) "(مسلمانو یاد رکھو) اگر خدا نے تمہاری مدد کی تو پھر تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ اور
م کو چھوڑ دے تو کوئی ایسا ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کو کھڑا ہو۔ اور مومنین کو چاہئے کہ خدا ہی پر بھروسہ رکھیں"

(۲۹) او لم یروا ان اللہ یبسط الرزق لمن یشاء ویقدر ان فی ذلک لایٰت لقوم یومنون۔
س روم ع ۴) "کیا ان لوگوں نے (اتنا بھی) غور نہیں کیا کہ خدا ہی جس کی روزی چاہتا ہے کشادہ کر دیتا ہے اور جس کی
ہتا ہے تنگ کرتا ہے۔ کچھ شک نہیں کہ اس میں ایماندار لوگوں کے واسطے (قدرت خدا کی) بہت سی نشانیاں
یں (ترجمہ فرمانؒ)

ان آیات مبارکہ سے بصریح النص ہویدا ہوتا ہے کہ شدائد میں نصرت کرنا اور رزق کو کم و زیادہ کرنا پروردگار عالم
قبضۂ اختیار میں ہے۔ لہٰذا ان امور میں، رجوع بھی اسی کی طرف کرنا چاہئے۔

(۳۰) الیس اللہ بکاف عبدہ (پ ۲۴ س زمر ع ۱) "اور کیا اللہ اپنے بندوں کے لئے کافی نہیں ہے" (ترجمہ مقبولؒ)
کس حسین و حسین انداز میں خدا اپنے بندوں سے دریافت کر رہا ہے کہ کیا میں اپنے بندوں کے لئے کافی نہیں؟ اب
دوں کو چاہئے کہ سوچ کر جواب دیں۔ کہ آیا وہ کافی ہے یا نہیں؟ اگر جواب نفی میں ہے تو توحید رخصت! اور
اثبات میں ہے تو پھر اس کی بارگاہ اقدس کو چھوڑ کر دوسروں کے دروازوں پر جبہ سائی برائے چہ؟

صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے

ل یا اہل الکتب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم الا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئا ولا یتخذ
ضنا بعضا اربابا من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشہدوا بانا مسلمون (پ ۳ س آل عمران ع ۱۵)

یک عجیب مغالطہ اور اس کا ازالہ

وہ آیات جن میں اللہ کے سوا دوسروں کی دعا و پکار کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ جن میں سے کئی ایک سطور بالا میں مذکور ہیں۔ اکثر مجیب صاحبان نے تو حسب
ادت ان کو چھوا بھی نہیں۔ البتہ ایک صاحب نے خلاف عادت ان کے جواب سے عہدہ برآ ہونے کی ناکام
شش کی ہے۔ انہوں نے ایک سفسطہ پیش کر کے سادہ لوح عوام کو گمراہ کرنے کی سعی لاحاصل کی ہے۔ انہوں
یہ مفروضہ قائم کیا ہے کہ سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام "غیر اللہ" نہیں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بیچاری

ملکی زبان کے محاورہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ تفسیر بالرائے کی ہے۔ کیونکہ ہمارے محاورہ میں "غیر" مخالف اور غیر متعلق کو کہا جاتا ہے۔ فلاں شخص فلاں کا غیر ہے یعنی اس کا مخالف ہے۔ اور اس سے اس کا کوئی ربط و تعلق نہیں ہے۔ حالانکہ "من دون اللہ" جس کا ترجمہ ہے "اللہ کے سوا" "خدا کے علاوہ" "غیر اللہ" اس کا مطلب یہ ہے کہ جو خدا نہیں ہے۔ اگر ان صاحب کی یہ تاویل علیل تسلیم کر لی جائے۔ تو جب کوئی یہ کہے کہ فلاں آدمی غیر سید ہے۔ تو اس کا مطلب ان کے نزدیک یہ ہوگا۔ کہ وہ سادات کے مخالف ہے۔ یا جب یہ کہا جائے کہ فلاں شخص غیر عالم ہے۔ تو اس کا یہ مفہوم ہوگا کہ وہ دشمن علماء ہے؟ اسی طرح جب یہ کہا جائے کہ فلاں غیر نبی و امام ہے۔ تو اس کا یہ مفہوم ہوگا۔ کہ وہ نبی و امام کا مخالف و معاند ہے۔ مالکم کیف تحکمون۔ غالباً ایسے ہی لوگوں سے دل برداشتہ ہو کر ڈاکٹر اقبال نے کہا تھا ؎

زما بر صوفی و ملا سلامے — کہ پیغام خدا دادند ما را
ولے تاویل شاں در حیرت انداخت — خدا و جبرئیل و مصطفیٰ را

حالانکہ بات بالکل سیدھی سادی ہے کائنات میں جو کچھ ہے یا خدا ہے یا غیر خدا۔ تو اگر ائمہ اہل بیتؑ غیر خدا نہیں تو کیا پھر وہ عین خدا ہیں؟ اگر یہی عقیدہ ہے۔ تو پھر کھل کر اس کا اظہار کریں۔ اس لیپا پوتی سے کیا حاصل:

؎ بیفگن پردہ تا معلوم گردد — کہ یاراں دیگرے را می پرستند

اگر بالفرض غیر خدا کا یہی مفہوم ہو جو یہ محقق بیان کر رہے ہیں۔ تو جن علماء و مفسرین (مثل علامہ طبرسی و فاضل کاشانی نے مجمع البیان و صافی میں) اقوال معصومینؑ کی روشنی میں "من دون اللہ" کے ذیل میں ملائکہ، عیسیٰؑ اور عزیرؑ کے نام لکھے ہیں تو کیا وہ ان کو اللہ کا مخالف اور دشمن سمجھتے ہیں؟ (معاذ اللہ) خدا ان لوگوں کی حالت زار پر رحم فرمائے۔ ہاں یہ درست ہے کہ ہر جگہ "من دون اللہ" سے مراد یہ ذوات مقدسہ نہیں ہیں۔ لیکن غیر اللہ ہونا اور بات ہے اور کسی جگہ مراد نہ ہونا اور بات۔ اور جہاں خدا اور اس کے رسولوں میں تفریق کی مذمت وارد ہوئی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ بعض پر ایمان لایا جائے اور بعض کا انکار کیا جائے۔ فتدبر۔ یعنی خدا کو تو برائے نام مانا جائے اور اس کے رسولوں کا انکار کر دیا جائے جیسا کہ تفاسیر میں مرقوم ہے۔

ایک فیصلہ کن استفتاء

ہمارے جس محقق کو اپنی اس تحقیق انیق پر بڑا ناز ہے کہ ائمہ اطہارؑ غیر اللہ نہیں ہیں۔ ان کی خدمت میں ایک استفتاء پیش کیا جاتا ہے امید ہے کہ وہ فرصت اولیٰ میں اس کا جواب دیتے ہوئے ایک نئی تحقیق کا دروازہ کھول کر ارباب علم و نظر کی تسکین فرمائیں گے۔

وھو ہذا۔ ارشاد ایزدی ہے وما اھل بہ لغیر اللہ۔ (پ ۶ س المائدہ ع ۵) یعنی جس حیوان پر بوقت ذبح غیر اللہ کا نام لیا جائے اس کا کھانا حرام ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر کسی حیوان کے ذبح کرتے وقت بجائے بسم اللہ واللہ اکبر

کے باسم محمدؐ یا باسم علیؑ یا باسم الحسنؑ یا باسم الحسینؑ یا باسم العباسؑ (وعلیٰ ہذا القیاس) ان بزرگواروں میں سے کسی بزرگ کا نام لیا جائے تو کیا اس حیوان کا کھانا حلال ہے یا حرام؟ بیّنوا توجروا۔ آیت و حدیث اور فقہ جعفریہ کی روشنی میں بحوالہ کتاب مع قید صفحہ و سطر جواب دیا جائے

مسئلۂ استمداد تعلیماتِ معصومینؑ کی روشنی میں

تیسرے باب میں ابطال تفویض کے سلسلہ میں جس قدر احادیث معصومینؑ پیش کی جا چکی ہیں۔ وہ سب یہاں ہمارے دعوے کی تائید میں پیش کی جا سکتی ہیں۔ کیونکہ ان سے کالشمس فی نصف النہار واضح و آشکار ہوتا ہے۔ کہ خلاق عالم نے امور تکوینیہ (خلق و رزق اور اماتت و احیاء و شفائے امراض وغیرہ) کی انجام دہی سرکار محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کے سپرد نہیں فرمائی۔ بلکہ ان امور میں ان کا منصب و مقام بارگاہ خداوندی میں مخلوق کی شفاعت و سفارش کرنا ہے۔

بعد ازیں اس سلسلہ میں ان بزرگواروں سے سوائے استدعائے شفاعت و گذارش سفارش کے اور کیا عرض کیا جا سکتا ہے؟ علاوہ بریں چونکہ یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ ثبوت بذمہ مدعی ہوا کرتا ہے۔ لہٰذا چاہیے تو یہ کہ جو شخص اس امر کا مدعی ہے کہ امور تکوینیہ میں ائمہ اطہارؑ سے براہ راست استمداد و استعانت روا ہے وہ اس سلسلہ میں ایسے نصوص قرآنیہ اور صحیح و صریح ارشادات معصومیہ پیش کرے جن میں خدا یا ائمہ ہدیٰؑ نے یہ فرمایا ہو۔ کہ تم مشکلات و مصائب، طلب اولاد، شفائے امراض اور موت و حیات وغیرہ امور میں محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کی طرف رجوع کیا کرو۔ جہاں تک ممکن تھا ہم نے اس سلسلہ میں بہت تحقیق و تفحص سے کام لیا ہے۔ اور بے شمار کتب کی ورق گردانی کی ہے کہ شاید اس سلسلہ میں کسی معصومؑ کا کوئی مستند اور صریح فرمان دستیاب ہو جائے۔ لیکن ہم یہ اعتراف کرتے ہیں کوئی عار محسوس نہیں کرتے کہ اس سلسلہ میں ہمیں کامیابی حاصل نہیں ہو سکی۔ بلکہ اس کے برعکس اس سلسلہ میں ائمہ اطہارؑ کی ممانعت نظر قاصر سے ضرور گذری ہے۔

(۱) چنانچہ ابو الائمۃ الطاہرین حضرت امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:۔ فاللہ اللہ ان تشکوا الیٰ من لا یشکی شجوکم (ولا ینقض برأیہ ما قد ابرم لکم (نہج البلاغہ حصہ اول ص۲۰۱ طبع مصر) اللہ سے ڈرو کہ اپنی شکایتیں ایسے شخص (امام عالی مقامؑ) کی طرف پیش کرو۔ جو تمہاری شکایت کے اضطراب کو دور نہیں کر سکتا۔ اور نہ ہی اپنی رائے سے محکم و مضبوط احکام و امور کو توڑ سکتا ہے۔

(۲) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے بارے میں افراط کرنے والے لوگوں کی مذمت اور ان سے اپنی برأت ظاہر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔ فواللہ ما نحن الا عبید اللہ الذی خلقنا۔ واصطفانا ما نقدر علیٰ ضرر ولا نفع …… لقد آذوا اللہ وآذوا رسولہ صلی اللہ علیہ وآلہ فی قبرہ وامیر المومنینؑ و فاطمۃؑ والحسنؑ والحسینؑ ابیت علی فراشی خائفاً وجلاً مرعوباً یامنون وافزع الخ یعنی خدا کی قسم ہم اس

خدا کے بندے ہیں جس نے ہمیں پیدا کر کے منتخب فرمایا ہے۔ ہمیں نفع و نقصان پر کوئی اختیار نہیں ہے۔ ان لوگوں نے ہمارے متعلق غلط نظریات قائم کر کے، خدا اور جناب رسول خداؐ کو ان کی قبر اقدس میں اذیت پہنچائی ہے اسی طرح ان لوگوں نے حضرت امیر المومنینؑ، حضرت فاطمہ زہراؑ اور جناب امام حسنؑ و حسینؑ اور دیگر ائمہ طاہرینؑ کو رنج پہنچایا ہے۔ کیا یہ غور نہیں کرتے کہ وہ امن و اطمینان سے وقت گذار رہے ہیں۔ اور میں خوف و ہراس کے عالم میں رخت خواب پر رات گذارتا ہوں (رجال کشی ص۲۴۳)

(۳) حضرت امام زین العابدین علیہ السلام دعائے طلب حاجات میں فرماتے ہیں: "فمن حاول سد خلته من عندك ورام صرف الفقر عن نفسه بك فقد طلب حاجته فى مظانها واتى طلبته من وجهها ومن توجه بحاجته الى احد من خلقك اوجعله سبب نجحها دونك فقد تعرض للحرمان واستحق من عندك فوت الاحسان (صحیفہ کاملہ ترجمہ جناب مفتی جعفر حسین ص۱۰۱)" جس نے اپنے افلاس کے رفع کرنے کے لئے تیرا ارادہ کیا۔ اور اپنی احتیاج کے دور کرنے کے لئے تیرا قصد کیا۔ اس نے اپنی حاجت کو اس کے محل و مقام سے طلب کیا۔ اور اپنے مقصد تک پہنچنے کا صحیح راستہ اختیار کیا۔ اور جو اپنی حاجات کو لے کر مخلوقات میں سے کسی ایک کی طرف متوجہ ہوا یا تیرے علاوہ دوسرے کو اپنی حاجت برآری کا ذریعہ قرار دیا وہ حرمان نصیبی سے دو چار ہوا اور تیرے احسان سے محرومی کا سزاوار ہوا۔" امام عالی مقام نے مخلوق کو حاجت روا سمجھنے اور مطلب برآری میں ان پر اعتماد کرنے کی جو مذمت فرمائی ہے اس میں کسی نبی یا امام کا استثناء نہیں فرمایا۔

علامہ سید علی خان اپنی شرح صحیفہ ریاض السالکین ص۲۷۵ طبع ایران میں ان فقرات کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "واعلم انه لما كان له تعالى خزائن السموات والارض وكان امرها بيده لا معطى ولا مانع الا هو وقد امر بالدعاء وتكفل بالاجابة فقال ادعونى استجب لكم وحث الخلق على ان يسألوه ليعطيهم فقال واسئلوا الله من فضله وكانت له القدرة التامة التى لا يعجزها شئ وكان له الجود الذى لا بخل فيه والغنى الذى لا فقر معه لا ينقصه عطاء ولا يفره منع لاجرم كان من طلب اصلاح خلته وجبر فاقته من عنده ورام صرف الفقر عن نفسه به طالباً لحاجته من موضعها الذى يعلم انها فيه وقصد ما طلب من جهته التى يقصد منها فكان حرياً بالنجح لما سئل وجديراً بالظفر بما طلب واما من توجه بحاجته الى احد من المخلوقين وناخ مطايا الرجاء والطلب فى ساحة فقير عاجز مثله اوجعله سبباً لنجاحها والظفر بها معتمداً عليه دون الله تعالى فقد تعرض للمنع وفوت الاحسان منه تعالى اذ المسئ حاجته من الوجه الذى ينبغى ان يأتيها منه ولم يطلبها من محلها الذى هى فيه ومن التمس الشئ من غير محله واتاه من غير جهته لم يظفر الا بالحرمان ولم يحصل الا على خيبة الطلب الخ

یعنی جاننا چاہئے کہ چونکہ زمین و آسمان کے تمام خزانوں کی کنجیاں خدا کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ اس کے سوا اور کوئی معطی و مانع نہیں ہے۔ اور اس کریم نے دعا کا حکم دے کر قبولیت کا وعدہ کرتے ہوئے۔ فرمایا ہے "تم مجھ سے دعا کرو۔ میں قبول کروں گا۔ نیز اس نے لوگوں کو اس بات کی رغبت دلائی ہے کہ وہ اس سے سوال کریں۔ تاکہ وہ انہیں عطا کرے چنانچہ ارشاد فرماتا ہے "تم اللہ کے فضل کے بارے میں سوال کرو۔ اور چونکہ وہ ایسا [illegible] ہے جسے کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی۔ اور ایسا جواد مطلق ہے جس میں بخل کا شائبہ تک نہیں۔ اور ایسا غنی ہے جس میں فقر و فاقہ کی آمیزش نہیں۔ نہ عطا و بخشش اس کے خزانہ کو کم کرتا ہے۔ اور نہ روکنا اسے فقر پہنچاتا ہے۔ بنابریں جو شخص بھی اپنی حاجت کی اصلاح، فقر و فاقہ کی دوری خدا سے طلب کرے گا تو وہ شخص یقیناً اپنی حاجت کو وہاں سے طلب کرے گا۔ جہاں سے طلب کرنی چاہئے۔ لہٰذا وہ کامیابی و کامرانی [illegible] ہوگا۔ اور جو شخص اپنی حاجات کو کسی مخلوق سے طلب کرے گا۔ اور جو خدا کے علاوہ اپنی امید و آرزو کا مرکز اپنے جیسی عاجز مخلوق کو بنائے گا۔ یا خدا کو چھوڑ کر اس کی مخلوق پر اعتماد کرتے ہوئے اسے ہی کامیابی کا سبب قرار [illegible] وہ خدا کی طرف سے منع و حرمان نصیبی کا مستوجب قرار پائے گا کیونکہ اس نے اپنی حاجت وہاں سے طلب نہیں کی جہاں سے طلب کرنی چاہئے تھی۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ جو بھی کسی چیز کو اپنے محل و مقام سے طلب نہ کرے وہ ہمیشہ ناکام و نامراد ہی رہتا ہے۔"

(۴) نیز حضرت امام زین العابدینؑ دعائے تفزع الی اللہ میں فرماتے ہیں۔ فانت یا مولای دون کل مسئول موضع مسئلتی ودون کل مطلوب الیہ ولیّ حاجتی انت المخصوص قبل کل مدعو بدعوتی لا یشرکک احد فی رجائی ولا یتفق احد معک فی دعائی ولا ینظمہ وایاک ندائی الخ (صحیفہ کاملہ ترجمہ مفتی صاحب ص۲۲۴) اے میرے مالک! تو ہی میرے سوال کا مرجع ہے نہ وہ جن سے سوال کیا جاتا ہے۔ اور تو ہی میرا حاجت روا ہے۔ نہ وہ جن سے حاجت طلب کی جاتی ہے۔ اور ان تمام لوگوں سے پہلے جنہیں پکارا جاتا ہے تو میری دعا کے لئے مخصوص ہے۔ اور میری امید میں تیرا کوئی شریک نہیں ہے اور میری دعا میں تیرا کوئی ہم پایہ نہیں ہے۔ اور میری آواز تیرے ساتھ کسی اور کو شریک نہیں کرتی۔"

(۵) انہی جناب نے بارگاہ قدرت میں صحیح طریقۂ توسل اختیار کرنے کی یوں تعلیم فرمائی ہے۔ دعائے روز پنجشنبہ میں فرماتے ہیں۔ اللّٰھم انی بذمۃ الاسلام اتوسل الیک وبحرمۃ القرآن اعتمد الیک وبمحمد المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ استشفع لدیک الخ اے اللہ! میں اسلام کے عہد و پیمان کے ذریعہ تجھ سے توسل چاہتا ہوں۔ اور قرآن کی عزت کے واسطے سے تجھ پر بھروسہ کرتا ہوں اور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلے سے تیری بارگاہ میں شفاعت کا طلبگار ہوں۔" (صحیفہ مذکور ص۴۳۶)

(۱) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام یہ حدیث قدسی بیان کرتے ہیں کہ خدا فرماتا ہے: "وعزتی وجلالی ومجدی وارتفاعی علی عرشی لاقطعن امل کل مؤمل غیری بالیأس ولاکسونہ ثوب المذلۃ عند الناس ولانحینہ من قربی ولابعدنہ من فضلی ایؤمل غیری فی الشدائد والشدائد بیدی ویرجو غیری ویقرع بالفکر باب غیری وبیدی مفاتیح الابواب وھی مغلقۃ وبابی مفتوح لمن دعانی فمن ذا الذی املنی لنوائبہ فقطعتہ دونھا ومن ذا الذی رجانی بعظیمۃ فقطعت رجاءہ منی جعلت امال عبادی عندی محفوظۃ فلم یرضوا بحفظی وملأت سمواتی ممن لا یمل من تسبیحی وامرتھم ان لا یغلقوا الابواب بینی وبین عبادی فلم یثقوا بقولی الخ ...... (ریاض السالکین [illegible] کذا فی عدۃ الداعی [illegible])

مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم جو شخص میرے علاوہ کسی اور پر بھروسہ کریگا۔ میں ضرور اس کی امید کو نا اُمیدی کے ساتھ تبدیل کروں گا۔ اور لوگوں کے نزدیک اسے لباسِ ذلت پہناؤں گا۔ اور اسے اپنے فضل وکرم سے دُور کروں گا۔ (اسے شرم نہیں آتی) کیا وہ شدائد ومصائب میں مجھے چھوڑ کر اوروں سے اُمیدیں وابستہ کرتا ہے۔ حالانکہ شدائد میرے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ میرے غیر کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے۔ حالانکہ سوائے میرے دروازہ کے باقی تمام دروازے بند ہیں اور ان کی کنجیاں میرے دستِ قدرت میں ہیں۔ ہاں میرا دروازہ مجھ سے دُعا ولپکار کرنے والوں کے لئے ہمیشہ کھلا ہوا ہے۔ بھلا وہ کون شخص ہے جس نے شدائد میں میرے ساتھ اُمید وابستہ کی ہو۔ اور میں نے اُسے نا امید کیا ہو۔ میرے پاس لوگوں کی آرزوئیں محفوظ ہیں۔ مگر (افسوس) وہ میری حفاظت پر رضامند نہیں۔ میں نے اپنے آسمانوں کو ایسی مخلوق (فرشتوں) سے بھر دیا ہے جو میری تسبیح وتقدیس سے کبھی نہیں تھکتے۔ اور میں نے ان کو حکم دے رکھا ہے کہ وہ میرے اور میری مخلوق کے درمیان کبھی دروازہ ہائے (رحمت) کو بند نہ کریں۔ مگر (افسوس) یہ لوگ میرے قول پر اعتماد نہیں کرتے۔" ؎

مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

(۲) حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اپنے آباء واجداد کے سلسلۂ سند سے خداوند عالم کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے۔ "ما من مخلوق یعتصم بمخلوق دونی الا قطعت اسباب السموات والارض دونہ فان دعانی لم اجبہ وان سألنی لم اعطہ وما من مخلوق یعتصم بی دون خلقی الا ضمنت السموات والارض رزقہ فان سألنی اعطیتہ وان دعانی اجبتہ وان استغفرنی غفرت لہ الخ (ریاض السالکین [illegible] کذا فی عدۃ الداعی ص۲۹)

"جو کوئی مخلوق بھی میرے علاوہ کسی اور مخلوق پر بھروسہ کرے میں اس کے لئے زمین وآسمان کے وسائل واسباب بند کر دیتا ہوں۔ لہٰذا اگر وہ مجھ سے دُعا کرے تو میں اُسے قبول نہیں کرتا۔ اور اگر مجھ سے سوال کرے تو اُسے عطا نہیں

کرتا۔ اور جو مخلوق میرے دامن کے ساتھ متمسک ہو جاتے ہیں زمین و آسمان کو اس کے رزق کا ضامن بنا دیتا ہوں پس اگر مجھ سے سوال کرے تو اُسے عطا کرتا ہوں۔ اگر دعا کرے تو اُسے قبول کرتا ہوں۔ اور اگر مجھ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگے۔ تو اسے معاف کر دیتا ہوں۔"

(۸) حضرت امام زین العابدین دعائے تعرض الی اللہ میں فرماتے ہیں: "اللھم انی خلصت بانقطاعی الیک واقبلت علیک وصرفت وجھی عمن یحتاج الی رفدک وقلبت مسألتی عمن لم یستغن عن فضلک ورأیت ان طلب المحتاج الی المحتاج سفہ من رأیہ وضلّۃ من عقلہ۔ (صحیفہ کاملہ ص۱۵۰)

"اے اللہ! میں پورے کے ساتھ دوسروں سے منہ موڑ کر تجھ سے لو لگائے ہوں اور ہمہ تن تیری طرف متوجہ ہوں اور ہر شخص سے جو خود تیری عطا و بخشش کا محتاج ہے منہ پھیر لیا ہے اور اس شخص سے جو تیرے فضل و احسان سے بے نیاز نہیں ہے۔ سوال کا رخ موڑ لیا ہے اور اسی نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ محتاج سے ہاتھ پھیلانا سراسر سمجھ بوجھ کی سبکی اور عقل کی گمراہی ہے۔" (صحیفہ کاملہ ص۱۵۲) ترجمہ

علامہ سید علی خان نے اس کلام حق ترجمان کی شرح میں بعض اعلام کا یہ کلام نقل کیا ہے۔ کہ "من التوکل ان لا تطلب لنفسک ناصراً غیر اللہ ولا لرزقک قاسماً غیر اللہ ولا لعملک شاھداً غیر اللہ۔

(ریاض السالکین ص۳۰۲) "یعنی خدا پر بھروسا کرنے کی حقیقت میں یہ بات داخل ہے کہ سوائے خدا کے اور کسی سے اپنے لئے نصرت طلب نہ کرو۔ نہ سوائے خدا کے کسی اور کو رزق کا تقسیم کرنے والا سمجھو اور نہ ہی خدا کے سوا کسی کو اپنے عمل پر گواہ قرار دو۔

علامہ ابن فہد حلیؒ نے توکل کی یہ تعریف کی ہے کہ "بان المخلوق لا یضر ولا ینفع ولا یعطی ولا یمنع" مخلوق کسی کو نفع و نقصان اور عطا و منع کی مالک نہیں ہے۔" (عدۃ الداعی ص۴۵ طبع بمبئی)

(۹) حضرت امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں: "فاذا اشتد الفزع فالی اللہ المفزع" یعنی جب خوف و ہراس سخت ہو جائے تو خدا سے مدد طلب کرو (اصول کافی ص۴۱۸ کتاب الدعا)

(۱۰) جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام فرماتے ہیں: "ما من بلاء ینزل علی عبد مومن فیلھمہ اللہ عزوجل الدعاء الا کشف ذلک البلاء وشیکاً وما من بلاء ینزل علی عبد مومن فیمسک عن الدعاء الا کان ذلک البلاء طویلاً فاذا نزل البلاء فعلیکم بالدعاء والتضرع الی اللہ عزوجل" یعنی جب بندۂ مومن پر کوئی بلا و مصیبت نازل ہو اور خدا اسے دعا کرنے کا القا کر دے تو وہ آفت جلد ٹل جاتی ہے (پھر فرمایا) پس جب بھی تم پر کوئی بلا و مصیبت نازل ہو۔ تو تم پر لازم ہے کہ دعا کرو۔ اور خدا کی بارگاہ میں تضرع و زاری کرو۔ (اصول کافی ص۴۱۹، عدۃ الداعی ص۱۳۰)

(۱۱) جناب امام زین العابدین دعائے دفع مہمات میں فرماتے ہیں: "انت المدعو للمہمات وانت المفزع فی الملمات لا یندفع منھا الا ما دفعت ولا ینکشف منھا الا ما کشفت (صحیفہ ص۲۹) مشکلات میں تجھے ہی پکارا جاتا ہے بلیات میں تو ہی جائے پناہ ہے کوئی مصیبت ٹل نہیں سکتی مگر جسے تو ٹال دے اور کوئی مشکل حل نہیں ہو سکتی مگر جسے تو حل کر دے۔"

تو وہ جلد دفع ہو جاتی ہے اور اگر بندۂ مومن دعا و پکار میں دیر کرے

علامہ سید علی خان اس کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں "تعریف المسند هنا بلام الجنس لافادة القصر تحقيقاً باعتبار تقييده بالظرف اذ ليس غيره تعالى مدعواً للمهمات ولا مفزعا فى الملمات وان دعى غيره لها او فزع اليه فيها فهو جهل محض او شرك خفى وهو صريح على ان دعائه سبحانه عند نزول الملمات والفزع اليه حين حلول المهمات دون غيره امر فطرى كما قال تعالى واذا مسكم الضر فى البحر ضل من تدعون الا اياه وقال تعالى قل ارأيتكم ان اتكم عذاب الله او اتتكم الساعة اغير الله تدعون ان كنتم صادقين بل اياه تدعون فيكشف ما تدعون اليه ان شاء وتنسون ما تشركون" (ریاض السالکین ص۱۳۳) یہاں مسند (المدعو) کو لام تعریف کے ساتھ معرف کرکے اس لئے لایا گیا ہے۔ کہ اس سے مقصد حصر حقیقی ہے کیونکہ مہمات میں خدا کے سوا اور کوئی ایسا نہیں ہے جسے پکارا جائے۔ اور نہ خدا کے سوا کوئی ایسا ہے جس سے شدائد میں مدد حاصل کی جائے۔ اور اگر شدائد و مہمات میں غیر خدا کو پکارا گیا۔ یا اس سے مدد طلب کی گئی تو محض جہالت یا شرک خفی بلکہ جلی ہوگا۔ علاوہ بریں مہمات و مصائب کے وقت صرف خدا کی طرف رجوع کرنا اور اس سے اعانت طلب کرنا ایک فطری امر ہے چنانچہ خداوند عالم فرماتا ہے۔ جب تم سمندر میں ہوتے ہو اور تمہیں کوئی تکلیف پہنچے تو خدا کے سوا دوسرے وہ لوگ جن کو تم پکارا کرتے ہو۔ بھول جاتے ہو۔ دوسرے مقام پر فرماتا ہے کہدو اگر تم پر عذاب نازل ہو۔ یا قیامت آجائے اگر سچے ہو تو غیر خدا کو بلاؤ تو سہی۔ نہیں بلکہ تم صرف خدا کو ہی پکارتے ہو۔ پس خدا اگر چاہے تو وہ تمہاری تکلیف کو دور کردیتا ہے۔ اس وقت شرک بھول جاتے ہو۔ اسی دعائے مبارک کے اخیر میں ہے وانت القادر على كشف ما منيت به ودفع ما وقعت فيه۔ جس مصیبت میں مبتلا ہوں اس کے دور کرنے پر اور جس بلا میں پھنسا ہوا ہوں اس کے ٹالنے پر تو ہی قادر ہے (صحیفہ علویہ)

اس کی شرح میں علامہ موصوف فرماتے ہیں "لافادة القصر تحقيقاً اى انت القادر لا غيرك على كشف ما ابتليت به (ریاض ص۱۳۵) یہ (تقدیم مسند) حصر حقیقی کے لئے ہے۔ مطلب یہ کہ ۔۔۔ بار الہا صرف تو ہی میری مصیبت دور کرنے پر قادر ہے اور کوئی قادر نہیں ہے۔

(۱۲) حضرت امیر المومنینؑ دعائے کمیل میں فرماتے ہیں "اللهى وربى من لى غيرك اسئله كشف ضرى والنظر فى امرى الخ (مفاتیح ص۹۳) اے میرے معبود اور میرے پروردگار! تیرے سوا میرا کون ہے جس سے اپنی تکلیف دور کرنے اور اپنے معاملات میں نظر کرنے کی درخواست کروں"

(۱۳) وہ دعا جو امام رضا علیہ السلام کی زیارت کے بعد پڑھی جاتی ہے۔ اس میں وارد ہے يا من لا يعلم الغيب الا هو يا من لا يصرف السوء الا هو يا من لا يدبر الامر الا هو يا من لا

یغفر الذنب الا ھو یا من لا یخلق الخلق الا ھو یا من لا ینزل الغیث الا ھو (مفاتیح مترجم) اے وہ خدا جس کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔ اے وہ معبود جس کے سوا کوئی مصیبت دُور نہیں کرتا۔ اے وہ اللہ جس کے سوا کوئی تدبیرِ امور نہیں کرتا۔ اے وہ رب جس کے سوا کوئی گناہ معاف نہیں کرتا۔ اے وہ پروردگار جس کے سوا کوئی پیدا نہیں کرتا۔ اے وہ مالک حقیقی جس کے سوا کوئی بارش نہیں برساتا۔"

(۴) اسی باب میں بذیل آیاتِ قرآنیہ یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ الٰہ اور اللہ کہتے ہی اسی ذات مستجمع جمیع صفات کو ہیں کہ جب مصائب و شدائد میں ہر طرف سے امیدیں منقطع ہو جائیں تو مخلوق اس کی طرف رجوع کرے چنانچہ اس حدیث صادقؑ سے بھی اس مطلب کی حرف بحرف تائید مزید ہوتی ہے جو آنجنابؑ نے اس شخص کے جواب میں ارشاد فرمائی تھی جس نے ہستی باری تعالےٰ کے متعلق آپ سے مقنع دلیل طلب کی تھی۔ امام نے فرمایا۔ تو کبھی کشتی پر سوار ہوا ہے؟ اس نے کہا ہاں! فرمایا کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ عین منجدھار میں کشتی ٹوٹ گئی ہو۔ اب نہ تو وہاں کوئی کشتی تھی جو تجھے نجات دے اور نہ ہی تو تیرنا جانتا تھا۔ جو تجھے کنارے لگائے۔ آیا اس وقت تیرے دل میں کسی ایسی قادر مطلق ہستی کا تصور تھا جو ایسی بے سروسامانی کے عالم میں بھی تجھے نجات دے سکتی ہے۔ کہا ہاں امام نے فرمایا فذلک الشیٔ ھو اللہ القادر علی الانجاء حیث لا منجی و علی الاغاثۃ حیث لا مغیث" وہی قادر مطلق خدا ہے جو اس وقت نجات دینے پر قدرت رکھتا ہے جب کوئی نجات دہندہ نہ ہو۔ اور اس وقت فریاد رسی کرتا ہے۔ جب اور کوئی فریاد رس نہ ہو۔ (تفسیر صافی ص۱۹)

(۵) قطع نظر مذکورہ بالا دلائل قاطعہ کے خود ائمہ اطہارؑ اور ان کے اصحاب اخیار کا عمل و کردار ہی اس بات کی فعلی دلیل ہے کہ مشکلات و مصائب اور مہمات و شدائد میں خداوند عالم کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ چنانچہ یہ امر ناقابل انکار حد تک ثابت ہے۔ کہ جب اصحاب ائمہ ان بزرگواروں کی بارگاہ میں التماس دعا کے لئے حاضر ہوتے تو یہ ذواتِ مقدسہ ان کو بارگاہ ربوبیت کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیتے۔ کسی کو کوئی مخصوص نمازِ حاجت پڑھنے کے بعد خدا سے دعا و پکار کرنے کا حکم دیتے۔ کسی کو کوئی مخصوص دعا تعلیم دیتے چنانچہ دعائے کمیل و دعائے مشلول وغیرہ صدہا دعائیں اور اسی طرح سینکڑوں قسم کی نماز ہائے حاجت اس کے زندہ ثبوت ہیں۔ لہٰذا ہمیں بھی یہی طریقہ اپنانا چاہئے۔

(۶) جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ الا ادلکم علی سلاح ینجیکم من اعدائکم و یدر ارزاقکم قالوا بلیٰ قال تدعون ربکم باللیل والنہار فان سلاح المؤمن الدعاء۔ کیا میں تمہیں ایسا ہتھیار نہ بتاؤں جو تمہیں شرِ اعداء سے نجات دے اور تمہارے رزقوں کو کشادہ کرے؟ صحابہ نے عرض کیا۔ ہاں (ضرور ارشاد فرمائیں) فرمایا۔ رات اور دن کے وقت اپنے پروردگار سے دعا و پکار کرو۔ کیونکہ دعا کا نا

مومن کا ہتھیار ہے۔ (اصول کافی ص۴۶۸)

(۷) امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ علیکم بسلاح الانبیاء۔ فقیل ما سلاح الانبیاء؟ قال الدعاء" انبیاء کے ہتھیار کو لازم پکڑو۔ عرض کیا گیا۔ کہ انبیاء کا ہتھیار کیا ہے؟ فرمایا خدا سے دعا کرنا۔ (کافی ص۴۶۸)

متعلقہ مسئلہ میں ائمہ اطہارؑ کے اصحاب اخیار کا طریقہ کار

ان ہادیان کی اسی تعلیم و تلقین کا نتیجہ تھا کہ ان کے اصحاب باصفا ہمیشہ ان امور میں ان بزرگواروں سے صرف بارگاہ خداوندی میں دعا و سفارش کرنے کی استدعا کیا کرتے تھے۔ یہ کبھی استدعا نہیں کی تھی۔ کہ آپ ہمیں اولاد دیں۔ یا روزی فراخ کریں۔ یا ہمارے بیمار کو شفا دیں۔ کیونکہ وہ جانتے تھے۔ کہ یہ طریقۂ کار تعلیمات قرآن اور اہلبیتؑ فرمان کے خلاف ہے۔ ذیل میں ان اصحاب اخیار کے صحیح طریقۂ کار کے چند واقعات جلائے ایمانی کی خاطر درج کئے جاتے ہیں۔ مفضل بن قیس بیان کرتے ہیں۔ کہ دخلت علی ابی عبد اللہؑ فشکوت الیہ بعض حالی وسألتہ الدعاء یعنی میں حضرت صادق آل محمدؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اپنی حالت زار بیان کرکے ان سے دعا کرنے کی استدعا کی۔ آں جناب نے اپنی کنیز کو حکم دیا۔ کہ وہ تھیلی لاؤ جو ابو جعفر (منصور دوانقی) نے بھیجی ہے۔ چنانچہ کنیز نے وہ تھیلی پیش کی جس میں چار سو دینار تھے۔ امامؑ نے وہ تھیلی مجھے عطا فرما دی۔ میں نے عرض کیا۔ لا واللہ جعلت فداك ما اردت هذا ولكن اردت الدعاء لی۔ میں آپ پر قربان ہو جاؤں۔ بخدا میری گذارش کا یہ مطلب نہ تھا۔ بلکہ میرا مقصد تو صرف دعا کرنے کی استدعا کرنا تھا۔ فرمایا۔ ولا ادع الدعاء میں دعا بھی ترک نہیں کروں گا۔" (رجال کشی ص۱۲۱)

(۲) اسی طرح شاذویہ بن الحسین بن داؤد القمی کا بیان ہے "دخلت علی ابی جعفرؑ وباهلی حبل فقلت جعلت فداك ادع الله ان یرزقنی ولداً ذکراً" یعنی میں حضرت امام محمد تقیؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت میری بیوی حاملہ تھی۔ میں نے عرض کیا میں آپ پر قربان ہوں۔ آپؑ میرے لئے خدا کی بارگاہ میں دعا کریں کہ وہ مجھے اولاد نرینہ عطا کرے۔ راوی کہتا ہے فاطرق ملیاً ثم رفع راسہ فقال فان اللہ یرزقك غلاماً ذکواً الخ" امامؑ کچھ دیر سر جھکائے بیٹھے رہے پھر سر بلند کرکے فرمایا خدا تمہیں فرزند نرینہ عطا کرے گا۔" (رجال کشی ص۳۵۵)

(۳) عبد الرحمٰن بن حجاج بیان کرتے ہیں۔ کہ میرے پاس جناب امام موسیٰ کاظمؑ کا بہت سا مال (بطور خمس) تھا۔ چنانچہ ایک سال میں مدینہ گیا اور جناب علی بن یقطین نے مجھے آنجنابؑ کے نام ایک مکتوب دیا جس میں آنجناب سے التماس دعا کیا تھا۔ چنانچہ میں اپنے ذاتی کاروبار اور خدمت امام میں مال پہنچانے سے فارغ ہو چکا تو عرض

کیا۔ میں آپ پر قربان ہو جاؤں سألنی علی بن یقطین ان تدعوا لہ۔ علی بن یقطین نے مجھ سے کہا تھا کہ آپؑ سے ان کے لئے دعا کروں۔ یہ سن کر امامؑ نے فرمایا۔ للآخرۃ؟ آیا آخرت کے لئے دعا کرنے کی استدعا کی ہے میں نے عرض کیا۔ نعم (ہاں) عبد الرحمٰن بیان کرتے ہیں۔ کہ یہ سنتے ہی امامؑ نے اپنا دست مبارک اپنے سینہ پر رکھتے ہوئے فرمایا۔ ضمنت لعلی بن یقطین ان لا تمسّہ النار ابداً۔ میں علی بن یقطینؒ کا ضامن ہوں کہ ان کو کبھی آتشِ جہنم نہیں چھوئے گی۔ (رجال کشی ص۲۷۰) ھنیئاً لہ الجنۃ زہے نصیب۔ سچ ہے ؏

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا

رزقنا اللہ دعائھم وشفاعتھم فی الدنیا والآخرۃ

(۴) علماء اعلام کا بھی ہمیشہ سے اسی طریقہ پر عمل درآمد رہا ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ طوسی اور دیگر بعض علماء اعلام نے نقل کیا ہے کہ حضرت شیخ صدوقؒ کے والد ماجد حضرت شیخ علی بن الحسین القمی کے ہاں اپنی چچا زاد بیوی سے کوئی اولاد نہ ہوتی تھی۔ انہوں نے جناب ابو القاسم حسین بن روحؒ (نائب خاص حضرت حجتؑ) کی خدمت میں مکتوب ارسال کیا جس میں ان سے استدعا کی۔ کہ حضرت امام العصرؑ کی بارگاہ میں عرض کریں۔ کہ وہ میرے لئے بارگاہ رب العزت میں اولاد کے لئے دعا فرمائیں۔ چنانچہ جناب ابو القاسمؒ نے جناب شیخؒ کی استدعا امام زمانؑ تک پہنچائی۔ ناحیہ مقدسہ سے جواب صادر ہوا۔ ہم نے بارگاہِ الٰہی میں دعا کی ہے۔ ان کی موجودہ بیوی کے بطن سے اولاد نہ ہوگی۔ ہاں عنقریب ان کو ایک دیلمیہ کنیز ملے گی جس سے ان کو خدائے عزّ و جلّ دو فقیہ بیٹے عطا فرمائے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور وہ دو بیٹے محمد بن علی (معروف شیخ صدوقؒ) اور ان کے برادرِ معظم شیخ حسین بن علی متولد ہوئے۔"

(فوائد رضویہ ج۲ ص۵۶۱ الکلام یجر الکلام ج۱ ص۹۶ وغیرہ)

متعلقہ مسئلہ علماء اعلام کے بیانات کی روشنی میں

اس سلسلہ میں اب تک ہم نے قرآن و حدیث اور اصحاب ائمہ کی روش و رفتار کی روشنی میں جو کچھ لکھا ہے۔ ہمارے تمام علمائے اعلام شیعہ امامیہ کثرہم اللہ فی البریہ کا بھی یہی نظریہ ہے چنانچہ تیسرے باب میں علماء کبار کے جو بیانات پیش کئے گئے ہیں وہ سب ہمارے اس دعوٰی پر شاہد عادل ہیں۔ فلا نطیل الکلام بتکرار المرام۔ فراجع وتدبّر ان کنت من اولی الافہام۔

علاوہ بریں کتب اصول عقائد میں اقسامِ توحید بیان کرتے ہوئے توحید افعالی کے متعلق ہمارے اعلام نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ بھی ہمارے دعوٰی پر بطور نصِ صریح دلالت کرتا ہے۔ کہ امور تکوینیہ میں سوائے خداوند عالم کی ذات جامع جمیع صفات کے اور کسی ذات حتی کہ نبیؐ و امامؑ سے بھی براہ راست استمداد جائز نہیں ہے۔ ہاں ان کا توسّل اور بارگاہِ خداوندی میں دعا کرنے کی استدعا کرنا نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہے۔

اقسامِ توحید

اس امر کی بقدر ضرورت یہاں قدرے وضاحت کی جاتی ہے۔ سو مخفی نہ رہے کہ توحید کے چار اقسام ہیں۔ کہ شرک ایسے گناہِ عظیم سے دامن بچانے اور دولتِ ایمان حاصل کرنے کے لئے نہ صرف ان کا جاننا اور ان پر اعتقاد رکھنا ضروری ہے بلکہ ان کے مطابق عمل درآمد کرنا بھی لازم ہے۔ وہ اقسام یہ ہیں (۱) توحید فی الذات (ذاتِ خداوندی میں اس کا کوئی شریک نہیں) (۲) توحید فی الصفات (خدا کی صفاتِ حقیقیہ عینِ ذات ہیں اور سب مخلوق کی صفات زائد بر ذات ہیں۔ (۳) توحید فی الافعال (امورِ تکوینیہ مثل خلق و رزق اور اماتت و احیاء و شفاء امراض وغیرہ میں کوئی ہستی خدا کی شریک نہیں ہے) (۴) توحید فی العبادت۔ (عبادت میں خدا کا کوئی شریک نہیں ہے) تفصیل کے لئے ہماری کتاب احسن الفوائد۔ یا ہمارا رسالہ اقسامِ توحید کی طرف رجوع کیا جائے۔ فان فیہ شفاء لکل علیل۔ وریا لکل غلیل انشاء اللہ الجلیل ادھر ان اقسامِ توحید میں سے کسی قسم کا دامن ہاتھ سے چھوٹا اور ادھر آدمی شرک کے گہرے گڑھے میں گرا۔ اسی وجہ سے شرکِ جلی کے بڑے اقسام بھی چار ہیں۔ (۱) شرک فی الذات (۲) شرک فی الصفات (۳) شرک فی الافعال اور (۴) شرک فی العبادۃ۔ ایک سچے مسلمان کے لئے ان تمام اقسامِ شرک سے اجتناب کرنا واجب ہے۔ چنانچہ مولانا سید محمد سبطین سرسوی اپنے رسالہ پیغامِ توحید ص۲۲ پر اقسامِ توحید بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "پس حقیقی اور سچا خدا پرست وہ ہے جو ان چاروں قسم کے شرک سے پاک ہو۔ اور چاروں قسم کی توحید میں کامل ہو۔ توحید فی الذات، توحید فی الصفات، توحید فی الطاعۃ، توحید فی العبادۃ۔ کا صحیح عقیدہ رکھتا ہو۔ اور دینِ برحق وہ ہے جس میں تعلیم توحید اس درجہ مکمل ہو۔ کہ شرکی کا شائبہ تک نہ پایا جائے۔ اور یہی تعلیم اسلام ہے"۔

بنا بریں توحید افعالی کے متعلق علمائے اعلام نے جو کچھ لکھا ہے۔ (جس کی ایک معتد بہ مقدار باب التفویض میں نقل کی جاچکی ہے۔ وہ سب بیانات تائید مدعا میں پیش کئے جا سکتے ہیں۔ یہاں تبرکاً و تیمناً مزید چند اعلام کی فرمائشات پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) سید العلماء سید حسین لکھنوی حدیقۂ سلطانیہ ج۱ ص۲ میں مباحثِ طویلہ کے بعد بطور نتیجہ لکھتے ہیں: "و بالجملہ حق آں است کہ غیر از افعالِ عباد کہ منحصر در حرکات و سکنات و ما یترتب علیہا است از غیر خدا از قسم اجسام و جسمانیات متاصلہ صادر نمی شود و حضرات و غیر حضرات از ممکنات نہ بر خلق جواہر و اجسام بذواتہم قدرت دارند و نہ تفویض و اقدار از جانب جنابِ احدیت بر خلق و رزق نسبت ایشان از روئے عقل و شرع ثابت می شود۔ الخ۔ (یعنی خلاصہ کلام کہ حق یہ ہے کہ افعالِ عباد (جو کہ اعراض ہیں) کے علاوہ جس سے انسانی حرکات و سکنات اور ان کے نتائج مراد ہیں اور کوئی چیز از قسم اجسام متاصلہ (یعنی جواہر) غیر خدا سے صادر نہیں ہو سکتی۔ اور حضرات ائمہ اہل بیتؑ اور دیگر تمام ممکنات نہ بالذات خلق اجسام پر قدرت رکھتے ہیں۔ اور نہ عقلاً و نہ شرعاً ذاتِ احدیت کی طرف سے خلق کرنے و رزق دینے

کی تفویض یا قدرت کا عطا ہونا ثابت ہے۔

(۲) عالم ربانی سرکار آیۃ اللہ حضرت شیخ جعفر شوشتری اعلی اللہ مقامہ (مصنف خصائص حسینیہ وغیرہ کتب جلیلہ جن کی علمی جلالت کے سامنے بڑے بڑے علماء و مجتہدین کے سر نیاز جھک جاتے ہیں۔) اپنے رسالہ عملیہ "منہج الرشاد" مطبوعہ بمبئی صفحہ ۱۳ پر مرتد ملی و فطری کا تذکرہ اور ان الفاظ سے بحث کرتے ہوئے جن سے ایک مسلمان مرتد ہو جاتا ہے بعنوان "مسئلہ" تحریر فرماتے ہیں" "در زبان بعض عوام متعارف است کہ می گویند امام حسینؑ عمرت را زیاد کند یا حضرت عباسؑ روزی ترا زیاد کند یا ترا اولاد دہد یا فلاں امام زادہ ترا نگاہ دارد اگر منظور این است کہ از برکت اینہا بشود یا اینکہ ایشان شفیع شوند در خصوص اولاد و زیادتی رزق و طول عمر بسیار خوب است و اگر منظور حقیقت رازق و معطی و خالق باشند مشکل است۔"

یعنی بعض عوام الناس کے درمیان متعارف ہے کہ وہ ایک دوسرے کو یوں کہتے ہیں کہ "حضرت امام حسینؑ تمہاری عمر کو زیادہ کریں یا حضرت عباسؑ تمہاری روزی کو زیادہ کریں یا تمہیں اولاد دیں۔ یا فلاں امام زادہ تمہاری حفاظت کریں" اگر کہنے والے کا مقصد یہ ہو کہ ان کی برکت سے ایسا ہو یا یہ بزرگوار دربارگاہ قدرت میں طول عمر و زیادتی رزق اور حصول اولاد کے متعلق سفارش کریں تو یہ درست ہے۔ لیکن اگر مقصد یہ ہو کہ حقیقتاً یہی بزرگوار رازق و معطی اور خالق ہیں۔ (یعنی براہ راست یہ کام انجام دیتے ہیں) تو پھر اس کا جواز بلکہ قائل کا اسلام مشکل ہے۔

(۳ و ۴) مذکورہ بالا رسالہ شریفہ دو جلیل القدر مجتہد حضرات یعنی سرکار آیۃ اللہ شیخ حبیب اللہ الرشتی و آیۃ اللہ السید اسماعیل الصدر الموسوی اعلی اللہ مقامہما کا مصدقہ ہے اور محل اختلاف میں ان کے حواشی شریفہ سے مزین ہے۔ مگر مذکورہ بالا عبارت پر ان کا کوئی حاشیہ نہیں ہے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں بزرگوار بھی اس مسئلہ میں حضرت شیخ جعفر شوشتری اعلی اللہ مقامہ سے متفق ہیں۔ کما لا یخفی علی من جال خلال ھذہ الدیار:

(۵) علامۃ العصر حضرت الشیخ محمد الخالصی قدس سرہ اپنی کتاب احیاء الشریعۃ فی مذہب الشیعۃ ۵ ا ص ۴۹ پر رقمطراز ہیں:۔ یکثر علی لسان العامۃ تردید الفاظ ینافی ظاھرھا التوحید او تکشف عن الغلو مثل قول بعض العوام لبعض اجرک علی محمدؐ او علیؑ او فاطمۃ الزہراؑ او علی احد الائمۃ او قولہم یرزقک الحسین ویشفیک العباسؑ وامثال ذلک من الالفاظ وبعضہم یدعو فیطلب الرزق والشفاء او الولد او دفع المکروہ من النبیؐ او احد الائمۃ فان کان المتکلم بہذہ الالفاظ قاصداً لمعانیہا معتقداً بہا فہو کافر ضال یجری علیہ جمیع احکام الکفر وان کان عقد قلبہ علی خلاف ظاہرہا وکان مرادہ طلب الرزق من اللہ والشفاء مثلاً من اللہ ببرکۃ النبیؐ لاعتقادہ انہ ارسل رحمۃ للعالمین واذن اللہ لہ بالشفاعۃ وھکذا عند ذکر الائمۃ فلیس ذلک بکفر وان کان ظاہر الالفاظ کفراً لانہ لم یرد ظاہرہا ولم یعتقد بہ

فکانها نقلت عن معانیها عرفاً الی معان توافق الاعتقادات الصحیحة ویجب ترک هذه الالفاظ وان لم یرد بها ظاهرها۔

یعنی بعض عوام کی زبان پر کچھ ایسے الفاظ جاری رہتے ہیں۔ جو بظاہر عقیدۂ توحید کے منافی ہیں۔ یا جن سے غلو کی بو آتی ہے۔ جیسے ان کا یہ کہنا کہ تمہارا اجر جناب رسول خداؐ یا حضرت علی مرتضیٰؑ۔ یا حضرت فاطمۃ الزہراؑ یا دیگر ائمۂ ہدیٰ کے ذمہ ہے۔" یا ان کا یہ کلام کہ حضرت امام حسینؑ تمہیں رزق دیں" یا "حضرت عباسؑ تمہیں شفا عطا فرمائیں۔ بلا اس قسم کے اور الفاظ جس طرح ہمارے ہاں عوام یہ کہتے ہیں۔ کہ اللہ و پنجتنؑ تمہیں مال و اولاد دیں۔ یا اللہ و پنجتنؑ پاک نے ہمیں سب کچھ دے رکھا ہے۔ یا اللہ و پنجتنؑ پاک آپ کو آباد و شاداب رکھیں وغیرہا اور بعض لوگ براہ راست جناب رسول خداؐ یا دیگر بعض ائمۂ ہدیٰ سے رزق مانگتے، شفا طلب کرتے، اولاد کا سوال کرتے یا مکروہات و شدائد کے دفعیہ کی ان سے دعائیں کرتے ہیں۔ پس اگر تو ان الفاظ سے ان لوگوں کا مقصد ان کے حقیقی معنیٰ ہیں اور یہی ان کا اعتقاد ہے کہ یہ بزرگوار یہ کام انجام دیتے ہیں پھر تو یہ کافر ہیں۔ ان پر تمام احکام کفر مترتب ہوں گے۔ لیکن اگر ان کی مراد وہ نہیں جو ظاہری الفاظ سے مترشح ہوتی ہے بلکہ ان کا مقصد جناب رسول خداؐ کی برکت سے خدا سے رزق و شفا طلب کرنا ہے۔ کیونکہ خدا نے ان کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے۔ اور ان کو شفاعت و سفارش کرنے کا اذن بھی دیا ہے اور یہی مقصد ائمہ اطہارؑ کے ذکر کے وقت ان سے یہ اشیاء طلب کرنے کا ہے) تو یہ کفر نہیں۔ اگرچہ ظاہری الفاظ کفر پر ہی دلالت کرتے ہیں۔ مگر چونکہ قائل نے ان کے ظاہری معنیٰ کا قصد نہیں کیا۔ اور نہ ہی وہ اس کا معتقد ہے۔ تو گویا یہ الفاظ اپنے معانی لغویہ سے عرفاً معانی صحیحہ کی طرف منتقل ہو چکے ہیں۔ بہر حال اگرچہ ان الفاظ کے ظاہری معنیٰ کا قصد نہ بھی کیا جائے۔ تاہم ایسے مشتبہ الفاظ کا ترک کرنا واجب ہے۔

(۲) فاضل اجل علامہ سید ابو الفضل برقعی اپنی کتاب عقل و دین میں ص ۲۴۸ پر توحید عبادتی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

و باید فهمید که فقط خدا حاضر و ناظر است در همه جا و باید او را خواند۔ و پرستش کرد۔ متأسفانه عده ای از عوام دور هم جمع می شوند و در زمان ما بنام عزاداری۔ امام حسینؑ یا امام دیگرے را مخاطب قرار میدهند و از او حوائج می طلبند و مکرر میگویند۔ اے آقا! فدایت شوم، خودت فلاں کار مرا یا مشکل مرا رفع کن۔ و حاجات مرا برآور۔ و دیگر نمی دانند حاضر فی کل مکان منحصر بذات پروردگار لامکانست و هر امام یا رسولؑ یا فرشته ای دارای مکان و محدود است الخ

یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہئے۔ کہ صرف خداوند عالم ہی ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔ اس لئے اسے ہی چاہیئے پکارنا اور اسی کی ہی پرستش و عبادت کرنی چاہئے۔ مگر افسوس کہ ہمارے زمانہ میں بعض عوام کی حالت یہ ہے کہ وہ

زاداری کے نام سے ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں۔ اور جناب امام حسینؑ کو مخاطب کر کے ان سے اپنی حاجات طلب کرتے ہیں ور بار بار یہ کہتے ہیں۔ میں آپ پر قربان ہو جاؤں۔ آپ خود میرا فلاں کام انجام دیں۔ میری فلاں مشکل حل کریں ور میری حاجات بر لائیں۔ مگر یہ لوگ اتنا نہیں سمجھتے کہ ہر وقت، ہر جگہ حاضر ہونا پروردگار عالم کی ذات سے مختص ے۔ جو لامکان ہے۔ باقی امامؑ ہوں یا رسولؐ، فرشتے یہ سب کے سب صاحب مکان ہیں۔ اور محدود ہیں" الخ

(۲) حضرت شیخ جعفر نجفیؒ کے رسالہ "رد بر وہابیہ" سے صاحب حدیقۂ سلطانیہ نے (ج ۳ ص۱۸۱) پر بعض اقتباسات کا اس طرح ترجمہ کیا ہے۔

"پس اگر دعوت غیر خدا و استعانت بمخلوق ازیں راہ باشد کہ او را فاعل مختار چناں فاعلے کہ منافع و مضار بقبضۂ اختیار او باشد۔ بے تردید ایں قول کفر است۔ و اگر مرادش آں باشد کہ دعائے او و استغاثہ باو از برائے شفاعت است اگرچہ تصرفے و مسامحۂ از او در عبارت واقع شدہ لیکن ایں از اعظم طاعات است و از محافظت علی الآداب من کل الجہات"

یعنی اگر غیر خدا سے باین طور فاعل مختار سمجھ کر مدد طلب کی جائے۔ کہ نفع و نقصان اس کے قبضۂ اختیار میں ہے۔ تو یہ کافروں کا نظریہ ہے۔ اور اگر مدد مانگنے والے کی مراد ان حضرات سے شفاعت و سفارش طلب کرنا ہے۔ تو بہت بڑی اطاعت اور آداب اسلامی کی محافظت ہے۔ اگرچہ ادائے مقصد میں عبارت کے اندر قدرے کوتاہی ہو گئی ہے" (یعنی وہ الفاظ نہیں لائے گئے جو بالصراحت طلب شفاعت پر دلالت کریں) فسبحان الذی بیدہ ملکوت کل شیٔ والیہ ترجعون۔

ہمارے عوام اہل ایمان پر لازم ہے کہ ان علماء اعلام کی فرمائشات کو اپنے لئے آویزۂ گوش بنائیں۔ اور اس قسم کے الفاظ متداولہ و رائجہ سے لازماً پرہیز کریں۔ جن سے شرک خفی یا جلی مترشح ہوتا ہے واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

متعلقہ مسئلہ عقل سلیم کی روشنی میں

جب تیسرے باب میں یہ مطلب ناقابل تردید عقلی و سمعی دلائل سے ثابت کر دیا گیا ہے کہ امور تکوینیہ خلاق عالم نے اپنی کسی بھی مخلوق کے سپرد نہیں فرمائے۔ بلکہ خود اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ تو بعد ازیں عقل سلیم کو یہ فیصلہ کرنے میں ذرہ بھر دقت محسوس نہیں ہوتی ہے۔ کہ چونکہ فاقد شئی معطی شئی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے رجوع اسی خدائے لم یزل و لایزال کی طرف ہی کرنا چاہئے۔ جس کے قبضۂ قدرت میں ان معاملات کی باگ ڈور ہے۔ فادعوا اللہ مخلصین لہ الدین۔

بعض شکوک و اوہام کا ازالہ

اگرچہ سطور بالا میں اس موضوع پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے جو قلب سلیم و طبع مستقیم رکھنے والے انسان کے لئے حقیقت حال سمجھنے اور حق و باطل کے درمیان

تمیز کرنے کے لئے کافی ہے۔ مگر جب تک یہاں دوسرے فریق کے جملہ شکوک وشبہات کا ازالہ نہ کر دیا جائے۔ اس وقت تک یہ باب تشنۂ تکمیل رہے گا۔ اس لئے حسبِ سابق اس موضوع کے متعلق دوسرے فریق کے جملہ شکوک وشبہات مع قطعی جوابات ذیل میں ذکر کئے جاتے ہیں۔ واللہ المستعان۔

پہلا شبہ اور اس کا جواب

کہا جاتا ہے (اور اسے ایک فتنجیبی کا صحیح حل تصور کیا جاتا ہے) کہ ذاتِ باری نے معصومؑ کے قول، ان کے فعل کو اپنا قول اور فعل قرار دیا ہے۔ جیسا کہ آیت وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ کا مفاد ہے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ ان سے استمداد خود خدا سے مدد طلب کرنے کے مترادف ہے۔ یہ شبہ محض فنِ خطابت کی پیداوار ہے۔ جسے حقیقت سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اگر یہ قاعدہ علی العموم تسلیم کر لیا جائے تو پھر اس سے یہ بھی لازم آئے گا کہ ائمۂ اطہارؑ کی عبادت کرنا بھی جائز ہو۔ کیونکہ بنا بریں ان کی عبادت خدا کی عبادت متصور ہوگی۔ کیا یہ استدلال کرنے والے حضرات اس بات کو قبول کرنے پر آمادہ ہیں؟ جو جواب یہ حضرات ائمہ اطہارؑ کی عبادت کرنے کے عدم جواز کے متعلق دیں گے۔ وہی جواب ہماری طرف سے عدم جواز استمداد کے بارے میں سمجھا جائے۔ یہاں یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ دعا بھی ایک قسم کی عبادت ہے بلکہ افضل العبادات ہے۔ جیسا کہ اوپر اس کی وضاحت کی جا چکی ہے۔ علاوہ بریں یہ آیت مقامِ اعجاز کے متعلق ہے۔ کہ کفار پر کنکریاں مارنا جناب رسول خداؐ کا فعل تھا۔ لیکن ان کو ہر ہر کافر تک پہنچانا اور اس کی وجہ سے ان کی آنکھوں کا چندھیا جانا۔ یہ خدا کا فعل تھا۔ اس آیت کا سیاق وسباق بالکل اسی آیت جیسا ہے جو اس آیت سے پہلے موجود ہے۔ جس میں خداوند عالم اصحابِ رسولؐ کو خطاب کرکے فرماتا ہے۔ فلم تقتلوھم ولکن اللہ قتل۔ تم نے کفار کو قتل نہیں کیا۔ بلکہ خدا نے کیا ہے۔ کیونکہ گو شمشیر بکف ہو کے لڑنا مسلمانوں کا فعل تھا۔ مگر کفار کے دلوں میں رعب ڈال کر کمزور کرنا اور مسلمانوں کی نظروں میں ان کو قلیل دکھا کر ان کے دلوں کو بڑھانا اور نصرت کے لئے فرشتوں کا اتارنا خدا کا فعل تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ ہمارے موضوع بحث سے بالکل غیر متعلق ہے۔ تفصیل کے لئے تفسیر صافی ص۱۹۳ و تفسیر برہان ج ۲ ص۶۲ ملاحظہ ہو۔

دوسرا شبہ اور اس کا جواب

بعض رسائل میں مظاہر اسماء اللہ الحسنیٰ کی بحث کرکے اس کے ذریعہ اس مطلب کو ثابت کرنے کی کوشش ناتمام کی گئی ہے۔ اس بحث کا جواب باصواب ہم تیسرے باب میں ذیلِ شبہ چہارم بالتفصیل پیش کرکے ثابت کر چکے ہیں۔ کہ اس بحث کو ہمارے موضوع کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اور نہ ہی ائمہ اہل بیتؑ پر اسماء اللہ الحسنیٰ کے اطلاق کا وہ مطلب ہے جو یہ حضرات بیان کرتے ہیں۔ تاریخی شواہد سے ثابت کر دیا ہے۔ کہ یہ نظریہ فلاسفہ وصوفیہ کا کاشتہ و پرداختہ ہے اس مقام کی طرف رجوع کر لیا جائے فلا نطیل الکلام بالتکرار۔

یسرا شبہ اور اس کا جواب

بعض رسائل میں ایک طویل بحث بعنوان "وسیلۃ التوحید" موجود ہے۔ اس میں ائمہ طاہرینؑ کا وسیلہ ہونا ثابت کرکے (جو کہ برحق ہے) مگر بموجب کلمۃ حق یراد بہا الباطل یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ائمہ اطہارؑ کے وسیلہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ خدا سے لیتے ہیں اور خلق کو دیتے ہیں۔ لہٰذا ان سے استمداد (طلب مدد) جائز ہے۔ یہ شبہ ان ذوات مقدسہ کے وسیلہ ہونے کے صحیح مفہوم لیا ہے اسے ہم تیسرے باب میں بذیل جواب شبہ پنجم بالوضاحت بیان کرچکے ہیں۔ قارئین کرام اس مقام کی طرف مراجعہ رما کر حقیقت الامر معلوم کرسکتے ہیں۔

چوتھا شبہ اور اس کا جواب

بعض رسائل میں "ولایت مطلقہ" کی بحث چھیڑ کر اس سے بھی جواز استعانت کو ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کی گئی ہے۔ ہم ولایت مطلقہ کا صحیح مفہوم اور ولی حقیقی کا منصب و مقام اسی کتاب کے تیسرے باب میں بذیل شبہ دوم بیان کرچکے ہیں۔ جسے بغور دیکھنے کے بعد یہ حقیقت بالکل واضح وعیاں ہو جاتی ہے۔ کہ اس بحث کو جس طرح تفویض کے باطل عقیدہ سے کوئی تعلق نہیں ہے اسی طرح استمداد از انبیاءؑ و ائمہؑ کے موضوع سے بھی اس کا کوئی ربط نہیں ہے۔ فراجع۔

پانچواں شبہ اور اس کا جواب

نادعلیاً مظہر العجائب۔ تجدہ عوناً لک فی النوائب۔ کل ہم وغم سینجلی۔ بولایتک یا علیؑ یا علیؑ یا علیؑ۔ نادعلی علاوہ دیگر کتب کے تحفۃ العوام مستند و مروجہ میں بھی مندرج ہے اور سرور کائنات کی زبان وحی ترجمان سے اس وقت ادا ہوئی جب آپؐ زغۂ اعدا میں دین اسلام کو دم توڑتے دیکھ رہے تھے الخ......"

قطع نظر "نادعلیاً" کی تاریخی و تحقیقی حیثیت کے جو علماء محققین کو معلوم ہے۔ کہ اس کے حوالہ کے لئے خود استدلال کنندگان کو بھی سب سے زیادہ مستند کتاب تحفۃ العوام ہی ملتی ہے[1] اس کا جواب ظاہر ہے کہ اس کو ہمارے متنازعہ فیہ مسئلہ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ ہماری نزاع تمام تر امور تکوینیہ (خلق و رزق اور اماتت و احیاء وغیرہا) میں ہے۔ کہ آیا ان میں خدا کے سوا کسی اور ہستی سے براہ راست مدد مانگنا جائز ہے یا نہ۔ لیکن نادعلیاً کا شان ورود جنگ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ آنحضرتؐ نے بحکم خدا شدائد جنگ میں جناب امیر علیہ السلام کو پکارا۔ اور یہ بات جائے محل نزاع سے خارج ہے۔ کیونکہ ہم اس باب کی ابتدا میں قرآن وحدیث کی روشنی میں ثابت کرچکے ہیں۔ کہ امور تکوینیہ کے علاوہ دوسرے معاملات میں ایک دوسرے کی نصرت و مدد کرنا بہترین عبادت ہے ظاہر ہے کہ جنگ وجہاد بھی انہی دوسرے معاملات میں سے ہیں۔ لہٰذا امور جہاد میں ایک دوسرے سے مدد طلب کرنا اور مدد کرنا نہ صرف جائز بلکہ بعض اوقات واجب ہوتی ہے۔ خدا اپنے رسولؐ سے فرماتا ہے۔ ھو الذی ایدک بنصرہ وبالمؤمنین (پ س رکوع) خدا وہ ہے جس نے اپنی نصرت اور مومنین کے ساتھ تیری تائید کی۔ حضرت عیسیٰؑ فرماتے ہیں من انصاری الی اللہ (پ س آل عمران ۱۴)

---

[1] ما او ابی کتب میں اس مقام پر بہت ہاتھ پیر مارے گئے ہیں مگر کوئی صاحب بھی نہ کوئی حدیث رسولؐ پیش کرسکے ہیں۔ (دیباچہ صفوۃ ۳ پیں)

کوئی ایسا ہے جو خدا کی طرف ہو کر میرا مددگار بنے۔ جب تک کسی قطعی دلیل سے امور تکوینیہ (مثل خلق و رزق اور اماتت و احیاء وغیرہ) میں ان ذوات مقدسہ سے استمداد کا جواز ثابت نہ کیا جائے۔ اس وقت تک ان مجہول جعلیوں سے مدعا ثابت نہیں ہو سکتا۔ صاحب رسالہ ہدیۂ رضویہ نے لکھا ہے

"مراد اعانت فی الشدائد است نہ اعانت فیما یختص باللہ کالخلق والرزق والشفاء ونحوہا پس چرا نگوئی یا اللہ بحق علیؑ ارزقنی ولداً و رزقاً واشفنی الخ" (رسالہ ہدیۂ رضویہ ص۴۶)

یعنی نادِ علیاً سے مراد شدائد جنگ میں اعانت کرنا ہے۔ نہ کہ ان امور میں جو خدا کے ساتھ مختص ہیں۔ جیسے خلق کرنا و رزق دینا اور شفاء عطا کرنا۔ لہٰذا ان امور میں ان بزرگوں سے براہ راست مدد مانگنے کی بجائے تم اس طرح کیوں

(بقیہ حاشیہ ص۲۶۳) اور نہ ہی کسی امام معصومؑ کا کوئی ارشاد پیش کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ اور نہ قیامت تک ایسا کر سکتے ہیں۔ ولو کان بعضہم لبعض ظہیراً۔ ہم نے بفضلہ تعالیٰ جو کچھ لکھا ہے وہ پوری تحقیق و تدقیق اور شرعی ذمہ دا
کے ساتھ لکھا ہے۔ ؎

کار ہر بز نیست خرمن کوفتن　　گاو نر می خواہد و مرد کہن

بحار الانوار ج ۹ ص۴۵ طبع تبریز پر نادِ علی کے متعلق صرف اس قدر لکھا ہے۔ اور وہ بھی غزوہ احد کے ضمن میں نہ تعبیر ہی (جب

کہ عوام الناس بلکہ اکثر خواص بھی اسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں) عن شارح الدیوان

قال یقال ان النبیؐ نودی فی ھذا الیوم نادِ علیاً مظہر العجائب الخ..... یعنی شارح دیوان سے منقول ہے انہو
کہا ہے۔ کہ کہا جاتا ہے۔ کہ اس (احد والے) روز آنحضرتؐ کو ندا دی گئی۔ نادِ علیاً مظہر العجائب الخ اب نامعلوم شار
دیوان کون صاحب ہیں۔ (کیونکہ وہ متعدد ہیں) ان کا مذہب کیا ہے؟ (کیونکہ شیعہ و سنی شارحین نے دیوان منسوب بامیر علیہ
کی شرحیں لکھی ہیں) ان کا علمی و تحقیقی مقام کیا ہے؟ نیز ان کی اس روایت کا مدرک و ماخذ کیا ہے؟ اور پھر اس کا سلسلۂ سند کیا
یہ سب امور ہنوز پردۂ خفا میں ہیں۔ ع ظلمات بعضہا فوق بعض۔ یہاں عام طور پر صاحب مدارج النبوۃ کا نام
لیا جاتا ہے۔ کہ انہوں نے نادِ علی کا تذکرہ کیا ہے۔ اور ان کی کتاب کے یہ جملے بھی پیش کئے جاتے ہیں۔ کہ ظاہراً گفتہ نادِ
مظہر العجائب ہم در یں جا ملفوظ گشتہ کذا فی شذرات (کذا مدا) لیکن اس کے متصل بعد انہوں نے اس کی جو تردید کی ہے۔ اسے عمداً یا سہواً نظ
کر دیا جاتا ہے۔ لکھتے ہیں ہذا۔ اگر ان حضرات میں کوئی علمی دم خم ہے تو نادِ علیؑ اور اس کے خواص و آثار کے متعلق از حضر
علی تا جناب مہدیؑ دوازدہ ائمہ اطہار میں سے کسی امامؑ کا کوئی فرمان پیش کریں۔ ہمیں یقین ہے کہ یہ لوگ قیامت تک ای
نہیں کر سکتے بیشک ورنہ بصورت دیگر اس سلسلہ میں سکوت ہی میں ان کی سلامتی ہے۔ وما علینا الا البلاغ
روایتی اسقام کے علاوہ اگر چند لمحات کے لئے درایتہً بھی غور و تدبر کیا جائے تو معلوم ہو سکتا ہے کہ یہاں جناب امیر

---

* اما در کتب حدیث ہیچ ذکر آں نکردہ اند۔ واللہ اعلم

نہیں کہتے۔ یا اللہ بحق علیؑ مجھے اولاد اور رزق دے اور مجھے شفا عطا فرما" وہو الحق الحقیق بالاتباع۔ فماذا بعد الحق الا الضلال۔

چھٹا شبہ اور اس کا جواب

علامہ شیخ عباس قمی نے ایک دعا کو بحوالہ البلد الامین اپنی کتاب میں نقل فرمایا ہے اور لکھا ہے یہ دعا حضرت صاحب الامر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک شخص کو تعلیم فرمائی تھی۔ جو کہ قید میں تھا۔ اور اس کے پڑھنے سے رہا ہوا۔ اقتباس اس کا یہ ہے یا محمدؐ یا علیؑ یا علیؑ یا محمدؐ اکفیانی فانکما ناصرای (مفاتیح الجنان مطبوعہ ایران ص۱۱۵، ۱۱۶)" اس دعا سے ظاہر ہوتا ہے کہ وقتِ استغاثہ کس طرف رجوع کرنا چاہئے اور کس طرح استغاثہ کرنا چاہئے۔ تمام اکابر علماء کا عمل اس کتاب کی صحت و سند کے لئے کافی و وافی ہے۔"

(بقیہ حاشیہ ص۲۶۴) کو ندا دینا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ کیونکہ ندا تو اُسے دی جاتی ہے۔ جو پہلے موجود نہ ہو۔ مگر تاریخ عالم ہے کہ جنگ احد میں و عام دوسری جنگوں کی طرح جناب امیر المؤمنین از ابتداء تا انتہا موجود تھے۔ حتیٰ کہ شمع رسالت کے تمام بہادر پروانوں کے رسولؐ کو نرغۂ اعداء میں گھرا ہوا چھوڑ کر بھاگ جانے کے بعد بھی تن تنہا جناب امیرؑ ہی تھے جو بنیان مرصوص کی طرح ڈٹ کر حریم اسلام اور رسول اسلامؐ کی جان کی حفاظت کا فریضہ انجام دے رہے تھے۔ اور کفار کے ٹڈی دل لشکر کا اس بے جگری سے مقابلہ کر رہے تھے۔ اور کفار کو مولیوں گاجروں کی طرح کاٹ رہے تھے۔ بالآخر آپؑ کے تابڑ توڑ حملوں کی تاب نہ لا کر کفار کو راہ فرار اختیار کرنے میں ہی اپنی سلامتی نظر آئی۔ اور مولائے کائنات کے انہی محیر العقول شجاعتی کارناموں کو دیکھ کر فرشتوں نے یہ ترانے پڑھے۔ لا فتیٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار (حیات القلوب ج۲ ص۴۲۵ وغیرہ) اور جناب جبرئیلؑ نے خدمت رسولؐ میں حاضر ہو کر بایں الفاظ تہنیت پیش کی۔ یا رسول اللہ ھذا المواساۃ۔ یا رسولؐ اللہ ہمدردی اس کا نام ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ انہ منی وانا منہ۔ کیوں ایسا نہ ہو جبکہ علیؑ مجھ سے ہیں۔ اور میں اُن سے ہوں۔ (مدارج النبوۃ ج۲ ص۱۲۵ معارج رکن ۴ ص۱۰۰ وغیرہ) اور اگر بالفرض اس نادِ علیؑ کا شانِ نزول جنگ خیبر میں تسلیم کر لیا جائے تو تب بھی یہی خرابی لازم آتی ہے۔ کیونکہ باتفاق تمام مورخین اس جنگ میں بھی جناب امیر علیہ السلام آنحضرتؐ کے ہمراہ تھے۔ مدینہ میں نہ تھے۔ جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے۔ کیونکہ ارباب تاریخ کا اتفاق ہے۔ کہ سوائے غزوۂ تبوک کے آنحضرتؐ نے کبھی حضرت امیرؑ کو مدینہ میں نہیں چھوڑا۔ بلکہ وہ ہمیشہ ہر غزوہ میں آنحضرتؐ کے ہمرکاب ہوتے تھے۔ لیجئے ع

ہم تھے وہ حساب سو یوں پاک ہو گئے

بایں ہمہ ہم برجائے مطلوبیت بطور توسل اس کے [illegible] پڑھنے کے مخالف نہیں۔ بلکہ اسے جائز سمجھتے ہیں۔ واللہ العالم

(منہ عفی عنہ)

امور تکوینیہ میں ائمہ اطہار سے جواز استمداد پر اس دعا کے ساتھ تمسک کرنا بچند وجہ درست نہیں ہے:-

اولاً۔ اس لئے کہ یہ دعا بلد الامین از فاضل کفعمی اور کتاب کنوز النجاح علامہ طبرسی (صاحب تفسیر مجمع البیان) سے منقول ہے۔ اور اس میں یہ مذکور ہے۔ کہ حضرت صاحب العصرؑ نے عالم خواب میں ایک ایسے شخص کو بمقام مقابر قریش دور بغداد تعلیم دی۔ جو قید بلا میں گرفتار تھا جس کا نام ابو الحسن محمد بن احمد بن ابی اللیث تھا جیسا کہ اس کے حوالے کتاب (نجم الثاقب) از محدث نوری ص۲۶۲ طبع ایران میں مذکور ہے " کہ ایں دعا را حضرت صاحب الزمان صلوات اللہ علیہ تعلیم فرمودہ در خواب بابی الحسن محمد بن احمد الخ۔ یعنی امام صاحب العصرؑ نے یہ دعا خواب میں ابو الحسن محمد بن احمد کو تعلیم دی تھی۔ بایں ہمہ کہنا کس قدر بعید از حقیقت ہے کہ کسی کتاب میں یہ نہیں لکھا کہ یہ دعا امامؑ نے قیدی کو خواب میں تعلیم فرمائی۔" (حقائق العقائد ص۹۳) اور یہ بات ارباب علم پر پوشیدہ نہیں ہے کہ خواب شریعت مقدسہ اسلامیہ میں حجت نہیں۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ "ان دین اللہ اعز ان یری فی النوم" اللہ کا دین اس سے بلند و بالا ہے کہ خواب میں نظر آئے (مصابیح الانوار ج۲ ص۲۵۵) یہی وجہ ہے کہ فقہائے عظام خواب سے احکام فرعیہ ثابت کرنے کی کبھی اجازت نہیں دیتے چہ جائیکہ اصول دینیہ میں اس کے ساتھ تمسک کیا جائے۔ علامہ مامقانی لکھتے ہیں۔ لعدم ثبوت حجیۃ الرویا فی الشرع "شریعت میں خواب کا حجت ہونا ثابت نہیں ہے" (تنقیح المقال ج۱ ص۱۸۱)

اس مقام پر بعض حضرات نے رجال کشی ص۵۵ سے امام حسن عسکریؑ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے "ان کلامنا فی النوم مثل کلامنا فی الیقظۃ" اور پھر اس سے ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ جسے خواب میں یہ حضرات کچھ بتلا دیں۔ وہ بیداری والے حکم کی مانند ہوتی ہے اس کے متعلق پہلی قابل غور بات تو یہ ہے کہ ہمارے پاس رجال کشی طبع بمبئی موجود ہے اس کے نشان دادہ صفحہ بلکہ اس کے ارد گرد بھی کہیں یہ موجود نہیں ہے۔ اور دوسری بات یہ کہ بنا بر تسلیم اس کا وہ مطلب نہیں جو لیا گیا ہے۔ بلکہ اس کا صاف و صریح مفہوم یہ ہے کہ یہ بزرگوار اگر سوتے ہوئے کچھ فرما دیں۔ تو ان کے اس کلام اور بیداری والے کلام میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ کیونکہ نیند ان کے حواس پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ نبیوں کا خواب بھی بمنزلہ وحی ربانی ہوتا ہے۔ جیسا کہ جناب خلیلؑ و اسماعیلؑ کے قرآنی قصہ سے واضح و آشکار ہے۔

ثانیاً۔ یہ کہنا کہ تمام اکابر علماء کا عمل اس کتاب کی صحت و سند کے لئے کافی و وافی ہے درست نہیں ہے۔ ہاں مجموعی حیثیت سے اس کتاب کے مستند ہونے میں ہمیں کوئی کلام نہیں۔ مگر فرقہ شیعہ اصولیہ کے نزدیک یہ خصوصیت صرف قرآن مجید کو ہی حاصل ہے کہ اول سے آخر تک اس کا ہر جز قطعی الصدور ہے۔ اس کے علاوہ وہ حیثیت کسی بھی کتاب کو حتی کہ اپنی کتب اربعہ کو بھی نہیں دیتے۔ تا بہ مفاتیح الجنان چہ رسد۔ اس میں قابل ایراد مواد موجود ہے۔ عند المطالبہ جس کی نشاندہی کی جا سکتی ہے۔

ثالثاً۔ یہ کہنا بھی حقیقت کے سراسر خلاف ہے کہ تمام اکابر علماء کا اس پر عمل ہے کیوں کہ عراق و ایران کے انہی اکابر علماء میں سے بعض حضرات اس دُعا کے پڑھنے کو حرام سمجھتے ہیں۔ چنانچہ حضرت علامہ الشیخ محمد خالصی[1]۔۔۔ کاظمینی نے اپنی کتاب احیاء الشریعہ ص۴۹ ج۲ پر اس کے پڑھنے کو حرام قرار دیا ہے فراجع۔ ممکن ہے سرکار خالصی مدظلہ کے اس فتوے میں تشدد ہو۔ مگر اس سے اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ اس دُعا پر تمام اکابر علماء کا اتفاق نہیں ہے۔ اور اصول مناظرہ کے ماتحت یہی ایک استدلال کنندہ کے دعوائے اتفاق تمام اکابر علماء کے بطلان کے لئے کافی ہے کیونکہ ارباب معقول جانتے ہیں کہ موجبہ کلیہ کا عکس سالبہ جزئیہ بھی ہوتا ہے۔ فتدبر

---

[1] جناب موصوف حضرت آیۃ اللہ الشیخ مہدی الخالصی الکاظمینی کے خلفِ اکبر ہیں۔ اور یہ شیخ مہدی وہی بزرگوار ہیں جن کے متعلق دنیا جانتی ہے کہ انگریزوں نے ان سے انتداب عراق کا ناجائز فتویٰ حاصل کرنے کے لئے ان کے آگے درہم و دینار کے ڈھیر لگا دیئے تھے۔ مگر سرکار موصوف نے انہیں پائے استحقار سے ٹھکرا دیا تھا۔ مگر غلط فتویٰ صادر کرنا گوارا نہیں فرمایا تھا۔ جناب شیخ موصوف علم و عمل میں اپنے عظیم والد کے خلف رشید ہیں۔ بہت بڑے بلند پایہ عالم، وسیع النظر فاضل اور جامع الفنون مجتہد ہیں۔ ان کی سب سے نمایاں خصوصیت حریت فی القول ہے۔ یعنی وہ جس بات کو صحیح سمجھتے ہیں۔ اس کے اظہار سے انہیں دنیا کی کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔ وہ اظہار حقائق میں منافقت و مداہنت اور غلط رو رعایت کو بدترین گناہ تصور کرتے ہیں۔ اور تو اور وہ اس سلسلہ میں بڑی بڑی حکومتوں سے بھی ٹکر لینے میں ذرا ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے۔ یہی وہ مجاہد تھا جس نے سابق شاہ ایران کو ان کی غیر اسلامی پالیسیوں پر ٹوکا۔ اور عبدالکریم قاسم سابق صدر عراق جیسے آمر کو غیر اسلامی آئین نافذ کرنے پر للکارا۔ اور ڈٹ کر مقابلہ کیا

اینہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است

انہی وجوہ سے ان کی زندگی کا کافی حصہ قید و بند کی صعوبتیں یا نظربندی کی مصیبتیں جھیلنے میں گذرا ہے۔ مگر ان کی بلند ہمتی و جذبۂ خدمت دین کا یہ عالم ہے کہ وہ اس حصۂ زندگی کو اپنی زندگی کا بہترین دور قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ انہیں اسی دور میں قرآن مجید حفظ کرنے اور دوسری بعض علمی کتابیں یکسوئی کے ساتھ لکھنے کا موقع ملا ہے ؎

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

ہمیں ان جناب سے شرف تلمذ حاصل کرنے کا موقع نہیں ملا۔ بلکہ جہاں تک حافظہ کام کرتا ہے ان سے زیارت کاظمین کے موقع پر صرف تین مرتبہ مختصر سی ملاقات کا شرف حاصل ہوا ہے اور وہ بھی بعض اختلافی مسائل میں ان سے بحث و تمحیص کرنے کی نذر ہو گئیں۔ جیسا کہ نجف اشرف کے بعض افاضل طلبہ اس امر کے عینی شاہد موجود ہیں۔ ہمارے سنہ ۱۹۶۰ء میں پاکستان مراجعت کرنے کے بعد سرکار موصوف ملک فنا سے راہی ملک بقا ہو گئے رضوان اللہ تعالیٰ علیہ وحشرہ مع ائمۃ الطاہرین۔ مرحوم کی تمام زندگی مذہب و ملت کی بے لوث خدمت کرنے میں گزری ہے۔ (باقی دیکھو ص۲۶۸ پر)

رابعاً۔ ہم اسی باب میں بعض طریقہ توسل با بوضاحت بیان کر چکے ہیں کہ امور تکوینیہ کے متعلق معصومینؑ کی بارگاہ میں یہ استدعا کرنا کہ وہ بارگاہ خداوندی سے ہمارے یہ کام انجام دلوا دیں۔ یعنی بطور توسل و استشفاع ان سے استمداد و استعانت صحیح ہے۔ لہٰذا اس دعا یا اس کے ساتھ ملتے جلتے ادعیہ و استغاثہ جات میں ہمارا موقف یہی ہے۔ کہ ان سے بطور وسیلہ و شفیع مدد حاصل کرنا مراد ہے۔ یعنی یہ کہ یہ بزرگوار ہمارے یہ کام بارگاہ رب العزت سے انجام دلوا دیں۔ ظاہر ہے کہ کسی کام کا انجام دلوانا بھی ایک قسم کی مدد ہی ہے۔ چنانچہ صاحب رسالہ ہدیۂ رضویہ نے ص ۱۴۲ پر لکھا ہے

> «منقول شدن یا محمدؐ یا علیؑ انصرانی فانکما ناصرانی و یا مولاتی یا فاطمۃ اغیثینی» منافاتی بایں ندارد زیرا کہ نصرت و اعانۃ منحصر دریں نیست کہ خود ایشاں مباشرت امر مذکور بفرمایند تا معنی توسل و استشفاع بایشاں صحیح نباشد۔ و در فقرتین مزبورتین متبادر از انصرانی و اغیثینی ہمیں است کہ نصرت و اعانت با شفاعت عند اللہ بفرمائید و دعا بنمائید کہ خدا اقضائے حاجت ما بفرمائید نہ اینکہ خود شما خالق اولاد و رازق وغیرہ بشوید۔»

(یعنی دعا میں یا محمدؐ یا علیؑ انصرانی یا مولاتی یا فاطمۃ اغیثینی کا وارد ہونا ہمارے مدعا کے ساتھ) منافات نہیں رکھتا۔ کیونکہ نصرت و فریاد رسی اس بات پر منحصر تو نہیں۔ کہ جس امر کی ان سے استدعا کی جا رہی ہے۔ وہ اسے بنفس نفیس خود انجام دیں۔ تاکہ ان سے توسل و استشفاع بے معنی ہو جائے۔ مذکورہ بالا ہر دو فقروں میں وارد شدہ الفاظ "انصرانی و اغیثینی" سے یہی معنی متبادر ہوتے ہیں۔ کہ آپ بارگاہ قدرت میں ہماری سفارش و شفاعت کر کے ہماری نصرت و فریاد رسی کریں۔ اور دعا فرمائیں۔ کہ خداوند عالم ہماری حاجت بر لائے۔ ان فقروں کا یہ مطلب نہیں۔ کہ آپ خود اولاد کے خالق اور روزی کے رازق بن کر یہ کام انجام دیں۔"

خامساً۔ ہمارے اس موقف کی (کہ ان سے مراد طلب شفاعت ہے) خود انہی استغاثہ جات وغیرہ کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۷) ان کے قلم سے نکلے ہوئے کئی شاہکار موجود ہیں۔ جن میں چند نمایاں یہ ہیں۔ احیاء الشریعہ فی مذہب الشیعہ (کئی جلدیں) (۲) ترجمہ خدا اور طبیعت مع حواشی (۳) ھذا ھو اللہ (۴) حجاب در اسلام۔ (۵) الاسلام سبیل السعادۃ والسلام (۶) الشیخیہ (۷) رسالہ العلم (۸) الجمعۃ والاسلام وغیرہ رسائل کثیرہ۔ یہ درست ہے کہ ان کے بعض فتاویٰ سے دوسرے بعض اعلام کو اختلاف تھا۔ (بلکہ یہیں بھی ہے) جیسا کہ بعض مجتہدین کو دوسرے مجتہدین سے ہوتا ہے۔ مگر جس طرح بعض حاشیہ بردار مخلوق اللہ یہ جہال نے وہاں اور بعض عینی الشیخ کے اجارہ دار ضلال نے یہاں ان کے (باقی بقیہ صفحہ ۲۶۹ پر)

عض عبارات سے بھی ہوتی ہے (کلام الامام یفسر بعضہ بعضاً) مثلاً اسی کتاب مفاتیح الجنان کے صفحہ ۱۱۰ یعنی جس فحہ پر مذکورہ بالا دعا مذکور ہے۔ اس سے صرف ایک صفحہ بعد ایک استغاثہ حضرت قائم آلِ محمدؐ عجل اللہ فرجہٗ مذکور ہے۔ جس میں وارد ہے کہ دو رکعت نماز پڑھ کر زیر آسمان کھڑے ہو جائیں۔ اور یہ سلام پڑھیں۔ سلام اللہ الکامل التام الخ

بقیہ حاشیہ (۲۶۸) خلاف طوفانِ بدتمیزی کا مچایا ہے اور سب و شتم و الزام و اتہام کا جو بازار گرم کیا ہے وہ اہل علم و دیانت ر کیا کسی عام شریف انسان کو بھی زیب نہیں دیتا۔ کہ وہ کسی غیر مسلمان کے ساتھ بھی روا رکھے۔ چہ جائیکہ بڑے بڑے مدعیانِ لم و عرفان اپنے ہی ایک جلیل الشان مجتہد جامع الشرائط کے خلاف یہ روش و رفتار اختیار کریں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ یہ لوگ خوفِ خدا، خوفِ حشر و نشر، کا دامن ہاتھ سے چھوڑ چکے ہیں۔ اور شرم و حیا کا آخری قطرہ بھی ان کے دیدہ ے ڈھلک گیا ہے۔

بہرحال سرکار مرحوم اس وقت خدا کی بارگاہ میں پہنچ چکے ہیں۔ ان پر بلا ثبوت شرعی مختلف قسم کی تہمتیں لگانے والوں نے بھی خواہ مخواہ ایک دن بارگاہِ خدا میں حاضر ہونا ہے۔ ان کا معاملہ اس احکم الحاکمین کے سپرد ہے ؎

جو چپ رہے گی زبانِ خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

اگر اس انداز تقریر و تحریر سے زبان و دہن بگڑ جائے تو کوئی ایسی بات نہیں۔ مگر ان حضرات کو کبھی لمحاتِ فرصت میں سوچنا چاہیئے کہ ع

کریں گے کیا؟ اگر اس پر خدائے ذوالمنن بگڑا

ہم محض قربۃً الی اللہ اس مظلوم عالم دین کی حمایت میں یہ چند سطور لکھ رہے ہیں تاکہ عامۃ الناس کی غلط فہمیوں کو دُور کرکے ان کو اپنے ایک عالمِ جلیل کے خلاف لب کشائی کے گناہِ عظیم سے بچایا جا سکے۔ اس لئے ذیل میں ہم بڑے اختصار کے ساتھ جناب مرحوم کے عقائدِ حقہ کا ایک شمہ اُن ہی کی کتاب احیاء الشریعۃ فی مذہب الشیعۃ مطبوعہ مطبع المعارف بغداد ۱۳۷۰ھ جلد اوّل طبع اوّل سے پیش کرتے ہیں۔ اُمید کامل ہے کہ مرحوم کے عقائد پر بعض حلقوں کی طرف سے جو تیرے پردے ڈالے گئے ہیں۔ وہ چاک ہو جائیں گے۔ افتراپردازی کرنے والے خائب و خاسر ہوں گے۔ اور اہلِ ایمان کی تمام غلط فہمیاں دُور ہو جائیں گی۔ انتہٰی

اصولِ دین و مذہب پانچ ہیں۔ (یجب علی کل مکلّف تحصیل العلم باصول الدین وھی التوحید والنبوۃ۔ والمعاد ویضاف الیہا العدل والامامۃ وھما من اصول المذھب) (احیاء الشریعہ ۳)

(۱) عقیدۂ توحید۔ خداوند عالم واحد لاشریک۔ ازلی و ابدی، فاعل مختار، قادر و عالم اور بے مثل و مثال صانع عالم ہے۔ (قدیم، ازلی، ابدی، سرمدی، غیر محدود۔ واحد ولا شریک لہٗ فرد صمد لم یستعن بغیرہ۔ مختار فی افعالہ یحکم مایشاء ویفعل ما یرید عن حکمۃ ــــ لا یعبث ولا یظلم قادر (باقی دیکھو ص ۲۷۰)

آخر میں لکھا ہے کہ امام کی خدمت میں اس طرح عرض کریں۔ یا ابن رسول اللہ حاجتی کذا وکذا (بجائے کذا وکذا حاجات خود ذکر کند) فاشفع لی فی نجاحها سل اللہ تعالیٰ فی نجح طلبتی واجابة دعوتی وکشف کربتی۔ الخ۔ "اے فرزند رسول! میری یہ یہ حاجات ہیں (یہاں وہ حاجات بیان کریں) ان کے بر لانے میں آپ میری سفارش کریں۔ اور بارگاہ ایزدی میں سوال کریں کہ وہ میری حاجات بر لائے۔ دعا قبول فرمائے۔ اور رنج والم دور فرمائے۔"

(بقیہ حاشیہ ص۲۶۹) لا یتغیر ولا یتبدل لا حرکة له ولا انتقال ـــ ولا زوال ـــ لا یحویه مکان ولا یخلو منه مکان ولا یحده وقت ولا زمان الخ (ص۴۵)

(۳) **عقیدۂ نبوت عامہ**۔ خدا پر ارسال رسل لطفاً واجب ہے۔ انبیاءؑ کے لئے گناہ سے معصوم۔ سہو ونسیان سے محفوظ، مؤید بالمعجزات ہونا ضروری ہے۔ اور مقام اعجاز میں وہ مردے بھی زندہ کرسکتے ہیں۔ الغرض وہ تمام صفات جمیلہ میں سرآمد روزگار تھے (وقد استدل علی وجوب ارسال الرسل بادلة عقلية واضحة ص۴۹) ـــ (ووجب من باب اللطف ان یکون الرسل ممتازین فی صفاتهم واخلاقهم واعمالهم وهذا ما یسمونه العصمة من المعاصی۔ ص۵۰) ـــ (یجب ان لا یکون ناسیاً ولا ساهیاً غافلاً ـــ ویجب مع ذلک ان یکون النبی مؤیداً بالمعجزات ای الخارقات للعادات مما لا یطیق علی الاتیان بمثله البشر کاحیاء الموتی وابراء الاکمه والابرص بدون علاج او دواء الخ ... ص۵۰)

(۴) **عقیدۂ نبوت خاصہ**۔ آنحضرتؐ کی نبوت کے دلائل تمام سابقہ انبیاء سے زیادہ ہیں۔ ان کی شریعت بے نظیر، علوم بے مثال، معجزات متواتر، سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم اور آپؐ خاتم الانبیاء والمرسلین ہیں"۔ (اما نبوته (صلعم) فان دلائلها قد توفرت فیه اکثر من غیره من الانبیاء ـــ انه ادعی النبوة واتی بالمعجزات وتحدی بها البشر فعجزوا عن الاتیان بمثلها وجاء بشرائع وقوانین لم یأت بها غیره من الانبیاء ـــ وکشف المجهولات ـــ واتی من العلوم بما لم یأت به احد قبله ـــ وقد تواتر الخبر عن معجزاته (صلعم) من تسبیح الحصی فی یده وکلام الظبی والضب معه وشفاء المریض بدعائه ولمس یده واحیاء الموتی والکلام معهم ورد الشمس والقمر والاخبار بالغیب عما یکن الناس فی ضمائرهم ـــ واکبر معجزاته (صلعم) القرآن الکریم (ص۵۲) (وهذا معنی الخاتمية والدلیل علیها عقلی ونقلی ـــ والنقلی القرآن الکریم اذ یقول فی سورة الاحزاب (وخاتم النبیین) ـــ والسنة النبوية اذ صح عنه ـــ بل تواتر قوله فی موارد کثیرة (لا نبی بعدی (ص۵۸)

(۵) **عقیدۂ امامت**۔ امامت ریاست عامہ ہے۔ امام کے لئے اعلم، اشجع، احرص علی العدل۔ اورع واتقی، معصوم
(باقی دیکھو ص۲۷۱)

اسی طرح جو استغاثہ حضرت سیدۂ عالم سلام اللہ علیہا کی خدمت میں کیا جاتا ہے۔ اس کا مطلب بھی یہی ہے۔ چنانچہ اس کی تائید مزید بھی اسی مفاتیح الجنان کی دعائے توسل مندرجہ ص۸۱ سے ہوتی ہے جس میں وارد ہے یا فاطمۃ الزھراء یا بنت محمدؐ یا قرۃ عین الرسول یا سیدتنا و مولاتنا انا توجھنا واستشفعنا و توسلنا بک الی اللہ وقدمناک بین یدی حاجاتنا یا وجیھۃ عند اللہ اشفعی لنا عند اللہ الخ۔۔۔۔ یا فاطمۂ زہرا

(بقیہ حاشیہ ص۲۷۰) سہو و نسیان سے بلکہ تمام خلق و خُلق عیوب سے محفوظ اور منصوص من اللہ والرسولؐ غرضکہ تمام صفاتِ جلیلہ میں افضل و اکمل ہونا شرط ہے۔ ان صفاتِ جلیلہ کے حامل اور آنحضرتؐ کے بعد امام برحق بارہ ہیں۔ از حضرت علیؑ تا حضرت مہدیؑ۔ والامامۃ ریاسۃ عامۃ و سلطنۃ لحفظ ما جاء بہ النبیؐ ـــ لابد ان تتوفر فی الامام شروط الامامۃ وھی امور ـــ الاول ان یکون اعلم الناس۔ الثانی ان یکون احرص الناس علی العمل بشرائع النبی واحکامہ۔ الثالث ان یکون نقیاً طاھر المولد زکیاً غیر مبتلی بعاھۃ او زمانۃ الخ الرابع۔ ان یکون حافظاً غیر ساہٍ ولا ناسٍ ـــ وبھذا یتضح لک ان الامام لابد ان یکون منصوصاً علیہ من النبیؐ بامر اللہ تعالیٰ ـــ ولیس للامۃ ان تعین الامام وتنتخبہ ـــ (ص۵۹) ـــ بعد ما ذکرنا تعرف جلیاً من ھو الامام بعد نبیناً فان الامۃ لم تختلف واتفقت کلمتھا علی ان علیاً اعلم الناس بعد رسول اللہؐ واشجعھم واورعھم واتقاھم واصبرھم واحرصھم علی العمل باحکام الشریعۃ واقواھم شکیمۃً واخشنھم فی ذات اللہ واطوعھم للہ ولرسولہ واسبقھم الی الایمان ـــ (ص۶۱) اسی ص۶۱ پر مسلمانوں کے خلفاء سے آنجنابؑ کا مختصر موازنہ کرکے آنجنابؑ کی برتری ثابت فرمائی ہے۔ اور ص۶۳ پر اجماع اور خلفاء کے بعض مزعومہ فضائل پر زبردست تنقید فرمائی ہے ـــ (انہؐ سمّی علیاً نفسہ وفی حدیث الغدیر بمنزلتہ فی جمیع الامور الا النبوۃ) ـــ (مع ھذا کیف یعترض الریب قلب احد فی خلافۃ علیؑ من النبیؐ وعدم استحقاق من تقدم لھا (ص۶۵) پھر ص۹۲ سے لے کر ص۱۰۶ تک ائمہ اثنا عشر کے مختلف گراں بہا حالات و کوائف زندگی درج فرمائے ہیں، اور بالخصوص امام زمانہ کے حالات اور ان کے متعلق مخالفین کی طرف سے عائد کردہ اعتراضات کے مکمل جوابات پیش کئے ہیں)

(۶) ائمہ طاہرینؑ زندہ جاوید ہیں۔ ان سے توسل کے جواز پر احادیث متواترہ موجود ہیں۔ قرآن و سنت کی روشنی میں باذن اللہ شفاعت محمد و آل محمد علیہم السلام برحق ہے اور توسل و شفاعت کی غرض سے ان کو پکارنا جائز ہے۔ ان حقائق کا انکار قرآن و سنت صحیحہ کے انکار کے مترادف ہے۔ (وقد جاءنی من کلام بعض السلفیین ان الانبیاء

(باقی دیکھو ص۲۷۲)

اے رسولؐ کی آنکھوں کی ٹھنڈک! اے ہماری سردار! ہم بارگاہ قدرت میں آپ کو شفیع بناتے ہوئے آپؐ کو اپنی حاجات کے آگے بارگاہ اقدس میں پیش کرتے ہیں۔ اے اللہ کی بارگاہ میں صاحب عزت وعظمت بارگاہ رب العزت میں ہمار شفاعت فرمادیجئے۔" بعض رسائل میں ائمہ اطہارؑ کی فریادرسی کے جو بعض شواہد پیش کئے گئے تھے ان میں غور وتدبر کرنے سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ ان اہل ایمان نے ان ذوات مقدسہ سے توسل کیا۔ اور نے ان کی برکت سے ان کی مصیبت دُور فرمادی۔ ان حقائق سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح وآشکار ہوجاتا ہے کہ ان ادعیہ واستغاثہ جات سے

(بقیہ حاشیہ ص ۲۷۱) والاولیاء اموات فلا یجوز التوسل بهم ودعائهم وهذا رد علی القرآن الکریم فانه یقول فی سورة البقرة ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل الله اموات . . . ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل الله امواتا بل احیاء ——— فیجوز دعائهم لانهم احیاء بنص القرآن (ص ۸۴) والقرآن الکریم اثبت الشفاعة لمن اذن له الرحمن ورضی له قولا ——— من ذا الذی یشفع عنده الا باذنه ——— والآیات فی الاذن بالشفاعة للملائکة والانبیاء فی القرآن الکریم کثیرة (ص ۸۵) ——— ونکتفی باحادیثهم ونراها متواترة فی جواز التوسل بالنبیؐ واهلبیته الی الله تعالی فی طلب الحوا منه تعالی ... وجواز دعائهم لیشفعوا لنا وهم احیاء عند ربهم یرزقون شافعون مشفعون۔ (ص ۸۹)

(۷) انبیاءؑ وائمہؑ کے مزارات پر قبہ وقبور کی تعمیر جائز ہے۔ اس موضوع کو ص ۸۶ سے لے کر ص ۸۹ تک قرآن و کی روشنی میں ثابت کیا ہے۔ ص ۸۲ پر حدیث ابو الهیاج جو ہدم قبور کے سلسلہ میں پیش کی جاتی ہے کا جواب دیتے ہوئے اسے مخالف قرآن قرار دیا ہے۔ (فان ذلك الحدیث لو دل لوجب طرحه لانه لا یقاوم القرآن العزیز وعمل الصحابة الدال علی المشروعیة وسیرة المسلمین والاحادیث المتواترة الخ)

(۸) انبیاءؑ وائمہؑ کی قبور مقدسہ کی زیارت نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے (وقد وردت الاحادیث عن اهل العصمة متواترة باستحباب زیارة النبیؐ واهل بیته المعصومین وتعظیم قبورهم (ص ۸۹) ——— وفی استحباب زیارتهم ولا سیما زیارة الحسینؑ ابن علیؑ سید شباب اهل الجنة وهی السنة الخ (ص ۸۹)

(۹) انبیاءؑ وائمہؑ کی قبور مقدسہ کی تعظیم مستحب اور ان میں جعل اللہ آثار خیر وبرکت کا اعتقاد صحیح ہے (ولا نعتقد ان الآثار والبرکة فی قبر نبیه وقبور اهل بیته انما کان بتقدیر وجعل من الله تعالی (ص ۸۹) قد ور الاحادیث عن اهل بیت العصمة متواترة باستحباب زیارة النبی واهل بیته المعصومین وتعظیم قبورهم

(۱۰) امامت وولایت اہل بیتؑ کے بغیر توحید خدا مکمل نہیں ہوسکتی۔ (ان هؤلاء الائمة الاثنا عشر هم علی خلقه بعد رسوله وهم اوصیاء نبیه ولا یتم التوحید الخالص الا بالقول بامامتهم والاعتراف

(باقی دیکھو ص ۲۷۳)

ہمارے مؤقف کی حرف بحرف تصدیق و تائید ہوتی ہے۔ نہ تردید لیکن ان سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ دفع شدائد، رفع مصائب اور طلب حوائج میں رجوع بہرحال خداوند عالم کی طرف کرنا چاہئے۔ جو خالق و مالک ہے اور جس کے قبضۂ قدرت میں تمام امور کی باگ ڈور ہے۔ ہاں سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کا توسل ضرور حاصل کرنا چاہئے۔ خلاصہ کلام یہ کہ ان امور کو بنفسہ جلیلہ خدا بھی کرتا ہے اور سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام بھی مدد کرتے ہیں۔ لیکن ان ہر دو قسم کی مدد میں فرق ضرور ہے خدا کی مدد یہ ہے کہ وہ یہ کام کرتا ہے اور محمد و آل محمد علیہم السلام کی مدد یہ ہے کہ وہ یہ کام بارگاہ خدا سے کرا دیتے ہیں۔

• خود اسی دعائے فرج کے ابتدائی اور آخری جملے اس کے مقام وسیلہ میں وارد ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ ابتداءً خدا سے یوں خطاب ہے "الٰہی عظم البلاء و برح الخفاء و انقطع الرجاء الخ" درمیان میں ہے "ففرج عنا بحقهم" اور آخر میں اختتام یوں ہوتا ہے "بحق محمد و آلہ الطاہرین" (مفاتیح ص[illegible]) بنا بریں اس دعائے فرج اور اس جیسے ادعیہ جات کا برجائے مطلوبیت پڑھنا علی الاقوی جائز ہے۔ واللہ العالم۔

(بقیہ حاشیہ ص٢٧٢) بوجود امام فی کل عصر یکون ھو الملجاء للعباد لتقوم الحجۃ للہ علی الناس (ص٩٩) ——— ویثبت وجوب وجود الامام علی ھذہ الصفۃ ما دام علی الارض بشر و لھذا اثبت امامۃ المھدی و وجودہ اذ لو لم یکن موجوداً لخلت الارض من حجۃ و ملجاء و مغیث للعباد و حافظ لدین اللہ و منظم لامور الامۃ و ھذا منافٍ للطف اللہ جل اسمہ (ص٩٩) ص٥ و ص٦ خلفائے بنی امیہ و بنی عباس کے بعض قبائح و شنائع اعمال کا ذکر کرنے کے بعد ص٨ پر ائمہ اہل بیتؑ کو اولو الامر ثابت کرتے ہوئے بایں الفاظ ان کا ذکر کیا ہے۔ وھم ائمۃ الھدیٰ و مصابیح الدجیٰ و اعلام التقی الدعاۃ الی اللہ الادلاء علی مرضاۃ اللہ المستوفزون فی امر اللہ والتامون فی محبۃ اللہ ——— فھم ولاۃ الامر والسادۃ القادۃ الذین امرنا بطاعتھم فی ھذہ الآیۃ وقرنت طاعتھم بطاعۃ اللہ (ص٨)

(١) فرقہ وہابیہ کے عقائدِ سخیفہ کا رد۔ جناب علامہ خالصی مرحوم نے احیاء الشریعہ کے ص٨١ سے کر ص٨٩ تک پورے نو صفحات میں وہابیوں کے مخصوص عقائد و نظریات باطلہ کا قرآن کریم و احادیث معصومینؑ اور عقل سلیم کی روشنی میں بطریق احسن ابطال فرمایا ہے۔ آخر میں طول کلام کی وجہ یہ لکھی ہے "وانما اسھبنا الکلام فی ھذہ المسئلۃ لما رأینا من اشتباہ کثیر من اخواننا الذین انتموا الی السلف فاردنا التفاھم معھم حرصاً علی اتفاق کلمۃ المسلمین ووحدتھم و امتثالاً لامر اللہ تعالی اذ قال فی سورۃ الانعام و ان ھذا صراطی مستقیماً فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ ذلکم وصاکم بہ لعلکم تتقون (ص٨٩) — کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ جو بزرگوار فرقہ وہابیہ کی غلطیوں کی اصلاح کرکے ان کو مذہب اہل بیتؑ کی طرف دعوت دینے میں اس قدر طول کلام و اہتمام سے کام [illegible]

ایک مضحکۂ اطفال استدلال کا ابطال

ہم کئی بار اس امر کا اظہار کر چکے ہیں کہ مولائے کائنات کے نام کا نعرہ (یا علیؑ) لگانا اور بطور وسیلہ "یا علیؑ مدد" کہنا (بشرطیکہ اسے اسلامی سلام کی جگہ نہ دی جائے بلکہ اسلامی مقررہ سلام کے بعد کہا جائے) جائز ہے۔ اسی طرح بطور توسل "یا علیؑ ادرکنی" کہنے میں کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح اس امر کی بھی کئی مرتبہ وضاحت کر چکے ہیں۔ کہ خداوند عالم نے سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کو اس قدر علمی و عملی فضائل و کمالات عطا فرمائے ہیں۔ کہ ان کا عد و احصاء نہیں ہو سکتا۔ اور وہ بزرگوار اس بات کے قطعاً محتاج نہیں۔ کہ ان کی عظمت شان و رفعت مقام کو اجاگر کرنے کے لئے بے سروپا واقعات و حکایات کا سہارا لیا جائے۔ اور نادان دوستوں کے روپ میں بجائے فائدہ کے اُلٹا عظمت اہل بیتؑ کو نقصان پہنچایا جائے اور دُنیا کے دانشوروں کو ہنسایا جائے۔ مگر ہمارے مولوی صاحبان اس غلط روش و رفتار کو برقرار رکھنے پر مصر ہیں اس کی اگرچہ بہت سی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ مگر بخوف اختصار بیان فقط اس کی ایک مثال پیش کی جاتی ہے یہ حضرات "یا علیؑ ادرکنی" یا ابا الغیثؑ ادرکنی" کہنے کے جواز پر یہ خود ساختہ ثبوت پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔ جب جنگ تبوک میں آنحضرتؐ کا لشکر شکستہ ہو گیا۔ اور آپ سے جدا ہو گیا۔ تو جبرئیلؑ نازل ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہؐ! خداوند عالم نے آپ کو تحفہ درود و سلام کے بعد نصرت و فتح کی بشارت دی ہے۔ اور فرمایا ہے۔ کہ اگر لشکر آپ کو چھوڑ گیا ہے۔ تو آپ اگر چاہیں تو علی علیہ السلام کو پکار لیں۔ وہ فوراً پہنچ جائیں گے۔ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو پکارنا پسند فرمایا۔ جبرئیلؑ نے عرض کی آپؐ اپنا رُخ مدینہ کی طرف کیجئے۔ اور ندا دیا ابا الغیث ادرکنی یا علیؑ ادرکنی۔ اور کہیں یا علیؑ" اے ابو الغیثؑ میری مدد کو پہنچو۔ یا علیؑ میری مدد کو پہنچو یا علی، چنانچہ آنحضرتؐ نے پکارا۔ اور حضرت علیؑ فوراً پہنچ گئے:۔ (حقائق الوسائط صفحہ ۲۲۵ جواہر الاسرار صفحہ ۱۲۵ اسرار الشریعہ صفحہ ۲۲۴) حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ بلا اختلاف مذہب

بعینہٖ [illegible] لیا تھا آج اسے ہی مذہب اہل بیتؑ کے بعض نام نہاد مبلغ [illegible] کے بدنام کرنے کی مہم چلا رہے ہیں۔ اور ہم ان کی غلط فہمیوں کے ازالہ کے لئے یہ سب اہتمام کر رہے ہیں۔ انقلابات ہیں زمانے کے۔

(۲) معاد جسمانی (قیامت) حق ہے اور جنت و جہنم وغیرہ تمام امور جو رسولِ اسلام لائے تھے برحق ہیں ان ضمن

اصول الدین الاعتقاد بالمعاد الجسمانی وھو عود الابدان والارواح بعد الموت کما کانت فی الدنیا لیحاسبوا علی اعمالھم فیھا فیجزی المحسن بالاحسان والمسیٔ بالعقاب و مصیر الاول الی الجنۃ والثانی الی النار والناس بعد عودھم مخلدون لا یذوقون الموت ولا یفنون (ص ۲۶) — ویجب التصدیق بکل ما جاء به النبیؐ علی سبیل الجملۃ والعموم (ص ۹۱)

تبصرہ:۔ یہ ہے حضرت آیۃ اللہ الشیخ محمد الخالصی الکاظمینی کے عقائد کا جامع خلاصہ جو ہم نے ان کی سب سے زیادہ مستند کتاب احیاء الشریعہ سے بلا تبصرہ ان کے صحیح الفاظ میں پیش کر دیا ہے۔ اس سے ارباب عقل و انصاف بآسانی اس بات کا فیصلہ کر سکتے ہیں کہ یہ شیعہ امامیہ کے عقائد حقہ ہیں۔ یا کسی اور فرقہ کے معتقدات ہیں؟ اور آیا یہ عقائد صحیحہ رکھنے والے عالم دین کی *

* یہ تو ہیں مولوی [illegible] کے بعض فقیہ وادیوں کا مذہب شیعہ سے اگر [illegible] تک درست ہے۔ ہم اس سے زیادہ کچھ نہیں کہنا چاہتے [illegible] خدا سے [illegible] [illegible] وھو خیر الحاکمین

قت تمام اہل سیر و تواریخ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جنگ تبوک لڑی ہی نہیں گئی۔ بات صرف اس قدر تھی کہ آنحضرتؐ کو اطلاع ملی کہ کفار روم وغیرہ کا ایک بہت بڑا لشکر جرار مدینہ پر حملہ کر کے اسے تاخت و تاراج کرنے کے لئے روانہ ہو چکا ہے۔ یہ سن کر آنحضرتؐ بڑے شد و مد کے ساتھ لشکر کثیر لے کر پیشگی مقابلہ کے لئے جناب امیر علیہ السلام کو مدینہ میں اپنا خلیفہ و نائب بنا کر روانہ ہوئے۔ سفر کی بے شمار صعوبتیں اور زحمتیں جھیل کر جب بمقام تبوک پہنچے۔ جو حجر و شام کے درمیان ایک قلعہ کا نام ہے۔ تو معلوم ہوا کہ وہ اطلاع غلط اور بے بنیاد تھی۔ کفار روم وغیرہ نے قطعاً کوئی چڑھائی نہیں کی۔ اس لئے آنحضرتؐ نے واپس مدینہ منورہ کی طرف مراجعت فرمائی ہے۔ یہ ہے اس واقعہ کا اجمالی بیان۔ جو عند الکل مسلّم ہے۔ تمام کتب سیر و تواریخ موجود ہیں۔ طالبانِ تحقیق جب چاہیں ان کی ورق گردانی کر کے اطمینان قلب حاصل کر سکتے ہیں۔ دو چار کتابوں کے حوالہ جات پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ع

آنجا کہ عیاں است چہ حاجت بیان است

و علیکم بمراجعة کتب السیر و التواریخ لتزدادوا علماً و بصیرة۔ قل یا ایہا الناس قد جاءکم الحق من ربکم۔

ان حقائق کی روشنی میں ان حضرات کے مضحکہ خیز استدلال کو دیکھئے اور ان کی وسعت علم و فضل و دقت تحقیق و تدقیق کی داد دیجئے ؎

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

ان اللہ کے بندوں کو کون سمجھائے کہ آپ اپنے اپنے کام ہی میں مشغول رہیں اور تحقیق کی وادی پُرخار میں قدم نہ رکھیں اور اس طرح نہ خود رسوا ہوں۔ نہ مذہب کو بدنام کریں ؎

اے مگس عرصۂ سیمرغ نہ جولانگہ تست
عرض خود میبری و زحمت ما میداری

ان بیچاروں نے بناء الفاسد علی الفاسد رکھتے ہوئے شیعیان حیدر کرار کو یہ مشورہ بھی دیا جاتا ہے کہ اے شیعیان حیدر کرار اے موالیان اہل بیت اطہار! سنت رسول پر عمل کرو۔ اور یا علی ادرکنی مت کہو۔ بلکہ غم اور مصیبت و مشکل میں کامیابی حاصل کرو۔ (حقائق ص ۲۲۳) صرف یہی نہیں بلکہ ہماری ضد میں یہ لوگ اہل بیتؑ کی عداوت کے ادعا میں خدا دشمنی کی اس نچلی سطح پر اتر آئے ہیں کہ صاف صاف لکھ دیا۔ موالیان اہل بیت اگر گستاخ معترضین کے فتویٰ کفر کے اندیشہ سے پنجتن پاک کے ساتھ اللہ کو بھی شامل کر لیتے تھے۔ اب وہ ہرگز لفظ اللہ کو شامل نہ کریں۔ بلکہ صرف پنجتن پاک سے مدد مانگیں۔ (حقائق ص ۳۳۴) ہم اس مقام پر ان کے ساتھ ازراہ ہمدردی یہ صرف غالب کا شعر ہی پڑھ سکتے ہیں

وائے ضد کا فائدہ دین اپنا چھوڑ کر
ہم ہوئے کافر تو وہ کافر مسلماں ہو گیا

یہ استدلال اور یہ استنتاج پڑھ کر دنیا کے اہل دانش و بینش ہمارے اور ہمارے مذہب کے متعلق کیا رائے قائم کریں گے؟

اس کا اندازہ لگانا اربابِ فہم و فراست کے لئے مشکل نہیں۔ یہاں اگر یہ عذرِ لنگ پیش کیا جائے کہ آخر وہ روایت بھی تو بعض کتابوں میں موجود ہے جو ان حضرات نے پیش کی ہے۔ تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ دانشمندوں کا قول ہے "نقل را عقل باید" اور یہ کہ "یک من علم را دہ من عقل باید" ہر رطب و یابس کو نقل کر دینا اگرچہ تاریخی یا عقلی مسلمات کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اور پھر یہ عذر پیش کرنا کہ آخر یہ بھی تو بعض کتابوں میں مذکور ہے۔ اہلِ دانش و بینش اور اربابِ تحقیق کا کام نہیں ہے۔ ہم کتاب کے مقدمہ میں درایۃ الحدیث پر سیر حاصل تبصرہ کر چکے ہیں۔ اس مقام کی طرف رجوع کریں۔

من آنچہ شرطِ بلاغ است با تو می گویم
تو خواہ از سخنم پند گیر و خواہ ملال

ساتواں شبہ اور اس کا جواب

بعض رسائل میں کسی ... شہاب الدین کی کسی کتاب توضیح الدلائل سے حضرت امیر المومنین کی طرف منسوب شدہ ایک خطبہ کا بعض حصہ نقل کیا گیا ہے۔ اسی طرح شیخ کمال الدین محمد بن طلحہ الشافعی کی کتاب در منظم اور شیخ سلیمان قندوزی الحنفی کی ینابیع المودۃ سے ایک خطبے کے بعض اقتباسات پیش کئے گئے ہیں۔ جن میں ایک جملہ "انا حلال المشکلات بھی وارد ہے" ان خطبوں سے استدلال کرتے ہوئے آخر میں لکھا ہے "ان ہر دو خطبات سے واضح ہوتا ہے۔ کہ آنجناب میں وہ تمام صفات موجود ہیں۔ جو مشکل کشائے عالم ہونے کے لئے ضروری ہیں۔ ان خطبات کے ساتھ استدلال کرنا بدو وجہ صحیح نہیں ہے۔

اولاً۔ یہ خطبے ہماری کتبِ معتبرہ میں موجود نہیں ہیں۔ سرکار علامہ مجلسیؒ فرما چکے ہیں۔ کہ اما خطبة البیان وامثالها فلم توجد الافی کتب الغلاة (بحار ج، ص ۳۶۵) مقامِ تعجب ہے کہ ان خطبات کے نقل کرنے والے حضرات ایک طرف تو حضرت امیر المومنینؑ کو آنحضرتؐ کا خلیفۂ بلا فصل بھی تسلیم نہیں کرتے۔ اور دوسری طرف خطبے وہ نقل کرتے ہیں جن سے آنجنابؑ کے خدا ہونے کا شبہ ہوتا ہے۔ ان ھذا لشیٔ عجاب؟ اور ان سے بھی زیادہ تعجب ہمیں اپنے اُن مدعیانِ تشیع و ایمان پر ہے۔ کہ جو اصولِ عقائد کے سلسلہ میں اپنی تفسیر و حدیث کی کتبِ معتبرہ حتیٰ کہ نہج البلاغہ ایسی مستند و معتبر کتاب جس کا کلام حضرت امیر علیہ السلام ہونا فریقین کے نزدیک مسلم ہے۔ کو پس پشت ڈال کر مخالفین کی وہ کتب بھی جو ہر رطب و یابس کا مجموعہ ہیں۔ جن پر مخالف علماء و فضلاء بھی اعتماد نہیں کرتے۔ حالانکہ ائمہ اہلبیتؑ نے اصولِ عقائد بلکہ اپنے مناقب و فضائل بھی مخالفین کی کتابوں سے حاصل کرنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ چنانچہ حضرت امام موسیٰ کاظمؑ فرماتے ہیں لا تاخذن معالم دینک عن غیر شیعتنا فانک ان تعدیتهم اخذت دینک عن الخائنین۔ الخ.... یعنی اپنے دین کے معارف و معلومات ہمارے شیعوں کے علاوہ اور کسی سے حاصل نہ کرو کیونکہ اگر تم نے ایسا کیا تو پھر اپنے دین کو خیانت کاروں سے حاصل کرو گے۔ (رجال کشی ص۳، و رجال مامقانی ج ۲ ص۲۷۴) اسی طرح بحار ج ۱، ص۱۴۹ پر علامہ مجلسیؒ نے اس عنوان کا ایک مستقل باب

ام کیا ہے۔ بہ باب النهی عن اخذ فضائلهم من مخالفیهم (مخالفین سے فضائل اہل بیت حاصل ے کی ممانعت)

ثانیاً۔ اس خطبہ میں وارد شدہ فقرہ "انا حلال المشکلات" میں اجمال ہے۔ جن مشکلات کے آپ لال ہیں۔ ان سے دینی مشکلات مراد ہیں یا دنیوی؟ اور اگر دنیوی مراد ہیں تو عام عادی مشکلات مقصود ہیں۔ شکلات تکوینی؟ عین ممکن ہے کہ اس سے دینی مشکلات و معضلات کا حل کرنا مراد ہو۔ جیسا کہ اس فقرہ کے دوسرے متصل فقرہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ "ومزیل الشبہات" کہ میں شکوک و شبہات کا زائل نے والا ہوں"۔ جب تک قرینۂ قطعیہ سے یہ ثابت نہ ہو جائے کہ اس سے مراد امور تکوینیہ ہیں۔ اس وقت تک ں سے تمسک کرنا درست نہیں۔

لثاً۔ اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ اس سے علی الاطلاق ہر قسم کی تمام دینی و دنیوی مشکلات مراد ہیں۔ تب بھی ان ضرات کا مدعا ثابت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ مشکل کشائی کے لئے یہ ضروری نہیں کہ یہ بزرگوار بنفس نفیس وہ کام ام دیں۔ بلکہ شفاعت و سفارش کرکے بارگاہ قاضی الحاجات سے وہ کام کرا دینا بھی اس کے دائرہ میں داخل ہے۔ ر یہ بات کئی بار ثابت کی جا چکی ہے۔ کہ یہ بزرگوار مخلوق خدا کے وسیلہ و شفیع ہیں۔ سفارش کرکے خداوند عالم کی رگاہ سے کام انجام دلواتے ہیں۔ اس معنی کے اعتبار سے وہ یقیناً "مشکل کشا" اور "حلال مشکلات" ہیں جو انکو حلال شکلات نہیں جانتا وہ ناقص الایمان ہے۔

ٹھواں شبہ اور اس کا جواب

حضرت امام حسین علیہ السلام کی وہ زیارت جو عید الفطر اور عید قربان میں پڑھی جاتی ہے۔ اس میں وارد ہے۔ "یا مولائی اتیتک ائفاً فآمنی واتیتک مستجیراً فاجرنی واتیتک فقیراً فاغننی" (مفاتیح الجنان ص۴۴۳) اے میرے آقا ں آپ کے پاس خوف زدہ ہو کر آیا ہوں مجھے امن دیں۔ میں آپ کے پاس پناہ لینے آیا ہوں۔ مجھے پناہ دیں۔ اور

س باب کے مندرجات کا خلاصہ یہ ہے کہ آئمہ معصومین فرماتے ہیں کہ مخالفین نے تین طریقوں سے ہماری مخالفت کی ہے۔ ا) ہمیں حد سے بڑھا کر تا کہ ہمارے نام لیوا غلو کا شکار ہو جائیں۔ اور اس طرح ان کو ان کے کافر بنانے کا بہانہ ہاتھ آ جائے (۲) رے گھٹا کر تا کہ لوگ ہمارے متعلق کوتاہی میں مبتلا ہو جائیں۔ (۳) ہمارے نام سے بعض مخصوص لوگوں کے نام بنام ثالب و مطاعن بیان کرکے تا کہ وہ لوگ ہمارے متعلق بھی ایسا رویہ اختیار کریں۔ اور نام بنام ہمیں اپنے سب و شتم کا نشانہ بنائیں۔ لہٰذا جب تک مخالفین کی بیان کردہ روایات کی تائید احادیث اہل بیت سے نہ ہو جائے۔ اس وقت تک ان پر اعتماد نہیں یا جا سکتا۔ (کذا فی الدمعۃ الساکبہ ج ۷ ص۹۴ و عیون الاخبار ج ۱ ص۳۰۳) (منہ عفی عنہ)

آپ کے پاس فقیر ہو کر آیا ہوں مجھے غنی بنا دیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ براہ راست ائمہ ہدیٰ سے استمداد کی جا سکتی ہے۔ یہ شبہ بچند وجوہ مدفوع ہے:۔

اولاً۔ یہ زیارت جس میں یہ فقرے موجود ہیں، کسی امام عالی مقام سے مروی نہیں ہے بلکہ بعض علماء کی انشا کردہ معلوم ہوتی ہے ورنہ مستدل ہی بتائیں کہ یہ کس امام سے منقول ہے؟ اور اس کی سند کیا ہے؟ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین جس زیارت کی یہ کیفیت ہو، اس کی وجہ سے قرآن اور اہل بیت رسول کے مسلمہ فرمان سے ثابت شدہ حقیقت سے دستبرداری اختیار کی جا سکتی ہے؟

ثانیاً۔ عین ممکن ہے کہ یہاں دنیوی خوف و ہراس اور مادی فقر و فاقہ مراد نہ ہو۔ بلکہ مقصد یہ ہو کہ اے میرے آقا! میں اپنے گناہوں سے خائف ہوں، آپ مجھے پناہ دیں۔ یعنی میرے گناہ بارگاہ غفور رحیم سے معاف کرائیں۔ میں نیکیوں سے تہی دامن ہوں شفاعت کر کے میرے دامن کو حسنات سے پُر کرائیں۔ اور یہی مطلب زائر مومن کے شان کے لائق ہے۔ زائرین اپنے گناہوں کی بخشش اور خدا کا قرب حاصل کرنے کے لئے ان مقدس بارگاہوں میں حاضر ہوتے ہیں۔ نہ کہ دنیوی مال و دولت حاصل کرنے کے لئے۔ جیسا کہ خود ع اللھم انی تعرضت لزیارۃ اولیائک رغبۃ فی ثوابک ورجاء لمغفرتک وجزیل احسانک (مفاتیح) یا اللہ میں تیرے ثواب میں رغبت، تیری بخشش گناہ کی امید اور تیرے احسان جزیل کو حاصل کرنے کی خاطر تیرے اولیاء کی زیارت کے لئے آیا ہوں۔ یہ ایسا جامع مفہوم ہے جو شاہ و گدا پر یکساں طور پر منطبق ہوتا ہے۔ ورنہ اگر کوئی مرفہ الحال اور فارغ البال رئیس یہ زیارت پڑھے تو وہ بجائے ثواب کے انشاء دروغ بافی کی وجہ سے مستوجب عذاب و عقاب قرار پائے گا۔ کیونکہ وہ نہ خائف ہے نہ پناہ گزین اور نہ ہی فقیر و نادار ہے۔ اور نہ ان امور کا خواستگار۔ یا پھر یہ شرط عائد کی جائے کہ یہ زیارت صرف غرباء ہی پڑھیں۔ امراء اسے نہیں پڑھ سکتے۔

ثالثاً۔ اگر بالفرض اس سے دنیوی فقر و غنا اور خوف و ہراس سے پناہ مراد لی جائے۔ تو پھر بھی اس سے اصل مقصد امام سے توسل اور طلب شفاعت کرنا ہے جس کی دوسری زیارات میں تصریح موجود ہے چنانچہ اعمال حرم حسینؑ میں جو دعا و صلوات مذکور ہے۔ اس کے ضمن میں مرقوم ہے: یا سیدی و مولای ادخلنی فی حزبک و زمرتک واستوھبنی من ربک وربی فان لک عند اللہ جاھا و قدرا و منزلۃ رفیعۃ ان سألت اعطیت وان شفعت شفعت: اے میرے آقا! مجھے اپنے مخصوص زمرے و گروہ میں داخل فرمائیں۔ اور مجھے اپنے اور میرے پروردگار سے بخشوا لیں۔ کیونکہ آپ کو بارگاہ ایزدی میں بہت ہی قدر و منزلت حاصل ہے۔ اگر آپ اس سے سوال کریں تو آپ کو عطا کیا جائے گا۔ اور اگر سفارش کریں تو آپ کی شفاعت مقبول ہوگی۔ (مفاتیح ۴۹۱)

اسی طرح امام حسینؑ کی دوسری زیارت جو امام علی نقیؑ سے مروی ہے اس کے آخر میں ہے جئت منقطعا

بالذّنوب المتشفّع عند ربک یا ابن رسول اللہ: "اے فرزند رسولؐ میں آپ کی بارگاہ میں گناہوں کا اقرار کرتے ہوئے اس لئے حاضر ہوا ہوں تاکہ آپ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں میری سفارش کریں۔" (مفاتیح ص۴۴۳)

جناب امام حسینؑ کی زیارت اول رجب میں وارد ہے۔ "فاشفع ایھا السید الطاھر الی ربک فی حط الاثقال عن ظھری وتخفیفھا عنی وارحم ذلی وخضوعی لک" "اے میرے پاک و پاکیزہ سردار! میری ذلت اور گڑگڑاہٹ پر رحم فرمائیں۔ یعنی اپنے پروردگار کی بارگاہ میں میری سفارش کریں کہ وہ میری پشت سے گناہوں کے بوجھوں کو ہلکا کرے اور انہیں بالکل اتار دے۔ ۔۔۔" (مفاتیح ص۴۴۳)

اسی طرح آنجنابؑ کی زیارت نیمۂ رجب میں وارد ہے "یا مولائی وابن مولائی زرتک مشتاقاً فکن لی شفیعاً الی اللہ" "اے میرے آقا اور میرے آقا کے فرزند! میں نے بہت شوق سے آپ کی زیارت کی ہے۔ پس خدا کی بارگاہ میں میری سفارش فرمائیں۔" (مفاتیح ص۴۴۴) اور زیارتوں کو چھوڑیئے۔ خود اسی زیارت کے اذن دخول میں یہ فقرے موجود ہیں۔ "یا مولائی یا ابا عبد اللہ یا ابن رسول اللہ عبدک وابن امتک الذلیل بین یدیک والمصغر فی علو قدرک والمعترف بحقک جاءک مستجیراً بک قاصداً الی حرمک متوجھاً الی مقامک متوسلاً الی اللہ تعالیٰ بک" (مفاتیح ص۴۴۵) "اے میرے آقا! یا ابا عبد اللہؑ۔ اے فرزند رسولؐ! آپ کا غلام، آپ کی کنیز کا بیٹا، آپ کے سامنے ذلیل، آپ کی بلندی مقام کے سامنے صغیر و حقیر اور آپ کے حق کا اقرار کرنے والا آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہے۔ آپ کے ذریعہ سے پناہ لینے، آپ کے حرم اقدس کا قصد کرتے۔ اور آپ کے مقام کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے۔ تاکہ اللہ سبحانہٗ کی بارگاہ میں آپ کا توسل حاصل کرے۔"

ایک ضروری وضاحت

مخفی نہ رہے کہ یہاں عبد سے مراد عبد طاعت یعنی غلام اور امت سے مراد کنیز و ملازمہ ہے۔ الغرض ان الفاظ سے وہ رشتہ مراد ہے۔ جو آقا اور غلام کے درمیان قائم ہے۔ نہ وہ تعلق جو معبود و عبد کے درمیان قائم ہوتا ہے۔ جیسا کہ بعض حضرات نے دعائے جنازہ اور ان الفاظ میں صرف ظاہری تجانس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایسی بے خبری سے کام لیا ہے۔ محمد بن زید طبری بیان کرتے ہیں۔ کہ جن دنوں امام رضا علیہ السلام خراسان میں تشریف فرما تھے۔ میں ان کے سرہانے کھڑا تھا۔ اور بنی ہاشم کی ایک جماعت بھی موجود تھی۔ جن میں اسحاق بن عباس بن موسیٰ بھی شامل تھے۔ امامؑ نے انہی کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا یا اسحاق بلغنی انکم تقولون ان الناس عبید لنا۔ لا وقرابتی من رسول اللہؐ ما قلتہ قط ولا سمعتہ من احد من آبائی ولا بلغنی من احد منھم ان قالہ لکنا نقول الناس عبید لنا فی الطاعۃ موال لنا فی الدین فلیبلغ الشاھد الغائب (بحار ج، ص۲۳ بحوالہ امالی شیخ مفیدؒ و امالی شیخ طوسیؒ وغیرہ) اے اسحاق مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ تم یہ کہتے ہو کہ یہ لوگ ہمارے بندے ہیں۔ (اور ہم معبود) مجھے قرابت رسولؐ کی قسم ایسا ہرگز نہیں ہے۔ یہ بات

یکھی میں نے کبھی ہے اور نہ اپنے آباؤ اجداد سے سنی ہے اور نہ ان سے مجھ تک کوئی ایسی روایت پہنچی ہے کہ انہو
نے کبھی یہ بات کہی ہو۔ ہاں البتہ ہم یہ کہتے ہیں کہ لوگ اطاعت کرنے میں ہمارے غلام اور دین میں ہمارے دوست ہی
حاضرین کو چاہئے کہ غائبین تک یہ بات پہنچا دیں۔

بنابریں معلوم ہوگیا کہ یہاں عبید و اَمَت کا وہ معنی مراد ہے جو عبد الحسین اور امۃ الفاطمہ میں ہے نہ وہ معنی جو عبد اللہ اور امۃ اللہ میں مراد ہے۔ قرآن مجید میں وارد ہے "وانکحوا الایامیٰ منکم والصالحین من عبادکم و امائکم" اپنے میں سے بے زوجہ کی شادی کرو۔ نیز اپنے غلاموں اور کنیزوں کی بھی شادیاں کرو" فلا تغفل۔

بہرحال ان حقائق کی روشنی میں کالشمس فی نصف النہار یہ حقیقت واضح و آشکار ہوگئی۔ کہ ان مجمل الفا سے مراد دراصل بارگاہِ رب العزت میں امامؑ کا توسل حاصل کرنا اور ان سے طلب شفاعت کرنا ہے۔ ولیس وہو الحق لا ینکرہ احد من اہل الحق۔ اسی بیان حقیقت ترجمان سے ان تمام فقرات کا صحیح مفہوم بھی واضح و لائح ہو جاتا ہے۔ جو بعض دوسری زیارات میں وارد ہیں۔ فتدبّر والحمد للہ علیٰ وضوح الحق والحقیقۃ۔

نواں شبہ اور اُس کا جواب

روایات میں وارد ہے کہ جب تم راستہ بھول جاؤ تو یہ پکارو۔ یا ابا صالح یا ابا صالح ارشدنا الی الطریق رحمکم اللہ۔ اے ابو صالح اے ابو صا خدا تم پر رحم کرے ہمیں صحیح راستہ بتلا دو۔ (حلیۃ المتقین ص۲۵۹) میں حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے۔ ک یہ ابو صالح ایک جن مومن بھائی ہے۔ جب ایک جن فریاد رسی کر سکتا ہے۔ تو امامؑ کیوں مدد اور فریاد رسی نہیں کر سکتے"۔ یہ شبہ بدو وجہ ناقابلِ التفات ہے۔

اوّلاً۔ یہ روایت اخبار احاد میں سے ہے جو اصولِ اعتقاد میں ناقابلِ اعتماد ہے۔ جیسا کہ ان امور کی تحقیق کتاب کے دیباچہ میں کی جا چکی ہے۔

ثانیاً۔ یہ ہمارے محل نزاع سے خارج ہے۔ کیونکہ بحث ان امور تکوینیہ میں غیر خدا سے استمداد کے بارے میں ہے جو قد بشریہ سے خارج ہیں۔ جیسے خلق و رزق و اماتت و احیاء وغیرہ۔ مگر اس روایت میں صرف گم گشتہ راہ کو راہ دکھانے کا تذ ہے۔ جو یقیناً ان امور سے خارج ہے بلکہ ان امور میں سے ہے جن میں ایک دوسرے کی امداد کرنا بہترین کار ثواب ہے جیسا اسی باب کی ابتداء میں اس امر کی مکمل وضاحت کی جا چکی ہے۔ قطع نظر اس سے کہ ابو صالح سے مراد جن ہے۔ جیسا کہ جناب ا علیہ السلام سے مروی ہے۔ یا اس سے مراد جناب امام العصرؑ ہیں جیسا کہ محدث نوریؒ کا خیال ہے (نجم ثاقب ص۴۴۲) بہرحا اسے ہمارے متعلقہ مسئلہ سے کوئی ربط و تعلق نہیں ہے۔

دسواں شبہ اور اُس کا جواب

متعدد روایات اہل بیتؑ میں وارد ہے کہ ہم وجہ اللہ ہیں۔ جنب اللہ ہی لسان اللہ ہیں۔ ید اللہ ہیں۔ عین اللہ ہیں۔ خزان اللہ ہیں۔ اور باب اللہ ہ

تو پھر اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ خدا سے مانگیں یا ان ذوات قادسہ سے سوال کریں؟

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ اس پر ہمارا بھی ایمان ہے۔ کہ یہ ذوات مقدسہ وجہ اللہ، جنب اللہ، ید اللہ وغیرہ ہیں۔ مگر ابلِ غور امر یہ ہے کہ ان الفاظ کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ کہیں کلمۃ حق یراد بہا الباطل کا مظاہرہ تو نہیں ہو رہا؟ یہ بات تو حتاج بیان نہیں کہ ان الفاظ کے حقیقی معانی تو یہاں مراد نہیں لئے جا سکتے۔ ورنہ خدا کا مجسم ہونا لازم آئے گا۔ یا ان بزرگواروں کو خدا کا اوتار ماننا پڑے گا۔ اور یہ دونوں باتیں بالبداہت باطل ہیں۔ اور ان کا عقیدہ رکھنا لفر ہے۔ لہٰذا تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ یہ اطلاق من باب المجاز الشائع ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ وجہ مجاز کیا ہے؟ اس کا واب علمائے اعلام کے کلام حق نظام میں واضح ہے۔ وجہ (چہرہ) چونکہ کسی کی معرفت و پہچان کا بہترین ذریعہ ہوتا ہے اور انبیاء و ائمہ علیہم السلام خدا اور اس کے دین حق کی معرفت و پہچان کا بہترین ذریعہ ہیں۔ اس لئے ان کو وجہ اللہ کہا جاتا ہے۔ جیسے کہ ام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں: "وجہ اللہ انبیائہ وحججہ الذین بھم یتوجہ الی اللہ والی دینہ ومعرفتہ (لوامع الانوار ص۹۹) یعنی خدا کے انبیاء و ائمہ وجہ اللہ ہیں۔ کیونکہ انہی کے ذریعہ خدا اور اس کے دین کی طرف توجہ ور اس کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

اسی طرح جنب (پہلو) چونکہ انسان کے بالکل قریب ہوتا ہے اسی طرح یہ ذوات مقدسہ قرب روحانی کے طور پر ساری کائنات سے زیادہ خدا کے قریب ہیں۔ اس لئے ان کو جنب اللہ کہہ دیا جاتا ہے۔ چنانچہ امام محمد باقر علیہ السلام رماتے ہیں: "معنی جنب اللہ انہ لیس شئ اقرب الی اللہ من رسولہ ولا اقرب الی رسولہ من وصیہ ھی فی القرب کالجنب۔ الخ (لوامع الانوار ص۹۹) یعنی جنب اللہ کے معنیٰ یہ ہیں کہ رسول خداؐ سے بڑھ کر اور کوئی یادہ خدا کے قریب نہیں۔ اور ان کے حقیقی وصی و جانشین سے زیادہ آنحضرتؐ کے کوئی قریب نہیں۔ لذا قال الطبرسی فی مجمع البیان۔ بان الجنب بمعنی القرب۔ صاحب مرآۃ الانوار (ص۱۱۲) پر لکھتے ہیں: "ولعل لوجہ فیہ اظہار انھم فی القرب کالجنب" یعنی شاید ان کو جنب اللہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ قرب روحانی میں بمنزلہ پہلو کے ہیں۔ حضرت شیخ صدوقؒ نے جنب کے معنی اطاعت کرتے ہوئے ان کے ارشاد انا جنب اللہ کا مفہوم یہ بیان کیا ہے: "ای انا الذی ولایتی طاعۃ اللہ عزوجل" یعنی میں وہ ہوں جس کی ولایت خدا کی اطاعت ہے (کتاب التوحید ص۱۵۶)

لسان (زبان) چونکہ مافی الضمیر کے اظہار کا آلہ و ذریعہ ہوتی ہے اور یہ بزرگوار بجز منشاء پروردگار کوئی بات بیں کرتے۔ بلکہ جب بھی بولتے ہیں۔ تو خدا کے مقصد و منشا کو ظاہر کرتے ہیں۔ اس لئے ان کو لسان اللہ کہا جاتا ہے۔ نہ غیر متکلم الا بما ھو مراد اللہ، کما ان اللسان لا یتکلم الا بما ھو مراد المتکلم ـــ فھو بمنزلۃ لسانہ بیان مرادہ ومقصدہ الخ یعنی وہ بغیر خدا کی منشاء کے بات نہیں کرتے جس طرح زبان متکلم کی منشا کے بغیر

نہیں بولتی۔" (طوالع الانوار ص۶۹)

ید کے کئی معنوں میں سے ایک معنی قدرت و قوت بھی ہیں۔ اور چونکہ یہ ذوات مقدسہ خدا کی خاص قدرت کے آثارِ کاملہ ہیں۔ اس لئے ان کو "یداللہ" کہا جاتا ہے یا یہاں ید بمعنی رحمت خداوندی ہے۔ اس کی تائید جناب امیر علیہ السلام کے اس ارشاد سے ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں انا ید اللہ المبسوطۃ علی عبادہ بالرحمۃ والمغفرۃ۔ میں خدا کا وہ ہاتھ ہوں جو اس کے بندوں پر رحمت و مغفرت کے ساتھ کشادہ ہے۔ یعنی میں رحمت خدا ہوں۔ اسی طرح ید کے ایک معنی نعمت بھی ہیں۔ اور چونکہ یہ ذوات قادسہ خدا کی خاص نعمت ہیں۔ اس لئے ان کو "یداللہ" کہا جاتا ہے۔ ائمۂ اطہار کو ید اللہ کہنے کی یہ سب وجوہ عالم ربانی میرزا ابوالحسن الشریف نے مرآۃ الانوار کے ص۳۴۷، ۳۴۸ پر "من المجازات الشائعۃ فی کلام العرب" کہہ کر ذکر فرمائی ہیں۔ فراجعہ

اسی طرح ان کے عین اللہ کا صحیح مفہوم یہ ہے۔ کہ وہ خدا کے دین کے محافظ ہیں۔ (یعنی ہم الحافظ لدین اللہ وقد قال اللہ عزوجل تجری باعیننا ای بحفظنا (کتاب توحید شیخ صدوق ص۱۵۱)

یہ درست ہے کہ محمدؐ و آل محمد علیہم السلام خدا کے خزانہ بردار ہیں لیکن کس کے؟ سونے چاندی کے ڈھیروں کے یا خدا کے علم و دین کے؟ احادیث میں اس کی وضاحت موجود ہے۔ کہ وہ علم و دین خدا کے خزینہ دار ہیں نہ سونے اور چاندی وغیرہ مادی اشیاء کے۔ چنانچہ مرآۃ الانوار ص۱۱۳ پر بحوالہ بصائر الدرجات امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا۔ انا لخزان اللہ فی ارضہ و سمائہ لا علی ذھب ولا علی فضۃ الا علی علمہ۔ "ہم خدا کی زمین و آسمان میں اُس کے خزانہ بردار ہیں۔ لیکن نہ سونے چاندی کے بلکہ اس کے علم کے" پھر اسی صفحہ پر بحوالہ تفسیر عیاشی۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کا یہ ارشاد نقل کیا ہے۔ فرمایا۔ نحن خزان اللہ علی دینہ "ہم خدا کے دین کے خزانہ دار ہیں۔ کئی احادیث میں وارد ہے "نحن خزنۃ وحی اللہ" ہم وحی خدا کے خزینہ دار ہیں۔ نتیجہ سب کا ایک ہے۔ کہ خدا کے دین کی صحیح معرفت اور اس کے معارف و حقائق ہمارے ہی گھر سے مل سکتے ہیں۔

اسی طرح ان بزرگواروں کے باب اللہ (خدا کا دروازہ) ہونے کا مطلب بھی واضح ہے کہ خدا تک رسائی اس کی خوشنودی حاصل کرنے اور اس کے دین کے معارف حاصل کرنے کا وسیلہ و ذریعہ ہیں۔ جناب رسول خدا فرماتے ہیں۔ ان علیاً باب اللہ الاکبر فمن اراد اللہ فلیدخل من الباب الاکبر۔ علیؑ خدا کا بڑا دروازہ ہیں۔ جو خدا کی بارگاہ تک رسائی حاصل کرنا چاہتا ہے وہ اسی دروازہ پر آئے۔ (مرآۃ الانوار ص۹۱) نیز آنحضرت کا یہ ارشاد مشہور و متواتر ہے۔ انا مدینۃ العلم و علی بابھا من اراد المدینۃ فلیاتھا من بابھا۔ میں شہر علم ہوں۔ اور علیؑ اس کا دروازہ۔ شہر میں داخل ہونے والے کو چاہئے۔ کہ دروازہ کی طرف سے داخل ہو۔ (فمن اتاھا من غیر بابھا سمی سارقاً نہج البلاغہ) ارشاد قدرت ہے۔ واتوا البیوت من ابوابھا۔ ان حقائق

کی روشنی میں ارباب عقل و انصاف فرمائیں کہ ان الفاظ و معانی کو ان حضرات کے مقصد باطل کے ساتھ دُور کا بھی کوئی ربط و تعلق ہے؟ وحاشا وکلا

دُوسرا صحیح مفہوم ان تمام اطلاقات کا دوسرا مجموعی صحیح مفہوم یہ بھی درست ہے کہ ان ذوات قادسہ کی عظمت و جلالت کے اظہار کے لئے ان کے اعضاء و جوارح کو خدا کی طرف نسبت دی گئی ہے۔ الغرض ان کو اسی طرح ید اللہ، وجہ اللہ، عین اللہ، لسان اللہ اور جنب اللہ وغیرہ کہا گیا ہے جس طرح اظہار شرف و عظمت کے لئے کعبہ کو بیت اللہ، جناب عیسیٰؑ کو روح اللہ اور ناقہ صالحؑ کو ناقۃ اللہ کہا گیا ہے۔

تیسرا صحیح مفہوم نیز ان اطلاقات کا یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ اگرچہ عام لوگوں کے اعضاء و جوارح بھی ہیں تو خدا کی ملکیت مگر مقام عمل میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عامۃ الناس ان اعضاء کو اپنی ذاتی ملکیت سمجھتے ہیں۔ مگر ان بزرگواروں کا معاملہ ان لوگوں سے مختلف ہے۔ وہ صحیح معنوں میں اپنے ہاتھ پیر، چہرہ و زبان اور آنکھ و کان کو خدائے منان کی مقدس امانت سمجھتے ہیں۔ اس لئے وہ ان اعضاء و جوارح سے وہی کام لیتے ہیں جس کے لئے خدا نے عطا کئے ہیں۔ ان کے قدم و ہاتھ اُدھر بڑھیں گے جدھر خدا کی مشیت ہوگی۔ ان کی آنکھ اُدھر اُٹھیں گی جدھر خدا کی مرضی ہوگی۔ ان کے کان اُدھر متوجہ ہوں گے جدھر خدا کی رضا ہوگی۔ وقس علیٰ ہذا۔ اور یہی مطلب ہے اس آیۃ وافی ہدایہ کا۔ وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ

ایک اور ضروری وضاحت چونکہ شرعی نقطۂ نگاہ سے نذر صرف خدائے عزوجل کے نام پر ہی ہو سکتی ہے اور غیر خدا کی نذر کے عدم جواز و بطلان پر تمام فقہاء شیعہ کا اتفاق ہے لہٰذا سرکار سید الشہداء یا آئمہ ہدیٰ کی نیاز یا حضرت ابوالفضل العباسؑ کی حاضری کی صحیح صورت یہ ہے کہ اگر خداوند عالم فلاں امامؑ یا فلاں امام زادہ کے طفیل میرا فلاں کام کر دے تو میں خدا کے نام پر فلاں کام کروں گا (مثلاً اتنی رکعت نماز پڑھوں گا یا اتنے روزہ رکھوں گا یا اتنی شیرینی تقسیم کروں گا یا مجلس عزا کراؤں گا یا اتنی رقم فقراء و مساکین میں تقسیم کروں گا وغیرہ) اور اس کار خیر کا ثواب اس امام یا امام زادہ کی خدمت میں ہدیہ کروں گا، تو پھر یہ نذر و نیاز درست ہوگی اور اس کا انتساب ان بزرگواروں کی طرف اسی طرح مجازی ہوگا جس طرح تسبیح جناب سیدہ اور نماز جعفر طیارؑ میں ہے۔ فتامن جیداً۔

ھذا بصائر للناس وھدی ورحمۃ لقوم یوقنون

یاایھا الناس قد جاتکم موعظۃ من ربکم وشفاء لما فی الصدور وھدی ورحمۃ للمؤمنین

پانچواں باب

حقیقتِ معجزہ اور اُس کے فعلِ خدا، یا فعلِ نبیؑ و امامؑ ہونے کا بیان

یہ کُھلا انقلابِ زمان اور نیرنگیٔ دہر تو آں ہے کہ آج ان مسائل پر بھی خامہ فرسائی کی ضرورت درپیش آ رہی ہے جو قرآن اور حضرات محمد و آلِ محمد علیہم السلام کے فرمان کی روشنی میں قریباً چودہ سو سال سے علماء اعلام کے درمیان متفق علیہ اور مسلم الثبوت ہیں۔ جن کو اگر ضروریاتِ دینِ اسلام سے نہیں تو کم از کم ضروریاتِ مذہبِ شیعہ خیر البریہ سے تو یقیناً قرار دیا جا سکتا ہے۔ منجملہ ان مسائل و عقائد کے ایک معجزہ کے فعلِ خدا ہونے کا مسئلہ بھی ہے جسے زمانہ ہائے دراز تک متفق علیہ رہنے کے بعد کچھ مخصوص لوگوں نے کچھ عرصہ سے محلِ نزاع و محورِ قیل و قال بناتے ہوئے اسے نبیؑ و امامؑ کا فعل کہنا شروع کر دیا ہے۔ اس لئے ہم اس باب میں کلماتِ قرآن کریم، مستند ارشاداتِ معصومینؑ اور بیاناتِ علماء متقدمین و متاخرین کی روشنی میں ثابت کریں گے کہ معجزہ کا حقیقی فاعل خداوند عالم ہے انشاءاللہ۔ لیکن اصل مقصد میں وارد ہونے سے پہلے بطور تمہید معجزہ کی حقیقت، اس کے شرائط، معجزہ و جادو میں فرق اور محلِ نزاع کی تنقیح کا بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ واللہ المستعان و علیہ التکلان

مُعجزہ کی تعریف معجزہ کے لغوی معنے ہیں "عاجز کنندہ" اور اصطلاحِ متکلمین میں "یعنی معجزہ خداوند عالم کے اُس خارقِ عادت فعل کا نام ہے۔ جسے وہ اپنے کسی نبیؑ یا اُس کے وصیؑ کی صداقت و حقانیت ظاہر کرنے کے لئے ان کے ہاتھوں پر ظاہر کرتا ہے۔ بشرطیکہ اس کا ظہور مقرون بالتحدی ہو (دعوائے نبوت و امامت کے ساتھ بطور چیلنج۔ مقرون ہو جس کا مثل پیش کرنے سے ساری مخلوق عاجز ہو" لہٰذا اگر ایسا کوئی فعل نبی یا امام سے، اعلانِ نبوت و امامت سے قبل ظاہر ہو تو اُسے اصطلاح میں "ارہاص" کہا جاتا ہے۔ اور اگر نبی یا امام کے علاوہ خدا کے کسی نیک بندے سے کوئی خارقِ عادت فعل ظاہر ہو تو اُسے کرامت کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ کما لا یخفیٰ ھذہ الحقائق علیٰ من راجع کتب الفن، (سبیل النجاۃ فی اصول الاعتقادات ص۴۱ وغیرہ)

معجزہ کے شرائط معجزہ کے چند شرائط ہیں جن کی طرف گو اجمالی اشارہ تو تعریف میں موجود ہے مگر ان کی ذیل میں قدرے وضاحت کی جاتی ہے۔

(۱) معجزہ کو ایسا قطعی ہونا چاہئے جس سے منکرین کے انکار کی تمام راہیں بند ہو جائیں۔

(۲) معجزہ کو دعوائے نبوت یا امامت کے ساتھ مقارن ہونا چاہئے۔

(۳) معجزہ کو دعویٰ کے مطابق ہونا چاہئے۔ یعنی معجزہ مصدقہ ہو نہ معجزہ مکذبہ۔ جس طرح مسیلمہ کذاب نے جب ایک کانے کی آنکھ پر بغرض شفا اپنا ہاتھ پھیرا تو اس کی دوسری آنکھ بھی ختم ہو گئی تھی۔

(۴) معجزہ کو ایسا ہونا چاہئے کہ صاحبِ اعجاز کے علاوہ باقی تمام لوگ اس کا مثل لانے سے عاجز ہوں۔

(۵) معجزہ کو مقتضائے عادت و نوامیس طبیعت کے خلاف ہونا چاہئے۔ کیونکہ ناممکن عادی کو وجود میں لانے کا نام معجزہ ہے نہ کہ ناممکن عقلی کو ممکن بنانے کا۔ الغرض معجزہ عالمِ اسباب اور نیچر کے قانون کے خلاف ہوتا ہے جیسے آگ کا سرد ہو جانا۔ پانی کے بہاؤ کا رک جانا۔ وغیرہ محال عقلی کو اس کے ذریعہ ممکن نہیں بنایا جا سکتا ہے۔ جیسے اجتماع ضدین وغیرہ کیونکہ ناممکن عقلی میں یہ صلاحیت ہی نہیں ہے کہ قدرتِ کاملہ کا اس سے تعلق ہو۔

(۶) معجزہ کو ایسا ہونا چاہئے کہ اس کا کوئی ظاہری اور مادی سبب موجود نہ ہو۔ جیسا کہ علم سیمیا، ریمیا، کیمیا، لیمیا اور ہیمیا میں ہوتا ہے۔ فتدبر۔

(۷) اظہارِ معجزہ کے لئے یہ بھی شرط ہے۔ کہ کچھ لوگ اس کی درخواست کریں۔ یا ایسے لوگ موجود ہوں جن کی اعجاز نمائی کی وجہ سے ہدایت کی توقع ہو۔

(۸) معجزہ کو فعلِ خدا ہونا چاہئے۔ (اس کی تفصیل ذیل میں آ رہی ہے انشاء اللہ) — الی غیر ذالک من الشرائط

(شرح تجرید الکلام، الطیب وغیرہ)

معجزہ دلیلِ نبوت و امامت ہے

خداوند عالم جن لوگوں کی طرف نبی و امام بھیجتا ہے ان کے طبائع اور عقول و افہام مختلف ہوتے ہیں۔ بعض ایسے بلند طبع اور کامل العقل ہوتے ہیں۔ جو صرف ان بزرگواروں کے علمی و عملی کمالات اور ان کی مقدس تعلیمات کو دیکھ کر ہی معلوم کر لیتے ہیں۔ کہ یہ خدا کے فرستادہ ہادی و راہنما ہیں۔ مگر عامۃ الناس اس قدر استعداد و لیاقت نہیں رکھتے۔ اور نہ اس قدر ژرف بین نگاہ کے مالک ہوتے ہیں۔ کہ وہ دقائق کو سمجھ کر ان کی تصدیق کر سکیں۔ اس لئے عقل فیصلہ کرتی ہے کہ ان ذواتِ مقدسہ کے پاس کوئی ایسی قطعی علامت ہونی لازم ہے جسے دیکھ کر ہر کس و ناکس پر ان کی صداقت و حقانیت روزِ روشن کی طرح واضح و آشکار ہو جائے۔ اسی قطعی علامتِ نبوت و امامت کو اہلِ شرع معجزہ کہتے ہیں۔ مثلاً نبی اگر یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں خدا کی طرف سے آیا ہوں میں اس کا قانون لایا ہوں میری ہر بات حق اور واجب القبول ہے۔ اس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے تم مجھ پر اور میری باتوں پر ایمان لے آؤ۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک دعویٰ ہے اور بہت بڑا دعویٰ۔ اور یہ بھی واضح ہے کہ کوئی دعویٰ دلیل و برہان کے بغیر قابلِ قبول نہیں ہوتا۔ لوگوں نے نہ تو اسے نبی بنتے دیکھا ہے۔ اور نہ ہی آنکھوں سے اس پر قانون اُترتے دیکھا ہے۔ پڑھے لکھے عقلمند اور سمجھ دار لوگ تو یہ دیکھ کر کہ وہ شخص جس نے کسی مدرسہ میں تعلیم حاصل نہیں کی جس نے کسی معلم کے سامنے زانوئے ادب تہہ نہیں کیا۔ وہ ایسے دعوائے نبوت کر کے وہ وہ علوم اور جامع قانون پیش کر رہا ہے۔ کہ جس کے سامنے بڑے بڑے علماء و فضلاء دم بخود ہیں۔ سمجھ جائیں گے کہ وہ واقعی اپنے دعویٰ میں سچا ہے مگر پھر بھی

عامۃ الناس کے اطمینانِ قلب کے لئے کسی اور قطعی ثبوت کی ضرورت ہے۔ جب وہ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں ایسی چیز دکھائے گا جس کی نظیر پیش کرنے سے تمام مخلوق عاجز ہو۔ اور وہ کام کرکے دکھائے جس پر صرف خدا ہی قدرت رکھتا ہو اور انسانی دسترس سے بالا ہو۔ تو یقیناً وہ اس بات کی دلیل ہوگا۔ کہ یہ شخص اپنے دعویٰ میں سچا ہے اور فی الواقع وہ فرستادۂ خداوندی ہے اور خدا نے یہ خارقِ عادت امر بطور سند اس کے ہاتھوں پر ظاہر کیا ہے کیونکہ معجزہ درحقیقت خدا کا فعل ہوتا ہے۔ اسی لئے تو لوگ اس کو کسی شخص کے ہاتھ پر ظاہر ہوتے ہوئے دیکھ کر یہ یقین کر لیتے ہیں کہ خدا کا فرستادہ ہے۔ ورنہ خدا اس کے ہاتھ پر ایسا فعل ظاہر نہ کرتا۔ یہ معجزات بحسبِ حالات زمان و مکان و اشخاص مختلف نوعیت کے ہوتے ہیں۔ کسی کے ہاتھ پر نار کو گلزار بنا دیا۔ کسی کے ہاتھ پر عصا کو اژدھا بنا دیا۔ کسی کے ہاتھوں پر مردہ کو زندہ کر دیا۔ کسی کو قرآن جیسا عدیم النظیر علمی معجزۂ خالدہ عطا فرمایا۔ لیکن دلیلِ نبوت میں سب باہم شریک ہیں۔ اس بیان سے واضح وعیاں ہو گیا کہ نبوت ایک دعویٰ ہے اور معجزہ اس کی دلیل جسے دیکھ کر عقلِ سلیم و طبعِ مستقیم رکھنے والے ان پر ایمان لا کر سعادت حاصل کرتے ہیں۔ اور تعصب و عناد سے انکار کرنے والے دین و دنیا میں خائب و خاسر ہوتے ہیں۔ وذلک ھو الخسران المبین — (وکذا الکلام فی ضرورۃ المعجزۃ للامام المدعی للقیام بحمل اعباء النبوۃ واداء فرائضھا للانام۔ کما لا یخفی علی اولی الافہام)

معجزہ اور سحر میں فرق

چونکہ عام طور پر اس مقام پر یہ شبہ پیش کیا جاتا ہے کہ جو کام ایک نبی یا امام اعجاز نمائی کے مقام پر انجام دیتا ہے بظاہر ویسا ہی کام ایک شعبدہ باز، جادوگر اور مسمریزم کا ماہر شخص بھی انجام دے سکتا ہے۔ بنا بریں معجزہ کو کیونکر دلیلِ نبوت و امامت قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس ضرورت کے پیشِ نظر معجزہ اور جادو کے درمیان جو متعدد فرق ہیں۔ ان میں بعض فرق یہاں پیش کئے جاتے ہیں۔ لیھلک من ھلک عن بینۃ ویحیی من حیّ عن بینۃ۔

فرقِ اوّل

یہ کہ جادو ایک فن اور مخصوص علم ہے جو پڑھنے پڑھانے سے حاصل ہو سکتا ہے لیکن معجزہ تعلیم و تعلّم اور کسب واکتساب سے حاصل نہیں ہو سکتا۔

فرقِ دوم

یہ کہ جادو کا معارضہ و مقابلہ کیا جا سکتا ہے ممکن ہے ایک جادوگر اپنے فن کے بل بوتے پر دوسرے ساحر کے سحر کو باطل کرکے اس پر غلبہ حاصل کرے۔ مگر معجزے کا کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی مقابلہ نہیں کر سکتی اور کوئی شخص اسے باطل نہیں کر سکتا۔ معجزہ کے معنی ہی یہی ہیں کہ وہ سب کو عاجز کر دے اگر ایسا نہیں تو وہ معجزہ ہی نہیں ہے۔

فرقِ سوم

یہ کہ جادو مخصوص مادی و طبیعی اسباب و آلاتِ خفیہ، اوقاتِ مخصوصہ، شرائطِ مقررہ اور قواعدِ معینہ کا محتاج ہوتا ہے مگر معجزہ میں کسی طبیعی سبب یا ظاہری آلہ یا کسی زمان و مکان کی کوئی قید نہیں ہوتی۔ حسبِ ضرورت ہر وقت اور ہر جگہ اعجاز نمائی کی جا سکتی ہے۔ وہ صرف امرِ الٰہی کا پابند ہے۔ مذکورہ بالا قیود میں سے

سی قید سے مقید نہیں ہے۔

فرق چہارم

معجزہ میں حقیقت و واقعیت ہوتی ہے۔ مگر جادو وغیرہ میں فقط نظر بندی ہوتی ہے۔ بالخصوص شعبدہ میں تو زیادہ تر ہاتھ کی صفائی کارفرما ہوتی ہے۔ کسی شے کی حقیقت پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ معجزے میں جو انقلاب و تغیر ظاہر ہوتا ہے۔ وہ فی الحقیقت اصل شے میں رونما ہوتا ہے مثلاً کوئی نبی و رسول یا امام عالی مقام کسی سنگ ریزے کو انگور بنا دے۔ تو اس سے پتھر والے خواص سلب ہو جائیں گے اور وہ سنگ ریزہ فی الحقیقت انگور بن جائے گا۔ کھانے والا اسے فی الحقیقت [illegible] ہی محسوس کرے گا۔ مگر جادوگر کنکری کو انگور بنا کر دکھا تو سکتا ہے۔ لیکن وہ اسے کھلا نہیں سکتا۔ وہ کنکری کنکری ہی رہے گی۔ حضرت موسیٰؑ نے جب پتھر سے پانی جاری کیا تھا۔ تو حقیقتاً تمام قوم نے سیر ہو کر پانی پیا تھا۔ جناب ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت ذوالعشیرہ میں تھوڑے سے کھانے کو بطور اعجاز جب مدعوین کے سامنے پیش کیا تھا تو سب نے سیر ہو کر کھایا تھا۔ معلوم ہوا معجزہ ایک زندہ حقیقت ہے۔ مگر جادو میں ایسا ہونا ممکن نہیں ہے کیونکہ جادو کا اثر فقط نگاہ پر ہوتا ہے اصل حقیقتِ شے پر نہیں ہوتا۔

فرق پنجم

معجزہ ہمیشہ منتخب روزگار اخیار و ابرار کے ہاتھوں پر ظاہر ہوتا ہے۔ اور وہ بھی مقرون بالدعویٰ۔ مگر اس کے برعکس جادو کا ظہور فساق و فجار اور اشرار کے [illegible] ہوتا ہے۔ و بین ھما بون بعید۔

(از احسن الفوائد تصنیف این احقر عفی عنہ)

محلِ نزاع کی تعیین

اصل مقصد سے قبل محل نزاع کی تنقیح ضروری ہے تاکہ یہ بحث محض نزاع لفظی بن کر نہ رہ جائے۔ جو کہ علماء بلکہ عام عقلاء کی شان سے بھی بعید ہے۔ سو مخفی نہ رہے کہ چونکہ فعل معجزہ کا ظہور بظاہر نبیؐ و امامؑ کے دستِ حق پرست پر ہوتا ہے اس لئے فاعل مباشر ہونے کی حیثیت سے اس فعل کی ان حضرات کی طرف نسبت دینے کے جواز میں تو کوئی کلام ہی نہیں۔ ہاں جو کچھ نزاع ہے تو وہ صرف اس بات میں ہے کہ نبیؐ یا امامؑ کی طرف اس کی یہ نسبت آیا من باب الحقیقت ہے (یعنی اس کے فاعل حقیقی نبیؐ یا امامؑ ہیں کہ خود اپنے علم و ارادہ سے جب چاہیں اسے انجام دیتے ہیں) یا یہ من باب المجاز ہے (کہ اس کا حقیقی فاعل تو خداوند عالم ہے جو ان کے ارادہ اور ان کی استدعا کے وقت ان کے ہاتھوں پر جاری کرتا ہے اور یہ بزرگوار محلِ ظہور ہونے کی وجہ سے اس کے فاعل مجازی ہیں) جو امر قرآنِ کریم، احادیث معصومینؑ اور علماء متقدمین و متاخرین کے تحقیقات و فرامین سے مبرہن اور پایۂ ثبوت تک پہنچا ہے وہ یہ ہے کہ فعلِ معجزہ کا فاعلِ حقیقی خداوندِ عالم ہے۔ اور نبیؐ و امامؑ کی طرف اس کی نسبت مجازی ہے۔

اب ذیل میں اس دعویٰ کے ثبوت میں دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ پیش کئے جاتے ہیں۔ فتدبر فیہا ولا تکن من الجاحدین۔

معجزہ کا فعلِ خدا ہونا تعلیماتِ قرآن کی روشنی میں

قرآن مجید میں اس قسم کی متعدد آیاتِ مبارکہ موجود ہیں جن سے بحکم از دلالاتِ ثلاثہ (مطابقی تضمنی اور التزامی) معلوم ہوتا ہے کہ معجزہ فعلِ خدا ہے یہاں چند آیۂ وافی ہدایہ پیش کی جاتی ہیں:-

(۱) وقالوا لن نؤمن لك حتى تفجر لنا من الارض ينبوعا او تكون لك جنة من نخيل وعنب فتفجر الانهار خلالها تفجيرا او تسقط السماء كما زعمت علينا كسفا. او تاتي بالله والملائكة قبيلا او يكون لك بيت من زخرف او ترقى في السماء ولن نؤمن لرقيك حتى تنزل علينا كتابا نقرؤه (پ ۱۵ س بنی اسرائیل ع ۱۰) ”اے رسول انکار کرنے والوں نے تم سے کہا کہ جب تک تم ہمارے واسطے زمین سے چشمہ نہ بہا نکالو گے تو ہم تم پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے۔ یا (یہ نہیں تو) کھجوروں اور انگوروں کا تمہارا کوئی باغ ہو۔ اس میں تم بیچ بیچ میں نہریں جاری کرکے دکھلا دو۔ یا جیسا تم گمان رکھتے تھے ہم پر آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے گرا دو یا خدا اور فرشتوں کو (اپنے قول کی تصدیق میں ہمارے سامنے) گواہی میں لا کھڑا کر دو یا تمہارے رہنے کے لئے ایسے کوئی طلائی محل سرا ہو یا تم آسمان پر چڑھ جاؤ اور جب تک تم ہم پر (خدا کے ہاں سے ایک) کتاب نازل کرو گے کہ ہم خود اُسے پڑھ بھی لیں اس وقت تک ہم تمہارے آسمان پر چڑھنے کے بھی قائل نہ ہوں گے۔“

پیغمبر اسلامؐ کو حکم دیا جاتا ہے کہ ان کو اس طرح جواب دو۔ قل سبحان ربي هل كنت الا بشرا رسولا۔ (پ ۱۵ س بنی اسرائیل ع ۱۱) ”اے رسولؐ! تم کہدو کہ سبحان اللہ میں ایک آدمی (خدا کے) رسولؐ کے سوا اور کیا ہوں“ (ترجمہ فرمان)

اس آیتِ مبارکہ سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ معجزات کا دکھانا نبی کا کام نہیں جو کہ بشر و انسان ہے۔ بلکہ اس کے اظہار کا تمام تر دارومدار مصلحت و قدرتِ پروردگار پر ہے۔ چنانچہ شیخ الطائفہ حضرت شیخ طوسیؒ تفسیر تبیان ج ۶ ص ۵۱۶ پر اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں۔ وانما اجابهم بذلك لان المعنى انكم تقترحون على الآيات وليس امرها الي وانما امرها الى الذي ارسلني والذي هو اعلم بالتدبير مني وما ينص عليه من الدليل فلا وجه لطلبكم هذا مني مع ان هذه صفتي لا في رسول اؤدي الحكم ما اوحي الي وامرت ان اؤديه اليكم۔ الخ یعنی پیغمبر اسلامؐ نے ان کو جو جواب دیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اے کفار تم مجھ سے معجزات دکھانے کا مطالبہ کرتے ہو حالانکہ ان کا معاملہ میرے ہاتھ میں نہیں۔ بلکہ ان کا معاملہ میرے بھیجنے والے کے قبضۂ قدرت میں ہے جو تدبیر کرنے اور دلیلِ نبوت یعنی معجزہ معین کرنے کا مجھ سے زیادہ علم رکھتا ہے لہٰذا مجھ سے یہ تمہارا مطالبہ بلاوجہ ہے کیونکہ میں تو صرف رسولؐ ہوں۔ میرا کام تو فقط یہ ہے کہ جس چیز کی مجھے وحی کی گئی ہے اور اس کے پہنچانے کا حکم دیا گیا ہے وہ تم تک پہنچا دوں۔“

اسی طرح علامہ طبرسیؒ اپنی تفسیر مجمع البیان ج ۳ ص ۴۳۸ پر رقمطراز ہیں۔ معناه ان هذه الاشياء ليس في طاقة

البشر ان یاتی بہا فلا اقدر بنفسی ان اتی بہا کما لم یقدر من کان قبلی من الرسل واللہ تعالیٰ انما یظہر الآیات المعجزات علی حسب المصلحۃ وقد فعل فلا تطالبونی بما لا یطالب بہ البشر" یعنی اس جواب کا مطلب یہ ہے کہ ان امور کی انجام دہی (جن کا تم نے مطالبہ کیا ہے) بشری طاقت سے باہر ہے لہٰذا میں بھی خود بخود انہیں انجام دینے پر قادر نہیں ہوں جیسا کہ مجھ سے پہلے انبیاءؑ بھی اس پر قادر نہ تھے۔ خداوند عالم ہی معجزات کو اپنی حکمت و مصلحت کے مطابق ظاہر کرتا ہے اور وہ ایسا کر چکا ہے۔ (یعنی کئی معجزات میرے ہاتھوں پر ظاہر کر چکا ہے) اس لئے تم مجھ سے اب کسی ایسی بات کا مطالبہ نہ کرو جس کا مطالبہ ایک بشر سے نہیں کیا جا سکتا۔"

علامہ محسن فیض مرحوم اپنی تفسیر صافی ص۲۹۵ پر "بشراً رسولاً" کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ "کسائر الرسل وقد کانوا لا یأتون قومہم الا بما یظہرہ اللہ علیہم من الآیات علی ما یلائم حال قومہم ولیس امر الآیات الیّ انما ہو الی اللہ وہو العالم بالمصالح فلا وجہ لطلبکم ایاہا منی۔ یعنی میں بھی دوسرے انبیاءؑ کی طرح بشر ہوں اور ان کا دستور یہ تھا کہ وہ اپنی اپنی قوم کے سامنے وہی معجزات پیش کرتے تھے جو خدا ان کے ہاتھوں پر ان کی قوم کے مناسب حال ظاہر کرتا تھا کیونکہ خدا ہی تمام مصالح و حکم کا عالم ہے۔ اس لئے تمہارا مجھ سے یہ مطالبہ کرنا کہ میں معجزات دکھاؤں بالکل بلاوجہ ہے۔"

جناب علامہ حائری مرحوم اپنی تفسیر لوامع التنزیل ج ۱۵ ص۱۳۱ پر اسی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

"یعنی اے محمد صلعم بجواب ایں اقتراحات بگو بر وجہ تعجب کہ پاکست پروردگار من و منزہ است ازینکہ بروے تحکم کنند یا ازانکہ کسے را در قدرت شریک وے سازند و شما آنچہ از من می طلبید بجز وے کسے بر آں قادر نیست آیا ہستم من (امر او انکار است) یعنی نیستم مگر آدمی فرستادہ شدہ ہمچوں رسولاں و ایشاں برائے قوم ظاہر نکردند مگر معجزہ کہ مناسب قوم بود و اظہار آیات و معجزات وابستہ بارادہ و قدرت حق است نہ باختیار و مشیت ایشاں۔"

خلاصہ مطلب یہ کہ اے رسولؐ! کفار کے اس اقتراحی مطالبہ کے جواب میں کہو کہ خدا اس سے منزہ ہے کہ اس پر کوئی غلط فرمائش کی جائے۔ یا کسی کو اس کی قدرت میں شریک قرار دیا جائے۔ اور تم نے جو مطالبہ کیا ہے اس پر خدا کے سوا کوئی قدرت نہیں رکھتا۔ میں تو دوسرے رسولوں کی طرح صرف اس کا بھیجا ہوا آدمی ہوں اور وہ بھی اپنی اپنی قوم کی حالت کے مطابق معجزے دکھاتے تھے۔ اور معجزات کا ظاہر کرنا خدا کے ارادہ اور اس کی قدرت سے وابستہ ہے نہ کہ رسول کے ارادہ و قدرت سے۔"

خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے وما کان لرسول ان یأتی بآیۃ الا باذن اللہ (پ۱۳ ع ۱۲) اور کسی پیغمبر کی یہ مجال نہیں کہ کوئی معجزہ خدا کے اذن بغیر دکھائے۔"

صاحب تفسیر صافی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں، وما صح له ولا يمكن في وسعه ان ياتي باية يقترح عليه وحكم يلتمس منه الا باذن الله فانه القادر على ذلك یعنی نہ تو کسی رسول کے لئے یہ صحیح ہے اور نہ ہی اس کی قدرت میں ہے کہ وہ اس معجزہ کو پیش کرے جس کا اس سے مطالبہ کیا جاتا ہے۔ مگر اللہ کے اذن وامر سے کیونکہ وہی اس کے ظاہر کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔"

(۳) بنی اسرائیل کے لئے دریا میں بارہ راستوں کا بن جانا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مشہور معجزہ ہے مگر اس کے متعلق خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے واذ فرقنا بكم البحر فانجينكم (پ س بقرع ۶) یاد کرو اس وقت کو جب کہ ہم نے دریا کو شگافتہ کیا۔ اور تمہیں نجات دی"۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ راستہ بنانا اور بنی اسرائیل کو فرعون کے شر سے نجات دینا خداوند عالم کا فعل تھا نہ کہ جناب موسیٰؑ کا۔ وہو المطلوب۔

(۴) آتش نمرودی کا گلزار ہونا حضرت خلیل الرحمٰن کا مشہور معجزہ ہے مگر خداوند عالم اس کے متعلق ارشاد فرماتا ہے "قلنا یا نار کونی بردا وسلاما علی ابراهیم (پ س انبیاء ع ۵) ہم نے کہا اے آگ! ٹھنڈی ہو اور ابراہیمؑ کے لئے سلامتی کا باعث بن جا۔ یہ آیت اس بات پر نص صریح ہے کہ یہ کارنامہ خود قدرت کاملہ نے انجام دیا تھا۔ اس میں حضرت ابراہیمؑ کی طاقت وقدرت کو کوئی دخل نہیں ہے۔ ہاں اس کا ظہور آپؑ پر ہوا۔ علامہ محمد ابن علی ابن شہر آشوب فرماتے ہیں "قیل ان الله تعالی احدث فیها بردا امن شدة الحرارة التی فیها فلم تؤذه وقیل انه تعالی حال بینها وبین جسمه فلم تصل الیه" (متشابهات القرآن ج ۱ ص ۲۳۵) یعنی اس کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ خدائے قدیر نے آگ میں حرارت وگرمی کی بجائے برودت وسردی پیدا کر دی تھی اس لئے آگ نے آنجنابؑ کو کوئی اذیت نہ دی اور دوسرا قول یہ ہے کہ خداوند عالم حضرت ابراہیمؑ کے جسم اقدس اور آگ کے درمیان حائل ہوگیا تھا۔ اس لئے آگ آپؑ تک نہ پہنچ سکی۔"

(۵) سرکار ختمی مرتبت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بجسد عنصری معراج پر تشریف لے جانا آں حضرتؐ کے معجزات میں سے ہے مگر قرآن کی آیت مبارکہ سبحان الذی اسری بعبده لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بارکنا حوله ..... "پاک ہے وہ خدا جو اپنے عبد خاص کو رات کے ایک حصہ میں مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا" سے بعبارۃ النص واضح ہوتا ہے کہ در حقیقت یہ فعل خدا تھا۔ نہ فعل رسولؐ، آنحضرتؐ جانے والے تھے لے جانے والا خداوند عالم تھا۔

(۶) قرآن مجید سرکار رسالت آبؐ کا معجزۂ خالدہ ہے اور تمام معجزات سے افضل واشرف ہے ظاہر ہے کہ اس کو آں حضرتؐ کا معجزہ محض اس لئے قرار دیا جاتا ہے۔ کہ اس کا نزول آپ کی ذات بابرکات پر ہوا ہے "نزل به الروح الامین علی قلبك لتكون من المنذرین"، ورنہ یہ حقیقت عیاں راچہ بیاں کی مصداق ہے کہ یہ خالق کلام کا کلام

گواز نظام ہے۔ و لا ینکرہ احد

(۷) پیغمبر اسلامؐ کا یہ فرمان آج بھی قرآن میں موجود ہے۔ جو انہوں نے عذابِ خداوندی کا مطالبہ کرنے والے کفار کے جواب میں بامرِ ایزدی فرمایا تھا۔ قل لو ان عندی ما تستعجلون به لقضی الامر بینی و بینکم و اللّٰہ اعلم بالظالمین (پ ۷ س الانعام ع ۱۳) "اور (اے رسول ان لوگوں سے) کہہ دو کہ جس (عذاب) کی تم جلدی کرتے ہو۔ اگر وہ میرے (اختیار میں) ہوتا تو میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کب کا چک گیا ہوتا۔ اور خدا تو ظالموں سے خوب واقف ہے۔"

چونکہ کفار نزولِ عذاب کا مطالبہ کر رہے تھے۔ ان کے جواب میں رسولؐ نے بحکمِ ایزدی اعلان کر دیا کہ ما عندی ما تستعجلون به ان الحکم الا للّٰہ، "تم جس کی جلدی کرتے ہو (عذاب) وہ کچھ میرے پاس (اختیار میں) تو ہے نہیں حکومت تو بس صرف خدا ہی کے لئے ہے۔" معلوم ہوا یہ امور جو خارقِ عادت ہیں۔ ان کا فاعلِ حقیقی خداوندِ عالم ہے۔ نبیؐ صرف اس کی استدعا کرتا ہے حضرت نوحؑ بارگاہِ قدرت میں عرض کرتے ہیں۔ "رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا۔ اب طوفان بھیجنا اور تمام منکرین کو نیست و نابود کر دینا خدا کا کام ہے۔

(۸) کفار کا اعتراض اور رسولِ خداؐ کا جواب اس سلسلہ میں خضرِ راہ کا کام دیتا ہے۔ "قالوا لولا نزل علیه ایة من ربه قل ان اللّٰہ قادر علی ان ینزل ایة ولکن اکثر الناس لا یشکرون (پ ۷ س الانعام ع ۱۰)" اور کفار کہتے ہیں کہ (آخر) اس نبی پر اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی معجزہ کیوں نہیں نازل ہوتا؟ تو تم (ان سے) کہہ دو کہ خدا معجزے کے نازل کرنے پر ضرور قادر ہے مگر ان میں کے اکثر لوگ (خدا کی مصلحتوں کو) نہیں جانتے۔" اس آیت مبارکہ سے بھی بعبارۃ النص ظاہر ہوتا ہے کہ معجزات کا ظاہر کرنا درحقیقت خدائے قدیر و بصیر کا کام ہے۔ جنہیں وہ اپنی مصلحت و قدرت کے ماتحت ظاہر کرتا ہے۔

(۹) خداوند عالم کفار کے انکار و جحود کی کیفیت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے واقسموا باللّٰہ جهد ایمانهم لئن جاءتهم ایة لیؤمنن بها قل انما الایات عند اللّٰہ وما یشعرکم انها اذا جاءت لا یؤمنون۔ (پ ۷ س الانعام ع ۱۴) "اور ان لوگوں نے خدا کی سخت سخت قسمیں کھائیں کہ اگر ان کے پاس کوئی معجزہ آئے تو وہ ضرور اس پر ایمان لائیں گے۔ (اے رسولؐ تم) کہہ دو کہ معجزے تو بس خدا ہی کے پاس ہیں اور تمہیں کیا معلوم یہ لوگ ایسے ہیں کہ جب معجزہ بھی آئے گا۔ تو بھی یہ ایمان نہ لائیں گے۔ (ترجمہ فرمان) اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں حاشیہ پر مولانا فرمان علیؒ صاحب لکھتے ہیں:۔

"ایک دفعہ کفارِ قریش نے حضرت رسولؐ سے کہا آپ خود کہتے ہیں کہ موسیٰؑ نے پتھر سے چشمے نکالے عیسیٰؑ نے مردے زندہ کئے۔ صالحؑ نے پہاڑ سے اونٹنی نکالی۔ بھلا آپ بھی تو کچھ دکھائیے۔ آپ نے پوچھا

تم لوگ کیا چاہتے ہو؟ وہ بولے کوہ صفا سونے کا ہو جائے۔ آپ نے پوچھا اگر ہو جائے تو ایمان لاؤ گے؟ وہ بولے ضرور۔ اور اس پر سخت سے سخت قسمیں بھی کھائیں۔ یہ سن کر آپ دعا کرنا چاہتے ہی تھے کہ جبرئیل نازل ہوئے اور خدا کا پیغام پہنچایا کہ میں تمہاری دعا سے اس پہاڑ کو سونا بنا دوں گا۔ مگر یہ یاد رہے کہ اگر یہ لوگ اس پر بھی ایمان نہ لائے تو سخت سے سخت عذاب نازل کر کے ان کی بیخ کنی کر دوں گا۔ اب تم جس شی کو چاہو اختیار کرو۔ آپ نے ان کی حالت پر غور کر کے اس سے درگذر کی۔ (حمائل فرمان ص۲۲۳)

اس کے بعد بھی یہ حقیقت کسی مزید ثبوت کی محتاج رہ جاتی ہے۔ کہ معجزہ نما کا کام صرف دعا و استدعا کرنا ہوتا ہے۔ معجزہ کا ظاہر کرنا خدائے عزوجل کا کام ہے۔

(۱۰) حضرت عیسیٰؑ پر مائدۂ آسمانی کا نازل ہونا ان کا مشہور معجزہ ہے مگر اس کی جو کیفیت قرآن نے بیان کی ہے وہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ معجزہ کا حقیقی فاعل خداوند کریم ہی ہے۔ ہاں البتہ دعا و پکار کرنا نبیؐ و امامؑ کا کام ہے اور پھر اس کا ظہور بھی انہی کے مقدس ہاتھوں پر ہوتا ہے۔ حواریین حضرت عیسیٰؑ سے کہتے ہیں ھل یستطیع ربک ان ینزل علینا مائدۃ من السماء الآیۃ "کیا آپ کا خدا اس پر قادر ہے کہ ہم پر آسمان سے (نعمت کا) ایک خوان نازل فرمائے (الی ان قال) قال عیسیٰ ابن مریم اللھم ربنا انزل علینا مائدۃ من السماء الخ مریم کے بیٹے عیسیٰ نے عرض کی۔ خداوندا! اے ہمارے پالنے والے! ہم پر آسمان سے ایک خوان (نعمت) نازل فرما۔ الخ

اس کے حاشیہ پر مولانا فرمان علی صاحب لکھتے ہیں۔ "جب حضرت عیسیٰ نے حواریوں کی فرمائش سے خوان کے نازل ہونے کی دعا کی تو خدا نے ایک سفید ابر کے ٹکڑے میں ایک سرخ خوان زمین کی طرف اتارا اور لوگوں کے دیکھتے ہی دیکھتے حواریوں کے پاس آ پہنچا۔ الخ (حمائل فرمان ص۲۰۳)

(۱۱) وقالوا لولا انزل علیہ آیٰت من ربہ۔ قل انما الآیٰت عند اللہ وانما انا نذیر مبین (پ۲۱ س عنکبوت ع ۱) "اور کفار (عرب) کہتے ہیں کہ اس (رسولؐ) پر اس کے پروردگار کی طرف سے معجزے کیوں نازل نہیں ہوتے۔ (اے رسولؐ) ان سے کہدو کہ معجزے تو بس خدا ہی کے پاس ہیں اور میں تو صرف صاف صاف (عذاب خدا سے) ڈرانے والا ہوں۔" اس آیت مبارکہ سے بھی روز روشن کی طرح واضح ہوتا ہے کہ معجزات تو خدا کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ وہی ان کو اپنی قدرت کاملہ و حکمت بالغہ سے نبیؐ و امامؑ کے ہاتھوں پر ظاہر کرتا ہے۔

(۱۲) والق عصاک فلما راٰھا تھتز کانھا جان ولی مدبرا ولم یعقب یموسیٰ لا تخف انی لا یخاف لدی المرسلون (پ۱۹ س النمل ع ۱) "اور (اے موسیٰ) اپنی چھڑی تو (زمین پر) ڈال دو تو جب موسیٰ نے اس کو دیکھا کہ وہ اس طرح لہرا رہی ہے گویا وہ زندہ اژدہا ہے تو پچھلے پاؤں بھاگ چلے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ (تو ہم نے کہا) اے موسیٰ ڈرو نہیں ہمارے پاس تو پیغمبر لوگ ڈرا نہیں کرتے ہیں" (مطمئن ہو جاتے ہیں) (ترجمہ فرمان) یہ آیت مبارکہ اس مطلب پر نص صریح

فصیح ہے کہ حضرت موسیٰؑ کا کام صرف عصا کا پھینکنا تھا۔ اب اسے اژدھا بنانا اور پھر اسے اپنی اصلی شکل (عصا) ف لوٹانا خدا کا کام تھا۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اگر عصا کا اژدہا بنانا جناب موسیٰؑ کا فعل ہوتا تو پھر ان کے اس سے زدہ اور بے تحاشا پچھلے پاؤں دوڑنے کا کیا مطلب؟ بھلا کوئی صانع اپنی مصنوع، کوئی خالق اپنی مخلوق، اور فاعل اپنے فعل سے بھی خائف و ہراساں ہوتا ہے؟ اس کی تائید مزید اس آیت مبارکہ سے بھی ہوتی ہے جس میں قدرت ہے "سنعیدھا سیرتہا الاولیٰ" ہم اس کو اس کی اصلی حالت کی طرف لوٹا دیں گے۔ اس سے آشکار ہے کہ خدا اب اسے اصلی شکل کی طرف لوٹا رہا ہے اسی نے اسے موجودہ حالت میں تبدیل کیا تھا۔ اسی وجہ سے تو جناب نے جادوگران فرعون سے کہا تھا۔ ما جئتم بہ السحر ان اللہ سیبطلہ۔ خدا تمہارے جادو کو باطل کرے گا (عصا کو اژدہا یہ نہیں فرمایا کہ میں باطل کروں گا۔ معلوم ہوا کہ معجزہ فعل خدا ہے وہو المطلوب۔

(۳) پہاڑوں اور پرندوں کا مسخر ہونا، لوہے کا نرم ہونا وغیرہ حضرت داؤد کے مشہور معجزے ہیں۔ مگر خداوند عالم یں ان تمام افعال کا فاعل اپنی ذات کو قرار دیتا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے انا سخرنا الجبال معہ یسبحن بالعشی والاشراق۔ ہم نے پہاڑوں کو اس کا تابع بنایا۔ دوسرے مقام پر فرماتا ہے والنا لہ الحدید ہم نے لوہے کو اس کے لئے نرم کیا۔

اور ایک جگہ ارشاد فرماتا ہے وسخرنا مع داؤد الجبال یسبحن والطیر وکنا فاعلین (پ ۱۷ انبیاء ع ۶) پہاڑوں کو داؤد کا تابع بنا دیا تھا کہ ان کے ساتھ (خدا کی) تسبیح کیا کرتے تھے اور پرندوں کو بھی تابع کر دیا تھا، اور ہم ہی کیا کرتے تھے۔ اس سے بڑھ کر اس بات کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنے فاعل ہونے کی تصریح فرما دی ہے۔

(۴) خداوند عالم اپنے حبیبؐ کو ارشاد فرماتا ہے وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی۔ ۔ ۔ عالم جلیل سید ین الشوری اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

زیرا کہ حق تعالیٰ نسبت ایں رمی را از ذات مقدس خود علی سبیل الواقع والحقیقۃ۔ و فرمود ولکن اللہ رمی۔ و صورت فعل و رمی را کہ مجاز است نسبت داد بجناب اقدس نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ و ازیں جہت بود کہ سلب نسبت نیز از آنجناب نمودہ و فرمودہ "وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی" (کفایۃ الموحدین ج ۱ ص ۲۳۷).

یعنی خداوند عالم نے "رمی" (کنکر مارنے) کی نسبت اپنی ذات کی طرف بطور واقع اور حقیقت کے دی ہے چنانچہ فرماتا ہے "ولکن اللہ رمی"، ہاں بظاہر کنکر مارنے کے فعل کو بطور مجاز جناب رسول خداؐ کی طرف نسبت دی ہے اور اسی کی وجہ سے اس فعل کی آنحضرتؐ سے نفی بھی فرما دی ہے کہ "وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی"۔

ان آیات مبارکہ سے یہ حقیقت کالشمس فی نصف النہار واضح و آشکار ہو جاتی ہے کہ معجزہ در حقیقت خدائے قادر و قیوم کا فعل ہوتا ہے۔ ہاں حسب ظاہر اس کا ظہور و بروز چونکہ انبیاءؑ و اوصیاءؑ سے ہوتا ہے۔ لہٰذا مجازاً اس کی نسبت ان کی طرف بھی دے دی جاتی ہے۔ کذلک یبین اللہ آیاتہ لعلکم تہتدون۔

معجزہ کا فعلِ خدا ہونا احادیثِ معصومینؑ کی روشنی میں

بکثرت احادیثِ معصومینؑ سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ معجزہ کا فاعلِ حقیقی خداوندِ عالم ہے

ہم ذیل میں چند احادیثِ شریفہ پیش کرتے ہیں۔

(۱) جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ایک طویل حدیثِ مبارک میں مشرکینِ عرب پر احتجاج کرنے اور بشریتِ رسول کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "انما بعث اللہ البشر و اظہر علی یدہ المعجزات التی لیست فی طبائع البشر الذین قد علمتم طبائع قلوبہم فتعلمون بعجزکم عما جاء بہ انہ معجزۃ" (احتجاج طبرسی ص۱۵ طبع نجف) یعنی خداوند عالم نے اس لئے بشر کو منصبِ رسالت پر فائز کر کے بھیجا اور اس کے ہاتھوں پر ایسے معجزات ظاہر فرمائے جو انسانی طاقت و قدرت سے باہر ہیں۔ جن کی طبیعتوں کو تم جانتے ہو تاکہ جب تم اس (رسولؐ) کے لائے ہوئے (معجزہ) کا مثل نہ لا سکو۔ تو تم کو یقین ہو جائے کہ وہ (جو کچھ لایا ہے) معجزہ ہے۔"

(۲) ایک مرتبہ کسی شخص نے جناب امیر المومنینؑ کو خشک نانِ جویں کا ٹکڑا گھٹنے پر رکھ کر توڑتے ہوئے دیکھا تو ازراہ تعجب عرض کیا۔ یا امیر المومنینؑ کیا یہ وہی کلائی نہیں جس سے آپ نے قلعۂ خیبر کو اکھاڑ پھینکا۔ آنجناب نے فرمایا: تلک قوۃ اللہ تعالیٰ و ھذہ قوتی۔ یعنی وہ خدا کی قوت تھی۔ اور یہ میری قوت ہے (انوارِ نعمانیہ محدث جزائری ص۲۳ طبع ایران) کتاب المجلی ص۴۰۹ پر اسی سلسلہ میں آنجنابؑ سے یوں مروی ہے قلعت باب خیبر بقوۃ ربانیۃ لا بقوۃ جسدانیۃ میں نے قلعہ خیبر کو قوتِ ربانیہ سے اکھاڑا ہے نہ قوتِ جسمانی سے۔ کتاب روضۃ الواعظین نیشاپوری ج ۱ ص۱۲۷ پر یہ ارشاد اور بھی قدرے شرح و بسط کے ساتھ مذکور ہے۔ آنجنابؑ سہیل بن حنیف کے نام ایک مکتوب میں فرماتے ہیں: "واللہ ما قلعت باب خیبر بقوۃ جسدیۃ ولا حرکۃ غذائیۃ لکن ایدت بقوۃ ملکوتیۃ ونفس بنور ربہا مضیئۃ الخ"

اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ معجزہ خدا کی قوت و طاقت سے ظاہر ہوتا ہے

(۳) احتجاج طبرسیؒ ص۲۳۳ نیز مدینۃ المعاجز ص۸۵ پر ایک طویل حدیث کے ضمن میں مذکور ہے۔ کہ ایک آدمی نے حضرت امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا۔ انہم یزعمون ان علیا لما اظہر من نفسہ المعجزات التی لا یقدر علیہا غیر اللہ دل علی انہ الہ ولما ظہر لہم بصفات المحدثین العاجزین لبس علیہم وامتحنہم لیعرفوہ ولیکون ایمانہم اختیارا من انفسہم یعنی یہ غالی لوگ گمان کرتے ہیں۔ کہ جب جناب امیر المومنینؑ نے وہ معجزات دکھائے جن پر سوائے خدا کے اور کوئی قدرت نہیں رکھتا۔ تو آپ نے اس سے یہ جتلا دیا کہ وہ خدا ہیں۔ اور جب لوگوں کے سامنے حادث و عاجز بندوں والی صفات کے روپ میں ظاہر ہوئے تو اس سے آپ کا مقصد لوگوں کا امتحان لینا تھا۔ تاکہ ان کا ایمان اختیاری ہو نہ اضطراری، یہ سن کر حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا۔ قاتلہم اللہ

اذنه دل علی ان من هذه صفاته وشارکه فیها الضعفاء والمحتاجون لا تکون المعجزات فعله فعلم بهذا ان الذی اظهره من المعجزات انما کانت فعل القادر الذی لا یشبه المخلوقین لا فعل المحدث المحتاج المشارک للضعفاء فی صفات الضعف" (بلکہ حقیقت حال اس طرح ہے کہ) جب حضرت امیر المومنینؑ سے فقر و فاقہ ظاہر ہوا تو اس نے یہ امر واضح کر دیا کہ جس شخص کی یہ صفات ہوں جن میں اس کے ساتھ دیگر ضعیف و محتاج انسان بھی شریک ہیں۔ یہ معجزات اس کا فعل نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا اس سے معلوم ہو گیا کہ جس ذات نے یہ معجزات ظاہر فرمائے ہیں۔ (وہ اور ہے) یہ اس قادر مختار ہستی کا فعل ہے جو کسی بات میں بھی اپنی مخلوق کے ساتھ مشابہت نہیں رکھتا۔ یہ اس حادث مخلوق کا فعل نہیں ہو سکتے جو صفات ضعف و کمزوری میں دوسرے ضعیفوں کے ساتھ شریک ہے (کذا فی البحار ج، ص ۳۴ والدمعۃ الساکبہ ص ۵۹ وغیرہ)

ہم نے بفضلہ تعالیٰ قرآن و حدیث کی نصوص صریحہ صحیحہ پیش کر دی ہیں۔ کہ معجزہ کا حقیقی فاعل خدا ہے (وکنا فاعلین و انما کانت فعل القادر المختار) اور مزید برآں نبیؐ و امام کے فاعل مجازی ہونے کے ثبوت میں قرآن و حدیث سے ان ذواتِ مقدسہ سے اس (فعل معجزہ) کی نفی بھی ثابت کر دی ہے۔ (ما رمیت ۔ لا تکون المعجزات فعلہ) اب نبی و امام کو معجزہ کا فاعل حقیقی سمجھنے والے حضرات کے لئے دو ہی راستے ہیں یا اسی طرح قرآن و حدیث کے نصوص صریحہ صحیحہ سے ان کے فاعل حقیقی اور خدا کے فاعل مجازی ہونے کی تصریح پیش کریں۔ اور ہمیں قائل کرنے کے ساتھ منہ مانگا حق الزحمت (انعام) بھی حاصل کریں۔ اور اگر ایسا نہ کر سکیں (اور نہ ہی کر سکتے ہیں انشاءاللہ) یہ بازو مرے آزمائے ہوئے ہیں تو پھر دوسرا راستہ یہ ہے کہ اپنے خود ساختہ نظریہ سے تائب ہو کر کھلم کھلا حق و حقیقت کا اعتراف کریں۔ اور اپنی بھول بھلیوں سے لوگوں کو گمراہ نہ کریں۔

(۲) جناب امام محمد باقر علیہ السلام نے کھجور کے خشک درخت سے تازہ کھجوریں اصحاب کو کھلائیں۔ وہاں ایک بدو موجود تھا۔ وہ یہ معجزہ دیکھ کر کہنے لگا۔ میں نے آج بچشم خود جادوگر دیکھا ہے۔ امامؑ نے فرمایا۔ لا تکذبن علینا اهل البیتؑ فانه لیس منا ساحر ولا کاهن ولکن علمنا اسماء من اسماء الله تعالیٰ نسئل بها فنعطی وندعو فنجاب (دمعۂ ساکبہ ص ۶۰) ہم اہل بیت پر جھوٹ نہ بولو۔ ہم میں نہ کوئی ساحر ہے۔ اور نہ کاہن۔ بلکہ حقیقت الامر یہ ہے کہ ہمیں خدا کے اسماء میں سے کچھ اسم (اعظم) تعلیم دیئے گئے ہیں۔ جب ان کے ذریعہ سے سوال کرتے ہیں۔ تو ہمیں (ہمارا مدعا) مل جاتا ہے۔ اور جب دعا کرتے ہیں تو وہ مستجاب ہو جاتی ہے۔" اس سے معلوم ہوا کہ معجزہ کا ظہور اسم اعظم کے ذریعہ دعا کرنے کا ثمرہ و نتیجہ ہے۔ چنانچہ ہفتم بحار ص ۱۵۵ پر ایک مستقل باب موجود ہے جس کا عنوان ہے "ان عندهم الاسم الاعظم وبه تظهر منهم الغرائب" یعنی ائمہ اہل البیتؑ کے پاس اسم اعظم موجود ہے۔ جس کی وجہ سے ان سے عجائب و غرائب (معجزات) ظاہر ہوتے ہیں۔

(۵) جناب آصف بن برخیا کا چھ ماہ کی مسافت بعیدہ سے چشم زدن میں تخت بلقیس کو حاضر کرنا قرآن و حدیث میں مذکور ہے۔ اور اس امر کو ان کا معجزہ سمجھا جاتا ہے۔ تفسیر صافی، تفسیر ابوالفتوح رازی، اور تفسیر نور الثقلین وغیرہ میں مذکور ہے کہ ان کے پاس (اسم اعظم کے تہتر اسماء میں سے) صرف ایک "اسم اعظم" تھا۔ جب اس کے ذریعہ دعا کی تو خدا نے چشم زدن میں تخت بلقیس کو حاضر کر دیا۔ اس کی تائید مزید صحیفہ علویہ کی دعائے روز پانزدہم سے بھی ہوتی ہے۔ جناب امیر علیہ السلام بارگاہ ایزدی میں عرض کرتے ہیں۔ واسئلک باسمک الذی سئالک به عبدک الذی کان عنده علم من الکتب فاتیته العرش قبل ان یرتد الیه طرفه فاسئلک به وادعوک اللهم بما دعاک به۔ فاستجبت له فاستجب لی الخ۔ میں تیری بارگاہ میں اس اسم کے ذریعہ سے سوال کرتا ہوں جس کے ذریعے سے تیرے اس بندے نے تجھ سے سوال کیا تھا جس کے پاس تھوڑا سا علم کتاب تھا۔ (اور اس کی بدولت) تو نے تخت (بلقیس) کو آنکھ جھپکنے سے پہلے حاضر کر دیا تھا۔ میں اسی کے ذریعہ سے سوال و دعا کرتا ہوں جس کے ذریعہ سے انہوں نے دعا کی تھی۔ اور تو نے اسے مستجاب کیا تھا۔ میری دعا کو بھی مستجاب فرما (صحیفہ علویہ ص
مگر موجودہ دور کے مدعیان علم و تحقیق کی تحقیق یہ ہے کہ تخت بلقیس خود جناب امیر علیہ السلام نے حاضر کیا تھا۔

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

کجا "قال الذی عنده علم من الکتاب" کا مصداق اور کجا "و من عنده علم الکتب" کا مصداق۔ کجا ایک اسم اعظم رکھنے والے کا مقام او
کجا بہتر اسم اعظم رکھنے والے کی شان؟

(۶) ایک طویل حدیث میں جناب امیر علیہ السلام چند مردوں کے زندہ کرنے کا تذکرہ بایں الفاظ کرتے ہیں فدعوت الله تعالی فقاموا من قبورهم ینفضون التراب من رؤسهم باذن الله عز و جل۔ میں نے خدا سے دعا کی۔ پس وہ مردے قبروں سے اس طرح اٹھ کھڑے ہوئے کہ سروں سے مٹی جھاڑ رہے تھے باذن اللہ۔ (الدمعۃ الساکبہ ج ۱ ص ۲۱) معلوم ہوا معجزہ نما کا کام دعا کرنا ہے۔ اس کے بعد ایجاد فعل خدا کا کام ہے۔

(۷) جناب سلمان محمدی فرماتے ہیں لو اقسم ابو الحسن علی الله ان یحیی الاولین و الآخرین لاحیاهم اگر جناب ابو الحسن (علیؑ) خدا کو قسم دیدیں کہ وہ اولین و آخرین کو زندہ کر دے۔ تو یقیناً خدا ان سب کو زندہ کر دے گا۔ (الدمعۃ الساکبہ ج ۱ ص ۱۲۹) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب سلمان جیسے عارف اہل بیتؑ کا عقیدہ بھی یہی تھا کہ نبیؐ و امامؑ دعا کرتے ہیں۔ اور در حقیقت معجزہ خدا ظاہر کرتا ہے۔

(۸) دمعۂ ساکبہ ج ۱ ص ۱۳۰ پر جناب امیر علیہ السلام کے کچھ مبروص، نابینا اور زمین گیروں کو تندرست کرنے کے متعدد واقعات مذکور ہیں مگر سب میں کہیں یہ مذکور ہے کہ "فصلی علیه السلام اربعاً" کہ آنجنابؑ نے چار رکعت نماز پڑھ کے یہ معجزہ دکھایا۔ کہیں یہ لکھا ہے "دعا بدعوات" آپ نے کئی دعائیں پڑھیں۔ کہیں یہ مرقوم ہے "اخرج رقاً صفراء فقرأ علیهم" زرد رنگ کا چمڑا نکالا اور اس میں سے کچھ پڑھا۔ سب کا نتیجہ ایک ہی ہے کہ معجز نما امام

کے ذریعہ خدا سے دعا و استدعا کرتا ہے اور خدائے قدیر فوراً اُس کے اثر کو ظاہر کرکے معجزات ظاہر کر دیتا ہے۔

(۹) جب جناب رسول خدا نے پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹانے کا معجزہ کفار قریش کو دکھایا۔ تو وہاں "بجاہ محمد و آلہ الطیبین" کہہ کر دعا فرمائی۔ اسی حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ انبیاء و مرسلینؑ کے مشکلات و مصائب بھی انہی بزرگواروں کے ساتھ توسل حاصل کرنے سے دور ہوئے۔ (احتجاج طبرسی ص۲۳ طبع بغداد)

(۱۰) جناب امام رضاؑ سے مروی ہے کہ خدا نے جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے ہاتھوں پر پرندوں کو زندہ کیا (جس کا تذکرہ قرآن مجید میں موجود ہے) تو پرندوں نے کہا "یا نبی اللہ! احییتنا احیاک اللہ"۔ آپ نے ہمیں زندہ کیا ہے خدا آپ کو زندہ رکھے۔ جناب خلیلؑ نے جواب میں فرمایا "بل اللہ یحیی و یمیت وہو علی کل شیء قدیر" میں نے تمہیں زندہ نہیں کیا بلکہ خدا ہی زندہ کرتا اور مارتا ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے۔" (احتجاج طبرسی ص۲۳۳ تفسیر صافی ص۶۱ الخصال ص۱۲۷ وغیرہ) اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ ان پرندوں کی طرح عقل و بصیرت سے بے بہرہ ہیں۔ وہ ظاہر پر فریفتہ ہو کر معجزہ کو معجز نما کا ہی فعل سمجھتے ہیں۔ لیکن ژرف بین نگاہ رکھنے والے جانتے ہیں کہ یہ سب کچھ درحقیقت قادر مطلق کی قدرت کاملہ کا کرشمہ ہے۔ وھو علی کل شیء قدیر۔

(۱۱) حبابۂ والبیہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں امام حسینؑ کی خدمت میں دیر سے حاضر ہوئی۔ امامؑ نے تاخیر کا سبب دریافت فرمایا۔ میں نے اپنے برص کی شکایت کی۔ یہ سن کر آپ نے اپنا دست مبارک مقام برص پر رکھا۔ اور دعا "ولم یزل یدعو حتی رفع یدہ وقد کشف اللہ ذلک البرص" اور دعا کرنا شروع کی حتی کہ جب آپؑ نے اپنا ہاتھ اٹھایا تو خدا نے برص کی تکلیف دور فرما دی تھی۔ (رجال کشی ص۷۶) برص ان امراض میں داخل ہے کہ جن کے مریضوں کو شفا دینا قرآن میں جناب عیسیٰؑ کے معجزات میں شمار کیا گیا ہے۔ امامؑ نے بھی یہ معجزہ دکھایا۔ مگر کس طرح؟ دعا امامؑ نے کی۔ شفا خدا نے دی۔ جناب حبابہؓ نے کس حسین انداز سے اس حقیقت کو بیان کیا ہے کہ معجزہ کا حقیقی فاعل خدائے عالم اور مجازی امام عالی مقام ہے۔!!

(۱۲) جناب امام رضا علیہ السلام علامات و دلائل امامت کے سلسلہ میں فرماتے ہیں "والدلالۃ فی خصلتین فی العلم واستجابۃ الدعوۃ الخ" امام کی شناخت دو باتوں سے ہوتی ہے۔ ایک علم کی کثرت سے کہ المحجۃ من لایقول لا ادری، دوسرے دعا کے مستجاب ہونے سے (عیون اخبار الرضاؑ، ص۲۱۲) یہاں استجابۃ الدعوۃ سے مراد معجزہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ معجزہ بھی استجابۃ دعا کی ایک قسم ہے۔ یہ دعا اگر عام عادی امور کے متعلق ہو تو اس کے داعی کو مستجاب الدعا کہہ دیا جاتا ہے۔ اور اگر خارق عادت امور سے متعلق ہو تو [illegible] معجز نما کہا جاتا ہے۔ فتدبر جیداً

(۱۳) ابی خالد کابلی یحییٰ بن ام الطویل سے نقل کرتے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ ہم حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر تھے۔ کہ اس اثنا میں ایک نوجوان روتا ہوا آیا۔ آنجنابؑ نے اس سے رونے کا سبب پوچھا۔ اُس نے کہا کہ ابھی ابھی

میری والدہ کا انتقال ہوا ہے اور وہ مالدار تھی۔ مگر وہ اس کے متعلق کوئی وصیت نہیں کر گئی اور نہ ہی اس کا کوئی اتہ پتہ بتا گئی ہے البتہ اس نے مجھے یہ حکم دیا تھا کہ اس کی تجہیز و تکفین سے قبل آپ کو اس کی موت کی اطلاع دیدوں۔ یہ سن کر امام علیہ السلام نے فرمایا چلو اس مومنہ کے پاس چلیں۔ چنانچہ جب ہم اُس کے گھر کے دروازے پر پہنچے تو دیکھا کہ وہ عورت مردہ حالت میں کپڑے میں ڈھانپی ہوئی پڑی ہے۔ امام علیہ السلام نے دہلیز دروازہ کے پاس کھڑے ہو کر دعا اللّٰه لیحییها حتی توصی بما تحب من وصیتها فاحیاها اللّٰه امام نے بارگاہ احدیت میں دعا کی۔ تاکہ خدا اسے زندہ کرے اور وہ اپنے حسبِ منشاء وصیت کرے۔ امامؑ کی دعا کے نتیجہ میں قادر مطلق نے اس کو زندہ کر دیا۔ اور وہ کلمہ شہادت پڑھتی ہوئی اٹھ کر بیٹھ گئی۔

امام علیہ السلام کو دیکھ کر عرض کیا۔ ادخل البیت یا مولائی و مرنی بامرک میرے آقا اندر تشریف لائیے۔ اور اپنے حکم سے آگاہ فرمائیے۔ چنانچہ امام عالی مقام اندر تشریف لائیے۔ اور تکیہ پر بیٹھ گئے پھر اس مومنہ سے فرمایا "وصی یرحمک اللّٰه" خدا تم پر رحم کرے اپنی وصیت کر۔ اُس نے عرض کیا یا ابن رسول اللّٰه! میرے پاس اتنا اتنا مال ہے جو فلاں جگہ رکھا ہے۔ اس کا تیسرا حصہ تو میں آپ کی نذر کرتی ہوں۔ تاکہ آپ جہاں مناسب سمجھیں اپنے محبوں میں صرف فرمائیں اور دو حصے اپنے اس بیٹے کو دیتی ہوں۔ بشرطیکہ آپ کے نزدیک آپ کے محبوں میں شامل ہو۔ ورنہ یہ بھی آپ کا مال ہے۔ فلاحق للمخالفین فی اموال المومنین کیونکہ مخالفین کا اہل ایمان کے مال میں کوئی حق نہیں ہے۔ پھر اس مومنہ نے امامؑ سے التماس کیا کہ اس پر نماز جنازہ پڑھائیں۔ اور اس کی تجہیز و تدفین کا خود انتظام فرمائیں۔ اس کے بعد وہ سابقہ حالت کی طرف لوٹ گئی (یعنی مر گئی)[1]

(۴) ایوب ابن اعین حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کے زمانہ میں ایک عورت ایام حج میں طواف کر رہی تھی۔ اور اس کے پیچھے ایک مرد بھی طواف میں مشغول تھا۔ اثنائے طواف میں عورت نے اپنی کلائی باہر نکالی۔ اور اس مرد نے اپنا ہاتھ اس کی کلائی پر رکھ دیا۔ خدا نے اس کا ہاتھ وہیں کلائی میں گاڑ دیا۔ طواف منقطع ہو گیا۔ لوگ اس مرد عورت کو پکڑ کر حاکم مکہ کے پاس لے گئے اُس نے فقہاء کی طرف رجوع کیا۔ سب نے یہی فتویٰ دیا۔ کہ اس مرد کا ہاتھ کاٹ دینا چاہئے۔ کیونکہ اس نے خانۂ خدا میں جرم شنیع کا ارتکاب کیا ہے۔ حاکم نے پوچھا آیا یہاں اولاد رسولؐ میں سے کوئی بزرگ موجود ہیں۔ لوگوں نے کہا ہاں! گذشتہ شب حضرت امام حسینؑ تشریف لے آئے ہیں۔ اس نے امام عالی مقامؑ سے دربار میں تشریف لانے کی استدعا کی۔ جب آپ تشریف لائے تو اُس نے تمام صورتِ حالات عرض خدمت کی۔ فاستقبل القبلة ورفع یدیه فمکث طویلا یدعو۔ امام علیہ السلام رو بقبلہ دست دعا

---

[1] عاشر بحار ص ۱۴۲ دمعہ ساکبہ ص ۲۶۹ وغیرہ

بلند کرکے کافی دیر تک دعا کرتے رہے اس کے بعد وہاں تشریف لے گئے۔ جہاں وہ مرد و عورت کھڑے تھے "حتی خلص یدہ من یدها" اور پھر اپنے دستِ حق پرست سے اس مرد کے ہاتھ کو عورت کے ہاتھ سے علیحدہ کر دیا۔ حاکم نے پوچھا کیا ہم اس مرد کو سزا نہ دیں۔ امامؑ نے فرمایا نہیں۔

(۵) محمد بن عمارہ اپنے باپ سے اور وہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے اور وہ اپنے آباء و اجداد طاہرینؑ کے سلسلۂ سند سے روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ اہل کوفہ حضرت امیر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور خشک سالی کی شکایت کرتے ہوئے آنجنابؑ سے استدعا کی کہ آپ طلبِ باراں کی دعا فرمائیں۔ آنجنابؑ نے اپنے شہزادہ امام حسینؑ کو حکم دیا کہ اٹھو کر ان کے لئے طلبِ باراں کرو۔ فقام وحمد اللہ واثنیٰ علیہ وصلی علی النبیؐ وقال اللھم معطی الخیرات ومنزل البرکات ارسل السماء علینا مدرارا الخ شہزادہ نے کھڑے ہو کر پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی پھر جناب رسولِ خداؐ پر درود و سلام بھیجا۔ اس کے بعد دعا کی۔ یا اللہ! اے خیرات کے عطا کرنے والے اور برکات کے نازل کرنے والے موسلادھار بارش برسا۔ راوی کہتا ہے فما فرغ من دعائہ حتی غاث اللہ غیثا بغتۃً ابھی امام علیہ السلام دعا سے فارغ بھی نہیں ہوئے تھے کہ خداوند عالم نے اچانک بارانِ رحمت نازل کر دیا۔ اور کوفہ کے اطراف و جوانب سے ایک اعرابی آیا اور ذکر کیا کہ اس قدر بارش ہوئی ہے کہ کوفہ کے تمام نشیب و فراز والے مقامات برزیر ہو گئے ہیں۔[۱]

(۶) جب امام علیہ السلام نے عراق جانے کا ارادہ فرمایا۔ تو حضرت اُمّ سلمہؓ نے ان کو یہ کہہ کر اس ارادہ سے روکنے کی کوشش کی کہ میں نے جناب رسولِ خداؐ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ میرا بیٹا حسینؑ عراق میں شہید کیا جائے گا۔ اور میرے پاس ایک شیشی میں اس جگہ کی مٹی بھی ہے۔ یہ سن کر امام علیہ السلام نے فرمایا انی واللہ مقتول کذلک وان لم اخرج الی العراق یقتلوننی وان احببت ان اریک مضجعی ومضجع من یستشهد معی فعلت! خدا کی قسم میں ضرور اسی طرح شہید کیا جاؤں گا۔ جس طرح میرے جدِ نامدار نے خبر دی ہے، اور اگر میں عراق نہ بھی جاؤں۔ تو بھی یہ ظالم مجھے ضرور قتل کر ڈالیں گے۔ پھر فرمایا اگر آپ چاہیں تو میں ابھی آپ کو اپنی اور اپنے اصحاب کی قتل گاہ بھی دکھا دوں۔ جناب ام سلمہؓ نے کہا قد شئت ہاں میں دیکھنا چاہتی ہوں۔ فتکلم باسم اللہ عزوجل الاعظم فانخفضت الارض حتی اراھا مضجعہ ومضجعھم فاعطاھا من التربۃ الخ امام علیہ السلام نے اسمِ اعظم پڑھا۔ پس فوراً زمین پست ہو گئی! امام علیہ السلام نے جناب ام سلمہؓ کو اپنی اور اپنے اصحاب و اعزہ کی قتل گاہ دکھائی۔ اور کچھ خاکِ کربلا بھی ان کے

---

[۱] عاشر بحار الانوار ص۱۳۲۔ دمعۃ الساکبہ ص۲۹۵ مناقب شہر ابن آشوب ج۴ ص۲۹ تظلم الزہراء ص۹ [۲] عاشر بحار ص۱۴۳ دمعۃ ساکبہ ص۲۷۰ وغیرہ

حوالہ کرتے ہوئے فرمایا۔ فاذا فاضت دمًا فاعلمی انی قتلت جب اس سے خون اُبلنے لگے تو سمجھ لینا کہ میں شہید ہو گیا ہوں۔ جناب ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ جب روز عاشورہ ظہر کے بعد میں نے دونوں شیشیوں کو دیکھا تو اُن سے خون اُبل رہا تھا۔ اُس وقت میں پھوٹ کر روئی۔ (نفس المہموم ص۱۸۹ وغیرہ)

(۷) معجزہ ردالشمس ہیں تمام ارباب سیر و تواریخ نے یہی لکھا ہے۔ کہ چونکہ جناب رسول خداؐ کو وحی ہو رہی تھی۔ اور آپؐ کا سر اقدس حضرت امیر علیہ السّلام کے زانو پر تھا۔ جناب امیرؑ نماز نہ پڑھ سکے۔ (بروایتے اشارے سے ادا فرمائی) جب سلسلۂ وحی ختم ہوا تو سورج غروب ہو چکا تھا۔ جب آپؐ کو حضرت امیرؑ کی نماز کی حقیقت حال معلوم ہوئی۔ تو بارگاہ ایزدی میں یوں دعا کی۔ اللّٰھم ان کان علی فی طاعتک وطاعۃ رسولک فرد۔ علیہ الشمس لیصلی صلوتہ (الدمعۃ الساکبہ ج۱ ص۱۲۱) ”پس حضرت دعا کرد کہ خداوندا علی در طاعت تو و طاعت رسولؐ تو بود۔ آفتاب را گردان (حق الیقین علامہ مجلسی ص۲۳) بار الہا! چونکہ علیؑ تیری اور تیرے رسولؐ کی اطاعت میں مشغول تھا۔ اس لیے آفتاب کو پلٹا دے۔ چنانچہ آفتاب فضیلت عصر کے وقت تک پلٹ آیا۔ اس واقعہ سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ نے دعا کی اور خدا نے سورج کو پلٹایا۔

(۸) اسی طرح معجزہ شق القمر کے وقت آنحضرتؐ کا بارگاہ ایزدی میں دعا کرنا کتب سیر و تواریخ میں مذکور ہے۔ فسئل رسولؐ اللّٰہ ربہ ان یعطیہ ما قالوا فانشق القمر فلقتین“ یعنی آنحضرتؐ نے اپنے پروردگار سے سوال کیا کہ کفار قریش جو مطالبہ کر رہے ہیں وہ آپؐ کو عطا فرمائے۔ چنانچہ فوراً چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے (الدمعۃ الساکبہ ص۳) اس سے ظاہر ہے کہ دعا آنحضرتؐ نے کی اور چاند کو دو ٹکڑے خدا نے کیا۔

اگر بنظر غائر معجزات رسول محمدؐ و ائمہ ہدیؑ کا جائزہ لیا جائے تو ہر جگہ یہی سلسلہ جاری و ساری نظر آئے گا۔ فکشفنا عنک غطائک فبصرک الیوم حدید۔

ایک ضروری وضاحت

یہ اور بات ہے کہ موقع و محل کے مناسبت سے بعض اوقات معجزہ نما چند رکعت نماز پڑھتا ہے۔ بعض اوقات طویل دعا و پکار کے بعد معجزہ دکھاتا ہے۔ بعض اوقات بظاہر کچھ بھی نہیں ہوتا بلکہ براہ راست کسی چیز کو کوئی حکم دے دیتا ہے اور وہ چیز حسب الحکم ویسی ہو جاتی ہے جیسے جناب امام موسیٰ کاظمؑ کا شیر قالین کو مجسم شیر بن کر ہارون عباسی کے جادوگر کو نگلنے کا حکم دینا اور بلکا فی الفور حقیقی شیر بن کر اس کو لقمہ بنا لینا وغیرہ۔ یہاں بھی درحقیقت اسم اعظم ہی کا کرشمہ کارفرما ہوتا ہے۔ قرآن میں موجود ہے کہ جناب آصف بن برخیا نے آنکھ جھپکنے سے پہلے چھ ماہ کی مسافت سے تخت بلقیس کو حاضر کر دیا تھا۔ قرآن میں کہیں کچھ پڑھنے پڑھانے کا کوئی تذکرہ نہیں۔ لیکن ائمہ ارشادات معصومینؑ کی روشنی میں اُو ثابت کیا جا چکا ہے۔ کہ اُن کے پاس اسم اعظم کا ایک حرف تھا جس کے ذریعہ دُعا کی تھی۔ اور خدا نے تخت حاضر کر دیا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دعا

ے لئے کوئی لمبا چوڑا وقت درکار نہیں ہے۔ بس ادھر ارادہ ہوا۔ خدا نے قلبی رابطہ قائم کیا ادھر دریا اور راست اس خشکی کو علم ے دیا۔ خدا تو اُس کا اثر ظاہر کر دیتا ہے۔ اب ایک ظاہر بین تو اس کو یقیناً اس معجزہ نما کا ہی فعل سمجھے گا۔ مگر جس کی نگاہ بین اصل حقائق پر ہوگی۔ وہ یہ کہے گا۔ کہ المعجزات فعل القادر المختار الذی لا یشبہ المخلوقین لا فعل حدث المحتاج المشارک للضعفاء فی صفات الضعف" ارشاد امام رضا احتجاج طبرسی ص[illegible]

جزہ کا فعل خدا ہونا علماء متقدمین و متاخرین کی تحقیقات کی روشنی میں

اس سلسلہ میں اس قدر علماء اعلام کے کلام یقت ترجمان پیش نظر ہیں کہ سب کے پیش کرنے کے لئے ایک دفتر درکار ہے مگر اختصار مانع ہے اس لئے صرف مشاہیر اعاظم کے ات شافیہ کو علی البصیرت کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) علامہ ابو الفتح الکراجکی (تلمیذ رشید حضرت شیخ مفید علیہ الرحمہ) اپنی مشہور کتاب کنز الفوائد ص[illegible] طبع ایران پر تحریر فرماتے ہیں

ن اللہ فضلہم علی خلقہ وجعلہم خلفاء القائمین بحقہ وانہ اظہر علی ایدیہم المعجزات تصدیقا ہم فیما ادعوہ من الانباء والاخبار یعنی خداوند عالم نے ائمہ طاہرین کو اپنی تمام مخلوق پر فضیلت عطا فرمائی ہے ان کو اپنے حقوق کے بجا لانے والے خلفاء و پیشوا بنایا ہے۔ اور ان کے ہاتھوں پر معجزات کو ظاہر کیا تاکہ ان کے اخبار و یانات کی تصدیق ہو جائے۔ اسی کتاب مستطاب کے ص[illegible] پر اس مطلب کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے۔

لآیات التی تظہر علی ایدیہم ہی فعل اللہ دونہم اکرمہم بہا ولا صنع لہم فیہا وانہم لبشر لوقون وعباد مصنوعون لا یخلقون ولا یرزقون الخ یعنی وہ آیات و معجزات جو ائمہ اطہار کے ہاتھوں پر ہر ہوتے ہیں وہ خدا کا فعل ہیں۔ ان بزرگواروں کا فعل نہیں۔ خدا نے ان کے ہاتھوں پر انہیں ظاہر کرکے ان کی توقیر و تکریم ہر فرمائی ہے۔ ان حضرات کو ان امور میں کوئی دخل نہیں۔ اور یہ بزرگوار بشر حادث ہیں نہ قدیم، اور خدا کے پیدا کئے ہوئے ں بندے ہیں۔ یہ نہ پیدا کرتے ہیں اور نہ ہی رزق دیتے ہیں۔"

(۲، ۳، ۴) حضرت شیخ طوسیؒ، شیخ طبرسیؒ اور جناب ملا محسن فیض کاشانیؒ کی اس سلسلہ میں تحقیقات انیقہ اسی باب میں ئلہ کی پہلی آیت مبارکہ کی تفسیر میں ان کی تفاسیر تبیان، مجمع البیان اور صافی سے پیش کی جا چکی ہیں۔ کہ سب حضرات جزہ کو فعل خدا سمجھتے ہیں۔ فراجع۔ مزید برآں آخر الذکر کی کتاب علم الیقین ص[illegible] سے یہاں ایک حوالہ پیش کیا جاتا ہے اب موصوف آں حضرتؐ کے دلائل نبوت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ قد خرق اللہ العاد[illegible] علی یدہ صلی اللہ یہ والہ غیر مرۃ اذ شق القمر بمکۃ لما سئلتہ القریش ایۃ الخ۔ یعنی خداوند عالم نے آنحضرت ست حق پرست پر کئی مرتبہ خارق عادت امور (معجزات) کو ظاہر فرمایا جیسے ان کے لئے مکہ میں شق القمر کیا بلکفار ریش نے آپؐ سے یہ معجزہ طلب کیا تھا۔"

(۵) حضرت علامہ حلی علیہ الرحمہ شرح تجرید ص۲۱ شرائط معجزہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ الثانی ان یکون من قبل اللہ او بامرہ۔ دوسری شرط یہ ہے کہ معجزہ منجانب اللہ یا اس کے امر سے ہو۔ (اس بارہ کی وضاحت اسی باب کے آخر میں بذیل ازالہ شکوک وشبہات ملاحظہ ہو)۔

(۶) سرکار علامہ مجلسی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں من اعتقد ان المعجزات والکرامات من فعل النبی والامام فلیس فی کفرہ ریب ولا شک۔ جو شخص یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ معجزہ نبیؐ اور امامؑ کا فعل ہے اس شخص کے کفر میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے (کما نقل فی کتاب سبیل النجاۃ فی اصول الاعتقادات ص۴۳ طبع ایران)۔ اسی طرح تیسرے باب میں تفویض کے متعلق ان کی مرآۃ العقول ج۱ ص۱۹۲ و بحار ج۲۵ ص۳۴۹ سے جو مفصل بیان پیش کیا جا چکا ہے اس میں بھی انہوں نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ معجزات کو خدا اپنی قدرت کاملہ سے ظاہر کرتا ہے فرماتے ہیں۔ ان اللہ تعالیٰ یفعلہا مقارناً لارادتہم کشق القمر واحیاء الموتی وقلب العصا حیۃ وغیر ذلک من المعجزات فان جمیعہا انما تقع بقدرتہ سبحانہ مقارناً لارادتہم لظہور صدقہم۔ یعنی جب یہ بزرگوار کسی خارق عادت چیز کا ارادہ کریں تو خدا ان کے ارادہ کے ساتھ ہی وہ کام کر دیتا ہے جیسے چاند کا شگافتہ کرنا مردوں کا زندہ کرنا اور عصا کا اژدہا بنانا وغیرہ کیونکہ جس قدر معجزات ہیں وہ سب کے سب خدا کی قدرت سے ہی واقع ہوتے ہیں۔ مگر ان حضرات کے ارادہ اور خواہش کے ساتھ تاکہ ان کی صداقت وحقانیت ظاہر ہو جائے۔"

(۷) حضرت قاضی نور اللہ شوستری شہید ثالث علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب احقاق الحق ج۱ ص۲۴۵ طبع مصر پر حضرت علامہ حلی کی کتاب کشف الحق ونہج الصدق کی یہ عبارت نقل کی ہے۔ قالت الامامیۃ لایحسن فی حکمۃ اللہ تعالیٰ ان یظہر المعجزات علی ید الکذاب ولا یصدق المبطلین الخ۔ تمام شیعہ امامیہ کہتے ہیں۔ کہ یہ امر خدا کی حکمت کے منافی ہے کہ جھوٹوں کے ہاتھ پر معجزات ظاہر کرے اور باطل پرستوں کی تصدیق کرے (بلکہ وہ تو صرف سچے مدعیان نبوت وامامت کے ہاتھوں پر ہی معجزات ظاہر کرتا ہے)، اس کلام پر ابن روزبہان سنی نے جو اعتراض کیا ہے۔ حضرت شہید ثالثؒ نے اس کا جواب دے کر علامہ کی فرمائش کو صحیح ثابت فرمایا ہے۔ شکر اللہ سعیہم۔

(۸) عالم ربانی جناب سید ہاشم بحرانی قدس سرہ اپنی کتاب مدینۃ المعاجز (جو کہ معجزات کی سب سے ضخیم کتاب ہے) کے مقدمہ ص۵ طبع ایران پر معجزہ کی تعریف کرنے کے بعد اسے فعل خدا بتاتے ہوئے رقمطراز ہیں۔ واعلم ان المعجزات من الانبیاء والائمہ دلیل علی صدقہم علی اللہ سبحانہ فی دعواہم النبوۃ والامامۃ لان المعجز الخارق للعادۃ فعلہ تعالیٰ واقدارہ علی ذلک منہ جل جلالہ۔ جاننا چاہئے کہ انبیاء وائمہ کے معجزات ان کی صداقت وحقانیت کی دلیل ہیں۔ کیونکہ معجزہ خارق عادت خدا کا فعل ہے اور اس کی انجام دہی اسی کی قدرت کاملہ سے ہوتی ہے۔ (پھر اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں حضرت امام رضاؑ کا وہ ارشاد نقل کیا ہے جسے ہم سطور بالا میں پیش کر چکے ہیں

قال الرضاً لما ظھر من علی الفقر والفاقۃ دل ذلک علی ان المعجزات فعل القادر المختار الخ

(۹) حضرت علامہ سید دلدار علی لکھنوی (غفرانمآب علیہ الرحمہ) عماد الاسلام ج ۲ ص ۲۳۳ پر معجزہ اور شعبدہ وغیرہ امور میں فرق کرتے ہوئے لکھتے ہیں واللہ سبحانہ ھو المظھر لھا تصدیقاً للنبی او الوصی وانما یظھرھا علی یدیہ عند دعائہ ودعواہ وھو لم یتکلم فی ذلک شیئاً ولا استعان فیہ بعلاقۃ ولا معالجۃ ولا اداۃ ولا الۃ وانھا علی الوجہ الناقض للعادات والباھر للعقول والقاھر للنفوس۔ "الخ یعنی خداوند عالم ہی معجزہ کو نبی و امام کی تصدیق کی خاطر ظاہر کرتا ہے۔ اور وہ اس کا اظہار ان کے دعوی (نبوت یا امامت) اور ان کی دعا کے وقت کرتا ہے۔ نبی و امام نہ تو کوئی کلام کرتا ہے (منتر وغیرہ کچھ نہیں پڑھتا) اور نہ ہی کسی مادی چیز سے امداد حاصل کرتا ہے۔ اور نہ ہی کسی اور آلہ کو استعمال کرتا ہے اور معجزہ ہوتا بھی ایسا ہی ہے کہ جو خارق عادت اور عقول و نفوس کو متعجب و مقہور کر دیتا ہے۔"

(۱۰) حضرت مولانا سید حسین لکھنوی حدیقہ سلطانیہ ج ۱ ص ۸۰ پر ہر قسم کی تفویض استقلالی و غیر استقلالی کو باطل کرنے کے بعد فرماتے ہیں

"آرے در موارد خاصہ اظہار" المعجزہ خداوند عالم بر دست ایشاں امورے چند خارق عادت ظاہر می سازد واز ہمیں جاست کہ معجزہ را فعل خدا می گویند کہ بدست پیغمبر و امام بنا بر غرض تصدیق شان جاری می فرماید۔"

کما صرح بہ المتکلمون ونص علیہ الرضا علیہ التحیۃ والثنا فقال رداً علی الغلاۃ لما ظھر من علی الفقر والفاقۃ الخ۔

"ہاں البتہ بعض مخصوص مقامات پر بطور اظہار معجزہ خداوند عالم ان بزرگواروں کے دست حق پرست پر چند خارق عادت امور کو جاری کر دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ معجزہ کو فعل خدا کہتے ہیں جسے خدا نبی و امام کے ہاتھوں پر ان کی تصدیق کے لئے جاری کرتا ہے جیسا کہ علماء متکلمین نے اس کی تصریح کر دی ہے۔ اور حضرت امام رضا علیہ التحیۃ والثناء نے بھی غالیوں کی رد فرماتے ہوئے اس بات پر نص فرمائی ہے کہ جب حضرت علیؑ سے فقر و فاقہ ظاہر ہوا تو اس سے معلوم ہوا کہ معجزہ ان کا فعل نہیں ہے۔ الخ"

(۱۱) مولانا الشیخ محمد تقی النجفی اپنی کتاب عنایات رضویہ ص ۸ پر معجزہ کو دلیل نبوت و امامت ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: بل المعجزات کلھا من فعل اللہ سبحانہ الجاری بایدیھم فلو لم یکونوا صادقین کان اجراء المعجزۃ بایدیھم قبیحاً مستلزماً للاغراء بالجھل والتباس الحق بالباطل بل ھو کذب فعلی من اللہ تعالیٰ عن ذلک علواً کبیراً (رح) فنقول لا ریب ان الرسول ادعی الرسالۃ والولی ادعی الولایۃ والوصایۃ وقد اجری اللہ تعالیٰ بایدیھم المعجزات الباھرات فھم مصدقون

بتصدیق اللہ تعالیٰ ایاھم فالرد علیھم رد علی اللہ سبحانہ وتصدیقھم تصدیق لفعل اللہ سبحانہ الخ...

یعنی "یہ تمام معجزات خداوند عالم کا فعل ہیں جو انبیاءؑ و ائمہؑ کے ہاتھوں پر جاری ہوتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر یہ بزرگوار اپنے دعویٰ میں صادق نہ ہوتے تو ان کے ہاتھوں پر معجزات کا ظاہر کرنا قبیح، اغراء بالجہل اور حق و باطل کے درمیان التباس کو مستلزم ہوتا بلکہ خدا کا کذب فعلی ہوتا جس سے اس کی شان اجل و ارفع ہے۔ اس تمہید کے بعد ہم کہتے ہیں۔ کہ اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ نبیؐ نے دعوائے نبوت اور ولی نے دعوائے ولایت و وصایت کیا ہے۔ اور خدا نے ان کے ہاتھوں پر معجزات ظاہر فرمائے ہیں لہٰذا یہ مصدق بتصدیق اللہ ہیں۔ ان کا انکار خدا کا انکار اور ان کی تصدیق خدا کے فعل کی تصدیق ہے۔"

(۲) حضرت مولانا السید اسماعیل الطبرسی النوری کفایۃ الموحدین ج ۱ ص۵۰۰ پر معجزات کو خداوند عالم کی ہستی کی دلیل قرار دیتے ہوئے اور بعض معجزات مثل احیاء موتی و شق القمر وغیرہ کی طرف اشارہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

"و بر ہر عاقلے ظاہر است کہ ہمہ اینہا فوق طاقت بشر است پس از ملاحظہ ایں معجزات قطع خواہد از برائے شخص حاصل شد کہ البتہ خدائے باشد کہ ہمہ اینہا را از برائے اظہار حقیقت ایشان جاری گرداند"

یعنی ہر عقلمند پر یہ بات واضح ہے کہ یہ تمام معجزات طاقت بشری سے باہر ہیں۔ لہٰذا یہ معجزات دیکھنے سے آدمی کو یقین حاصل ہو جاتا ہے۔ کہ ایک ایسا خدائے قادر و قیوم موجود ہے۔ جو ان بزرگواروں کی تصدیق کے لئے یہ سب معجزات ظاہر کرتا ہے۔

(۳) حضرت مولانا السید حیدر الکاظمینی اپنے رسالہ عقائد میں لکھتے ہیں: "علی ان الفعل فی الاعجاز من اللہ یفعل ذلک مقارناً لارادتھم کشق القمر واحیاء الموتی وقلب العصا حیۃ وغیر ذلک من المعجزات کان جمیع ذلک انما یحصل بقدرتہ تعالیٰ مقارناً لارادتھم لظھور صدقھم الخ" "خداوند عالم انبیاءؑ و ائمہؑ کے ارادہ و خواہش کے مطابق یہ امور ظاہر کرتا ہے۔ جیسے چاند کا شگافتہ کرنا مردوں کا زندہ کرنا اور عصا کا سانپ بنانا وغیرہ یہ سب امور خدا کی قدرت و طاقت مگر صاحبِ اعجاز کے ارادہ و خواہش کے وقت ظاہر ہوتے ہیں۔ تاکہ ان کی صداقت و حقانیت آشکار ہو جائے۔"

(۴) فاضلِ اجل آقا ملا مہدی نراقی قدس سرہ اپنے رسالہ "انیس الموحدین فی معرفۃ اصول الدین" کے ص۳۰ اور ص۳۱ پر لکھتے ہیں: "کہ معجزہ کار بشر نیست" "معجزہ انسان کا کام نہیں ہے بلکہ خدا کا کام ہے"۔

(۵) فاضلِ جلیل حضرت آقا سید حبیب اللہ الموسوی الخوئی اپنی کتاب منہاج البراعہ شرح نہج البلاغہ ج ۱ ص۳۱ پر (طبع قدیم و جدید ج ۴ ص۳۶۳) لکھتے ہیں۔ "وان کان مرادھم ان اللہ یفعل الاشیاء مقارناً لارادتھم

كشق القمر واحياء الموتى وقلب العصا حية وغير ذلك من المعجزات بمعنى ان يكون الفاعل حقيقة هو الله سبحانه ويكون هو الخالق والرازق والمحي والمميت والضار والنافع الا ان ذلك لما كان مقارناً لارادتهم ومقترناً لمشيتهم فاطلق ذلك عليهم مجازاً الخ اگر ان لوگوں (مفوضہ) کی مراد یہ ہے کہ ان بزرگواروں کے ارادہ کے وقت خدا ہی تمام اُمور کو انجام دیتا ہے جیسے شق القمر کرنا مردوں کا زندہ کرنا۔ اور عصا کا سانپ بنانا وغیرہ بایں معنی کہ ان امور کا حقیقی فاعل خدا ہی ہے اور وہی درحقیقت خالق و رازق محی و ممیت اور ضار و نافع ہے مگر چونکہ ان امور کا ظہور ان بزرگوں کی مشیت و خواہش کے وقت کرتا ہے۔ اس لئے مجازاً ان امور کی نسبت ان ذواتِ مقدسہ کی طرف دے دی جاتی ہے۔ (تو یہ اور بات ہے) اسے تفویض کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

(۹) فاضل جلیل حضرت آقا السید مهدی الکاظمی القزوینیؒ اپنی کتاب ظہور الحقیقۃ ص۵ طبع النجف پر لکھتے ہیں۔ لقيام ضرورة الدين المستفادة من نصوص القرآن المبين وسنن سيد المرسلين المتظافرة التي دلت ان هذه التي قد نسبها المنتقص لغير الله سبحانه هي افعاله سبحانه وحده وليس لغيره فيها دخل بوجه من الوجوه الخ (اس بیان کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت آقا سید حیدر کاظمی کا مذکورہ بالا کلام نقل کرنے کے بعد صاحب رسالہ احقاق نے جو کہ شیخی ہے اس پر اعتراض کرتے ہوئے معجزات کو فعلِ نبی و امام قرار دینے کی ناکام کوشش کی تھی۔ اس کا جواب دیتے ہوئے اور ان افعال کو فعلِ خدا ثابت کرتے ہوئے حضرت آقا سید مهدی فرماتے ہیں) "یہ امر ضروریاتِ دین میں سے ہے جو کہ نصوصِ قرآنیہ، احادیثِ متظافرہ نبویہ سے ثابت ہے۔ کہ یہ افعال جن کو صاحب "احقاق" نے غیرِ خدا کی طرف منسوب کیا ہے یہ دراصل خدا کے افعال ہیں غیرِ خدا کو خواہ نبی ہو یا امام ان میں ہرگز کسی قسم کا کوئی دخل نہیں ہے۔"

(۱۰) حضرت آقا السید عبد الحسین طیبؒ اپنی کتاب الکلم الطیب ج ۱ ص۲۲۲ پر کسی بھی نبی کی نبوت کے اثبات کے طریقوں سے بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> "اول از راه معجزه و آں کارے است از کارہائے خدا کہ برخلاف عادت و قواعدِ طبیعی و طرقِ کسبی و تحصیلی باشد، مردم از آوردنِ مثلِ آں عاجز باشند کہ خداوند برائے اثباتِ صدقِ پیغمبرش بدستِ او جاری مے کند"

یعنی سب سے پہلا طریق معجزہ ہے اور معجزہ خدا کے کاموں میں سے وہ کام ہے جو عادت و نیچر طبیعی قواعد اور کسبی و تحصیلی طرق کے خلاف ہو اور تمام لوگ اس کا مثل لانے سے عاجز ہوں۔ اسے خداوند عالم اپنے پیغمبر کی صداقت کو ظاہر کرنے کے لئے اس کے ہاتھوں پر جاری کرتا ہے۔"

(۸) حضرت آقا الشیخ حبیبؒ اپنے رسالہ نعم الزاد لیوم المعاد صہ۲۲ مطبوعہ نجف اشرف پر اس امر کی وضاحت کرتے ہوئے کہ معجزہ کی نسبت خدا و معجز نما ہر دو کی طرف ہوتی ہے اس کی کیفیت کیا ہے؟ لکھتے ہیں فلما ظهرت هذه الآثار على ايديهم نسبت اليهم وان كان الفاعل لها هو الله لاغيره فمن جهة ظهورها منهم وبروزها عنهم تنسب اليهم ومن حيث ان الله هو الفاعل لها على ايديهم تنسب الى الله لاغيره ولذا قال سبحانه وتعالى الله الذي خلقكم ثم رزقكم الآية على سبيل الحصر الخ یعنی چونکہ ان آثار و معجزات کا ظہور انبیاءؑ و ائمہؑ کے ہاتھوں پر ہوتا ہے۔ اس لئے ان امور کی نسبت ان حضرات کی طرف دے دی جاتی ہے۔ اگرچہ ان کا حقیقی فاعل خدا ہی ہوتا ہے۔ لہٰذا ظاہری ظہور و صدور کی وجہ سے انکی طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔ اور اس اعتبار سے کہ ان کا ظاہر کرنے والا اور ان کا حقیقی فاعل خدا ہے اس بنا پر صرف اسی کی طرف ان کی نسبت دی جاتی ہے۔ اسی لئے خدا بطور حصر فرماتا ہے۔ خدا وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا۔ پھر رزق دیا۔ الخ

(۹) حضرت مولانا السید کلب باقر الجائسی الحائریؒ اپنے رسالہ کشف الحال طبع لکھنؤ صہ۲۶ پر لکھتے ہیں: "با آنکہ معجزہ فعل خدا است کہ بر دست انبیاء و اوصیاء جاری می فرماید" علاوہ بریں معجزہ فعل خدا ہے جسے وہ اپنے انبیاء و اوصیاءؑ کے ہاتھوں پر جاری کرتا ہے"

SIRTAIN.COM

(۱۰) حضرت آقا الشیخ محمد رضا مظفر النجفی اپنے رسالہ عقائد الشیعہ صہ۳۵ طبع نجف اشرف زیر عنوان "عقیدتنا فی معجزة الانبیاء" ضرورت معجزہ پر تبصرہ کرنے کے بعد اس کی حقیقت یوں بیان کرتے ہیں۔ ذلك الدليل لابد ان يكون من نوع لا يصدر الا من خالق الكائنات ومدبر الموجودات (اي فوق مستوى مقدور البشر) فيجريه على يدي ذلك الرسول الهادي ليكون معرّفا به ومرشدا اليه وذلك الدليل هو المسمى بالمعجز او المعجزة۔ یعنی "یہ دلیل (معجزہ) ایسی ہونی چاہئے کہ سوائے کائنات کے خالق اور موجودات کے مدبر (خدا) کے اور کسی سے صادر نہ ہو سکے یعنی طاقت بشری سے بالاتر ہو۔ وہ (خدا) اسے اس رسولؐ کے ہاتھوں پر اسے ظاہر کرتا ہے تاکہ اس کی صداقت و حقانیت کی دلیل قرار پا سکے۔ ایسی دلیل کو معجزہ کہا جاتا ہے۔"

(۱۱) علامہ سید ابو الفضل قمی اپنے رسالہ "درسے از ولایت" صہ۶۴ طبع تہران پر تحریر فرماتے ہیں "آیات قرآن و روایات صریحاً میگویند معجزہ کار انبیاءؑ و اوصیاءؑ نیست بلکہ کار خدا است پس ایشان کار خدا نمی کنند خدا خودش خرق عادات و ایجاد معجزہ می کند تا شہادت الٰہی باشد بر صدق نبی یا وصی الخ" یعنی آیات و روایات سے صراحۃً ظاہر ہے کہ معجزہ انبیاءؑ و اوصیاءؑ کا فعل نہیں ہے۔ بلکہ یہ خدا کا فعل ہے لہٰذا یہ بزرگوار خدا والا کام نہیں کرتے۔ بلکہ خود خدا اپنے تدبیر مجرائے طبیعی کے خلاف معجزہ کو ایجاد کرتا ہے۔ تاکہ نبیؐ یا وصیؑ کی صداقت کی دلیل و شہادت بن سکے۔ بعد ازاں اس عالم جلیل نے معجزہ کے فعل خدا ہونے پر قطعی دلائل پیش کئے ہیں۔ فراجع (کذا فی کتاب عقل و دین ج ۱ صہ۱۳۵)

(۲۲) فاضل محترم الشیخ آقائے محمد آصف المحسنی اپنی کتاب صراط الحق ج ۲ ص ۲۲۹ طبع النجف پر شرح تجرید علامہ حلی (ص ۲۱۱) میں اردشدہ عبارت "ان یکون من قبل اللہ او بامرہ" پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں "لکنہ عندی مستدرک جل اعتبار عدم امکان معارضتها لاحد کما ستعرفہ فالمعجزۃ لا تکون الا من قبل اللہ" یعنی میرے نزدیک یہ قید (او بامرہ) زائد ہے کیونکہ جب معجزہ (حقیقت میں یہ چیز معتبر ہے کہ کوئی اس کا معارضہ و مقابلہ نہیں کر سکتا) تو بعد ازیں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ معجزہ خدا کی طرف سے ہی ظاہر ہوتا ہے"۔

(۲۳) فاضل عبد الرزاق نے بھی اپنے رسالہ "سرمایۂ ایمان" ص ۱۱۸ پر لکھتے ہیں"

> "دلالت معجزہ بر صدق صاحب معجزہ بنا بر آنست کہ چوں صدورش بمحض ارادۂ الٰہی است بیواسطۂ اسباب عادیہ پس ہرگاہ مقارن دعویٰ شخصے شود مر اختصاص را از جانب الٰہی مثل آں باشد کہ" الخ

بی معجز نما کی صداقت پر معجزہ کی دلالت اس طرح ہے کہ چونکہ معجزہ کا صدور اسباب عادیہ کے بغیر محض خدا کے ارادہ سے ہوتا ہے۔

(۲۴) فاضل جلیل میرزا ابو الحسن الشریف نے اپنی کتاب مرآۃ الانوار ص ۳۴ پر بلا نقد و تبصرہ امام رضا علیہ السلام کا ارشاد نقل کیا ہے۔ کہ "فعلم بهذا ان الذی اظهر من المعجزات انما کان فعل القادر الذی لا یشبه المخلوقین لا فعل المحدث المحتاج الخ" اس سے معلوم ہوا کہ معجزات اس قادر مطلق کا فعل ہیں۔ جو اپنی مخلوق کے ساتھ ی قسم کی مشابہت نہیں رکھتا۔ یہ حادث و محتاج مخلوق کا فعل نہیں ہیں"۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ جناب موصوف معجزہ کو فعل خدا سمجھتے ہیں۔ بلکہ انہوں نے اس مقام پر اس فرمان امام کو پیش ہی اسی لئے کیا ہے کہ کم عقل و جاہل لوگ ہی معجزات کو دیکھ کر اہل بیتؑ کو خدا سمجھ بیٹھے اگر ان کو علم ہوتا کہ یہ قادر مطلق کا فعل ہیں تو گمراہ نہ ہوتے فراجع۔

(۲۵) جناب آقائے محمد باقر اعلی اللہ مقامہ نے اپنی کتاب الدمعۃ الساکبۃ ج ۲ ص ۵۹ پر حضرت امام رضا علیہ السلام کی حدیث شریف نقل کی ہے جس سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ارشاد امام کے مطابق ان کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ معجزہ فعل خدائے قادر مختار ہے۔

(۲۶) علامہ سید ابو القاسم الرضوی (والد علامہ حائریؒ) اپنی کتاب معارف الملۃ الناجیۃ والناریہ ص ۲۳۸ فرماتے ہیں "ہر معجزہ فعل خدا یا بامر خدا باشد۔ یا تمکین می دہد نبی را براتیان و ایجاد فعل خارق و آں فعل را خدا قرنید بر دست نبی بارادہ تصدیق او" یعنی "ہر معجزہ خدا کے فعل یا اس کے امر سے وجود میں آتا ہے۔ یا وہ اپنے نبی کو خارق عادت امر کے ایجاد کی تمکین دیتا ہے بایں طور کہ خدا اسے نبی کے ہاتھ پر بغرض تصدیق اس فعل کو پیدا کر دیتا ہے۔

(۲۷) رسالہ حقائق مذہب شیعہ تفسیر اہل بیتؑ کی روشنی میں (جو ہمارے ۲۲ عدد کرمفرماؤں کی کدو کاوش اور فکری

نوازش کا نتیجہ ہے۔ اس کے صفحہ ۱۲ پر سوال نمبر ۱۷ کہ "معجزات و کرامات افعالِ خداوندی ہیں یا افعالِ انبیاء و مرسلین وائمہ طاہرین علیہم السلام" کے جواب میں لکھا جاتا ہے۔ "بعض معجزات کا فاعل خدا ہے۔ جن میں نبیؑ و امامؑ کی قوت کا دخل نہیں جیسے حضرت موسیٰؑ کے لئے دریا یا سمندر میں راستہ، پتھر سے بارہ چشمے، عصا سے اژدہا وغیرہ اور بعض معجزات اس معنی کے ہیں کہ امر خداوندی کے ظہور میں آنے کی تاثیر خدا کی جانب سے عطا ہوتی ہے۔ ان کا فاعل خدا ہے اور اس معنی سے کہ اس امرِ غیر عادی کا ظہور بارادۂ نبیؑ و امامؑ ان کے ہاتھ پر ہوا۔ ان کا فاعل نبی و امام ہوتا ہے۔" لیجئے بات صاف ہوگئی کہ معجزات کا حقیقی فاعل خدا ہے۔ ہاں اس اعتبار سے کہ ان خارق عادت امور کا ظہور بروئے نبی و امام کے ہاتھ پر ہوتا ہے اس لئے ان کی طرف بھی نسبت دینا درست ہے۔ خلاصہ یہ نکلا کہ معجزات کا فاعل حقیقی خدا اور مجازی فاعل نبیؑ و امامؑ ہوتا ہے۔

جہاں تک اس جواب میں قدرے اجمال یا لفظوں کے ہیر پھیر کا تعلق ہے ہم ان حضرات کو ان کی مخصوص مجبوریوں کے پیشِ نظر مجبور و معذور سمجھتے ہیں۔ ان کا اس قدر اعترافِ حق بھی غنیمت ہے امید ہے کچھ عرصہ کے بعد الفاظ کے ایچ پیچ کا سہارا بھی نہیں لیا جائے گا ان شاء اللہ۔ بہر حال ؎

الفاظ کے پیچوں میں الجھتے نہیں دانا
غواص کو مطلب ہے صدف سے کہ گہر سے

(۲۸) صاحبِ "حقائق الوسائط" نے اگرچہ ساری کتاب میں بار بار یہ رٹ لگائی ہے کہ "یہ حضرات فاعلِ معجزہ ہیں" (صفحہ [illegible] وغیرہ) معجزہ کا حقیقی فاعل خدا کو سمجھنے والوں پر خوفِ خدا سے بالا ہو کر مجبرہ و مجوسی ہونے کا کافرانہ فتویٰ بھی عائد کیا ہے (صفحہ ۲۸۶ وغیرہ) اور اسے کمزوری ایمان کی دلیل قرار دیا ہے۔ (معرفت محمد و آل محمدؐ صفحہ ۱۱) لیکن صفحہ ۲۱۳ پر پہنچ کر ہمارے دلائل حقہ کا وہ گرزِ گراں سر پر پڑا اور یہ صاعقہ طور کی طرح لگا۔ کہ جس سے منہ کے بل زمین پر گر پڑے اور سارا تکبر و پندار خاک میں مل گیا۔ خود اپنے بُنے و بچھائے ہوئے جال میں پھنس گئے۔ گھٹنے ٹیک دیئے۔ اور اپنے فتووں کی زد میں خود آکر راہیِ وادیِ موت ہو گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ لکھتے ہیں "اور ہم نے مکمل طور پر جناب رسالتمآب کا مناظرہ تحریر کر دیا ہے۔ اس سے ہماری تحقیق "فاعلِ معجزہ" کی پوری تائید ہوتی ہے۔ یعنی یہ امر واضح ہو گیا کہ اصطلاحی معجزہ کا وجود خال خال ہوتا ہے اور وہ مدمقابل کے مطالبے کے وقت دکھایا جاتا ہے۔ اور وہ سفارت کی سند کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ اس میں سفیرِ خدا کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ وہ صرف سند کا اظہار کرنے پر مامور ہوتا ہے۔ نہ وہ اس کو تبدیل کر سکتا ہے۔ اور نہ وہ مبعوث الیہم (جن کی طرف سفیر بنا کر بھیجا گیا ہے) کے اعتراضات اور جاہلانہ مطالبات سے متاثر ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے بھیجنے والے پر کامل ایمان رکھتا ہے۔ اس سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں۔ اس سے بڑھ کر کوئی حکیم نہیں۔ اس سے بڑھ کر کوئی قادر نہیں۔ اس نے جو سندِ سفارت تجویز فرمائی اور سفیر کو دے کر بھیجا ہے۔ یہی درست ہے اور ناقابلِ اعتراض ہے۔ اور اس میں تبدیلی کا خیال بھی ایمان سے خروج ہے۔ خواہ کوئی قبول کرے یا نہ کرے۔ مگر سفیر (رسولؐ) کو یہ حق نہیں ہے کہ اپنے مرسل (خدا) کو کوئی مشورہ دے کیونکہ یہ اقدام عہدۂ سفارت کے سراسر خلاف ہے" اسے کہتے ہیں "جادو وہ جو سر چڑھ کے بولے" اور یہ ہے حق و حقیقت کا ز

معجزہ کو لفظوں کے ہیر پھیر سے ہی سہی تاہم مجبوراً با دلِ ناخواستہ حقیقت کا اعتراف کر لیا ہے کہ معجزہ کا فاعلِ حقیقی خدا ہے کیونکہ "اس میں سفیرِ خدا کا کوئی دخل نہیں" "وہ صرف اظہار سند پر مامور ہے" "اس کو تبدیل نہیں کر سکتا" ظاہر ہے کہ یہاں سفیر سے رسول، سفارت سے نبوت و رسالت اور سند سفارت سے مراد اصطلاحی معجزہ ہے۔ اربابِ عدل و انصاف ہمارے معروضات اور ان حضرات کے ان ارشادات کو بکرر بنظرِ غائر پڑھ کر بتائیں کہ اب اختلاف کیا باقی رہ جاتا ہے۔ آیا ان حقائق کے بعد کسی معمولی عقل و انصاف رکھنے والے انسان کو بھی اس بات میں ذرہ بھر شک و شبہ باقی رہ جاتا ہے کہ معجزہ کا حقیقی فاعل خداوند عالم ہے ؎

من نگویم گر نگیری دامن انصاف را
چشم وا کن و نگیر مسلک اسلاف را

سابقہ تحقیقات کے نتائج

مذکورہ بالا آیات قرآن کریم احادیث معصومین اور تحقیقات شیعہ علماء متقدمین و متاخرین سے چند امور روزِ روشن کی طرح واضح و آشکار ہو جاتے ہیں۔

(۱) معجزات کا فاعلِ حقیقی خداوند عالم ہے نہ پیغمبر و امام علیہما السلام ہاں محلِ صدور و ظہور ہونے کی وجہ سے ان حضرات کی طرف ان افعال کی مجازاً نسبت دینا درست ہے بایں ہمہ اس سلسلہ میں انبیاء و ائمہ علیہم السلام کی مدح و ثنا اس لئے کی جاتی ہے کہ معجزہ کا ظہور چونکہ ان کی دعا و استدعا پر عمل میں آتا ہے۔ اس لئے یہ امر یقیناً ان کے لئے انتہائی مدح و ثنا کا باعث ہے۔ کہ وہ اس قدر مقرب بارگاہ الٰہی ہیں۔ کہ جب بھی ایسے خارق عادت امر کے اظہار کی اس کی بارگاہ میں درخواست کردیں۔ تو وہ ان کی استدعا کو رد نہیں کرتا۔ بلکہ اس کے مطابق فوراً ان کے ہاتھوں پر معجزہ کا اظہار فرما دیتا ہے۔ لہذا اس سے ان ذواتِ قادسہ کا درخت اور پتھر کے مانند ہونا لازم نہیں آتا۔ (معاذ اللہ) جیسا کہ فنِ فریب کاری کے بعض ماہرین نے یہ الزام عاید کرنے کی مذموم کوشش ناتمام کی ہے

(۲) ان حقائق واقعیہ سے یہ حقیقت بھی الم نشرح ہو جاتی ہے کہ ہم نے احسن الفوائد میں جو یہ لکھا ہے کہ "مقام اعجاز میں جو کچھ کسی نبی یا ولی سے ظہور پذیر ہوتا ہے۔ وہ اس نبی یا ولی کا فعل نہیں ہوتا بلکہ وہ فعل اللہ کا ہوتا ہے (ص ۲۳۳ طبع اوّل) یہ "سیرۃ النبی" یا "راہ ہدایت" وغیرہ کتب اہل سنت سے ماخوذ نہیں جیسا کہ بعض [illegible] ان حضرات کا خیال ہے جن کا مبلغ علم مولانا سید محمد سبطین صاحب کی کتب و رسائل یا ان جیسی بعض اردو کتب کے مطالعہ تک محدود ہے ؎

باندک مایہ از علم نتواں رہ بحق بردن
چوں آب اندک تنگ بیدست وپا سازد شناور را

ہم نے اب تک اس موضوع پر جو کچھ لکھا ہے۔ اس سے روزِ روشن کی طرح واضح و آشکار ہے کہ قرآن حکیم اور حضرات معصومین کی صحیح تعلیم کی روشنی میں عہد ائمہ سے لے کر آج تک تمام علماء اعلام شیعہ امامیہ کا یہی اعتقاد ہے البتہ اگر یہ حضرات یہ کہتے کہ برادرانِ اہل سنت کے علماء کے یہ نظریات علماء شیعہ کی تحقیقات سے ماخوذ و مستنبط ہیں۔ تو شاید یہ بات کسی حد تک قرینِ عقل ہوتی۔ مگر انہوں نے جو بے پَر کی اڑائی ہے اسے حقیقت سے دُور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔

(۳) ان بیاناتِ شافیہ سے یہ امر بھی پایۂ ثبوت تک پہنچ جاتا ہے کہ اعجاز نمائی کی کوئی ایسی طاقت و قوت نہیں ہے جو معجز نماؤں میں ودیعت کر دی گئی ہے جس کی بنا پر بالاستقلال یا باذن اللہ وہ ہر وقت معجزہ پیش کرتے رہتے ہیں بلکہ حسبِ ضرورت معجز نما خدا کی بارگاہ میں دعا و استدعا کرتا ہے اور خدائے قادر و قیوم اپنی قدرتِ کاملہ سے معجزہ کا اظہار کر دیتا ہے۔ اگرچہ سابقہ تحقیقات کے بعد یہ حقیقت مزید کسی ثبوت کی محتاج تو نہیں رہتی۔ مگر تاہم مزید اطمینانِ قلب کی خاطر اس سلسلہ میں ایک اور عالمِ جلیل کی تحریر بھی پیش کی جاتی ہے۔ عالمِ نبیل و دانشمند جلیل آقا سید عبدالحسین اپنی کتاب الکلم الطیب ص ۲۵ طبع تہران پر تحریر فرماتے ہیں۔

"لازم نیست پیغمبر در ہر زمانے قادر بر انجام معجزہ باشد چوں او نیز بشر و عاجز است و معجزہ فعلِ خدا است کہ برائے اثباتِ صدقِ پیغمبر بوی عنایت می فرماید و اقامۂ آں در ہر زمانے بستہ بارادہ و مشیت اوست"

یعنی "یہ ضروری نہیں ہے کہ پیغمبر ہمیشہ معجزہ نمائی پر قدرت رکھتا ہو۔ کیونکہ پیغمبر بھی (فی حد ذاتہ) بشر اور عاجز ہے۔ اور معجزہ فعلِ خدا ہے۔ جسے خدا پیغمبر کو اس کی نبوت کے ثابت کرنے کے لئے عطا کرتا ہے۔ لہٰذا معجزہ نمائی ہمیشہ خدا کے ارادہ اور اس کی مشیت کے ساتھ وابستہ ہے۔

(۴) ان بیانات اور مزید آنے والی تحقیقات (در ذیل رد شبہات) سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے۔ کہ اس سلسلہ میں صاحبِ اعجاز کا کام صرف دعا کرنا ہے۔ معجزہ کا اظہار خدائے قہار کرتا ہے۔ پس فی الحقیقت کسی خارقِ عادت امر کی دعا و پکار اور اس کے نتیجہ کے اظہار کا نام معجزہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ معجزہ کے اظہار میں نبیؐ و امامؑ کو اس حد تک تعلق ضرور ہے کہ جب ارادہ کریں تو خدا سے دعا و استدعا کرتے ہیں۔ اور خدا ان کی استدعا کو رد نہیں فرماتا۔

(۵) ان تحقیقات سے یہ بات بھی واضح ہو گئی ہے کہ معجزہ میں تکرار اور تعدد ضروری نہیں ہے پس جب نبیؐ و امامؑ اپنے دعویٰ کے اثبات پر سندِ قطعی کے طور پر معجزہ دکھا دیں۔ اگرچہ ایک مرتبہ ہی کیوں نہ ہو۔ تو پھر یہ لازم نہیں کہ وہ ہر وقت ہر شخص کی اقتراح و خواہش کے مطابق مختلف معجزات دکھا دکھا کر اپنی بزمِ نبوت و امامت کو تماشہ خانۂ عجائب و غرائب بنا ڈالیں۔ (الکلم الطیب صفحہ ۲۵) وھو اوضح من ان یخفیٰ ۔ ! ان فی ذلک لآیۃ لکم ان کنتم صادقین!!

بعض شکوک و اوہام کا ازالہ

اگرچہ سطور بالا میں جو حقائق بیان کر دیئے گئے ہیں ان سے اربابِ عقل و انصاف کی تسلی ہو جاتی ہے۔ مگر پھر بھی حسبِ دستور اس مقام پر عائد کردہ بعض شکوک و اوہام کا تذکرہ مع ازالہ ضروری ہے۔ تاکہ دیگر مباحث کی طرح یہ موضوع بھی کسی اعتبار سے تشنۂ تکمیل نہ رہے۔

پہلا، دوسرا، تیسرا اور چوتھا شبہ

حضرت عیسیٰؑ فرماتے ہیں انی اخلق لکم کھیئۃ الطیر۔ اس سے معلوم ہوا مٹی سے پرندہ پیدا کرنا حضرت عیسیٰؑ کا فعل ہے۔ احی الموتیٰ باذن اللہ،

حضرت عیسیٰؑ فرماتے ہیں کہ مردہ زندہ کرنا میرا کام ہے اذن اللہ تعالٰے کا ہے۔ مادر زاد اندھا میں ٹھیک کرتا ہوں مبروص کو میں ٹھیک کرتا ہوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام معجزات جناب عیسیٰؑ کا فعل ہیں۔ عصا پھینکنا موسیٰؑ کا فعل ہے ید بیضا فعل موسیٰؑ ہے پڑھو القی عصاہ۔ نزع یدہ۔ حضرت جبریل جناب مریمؑ کو کہتے ہیں۔ لاھب لک غلاما زکیا۔ میں عطا کرتا ہوں آپ کو پاکیزہ لڑکا۔ ملائکہؑ کا حضرت لوطؑ سے کہنا انا لمنجوھم ہم نجات دیں گے۔ تخت بلقیس کے متعلق آصف بن برخیا حضرت سلیمانؑ سے کہتے ہیں انا اتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک آنکھ جھپکنے سے پہلے تخت لے آنا فعل آصف ہے یا اللہ تعالٰے خود اٹھا لایا۔

(مضمون مندرجہ درنجف حکیم جولائی ۱۹۶۶ء)

ان شبہات کے جوابات

(پہلا مشترکہ جواب) ان حضرات کا ان آیات کو پیش کرنا اس غلط فہمی پر مبنی معلوم ہوتا ہے کہ اہل حق چونکہ ان افعال کو فعل خدا سمجھتے ہیں۔ لہٰذا شاید وہ سرے سے ان افعال کی نسبت انبیاءؑ و ائمہؑ کی طرف دینا ناجائز سمجھتے ہوں گے۔ اور ان آیات میں ان کی نسبت چونکہ ان ذوات مقدسہ کی طرف دی گئی ہے۔ لہٰذا جھٹ ان حضرات نے بلا غور و فکر ان آیات کو اپنے غلط نظریہ کی تائید میں پیش کر دیا۔ مگر ژرف نگاہی سے کام لینے والے حضرات جانتے ہیں کہ یہ استدلال بناء الفاسد علے الفاسد کا مصداق ہے۔ حقیقت حال اس طرح نہیں ہے۔ ہم اس باب کی ابتدا میں تحریر محل نزاع کے ذیل میں اسی غلط فہمی کے ازالہ کے لئے واضح کر چکے ہیں۔ کہ اس نسبت کے جواز یا عدم جواز میں نزاع نہیں ہے کیونکہ حسب ظاہر معجزہ میں ان امور کا ظہور و بروز چونکہ انبیاءؑ اور ائمہؑ سے ہوتا ہے۔ لہٰذا ان امور کا انتساب ان کی طرف یقیناً درست ہے بلکہ نزاع جو کچھ ہے وہ صرف اس بات میں ہے کہ آیا ان افعال کی نسبت بطور حقیقت ہے یعنی یہی بزرگوار ان افعال کے حقیقی فاعل ہیں۔ یا یہ نسبت بطور مجاز ہے اور فاعل حقیقی خداوند عالم ہے۔ ہم سطور بالا میں قرآن و حدیث اور تحقیقات علماء اعلام کی روشنی میں ثابت کر چکے ہیں۔ کہ ان امور کا فاعل حقیقی خدا ہے۔ اس طرح اس شبہ کی اساس کا قلع قمع ہو جاتا ہے۔ بنابریں ہم کہتے ہیں کہ اگرچہ خلق احیاء موتیٰ، شفاء مرضیٰ، عصا کا اژدہا بنانا، ید موسیٰؑ کو ید بیضا بنانا، حضرت مریمؑ کو بیٹا عطا کرنا، مومنین لوطؑ کو نجات دینا، تخت بلقیس کا لانا وغیرہ سب افعال خدا ہیں۔ اور وہی ان کا حقیقی فاعل ہے۔ اسی کے ارادہ اور قدرت کاملہ کے تحت یہ امور وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ مگر چونکہ حسب ظاہر ان کا ظہور حضرت عیسیٰؑ و موسیٰؑ اور جناب جبرئیلؑ یا دیگر ملائکہؑ یا حضرت آصفؑ برخیا سے ہوا ہے۔ لہٰذا من باب المجاز ان افعال کی نسبت ان حضرات کی طرف دے دی گئی ہے یہ درست ہے کہ القاء عصا حضرت موسیٰؑ کا ہی فعل تھا۔ مگر یہ حقیقت کیوں نظر انداز کر دی جاتی ہے۔ کہ اس

عصا کو اژدہا بنانا کس کا فعل تھا؟ جس میں خرق عادت ہے، قرآن سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ فعل خدا کا تھا جب عصا نے موسیٰ نے اژدہے کی شکل اختیار کی اور جناب موسیٰؑ نے کچھ خوف محسوس کیا تو ارشاد قدرت ہوا لا تخف سنعیدھا سیرتھا الاولیٰ ڈرو نہیں ہم عنقریب اسے اپنی پہلی حالت کی طرف لوٹا دیں گے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ جو خدا قادر دوسری شکل کو پہلی شکل کی طرف لوٹانے والا ہے وہی پہلی شکل کو تبدیل کرنے والا بھی ہے۔ تعجب ہے کہ خود اس استدلال کے پیش کرنے والے نے شعوری یا لاشعوری طور پر آخر میں حق و حقیقت کا اعتراف کر لیا ہے۔ چنانچہ استدلال مذکور کے بعد لکھا ہے "صحیح عقیدہ یہ ہے کہ قوت و ارادہ اللہ تعالیٰ کا ہوتا ہے اور ظہار فعل انبیاء و اولیاء و ملائکہ کا ہوتا ہے۔" (اخبار درنجف ص۸ یکم جولائی ۱۹۶۸ء) اس تمام کلام کا نتیجہ یہ ہے کہ ان افعال کی نسبت خدا کی طرف حقیقی ہے (جس کے ارادہ اور قوت سے یہ فعل واقع ہوا ہے) اور انبیاءؑ و ائمہؑ کی طرف مجازی ہے جن کے ہاتھوں پر ظاہر ہوتا ہے۔ یہی بات شروع سے لے کر آخر تک ہم کہہ رہے ہیں۔ پھر علماء اعلام کے خلاف یہ ہنگامہ آرائی و ہرزہ سرائی کیوں ہے؟

دوسرا جواب

حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و آلہ و علیہ السلام کے متعلق جو آیات پیش کی گئی ہیں۔ اس سلسلہ میں حقیقت حال تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی گئی اور علماء مفسرین نے ان آیات کے بارہ میں احادیث معصومین کی روشنی میں جو تحقیقات فرمائی ہیں۔ ان کو نظر انداز کر کے محض ظاہری الفاظ کا سہارا لیتے ہوئے اپنے خود ساختہ نظریہ کی تائید حاصل کرنے کی سعی نافرجام کی گئی ہے۔ ہم ان آیات کی تفسیر پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ کریں۔ اور جلائے ایمان و ایقان حاصل فرمائیں۔

(۱) شیخ الطائفہ حضرت شیخ طوسی علیہ الرحمہ اپنی تفسیر تبیان ج ۲ ص [illegible] پر تحریر فرماتے ہیں۔ انما قید قولہ فیکون طیراً باذن اللہ ولم یقید قولہ "اخلق من الطین کھیئۃ الطیر" بذکر اذن اللہ لینبہ بذکر الاذن انہ من فعل اللہ دون عیسیٰ واما التصویر والنفخ ففعلہ لانہ مما یدخل تحت مقدور القدر ولیس کذلک انقلاب الجماد حیواناً فانہ لا یقدر علیٰ ذلک احد سواہ تعالیٰ وقولہ "واحی الموتیٰ باذن اللہ" علیٰ وجہ المجاز اضافہ الی نفسہ وحقیقتہ ادعوا اللہ باحیاء الموتیٰ فیحییھم اللہ فیحیون باذنہ"

یعنی "حضرت عیسیٰؑ نے (تصویر کے) پرندہ ہونے کو تو "اذن اللہ" کے ساتھ مقید کیا ہے۔ مگر اس کی تصویر کشی کا تذکرہ کرتے وقت (کہ میں مٹی سے پرندہ کی شکل بناتا ہوں) "اذن اللہ" کی قید نہیں لگائی۔ اس انداز بیان سے انہوں نے اس بات پر تنبیہ فرمائی ہے۔ کہ اس تصویر کا پرندہ بنانا خدا کا فعل ہے۔ نہ ان (عیسیٰ) کا۔ ہاں البتہ تصویر بنانا اور اس میں پھونک مارنا حضرت عیسیٰ ہی کا فعل ہے کیونکہ یہ طاقت بشری میں داخل ہے لیکن جماد کو حیوان بنانا ایک ایسا کام ہے جس پر سوائے خدا تعالیٰ کے اور کوئی قدرت نہیں رکھتا۔ اسی طرح حضرت عیسیٰؑ نے یہ کہہ کر کہ میں باذن اللہ

مردے زندہ کرتا ہوں۔ یہ نسبت مجازاً اپنی طرف دی ہے۔ ورنہ اس کی اصلیت یہ ہے کہ میں مردوں کے زندہ ہونے کی دعا کرتا ہوں۔ اور خدا ان کو زندہ کر دیتا ہے اس طرح وہ اس کے اذن وطاقت سے زندہ ہو جاتے ہیں۔

(۲) اسی طرح مفسر اسلام علامہ طبرسیؒ اپنی تفسیر مجمع البیان ج ا ص۱۹۰ پر آیت مبارکہ انی اخلق لکم کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "معناہ انی اقدر لکم واصور لکم من الطین مثل صورۃ الطیر فانفخ فیہ ای فی الطیر المقدر من الطین فیکون طیراً باذن اللہ وقدرتہ وقیل بامر اللہ تعالیٰ وانما وصل قولہ باذن اللہ بقولہ فیکون طیراً دون ما قبلہ لان تصویر الطیر والنفخ فیہ مما دخل تحت مقدور العباد فاما جعل الطین طیراً حتی یکون لحماً ودماً وخلق الحیوۃ فیہ فمما لا یقدر علیہ غیر اللہ فقال باذن اللہ انما اضاف الاحیاء الی نفسہ علی وجہ المجاز والتوسع ولان اللہ تعالیٰ کان یحیی الموتی عند دعائہ"

یعنی اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ میں مٹی سے پرندہ کی تصویر بناتا ہوں اور اس تصویر میں پھونک مارتا ہوں۔ پس وہ خدا کے اذن یعنی اس کی قدرت یا بقولے اس کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے۔ آں جنابؑ نے اس کے پرندہ بننے کے ساتھ "اذن اللہ" کی قید لگائی ہے مگر اس کی تصویر کشی کے ساتھ یہ قید نہیں لگائی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تصویر بنانا اور اس میں پھونک مارنا بندوں کی قدرت میں داخل ہے لیکن مٹی کا پرندہ بنا دینا یہاں تک کہ اس میں گوشت پوست اور خون پیدا ہو جائے۔ اور پھر اس میں حیات ڈالنا یہ ایسا کام ہے جس پر سوائے خدائے قادر و قیوم اور کوئی قدرت نہیں رکھتا۔ اس لئے جناب عیسیٰؑ نے اس کے ساتھ اذن اللہ کی قید لگائی۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ خدا کا فعل ہے۔ نہ عیسیٰؑ کا۔ نیز آں جنابؑ نے اپنے اس کلام "واحی الموتی باذن اللہ" میں مردہ کو زندہ کرنے کی جو نسبت اپنی طرف دی ہے وہ علی وجہ المجاز ہے۔ اس کی اصل حقیقت یہ تھی کہ وہ دعا کرتے تھے اور خدا ان کی استدعا پر مردوں کو زندہ کر دیا کرتا تھا۔"

افادہ جناب علامہ طبرسیؒ کے بیان حقیقت ترجمان اور اسی طرح اور بعض قطعی شواہد سے "اذن اللہ" کا صحیح مفہوم بھی معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ دعا و استدعا نبیؑ و امامؑ کرتے ہیں اور پھر فعل معجزہ کا ظہور خدائے قادر و توانا کی قدرت کاملہ سے ہوتا ہے چنانچہ اس کی عملی تفسیر جناب عیسیٰؑ کے مردوں کو زندہ کرنے کی کیفیت سے نظر آتی ہے۔ تفسیر مجمع البیان ج ا ص۱۹۰ تفسیر صافی ص۸۶ وغیرہ میں مذکور ہے آنجنابؑ اپنے ایک دوست کی قبر پر تشریف لے گئے۔ جس کو مرے ہوئے تین دن ہو گئے تھے۔ وہاں جا کر یہ دعا پڑھی: "اللّٰھم رب السموات السبع انک ارسلتنی الی بنی اسرائیل ادعوھم الی دینک واخبرھم بانی احی الموتی فاحی عازر" چنانچہ ان کا دوست (عازر) زندہ ہو گیا۔ سطور بالا میں اس موضوع پر احادیث کے ضمن میں دمعہ ساکبہ ج ا ص۳۰۳ کے حوالے سے ذکر کیا جا چکا ہے۔ کہ بحکم رسولؐ جناب امیر علیہ السلام قبرستان میں تشریف لے گئے اور خدا کی بارگاہ میں دعا کی۔ پس باذن اللہ مردے سروں سے مٹی جھاڑتے ہوئے قبروں سے نکل آئے اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اذن اللہ کا مطلب قدرت اللہ ہے۔ اور اگر بالفرض اسے امر و حکم کے معنی میں بھی لیا جائے۔

تب بھی ہمارا مدعا حاصل ہے کہ وہ امر خدا ہی کرتا ہے جیسے قلنا یا نار کونی بردًا و سلامًا۔ " وكذا الكلام ان اخذ بمعنى الدعاء فتدبر) بصائر الدرجات صفحہ ۶۰ طبع جدید پر امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جناب عیسیٰ کے پاس اسم اعظم کے دو حرف تھے۔ جن کی وجہ سے ان کے ہاتھوں پر یہ عجائب و غرائب ظاہر ہوتے تھے۔" ان تمام حقائق سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ صرف دعا کرتے تھے۔ کام خدا اپنی قدرت کاملہ سے کرتا تھا۔ وہذا ہو المقصود۔

(۲) اسی طرح جناب علامہ شہر بن آشوب مازندرانی اپنی کتاب متشابہات القرآن ج ۱ ص ۱۵۵ پر آیت مبارکہ واذ تخلق من الطين كهيئة الطير فتنفخ فيها فيكون طائرًا باذنی کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:- "فاذا نفخ المسيح فيها الروح قلبها الله لحمًا و دمًا و خلق فيها الحيوة فصارت طائرًا باذن الله و ارادته لا بفعل المسيح فلذلك قال فيكون طيرًا باذنى و تبرئ الاكمه والابرص باذنى معناه انك تدعونى حتى ابرئهما و اذ تخرج الموتى باذنى اى اذ تدعونى فاحى الموتى عند دعائك و اخرجهم من القبور حتى يشاهدهم الناس و انما نسب الى عيسى لانه كان بدعائه" یعنی جب حضرت عیسیٰ اس تصویر میں روح پھونکتے تھے۔ تو خدا اس کو گوشت و خون بنا کر اس میں حیات پیدا کر دیتا تھا۔ اس طرح وہ خدا کے اذن و ارادہ سے نہ کہ حضرت عیسیٰ کے فعل سے پرندہ بن جاتا تھا۔ اسی بنا پر خدا نے فرمایا ہے کہ وہ میرے اذن سے پرندہ ہو جاتا تھا۔ اسی طرح خدا کے ارشاد کہ "اے عیسیٰ تو میرے اذن سے اندھے اور مبروص کو تندرست کرتا تھا" کا مطلب یہ ہے کہ تو ان کی شفا یابی کے لئے دعا کرتا تھا۔ اور میں ان کو شفا عطا کر دیتا تھا۔ اسی طرح اس قول خداوندی کہ "اے عیسیٰ تو مردوں کو میرے اذن سے (قبروں سے) نکالتا تھا" کا مطلب یہ ہے کہ تو ان کے زندہ ہونے کی دعا کرتا تھا اور میں ان کو زندہ کرکے قبروں سے نکالتا تھا۔ یہاں تک کہ لوگ ان کا مشاہدہ کرتے تھے۔ خدا نے مردوں کو زندہ کرنے کی نسبت جناب عیسیٰ کی طرف اس لئے دی ہے کہ یہ فعل ان کی دعا سے انجام پذیر ہوتا تھا۔"

اسی کتاب کے اسی صفحہ ۱۵۵ پر حضرت عیسیٰ کے قول و احی الموتی باذن اللہ کی تفسیر بیان فرمایا ہے "على وجه المجاز اضافه الى نفسه و حقيقته ادعو الله باحياء الموتى فيحيون باذنه" یعنی حضرت عیسیٰ نے مردہ زندہ کرنے کی نسبت اپنی طرف بطور مجاز دی ہے ورنہ اس کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ میں مردوں کے زندہ ہونے کی دعا کرتا ہوں اور وہ خدا کے اذن و ارادہ سے زندہ ہو جاتے ہیں۔ اور انی اخلق لكم من الطين كهيئة الطير کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔ لم يقيده باذن الله لان المراد به التقدير ثم قال فيكون طيرًا باذن الله لانه من فعل الله دون عيسى الخ یعنی جناب عیسیٰ نے تصویر کشی کے ساتھ اذن اللہ کی قید نہیں لگائی کیونکہ یہاں خلق کرنے سے مراد تصویر بنانا ہے۔ پھر فرمایا پس وہ خدا کے اذن سے پرندہ ہو جاتا ہے۔ (یہاں اذن اللہ کی قید مذکور ہے) کیونکہ یہ خدا کا فعل ہے نہ عیسیٰ کا۔

(۴) تفسیر مقتنیات الدرر ج ۲ ص۱۱۱ پر مذکور ہے "فالخلق حقیقۃً للہ تعالیٰ ظاہر علی یدہ کما ان النفخ مریمہ کان من جبرئیل و الخلق من اللہ" یعنی پرندہ میں روح پیدا کرنا درحقیقت خدا کا فعل ہے۔ البتہ اس ور جناب عیسیٰ کے ہاتھ پر ہوا جیسے جناب مریمؑ میں نفخ جناب جبرئیلؑ کا کام تھا۔ مگر (عیسیٰؑ کی) خلقت خدا کا " پھر باذن اللہ کی توضیح کرتے ہوئے لکھا ہے۔ "و ذکر الاذن فی ھذہ الافاعیل علی معنی اضافۃ حقیقیۃ اللہ، کقولہ وما کان لنفس ان تموت الا باذن اللہ یعنی الا بخلق اللہ الموت" یعنی ان افعال میں ذن اللہ" کی قید اس مقصد کے لئے لگائی گئی ہے کہ ان افعال کا حقیقی فاعل خدا ہے۔ جیسے آیت مبارکہ وما ن لنفس الخ کوئی نفس اللہ کے اذن کے بغیر نہیں مرتا ہے۔ یعنی اس وقت مرتا ہے جب اللہ اسے موت یا ہے۔

(۵) منہاج البراعۃ شرح نہج البلاغۃ ج ۹ ص۲۶۳ طبع جدید میں ہے "کان تسویۃ الطین والنفخ من یسیٰ علیہ السلام والخلق من اللہ تعالیٰ" یعنی مٹی کا درست کرنا اور اس ڈھانچہ میں پھونک مارنا اب عیسیٰؑ کا فعل تھا۔ لیکن اس کو پرندہ بنانا خدا کا فعل تھا۔

(۶) فاضل کاشانی تفسیر صافی میں بذیل آیت انی اخلق الایۃ لکھتے ہیں" انی اخلق لکم اقدر واصور شیئاً ہیئۃ الطیر مثل صورتہ فانفخ فیہا فیکون طیراً حیا طیاراً باذن اللہ تعالیٰ نبّہ علی ان احیاءہ ن اللہ لا منہ" (تفسیر صافی ص۸۴) خلاصہ مطلب یہ ہے کہ پرندہ کی شکل میں بناتا ہوں۔ مگر اسے پرندہ خدا بناتا ہے راذن اللہ کی قید لگا کر اس بات پر تنبیہ کی ہے کہ اسے زندہ پرندہ بنانا خدا کا فعل ہے نہ ان (عیسیٰؑ) کا"

(۷) صاحب حدیقہ سلطانیہ نے بھی ج ۳ ص۱۱ پر اس نسبت کو مجازی قرار دیا ہے۔ بات بالکل صاف اور ادہ ہے کہ اگر فی الحقیقت جناب عیسیٰؑ ہی پرندہ کے خالق ہوتے تو پھر اس قدر طویل کلام کی کیا ضرورت تھی۔ کہ اخلق لکم من الطین کہیئۃ الطیر فانفخ فیہ فیکون طیراً باذن اللہ" بلکہ صرف اتنا کہہ دیتے" انی اخلق لم الطیر" یعنی میں تمہارے لئے پرندہ پیدا کرتا ہوں۔ مگر جب یہ نہیں کہا۔ تو اس سے واضح ہو گیا۔ کہ تصویر کشی جناب یسیٰؑ اور اُسے پرندہ بنانا خدا کا کام ہے وھو المقصود وقد حصل بعون اللہ الودود

ان علماء محققین کی تحقیقات سے واضح ہو گیا۔ کہ معجزہ میں معجزنما کا کام صرف بارگاہ احدیت میں دعا کرنا ہوتا ہے۔ اس کے بعد اپنی قدرت کاملہ و مشیت مطلقہ کے تحت اس کا اظہار کرنا خداوند عالم کا کام ہے۔ لہٰذا خدا کی رف ان خارق عادت افعال و معجزات کی نسبت من باب الحقیقت اور انبیاء و ائمہ علیہم السلام کی طرف ی وجہ المجاز ہے۔ یہی ہے ان آیات مبارکہ کا صحیح مفہوم جو وارثان علوم قرآن علیہم السلام کے کلام سے ماخوذ ہے۔ ر اس کے علاوہ کوئی شخص ان آیات کی کوئی تاویل کرے گا۔ تو وہ بوجہ تفسیر بالرائے ہونے کے حرام اور

ناقابلِ قبول ہوگی۔

تیسرا جواب

جہاں تک حضرت موسیٰ کے عصا کے اژدہا بننے والے معجزہ کا تعلق ہے ہم اسی باب میں بذیل آیت ۱۲ بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کر چکے ہیں۔ کہ یہ خداوند عالم کا فعل تھا۔ اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔

اسی طرح جناب جبرئیلؑ کے حضرت مریمؑ کے پاس آکر لاھب لک غلاماً زکیاً کہنے والے شبہ کا مکمل جواب تیسرے باب کے دسویں شبہ کے ضمن میں پیش کیا جا چکا ہے فراجع۔ اور جناب آصف بن برخیاؑ کے تختِ بلقیس کو چشم زدن میں حاضر کرنے کے متعلق اسی باب میں بضمن حدیث ۵ پوری تحقیق کے ساتھ پیش کی جا چکی ہے۔ کہ ان کے پاس اسمِ اعظم کا ایک حرف تھا جسے انہوں نے پڑھا۔ اور خدا نے تختِ بلقیس کو حاضر کر دیا۔ ہاں چونکہ دعا جناب آصفؑ نے کی تھی۔ اور پھر اس خارق عادت کا ظہور بھی ان ہی کے ہاتھ پر ہوا تھا۔ اس لئے مجازاً انہوں نے اس کی نسبت اپنی طرف دے دی۔

ان حقائق کی روشنی میں یہ حقیقت بالکل الم نشرح ہو گئی کہ ان تمام پیش کردہ آیات و واقعات میں حقیقی فاعل خدا ہی ہے وہو المقصود۔

پانچواں شبہ اور اُس کا جواب

روایاتِ اہل بیتؑ میں وارد ہے کہ اسم اعظم کے کل ۷۳ حرف ہیں۔ جناب آصف بن برخیا کے پاس صرف ایک حرف تھا کسی نبی کے پاس دو حرف، کسی کے پاس چار کسی کے پاس پانچ، کسی کے پاس ۱۵ کسی کے پاس پچیس تھے۔ جناب رسولِ خدا اور ائمہ ہدیٰ کے پاس اس کے ۷۲ حرف موجود ہیں۔ صرف ایک حرف خدا نے اپنے لئے مخصوص رکھا ہے جناب آصف کے پاس صرف ایک حرف تھا۔ تو انہوں نے دو ماہ کی مسافت سے چشم زدن میں تختِ بلقیس کو دربارِ حضرت سلیمان میں حاضر کر دیا تھا تو پھر ائمہ علیہم السلام کے کمالات کا کون اندازہ کر سکتا ہے جن کے پاس ۷۲ اسم اعظم موجود ہوں۔ اس شبہ کا جواب بھی ظاہر ہے یہ کس نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ ائمہ اہل بیتؑ کے فضائل و کمالات کا احاطہ کر سکتا ہے۔ مگر اسم اعظم والی روایات سے یہ تو ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ کہ معجزہ نمائی کی قوت و قدرت خدا نے معجزہ نما کی خلقت میں ودیعت فرما دی ہے۔ اور اب وہ اسی قوت و قدرت سے باختیار خود اعجاز نمائی کرتے ہیں۔ بلکہ روایات سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اسم اعظم کے ذریعہ بارگاہ احدیت میں دعا کرتے ہیں۔ اور پھر اس دعا کے نتیجہ میں خداوند عالم ان کے ہاتھوں پر عجائب و غرائب ظاہر کرتا ہے۔ اس سے تو ہمارے موقف کی تائید مزید ہوتی ہے۔ چنانچہ بصائر الدرجات ص۵۹ طبع قدیم و جدید ص۲۱ پر ایک پورے باب کا عنوان ہی یہ ہے: "باب فی الامام علیہ السلام ان عندہ اسم اللہ الاعظم الذی اذا سأل بہ اجیب" یعنی امام کے پاس خدا کا وہ اسم اعظم ہوتا ہے کہ جب اس کے ذریعہ دعا کرتے ہیں تو وہ قبول ہو جاتی ہے۔

اسی طرح بحار جلد ۷ ص ۱۵ پر ایک مستقل باب موجود ہے جس کا عنوان ہے "ان عندھم الاسم الاعظم وبہ تظھر عنھم الغرائب" یعنی ائمہ اطہار کے پاس اسم اعظم موجود ہے۔ اور اسی کے ذریعہ ان سے عجائب وغرائب ظاہر ہوتے ہیں۔ ان ابواب میں اس قسم کی متعدد روایات اہلبیتؑ موجود ہیں۔ اسی مطلب کی تائید مزید بحار الانوار کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں مذکور ہے۔ کہ حضرت امام محمد باقرؑ کے معجزات دیکھ کر ایک اعرابی نے کہا۔ ما رأیت ساحراً کالیوم۔ میں نے جیسا جادوگر آج دیکھا ہے۔ ایسا کبھی نہیں دیکھا۔ یہ سن کر امام عالی مقام نے فرمایا یا اعرابی لا تکذبن علینا اھل البیت فانہ لیس منا ساحر ولا کاھن ولکن علمنا اسماء من اسماء اللہ تعالیٰ نسئلنا بھا فنعطی وندعو فنجاب۔ اے اعرابی ہم اہلبیتؑ پر جھوٹ نہ بولو کیونکہ ہم میں نہ کوئی جادوگر ہے۔ اور نہ کوئی کاہن ہمیں خدا تعالیٰ کے اسماء میں سے کچھ ایسے اسماء تعلیم دیئے گئے ہیں۔ کہ جب ان کے ذریعہ ہم جو کچھ دربارگاہ قدرت سے طلب کرتے ہیں۔ تو ہمیں مل جاتا ہے اور جو دعا کرتے ہیں۔ وہ مستجاب ہو جاتی ہے۔" (بحار ج ۱۱ ص ۲۲)

اسی طرح اصول کافی کی روایت میں وارد ہے۔ کہ جناب آصفؑ کے پاس ایک حرف تھا فتکلم بہ۔ انہوں نے جب اسے پڑھا تو آخر میں امام علیہ السلام اپنے متعلق ۷۲ حرف ثابت کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ اس کی شرح میں علامہ مجلسی مرآۃ العقول ج ۱ ص ۱۲۱ پر لکھتے ہیں "ای وقوع جمیع ھذہ الامور بحول اللہ وقوتہ لا بحول وقوۃ العباد" یعنی ان امور کا واقع ہونا خدا کی قدرت کاملہ کے تحت ہوتا ہے نہ کہ بندوں کی طاقت سے۔" بصائر الدرجات ص ۶۰ (طبع جدید ص ۲۱۱) پر بروایت ابی بصیر امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے فرمایا" کان سلیمان عندہ اسم اللہ الاکبر اذا سئلہ اعطی واذا دعا بہ اجاب ولو کان الیوم لاحتاج الینا" جناب سلیمانؑ کے پاس اسم اعظم تھا۔ اس کے ذریعہ جب خدا سے کچھ طلب کرتے تو وہ ان کو عطا کر دیتا تھا۔ جب کوئی دعا کرتے تو وہ اُسے مستجاب فرماتا۔ لیکن آج اگر سلیمانؑ ہوتے تو وہ ہمارے محتاج ہوتے۔"

معلوم ہوا کہ اسم اعظم کے ذریعہ صرف دعا کی جاتی ہے جسے مستجاب بہر حال خداوند عالم ہی فرماتا ہے۔ اسی بیان حق ترجمان سے آیت مبارکہ ولو ان قرآنا سیرت بہ الجبال او قطعت بہ الارض الایۃ کے ساتھ تمسک کا جواب باصواب بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ وارثان علم قرآن جب آیات قرآنیہ کو پڑھ کر دعا کرتے ہیں تو قادر مطلق ان کے حسب منشا تمام امور کو انجام دے دیتا ہے۔ بل للہ الامر جمیعاً تمام امور کی باگ خدا ہی کے قبضۂ قدرت میں ہے بل عباد مکرمون لا یسبقونہ بالقول وھم بامرہ یعملون۔

چھٹا شبہ اور اُس کا جواب

اگر تسلیم کر لیا جائے کہ معجزہ نمائی کی مستقل قدرت وطاقت خدا نے انبیاءؑ و ائمہ کو عطا نہیں فرمائی۔ بلکہ صرف بوقت ضرورت ان امور کا اظہار ان

بزرگواروں کے ہاتھوں پر کر دیتا ہے تو پھر اس میں ان کی فضیلت کیا ہے؟ اس شبہ کے دو جواب دیئے جا سکتے ہیں۔ ایک الزامی کہ باوجودیکہ دین کے معاملہ میں پیغمبر اسلام اس قدر پابند حکم خدا ہیں۔ کہ جب تک وحی الٰہی نہ ہو ایک حرف بھی اپنی خواہش سے لب پر نہیں لاتے۔ (وما ینطق عن الھوٰی) اور ان کی عترت طاہرہؑ اس قدر مشیت ایزدی کے تابع ہے کہ اس کی مرضی و منشاء کے بغیر دل میں کوئی ارادہ بھی نہیں کرتے تو جو فضیلت آنحضرتؐ کو اس نبوت و رسالت میں اور ائمہ اہل بیتؑ کو وصایت و امامت میں ہے وہی ان کے ہاتھوں پر ظہور معجزہ میں ہے۔ اور حلّی جواب یہ ہے کہ تمام کائنات کو نظر انداز کرکے خدائے حکیم و علیم کا اظہار معجزہ کے لئے صرف انبیاءؑ و اوصیاءؑ کو ہی منتخب کرنا ان بزرگواروں کی بڑی عظیم فضیلت ہے آخر اس انتخاب کے لئے بھی تو کوئی مرجح ضروری ہے۔ ورنہ ترجیح بلا مرجح۔ یا ترجیح مرجوح بر راجح لازم آئے گی۔ اور یہ عند العقلاء باطل ہے اور وہ ان کے علمی و عملی کمالات ہیں۔ ورنہ من و شما کے ہاتھوں پر کیوں ظاہر نہیں ہوتا۔ کیا یہ ان کی تھوڑی عظمت و جلالت ہے کہ جب بھی کسی کام کا ارادہ فرمائیں اور خدا سے دعا کریں۔ تو حسب منشاء فوراً وہ کام انجام پذیر ہو جاتا ہے۔ لا یرید اللہ مشیتھم ولکن ما یشاؤن الا ان یشاء اللہ لان قلوبھم اوعیۃ مشیۃ اللہ اذا شاء اللہ شاء (ارشاد امام زمانؑ)

ساتواں شبہ اور اس کا جواب

اس مقام پر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر معجزہ میں منکرین کی استدعا اور معجز نما کی دعا ضروری ہے۔ تو پھر آنحضرتؐ کی ولادت کے وقت بحیرہ ساوہ کا خشک ہونا قصر کسریٰ کے کنگرے ٹوٹنے، آتش کدۂ فارس کے گل ہونے و امثال ذلک میں کس کی استدعا اور کس کی دعا تھی؟ اس شبہ کا جواب بالکل واضح ہے کہ یہ شبہ اصطلاح علماء متکلمین سے عدم واقفیت پر مبنی ہے۔ ورنہ اہل علم حضرات جانتے ہیں کہ اس قسم کے خارق عادت امور جو کسی نبیؐ یا امامؑ سے اعلان نبوت یا امامت سے قبل ظاہر ہوں ان کو اصطلاح میں معجزہ نہیں بلکہ "ارہاص" کہا جاتا ہے جس میں معجزہ والے شرائط کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ اگر کبھی کبھار اس پر معجزہ کا اطلاق ہوا ہے تو وہ "من باب المجاز" ہے۔ (ملاحظہ ہو تجرید محقق طوسیؒ و شرح تجرید علامہ حلی قدس سرہ ص۲۲ اور حق الیقین از علامہ سید عبداللہ شبرؒ ج۱ ص— وغیرہ) علاوہ بریں یہ بھی واضح ہے کہ یہ کام بھی انجام خدائے رحمٰن ہی دیتا ہے نہ نبیؐ و امامؑ کما لا یخفیٰ علیٰ اولی الافہام۔

آٹھواں شبہ اور اس کا جواب

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شرح تجرید میں شرائط معجزہ کے سلسلہ میں لکھا ہے الثانی ان یکون من قبل اللہ تعالیٰ او بامرہ یعنی معجزہ کی دوسری شرط یہ ہے کہ وہ منجانب اللہ ہو۔ یا اس کے حکم سے ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معجزہ نبیؐ و امامؑ کا فعل ہوتا ہے جسے وہ بامر اللہ انجام دیتے ہیں۔ اس شبہ کا جواب بھی واضح ہے۔ کہ دراصل یہ شرح تجرید کی عبارت کے صحیح مفہوم کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔ اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ معجزہ بہرحال ہے تو فعل خدا۔ مگر اس کا ظہور دو طرح ہوتا ہے کبھی تو بغیر ظاہری

امر و حکم اس کا ظہور ہوتا ہے جیسے شق القمر و احیاء موتیٰ و ابصار اعمیٰ وغیرہ اور کبھی اس کا ظہور و امر و حکم ایزدی کے تحت ہوتا ہے جیسے قلنا یا نار کونی بردا (وہم نے آتش نمرودی کو حکم دیا کہ ٹھنڈی ہو جا) چنانچہ ہدایت الموحدین ص ۲۳ طبع ایران کے فاضل مصنف نے اس عبارت کا یہی مطلب بیان کیا ہے۔ ان کی اصل عبارت یہ ہے: "معجزہ باید از فعل خدا تعالیٰ باشد مثل احیاء موتیٰ و ابصار اعمیٰ وغیر آن یا جاری مجرای فعل باشد مثل اینکہ بامر او باشد چنانچہ فرمودہ است قلنا یا نار کونی بردا و سلاما علی ابراھیم" یعنی چاہئے کہ معجزہ یا تو فعل خدا ہو جیسے مردہ کا زندہ کرنا۔ اندھے کو بینا بنانا یا اس کے فعل کے قائم مقام ہو۔ یعنی اس کے امر سے واقع ہو جیسے اس کا یہ ارشاد کہ ہم نے آگ کو حکم دیا کہ حضرت ابراہیمؑ کے لئے سرد اور باعث سلامتی ہو جا۔" اس سے یہ حقیقت واضح و آشکار ہو گئی۔ کہ بہر صورت معجزہ فعل خدا ہی ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ ایک معجزہ تو فعل ہے۔ دوسرا قول۔ قائل بھی خدا ہے اور فاعل بھی خدا۔ یہ ہے اس عبارت کا صحیح مفہوم۔ شرح تجرید سے جو مطلب ان حضرات نے اخذ کیا ہے۔ وہ سوء فہم کی دلیل ہے سچ ہے ع وکم من عائب قولا صحیحا ۔ وآفتہ من الفہم السقیم۔ افحکم الجاھلیۃ یبغون ومن احسن من اللہ حکما لقوم یوقنون؛ ھذہ سبیلی ادعوا الی اللہ علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی وسبحان اللہ وما انا من المشرکین۔

معجزہ کا فعل خدا ہونا عقل سلیم کی روشنی میں

عقل سلیم بھی یہی فیصلہ کرتی ہے کہ معجزہ کا حقیقی فاعل خداوند عالم ہی ہو سکتا ہے۔ اس کی وجوہ درج ذیل ہیں (۱) معجزہ کی حقیقت میں یہ بات داخل ہے کہ وہ خارق عادت اور انسانی طاقت و قدرت سے بالاتر ہو جیسا کہ ابتداء میں اس کی تعریف میں یہ بات واضح کی جا چکی ہے۔ ظاہر ہے کہ نبی و امام بھی انسان کامل ہی ہیں جیسا کہ پہلے باب میں یہ مطلب دلائل قاطعہ سے ثابت کیا جا چکا ہے۔ لہٰذا اگر نبی و امام خود انجام دے سکیں تو معجزہ معجزہ ہی نہ رہے گا (وہذا خلف) (۲) معجزہ کی غرض و غایت چونکہ تصدیق نبوت و امامت ہوتی ہے تاکہ جب لوگ ان کو خدا کا مقرر کردہ نبی و امام تسلیم کریں۔ تو یہ بزرگوار ان کو درس توحید دے سکیں۔ اس لئے عقل سلیم کہتی ہے کہ معجزہ کو فعل خدا ہی ہونا چاہیئے ورنہ معجزہ کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا کیونکہ اگر معجزہ نبی و امام کا ہی فعل ہو تو پھر لوگ معجز نماؤں کو خالق و رازق سمجھ کر شرک کے گہرے سمندر میں گر جائیں گے اور اس طرح اپنے دین و دنیا کو برباد کر بیٹھیں گے۔

(۳) معجزات کا تعلق بالعموم امور تکوینیہ سے ہوتا ہے اور تیسرے باب میں ناقابل تردید دلائل و براہین سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ ان امور کی بست و کشاد اور باگ ڈور قبضۂ قدرت میں ہے۔ اس لئے ان کی انجام دہی کسی بھی مخلوق کے سپرد نہیں فرمائی۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ معجزات اسی خالق و مطلق کا فعل ہیں جس کے قبضۂ قدرت میں ساری کائنات کی بادشاہی ہے۔ تبارک الذی بیدہ الملک وھو علیٰ کل شئی قدیر۔

چھٹا باب

(سرکار محمد و آلِ محمد علیہم السلام کے ہر وقت ہر جگہ حاضر و ناظر نہ ہونے کا بیان)

یہ امر بھی زمانہ کی بوقلمونی اور کج رفتاری کا ایک بیّن ثبوت ہے۔ کہ آج بعض ایسے مسائل پر بھی بحث آرائی و طبع آزمائی کا سلسلہ جاری و ساری ہے۔ جو ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک محالات عقلیہ سے سمجھے جاتے تھے جیسے (شریک باری، اجتماع ضدین) وغیرہ عقلاً محال و ممتنع ہیں۔ جن کو معجز نما طاقت بھی بنا کر معرضِ وجود میں نہیں لا سکتی، منجملہ انہی محالات عقلیہ کے ایک یہ بھی ہے۔ کہ ایک جسم ایک آن میں ایک سے زائد جگہ پر موجود ہو۔ اگرچہ یہ امر ایسا بدیہی اور بیّن الثبوت ہے کہ کوئی بھی صحیح الدماغ اس کے محال عقلی ہونے میں کلام نہیں کر سکتا۔

یہ صرف خداوند عالم کی شان ہے کہ بوجہ جسم و جسمانیات سے منزہ ہونے کے علمی و احاطی طور پر ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔ ورنہ کوئی بھی مخلوق خواہ لطیف ہو یا کثیف ایک وقت میں ایک ہی جگہ متصور ہو سکتی ہے۔ امام جعفر صادقؑ ابن ابی العوجا کے اس سوال "کہ اگر خدا آسمان میں ہے تو زمین میں کیونکر ہے۔ اور اگر زمین میں ہے۔ تو آسمان میں کیونکر ہو سکتا ہے؟" کے جواب میں فرماتے ہیں "انما وصفت المخلوق الذی اذا انتقل عن مکان اشتغل بہ مکان وخلا منہ مکان الخ" تم نے مخلوق کی صفت بیان کی ہے۔ کیونکہ مخلوق کی یہ صفت ہے کہ جب ایک جگہ سے منتقل ہو جائے تو ایک جگہ اس سے خالی ہو جاتی ہے۔ اور دوسری جگہ پُر۔ (الدمعۃ الساکبہ ص۵۱۹ کذا فی علل الشرائع و منہاج البراعۃ وغیرہا) لہٰذا کسی بھی مخلوق کے لئے بیک وقت ایک سے زائد جگہ پر موجود ہونا اور اسے پُر کرنا اس طرح عقلاً محال ہے۔ کہ اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ مگر نیرنگیٔ روزگار و روشِ دہر غدار ہمیں توضیح واضحات و تشریح بدیہیات پر مجبور کرتی ہے۔ اس لئے اس باب میں قرآنِ کریم، احادیث معصومین، اتفاق علمائے کاملین اور عقلِ سلیم کی روشنی میں اس موضوع پر تنقید و تبصرہ کیا جاتا ہے۔ واللہ سبحانہ ولی التوفیق۔

حاضر اور ناظر دو الگ موضوع ہیں

عام طور پر خلطِ مبحث سے کام لیا جاتا ہے۔ اور حاضر و ناظر کو ایک موضوع تصور کرکے اور باہم گڈمڈ کرکے گفتگو کی جاتی ہے جس کی وجہ سے بحث نتیجہ خیز ثابت نہیں ہو سکتی۔ حالانکہ عند التحقیق معلوم ہوتا ہے کہ حاضر اور ناظر دو الگ الگ مستقل موضوع

ہیں۔ پہلے موضوع کا تعلق بدن وجسم کے ساتھ ہے۔ اور دوسرے کا علم وادراک کے ساتھ۔ اس لئے ہم ان دونوں موضوعات پر علیحدہ علیحدہ تبصرہ کرتے ہیں :

محلِ نزاع کی تعیین

اس مقصد پر دلائل پیش کرنے سے قبل محل نزاع کی تعیین ضروری ہے۔ اس امر کے منقح نہ ہونے کی وجہ سے کئی لوگ اشتباہ میں مبتلا ہیں۔ اکثر لوگ تو حاضر کا مفہوم یہ سمجھتے ہیں۔ کہ یہ بزرگوار آن واحد میں جس دوسرے دور تر مقام پر حاضر ہونا چاہیں فوراً حاضر ہو سکتے ہیں۔ اگر یہ بات ہے تو ہم کہتے ہیں کہ عام دور مقامات کا کیا ذکر یہ تو وہ ذواتِ مقدسہ ہیں کہ اگر چاہیں تو چشم زدن میں بارہ ہزار عوالم امکانیہ کی سیر کرکے واپس اپنے مقام پر پہنچ سکتے ہیں۔ (بحار ج ۶، ص ۳۴۳) مگر اس امر کو محل نزاع سے کوئی تعلق نہیں ہے یہ تو سرعتِ سیر سے متعلق ہے۔ وھو شئی اخر۔ اسی طرح اجسامِ مثالیہ کے ساتھ آن واحد میں امکنۂ متعددہ میں حاضر ہو سکنے میں بھی کوئی اختلاف نہیں۔ ہاں البتہ جو چیز محل بحث ہے وہ یہ ہے کہ آیا یہ بزرگوار اپنے جسم اصلی کے ساتھ ایک ہی وقت میں ایک سے زائد جگہ پر موجود ہو سکتے ہیں۔ مثلاً آنحضرتؐ اپنے اصلی جسمِ مقدس کے ساتھ جس وقت مکہ میں تشریف رکھتے ہوں۔ اُسی وقت مدینہ میں بھی تشریف فرما ہوں۔ اور بالکل اسی لمحہ عرش پر بھی اور اُسی ساعت فرش پر بھی موجود ہوں۔ بلکہ اسی آن میں کائنات کی ہر ہر جگہ حاضر ہوں۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ بات اس طرح عقلاً محال وناممکن ہے۔ کہ عقل انسانی اس کا تصور کرنے سے بھی قاصر ہے۔ اس پر ذیل میں بطور تنبیہ خوابِ غفلت میں سوئے ہوئے لوگوں کو بیدار کرنے کے لئے چند اشارات پیش کئے جاتے ہیں :

حاضر ہونے کی نفی قرآن کریم کی روشنی میں

قرآن مجید میں ایسی بکثرت آیاتِ مقدسہ موجود ہیں۔ جن سے آنحضرتؐ کی ہر زمان وہر مکان میں حاضر وموجود ہونے کی نفی ہوتی ہے۔ بطور نمونہ چند آیات مبارکہ پیش کی جاتی ہیں :-

(۱) وما کنت لدیھم اذ یلقون اقلامھم ایھم یکفل مریم وما کنت لدیھم اذ یختصمون (پ ۳ س آل عمران ع ۱۳) (اے رسولؐ) تم تو اُن (سرپرستان مریمؑ) کے پاس موجود نہ تھے۔ جب وہ لوگ اپنا اپنا قلم (دریا میں بطور قرعہ کے) ڈال رہے تھے۔ (دیکھیں) کون مریمؑ کا کفیل بنتا ہے۔ اور نہ تم اُس وقت اُن کے پاس موجود تھے۔ جب وہ لوگ آپس میں جھگڑ رہے تھے۔

(۲) وما کنت لدیھم اذ اجمعوا امرھم وھم یمکرون (پ ۱۳ س یوسف ع ۵) جس وقت یوسفؑ کے بھائی باہم اپنے کام کا مشورہ کر رہے تھے۔ اور (ہلاک کی) تدبیریں کر رہے تھے۔ تم ان کے پاس موجود نہ تھے۔"

(۳) وما کنت بجانب الغربی اذ قضینا الی موسی الامر وما کنت من الشاھدین (پ ۲۰ س قصص ع ۸) اور (اے رسولؐ) جس وقت ہم نے موسیٰؑ کے پاس اپنا حکم بھیجا تھا۔ تو تم (طور کے) مغربی جانب موجود نہ تھے۔ اور نہ تم

ان واقعات کے بچشم دید دیکھنے والوں سے تھے۔

(۴) وما کنت ثاویاً فی اھل مدین تتلوا علیھم ایاتنا ولکنا مرسلین۔" اور نہ تم مدین کے لوگوں میں رہے تھے کہ ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھتے (اور تم کو ان کے حالات معلوم ہوتے) مگر ہم تو (تم کو) پیغمبر بنا کر بھیجنے والے تھے۔"

(۵) وما کنت بجانب الطور اذ نادینا ولکن رحمۃً من ربک لتنذر قوماً ما اتاھم من نذیر من قبلک لعلھم یتذکرون (پ ۲۰ س قصص ع ۸) "اور نہ تم طور کی کسی جانب اس وقت موجود تھے۔ جب ہم نے (موسیٰؑ کو) آواز دی تھی۔ (تاکہ تم دیکھتے) مگر یہ تمہارے پروردگار کی مہربانی ہے۔ تاکہ تم ان لوگوں کو جن کے پاس تم سے پہلے کوئی ڈرانے والا آیا ہی نہیں۔ ڈراؤ۔ (ترجمہ فرمان)

ان آیات مبارکہ سے بعبارۃ النص یہ بات روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہو جاتی ہے۔ کہ جب یہ اتفاقات رونما ہوئے۔ اس وقت جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں حاضر نہ تھے۔ جب سردار اہلبیتؑ کے حاضر ہونے کی نفی کردی گئی۔ تو پھر ائمہ اہل بیتؑ کے حاضر ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

تبصرہ ان آیات مبارکہ سے بعض جوابی کتب میں یہ کہہ کر خلاصی کرانے کی کوشش کی گئی ہے کہ ان سے وجود کی نفی ہوتی ہے نہ رویت کی۔" اس کے متعلق پہلی گفتنی بات تو یہ ہے کہ یہاں بحث ہی تو جسمانی حضور و وجود کی ہے اور جب یہ تسلیم کر لیا گیا کہ ان آیات سے حضور و وجود کی نفی ہوتی ہے تو پھر بحث ہی ختم ہو گئی۔

دوسری بات یہ ہے کہ جہاں تک نفی رویت کا تعلق ہے گو ہم اس موضوع پر مکمل تبصرہ تو ناظر کی بحث میں کریں گے۔ مگر سردست اتنا سن لیں۔ کہ خلاق عالم ارشاد فرماتا ہے تلک من انباء الغیب نوحیھا الیک ما کنت تعلمھا انت ولا قومک من قبل ھذا (پ ۱۲ س ہود ع ۴) "یہ غیب کی چند خبریں ہیں جن کو ہم تمہاری طرف وحی کے ذریعہ پہنچاتے ہیں۔ اس کے قبل نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہاری قوم ہی جانتی تھی۔) (ترجمہ فرمان) اب یہ امر محتاج بیان نہیں۔ کہ علم کی نفی رویت کی نفی کو مستلزم ہے۔"

(۶) ما یکون من نجویٰ ثلاثۃ الا ھو رابعھم ولا خمسۃ الا ھو سادسھم ولا ادنیٰ من ذالک ولا اکثر الا ھو معھم اینما کانوا" (پ ۲۸ س مجادلہ ع ۱) جب تین (آدمیوں) کا مشورہ ہوتا ہے تو وہ (خدا) ان کا ضرور چوتھا ہے۔ اور جب پانچ کا (مشورہ) ہوتا ہے تو وہ ان کا چھٹا ہے۔ اور اس سے کم ہوں یا زیادہ۔ اور خواہ جہاں کہیں ہوں۔ وہ ان کے ساتھ ضرور ہوتا ہے۔

(۷) ونحن اقرب الیہ من حبل الورید۔ (پ ۲۶ س ق ع ۱) اور ہم تو اس کی شہ رگ حیات سے بھی زیادہ قریب ہیں۔" (ترجمہ فرمان)

(۸) وکان اللہ علیٰ کل شیءٍ رقیباً (پ ۲۲ س احزاب ع ۶) اور خدا تو ہر چیز کا نگراں ہے۔"

ان آیات وافی ہدایات کو پیشِ نظر رکھنے سے یہ امر اظہر من الشمس ہو جاتا ہے۔ کہ ہر جگہ (علمی طور پر) حاضر و موجود ہونا خداوند عالم کی ذات سے مخصوص ہے (لیس کمثلہ شیء)

(۹) وما تکون فی شأنٍ وما تتلوا منہ من قرآن ولا تعملون من عمل الا کنا علیکم شہوداً اذ تفیضون فیہ (پ ۱۱ س یونس ع ۲) اور (اے رسولؐ) تم چاہے کسی حال میں ہو اور قرآن کی کوئی سی بھی آیت تلاوت کرتے ہو۔ اور (لوگو) تم کوئی سا بھی عمل کر رہے ہو ہم (ہمہ وقت) جب تم اس کام میں مشغول ہوتے ہو تم کو دیکھتے رہتے ہیں۔"

حاضر ہونے کی نفی احادیث معصومینؑ کی روشنی میں

اس قسم کی متعدد و متنوع ادعیہ و احادیث معصومینؑ موجود ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر وقت ہر آن ہر جگہ موجود ہونا خداوند عالم کی ذات کے ساتھ مختص ہے۔ اور کوئی اس صفت میں اس کا شریک نہیں ہے۔ بطور نمونہ چند ادعیہ و احادیث پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) فرماتے ہیں انادیک یا موجوداً فی کل مکان۔ میں تجھے پکارتا ہوں۔ اے وہ خدا جو ہر مکان میں (علمی و احاطی طور پر) موجود ہے۔" ( )

(۲) شب عرفہ کی دعا میں وارد ہے۔ "اللّٰھم یا شاھد کل نجوی وموضع کل شکوی الخ۔ اے وہ خدا جو ہر سرگوشی کے مقام پر حاضر اور ہر شکوہ و شکایت کا محل ہے۔" (مفاتیح ص ۲۵۳)

(۳) دعائے یستشیر میں وارد ہے۔" انت یا رب موضع کل شکوی وحاضر کل ملأ وشاھد کل نجوی الخ اے پروردگار تو ہی ہر شکایت کی جگہ۔ تو ہی ہر گروہ کے پاس حاضر اور تو ہی ہر سرگوشی کے مقام پر موجود ہے۔ (مفاتیح ص ۹۰)

(۴) دعائے جوشن کبیر میں وارد ہے۔ یا من ھو قریب غیر بعید یا من ھو علی کل شیء شھید الخ" اے وہ خدا جو قریب ہے نہ بعید، اے وہ خدا جو ہر چیز پر حاضر ہے۔" (مفاتیح ص ۹۶)

(۵) حضرت امام زین العابدین علیہ السلام اپنی دعائے تسبیح میں فرماتے ہیں۔ سبحانک انت شاھد کل نجوی سبحانک موضع کل شکوی سبحانک حاضر کل ملأ۔ (صحیفہ سجادیہ ص ۲۱۱)

(۶) اس مضمون کی متعدد روایات موجود ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ ان للہ ملائکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی عن امتی السلام۔ یعنی خدا کے کچھ ایسے فرشتے ہیں۔ جو ہر وقت زمین میں سیر و سیاحت کرتے رہتے ہیں۔ اور میری امت کا سلام مجھ تک پہنچاتے ہیں۔" کئی روایات میں یہ الفاظ وارد ہیں عن

سلّم علیّ فی شیئٍ من الارض ، بلغتہ ، ومن سلّم علیّ عند القبر سمعتہ ۔ یعنی جو شخص زمین کے کسی حصہ میں (دور سے) مجھ پر سلام کرے وہ مجھ تک (بتوسط ملائکہ) پہنچایا جاتا ہے۔ اور جو میری قبر کے نزدیک مجھ پر سلام کرے اسے میں خود سن لیتا ہوں ۔ (وسائل الشیعہ ج ۲ ص ۳۶۹ باب زیارۃ النبی ولو من بعید)" اگر آنحضرتؐ ہر جگہ موجود ہوتے۔ تو پھر ہر شخص کا سلام خود ہی سماعت فرمالیتے۔ اور یہ دور و نزدیک کی تفریق نہ ہوتی کہ دُور والوں کا سلام فرشتے پہنچاتے ہیں۔ اور نزدیک والوں کا خود سنتے ہیں ۔ وہذا اوضح من ان یخفیٰ۔

(۷) جناب امیر علیہ السلام فرماتے ہیں۔ لا تدرکہ العیون بمشاہدۃ العیان ولکن تدرکہ القلوب بحقائق الایمان قریب من الاشیاء غیر ملامس بعید منہا غیر مباین الخ (نہج البلاغہ مصری ج ۲ ص ۱۲۰ ترجمہ اردو ص ۵۶۱) خدا کو یہ آنکھیں آشکارا دیکھ نہیں سکتیں۔ لیکن قلوب بحقائق ایمان کے وسیلہ سے اس کا ادراک کر لیتے ہیں۔ "وہ ہر چیز کے نزدیک ہے لیکن اسے چھوا نہیں جاسکتا وہ ہر چیز سے دُور ہے لیکن جدا نہیں ہے"

(۸) نیز آنجناب ایک خطبہ میں خدا کی توحید بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں "لم یحلل منہ مکان فیدرک باینیتہ الخ (کتاب التوحید للشیخ صدوقؒ ص ۵۱) کوئی مکان خدا سے خالی نہیں ہے تاکہ اس کا ادراک کسی خاص مکان کی وجہ سے کیا جائے"۔

(۹) جناب امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں۔ نائی فی قربہ وقریب فی نأیہ فہو فی بعدہ قریب وفی قربہ بعید الخ (کتاب التوحید ص ۴۴) خدا وہ ہے جو باوجود قرب (علمی) کے (جسمانی طور پر) دور ہے اور باوجود (جسمانی) دوری کے (علمی و احاطی طور پر) نزدیک ہے"۔

(۱۰) دعائے زیارت امام العصرؑ (جو کہ نماز صبح کے بعد پڑھی جاتی ہے) میں وارد ہے اَللّٰھُمَّ بلّغ مولای صاحب الزّمان صلوات اللہ علیہ عن جمیع المؤمنین والمؤمنات فی مشارق الارض ومغاربہا وعن والدیّ وولدی وعنّی من الصلوات الخ" بار الٰہا! جناب صاحب الزمانؑ کی خدمت میں میرے والدین اور میری اولاد نیز تمام مشرق و مغرب کے اہل ایمان کی طرف سے سلام پہنچا (مفاتیح ص ۵۳۲)

(۱۱) دعائے ندبہ میں وارد ہے۔ فبلّغہ منا تحیّۃ وسلاماً الخ یا اللہ! میرے امام زمانؑ تک میرا تحیہ وسلام پہنچا دے (مفاتیح الجنان ص ۵۳۲)

ناظرین والا تمکین۔ غور فرمائیں کہ اگر امام العصر عجل اللہ تعالیٰ فرجہ ہر جگہ حاضر ہیں۔ تو پھر خدائے عالم کی بارگاہ میں یہ درخواست پیش کرنے کی کیا ضرورت ہے کہ وہ ان تک ہمارے سلام پہنچائے؟ معلوم ہوا امام زمانہ حاضر نہیں بلکہ غائب ہیں۔ کس قدر تعجب کا مقام ہے۔ کہ جو بزرگوار اس وقت ولی عصر و امام زمان ہے وہ تو غائب ہے (جنہیں کہا ہی امام غائب جاتا ہے) اور اسی لئے ان کے تعجیل ظہور کی دعائیں کی جاتی ہیں اور

جو بزرگوار ظاہری موت کا ذائقہ چکھ کر دارِ فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف انتقال فرما چکے ہیں وہ ہر وقت ہر جگہ حاضر ہیں؟ ان ھذا لشئ عجاب"

(۱۲) ایک مرتبہ ابن ابی العوجاء (زندیق) نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں اثباتِ صانع کی درخواست کی۔ امامؑ نے وجود باری پر (بطور تنبیہ) دلیل پیش فرمائی۔ ابن ابو العوجاء نے کہا۔ "احلت علی غائب" آپ نے ایک غائب ہستی کا حوالہ دے دیا ہے۔" امام علیہ السلام نے سن کر فرمایا: "ویلک کیف یکون غائباً من ھو مع خلقہ شاھد والیھم اقرب من حبل الورید یسمع کلامھم ویری اشخاصھم ویعلم اسرارھم" افسوس ہے تیرے لئے بھلا وہ کیسے غائب ہو سکتا ہے جو اپنی مخلوق کے پاس حاضر ہے۔ اور ان کی شہ رگِ حیات سے بھی زیادہ ان کے نزدیک ہے۔ وہ ان کے کلام کو سنتا ہے۔ اجسام کو دیکھتا ہے۔ اور ان کے سربستہ رازوں کو جانتا ہے۔" اس پر زندیق نے عرض کیا۔ "اھو فی کل مکان؟" کیا وہ ہر جگہ حاضر ہے؟ (یہ کیونکر ہو سکتا ہے) جب وہ آسمان میں ہوگا تو زمین میں کس طرح ہو سکتا ہے۔ اور جب زمین میں ہوگا تو پھر اُس وقت آسمان میں کس طرح ہو سکتا ہے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: "انما وصفت المخلوق الّذی اذا انتقل عن مکان اشتغل بہ مکان اٰخر وخلا منہ مکان فلا یدری فی المکان الّذی صار الیہ ما یحدث فی المکان الّذی کان فیہ فاما اللہ العظیم الشان الملک الدّیان فلا یخلو منہ مکان ولا یشتغل بہ مکان ولا یکون الی مکان اقرب منہ الی مکان" یہ تو نے مخلوق (و ممکن و جسم) کی صفت بیان کی ہے۔ کہ جب وہ ایک جگہ سے منتقل ہو جائے تو اس سے دوسری جگہ پُر ہو جاتی ہے۔ اور پہلی جگہ خالی ہو جاتی ہے۔ اسے دوسری جگہ منتقل ہونے کے بعد کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ اب پہلی جگہ کیا ہو رہا ہے۔ لیکن خدائے عظیم الشان و بادشاہ و دیان (جزاء دہندہ) ایسا ہے کہ اس سے نہ کوئی جگہ پُر ہے اور نہ کوئی جگہ خالی ہے۔ (کیونکہ وہ جسم و جسمانیات سے منزہ ہے) اور نہ کوئی جگہ بہ نسبت دوسری جگہ کے اس سے زیادہ نزدیک ہے۔ (کیونکہ اس کا علم سب کو یکساں طور پر محیط ہے) (اصول کافی ص۶۹ باب الحرکۃ والانتقال) اس حدیث شریف سے بھی کالشمس فی رابعۃ النہار واضح و آشکار ہوتا ہے کہ ہر آن ہر جگہ حاضر و موجود ہونا صرف خدائے دیان شان ہے۔ ولا یشرکہ فیہ احد من الخلائق۔

حاضر ہونے کی نفی علماء اعلام کے بیان کی روشنی میں

اگرچہ اس سلسلہ میں بہت سے علماء اعلام کا کلام حقائق ترجمان پیش کیا جا سکتا ہے۔ مگر ایک تو اس مسئلہ کی بات وضاحت دوسرے اختصار کے پیش نظر صرف چند اعاظم کے بیانات درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) علامہ جلیل القدر الشیخ محمد بن علی بن شہر آشوب مازندرانی اپنی کتاب متشابہات القرآن ج ۱ ص ۴۱ پر لکھتے ہیں: "والجسم لا یصح ان یکون فی الاماکن الکثیرۃ فی حالۃ واحدۃ" ایک جسم کا ایک ہی وقت

میں متعدد مقامات پر حاضر ہونا صحیح نہیں ہے۔

(۲) علامہ خوئی منہاج البراعہ شرح نہج البلاغہ ج ۲ ص ۲۵۹ پر لکھتے ہیں "یحکم الانسان بان الشخص الواحد لا یتصور ان یکون فی مکانین فی حالۃ واحدۃ وھکذا احکم العقل علی کل شخص الخ یعنی انسان (اپنے وجدان سے) فیصلہ کرتا ہے کہ ایک شخص کے ایک وقت میں دو جگہ ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اور تمام اشخاص کے متعلق عقل کا یہی فیصلہ ہے۔

(۳) ناصر الملت جناب مولانا سید ناصر حسینؒ لکھنوی سے یہ مسئلہ دریافت کیا جاتا ہے "یہ روایت مشہور ہے۔ کہ جناب امیر علیہ السلام نے بوقتِ واحد چالیس جگہ افطار صوم کیا۔ اور جبرئیلؑ نے بھی جناب رسولِ خدا سے عرض کیا کہ خداوند عالم فرماتا ہے۔ علیؑ نے عرش پر افطار کیا ہے۔ صحیح ہے اور پڑھنا اس کا مجالس میں جائز ہے یا نہیں۔ اس لئے کہ یہ روایت علیؑ کے عرش پر تشریف لے جانے کی مستلزم ہے۔" یہ بحرِ ذخار اس سوال کا یہ جواب دیتے ہیں: "یہ روایت کتبِ معتبرہ میں نظرِ قاصر سے نہیں گذری۔ البتہ فاضل جزائری نے اجمالاً اس کا ذکر انوارِ نعمانیہ میں کیا ہے۔ اور امیر المومنینؑ کا عرش پر تشریف لے جانا تو کچھ محلِ اشکال نہیں ہے لیکن جسم واحد ایک زمانہ میں چالیس مقام پر تشریف لے جانا البتہ محالِ عقل ہے ہرچند کہ تعدد اجسام مثالیہ وغیرہ سے تاویل اس مضمون روایت کی ہو سکتی ہے۔ مگر چونکہ اصل وجود اس کا کتبِ معتبرہ میں ثابت نہیں۔ لہٰذا تاویل اس کی ضروری نہیں۔ واللہ العالم۔ ناصر حسین عفی عنہ بقلمہ (ملاحظہ ہو رسالہ الواعظ ص۱۰ کالم ۳ باب المسائل بابت ماہ ذیقعدۃ الحرام ۱۳۴۶ھ جلد ۲ نمبر ۶)

(۴) حضرت علامہ ابوالفضل برقعی اپنے رسالہ شریفہ" درسے از ولایت ص۲۱ طبع تہران میں فرماتے ہیں: "ہر جسم و جوہرے چہ لطیف و چہ غیر لطیف محتاج بحیّز و مکانست و ہر ممکن الوجودے محدود است رسولؐ و امامؑ نیز ہر دو بشر و دارائے روح و بدن و محدود و متحیّز و محتاج بمکانند و در آنِ واحد ممکن نیست در دو مکان باشند چہ رسد بامکنۂ بیشتری پس ایشان مجرد از مکان و حد و مانند خدا نیستند" الخ پس محال است بدن واحد و یا روح واحد کہ یک مکان دارد در تمام امکنہ حاضر باشد در آنِ واحد الخ یعنی ہر جسم و جوہر خواہ لطیف ہو اور خواہ کثیف وہ مکان کا محتاج ہے نیز ہر ممکن الوجود محدود ہے ظاہر ہے کہ نبی و امام بھی بشر اور صاحب روح و بدن ہیں۔ اور محدود و محتاج مکان ہیں اس لئے یہ ممکن ہی نہیں۔ کہ وہ آنِ واحد میں دو مکانوں میں حاضر ہوں تا چہ رسد بامکنۂ کثیرہ۔

(۵) جناب مولانا سید محمد سبطین سرسوی مواعظ حسنہ حصہ دوم ص۲۰۹ طبع دوم موعظہ چہارم میں لکھتے ہیں۔ "شاید اگر وقوعِ واقعہ پر موجود ہو تو وہ اس واقعہ کی شہادت دے سکتا ہے۔ اور ایک وقت میں چند مواقع پر موجود نہیں ہو سکتا۔"

ہم سردست "ناظر" کی بحث نہیں کر رہے بلکہ حاضر میں کلام ہے لیکن اگر کوئی ہستی تمام اشیاء پر حاضر ہو تو بسبب ظاہر

اس کی دو ہی صورتیں متصور ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ یہ جملہ اشیاء اس کے سامنے حاضر ہوں یہ صورت ناممکن ہے۔ مولانا محمد سبطینؒ کی لفظوں میں سنیں۔ فرماتے ہیں "صورتِ اول مشکل بلکہ ناممکن اور خلافِ مشاہدہ ہے کیونکہ نہ تو ہر ایک شخص ہر وقت و ہر حال میں پیغمبرؐ و امامؑ کے سامنے جاتا ہے۔ اور اس کے سامنے ہر عمل کرتا ہے۔ اور نہ دوسری چیزیں اس کے پاس جاتی ہیں" "دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ وہ ذات ہر ہر شے کے پاس موجود و حاضر ہو۔ یہ بھی ناممکن ہے۔ کیوں! مولانا موصوف کی زبانی سنئے" "لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ جسم پیغمبر ایک ہی جگہ ہوتا ہے۔ پھر کس طرح سے وہ تمام اشیاء پر حاضر ہوتا ہے" (مواعظ حسنہ حصہ دوم ص۲۳۰ موعظہ پنجم) الغرض ع

یہ ہی تھے دو حساب سو یوں پاک ہو گئے

جب حضور و شہود کی یہ دونوں شقیں باطل ہیں تو ع

حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں

اس کے بعد مولانا مرحوم نے یہ ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے کہ وہ روح نبوتی و امامتی کی وجہ سے حاضر و ناظر ہوتے ہیں۔ اس پر ہم ناظر کے ذیل میں گفتگو کریں گے انشؔ۔

حاضر ہونے کی نفی عقلِ سلیم کی روشنی میں

اہلِ عقل و خرد جانتے ہیں کہ کسی امر کی اثباتاً یا نفیاً تصدیق کرنے سے پہلے اس امر کا فی الجملہ تصور ضروری ہوتا ہے۔ اس کے بغیر ہرگز تصدیق نہیں ہو سکتی۔ مگر ہم جس فاسد نظریہ کے ابطال پر خامہ فرسائی کر رہے ہیں۔ اس کی کیفیت یہ ہے کہ عقل و خرد جس قدر چاہے زور لگائے اور انسانی علم و دانش جس قدر چاہے بلند پروازی کے دام بچھائے مگر اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ کہ ایک ہی جسم ایک ہی آن میں ایک سے زائد مقام پر کیونکر حاضر ہو سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب تصور ناممکن ہے تو پھر تصدیق کا سوال ہی خارج از بحث ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے بدیہی اور واضح حقائق کے اثبات پر خامہ فرسائی کرتے ہوئے ندامت دامنگیر ہوتی ہے مگر ابتدائے بحث میں عذر خواہی کر دی گئی ہے۔ کہ ہمیں بدقسمتی سے سابقہ ان لوگوں سے پڑا ہے جو "لا یفرقون الھر من البر ولا یمیزون بین المحال والممکن۔ فالی اللہ المشتکی من معشر یعیشون جھالاً و یموتون ضلالاً۔ اس لئے خردمندانِ عالم سے امیدِ کامل ہے کہ بموجب "المجبور معذور" ہمیں اس توضیح واضحات پر معذور تصور کریں گے

بہرحال ان ذواتِ مقدسہ کو ہر وقت ہر جگہ بجسدِ اصلی حاضر سمجھنے والوں کو آخر کچھ تو عقل و ہوش سے کام لینا چاہئے۔ کہ ؎

(۱) اگر آنحضرتؐ ہر جگہ موجود تھے۔ تو یہ مکہ و مدینہ والی زندگی کی تفریق کس بنا پر ہے؟

(۲) اگر پہلے ہی ہر جگہ حاضر تھے۔ تو پھر شبِ ہجرت کے واقعہ کی اصلیت کیا ہے؟

(۳) اسی طرح اگر جناب امیر علیہ السلام ہر جگہ موجود تھے۔ تو پھر شبِ ہجرت بسترِ رسولؐ پر سونے کی حقیقت کیا ہے؛

(۴) اگر ہر جگہ موجود تھے۔ تو مدینہ کی سکونت ترک کرکے کوفہ کو اسلامی دارالخلافت قرار دینے کی ماہیت کیا ہے؛

(۵) اگر امام حسن مجتبیٰؑ ہر جگہ حاضر تھے تو امیر شام سے مصالحت کے بعد مدینہ واپس تشریف لانے کے کیا معنی ہیں؛

(۶) اگر حضرت امام حسینؑ ہر جگہ حاضر تھے تو پھر ۲۸ رجب ۶۰ھ کو مدینہ سے روانہ ہو کر ۳ر شعبان کو مکہ کرمہ پہنچنے اور پھر وہاں چند ماہ قیام کرنے کے بعد ۸ ذی الحجہ کو عراق کی طرف روانہ ہونے اور ہر ہر منزل پر قیام کرنے کے بعد بالآخر ۲ر محرم ۶۱ھ کو کربلا میں وارد ہونے کا کیا مطلب ہے؛

(۷) اگر زین العابدینؑ ہر جگہ حاضر تھے تو پھر شہادتِ امامؑ کے بعد کربلا سے کوفہ، کوفہ سے شام اور پھر زندانِ شام کی صعوبتیں برداشت کرنے کے بعد تباہ حال اسیرانِ آلِ محمد علیہم السلام کے ساتھ واپس مدینہ تشریف لے جانے کا کیا مفہوم ہے؛

(۸) اگر یہ تمام بزرگ ہر جگہ حاضر ہیں تو امام موسیٰ کاظمؑ کو مسجد نبوی سے عین حالتِ نماز میں ہارون عباسی کے آدمیوں کا گرفتار کرکے پہلے کچھ عرصہ زندانِ بصرہ میں رکھنے اور پھر وہاں سے زندان بغداد میں منتقل کرنے حتیٰ کہ بالآخر امام کے زندانِ بغداد میں ہی زہرِ جفا سے جامِ شہادت نوش کرنے کی کیا اصلیت ہے؛

(۹) اگر امام ہر جگہ حاضر ہیں تو پھر امام رضاؑ کا مامون عباسی کے شدید اصرار پر مدینہ سے بغداد تشریف لے جانے اور پھر وہاں سے منازلِ سفر طے کرتے ہوئے طوس پہنچ کر جامِ شہادت نوش کرنے کا کیا ماجرا ہے؛

(۱۰) اگر یہ ذواتِ قادسہ ہر جگہ ہر وقت حاضر ہیں تو پھر امام علی نقیؑ کا متوکل عباسی کے اصرار پر مدینہ سے سامرا تشریف لے جانے اور وہاں شقی کے ظلم و ستم کا نشانہ بن کر بالآخر شربتِ شہادت پینے کی کیا حیثیت ہے؛

تلک عشرۃ کاملۃ ؎

اندکے غمِ دل بتو گفتم و بجاں ترسیدم کہ آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

آخر کچھ تو سوچو۔ عقل و ہوش کا کیوں جنازہ نکالتے ہو۔ اور اس سائنسی ترقی کے علمی دور میں غیروں کو مذہب و اہلِ مذہب کا مذاق اڑانے کا کیوں موقع دیتے ہو۔ ڈرو۔ اُس وقت سے جو آنے والا ہے؛ بہرکیف ان حقائق کی روشنی میں محقق و مبرہن ہوگیا ہے کہ جناب رسولِ خداؐ اور ائمہ ہدیٰؑ کے ہر وقت ہر جگہ جسم اصلی کے ساتھ حاضر ہونے کا نظریہ بالکل خلافِ عقل و نقل و فطرت ہے۔" بعد ازیں ان لوگوں کی عقل و خرد اور علم و فضل کی داد دیجئے جو یہ اعلان کرکے پھولے نہیں سماتے کہ ہم حضرت امیرؑ کو آنِ واحد میں امکنۂ متعددہ میں حاضر و ناظر ہو جانے والا مانتے ہیں۔ اس جگہ ہمیں ۲۰ عدد مدعیانِ علم و فضل کے دستخطوں سے شائع کردہ "حقائق مذہب شیعہ" کے سوال نمبر ۲۰ اور اس کے جواب کو دیکھ کر ان حضرات کی ہوشیاری اور رائے عامہ سے مرعوب ہو کر کھلم کھلا

قبولِ حق سے بیزاری پر بہت تعجب ہوتا ہے پہلے صورتِ سوال توڑ مروڑ کر یوں پیش کی جاتی ہے "کیا آں حضرتؐ اور ائمہؑ ہدیٰ وقتِ واحد میں متعدد مقامات پر جسمِ مثالی سے تشریف لے جا سکتے ہیں۔ یا اس جسم سے نہیں جا سکتے" پہلے تو اس سوال میں ہی بڑی چالاکی سے کام لیا گیا ہے۔ کیونکہ تمام تر بحث بیک وقت جسمِ عنصری واصلی کے ساتھ امکنۂ متعددہ میں حاضر ہونے کے متعلق ہے۔ مگر سوال میں جسمِ مثالی لکھا گیا ہے۔ جو کہ خارج از بحث ہے۔ جیسا کہ اس باب کی ابتداء میں اس کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ بہرحال اس سوال کا متفقہ طور پر جواب اس طرح دیا جاتا ہے "ایسی ہستیوں کے لئے اس سوال کا کیا محل ہے۔ جو شبِ معراج آنِ واحد میں عالمِ امکان کی آخری حد تک جاتے بھی ہیں اور واپس بھی آجاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ آنحضرتؐ کو جسمِ مثالی سے نہیں بلکہ اسی جسم سے خدا نے شرفِ معراج بخشا تھا" الخ (ص۱۲ رسالہ مذکور) بھلا خدا کی اس عجیب الخلقت مخلوق (مولوی صاحبان) سے کوئی یہ پوچھے کہ اصل سوال یہ نہیں کہ آنحضرتؐ معراج پر جسمِ عنصری کے ساتھ تشریف لے گئے تھے۔ یا جسمِ مثالی کے ساتھ۔ کیونکہ یہ امر مذہبِ شیعہ کے مسلمات بلکہ ضروریات میں سے ہے کہ آنحضرتؐ کو بجسدِ عنصری خداوند عالم نے شرفِ معراج بخشا تھا۔ اسی طرح یہ امر بھی خارج از بحث ہے کہ آیا آنِ واحد میں تشریف لے گئے تھے اور واپس آئے تھے یا اس سے کچھ کم و بیش وقت صرف ہوا تھا؟ فرض کیجئے وہ آنِ واحد کے بھی سویں حصہ میں جسدِ عنصری کے ساتھ عالمِ امکان کی آخری حد پر تشریف لے گئے تھے آیا اسی آن (یا آن کے اس سویں حصہ) میں ان کا وہی جسدِ عنصری زمین پر بھی تھا؟ اور اگر یہی جسدِ اطہر پہلے ہی آسمان پر حاضر تھا۔ تو پھر کیوں اور کس جسد سے تشریف لے گئے تھے؟ اور اگر وہ جسدِ اقدس اس وقت زمین پر تھا۔ تو پھر آسمان پر کس جسدِ انور کے ساتھ تشریف لے گئے؟ کیا عقلِ انسانی اس گتھی کو سلجھا سکتی ہے؟ اور کیا اس لاینحل عقدہ کو ناخنِ فکر سے حل کر سکتی ہے؟ بظاہر تو یہ مسئلہ نصاریٰ کی تثلیث والے بیہودہ نظریہ سے بھی زیادہ الجھا ہوا اور خلافِ عقل معلوم ہوتا ہے۔ ع

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے

یہی لاینحل سوالات مذکورہ بالا تمام عقلی دلائل میں پیدا ہوتے ہیں۔ یا اھل العلم تنبھوا ولا تکونوا من الذین یعلمون ویتبعون الذین لا یعلمون وقد قال اللہ سبحانہ ولا تتبعان سبیل الذین لا یعلمون۔ کیونکہ ۔۔۔ ان توکلتم علی اللہ لا یضرکم کیدھم شیئاً۔ الخ بہرکیف ؎

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکمِ اذاں لا الٰہ الا اللہ

ایک تحقیقِ جدید اور اس کا جواب

صاحبِ حقائق الوسائط نے تو ص۲۳ پر یہ کہہ کر کہ "محمد و آلِ محمد علیہم السلام لازمان و لامکان ہیں" اب اس بحث کا خاتمہ ہی کر دیا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ ع قصہ کوتاہ گشت ورنہ دردِ سر بسیار بود

لیکن اس کے ساتھ جب تک ان ذواتِ مقدسہ کو جسم کی قید سے بھی آزاد نہ مانا جائے۔ اس وقت تک بات بنتی ہوئی نظر نہیں آتی۔ کیونکہ ہر جسم کا محتاجِ مکان ہونا ایک بدیہی امر ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ ایسے ہی قید عقل و شریعت سے آزاد روضہ خوانوں کی روش و رفتار سے دل سوختہ ہو کر فاضلِ جلیل علامہ برقعی نے لکھا ہے۔

"عجیب است از زمانِ ما کہ بعضے از مداحان امامؑ را لامکان و عالم بکل شئی میخوانند و این نیست مگر از بدبختی و جہل زیرا لامکان و حضور در کل مکان منحصر است بذاتِ پروردگار و گاہے می گویند امام ہمہ جا حاضر و ناظر و از افکار و خیالات ہمہ مطلع است و حوائج ہمہ را انجام میدہد۔ و چنیں گفتارہا شرک بخدا است و چنیں صفات مختص بذات اوست۔ و اگر امام یا رسول انبائی الضمیر کسے را خبر دادہ بتوسط وحی یا الہام حضرت پروردگار بودہ پس باید بچنیں مداحانِ گمراہ گفت اگر امامؑ ہمہ جا حاضر است شما چرا در دعائے امام زمان می گوئید اللّٰہم بلّغ مولائی صاحب الزمان الخ یعنی خدایا برساں بمولائے ما صاحب الزمان صلوات و سلام مارا و در دعائے ندبہ می گوئید و بلغہ منا تحیۃ و سلاماً یعنی سلام و تحیۃ ما را باو برساں۔ و اگر امام ہمہ جا حاضر و ناظر بود دیگر برساں، نمی خواست الخ" (کتاب عقل و دین ج ا ص۲۷) یعنی ہمیں اپنے (ابنائے) زمانہ سے تعجب ہے۔ کہ آجکل کچھ (غلط) مدح کرنے والے امام کو لامکان اور عالمِ کل قرار دے رہے ہیں۔ اور یہ صرف بدبختی اور جہالت کا نتیجہ ہے ورنہ ظاہر ہے کہ لامکان اور (علمی طور پر) ہر جگہ حاضر ہونا ذاتِ پروردگار میں منحصر ہے اور کبھی یہ کہتے ہیں کہ امام ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔ اور تمام لوگوں کے افکار و خیالات سے آگاہ ہیں۔ اور تمام لوگوں کی حاجتیں بر لاتے ہیں۔ اس قسم کی باتیں شرک بخدا میں داخل ہیں۔ اگر امامؑ یا رسولؐ کبھی لوگوں کو مافی الضمیر سے خبر دیتے بھی ہیں۔ تو یہ بوجہ وحی یا الہام پروردگار ہوتا ہے۔ ایسے گمراہ مادحین سے کہنا چاہئے۔ کہ اگر امام ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں تو تم امام زمانہؑ کی دعا میں یوں کیوں کہتے ہو۔ اَللّٰھُمَّ بلغ مولائی۔ اے اللہ! ہمارے آقا امام زمانؑ کو ہماری طرف سے صلوات و سلام پہنچا۔ اسی طرح دعائے ندبہ میں یہ کیوں کہتے ہو۔ اے اللہ! امام زمانہؑ کو ہمارا تحیہ و سلام پہنچا۔ اگر امامؑ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں تو پھر خدا سے یہ درخواست پیش کرنے کی کیا ضرورت ہے کہ ہمارے سلام ان تک پہنچا۔"

اس سلسلہ میں جس حدیث کے ساتھ تمسک کیا گیا ہے۔ اس کی صحیح توضیح و تشریح کے لئے مرآۃ الانوار مشکوٰۃ الاسرار کا ص۳۰ دیکھیں تاکہ حقیقتِ حال پر اطلاع و آگاہی حاصل ہو۔ (وتلک الاسرار لا یعلمہا الا العلماء الاخیار و نقاد الاخبار)

صداقتِ حق کا زندہ ثبوت

جواہر الاسرار کے مؤلف نے ہر چند حاضر ناظر کے اس محال و ناممکن نظریہ فاسدہ کو بعض مجمل و مرسل اور غیر متعلق آثار سے ثابت کرنے کے لئے اِدھر اُدھر

کچھ ہاتھ پیر مارے ہیں۔ مگر اس کتاب کے ناشر نے ان کی اس کوشش ناتمام پر یہ کہہ کر پانی پھیر دیا۔ کہ "نحن لا نعنی بالحاضر الا الحاضر بالقوۃ لا بالفعل ولا نقول انہم موجودون فی کل مکان باجسام عدیدۃ ولا یخلو منہم مکان حاضر ہونے سے مراد حاضر بالقوۃ ہے نہ کہ بالفعل چنانچہ ہم ہرگز یہ نہیں کہتے کہ وہ متعدد اجسام کے ذریعہ ہر جگہ موجود ہیں اور ان سے کوئی جگہ خالی نہیں۔ البتہ ایسا ہے کہ اگر یہ ذوات مقدسہ کسی جگہ پر چاہیں تو آن واحد میں خدا کی قدرت سے حاضر ہو سکتے ہیں۔ خواہ وہ جگہ ہزاروں میل دور ہو یا نزدیک...... یہاں اصول الشریعہ کے جسد مثالی والے بیان پر چند سطروں میں غلط تنقید کرنے کے بعد جو ان کے مطالب کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے لکھا ہے، "اس لئے کہ ایک شئی کا ایک ہی وقت میں امکنۂ متعددہ پر موجود ہونا عقلاً محال ہے"۔ (حاشیہ جواہر الاسرار ص ۱۹۶) ناشر صاحب نے دوسرے اختلافی مقامات پر بھی اسی طرح کے تائیدی نوٹس لکھے ہیں، مگر اس بندۂ خدا سے کوئی پوچھے کہ اگر اس طرح ہر موضوع پر وضاحتی نوٹ لکھ کر اصول الشریعہ کے مطالب کی تائید ہی کرنا تھی۔ تو پھر کس حکیم نے تمہیں کہا تھا۔ کہ اس کی دوسری کتاب شائع کرو۔ ع کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔

بعض شکوک واوہام کا ازالہ

اگرچہ اس موضوع پر توضیح و اضحات کے طور پر اب تک جو کچھ لکھا گیا ہے وہ خواب غفلت میں سوئی ہوئی دنیا کو بیدار کرنے کے لئے کافی ہے۔ لیکن ممکن ہے اس طرح تنبیہ کرنے سے کوئی گراں خواب اب بھی بیدار نہ ہو اس لئے اسے مزید جھنجھوڑنے کے لئے ذیل میں بعض شکوک واوہام کا ازالہ بھی کیا جاتا ہے تاکہ توضیح مرام میں کوئی کسر باقی نہ رہ جائے۔

پہلا شبہ اور اُس کے جوابات

"آیت مبارکہ وکذلک جعلناکم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا یعنی اسی طرح ہم نے تم کو امت وسط بنایا۔ کہ تم تمام لوگوں پر شہید ہو اور رسول تم پر شہید ہے۔ اُمت وسط سے مراد امام ہیں"۔ پھر شاہد اور شہید کے معنی یہ بیان کئے جاتے ہیں فالشاھد علی الشئی من حضر عندہ صورۃ ذلک الشئی والشھید ھو القوۃ التی یقع بھا الشھود والحضور سواء کانت مفارقۃ او جسمانیۃ یعنی شئی کے لئے شاہد وہ ہے جس کے سامنے اس شئی کی صورت موجود ہو۔ اور شہید وہ قوت ہے جس کے ذریعہ شہود و حضور واقع ہوتا ہے۔ خواہ وہ مجرد ہو یا جسمانی ہو"۔ اس شبہ کے کئی جواب باصواب دے جا سکتے ہیں۔

پہلا جواب

اگر بالفرض لفظ شہید کے وہی معنی ہوتے جن کا ان حضرات نے دعویٰ کیا ہے اور اس سے لامحالہ نبی و امام علیہم السلام یا ذوات مقدسہ کا ہر وقت ہر جگہ حاضر ہونا ثابت بھی ہوتا تب بھی عند المتکلمین مسلّم قانون کی رُو سے اس کی ایسی تاویل کرنا لازم ہوتی۔ کہ محال عقلی کے ساتھ اس کا یہ ظاہری تصادم و اختلاف ختم ہو جائے کیونکہ مسلّمہ قاعدہ یہ ہے کہ جب ایک بات عقلی براہین قاطعہ و شرعی دلائل ساطعہ سے ثابت ہو اور پھر کوئی مجمل و

متشابہ نقلی دلیل بظاہر اس سے متصادم ہو تو اگر وہ نقلی دلیل سندی اعتبار سے ناقابلِ انکار ہوئی۔ تو پھر اس کی کوئی ایسی تاویل کرنا لازم ہوگی جس سے یہ ظاہری منافات ختم ہو جائے مثلاً خدا کا جسم نہ رکھنا عقلاً مسلم و محقق ہے۔ مگر بعض آیات جیسے خلقت بیدی، وجہ ربك، الرحمٰن علی العرش استوٰی وغیرہا سے بظاہر اس کی جسمانیت کا توہم ہوتا ہے۔ اسی لئے ائمہ طاہرینؑ کی مقدس تعلیمات کی روشنی میں علماء مفسرین و متکلمین نے ان کی ایسی جامع تاویلات فرمائی ہیں کہ اس کے بعد یہ عقل و نقل کا ظاہری باہمی تضاد و اختلاف بالکل ختم ہو جاتا ہے۔ تفصیل کے شائقین ہماری کتب احسن الفوائد کی طرف رجوع فرمائیں۔ بنابریں چونکہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ کہ جسمِ واحد کا آنِ واحد میں مقاماتِ متعددہ میں حاضر ہونا عقلاً محال و ناممکن ہے۔ لہٰذا اگر بالفرض اس آیت سے بظاہر یہ مطلب مترشح بھی ہوتا تو اس کی مناسب تاویل کرنا واجب تھی۔ تا کہ عقل و شرع کا یہ اختلاف ختم ہو جائے۔ چہ جائیکہ شہید کے وہ معنی ہی سرے سے غلط ہیں۔ جن پر ان حضرات نے اپنے مفروضہ کی بنا رکھی ہے۔

دوسرا جواب

اس آیہ وافی ہدایہ کا ان لوگوں کے خود ساختہ نظریہ سے کوئی ربط و تعلق نہیں ہے۔ اس کی بقدرِ ضرورت تفصیل یہ ہے کہ یہاں تک اس امر کا تعلق ہے کہ امتِ وسطٰے سے ائمۂ اطہارؑ مراد ہیں۔ یہ بالکل درست ہے۔ اس سے تمام امتِ اسلامیہ کو مراد لینا عقلاً و نقلاً کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔ جب کہ عام افرادِ امت میں مومن و منافق، عادل و فاسق اور صالح و طالح غرضیکہ ہر قماش کے اور ہر قسم کے لوگ موجود ہیں۔ جن میں بعض ایسے بھی ہیں کہ جن کی اس دنیا میں چار پیسے کی چیز پر شرعی نقطۂ نظر سے گواہی قبول نہیں کی جاتی۔ (ان جاءکم فاسق بنباءٍ فتبینوا) تو بروزِ قیامت سابقہ امتوں بلکہ انبیائے ماسلف کی ثبوتوں پر ان کی گواہی کیوں کر قبول کی جاسکتی ہے؛ لیکن جہاں تک لفظِ شہید کے بل بوتے پر ان بزرگواروں کے ہر وقت ہر جگہ حاضر ثابت کرنے کا تعلق ہے یہ امر نہ قرآن سے ثابت ہوتا ہے نہ لغتِ عرب سے۔ نہ ارشاداتِ معصومینؑ سے اور نہ ہی اقوال علماء محققین سے (تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔)

لفظِ شہید کے لغوی معانی کی تحقیق

اربابِ علم و فضل پر مخفی نہیں ہے کہ لفظِ شہید لغتِ عرب میں متعدد معانی میں استعمال ہوا ہے۔ لیکن ان میں سے جو معنی یہاں مناسبت رکھتے ہیں۔ وہ دو ہی ہیں:۔

پہلے معنائے مناسب

ہیں "گواہ" عام اس سے کہ وہ گواہ اصلِ واقعہ پر موجود و حاضر ہو یا نہ ہو بلکہ اس گواہی کے لئے اصلِ واقعہ کے متعلق علم و یقین کا ہونا کافی ہے۔ وہ جس طرح بھی حاصل ہو جائے۔ ان پہلے معنی کی رو سے باعتبارِ لغتِ عرب شاہد و شہید میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ہر دو الفاظ کا مصدر "شہود" اور اسم مصدر "شہادۃ" ہے۔ یہاں مصدر و اسم مصدر نیز ان کے بعض مشتقات کے معانی لغت کی کتب معتبرہ سے درج کئے جاتے ہیں جن سے

شاہد و شہید کا صحیح مفہوم خود بخود واضح ہو جائے گا۔ (۱) قاموس اللغات ج ۱ ص ۳۰۵ طبع مصر پر مرقوم ہے الشّہادۃ خبر قاطع" یعنی شہادت "قطعی و یقینی خبر کا نام ہے" اسی صفحہ پر ذرا آگے چل کر لکھا ہے۔ الشہید وقد تکسر شینہ الشاھد۔ یعنی شہید جسے بعض اوقات شین کے زیر کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے بمعنی شاہد ہے (یعنی قطعی خبر دینے والا) (۲) اسی طرح المنجد ص ۴۰۸ طبع چہارم پر لکھا ہے الشہادۃ خبر قاطع۔ الشہید و الشہید الامین فی شہادتہ الشاھد۔ (مطلب ایک ہی ہے) شہد الشئی کے معنے لکھتے ہیں "اطلع علیہ" یعنی اس شئی پر مطلع ہوا۔" شہد علی کذا کے معنی یہ بیان کئے ہیں "اخبر بہ خبراً قاطعاً" فلاں بات پر شہادت دی یعنی اس کے بارے میں قطعی یقینی خبر دی (۳) لسان العرب ج ۳ ص ۲۳۹/۲۴۲ طبع بیروت پر لکھا ہے۔ الشہادۃ خبر قاطع ص ۲۳۹۔ الشہید الشاھد یعنی شہید بمعنی شاہد ہے چند سطور کے بعد لکھا ہے۔ ویقال للشاھد شہید۔ شاہد کو شہید کہا جاتا ہے پھر ص ۲۴۲ پر ہر دو الفاظ کے ہم معنی ہونے پر بعض آیات و روایات سے استشہاد بھی کیا ہے۔ فراجع

قرآن مجید میں آنحضرتؐ پر ہر دو لفظوں کے اطلاق سے بھی اس امر کی تائید ہوتی ہے۔ انا ارسلناک شاھداً وجئنا بک علی ھؤلاء شہیداً۔

(۴) ریاض السالکین شرح صحیفہ سجادیہ للعلامۃ السید علی خان الشیرازی ص ۲۳ پر لکھا ہے کل من عرف حال شخص فلہ ان یشہد علیہ فان الشہادۃ خبر قاطع یعنی جو شخص بھی کسی شخص کی حالت کی مکمل معرفت رکھتا ہو۔ وہ اس پر شہادت دے سکتا ہے۔ کیونکہ شہادت قطعی خبر کا نام ہے" نیز اسی صفحہ پر لکھا ہے۔ الشہداء جمع شہید فعیل بمعنی فاعل یعنی شہداء شہید کی جمع ہے جو فعیل بمعنی فاعل یعنی شہید بمعنی شاہد ہے"

(۵) لغات القرآن والحدیث کی مشہور کتاب مجمع البحرین ص ۲۴۳ پر لکھا ہے۔ الشہادۃ خبر قاطع۔ اس سے پہلے صفحہ ص ۲۴۲ پر شاہد و شہید کے درمیان معمولی سا معنوی اختلاف بیان کرنے کے بعد ان کا ایک دوسرے پر اطلاق ہوتا تسلیم کیا ہے۔

(۶) مفردات راغب اصفہانی طبع ایران ص ۲۶۹ پر لکھا ہے والشہادۃ قول صادر عن علم حصل بمشاھدۃ بصیرۃ او بصر یعنی شہادت اس قول کا نام ہے جو علم و یقین کی بنا پر صادر ہو۔ یہ علم خواہ بصیرت (باطنی) کے مشاہدہ پر مبنی ہوں۔ اور خواہ بصارت ظاہری پر" پھر لکھا ہے "ویقال شاھد و شہید" شاہد و شہید کہا جاتا ہے" یعنی دونوں لفظ ہم معنی ہیں جو علم و یقین کی بنا پر گواہی دے سکیں۔ (۷) کلیات ابو البقاء طبع بمبئی ص ۱۹۷ پر لکھا ہے "الشہید الشاھد" یعنی شہید کے معنی ہیں شاہد"

ان حقائق لغویہ سے کالشمس فی نصف النہار واضح و آشکار ہو گیا۔ کہ شہادت قطعی و یقینی خبر دینے کا نام ہے۔ خواہ چشم دید حالات پر مبنی ہو اور خواہ معرفت قلبی پر۔ لہٰذا جس شخص کو کسی واقعہ کا یقین حاصل ہو جائے خواہ کسی طریقہ سے ہو وہ اس واقعہ کا شاہد و شہید ہو سکتا ہے۔ چونکہ خداوند عالم اپنے رسولؐ اور ائمہ اہلبیت علیہم السلام

کو بعض مخصوص ذرائع و اسباب سے (جن کی بقدرِ ضرورت تفصیل مسئلۂ ناظر میں بیان کی جائے گی انشٰ) کی اطلاع بہم پہنچایا رہتا ہے۔ اس لئے وہ اعمالِ امت کے گواہ بن سکتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اس سے ان حضراتؑ کا ہر وقت ہر جگہ حاضر ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔

کُتبِ تفسیر وحدیث سے اس مطلب کی تائید مزید

مذکورہ بالا آیت مبارکہ کی تفسیر میں فریقین کے مفسرین نے جو افاداتِ عالیہ فرمائے ہیں۔ ان سے بھی ہمارے اس دعویٰ کی حرف بحرف تائید ہوتی ہے کہ شہید کے لئے نفسِ واقع پر "حاضر" ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ وہ اپنے ذاتی علم و یقین کی بنا پر شہادت دے سکتا ہے چنانچہ علامہ فخر الدین رازی اپنی تفسیر کبیر ج ۲ ص ۱۳ طبع مصر پر قمطراز ہیں۔ ولما کان بین الابصار بالعین وبین المعرفة بالقلب مناسبة شدیدة لاجرم قد تسمی المعرفة التی فی القلب مشاهدة وشهودا والعارف بالشئ شاهدا او مشاهدا (الی ان قال) ان کل من عرف حال شئ وکشف عنده کان شاهدا علیه۔ الخ یعنی چونکہ عینی مشاہدہ اور معرفتِ قلبی میں شدید مناسبت پائی جاتی ہے۔ اس بنا پر کبھی معرفتِ قلبی کو مشاہدہ و شہود کہہ دیا جاتا ہے۔ اور کسی چیز کی معرفت رکھنے والے کو اس کا شاہد و مشاہد کہا جاتا ہے لہٰذا جس شخص کے نزدیک کسی چیز کا حال کما حقہ منکشف ہو جائے وہ اس کا شاہد ہوتا ہے۔ (اسی جلد کے ص ۱۴ پر ایسا اعتراض کر ان مثل هذه الاخبار لا تسمی شهادة یعنی کسی امر کی اس بنا پر گواہی دینا کہ خدا و رسولؐ نے اس کی خبر دی ہے اسے اصطلاح میں شہادت نہیں کہا جاتا ہے۔" کا یہ جواب دیا ہے "وهذا ضعیف لقوله علیه الصلوٰة والسلام اذا علمت مثل الشمس فاشهد والشئ الذی اخبر الله تعالیٰ عنه فهو معلوم مثل الشمس فوجب جواز الشهادة علیه یعنی یہ اعتراض بالکل کمزور ہے۔ کیونکہ پیغمبر اسلام علیہ وآلہ السلام کا فرمان ہے کہ جب تمہیں کسی چیز کا وجود آفتاب کی طرح یقینی کامل ہو۔ تب اس کی گواہی دو۔ ظاہر ہے کہ جب خداوند عالم کسی امر کی خبر دے۔ تو وہ یقیناً آفتاب کی طرح روشن ہوتی ہے لہٰذا ایسی شہادت یقیناً جائز ہوگی" شیخ الطائفہ حضرت شیخ طوسیؒ اپنی تفسیر تبیان ج ۲ ص ۸ پر اور حضرت علامہ طبرسیؒ اپنی تفسیر مجمع البیان ج ۱ ص ۲۲۵ پر لتکونوا شهداء علی الناس کے معانی پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں "الثالث یشهدون للانبیاء علی اممهم المکذبین لهم انهم قد بلغوا وجاز ذلك لاعلام النبی ایاهم بذلك یعنی اس کی تیسرے معنی یہ ہیں کہ امت وسط (ائمہ اطہارؑ) انبیائے سلف کے حق میں ان کی امتوں کے ان لوگوں کے برخلاف شہادت دیں گے جنہوں نے ان انبیاء کو جھٹلایا تھا۔ بایں طور کہ واقعی ان انبیاء نے اپنا فرض تبلیغ ادا کر دیا تھا۔ اور ان کی یہ شہادت اس لئے جائز اور نافذ ہوگی۔ کہ جناب رسولِ خداؐ جیسے مخبر صادق نے باعلام اللہ ان کو اس امر کی خبر دی تھی۔" پس معلوم ہوا کہ صرف جناب رسول خداؐ کے خبر دینے کی بنا پر بھی شہادت دینا درست ہے اسی طرح آنحضرتؐ کے لئے خدائے علیم وخبیر کے خبر دینے سے شہادت دینا صحیح ہے اگرچہ اصل واقعہ بچشم خود نہ بھی دیکھا ہو۔ فاضل کاشانی نے اپنی تفسیر صافی ص ۴۹ پر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام

سے ایک روایت نقل کی ہے جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔ لیشهد محمّد علینا ولنشهد علی شیعتنا ولیشهد شیعتنا علی الناس۔ جناب رسول خدا ہم پر گواہی دیں گے اور ہم اپنے شیعوں پر اور ہمارے خالص شیعہ باقی لوگوں پر۔ اس کی مزید تائید محدث جزائری کی نور الانوار شرح صحیفہ کاملہ ص۱۹۴ پر امام جعفر صادق علیہ السلام کی حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ بروز قیامت جب انبیاء کرامؑ سے تبلیغ رسالت کے بارہ میں سوال ہوگا۔ اور ان کے بیان پر ان سے گواہ طلب کئے جائیں گے۔ تو وہ سرکار ختمی مرتبتؐ کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ اور آں حضرتؐ جناب جعفر طیارؓ اور حضرت حمزہ سید الشہداؓ کو حکم دیں گے: "یاجعفرؓ یاحمزۃ اذهبا واشهدا له بانه بلّغ" تم دونوں جا کر گواہی دو کہ انہوں نے تبلیغ نبوت کا فریضہ ادا کر دیا تھا۔" حضرت صادق آل محمدؐ فرماتے ہیں۔ کہ فجعفر وحمزة الشاهدان للانبیاء بما بلّغوا۔ اس دن تبلیغ نبوت و رسالت پر انبیاء سلف کے جناب جعفرؓ و جناب حمزہؓ گواہ ہوں گے۔" راوی نے عرض کیا جعلت فداك فعلی علیه السلام؛ میرے آقا! حضرت امیر علیہ السلام اس وقت کہاں ہوں گے؟ فرمایا هو اعظم منزلة من ذلك یعنی ان کا مقام اس سے اجل و ارفع ہے کہ وہ خود جا کر گواہی دیں۔" ظاہر ہے کہ حضرت جعفرؓ و حمزہؓ کی یہ گواہی محض جناب رسول خداؐ کی خبر دہی پر مبنی ہے ورنہ خود تو بالاتفاق ان واقعات کے وقوع پذیر ہونے کے وقت حاضر نہ تھے۔ اس سے یہ امر کالشمس فی رابعة النہار واضح و آشکار ہو جاتا ہے کہ خبر قطعی کی بنا پر شہادت دینا صحیح ہے۔ شاہد کے لئے نفس واقع پر حاضر ہونا لازمی شرط نہیں ہے۔ اس امر کی تائید مزید برادران اسلامی کی روایات سے بھی ہوتی ہے۔ جن میں وارد ہے کہ جب سابقہ امتیں اپنے انبیاء کی تبلیغ کا انکار کر دیں گی۔ تو انبیاء سے گواہ طلب کئے جائیں گے۔ اس وقت امت مرحومہ کو بطور گواہ پیش کیا جائے گا۔ سابقہ امتیں ان کی گواہی پر اعتراض کرتے ہوئے کہیں گی۔ من این عرفتم؟ تمہیں یہ حالات کہاں سے معلوم ہوئے ہیں۔ کہ تمہاری گواہی قابل قبول ہو؟ امت مرحومہ جواب دے گی۔ علمنا ذلك باخبار الله تعالیٰ فی کتابه الناطق علی لسان نبیه الصادق۔" چونکہ خداوند عالم نے اپنی اس کتاب مقدس میں جو اس نے اپنے صادق القول رسولؐ پر اتاری ہے ان امور کی خبر دی ہے۔ اس سے ہمیں ان حالات کا یقین ہوا ہے۔ بعد ازاں آنحضرتؐ ان کی تصدیق فرمائیں گے۔" (تفسیر کبیر ج۲ ص۱۱۲ تفسیر در منثور ج۱ ص۱۴۴) معلوم ہوا کہ مخبر صادق کے خبر دینے کی وجہ سے جو علم و یقین حاصل ہو اس کی بنا پر گواہی دی جا سکتی ہے اگرچہ گواہ اصل واقعہ پر حاضر نہ ہو۔

دوسرا شبہ اور اس کا جواب

یہاں پیش کیا جاتا ہے کہ دنیوی امور میں وہی شہادت شرعاً قابل قبول ہوتی ہے۔ جو رؤیت عین یعنی چشم دید حالات پر مبنی ہو تو قیامت میں چشم دید واقعات کے علاوہ کیونکر کوئی شہادت قبول ہو سکتی ہے؟ یہ شبہ چند وجہ در جۂ اعتبار سے ساقط ہے اوّلاً یہ قیاس مع الفارق ہے جو قیاس کو جائز سمجھنے والوں کے نزدیک بھی باطل ہے حالانکہ اہل حق کے نزدیک تو اصل قیاس ہی باطل ہے۔ ارباب بصیرت جانتے ہیں کہ نشآت و عوالم کے تبدیل ہونے سے احکام بھی فی الجملہ بدل جاتے ہیں۔ یوم آخرت کی بات ہی اور ہے ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ دار دنیا میں

بھی آخرت کے ساتھ تعلق رکھنے والے امور کا حکم اور ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ اگر اُخروی امور کے متعلق شہادت دینے میں بھی عینی رویت لازم ہو تو پھر ہم جنت و جہنم اور روزِ آخرت، صراط و میزان وغیرہ امور بلکہ خود خدا کے وجود کی بھی گواہی نہ دے سکیں کیونکہ ہم نے ان حقائق کا ظاہری آنکھوں سے مشاہدہ نہیں کیا بلکہ محض عقلِ سلیم یا خدائے رحیم یا رسولِ کریمؐ اور ائمہ طاہرینؑ کے فرامین کی بنا پر ان کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور شہادت دیتے ہیں۔ اشہد ان لا الٰہ الا اللّٰہ واشہد ان محمداً عبدہٗ ورسولہ واشہد ان الائمۃ ائمۃ ھدی ابرار وان الموت حق والجنۃ حق والنار حق وان اللّٰہ یبعث من فی القبور۔ اس ارشادِ قدرت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ شہد اللّٰہ انہ لا الٰہ الا ھو والملائکۃ واولوا العلم قائماً بالقسط لا الٰہ الا ھو العزیز الحکیم (پ ۳ س آل عمران ع ۱۰) خلاصۂ معنیٰ اینکہ خدا و ملائکہ اور صاحبانِ علم گواہی دیتے ہیں کہ خدا کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں ہے۔ مفرداتِ راغب اصفہانی ص ۲۷۰ پر لکھا ہے وشہادۃ اولی العلم اطلاعھم علی تلک الحکم واقرارھم بذلک" یعنی صاحبانِ علم کی شہادت سے مراد ان اسرار و حکم پر اطلاع حاصل کرکے ان کا اقرار کرنا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ان امور کی شہادت میں رویتِ عینی معتبر نہیں ہے۔ بلکہ دلائلِ عقلی یا سمعی سے حاصل شدہ یقین کی بنا پر یہ شہادت دی جا سکتی ہے۔

ثانیاً۔ شہادت کی کیفیت کے متعلق معصومؑ اور غیر معصوم کو برابر قرار دینا بھی درست نہیں ہے بلکہ یہ بے بصیرتی کی دلیل ہے۔ معصوم علیہ السلام رویتِ عینی کے علاوہ دیگر ذرائع مخصوصہ سے حاصل کردہ علم و یقین کی بنا پر بھی شہادت دے سکتے ہیں چنانچہ مولانا السید مہدی القزوینی کتاب ظہور الحقیقۃ ص ۱۰۱ پر تحریر فرماتے ہیں: "وباب الشہادۃ فی الفقہ لیس لہ دخل بشہادۃ المعصوم لضرورۃ حجیۃ شہادۃ المعصوم وحدہ فیما ھو من شانہ الرؤیۃ بالبصر وفیما ھو من شانہ الرؤیۃ بالبصیرۃ فلا مدخلیۃ لما قالہ ارباب الفقہ بما نحن فیہ وھل عاقل لیس فی قلبہ مرض یجعل المعصوم مثل غیر المعصوم فی مسئلۃ الشہادۃ وغیرھا" یعنی کتبِ فقہ میں "باب الشہادت" کے اندر اس کے جو شرائط وغیرہ مذکور ہیں۔ ان کو امام معصومؑ کی شہادت و گواہی کے ساتھ کوئی دخل نہیں کیونکہ ہر بات میں خواہ اس کا تعلق چشمِ بصیرت کے ساتھ ہو یا چشمِ بصارت کے ساتھ بہرحال اس میں تنہا امام معصومؑ کی شہادت بالضرورۃ مقبول ہے لہٰذا جو کچھ اربابِ فقہ نے کہا ہے اسے ہمارے اس موضوع کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ بھلا کوئی بھی عقلمند انسان جس کے دل میں کوئی مرض نہ ہو وہ مسئلۂ شہادت وغیرہ میں امام معصومؑ کو غیر معصوم کے برابر قرار دے سکتا ہے؟" سابقاً تیسرے باب میں بذیل "اقسام تفویض" یہ امر بیان کیا جا چکا ہے کہ امام معصومؑ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ تمام معاملات میں شریعت کے ظاہری قواعد پر عمل کریں یا اپنے ذاتی علم و یقین کے مطابق عملدرآمد کریں۔ اس امر کی مزید تائید امم سابقہ پر آنحضرتؐ کی گواہی دینے سے بھی ہوتی ہے کہ معصومؑ کے لئے شہادت میں رویت بالبصر ضروری نہیں کیونکہ قرآن شاہد ہے کہ سابقہ واقعات آنجنابؐ کے چشم دید نہ تھے، جیسا کہ اسی باب میں بذیل عنوان "حاضر ہونے کی نفی قرآن کریم کی روشنی میں" اس مطلب کی پوری پوری وضاحت کی جا چکی ہے۔

ثالثاً اگر بالفرض ان لوگوں کی اس تحقیق کو تسلیم بھی کر لیا جائے جو انہوں نے معانی شہید کے بارے میں کی ہے تو بھی اس سے سرکار محمد و آلِ محمد کا ہر جگہ حاضر ہونا ثابت نہیں ہوتا جو کہ محلِ نزاع ہے بلکہ اس سے زیادہ سے زیادہ ان حضرات کا ناظر ہونا مترشح ہوتا ہے جس پر ہم عنقریب مفصل تبصرہ کریں گے انشاء، لہٰذا یہ دلیل دعویٰ کے مطابق نہ ہونے کی وجہ سے ناقابل قبول ہے۔

رابعاً۔ اس آیتِ مبارکہ سے آنحضرتؐ کا صرف ائمہ اطہارؑ پر شاہد ہونا ثابت ہوتا ہے۔ نہ ہر چیز پر ورنہ بجائے "ویکون الرسول علیکم شہیداً" کے "ویکون الرسول علی کل شئی شہیداً" وارد ہوتا۔ اب بات واضح ہے کہ جب پیغمبرِ خداؐ جو کہ ائمہؑ سے افضل ہیں، ہر چیز پر حاضر نہیں تو ائمہ اطہارؑ کس طرح ہر چیز پر حاضر ہو سکتے ہیں۔

خامساً کئی روایات اہلِ بیتؑ میں وارد ہے کہ بروزِ قیامت قرآن اہلِ ایمان کے حق میں شہادت دے گا۔ اور شفاعت بھی کرے گا۔ (تفسیرِ صافی ص۱۶ مقدمہ عاشرہ) تو کیا پھر قرآن کو بھی ہر جگہ حاضر تسلیم کیا جائے گا؟

دفع دخلِ مقدر

یہاں یہ شبہ بھی ہو سکتا ہے کہ بعض کتبِ لغت میں لفظ "شہید" کے ایک معنیٰ یہ بھی لکھے ہیں الذی لا یغیب عن علمہ شئی یعنی جس کے علم سے کوئی شئی پوشیدہ نہ ہو۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ "شہید" کے یہ معنیٰ اس وقت مراد ہوتے ہیں جب اس لفظ کا اطلاق خداوندِ عالم پر کیا جائے جیسے آیتِ مبارکہ ان اللہ علی کل شئی شہید وغیرہ میں ہے۔ چنانچہ مجمع البحرین ص۲۲۴ پر لکھا ہے والشہید من اسمائہ تعالیٰ وھو الذی لا یغیب عن علمہ شئی "یعنی خداوندِ عالم کے اسمائے مبارکہ میں سے ایک اسم "شہید" بھی ہے یعنی وہ ذات جس کے علم سے کوئی چیز پوشیدہ نہ ہو" برادرانِ اسلامی کی مشہور لغت الحدیث معروف بہ انوار اللغۃ (جس میں شیعہ احادیث کی بھی تشریح کی گئی ہے پ۱۲ ص۲۴ مطبوعہ اصح المطابع کراچی) میں لکھا ہے "شہید اللہ کا ایک نام ہے یعنی سب چیزیں اُس کے سامنے ہیں۔ کوئی چیز اس سے غائب نہیں ہے" لہٰذا معلوم ہوا کہ لفظ شہید کے یہ معنیٰ اس وقت کئے جاتے ہیں جب کہ اس کا اطلاق ذاتِ خداوند پر ہو۔ نہ یہ کہ جہاں بھی لفظ شہید استعمال ہو اس کے یہی معنیٰ مراد لئے جائیں گے۔ زنا کے ثبوت میں چار گواہ ضروری ہیں ارشادِ باری ہے۔ لولا یاتوا علیہ باربعۃ شہداء (شہداء شہید کی جمع ہے جس طرح شاہد کی جمع شہود و شہداء اور جمع الجمع اشہاد ہے) تو کیا یہاں بھی "شہید" کے یہی معنیٰ کئے جائیں گے۔ کہ ایسے چار گواہ جن سے کائنات کی کوئی چیز پوشیدہ نہ ہو؟ حاشا و کلا۔ اصل بات یہ ہے کہ اربابِ بصیرت جانتے ہیں کہ کسی بھی لفظ کے معنیٰ متعین کرتے وقت اس کے منسوب الیہ کا اعتبار ضروری ہوتا ہے۔ اللہ پر لفظ عالم کا اطلاق ہوتا ہے اسی طرح مخلوق پر بھی اس کا اطلاق کیا جاتا ہے تو کیا ہر دو جگہ علم کا ایک ہی مفہوم مراد لیا جائے گا؟ اسی بنا پر فاضل سیوطی نے اتقان ج۱ ص۱۴۱ طبع مصر لفظ ہدایت کے موقع و محل کی مناسبت سے سترہ معانی بیان کئے ہیں۔ من شاء التفصیل فلیرجع الیہ۔

لطیفہ

لفظ "شہید" کے متعلق جو کچھ یہ لوگ ذاتی تحقیق کے نام سے پیش کیا کرتے ہیں۔ در اصل اس تمام تحقیق کا سرچشمہ سو اعظ حسنہ ہے لیکن چونکہ یہ تحقیق جدید کسی مستند شرعی ماخذ و مدرک سے ماخوذ نہیں ہے۔ اس لئے اس میں جا بجا

تناقض و تضاد پایا جاتا ہے۔ ناظرین کرام کی ضیافتِ طبع کے لئے اس تضاد بیانی کے یہاں چند نمونے بطور درسِ عبرت پیش کئے جاتے ہیں جس سے ان حضرات کی دیگر تحقیقاتِ انیقہ کی متانت و رزانت کا بھی بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے اس وقت "مواعظ حسنہ" طبع دوم ہمارے سامنے ہے۔ اس کے ص۹۰ پر لکھا ہے "اور شہید کے لئے یہ ضروری نہیں کہ بوجود شخصی ہر جگہ موجود ہو۔ علم احاطی شہید کے لئے کافی ہے" لیکن ص۱۰ پر سراسر اس کے خلاف لکھا ہے "کیونکہ شہید حاضر علی الشئ کو کہتے ہیں۔ اور شاہد وہ ہے جو از روئے علم و قرینہ شہادت دے خواہ اس کا علم بالمشاہدہ ہو یا بالاخبار" اسی طرح ص۹۰ پر لکھا ہے "اور شہید کے لئے واقع پر ہونا ضروری ہے چنانچہ ثبوتِ زنا میں چار شہداء کی ضرورت ہے نہ شہود کی۔ لولا جاؤ علیہ باربعۃ شہداء" مگر ص۳۵ پر جو کچھ افادہ فرمایا ہے وہ اس کے بالکل منافی ہے "اگر شاہد کے واسطے حضور اور شہید ضروری ہے" بلکہ اسی ایک صفحہ میں تناقض و اختلاف موجود ہے۔ اس کی سطر ۱۵ پر تو مذکورہ بالا عبارت مذکور ہے جس میں شاہد کے لئے حضور کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ مگر اس کی سطر ۸ پر لکھا ہے "غرض شاہد کیلئے حضور ضروری نہیں" پھر ص۳۵ پر لکھا ہے "ذالک ھو الشئ من حضر عندہ صورۃ ذالک الشئ یعنی شاہد کسی شے کا وہ ہے جس کے سامنے اس شئ کی صورت ہو" یہ ہے ان حضرات کی ذاتی تحقیق اور اس میں تضاد و تناقض کا نمونہ مشتے از خروارے؎

اندکے غمِ دل با تو گفتم و بدل ترسیدم
کہ آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

واہ رے ہمارے موجودہ دور کے علماء ان حضرات کی تحقیقات کو قرآن و حدیث سے بھی مقدم سمجھتے ہیں ان کے اُگلے ہوئے نوالوں کو چبانا اور اُن کی جگالی کرنا اپنے لئے مایۂ صد عز و افتخار اور دلیل معرفتِ ائمۂ اطہارؑ سمجھتے ہیں سچ ہے؎

ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

شہادت کے دوسرے معنائے مناسب

حق و حقیقت کو کھول کر بیان کرتا ہے بنابریں شاہد و شہید وہ ہوگا جو حق و حقیقت کا بیان کرے اور اس اعتبار سے آیت لتکونوا شہداء علی الناس کا مفہوم یہ ہوگا۔ "تاکہ تم (اے اہل بیتِ رسولؐ) لوگوں کے لئے حق و حقیقت کو بیان کرو" اس اعتبار سے اس آیت کو ہمارے متنازعہ فیہ مسئلہ کے ساتھ کوئی ربط ہی نہیں رہتا۔ اس معنی کی تائید بھی کتبِ لغت و تفسیر سے ہوتی ہے۔ چنانچہ لسان العرب ج ۳ ص۲۳۹ آیت شهد الله انه لا اله الا هو کے ضمن میں شہادت کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے "وحقیقتہ علم اللہ و بیّن اللہ لان الشاہد ھو العالم الذی یبیّن علمہ یعنی خدا کی شہادت کا مطلب یہ ہے کہ خدا اس حقیقت کو جانتا ہے اور اسے بیان کرتا ہے۔ کیونکہ شاہد وہ عالم ہوتا ہے۔ جو اپنے علم کو بیان کرتا ہے" پھر ابو العباس المبرد (مشہور عالم لغت و ادیب) کا یہ قول درج کیا ہے "وقال ابو العباس شهد الله بیّن الله واظهر یعنی شہد اللہ کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے بیان و اظہار کیا ہے" علامہ طبرسی نے مجمع البیان ج ۱ ص۴۲۹ پر اس آیت کے دو

معنی بھی بیان کئے ہیں: "والثانی ان المعنی لتکونوا حجۃ علی الناس فتبینوا لہم الحق والدین ویکون الرسول علیکم شہیدًا مؤدیًا للدین الیکم وسمی الشاہد شاہدًا لانہ یبین ولذلک یقال للشہادۃ بینۃ یعنی اس آیت کے دوسرے معنی یہ ہیں تاکہ تم لوگوں پر حجت خدا ہو، اور ان کے لئے حق و حقیقت اور دین و شریعت کو بیان کرو۔ اور رسول تم پر شہید ہوں یعنی دین کو تم تک پہنچانے والے ہوں، شاہد کو شاہد اسی بنا پر کہا جاتا ہے کہ وہ ایک امر کو بیان کرتا ہے اور اسی وجہ سے شہادت کو بینہ کہا جاتا ہے"۔ ایسا ہی افادہ حضرت شیخ طوسیؒ نے اپنی تفسیر التبیان ج۲ ص۸ پر فرمایا ہے۔ اسی طرح فاضل طریحی نے بھی مجمع البحرین ص۲۳۳ طبع ایران پر یہی معنی درج کئے ہیں۔ فراجع۔ اور فاضل مفسر السید ابو القاسم الرضوی نے تفسیر لوامع التنزیل ج۲ ص۱۲ پر اس آیت کے معانی بیان کرتے ہوئے صاحب مجمع البیان کے ان بیان کردہ معنی کے متعلق لکھا ہے "واین اوجہ التفاسیر است، یعنی یہ معنی تمام معانی و مفاہیم سے بہتر ہیں"

تیسرا شبہ اور اس کا جواب

بکثرت روایات میں وارد ہے کہ ہر مرنے والے کے پاس حضرات ائمہ طاہرین علیہم السلام تشریف لاتے ہیں، اگر مومن موالی ہو تو اسے فائدہ حاصل ہوتا ہے اور شدائد موت میں افاقہ، اور اگر غیر مومن اور مخالف ہو تو اس کے شدائد و مصائب سکرات میں اضافہ ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ ایک وقت میں متعدد موتیں واقع ہوتی ہیں۔ لہٰذا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آن واحد میں حضرات معصومین ائمہ متعددہ میں حاضر ہو سکتے ہیں"۔ اس شبہ کا جواب ظاہر ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر مرنے والے شخص کو ان بزرگواروں کی زیارت ہوتی ہے اس سلسلہ میں روایات مستفیضہ موجود ہیں، تفصیل کے لئے کتاب المحتضر للشیخ حسن دیکھی جا سکتی ہے اور یہ عقیدہ مذہب شیعہ کے ان عقائد مشہورہ میں سے ہے جن کا محض عقلی استبعادات کی بنا پر انکار کرنا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔ لیکن بموجب اینکہ "روایت را درایت لازم است" ان روایات کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ اس میں غور و فکر کرنا اور اس کا سمجھنا ضروری ہے۔ اگر توفیق ہو تو اصل مطلب سمجھ میں آجائے، تو فہو المراد ورنہ ان حقائق پر اجمالی ایمان رکھنا چاہئے۔ اور تفصیل بنی معادن وحی و تنزیل کے سپرد کرنا چاہئے بہرحال اس سلسلہ میں علماء اعلام کے پانچ نظریے ہیں۔

پہلا نظریہ۔ حضرت شیخ مفیدؒ اور ان کے تلمیذ رشید جناب سید مرتضیٰ علم الہدیٰؒ نے اسی محال عقلی کے لزوم کے اندیشہ سے متاثر ہو کر ان روایات کی تاویل فرمائی ہے۔ کہ ہر مرنے والا اپنی موت کے وقت محبت یا عداوت اہل بیتؑ کا ثمرہ و نتیجہ دیکھتا ہے نہ کہ ان ظاہری آنکھوں سے ان کے اجسام مبارکہ کا مشاہدہ کرتا ہے۔ جیسا کہ آیت مبارکہ ومن یعمل مثقال ذرۃ خیرًا یرہ۔ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرًا یرہ۔ میں خیر و شر کے دیکھنے سے ان کے ثمرہ و نتیجہ کو چشم حقیقت سے دیکھنا مراد ہے یہ تاویل حضرت شیخ نے اوائل المقالات ص۸۵/۸۹ پر اور حضرت سید مرتضیٰ نے اپنی کتاب الدرر و الغرر ص۳ پر فرمائی ہے۔ اور اس کے ساتھ یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ "علی هذا القول محققوا النظر من الامامیۃ"۔

دوسرا نظریہ۔ یہ کہ یہ بزرگوار اجساد مثالیہ کے ساتھ تشریف لاتے ہیں۔ یہ امر نصوص کثیرہ سے ثابت ہے کہ عالم برزخ میں

تمام مرنے والے لوگ اجسام مثالیہ میں منعم یا معذب رہتے ہیں۔ (تفصیل کے لئے ہماری کتاب احسن الفوائد کی طرف رجوع کیا جائے) لہٰذا ائمہ طاہرینؑ کے غرائب و عجائب حالات کے پیش نظر یہ امر بعید نہیں ہے۔ کہ ان بزرگواروںؑ کے متعدد اجسام مثالیہ ہوں۔ اور وہ اپنے عین حیات میں ہی اجساد مثالیہ میں تصرف بھی کر سکتے ہوں۔ یہ تاویل حضرت علامہ مجلسی نے بحار الانوار ج ۳ ص۱۲۵ و علامہ سید عبد اللہ شبّر نے مصابیح الانوار ج۱ ص۱۶۲ پر نیز اور بہت سے علماء اعلام نے فرمائی ہے۔

تیسرا نظریہ۔ قدرت کاملہ سے یہ امر بعید نہیں ہے۔ کہ آفتاب عالم تاب کی طرح گو وہ بزرگوارؑ اپنے مستقر و مرکز پر تشریف فرما ہوں مگر خدا مرنے والے کی بینائی کو اس قدر تیز کر دے کہ وہ یہ خیال کرے کہ یہ بزرگوار اس کے سامنے تشریف فرما ہیں۔ اور وہ ان سے ہمکلام بھی ہو۔ (اس تاویل کو بھی سرکار علامہ مجلسیؒ نے "یمکن" کہہ کر ذکر فرمایا ہے۔ اس تاویل کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے۔ جو تفسیر صافی ص۴۴۳ س حم سجدہ ذیل تفسیر آیت ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا الآیۃ امام حسن عسکری علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا مرنے والے سے ملک الموت کہتا ہے دیکھ۔ جب وہ نظر اٹھا کر دیکھتا ہے۔ تو یہ نبی محمدؐ و علیاً والطیبین من الھداۃ اعلیٰ علیین الخ۔ جناب رسول خداؐ علی مرتضیٰؑ اور دوسرے ائمہ ہدیٰؑ کو دیکھتا ہے۔ جو اعلیٰ علیین کے مقام پر تشریف فرما ہوتے ہیں۔ فکشفنا عنک غطاءک فبصرک الیوم حدید

چوتھا نظریہ۔ خداوند عالم ان حضرات مقدسہ کی تمثال مرنے والے کی آنکھوں کے سامنے پیش کر دیتا ہے۔ اسے محدث جلیل سید نعمت اللہ جزائری اور دوسرے بعض علماء نے اختیار کیا ہے۔ چنانچہ جزائری مرحوم انوار نعمانیہ ص۲ پر اپنے استاد جناب علامہ مجلسیؒ کے اجساد مثالیہ میں تشریف لانے والے نظریہ کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "واما الذی رجحناہ اخذاً من مفاھیم الاخبار فھو القول بالتمثال بان اللہ سبحانہ یمثل للمیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وامیر المومنین علیہ السلام والائمۃ علیہم السلام کما مثلہ لاھل السمٰوٰت حین رآہ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ فی جمیع السمٰوٰت واقفا یصلی والملائکۃ یصلی خلفہ فقال ھذا علی بن ابی طالب علیہ السلام ترکتہ فی الارض وھا ھو قد سبقنی الی السماء فقال اللہ عزوجل ھذا شخص مثل علی بن ابی طالب خلقتہ فی جمیع السمٰوٰت حتی تنظر الیہ الملائکۃ فتطمئن الیہ نفوسھم من شدۃ حبھم لعلی بن ابی طالب علیہ السلام ویؤیدہ ما رواہ الکلینی فی روایۃ سدیر الصیرفی عن مولانا الصادق علیہ السلام فی قول ملک الموت للمحتضر افتح عینیک قال ویمثل لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وفاطمۃ والحسن والحسین والائمۃ من ذریتھم علیھم السلام "فیکون یاتی بعض المحتضرین بنفسہ الشریفۃ وصورتہ الاصلیۃ ویاتی الی بعض آخر صورتہ المماثلۃ المشابھۃ لتلک الصورۃ الاصلیۃ" یعنی اخبار اہل بیتؑ کی روشنی میں جو مطلب ہمارے نزدیک مرجح ہے وہ یہ ہے کہ خداوند عالم مرنے والے کے سامنے جناب رسول خداؐ، امیر المومنینؑ، سیدۂ عالمؑ اور دیگر ائمہ طاہرینؑ کی تمثال پیش کرتا ہے جس طرح اس نے اہل آسمان کے لئے جناب امیر علیہ السلام کی تمثال خلق فرمائی ہے۔ جیسے جناب رسول خداؐ نے شب معراج تمام آسمانوں پر اس حالت میں دیکھا کہ وہ تمثال نماز

SIRTAIN.COM

پڑھنے میں مشغول ہے۔ اور ملائکہ اس کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں (آنحضرتؐ نے یہ منظر دیکھ کر) فرمایا یہ علیؑ ابن ابی طالب ہیں؟ میں تو ان کو زمین پر چھوڑ کر آیا تھا۔ وہ مجھ سے پہلے یہاں پہنچ گئے؟ خدا نے فرمایا یہ ایک شخص ہے جو علیؑ کی شکل ہے (یعنی ان کی تمثال ہے) میں نے اسے آسمانوں میں اس لئے پیدا کیا ہے کہ ملائکہ کو علیؑ سے جو شدید محبت ہے، اسے دیکھ کر ان کو اطمینان و سکون حاصل ہو۔ اس مطلب کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جسے ثقۃ الاسلام کلینیؒ نے (کافی میں) بروایت سدیر صیرفی جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے۔ ملک الموت کے اس قول کہ "اے مرنے والے آنکھیں کھول" کی تشریح میں فرمایا۔ اس وقت جناب رسول خداؐ، حضرت علی مرتضیٰؑ، جناب فاطمہ زہراؑ، امام حسنؑ و حسینؑ اور دوسرے ائمہ ہدیٰؑ کی تمثال مرنے والے کے سامنے پیش کی جاتی ہے۔ پس خلاصۂ کلام یہ ہے کہ بعض (کامل الایمان مومنین جو کہ کبریت احمر سے بھی کم ہیں) کی موت کے وقت خود بنفس نفیس اپنی اصل صورت میں تشریف لاتے ہیں۔ اور دوسروں کے پاس ان کی تمثال آتی ہے جو اصل صورت کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے"۔ اس محدث جلیل کے کلام سے دو مطلب ثابت ہو گئے ایک یہ کہ محتضر کے پاس محمد و آل محمد علیہم السلام کی تمثال آتی ہے۔ دوسرا یہ کہ شب معراج جناب امیر علیہ السلام بجسد اصلی زمین پر تھے۔ ہاں کی تمثال مبارک آسمانوں پر موجود تھی۔ اس کی مزید تفصیل آٹھویں باب میں آ رہی ہے انشاء اللہ۔

تقدیر نشانید بیک ناقہ دو محمل　　لیلائے حدوث تو و سلمائے قدم را

یہی تمثل والی روایت تفسیر صافی ص۵۲۹ بذیل آیت یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الخ بھی موجود ہے۔

پانچواں نظریہ۔ محتاط علماء اعلام کا ہمیشہ سے ایسے غامض اور متشابہ مقامات پر یہ نظریہ رہا ہے کہ وہ ایسے حقائق و عقائد کا نہ تو محض عقلی استبعادات کی بنا پر انکار کرتے ہیں اور نہ ہی ظاہری معنوں پر (جو کہ عقلاً محال ہوں) اعتقاد رکھتے ہیں بلکہ کیفیت میں غور و خوض کئے بغیر علی ما ہو فی نفس الامر اجمالی طور پر ایمان رکھتے ہیں چنانچہ غواص بحار الانوار سرکار علامہ مجلسی سوم بحار الانوار ص۲۴۳ پر مذکورہ بالا تمام تاویلات نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں: والاحوط والاولیٰ فی امثال تلک المتشابہات الایمان بہا وعدم التعرض لخصوصیاتہا وتفاصیلہا واحالۃ علمہا الی العالم علیہ السلام کما مر فی الاخبار التی اوردناہا فی باب التسلیم واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم "یعنی احوط و اولیٰ یہ ہے کہ اس قسم کے متشابہات پر اجمالی ایمان ضرور رکھا جائے مگر ان کی خصوصیات اور تفصیلات سے بحث نہ کی جائے۔ اور ان کے علم کو امام عالی مقام کی طرف لوٹایا جائے جیسا کہ یہ بات سابقاً اخبار تسلیم کے سلسلہ میں گزر چکی ہے"۔ ایسا ہی مولانا محمد عبداللہ شبرؒ نے اپنی کتاب مستطاب مصابیح الانوار فی حل مشکلات الاخبار طبع نجف اشرف ج ۲ ص۱۴۳ پر مذکورہ بالا تاویلات ذکر کرنے کے بعد افادہ فرمایا ہے: والاحوط والاولیٰ الایمان بذلک اجمالاً وایکال العلم التفصیلی الی اللہ ورسولہ وخلفائہ واللہ العالم بالحقیقۃ ان حقائق و دقائق کی روشنی میں واضح و لائح ہو جاتا ہے کہ ان احادیث سے حضرات معصومینؑ کے آن واحد میں امکنہ متعددہ میں حاضر ہونے پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ اور نہ ہی ان روایات کے بل بوتے پر ایک محال عقلی کو ممکن بنایا جا سکتا ہے۔ ہاں اگر یہ بزرگوار چاہیں تو اجساد

مثالیہ کے ذریعہ آنِ واحد میں امکنۂ متعددہ میں حاضر ہو سکتے ہیں۔ ولا کلام لنا فیہ واللہ العالم۔

چوتھا شبہ اور اُس کا جواب

یہاں یہ شبہ بھی کیا جا سکتا ہے (بلکہ کیا بھی گیا ہے) کہ قرآن میں بار بار جنابِ رسول خداؐ کو مخاطب کرکے "الم تر" کہا گیا ہے جیسے "الم تر الیٰ ربک کیف مد الظل" اور الم تر کا ترجمہ "کیا تم نے نہیں دیکھا" کیا جاتا ہے جس سے آنحضرتؐ کی رویت بصری ثابت ہوتی ہے۔ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ علمائے محققین کے نزدیک "الم تر" کا صحیح مفہوم "الم تعلم" (کیا تمہیں معلوم نہیں) ہے چنانچہ سرکار سید رضیؒ (جامع نہج البلاغہ) اپنی کتاب "تلخیص البیان ص۲۴۳" پر لکھتے ہیں: معنی الرویۃ ھھنا بمعنی العلم فکانہ تعالیٰ قال الم تعلم الخ (رویت کے معنی علم کے ہیں گویا خدا یوں فرماتا ہے کیا تمہیں اس بات کا علم نہیں ہے؟) اسی طرح حضرت سید مرتضیٰؒ علم الہدیٰ نے اپنی کتاب الدرر والغرر (معروف بامالی سید مرتضیٰؒ) ص۳۵ طبع ایران بذیل آیت مبارکہ "الم تر ان اللہ یزجی سحاباً" الخ ... لکھا ہے اما قولہ تعالیٰ الم تر فالمراد منہ الم تعلم۔ الخ ... یعنی ارشاد خداوندی الم تر کا مفہوم ہے "الم تعلم"۔ لہٰذا ایسی آیات سے جنابِ رسول خداؐ کا عالم ہونا ثابت ہے جو کہ درست ہے (لیکن یہ امر محل نزاع سے خارج ہے) نہ ہر جگہ حاضر ہونا جو کہ محل بحث ہے بنا بریں تحقیق اس شبہ کا بالکل قلع قمع ہو جاتا ہے۔

پانچواں شبہ اور اُس کا جواب

دنیا میں ہر وقت آنِ واحد میں ہزاروں لوگ مرتے ہیں اور ملک الموت ان کی روحیں قبض کرتا ہے تو اگر ملک الموت آنِ واحد میں امکنۂ متعددہ میں حاضر ہو سکتا ہے تو امامؑ جن کی طاقت و عظمت ملک الموت سے بدرجہا زیادہ ہے وہ کیوں آنِ واحد میں امکنۂ متعددہ میں حاضر نہیں ہو سکتے؟"

یہ شبہ اس خیال پر مبنی ہے کہ ہر مرنے والے کی روح ملک الموت بنفس خود قبض کرتا ہے حالانکہ یہ حقیقت کے خلاف ہے۔ احادیث معصومینؑ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ملک الموت کے بہت سے اعوان و انصار ہیں۔ بعض خواص کی روحیں خود ملک الموت قبض کرتا ہے اور دوسروں کی اس کے اعوان و مددگار۔

چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں جب یہی سوال پیش کیا گیا کہ قد یموت فی الساعۃ الواحدۃ فی جمیع الآفاق ما لا یحصیہ الا اللہ عزوجل فکیف ھذا؟ (تمام آفاق و اطراف عالم میں ایک ہی ساعت میں بے شمار موتیں واقع ہوتی ہیں پس (ملک الموت) کیونکر حاضر ہوتا ہے۔ امامؑ نے جواباً ارشاد فرمایا ان اللہ تبارک و تعالیٰ جعل لملک الموت اعواناً من الملائکۃ یقبضون الارواح الخ ... خداوند عالم نے فرشتوں میں سے بہت سے فرشتے ملک الموت کے مددگار بنائے ہیں۔ جو روحیں قبض کرتے ہیں (منہاج البراعۃ ج ۲ ص۳۱۳ بحوالہ من لا یحضرہ الفقیہ) اس سوال و جواب سے یہ واضح ہوتا ہے کہ سائل اور امامؑ ہر دو جسم واحد کے (خواہ وہ لطیف ہی کیوں نہ ہو) آنِ واحد میں امکنۂ متعددہ میں حاضر ہونے کو محال جانتے ہیں۔ وہو المطلوب۔ ایسا ہی جناب امیر المومنینؑ سے مروی ہے "و لملک الموت اعوان" الخ (احتجاج طبرسی ص۱۲۹) نیز صحیفہ سجادیہ کی تیسری دعا جو فرشتوں پر سلام کے سلسلہ میں ہے، امام زین العابدینؑ فرماتے ہیں۔ وعلیٰ ملک الموت و اعوانہ (ص۳۷ طبع ایران)

ملک الموت اور اس کے اعوان و انصار پر سلام ہو۔" اس کی مزید توضیح و تشریح صحیفہ کاملہ کی شرح نور الانوار جزائری ص۹۳ اور ریاض السالکین ص۹۳ میں دیکھی جا سکتی ہے۔ نیز اس مطلب کی تائید مزید قرآنی آیات سے بھی ہوتی ہے کہیں ارشاد ہے یتوفاکم ملک الموت اور کہیں وارد ہے الذین تتوفاہم الملائکۃ — توفتہ رسلنا معلوم ہوا کہ روحیں قبض کرنے والا ایک نہیں ہے بلکہ بہت سے ملائکہ اس کام میں بطور آلات و اسباب مشغول ہیں۔ فقدمنا الی ما عملوا من عمل فجعلناہ ھباءً منثورا۔"

چھٹا شبہ اور اس کا جواب

شیخ رجب برسی نے مشارق الانوار میں نقل کیا ہے کہ مقداد بن اسود کندی روایت کرتے ہیں کہ جناب امیر علیہ السلام جنگ خندق کے دن عمرو بن عبدود کو قتل کرنے کے بعد خندق کے پاس کھڑے ہو کر اپنی تلوار سے خون صاف کر رہے تھے۔ اور اس کو ہوا میں گھما رہے تھے۔ کفار کا لشکر ستر ٹولیوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔ ہر ایک کے پیچھے حضرت علیؑ کو دیکھ رہا تھا۔ کہ وہ ان کا تعاقب کر رہے تھے اور ان کو تلوار سے کاٹ رہے تھے۔ حالانکہ آپؑ اپنے مقام پر کھڑے تھے۔ کیونکہ بھگوڑوں کا تعاقب کرنا آپؑ کے اخلاق کریمہ کے خلاف تھا۔ وکذا فی شرح الزیارۃ ص۳۴۲ والمجلی للاحسائی اس سے آنجنابؑ کا آن واحد میں متعدد مقامات پر موجود ہونا ثابت ہوتا ہے۔

یہ نتیجہ جس روایت پر مبنی ہے وہ اصول روایت و درایت کے اعتبار سے ناقابل اعتبار ہے۔

اولاً۔ یہ روایت مشارق الانوار برسی، اور المجلی ابن ابی جمہور احسائی سے مروی ہے اور ہم کئی بار اس بات کی تکرار کر چکے ہیں کہ یہ دونوں حضرات جس روایت کے نقل کرنے میں متفرد ہوں۔ اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

ثانیاً۔ اس روایت کی ابتدا و انتہا میں تضاد ہے ابتدا میں یہ ہے کہ وہ بھاگنے والے گروہ کا تعاقب کر رہے تھے اور آخر میں یہ ہے کہ وہ اپنی جگہ پر کھڑے تھے۔" اور یہ اختلاف و تناقض دلیل بطلان ہے۔

ثالثاً۔ آخر روایت میں لکھا ہے کہ بھگوڑے کا تعاقب کرنا ان کے اخلاق کریمانہ کے منافی تھا۔ اور یہی امر آثار کثیرہ سے ثابت ہے۔ تو پھر آپؑ اپنی عادت کریمہ کی خلاف ورزی کر کے کس طرح بھگوڑوں کا تعاقب کر سکتے تھے؟

رابعاً۔ بنا بر فرض تسلیم۔ یہ ہمارے محل نزاع سے خارج ہے بحث اصل جسم کے ساتھ آن واحد میں متعدد مقامات پر حاضر ہونے کے متعلق ہے۔ مگر اس روایت سے یہ مطلب ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ اس سے تو اس نظریہ کا بطلان واضح و عیاں ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں مذکور ہے کہ آنجنابؑ خندق کے کنارے کھڑے ہو کر تلوار سے خون صاف کر رہے تھے۔" اس سے ظاہر ہے کہ آنجنابؑ کا اصل جسد مبارک تو ایک وقت میں ایک ہی جگہ پر موجود تھا۔ تو پھر لا محالہ ماننا پڑے گا کہ دیگر بصورت، بھگوڑوں کا تعاقب اجسام مثالیہ کے ساتھ کر رہے تھے۔ اور یہ چیز مقام اختلاف سے خارج ہے جیسا کہ ابتدا بحث میں اس کی وضاحت کر دی گئی ہے۔

الحق من ربک فلا تکونن من الممترین۔

سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کے ناظر ہونے کی بحث

افراط و تفریط

اکثر دوسرے اسلامی و ایمانی اصول و عقائد کی طرح یہ مسئلہ بھی افراط و تفریط کا شکار ہو گیا ہے بعض لوگوں نے تو حد

افراط سے کام لیا۔ کہ انبیاء و ائمہ علیہم السلام کو کائنات علوی و سفلی کے تمام ظواہر و بواطن پر کلاً و جزءً بالفعل ناظر اور ان اشیاء کا عالم تسلیم کرنے لگے۔ اور بعض نے اس قدر تفریط کی کہ ان بزرگواروں کو بعض احکام شرعیہ کے موضوعات خارجیہ کے علم سے ناواقف ہونے کا نظریہ قائم کر لیا۔ ہم حسب عادت اپنی پوری امکانی کوشش صرف کریں گے۔ کہ افراط و تفریط سے دامن بچاتے ہوئے، قرآن، محمد و آل محمد علیہم السلام کے فرمان اور علماء اعلام کے بیان حقائق ترجمان کی روشنی میں صحیح ایمانی عقیدہ اپنے قارئین کرام کے سامنے پیش کریں۔

محل نزاع کی تعیین

لیکن اصل مقصد میں وارد ہونے سے قبل محل نزاع کی تعیین و تنقیح ضروری ہے کیونکہ اس سلسلہ میں بعض ناواقفوں نے بہت ہی دھاندلی مچائی ہے بعض نے حاضر کو بمعنی ناظر اور بعض نے ناظر کو بمعنی حاضر مراد لیا ہے۔ پھر بعض نے حاضر و ناظر سے حاضر بالقوہ اور بعض نے بالفعل مراد لیا ہے جیسا کہ اس باب کی ابتداء میں اس امر کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے لیکن اگر صحیح غور و تامل سے کام لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو الگ الگ موضوع ہیں۔ اسی لئے ہم نے ان پر الگ الگ بحث کی ہے حاضر کے موضوع پر کماحقہ تفصیلی گفتگو کر کے حق کا احقاق اور باطل کا ابطال کیا جا چکا ہے اب ناظر کے موضوع پر تبصرہ کیا جاتا ہے سو واضح ہونا چاہئے کہ اگر ان ذوات مقدسہ کے ناظر ہونے سے مراد یہ ہے کہ پورے عالم بلکہ تمام عوالم کا گوشہ گوشہ اور ذرہ ذرہ ہر ہر لحظہ و لمحہ میں اس طرح ان حضرات کے پیش نظر ہے کہ ان کو ارادہ اور التفات کرنے کی بھی ضرورت نہیں پڑتی۔ تو یہ نظریہ بالکل غلط ہے اور غالیوں کا فاسد عقیدہ ہے اور اگر مراد یہ ہے کہ یہ بزرگوار بعض علوم کو تو بالفعل جانتے ہیں اور بعض کو بالقوہ یعنی ان کے معلوم کرنے کی اس طرح استعداد و قریب ان میں موجود ہے کہ از فرش تا عرش و از ثریا تا ثری۔ غرضیکہ کائنات کی جس چیز کو معلوم کرنے کا ارادہ فرماتے ہیں تو باعلام اللہ معلوم کر لیتے ہیں (الا ما اخرجه الدلیل القطعی) اور تمام عوالم امکانیہ کی جس چیز کو دیکھنا چاہیں اسے باقدرۃ اللہ دیکھ سکتے ہیں اس وقت یہ ظاہری در و دیوار اور اشجار و احجار درمیان میں حائل و حاجب نہیں ہو سکتے (الا ماشاء اللہ)

لہٰذا اگر ناظر سے مراد یہ دوسرے معنی ہیں تو یہ بالکل صحیح ہے۔ بہر حال پہلے معنی کے اعتبار سے یہ عقیدہ غلط ہے ہم ذیل میں اس کے بطلان پر قرآن، معصومین کے فرمان علماء اعلام کے بیان اور عقلی برہان کی روشنی میں کلام کرتے ہیں۔ واللہ المستعان و به الاستعانة فی المبدا والاختتام والتوسل بالنبی وآله سادة الانس والجان علیهم الصلوٰة والسلام۔

ناظر ہونے کی نفی قرآن کریم کی روشنی میں

قرآن مجید میں اس مضمون کی متعدد آیات مبارکہ موجود ہیں جن سے بصراحت النص ثابت ہوتا ہے۔ کہ آسمان و زمین غرضیکہ تمام کائنات کے ظاہر و باطن اور ذرہ ذرہ پر ہر وقت بالفعل نظر علمی رکھنا اور ان کا علمی احاطہ کرنا ذات کبریاء کے ساتھ مختص ہے۔ کوئی بھی مخلوق اس صفت جلیلہ میں اس کے ساتھ شریک نہیں نہ بالذات اور نہ باعطاء اللہ۔ ذیل میں ہم ایسی آیات مقدسہ کا ایک شمہ پیش کرتے ہیں۔

(۱) وما یعزب عن ربك من مثقال ذرة فی الارض ولا فی السماء (پ ۱۱ س یونس ع ۷) "اور تمہارے پروردگار سے

ذرہ بھر کوئی چیز غائب نہیں رہ سکتی نہ زمین میں اور نہ آسمان میں"۔

(۲) ان اللہ لا یخفیٰ علیہ شیءٌ فی الارض ولا فی السماء۔ (پ۳ س آل عمران ع ۹) "بے شک خدا سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے (نہ) زمین نہ آسمان میں"

(۳) اللہ یعلم ما تحمل کل انثیٰ وما تغیض الارحام وما تزداد وکل شیءٍ عندہ بمقدار (پ۱۳ س رعد ع ۸) "ہر مادہ جو کچھ پیٹ میں لئے ہوئے ہے اس کو خدا ہی جانتا ہے اور بچہ دانوں کا گھٹنا بڑھنا (بھی وہی جانتا ہے) اور ہر چیز اس کے نزدیک ایک اندازے سے ہے"

(۴) وھو اللہ فی السمٰوٰت وفی الارض یعلم سرکم وجھرکم ویعلم ما تکسبون (پ۷ س انعام ع ۱) "اور وہی تو آسمانوں میں بھی اور زمین میں (بھی) خدا وہی تمہارے ظاہر و باطن سے (بھی) خبردار ہے اور وہی جو کچھ بھی تم کرتے ہو جانتا ہے"

(۵) یعلم ما بین ایدیھم وما خلفھم ولا یحیطون بشیءٍ من علمہ الا بما شاء (پ۳ س بقرہ ع ۲) "اور جو کچھ ان کے سامنے (موجود) ہے (وہ) اور جو کچھ ان کے پیچھے (ہو چکا ہے) (خدا سب کو) جانتا ہے اور لوگ اس کے علم میں سے کسی چیز پر بھی احاطہ نہیں کر سکتے۔ مگر (جسے) جتنا چاہے (سکھا دے)"

(۶) ومن اھل المدینۃ مردوا علی النفاق لا تعلمھم نحن نعلمھم (پ۱۱ س توبہ ع ۱۳) "اور مدینہ کے رہنے والوں میں سے (بعض منافق ہیں) جو نفاق پر اڑ گئے ہیں (اے رسولؐ) تم ان کو نہیں جانتے (مگر) ہم ان کو (خوب) جانتے ہیں"

(۷) یعلم ما یلج فی الارض وما یخرج منھا وما ینزل من السماء وما یعرج فیھا وھو معکم این ما کنتم واللہ بما تعملون بصیر (پ۲۷ س حدید ع ۱) "جو چیز زمین میں داخل ہوتی ہے اور جو اس سے نکلتی ہے اور جو چیز آسمان سے نازل ہوتی ہے اور جو اس کی طرف چڑھتی ہے۔ (سب) اس کو معلوم ہے اور تم (چاہے) جہاں کہیں ہو۔ وہ تمہارے ساتھ ہے۔ اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو۔ خدا اسے دیکھ رہا ہے"

(۸) الا انھم یثنون صدورھم لیستخفوا منہ الا حین یستغشون ثیابھم۔ یعلم ما یسرون وما یعلنون انہ علیم بذات الصدور (پ۱۱ س ہود ع ۱) "اے رسولؐ! دیکھو یہ کفار (تمہاری عداوت میں) اپنے سینوں کو (گویا) دہرا کئے ڈالتے ہیں۔ تاکہ خدا سے (اپنی باتوں کو) چھپائیں (مگر) دیکھو جب یہ لوگ اپنے کپڑے خوب لپیٹتے ہیں (تب بھی تو خدا ان کی باتوں کو) جانتا ہے جو چھپا کر کرتے ہیں۔ اور کھلم کھلا کرتے ہیں۔ اور سمجھ رکھو کہ خدا ہر چیز کو ضرور جانتا ہے"

(۹) وان تجھر بالقول فانہ یعلم السر واخفیٰ (پ۱۶ س طٰہٰ ع ۱) "اور اگر تو پکار کر بات کرے (تو بھی) آہستہ کرے تو بھی (وہ) یقیناً بھید اور اس سے زیادہ پوشیدہ چیز کو جانتا ہے"

(۱۰) واعلموا ان اللہ بکل شیءٍ علیم (پ۲ س بقرہ ع ۲۳) "اور سمجھ رکھو کہ خدا ہر چیز کو ضرور جانتا ہے"

(۱) واتقوا اللہ واعلموا ان اللہ بما تعملون بصیر (پ ۲ س بقر ع ۱۴) "اور خدا سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو۔ خدا ضرور دیکھتا ہے۔

(۲) قل ان تخفوا ما فی صدورکم او تبدوہ یعلمہ اللہ ویعلم ما فی السموٰت وما فی الارض واللہ علی کل شیء قدیر (پ ۳ س آل عمران ع ۱۱) (اے رسول) تم ان لوگوں سے کہدو کہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے تم خواہ اُسے چھپاؤ۔ یا ظاہر کرو۔ (بہر حال) خدا تو اُسے جانتا ہے اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے وہ (سب کچھ) جانتا ہے۔ اور خدا ہر چیز پر قادر ہے۔"

(۳) ویعلم ما فی البر والبحر وما تسقط من ورقۃ الا یعلمھا (پ ۷ س انعام ع ۱۳) اور جو کچھ خشکی اور تری میں ہے۔ اس کو بھی (وہی) جانتا ہے اور کوئی پتا بھی نہیں کھڑکتا مگر وہ اسے ضرور جانتا ہے۔"

(۴) وربک یعلم ما تکن صدورھم وما یعلنون (پ ۲۰ س قصص ع ۷) اور (اے رسول) یہ لوگ جو باتیں اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔ تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے۔"

(۵) ان اللہ عندہ علم الساعۃ وینزل الغیث ویعلم ما فی الارحام وما تدری نفس ماذا تکسب غدا وما تدری نفس بای ارض تموت ان اللہ علیم خبیر (پ ۲۱ س لقمان ع ۴) بے شک خدا ہی کے پاس قیامت (کے آنے) کا علم ہے اور وہی (جب موقع مناسب دیکھتا ہے) پانی برساتا ہے اور جو کچھ عورتوں کے پیٹ میں (نر و مادہ) ہے۔ جانتا ہے اور کوئی شخص اتنا بھی تو نہیں جانتا کہ وہ خود کل کیا کرے گا۔ اور کوئی شخص (یہ بھی) نہیں جانتا کہ وہ کس سرزمین پر مرے (گڑے) گا۔ بے شک خدا (سب باتوں سے) آگاہ و خبردار ہے۔"

(۶) یعلم خائنۃ الاعین وما تخفی الصدور (پ ۲۴ س مومن ع ۲) "خدا تو آنکھوں کی دزدیدہ نگاہ کو بھی جانتا ہے۔ اور ان باتوں کو بھی جو (لوگوں کے) سینوں میں پوشیدہ ہیں"

(۷) عفا اللہ عنک لم اذنت لھم حتی یتبین لک الذین کذبوا (پ ۱۰ س توبہ ع ۷) (اے رسول) خدا تم سے درگذر فرمائے تم نے انہیں (پیچھے رہ جانے کی) اجازت ہی کیوں دی۔ تاکہ (تم اگر ایسا نہ کرتے تو) تم پر سچ بولنے والے (الگ) ظاہر ہو جاتے اور تم جھوٹوں کو (الگ) معلوم کر لیتے۔"

(۸) قل ما کنت بدعا من الرسل وما ادری ما یفعل بی ولا بکم ان اتبع الا ما یوحی الی وما انا الا نذیر مبین (پ ۲۶ س احقاف ع ۱) "(اے رسول) تم کہدو کہ میں کوئی نیا رسول (تو) آیا نہیں ہوں اور میں کچھ نہیں جانتا کہ آئندہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ اور (نہ یہ کہ) تمہارے ساتھ (کیا کیا جائے گا) میں تو بس اسی کا پابند ہوں جو میرے پاس وحی آتی ہے اور میں تو بس علانیہ ڈرانے والا ہوں۔"

(۹) ولا تقف ما لیس لک بہ علم (پ ۱۵ س بنی اسرائیل ع ۴) اور جس چیز کا تمہیں یقین نہ ہو (خواہ مخواہ) اس کے

پیچھے نہ پڑا کرو۔"

(۲۰) ولا تعجل بالقرآن من قبل ان یقضیٰ الیک وحیہ وقل رب زدنی علماً (پ ۱۶ س طٰہٰ ع ۱۵) "اے رسولؐ قرآن کے پڑھنے میں اس سے پہلے کہ تم پر اس کی وحی پوری کر دی جائے، جلدی نہ کیا کرو۔ اور دعا کرو کہ اے میرے پالنے والے میرے علم کو اور زیادہ فرما۔"

(۲۱) قل ان ادری اقریب ما توعدون ام یجعل لہ ربی امداً (پ ۲۹ س جن ع ۱۲) "اے رسولؐ تم کہدو کہ میں نہیں جانتا کہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے قریب ہے یا میرے پروردگار نے اس کی مدت دراز کر دی ہے۔"

(۲۲) وما کان لی من علم بالملأ الاعلیٰ اذ یختصمون ان یوحیٰ الی الا انما انا نذیر مبین (پ ۲۳ س ص ع ۱۴) "عالمِ بالا کے رہنے والے (فرشتے) جب باہم بحث کرتے تھے اس کی مجھے بھی خبر نہ تھی میرے پاس تو بس وحی کی گئی ہے کہ میں (خدا کے عذاب سے) صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔" (ترجمہ فرمانؑ)

ہم نے ان آیات وافی ہدایات کو بلا تبصرہ صرف مولانا سید فرمان علی اعلی اللہ مقامہ کے مطلب خیز ترجمہ کے ساتھ پیش کر دیا ہے اسی سے اربابِ عقل و انصاف اس بات کا اذعان و یقین حاصل کر سکتے ہیں کہ کائناتِ ارضی و سماوی کے ذرہ ذرہ، عالمِ امکان کے گوشہ گوشہ اور ہر شخص کے ظاہری و باطنی حالات و کوائف کو ہر وقت بالفعل جانتا اور ان پر ناظر و نگران ہونا فقط ذاتِ خداوندی کے ساتھ مختص ہے واللہ بکل شئی محیط۔ پورے عوالمِ امکانیہ میں کوئی ہستی بھی اس صفت میں اس کی شریک و سہیم نہیں نہ بالذات اور نہ بالاعطاء وہو المقصود۔

ناظر ہونے کی نفی احادیثِ معصومینؑ کی روشنی میں

ان تمام ادعیہ و احادیث کے جمع و احصاء کے لئے تو ایک دفتر درکار ہے۔ چونکہ مذکورہ بالا علمی احاطۂ تامہ و وسعتِ نظر کے ذاتِ ایزدی کے ساتھ مختص ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ ہم بطور نمونہ قطرہ از دریا اس بحرِ ذخار سے چند ادعیہ و احادیث شریفہ پیش کرتے ہیں۔ وما توفیقی الا باللہ۔

(۱) جناب امام زین العابدین علیہ السلام دعائے تسبیح میں فرماتے ہیں: "سبحانک سبحت فی الملأ الاعلیٰ تسمع وتریٰ ما تحت الثریٰ۔ سبحانک تریٰ ما فی قعر الماء۔ سبحانک تسمع انفاس الحیتان فی قعور البحار۔ سبحانک تعلم وزن السمٰوات سبحانک تعلم وزن الارضین سبحانک تعلم وزن الشمس والقمر۔ سبحانک تعلم وزن الظلمۃ والنور سبحانک تعلم وزن الفیئ والھواء سبحانک تعلم وزن الریح کم ھی من مثقال ذرۃ (صحیفہ کاملہ ص ۳۱۲ طبع ایران) (ترجمہ) "پاک ہے تو عالمِ بالا کے رہنے والوں میں تیری تسبیح ہو۔ امام عالی مقامؑ نے ہر ہر فقرہ کے ساتھ "سبحانک" کی قید لگا کر ظاہر فرما دیا۔ اس وسعتِ علمی میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

(۲) مسجد کوفہ میں بمقام نوح علیہ السلام جو چار رکعت نماز حاجت پڑھی جاتی ہے۔ اس کے بعد پڑھی جانے والی

پاک ہے تو جو کچھ پانی کی گہرائی میں ہے اسے تو دیکھتا ہے۔ پاک تیری ذات تو سمندروں کی گہرائیوں میں مچھلیوں کے سانس لینے کی آواز سنتا ہے۔ پاک ہے تیری

دعائے مبارک میں وارد ہے۔ اللّٰھم انی اسئلک یا من لا تراہ العیون ولا تحیط بہ الظنون ولا یصفہ الواصفون ولا تغیرہ الحوادث ولا تفنیہ الدھور تعلم مثاقیل الجبال ومکائیل البحار وورق الاشجار ورمل القفار وما اضاءت بہ الشمس والقمر واظلم علیہ اللیل ووضح علیہ النھار ولا تواری منک سماء سماءً ولا ارض ارضاً ولا جبل ما فی اصلہ ولا بحر ما فی قعرہ الخ (مفاتیح الجنان ص ۳۴۹) (ترجمہ) اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں۔*

(۲) جناب امیر علیہ السلام ایک خطبہ میں اپنے خالق و مالک کے علم و نظر کی وسعت و پہنائی کا ان الفاظ میں ذکر فرماتے ہیں: "لم یقرب من الاشیاء بالتصاق ولم یبعد عنھا بافتراق لا یخفی علیہ من عبادہ شخوص لحظة ولا کرور لفظة ولا ازدلاف ربوة ولا انبساط خطوة فی لیل داج ولا غسق ساج یتفیأ علیہ القمر المنیر وتعقبہ الشمس ذات النور فی الافول والکرور وتقلب الازمنة والدھور من اقبال لیل مقبل وادبار نھار مدبر الخ (نہج البلاغہ ص ۲۵ طبع مصر و مترجم اردو رئیس احمد جعفری ص ۴۲۵)" "وہ چیزوں میں مل کر (چپک کر) قریب نہیں ہے، اور نہ ان سے جدا ہو کر دور ہے (یعنی لوازم جسم و مکان سے پیدا شدہ صفتوں کا اس پر بولنا اور اپنے استعمال مراد لینا غلط ہے) اس سے بندوں کی معمولی گردش نظر اور ایک لفظ کی تکرار، ٹیلیوں پر چڑھنے تاریکی شب میں قدم بڑھانے کی حالت پوشیدہ نہیں۔ اور اندھیری پرسکون رات جس میں چمکتا چاند سایہ فگن ہوتا، اور اس کے پیچھے نورانی سورج نکلتا اور ابھرتا رہتا ہے۔ زمانوں کے انقلاب یعنی آنے والی رات کی آمد اور پلٹنے والے دن کے ڈوبنے سے وہ آگاہ ہے۔"

ZIARAAT.COM

(۳) نیز سید الموحدین علیہ السلام ایک خطبۂ جلیلہ میں اپنے پروردگار کی اس طرح تعریف و توصیف فرماتے ہیں۔

"لا یشغلہ شأن ولا یغیرہ زمان ولا یحویہ مکان ولا یصفہ لسان لا یعزب عنہ عدد ولا دبیب النمل علی الصفا ولا مقیل الذر فی اللیلة الظلماء یعلم مساقط الاوراق وخفی طرف الاحداق الخ" (نہج البلاغہ مصری ج ۲ ص ۱۰۴ و مترجم اردو ص ۵۵۹) "وہ (خدا) جسے کوئی مصروفیت دوسرے کام سے نہیں روکتی، نہ زمانہ اس میں تبدیلی کرتا ہے نہ جگہ اسے گھیرتی ہے۔ نہ زبان اس کی تعریف کر سکتی ہے۔ پانی کے قطروں اور آسمان کے تاروں کی گنتی اس کے علم سے باہر نہیں ہے نہ یہ بات خارج از علم ہے کہ ہوا فضا میں کتنے ذرے اڑاتی ہے۔ نہ یہ بات اس سے پوشیدہ ہے کہ چٹان پر چیونٹے کس طرح چلتے ہیں۔ نہ یہ کہ چیونٹیاں تاریک رات کی اندھیاری کہاں گزارتی ہیں اسے پتیوں کے گرنے کے ٹھکانے معلوم ہیں۔ کنکھیوں اور آنکھوں کے اشارے جانتا ہے۔" مولائے کائنات کے اس کلام معجز نظام سے واضح و عیاں ہو گیا۔ کہ یہ بلندی علم و باریکی نظر خدا کی ذات سے مخصوص ہے ورنہ ظاہر ہے کہ اگر خدا کے علاوہ کوئی اور بھی ان صفات کا حامل ہوتا تو پھر اس صورت میں خدا کی اس تعریف و تمجید کا کوئی موقع و محل باقی نہ رہتا۔ چنانچہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: "من شبہ اللہ بخلقہ فھو مشرک" "جو شخص (کسی صفت میں بھی)

* اے وہ ذات جسے آنکھیں دیکھ نہیں سکتیں گمان اس کا احاطہ نہیں کر سکتے [illegible]

[illegible]

کی تعداد کو جانتا ہے نیز تو ان چیزوں سے بھی واقف ہے جن پر سورج چمکتا اور رات کی تاریکی اور دن کی روشنی چھائی ہے کہ آسمان تجھ سے کسی آسمان کو

خدا کو اس کی کسی مخلوق کے ساتھ تشبیہ دے وہ مشرک ہے۔ (توحید شیخ صدوقؒ ص۶۸ طبع بمبئی)

(۵) جناب امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ "لو وقفنا علی کل شیئ خلقه الله تعالی لمَ خلقه ولای شیئ انشأه لکنا ساویناه فی علمه وعلمنا کلما یعلم واستغنینا عنه وکنا وهو فی العلم سواء" یعنی اگر ہمیں ہر اس چیز کا مکمل علم ہوتا جسے خدا نے پیدا کیا ہے کہ اسے کیوں اور کس لئے پیدا کیا ہے؟ تو ہم علم میں خدا کے برابر ہو جاتے جو کچھ وہ جانتا ہے وہ سب ہم بھی جانتے" اور اس سے بے نیاز ہو جاتے" (جو کہ بدیہی البطلان ہے) (الدمعة الساکبہ ص۲۳)

امام علیہ السلام نے کس احسن انداز میں اپنے علم کل کی نفی فرمائی ہے۔ سچ ہے "وما یعلم جنود ربك الا هو"

(۶) امام زین العابدینؑ دعائے صلوات بر ملائکہ میں چند فرشتوں پر نام بنام سلام بھیجنے کے بعد فرماتے ہیں" ومن اوهمنا ذکره ولم نعلم مکانه منك وبای امر وکلته الخ (صحیفہ ص۳۱)" بارالٰہا ان فرشتوں پر بھی درود و سلام بھیج جن کا ہم نے ذکر نہیں کیا۔ اور نہ ہی ان کے متعلق ہمیں یہ معلوم ہے کہ تیرے نزدیک ان کا مرتبہ و مقام کیا ہے اور نہ یہ معلوم ہے کہ تو نے ان کو کس امر پر مامور کیا ہے"۔ علامہ سید علی خان ان فقروں کی شرح میں لکھتے ہیں" فیه دلالة علی انه لا یعلم اصناف الملائکة غیر خالقها کما قال تعالی وما یعلم جنود ربك الا هو (ریاض السالکین ص۹۵) یعنی اس کلام میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ فرشتوں کے تمام اصناف و اقسام کو سوائے ان کے خالق کے اور کوئی نہیں جانتا۔ جیسا کہ اس کا ارشاد ہے۔ (اے رسولؐ) تیرے پروردگار کے لشکروں کو سوائے اس کے اور کوئی نہیں جانتا"۔ جب امام علیہ السلام کے اس فرمان کے مطابق ان کو فرشتوں کی تعداد بھی معلوم نہیں تو پھر وہ پورے عالم امکان کے ناظر و نگران کس طرح ہو سکتے ہیں؟"

(۷) ابو بصیرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا۔ کچھ لوگ کہتے ہیں۔ فرمایا کیا کہتے ہیں؟ عرض کیا کہتے ہیں کہ "انك تعلم قطر المطر وعدد النجوم وورق الشجر ووزن ما فی البحر وعدد التراب"۔ آپ بارش کے قطرے، ستاروں کی تعداد، درختوں کے پتے، سمندروں کی مقدار اور خاک کے ذروں کی تعداد جانتے ہیں؟ ابو بصیر کہتے ہیں۔ امامؑ نے یہ کلام سن کر سر اقدس آسمان کی طرف بلند کر کے دو مرتبہ کہا۔ "سبحان اللہ، سبحان اللہ! پھر فرمایا لا واللہ ما یعلم هذا الا اللہ۔ نہ خدا کی قسم۔ یہ چیزیں، نہیں جانتا مگر خدا تعالیٰ" (رجال کشی ص۱۹۳، بحار ج۵، ص۲۵)

جب امام علیہ السلام ان چیزوں کا علم نہیں رکھتے تو پھر کائنات کے ذرہ ذرہ پر بالفعل ناظر کس طرح ہو سکتے ہیں۔

(۸) متعدد روایات میں موجود ہے کہ جب ان ذوات مقدسہ سے کسی ایسی چیز کے بارے میں سوال کیا جائے جو پہلے ان کے علم میں نہ ہو تو فوراً خدا، روح القدس کے ذریعہ ان کی تائید و تسدید کرتا ہے۔ ایسی روایات کا ایک شمہ پہلے باب میں بیان کیا جا چکا ہے (بصائر الدرجات جز ہفتم، بحار وغیرہ) اس سے واضح ہوتا ہے کہ معصومینؑ کو ہر ہر چیز کا ہر وقت بالفعل

علم نہیں ہوتا۔ ہاں عندالضرورت خدا کسی نہ کسی ذریعہ سے تعلیم فرما دیتا ہے اس لئے وہ کسی سائل کے جواب سے عاجز نہیں ہو سکتے۔ والحجۃ من لا یقول لا ادری۔

(۹) اس مضمون کی متعدد روایات کتبِ حدیث میں موجود ہے کہ شب جمعہ کو اوصیاء کی شان عجیب ہوتی ہے تمام سابقہ انبیاء و اوصیاء کی ارواحِ مقدسہ اور موجودہ حجتِ خدا کی رُوحِ اقدس کو عرش پر لے جایا جاتا ہے۔ وہاں پہنچ کر وہ رحیں عرشِ الٰہی کا سات مرتبہ طواف کرتی اور اس کے ہر ہر قائمہ (ستون) کے پاس دو دو رکعت نماز پڑھتی ہیں۔ جب صبح واپس لوٹتی ہیں تو انبیاءؑ و اوصیاءؑ کے سینے سرور و شادمانی سے لبریز ہوتے ہیں۔ اور موجودہ وصی کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ "و زید فی علمہ مثل جم الغفیر" ان کے علم میں بہت ہی اضافہ ہو جاتا ہے۔ بعض روایات میں یہ الفاظ موجود ہیں "ولا یرجع الا بعلم مستفاد و لولا ذالک لا نفدنا۔ جب وہ (موجودہ حجت خدا) واپس لوٹتے ہیں۔ تو نئے حاصل کردہ علم کے ساتھ۔ اور اگر یہ اضافہ و ازدیاد کا سلسلہ برابر جاری نہ رہے تو ہمارا علم ختم ہو جائے۔ (اصول کافی۔ ہفتم بحار بصائر وغیرہ)

(۱۰) اس مضمون کی بکثرت احادیث موجود ہیں کہ امامؑ کا اصل باعثِ عزت و افتخار علم تو وہ ہے جس میں منجانب اللہ ہر شب و روز، بلکہ ہر ساعت بساعت بلکہ ہر لحظہ بہ لحظہ برابر اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ معصومؑ کا ارشاد ہے "ولولا انا نزداد لنفد ما عندنا"۔ اگر اس طرح برابر ہر وقت (بذریعہ الہام و القاء نقر فی السمع و نکت فی القلب وغیر مخصوص ذرائع و اسباب سے) ہمارے علم میں اضافہ نہ ہوتا ہے تو ہمارا موجودہ علم ختم ہو جائے (اصول کافی۔ ہفتم بحار بصائر) اگر ان بزرگواروں کو پہلے ہی کائنات کی ہر چیز کا علم کلی و تفصیلی و فعلی ہوتا ہے تو پھر شب جمعہ بلکہ ہر شب و روز بلکہ ہر لحظہ بہ لحظہ اس میں اضافہ و ازدیاد کا کیا مطلب ہے؟

(۱۱) بکثرت روایات میں وارد ہے کہ ان ذواتِ مقدسہ کے پاس انبیاءؑ و مرسلینؑ کے صحف و کتب موجود ہیں بعض اوقات ان کی طرف رجوع کر کے بعض چیزیں معلوم کرتے ہیں (اصول کافی۔ ہفتم بحار۔ بصائر وغیرہ)

(۱۲) اس مضمون کی متعدد روایات موجود ہیں کہ ائمہ اطہارؑ کے پاس جفر و جامعہ و مصحف فاطمہؑ موجود ہے جن میں تمام احکامِ شرعیہ اور جمیع ما یحتاج الیہ الناس کی تشریح مذکور ہے۔ بوقت ضرورت ان کی طرف بھی رجوع فرمایا کرتے ہیں۔ (اصول کافی۔ ہفتم بحار۔ بصائر وغیرہ) اربابِ عقل و خرد کو سوچنا چاہئے۔ کہ اگر ان بزرگواروں کے تمام علوم تفصیلی اور فعلی ہیں تو پھر صحفِ انبیاء یا جفر و جامعہ وغیرہ کی طرف رجوع کرنے کے کیا معنی ہیں؟

(۱۳) کئی اخبار و آثار سے واضح و آشکار ہوتا کہ کراماً کاتبین کے علاوہ خدا نے کچھ فرشتوں کی یہ ڈیوٹی مقرر کی ہے کہ عالم میں جو جو حادثات و واقعات رونما ہوتے ہیں۔ وہ ان کی اطلاع امام زمانہؑ کو دیتے ہیں۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام ایک حدیث میں فرماتے ہیں۔ "وما من یوم یاتی علینا ولا لیل الا واخبار اہل الارض عندنا وما یحدث فیہا وما من

لاک یموت فی الارض ویقوم غیرہ الا ونا تینا بخبرہ وکیف جاز سیرتہ فی الدنیا (دمعۂ ساکبہ ص۲۹۲) وئی دن یا رات ایسی نہیں آتی جس میں اہلِ زمین کی خبریں اور جو کچھ زمین ہوتا ہے۔ یا کوئی بادشاہ مرتا ہے اور دوسرا س کی جگہ بیٹھتا ہے جس کی اطلاع فرشتے ہمیں نہ دیتے ہوں۔"

اعلانِ حق

انہی حقائق سے متاثر ہو کر جواہر الاسرار کے ناشر نے کھلے لفظوں میں حق و حقیقت کا اقرار کر لیا ہے۔ چنانچہ کتاب مذکور کے ص۱۱ پر بذیل عنوان نوٹ لکھتے ہیں: "گذشتہ صفحات میں ہم بیان کر چکے ہیں۔ لحاضر سے مراد حاضر بالقوۃ ہے اور ناظر سے مراد یہ ہے کہ دنیا و مافیہا میں ہونے والے ہر کام فرشتے امامؑ کی خدمت میں پہنچاتے ہیں۔ اور جو امر خداوند عالم کی جانب سے نازل ہوتا ہے اس پر بھی پہلے امام وقت کو ہی مطلع کیا جاتا ہے۔ تا آخر

(۲) اسی طرح یہ امر بھی متعدد اخبار و آثار سے ظاہر ہوتا ہے کہ ائمہ اطہارؑ کے کچھ مومن جن خادم ہیں جو ان کی خدمت میں عالم کے اہم واقعات کی اطلاع پہنچاتے ہیں۔ چنانچہ امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے آپؑ نے اپنے خاص صحابی جناب محمد بن مسلم سے فرمایا اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ ہم تمہارے حالات و کوائف پر مطلع نہیں تو یہ تمہارا گمان بہت ہی برا ہے۔ اگر ہم آپ کے حالات سے واقف نہ ہوں۔ تو پھر ہم کو تم پر فضیلت ہی کیا ہے؟ پھر امامؑ نے موصوف کو وہ واقعہ یاد دلایا جو اُن کو اُن کے ہمراہی کے ساتھ مقام ربذہ میں پیش آیا تھا۔ جناب محمد بن مسلم نے تصدیق کرتے ہوئے تعجب کے انداز میں دریافت کیا۔ مولا! آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟ فرمایا۔ باطلاع اللہ ما انا بساحر ولا کاھن ولا بمجنون۔ لکنہا من علم النبوۃ ونحدث بہا یکون! خدا کے اطلاع دینے سے۔ میں نہ جادوگر ہوں، نہ کاہن، اور نہ دیوانہ۔ بلکہ جو کچھ ہے یہ سب علم نبوت کا فیض ہے (دنیا میں) جو کچھ ہوتا ہے ہمیں اس کی اطلاع کر دی جاتی ہے۔ راوی نے عرض کیا ہمارے حالات و کوائف کی آپ کو کون اطلاع دیتا ہے؟ امامؑ نے فرمایا "احیاناً ینکت فی قلوبنا ویوقر فی اسماعنا ومع ذلک فان لنا خدماً من الجن مؤمنین وھم لنا اطوع منکم" "بعض اوقات تو اس کا ہمارے دلوں میں القا کر دیا جاتا ہے۔ اور بعض اوقات کانوں میں آواز سنائی دیتی ہے علاوہ بریں جنات میں سے کچھ مومن جن ہمارے خادم ہیں۔ جو تم سے بھی زیادہ ہمارے مطیع و فرمانبردار ہیں۔ وہ بھی اطلاع دیتے ہیں، راوی نے عرض کیا۔ آپ سب ائمہؑ کے پاس ایک ایسا جن ہوتا ہے؟ فرمایا "نعم یخبرنا بجمیع ما انتم فیہ وعلیہ۔ ہاں وہ ہمیں سب حالات سے آگاہ کرتا ہے۔" (بحار ج ۱۱ ص۱۱، الدمعۃ الساکبہ ص۱۵۳) امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: "یا سدیر! ان لنا خدماً من الجن فاذا اردنا السرعۃ بعثناھم" اے سدیر! ہمارے کچھ جن خادم ہیں جب ہمیں کسی معاملہ میں جلدی (کہیں کوئی پیغام وغیرہ پہنچانا) ہو تو ان کو بھیج دیتے ہیں (دمعہ ساکبہ ص۱۵۳)

صاحبانِ دانش و بینش ذرا غور و فکر سے کام لیں کہ اگر ائمہ طاہرینؑ براہ راست ہر وقت، ہر لحظہ اور ہر آن پورے عالمِ امکان کے ذرہ ذرہ پر ناظر ہیں، تو پھر فرشتوں اور جنوں کے ذریعہ اطلاعات حاصل کرنے کے کیا معنیٰ ہیں؟؟

نیز ان احادیث سے بعض ان روایات کا مطلب بھی واضح ہو جاتا ہے جن میں وارد ہے کہ "ان لنا مع کل ولی اذنا سامعۃ و عینا ناظرۃ۔ کہ ہمارے ہر محب کے ساتھ گوش شنوندہ اور چشم بینندہ موجود ہے"۔ ان حدیثوں سے ہویدا ہے کہ اس سے مراد فرشتوں اور جنوں کے ذریعہ اطلاع حاصل کرنا ہے۔ فلا تغفل۔

(۵) انبیاء و ائمہ علیہم السلام کی عملی زندگی میں بیسیوں ایسے واقعات ملتے ہیں۔ جن سے ان کے ناظر ہونے کی صریحی نفی ہوتی ہے۔ غزوۂ تبوک کے متعلق ارباب تاریخ کا اتفاق ہے کہ آنحضرتؐ کو بعض لوگوں نے اطلاع دی کہ کفار روم وغیرہ ایک لشکر جرار لے کر مدینہ پر چڑھائی کی غرض سے روانہ ہو چکے ہیں۔ آنحضرتؐ نے بھی بڑے شد و مد کے ساتھ تیاری فرمائی اور بہت لاؤ لشکر کے ساتھ جنگی حملہ کو روکنے کی غرض سے سفر کی بے شمار صعوبتیں اور زحمتیں جھیلنے کے بعد جب بمقام تبوک پہنچے جو حوالی شام میں ایک مقام کا نام ہے تو معلوم ہوا کہ وہ اطلاع غلط تھی۔ کفار نے کوئی چڑھائی نہیں کی۔ اس لئے جناب واپس تشریف لائے (تمام کتب سیر و تواریخ)

(۶) آنحضرتؐ کی ایک زوجہ محترمہ پر تہمت زنا لگائی گئی۔ جناب کو روحانی صدمہ ہوا۔ اس محترمہ پر ناراض ہو گئے۔ جب خداوند عالم نے قرآن نازل کر کے اس کی صفائی پیش فرمائی۔ تب حضورؐ کا غصہ فرو ہوا (پ ۱۸ س نور ع ۲) ان واقعات سے آنحضرتؐ کے علم فعلی حضوری اور تفصیلی کی نفی روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

(۷) حضرت امام حسین علیہ السلام ادھر آٹھویں ماہ ذی الحجہ ۶۰ھ کو عمرۂ تمتع کے احرام کو عمرۂ مفردہ سے بدل کر مکہ مکرمہ سے عراق روانہ ہوتے ہیں۔ ادھر نو ذی الحجہ کو آپ کے سفیر خاص جناب مسلم بن عقیلؑ جام شہادت نوش فرماتے ہیں۔ امام راستہ میں برابر کوفہ کی طرف سے آنے والے ہر شخص سے وہاں کی تازہ صورت حال دریافت کرتے ہیں حتیٰ کہ منزل ثعلبیہ پر کوفہ کی طرف سے آنے والے ایک اسدی آدمی کے ذریعہ جب جناب مسلمؑ و ہانیؒ کی شہادتوں کی اطلاع ملتی ہے تو گریہ و بکا فرماتے ہیں۔ کلمۂ استرجاع (انا للہ الخ) پڑھتے ہیں (تمام کتب مقاتل وغیرہ)

اگر اس قسم کے تمام واقعات درج کئے جائیں تو ان کے لئے ایک دفتر درکار ہے مگر عاقلاں را اشارہ کافیست ان حقائق سے کالشمس فی نصف النہار واضح و آشکار ہو گیا کہ سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام بالفعل کائنات کے ذرہ ذرہ پر ناظر نہیں ہیں۔ و ھو المقصود وقد حصل اللہ بعون اللہ الودود۔

ناظر ہونے کی نفی علماء اعلام کے بیان کی روشنی میں نیز علم حضوری کی تردید اور حصولی کا اثبات

اس سلسلہ میں کثیر التعداد علمائے اعلام کا کلام حقیقت ترجمان پیش کیا جا سکتا ہے مگر چونکہ استقراء تام و استقصاء عام کرنا مقصود نہیں۔ اس لئے صرف چند اعاظم کا بیان قارئین کرام کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ اور انہی بیانات

کی روشنی میں ضمناً ایک اور معرکۃ الآرا مسئلہ کا صحیح حل بھی معلوم ہو جائے گا کہ آیا رسول خداؐ و ائمہ ہدیٰؑ کا علم حضوری ہے یا حصولی؟ ہاں یہ واضح رہے کہ اس مقام پر علم حضوری اور حصولی کے وہ معنی مراد نہیں۔ جو فن منطق میں بیان کئے جاتے ہیں بلکہ حضوری سے مراد یہ ہے کہ تمام اشیاء کے متعلق ان حضرات کا علم اس طرح احاطی تفصیلی اور بالفعل ہے کہ انہیں توجہ اور التفات کرنے کی بھی ضرورت درپیش نہیں آتی۔ اور حصولی سے مراد یہ ہے کہ ان کا علم ارادی و تدریجی ہے ان کی ابتدائے خلقت روحانی و نورانی سے لے کر اس وقت تک برابر اس میں منجانب اللہ مخصوص ذرائع سے اضافہ و ازدیاد کا سلسلہ جاری وساری ہے جب ارادہ و توجہ فرمائیں فرش سے عرش اور ثریا سے ثریٰ تک جس چیز کو چاہیں باعلام اللہ معلوم کر لیتے ہیں۔ وھذا ھو الحق الحقیق بالاتباع۔

(۱) جناب علامہ محمد باقر مجلسیؒ جفر و جامعہ اور مصحف فاطمہؑ والی احادیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں "وفی بعض الاحوال یحتاجون الی ذلک لانہ لم یکن جمیع العلوم حاضرۃ عندھم بل یحتاجون الی مراجعۃ بعض الکتب او الی روح القدس الخ" یعنی بعض حالات میں ان بزرگواروں کو اس چیز (پردہ اٹھا کر دیکھنے) کی ضرورت درپیش آجاتی ہے کیونکہ تمام علوم ان کے پاس بالفعل حاضر نہیں بلکہ ان کو بعض (جفر و جامعہ وغیرہ) یا روح القدس کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے (مرآۃ العقول ج ۱ ص۱۶۱)

(۲) فاضل جلیل مولانا سید حسین لکھنوئیؒ نے حدیقہ سلطانیہ ج ۲ میں متعدد مقامات پر بڑی تفصیل کے ساتھ علم حضوری وفعلی کی نفی فرمائی ہے۔ اور یہ بحث ص۲۰ سے کر ص۳۰ تک پھیلا ہوا ہے۔ ص۲۱ پر فرماتے ہیں "پس دعویٰ فعلیت جمیع علوم کہ منافی ایں اخبار وغیر ان از متواترات بالمعنی است افراط است در مراتب علیہ حضرات ایشاں" یعنی تمام علوم کے بالفعل حاصل ہونے کا دعویٰ مذکورہ بالا اور ان کے علاوہ متواتر معنوی تک پہنچے ہوئے اخبار کے منافی ہونے کی وجہ سے ان حضرات کے حق میں کھلم کھلا افراط ہے۔"

(۳) آقائی الحاج مرزا محمد احمد آبادی اصفہانی اپنی کتاب الشمس الطالعہ فی شرح الزیارۃ الجامعہ ص۴۱ طبع اصفہان پر لکھتے ہیں: "نیز پوشیدہ نماند کہ آنچہ از اخبار استفادہ می شود آنست کہ علم ائمہ حصولی است و غلط است علم حضوری گفتن" یعنی جاننا چاہیے کہ جو کچھ اخبار اہل بیتؑ سے مستفاد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ائمہ علیہم السلام کا علم حصولی ہے اسے حضوری قرار دینا غلط ہے۔"

(۴) عالم نحریر سید محمد مہدی القزوینی الکاظمی نے اپنی کتاب بوار الغالین مطبوعہ بمبئی کے ص۳۹ سے ص۵۵ تک پورے سترہ صفحوں تک علم حضوری کا ابطال اور علم حصولی کا اثبات کیا ہے شائقین تفصیل اس کتاب کی طرف رجوع کریں اس میں مصنف محترم نے تمام فرقۂ محقہ کے اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔ کہ علم معصوم حصولی ہے نہ حضوری ہے چنانچہ انہوں نے اس مسئلہ کا عنوان ہی یہ قرار دیا ہے: "مسئلۃ من جملۃ ما خالف بہ الشیخیۃ للفرقۃ المحقۃ مسئلۃ علم المعصوم من حیث کونہ حضوریا بزعمھم وعند اھل الحق علمہ حصولی۔ الخ (ص۳۹) یعنی منجملہ ان مسائل کے جن میں فرقۂ شیخیہ

(مفوضہ) نے فرقۂ محقہ (شیعہ اثنا عشریہ) کی مخالفت کی ہے۔ ایک یہ مسئلہ بھی ہے کہ وہ کہتے ہیں۔ کہ معصوم کا علم حضوری ہے۔ حالانکہ تمام اہل حق کے نزدیک ان کا علم حصولی ہے"۔

(۵) عالم جلیل آقائی آقا شیخ جمال الدین صاحب الامری اپنی کتاب سبیل النجاۃ فی اصول الاعتقادات ص۱۲۲ پر بعنوان المبحث الرابع فی کیفیۃ علم الامام" یہ لکھنے کے بعد کہ ایک جماعت اس کی قائل ہے کہ علم امام حضوری ہے اور دوسرے لوگ اسے حصولی قرار دیتے ہیں۔ رقمطراز ہیں: "والجماعۃ الاولیٰ ھم الغلاۃ حیث انھم قالوا بحضور الممکنات عندھم وان علمھم من لوازم ذواتھم الشریفۃ .... (الی ان قال) بل المستفاد من مدرکیۃ هذه الاخبار ھو کون علمھم حصولیاً۔ الخ۔ پہلی جماعت غالیوں کی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ائمہؑ کا علم حضوری ہے یعنی تمام کائنات ان کے نزدیک حاضر ہے اور ان کا علم ان کی ذواتِ مقدسہ کے لوازم میں سے ہے لیکن اخبارِ معصومینؑ سے جو کچھ مستفاد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ان کا علم حصولی ہے"۔

(۶) صاحبِ ضوابط الاصول (ج ۱ ص۲۵۸) نے تو اس بات پر کہ معصوم کا علم حصولی ہے تمام علماء امامیہ کے اتفاق کا دعویٰ کیا ہے فرماتے ہیں: "اتفاق الامامیۃ علی کون علم المعصوم ارادیاً لا فعلیاً حضوریاً"۔ "تمام فرقہ امامیہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ معصوم کا علم ارادی ہے اور فعلی (حضوری) نہیں ہے"۔

(۷) آیت اللہ المرزا السید محمد حسن الشیرازی (۸) آیت اللہ الشیخ محمد حسین الکاظمینی (۹) آیت اللہ الشیخ محمد حسین اردکانی (۱۰) آیت اللہ السید محمد حسین الشہرستانی اعلی اللہ مقامہم سے دریافت کیا جاتا ہے: "القول بان امیرالمومنین علیہ السلام عالم بما کان وما یکون بالفعل ھل ھو صحیح ام باطل؟ آیا یہ کہنا کہ حضرت امیر علیہ السلام بالفعل تمام ماکان ومایکون کے عالم ہیں، یہ صحیح ہے یا باطل؟ یہ سب حضرات اس کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم هذه المقالۃ باطلۃ فاسدۃ" (نوادر الغالبین ص۳۱ مطبوعہ بمبئی) "یہ نظریہ بالکل باطل اور فاسد ہے"۔

ان اعلام کے کلام حق ترجمان سے یہ حقیقت واضح و عیاں ہو گئی ہے کہ ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ عالم کے ہر ذرہ ذرہ کا بالفعل علم رکھتے ہیں، یہ شیعی عقیدہ نہیں بلکہ یہ غالیوں اور مفوضہ کا عقیدہ ہے اعاذنا اللہ من شرورھم

تائید مزید

اس امر کی کہ امامؑ کا علم حصولی و ارادی ہے، تائید مزید ان احادیث سے بھی ہوتی ہے جن میں وارد ہے ان الامام اذا اراد ان یعلم شیئاً علم۔ یا اذا اراد الامام ان یعلم شیئاً اعلمہ اللہ" جب امام کسی چیز کے معلوم کرنے کا ارادہ فرمائیں تو باعلام اللہؑ اسے معلوم کر لیتے ہیں"۔ اس مضمون کا اصول کافی میں (ج۱ ص۱۲۸) پر پورا ایک باب موجود ہے"۔

ناظر ہونے کی نفی عقلِ سلیم کی روشنی میں

چونکہ یہ مسلمہ قانون ہے کہ "کلما حکم بہ الشرع حکم بہ العقل"

یصلہ شریعت مقدسہ کرے عقل سلیم بھی وہی فیصلہ کرتی ہے بنابریں جب سطور بالا میں سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کے ناظر نے کی قرآن، خود انہی بزرگواروں کے فرمان، اور علماء اعلام کے کلام کی روشنی میں نفی کر دی گئی تو بعد ازیں عقل سلیم بھی ں کی حرف بحرف تائید مزید کرتی ہے کہ اس طرح عالمِ امکان کی ہر شئی پر خواہ زمانہ ماضی سے متعلق ہو یا زمانہ حال سے وابستہ یا ہنوز استقبال کے پردہ میں روپوش ہو۔ بالفعل کلی احاطہ کرنا کسی بھی مخلوق اور ممکن الوجود ہستی کے لئے ممکن نہیں ہے۔ یں ممکن الوجود ہے اس کی توجہ ایک وقت میں ایک ہی طرف ہو سکتی ہے مثلاً اگر خالق کی عبادت و مناجات میں منہمک ہے پھر مخلوق کی طرف توجہ نہ ہوگی۔ اور اگر امور خلق میں مشغول ہے۔ تو خالق کی طرف توجہ نہ ہوگی۔ الغرض جب ایک کام کی طرف میان ہوگا۔ تو دوسرے کام کی طرف توجہ نہ ہوگی۔ یہ خدا کی ہی شان ہے کہ "لا یشغلہ شان عن شان" جسے ایک کام دوسرے ام سے غافل نہیں کر سکتا۔

نیز یہ بات بھی محتاج بیان نہیں کہ خداوند عالم ستار العیوب ہے "یا من اظہر الجمیل و ستر القبیح" اگر خدائے منان کی بندہ نوازی نہ ہوتی۔ اور لوگوں کو ایک دوسرے کے چھپے ہوئے عیوب و نقائص کا علم ہو جاتا تو نہ کوئی کسی کو سلام کرتا ور نہ کفن و دفن میں شریک ہوتا۔ چنانچہ حدیث میں وارد ہے۔ "لو تکاشفتم لما تدافنتم" یعنی اگر تمہیں ایک دوسرے ے حالات و کیفیات کا علم ہو جائے تو تم ایک دوسرے کو دفن کرنا چھوڑ دو (خزینۃ الجواہر وغیرہ) خدا تو اس قدر رؤف رحیم ہے کہ بندہ کے بعض مخصوص حالات میں اپنے خاص فرشتوں (کراماً کاتبین) کو بھی الگ کر دیتا ہے جیسا کہ دعائے کمیل کے س فقرہ "والشاہد لما خفی عنہم" "وائے اللہ! تو میرے ان حالات سے بھی واقف ہے جو کراماً کاتبین پر پوشیدہ ہیں) ی شرح میں معصومینؑ سے اس کی تفصیلات مروی ہیں۔ تو دریں حالات "آیا عقل سلیم یہ باور کر سکتی ہے کہ وہی خدائے کریم و لیم اپنے انبیاء و ائمہ طاہرین صلوات اللہ علیہم اجمعین کو یہ تمکین دیدے (بنابر تسلیم امکانِ عقلی) کہ ہر وقت، ہر لحظہ اور ہر ن ہر شخص کی ہر حرکت و سکون پر ناظر ہوں، خواہ کوئی اپنی عورت سے مقاربت کر رہا ہو۔ یا زنا کا ارتکاب کر رہا ہو۔ کسب حلال کر رہا ہو یا چوری میں مشغول ہو۔ کسی کا ناحق خون بہا رہا ہو۔ یا کسی کی عزت و ناموس پر ڈاکہ ڈال رہا ہو۔ لباس میں ملبوس ہو۔ یا مجرد عن اللباس ہو غسل خانہ میں نہا رہا ہو یا بیت الخلاء میں رفع حاجت کر رہا ہو؟ "آللہ اذن لکم ام علی اللہ تفترون۔" مالکم کیف تحکمون۔

اس مسئلہ میں آخری فیصلہ علمِ نبیؐ و امامؑ ارادی ہے

ان حقائق کے پیش نظر یہ بات تو پایہ ثبوت تک پہنچ جاتی ہے۔ کہ "لیس علمہم کعلم اللہ تعالیٰ فی تعلقہ بکل شئی من الاشیاء الممکنۃ فی جمیع العوالم فی الازمنۃ الماضیۃ والحالیۃ والمستقبلیۃ" یعنی ان ذواتِ مقدسہ کا علم خداوندی کی طرح ایسا نہیں ہے کہ اس کا تعلق تمام عوالمِ امکانیہ کے تمام ازمانِ ماضیہ و حالیہ اور استقبالیہ میں تمام اشیائے ممکنہ کے ساتھ بالفعل ہو (یہ بات ذاتِ خداوندی کے ساتھ مختص ہے) اس بات پر حضرت شیخ مفیدؒ نے فرقۂ امامیہ کثرہم اللہ

فی البریۃ کے اجماع و اتفاق کا دعویٰ کیا ہے۔ (مرآۃ العقول ج ا ص۱۸۹ بحوالہ مسائل عکبریہ) لہٰذا اب دو ہی رستے ہیں۔ پہلی قسم کی روایات (جو نفی پر دلالت کرتی ہیں۔ جن کا ایک شمہ اوپر بیان ہو چکا ہے) یا دوسری قسم کی روایات (جن سے اثبات مترشح ہوتا ہے جن کا ایک شمہ بعد ازیں ازالۂ شکوک و اوہام کے ضمن میں بیان ہوگا انشاء اللہ) کو غلط قرار دے کر بالکل نظر انداز کر دیا جائے۔ یا پھر ان کے درمیان جمع و توفیق کی کوئی راہ پیدا کی جائے۔ بظاہر ہے کہ پہلے طریقۂ کار کو اختیار نہیں کیا جا سکتا۔ اور نہ ہی ہمارے کرم فرما اسے پسند کریں گے۔ کیونکہ ان کے نزدیک معصومین کی طرف ہر منسوب شدہ روایت قابلِ قبول ہے اور اس میں شک کرنا کفر (حقائق الوسائط ص۲۳ وغیرہ) لہٰذا دوسرا طریقہ ہی درست ہے اور وہ جمع و توفیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ علمِ نبیؐ و امامؑ کو ارادی قرار دیا جائے۔ کہ اگر وہ کسی چیز کے معلوم کرنے کا ارادہ فرمائیں تو از ثریٰ تا ثریا و از عرش تا فرش ہر چیز کو باعلام اللہ معلوم کر لیتے ہیں (الا ما ثبت استثنائہ) (ایسی توجیہ فرمانے والی روایات میں سے بھی کچھ پر تبصرہ کا ایک شمہ اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ الغرض ان بزرگواروں پر یہ اشعار پوری طرح منطبق ہوتے ہیں ؎

یکے پرسید ازاں گم کردہ فرزند ۔۔۔ کہ اے روشن گہر پیر خردمند
ز مصرش بوئے پیراہن شمیدی ۔۔۔ چرا در چاہ کنعانش ندیدی
بگفت احوال ما برق جہانست ۔۔۔ دمے پیدا و دمے دیگر نہان است
گہے بر طارم اعلیٰ نشینیم ۔۔۔ گہے بر پشت پائے خود نہ بینیم

یہی وہ معقول اور صحیح حل ہے جسے بڑے بڑے علماء و محدثین و محققین مثل سرکار ثقۃ الاسلام کلینیؒ (در اصول کافی) جناب علامہ مجلسیؒ (در بحار) حضرت شیخ حر عاملیؒ (در فصول مہمہ) حضرت شیخ انصاری (در رسائل) فاضل تنکابنی (در شرح رسائل) علامہ سید حسین لکھنویؒ (در حدیقۂ سلطانیہ) فاضل سید مہدی کاظمینی (در بوار الغالیین) صاحب ضوابط الاصول علامہ برقعی (در کتاب عقل و دین) صراط الحق فی المعارف الاسلامیۃ والاصول الاعتقادیۃ طبع نجف کے فاضل مصنف کا مفصل کلام بقید ترجمان اس سلسلہ میں یہاں پیش کیا جاتا ہے چنانچہ وہ اپنی اسی کتاب کی ج ۲ ص۳۴۲ پر مباحثِ طویلہ کے بعد جمع بین الاخبار کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔ "والذی اراہ فی دفع ھذا التنافی۔ ھو حمل النوع الاول علی تمکنھم من النظر والرؤیۃ وانہ اذا شاؤا ذلک ولو علی البدل لرأوا لا علی الفعلیۃ والوقوع فانھا بعیدۃ بل لعلھا غیر میسورۃ لھم وکیف یصح لممکن مادی ان لا یشغلہ شأن عن شأن، فلا یمنعہ التوجہ الی عمل عامل فی الشرق عن الالتفات الی حرکۃ متحرک فی الغرب او یکون ناظراً الی جمیع ما یصدر من المکلفین وھو یتکلم مع اھلہ، واصحابہ او نائم علی فراشہ او مشغول بالمناجات مع ربہ ولا دلیل یفی بھذا الحد من الالتفات حتی الروایات الواردۃ فی روح القدس الذی یؤید الائمۃ الدالۃ علی انہ لا یلھو ولا یتغیر ولا یلعب، وبالجملۃ ان صحت ھذہ المرتبۃ عقلاً لا دلیل علی اثباتھا لھم خارجاً

لاعقلاً ولا نقلاً بل من لا یشغلہ شأن عن شأن هو اللہ سبحانہ وتعالیٰ" یعنی میں سمجھتا ہوں کہ یہ ظاہری) اختلاف و تعارض اس طرح دور ہو سکتا ہے۔ کہ پہلی قسم والی آیات و روایات کو جو عموم علم پر دلالت کرتی ہیں۔ (جو ہماری ترتیب سے دوسری قسم ہیں) کو اس بات پر محمول کیا جائے۔ کہ یہ بزرگوار جب چاہیں تو توجہ کرکے ہر چیز کو اگرچہ بطور تبادل (یکے بعد دیگرے) سہی معلوم کر لینے پر قدرت رکھتے ہیں۔ (اور دوسری قسم کو (جو ہماری ترتیب سے قسم اول ہیں) [illegible] نفی فعلیت پر محمول کیا جائے کہ ان حضرات کو ذرہ ذرہ کا اس طرح بالفعل علم نہیں ہے کہ ان کو توجہ بھی نہ کرنا پڑے، نہ کہ فعلیت اور وقوع پر کیونکہ یہ بات بہت ہی بعید از عقل ہے بلکہ ان کے لئے ممکن ہی نہیں ہے۔ بھلا ایک ممکن الوجود مخلوق کے لئے یہ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ اسے ایک کام دوسرے کام سے باز نہ رکھے، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مشرق میں کام کرنے والے شخص کی طرف توجہ کرنا اسے مغرب میں کسی حرکت کرنے والے شخص کی حرکت کی طرف توجہ کرنے سے نہ روکے، یا یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ وہ تمام عالم کے مکلفین کی طرف (ایک وقت) ناظر و متوجہ ہو۔ باوجودیکہ وہ (بظاہر) اپنے اہل و عیال یا اپنے اصحاب و احباب کے ساتھ باتیں کر رہا ہے۔ یا رخت خواب پر سو رہا ہے، یا اپنے پروردگار کے ساتھ مناجات کرنے میں مشغول ہے (جبکہ یہاں وہ مشہور واقعہ ذہن نشین رہے کہ حالت نماز میں جناب امیرؑ کے پائے اقدس سے تیر کھینچ لیا گیا تھا مگر بوجہ محویت در عبادت ان کو خبر تک نہ ہوئی۔ تو کیا عین اسی حالت میں وہ کائنات کی ہر چیز پر ناظر ہو سکتے ہیں؟) ہمارے پاس کوئی ایسی دلیل (عقلی یا نقلی) موجود نہیں۔ جو اس حد تک (وسعت) و انتقالات پر دلالت کرے۔ حتیٰ کہ وہ روایات جو اس روح القدس کے متعلق وارد ہیں جو انبیاءؑ کی تائید و تسدید کرتا ہے۔ کہ وہ لہو و لعب میں مبتلا نہیں ہوتا اور نہ اس میں کوئی تغیر و تبدل ہوتا ہے خلاصہ کلام آنکہ اگر اس مرتبہ و مقام کو عقلاً (بالفرض) تسلیم کر لیا جائے تو جب بھی اس کے وقوع پر کوئی عقلی یا نقلی دلیل موجود نہیں ہے بلکہ وہ ذات جسے ایک کام دوسرے کام کی طرف توجہ کرنے سے باز نہیں رکھ سکتا وہ فقط خدائے قدیر و خبیر کی ہی ذات ہے۔" (کذا افادہ استاذنا آیۃ اللہ الحکیم اعلی اللہ مقامہ فی مستمسک العروۃ الوثقیٰ ج ۱ ص ۱۰۵ الطبعۃ الاولیٰ فراجع)

علامہ سید حسین لکھنوی فرماتے ہیں "پس آنچہ بعضے گمان کردہ اند کہ در ہر حال و ہر وقت حضرات را علم جمیع اشیاء حاصل است خالی از تحکم نیست بلکہ مراد ہماں است کہ گفتیم کہ ایشاں متمکن اند از علم جمیع اشیاء والا ما ثبت استثنائہ (حدیقہ سلطانیہ ج ۳ ص ۲۱۶) یعنی بعض لوگوں نے جو یہ گمان کیا ہے کہ ان ذوات مقدسہ کو ہر وقت اور ہر حالت میں ہر شئی کا بالفعل علم ہے یہ سراسر تحکم و سینہ زوری (دعویٰ بلا دلیل ہے) بلکہ مقصود وہی ہے جو ہم نے بیان کیا ہے کہ یہ حضرات جب چاہیں۔ تو ہر چیز کے معلوم کرنے پر قدرت رکھتے ہیں۔ سوائے ان چیزوں کے جن کا استثناء ثابت ہے۔" پھر ص ۲۱۳ پر لکھا ہے "پس دعویٰ فعلیت جمیع علوم کہ منافی ایں اخبار و غیر آں از متواترات بالمعنیٰ است افراط است در مراتب علیہ حضرات ایشاں" یعنی تمام علوم کی فعلیت کا دعویٰ کرنا مذکورہ بالا اخبار وغیرہ کا جو تواتر معنوی تک پہنچے ہوئے ہیں۔ کے منافی ہے اور ان بزرگواروں کے مراتب میں کھلم کھلا افراط ہے۔" ان فی ذلک لبلاغاً لقوم یعقلون۔

افادۂ جدید علم نبیؐ و امامؑ تدریجی ہے

مذکورہ بالا حقائق سے ایک اور علمی مسئلہ بھی خود بخود حل ہو گیا۔ کہ ان ذواتِ مقدسہ کا علم تدریجی ہے یعنی ابتدائے آفرینش سے لے کر اس وقت تک برابر اس میں ازدیاد و اضافہ ہو رہا ہے آنی و دفعی نہیں ہے کہ ایک ہی مرتبہ خالق نے سب کچھ دے کر اب ہمیشہ کے لئے فیضانِ علم کا دروازہ بند کر دیا۔ اور ان کے دامنِ مراد پُر ہو گئے اور مزید اضافہ و ازدیاد کی گنجائش نہ رہی (معاذ اللہ) مذکورہ بالا حقائق پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالنے کے بعد یہ مسئلہ قریباً قریبہ بدیہیات میں داخل ہو جاتا ہے جس پر مزید خامہ فرسائی کی ضرورت نہیں ہے علاوہ مذکورہ بالا دلائل و براہین کے یہاں صرف ایک آیتِ مبارکہ کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ ارشادِ قدرت ہے قل رب زدنی علما۔ اے حبیبؐ! مجھ سے مانگو اے میرے پروردگار میرے علم کو زیادہ کر" یہ ازدیاد و اضافہ کا سلسلہ تا حال جاری ہے۔ روایاتِ اہل بیتؑ میں وارد ہے کہ جب بھی امام وقت پر مبداء فیض سے علم و فضل کا تازہ افاضہ ہوتا ہے۔ تو اس کی ابتداء جنابِ رسولِ خدا سے کی جاتی ہے تاکہ آخر کا علم اول کے علم سے نہ بڑھ جائے۔ (اصول کافی)

جنابِ رسولِ خداؐ فرماتے ہیں اذا اتی علیّ یوم لا ازداد فیه علماً یقربنی الی الله فلا بارک الله فی طلوع شمسه جب کوئی ایسا نیا دن طلوع کرے جس میں میرے علم میں کوئی ایسا مفید اضافہ نہ ہو جو مجھے اللہ کے اور زیادہ قریب کر دے تو خدا اس دن کے طلوعِ آفتاب میں برکت نہ دے۔ (تفسیر صافی ص ۲۹) ظاہر ہے کہ اگر روزِ اول ہی تمام علوم ممکنہ حاصل ہو جاتے تو پھر روز بروز اور لحظہ بلحظہ اس میں ازدیاد و اضافہ کے کوئی معنی باقی نہیں رہتے۔ اور نہ ضرورت و حاجت۔ اور یہ چیز عیاں را چہ بیان کی مصداق ہے۔ یہ وہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ہمارے خلاف تیغِ زبان و قلم بے دریغ استعمال کرنے والوں نے بھی اس کا اعتراف کر لیا ہے۔ چنانچہ صاحب حقائق العقائد (ص ۲۰۲ پ) لکھتے ہیں "اس کا یہ مطلب نہیں کہ خداوند عالم نے روزِ اول کل علوم انہیں مرحمت فرما دیئے یہ تو اس وقت ممکن ہوتا جب علم خداوندی کی کوئی حد مقرر ہو سکتی معاذ اللہ روزِ اول وہ مخصوص قوت جو ان کے سوا کسی کو نہیں بخشی گئی۔ انہیں عطا فرمانے کے بعد مبداء فیاض سے ہمیشہ ان پر فیوض ہوتے رہے اور وہ اخذ فرماتے رہے۔" فخذ هذا وکن من الشاکرین ولا تکن من الخاسرین۔ والحمد لله رب العالمین۔

بعض شکوک و اوہام کا ازالہ

اب ہم ذیل میں اہل افراط و غلو کے متمسکات یا بالفاظ مناسب شکوک و شبہات کا ازالہ کرتے ہیں۔ تاکہ یہ مسئلہ من جمیع الجہات مکمل بلکہ اکمل ہو جائے۔

پہلا شبہ اور اُس کا جواب

ارشادِ قدرت ہے قل اعملوا فسیری الله عملکم ورسوله والمومنون۔ (پ ۱۱۔ س توبہ ع ۲) (اے رسولؐ! تم کہدو کہ تم لوگ اپنے اپنے کام کئے جاؤ۔ ابھی تو خدا اور اُس کا رسولؐ اور مومنین تمہارے کاموں کو دیکھیں گے۔"

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح ہر وقت خدا ہمارے اعمال و افعال کو دیکھتا ہے اسی طرح جنابِ رسولِ خداؐ اور کچھ خاص مومنین (ائمہ طاہرینؑ) بھی ہمارے اعمال کو دیکھتے ہیں فرق صرف بالذات اور بالتبع کا ہے۔" اس شبہ کا جواب

اخبار و آثار ائمہ اطہارؑ پر گہری نگاہ رکھنے والوں پر واضح و آشکار ہے۔ ان اخبار کا خلاصہ یہ ہے کہ جناب رسول خداؐ اور ائمہ ہدیٰؑ کی رویت اعمال بذریعہ کراماً کاتبین ہے۔ اس سلسلہ میں اخبار مستفیضہ وارد ہیں۔ چنانچہ اصول کافی ص۱۷۱ پر ایک پورا باب موجود ہے جس کا عنوان ہے عرض الاعمال علی النبیؐ والائمۃ علیہم السلام۔ یعنی "جناب رسول خداؐ و ائمہ ہدیٰؑ کی بارگاہ میں اعمال کا پیش کیا جانا"۔ اس باب کے ذیل میں چھ احادیث موجود ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ تعرض الاعمال علی رسول اللہ اعمال العباد کل صباح ابرارھا وفجارھا فاحذروھا وھو قول اللہ عزوجل اعملوا فسیری اللہ عملکم ورسولہ" یعنی "ہر صبح تمام نیک یا بد لوگوں کے اعمال آنحضرتؐ کی خدمت بابرکت میں پیش کئے جاتے ہیں۔ پس ان اعمال سے ڈرو۔ یہی مطلب ہے آیت قل اعملوا فسیری اللہ عملکم الآیۃ کا" بصائر الدرجات طبع جدید از ص۴۲۴ تا ص۴۳۰ سطر اول میں تین ابواب کے ضمن میں اس قسم کی پوری اٹھائیس روایات شریفہ موجود ہیں۔ جن میں سے اکثر و بیشتر روایات میں اسی آیت مبارکہ کے ساتھ تمسک کرتے ہوئے حضرات معصومینؑ نے اپنی رویت اعمال کو ثابت کیا ہے۔ صرف ایک روایت تبرکاً پیش کی جاتی ہے۔

عبداللہ بن ابان زیات بیان کرتا ہے کہ قلت للرضا ادع اللہ لی ولاھل بیتی قال اولست افعل واللہ ان اعمالکم لتعرض علی فی کل یوم ولیلۃ فاستعظمت ذلک فقال اما تقرأ کتاب اللہ قل اعملوا فسیری اللہ عملکم ورسولہ والمؤمنون" میں نے حضرت امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ آپؑ میرے اور میرے گھر والوں کے لئے دعائے خیر فرمائیں۔ آنجنابؑ نے فرمایا (تمہارا کیا خیال ہے) کیا میں اس سے قبل دعا نہیں کیا کرتا؟ بخدا ہر صبح و شام تمہارے اعمال میرے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔ راوی کہتا ہے میں نے اس کو بہت بڑا دعویٰ سمجھا۔ آنجنابؑ نے فرمایا کیا تم نے قرآن مجید نہیں پڑھا جس میں خدا فرماتا ہے تم عمل کرو۔ خدا، اس کا رسولؐ اور کچھ خالص مومنین تمہارے اعمال کو دیکھتے ہیں" (ص۲۲۹) اسی طرح تفسیر صافی ص۲۱۵ پر اسی آیہ مبارکہ کے ذیل میں اسی مضمون کی نو عدد روایات موجود ہیں۔ اسی طرح تفسیر برہان ج۲ ص۱۵۵ تا ص۱۵۸ اسی مضمون کی چوبیس عدد روایات شریفہ مذکور ہیں۔ جن میں سے اکثر روایات میں مروی ہے کہ ائمہ اطہارؑ نے عرض اعمال کا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا وھو قول اللہ عزوجل قل اعملوا فسیری اللہ الآیۃ یعنی یہ ہے مطلب ارشاد خداوندی قل اعملوا فسیری اللہ عملکم۔ الخ۔۔۔ کا۔ ہفتم بحار الانوار از ص۱۰۲ تا ص۱۰۸ پر بھی اس عنوان کا پورا ایک باب موجود ہے جس میں اس مضمون کی بیسیوں روایات مبارکہ مندرج ہیں فراجع حتی تعرف صدق المقال وتنکشف لک حقیقۃ الحال انشاء اللہ المتعال

پس جس طرح یہ لوگ اس قدر تسلیم کرتے ہیں کہ خدا اور رسولؐ و ائمہؑ کی رویت میں بالذات و بالتبع کا فرق موجود ہے۔ اسی طرح ان روایات معتبرہ کی روشنی میں ان کو یہ بھی ماننا پڑیگا۔ کہ رویت خداوندی بلاواسطہ ہے اور رویت رسول خداؐ و ائمہ ہدیٰؑ بواسطۂ ملائکہ ہے۔ نیز ان ارشادات معصومینؑ سے یہ حقیقت بھی واضح و آشکار ہو جاتی ہے۔ کہ جو کچھ ہم نے اپنی کتاب احسن الفوائد ص۲۹۵-۲۹۴ طبع اول پر بعنوان "فرشتوں کا نامۂ اعمال کو جناب رسول خداؐ اور ائمہ ہدیٰؑ کی خدمت میں لے جانا" اور اس کے تحت شب و روز کے

فرشتوں کا معصومینؑ کی بارگاہِ اقدس میں نامہ ہائے اعمال پیش کرنے کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھا ہے کہ "یہ ہے مطلب آیت مبارکہ قل اعملوا فسیری اللہ عملکم ورسولہ والمومنون کا" یہ بالکل صحیح اور ارشاداتِ معصومینؑ کا لب لباب ہے۔ ان حقائق کے بعد قارئین کرام خود اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کہ بعض رسائل کے مقدمہ نگار کا اسے ہمارا ذاتی اجتہاد قرار دینا اور اس رسالہ کے مؤلف کا اسے تفسیر بالرائے ظاہر کرنا کہاں تک مبنی برحقیقت ہے؟

مذکورہ بالا تفاسیر اہلبیتؑ کے پیش نظر اب ناظرین کرام کے لئے یہ فیصلہ کرنا بالکل آسان ہے کہ آیا ہماری بیان کردہ تفسیر تفسیر بالرائے ہے اور اس آیت مبارکہ سے بے ربط ہے۔ یا ان حضرات کی نگارشات ائمہ معصومینؑ کی تعلیمات کے سراسر خلاف اور اعتراضات سوادِ علمی کے بالکل منافی ہیں۔ مگر ؎

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد — جو چاہے آپ کا علم کرشمہ ساز کرے

لیکن ایسا کرنے والو یاد رکھو ع

قریب ہے یارو روزِ محشر ہر ایک شئے کا حساب دو گے

دوسرا شبہ اور اس کا جواب

متعدد روایات میں مختلف عبارات و تعبیرات کے ساتھ مروی ہے کہ فاذا مضی الامام الذی کان قبلہ رفع لھذا منارمن نور ینظر بہ الی عمل الخلائق فاذا قام بھذا الامر رفع اللہ لہ فی کل بلد منارا ینظر بہ الی اعمال العباد فاذا صار الامر الیہ جعل اللہ لہ عموداً من نور یبصر بہ ما یعمل کل اھل بلدۃ بہ (سابع بحار الانوار، بصائر الدرجات، اصول کافی، تفسیر برہان وغیرہ)

ان تمام روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ جب امام عالی مقام ظاہری منصبِ امامت پر فائز المرام ہوتا ہے تو خداوند عالم اس کے لئے ایک عمودِ نور (نورانی ستون) قائم کرتا ہے جس کے ذریعہ وہ اعمالِ خلائق کو دیکھتا ہے ان احادیث سے ائمہ اطہارؑ کا لوگوں کے اعمال پر ناظر ہونا ثابت ہے" اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ یہ روایات اس حیثیت سے مجمل ہیں کہ "منارہ نور" "عمود نور" سے کیا مراد ہے؟ بموجب قاعدہ "الاحادیث یفسر بعضہا بعضاً"

ان تمام روایات کی صحیح تشریح و توضیح حضرت امام رضا علیہ السلام کی صحیح السند حدیث شریف سے ہوتی ہے جو اصول کافی ص ۱۹۹ باب موالید الائمہ اور تفسیر برہان ج ۲ ص ۱۵۸ وغیرہ میں مذکور ہے (وھی ھذا) علی بن ابراھیم عن محمد بن عیسیٰ بن عبید قال کنت انا وابن فضال جلوسا اذ اقبل یونسؒ فقال دخلت علی ابی الحسن الرضا علیہ السلام فقلت لہ جعلت فداک قد اکثر الناس فی العمود" قال فقال لی یا یونس ما تراہ اتراہ عموداً من حدید یرفع لصاحبک قال قلت ما ادری قال لکنہ ملک موکل بکل بلد یرفع اللہ بہ اعمال تلک البلدۃ قال فقام ابن فضال فقبل رأسہ وقال رحمک اللہ ابا محمد لا تزال تجیئنی بالحدیث الحق الذی یفرج بہ عنا۔ یعنی محمد بن عیسیٰ بن عبید بیان کرتے ہیں۔ کہ میں اور ابن فضال بیٹھے تھے۔ کہ جناب یونس آئے اور یہ واقعہ بیان کیا۔

کہ میں نے حضرت امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا میں آپ پر قربان ہو جاؤں۔ لوگ عمود کے متعلق بہت کچھ بیان کرتے ہیں (یعنی اس کے متعلق کچھ وضاحت فرمائیے) آنجنابؑ نے فرمایا اے یونس! کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ وہ لوہے کا کوئی ستون ہے جو تمہارے صاحب (امامؑ) کے لئے کھڑا کیا جاتا ہے؟ میں نے عرض کیا مجھے تو اس کا کوئی علم نہیں ہے! امام عالی مقامؑ نے فرمایا یہ (عمود) ایک فرشتہ ہے جسے خدا نے ہر ہر شہر پر موکل کر رکھا ہے اس کے ذریعہ خدا اس شہر والے لوگوں کے اعمال (امامؑ تک) پہنچاتا ہے۔" اس وقت ابن فضالؒ نے اٹھ کر یونس کے سر پر بوسہ دیا اور کہا اے ابو محمد! خدا تم پر رحم کرے تم ہمیشہ ایسی ہی سچی احادیث پیش کرتے ہو جن کی وجہ سے خدا ہماری عقدہ کشائی کر کے حیرانی و سرگردانی کو دور کر دیتا ہے۔"

احادیث عمود کے متعلق بعض اعلام کا تحقیقی بیان

اس حدیث شریف کی روشنی میں واضح و لائح ہو گیا کہ "منار نور" "عمود نور" سے مراد بطور استعارہ فرشتہ ہے جو لوگوں کے حالات و کوائف بارگاہ معصومینؑ میں پیش کرتا ہے۔ روایت کے ساتھ درایت کی بھی اشد ضرورت ہوتی ہے اسی لئے حضرات معصومینؑ کا ارشاد ہے "درایۃ تدریہ خیر من الف ترویہ" (اساس الاصول ص۳۲ بحوالہ معانی الاخبار) یعنی ایک روایت کی درایت اور لفظ و معنی کی جانچ پڑتال (بے سوچے سمجھے) ہزار روایت نقل کرنے سے بہتر و برتر ہے۔ (اس موضوع پر کتاب کے دیباچہ میں سیر حاصل تبصرہ کیا جا چکا ہے) کلام امام کی روشنی میں ان احادیث "عمود" کا جو مفہوم ہم نے متعین کیا ہے۔ علماء اعلام کے کلام حقیقت ترجمان سے بھی اس کی حرف بحرف تائید مزید ہوتی ہے۔ سردست یہاں دو بزرگواروں کا کلام پیش کیا جاتا ہے (۱) عالم ربانی مولانا ملا محمد صالح مازندرانیؒ مذکورہ بالا حدیث شریف کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "ظاهره ان العمود هو الملك الموكل برفع اعمال العباد وعلى هذا يحمل المنار من النور المذكور في الاخبار السابقة على الملائكة الموكلين به لان المبيّن يفسر المجمل وتسميتهم اعمدة من باب اطلاق احد المتجاورين على الآخر او من باب تسمية السبب باسم المسبب لان العمود في الحقيقة نور الاعمال" (شرح اصول کافی از مولانا محمد صالح مازندرانی ج ۶ ص ۱۰۵)

(یعنی اس حدیث سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ عمود سے مراد وہ فرشتہ ہے جو لوگوں کے اعمال پیش کرنے پر موکل ہے بنا بریں سابقہ روایات میں "منارۂ نور" کے جو الفاظ مذکور ہیں وہ بھی انہی ملائکہ پر محمول ہوں گے۔ جو اس کام پر موکل ہیں۔ کیونکہ واضح روایات مجمل روایات کی تشریح کرتی ہیں۔ باقی رہا فرشتوں پر عمود کا اطلاق کرنا تو یہ دو مجاوروں میں سے ایک کا نام دوسرے کو دینے یا از قسم تسمیہ سبب باسم مسبب اطلاق کیا گیا ہے جو کہ مجاز کی ایک قسم ہے) [illegible] کیونکہ فی الحقیقت تو عمود نور ہے وہ نور الاعمال ہے جس کے پہنچانے کا سبب فرشتے ہیں اس لئے مجازاً انہیں "عمود نور" کہہ دیا گیا ہے)

(۲) اسی طرح غواص بحار اخبار ائمہ اطہارؑ سرکار علامہ مجلسی قدس سرہ اسی حدیث کی شرح میں رقمطراز ہیں: "الحدیث السابع صحیح وابن فضال هو الحسن بن علی ویونس هو ابن عبد الرحمن وجلوس جمع جالس استعمل فی الاثنین

قد اکثر الناس ای القول او الاختلاف فی معنی العمود المذکور فی الاخبار انه یرفع للامام وتسمیة الملک عموداً علی الاستعارة کانه عمود نور ینظر فیه الامام اولان اعتماده فی کشف الامور علیه یا ابا محمد کنیة لیونس یفرج الله ای الغمو الکروب والحیرة۔ انتهی کلامه رفع فی الخلد مقامه (مرآة العقول ج ۱ ص ٢٩١) یعنی ساتویں حدیث صحیح ہے۔ ابن فضال کا نام حسن بن علیؒ ہے۔ اور یونسؒ سے یونس بن عبد الرحمٰن مراد ہے جلوس جالس کی جمع ہے۔ جیسے یہاں دو فردوں میں استعمال کیا گیا ہے اکثر الناس یعنی لوگ اس عمود کی حقیقت میں بہت اختلاف کرتے ہیں۔ جو امام کے لئے نصب کیا جاتا ہے (امام نے جو عمود و نور سے فرشتہ مراد لیا ہے تو فرشتہ کا نام عمود بطور استعارہ تجویز کیا گیا ہے گویا کہ وہ فرشتہ نور کا ایک ستون ہے جس میں امام دیکھتا ہے یا وجہ تسمیہ یہ ہے کہ انکشافِ امور میں امام علیہ السلام کا اس فرشتہ پر اس طرح اعتماد ہوتا ہے۔ ابو محمد جناب یونس کی کنیت ہے۔ یفرج اللہ یعنی تمہارے ذریعہ خدا ہماری حیرت و پریشانی دُور کر دیتا ہے۔"

ان حقائق کی روشنی میں واضح ہو گیا کہ احادیثِ عمود سے امام کے ہر وقت ہر چیز پر ناظر ہونے پر استدلال کرنا کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔

تیسرا شبہ اور اُس کا جواب

رُوح القدس کے اوصاف میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں۔ ان میں سے بعض میں وارد ہے کہ روح القدس ثابت یری به فی شرق الارض وغربها وبرّها وبحرها الخ (بصائر الدرجات وغیرہا) روح القدس ثابت رہتی ہے جس کے ذریعہ نبیؐ و امامؑ مشرق و مغرب اور خشکی و تری کی چیزیں دیکھتے ہیں۔ نیز وارد ہے "بروح القدس علموا جمیع الاشیاء الخ" اور اسی روح القدس کے ذریعہ وہ تمام چیزوں کو جان لیتے ہیں۔"

ان روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبیؐ و امامؑ ہر وقت تمام چیزوں پر ناظر ہوتے ہیں۔"

اس شبہ کا جواب باصواب ہماری کتاب کے ناظرین کرام پر مخفی و مستور نہیں ہے ہم پہلے باب میں متعدد دلائل و براہین سے یہ حقیقت واضح و آشکار کر چکے ہیں کہ روح القدس فرشتوں میں سے ایک عظیم المرتبت فرشتہ ہے لہٰذا اس سے ہمارے موقف کی تائید مزید ہوتی ہے۔ کیونکہ جیسے بزرگوار اس عالم علل و اسباب میں ملائکہ کی وساطت سے بھی بعض اوقات اشیائے عالم کا علم حاصل کرتے ہیں۔ اور یہ بھی منجانب اللہ ان کے لئے حصولِ علم کا ایک ذریعہ ہے لہٰذا اس سے ان ذواتِ مقدسہ کا براہ راست تمام اشیاء پر ناظر ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ نیز روح القدس کے ذریعہ تمام اشیاء کے جاننے کا مطلب بھی وہی ہے جو سطور بالا میں بیان ہوا ہے کہ یہ بزرگوار جب بھی کسی چیز کو معلوم کرنا چاہیں۔ تو باعلام اللہ معلوم کر سکتے ہیں۔ یا پھر اشیاء سے وہ اشیاء مراد ہیں جو منصب نبوت و امامت کے ساتھ وابستہ ہیں۔ والاول اولیٰ۔

چوتھا شبہ اور اُس کا جواب

بصائر و بحار وغیرہ میں بعض ایسی روایات موجود ہیں۔ جن میں وارد ہے کہ تمام زمین امام کی نظر میں ایک اخروٹ کی طرح ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام علیہ السلام تمام اشیاء

جس طرح ستون پر کیا جاتا ہے

پر ناظر ہیں۔ اسی طرح یہ بھی بعض روایات میں وارد ہے کہ درخت اور در و دیوار نظرِ امام کے آگے حائل نہیں ہو سکتے۔ ایسا ہو تو پھر امام اور غیر امام میں فرق ہی کیا رہ جائے۔ اسی طرح بعض اخبار میں وارد ہے ان لنا مع کل ولی اذنا سامعۃ و عینا ناظرۃ۔ ہمارے ہر دوست کے ساتھ ہمارے سننے والے کان اور دیکھنے والی آنکھیں موجود ہیں۔ اسی طرح بعض آثار میں وارد ہے کہ تمام دنیا امام کے سامنے بمنزلہ دسترخوان کے ہے جہاں سے جو چیز چاہیں اٹھا سکتے اور دیکھ سکتے ہیں۔ یہ شبہ بھی بچند وجوہ درجہ اعتبار سے ساقط ہے۔

اولاً۔ اس لئے کہ اس قسم کی روایات، اخبار احاد اور وہ بھی شاذ اور غیر مستند ہونے کی وجہ سے اس قابل نہیں۔ کہ اس اہم اصولی مسئلہ میں ان کے ساتھ تمسک کیا جائے۔ جیسا کہ کتاب ہذا کے دیباچہ میں اس امر کی وضاحت کی جا چکی ہے۔

ثانیاً بنا بر تسلیم ان روایات کا وہ مطلب نہیں جو یہ حضرات لیتے ہیں، (جس کا عقلی و نقلی دلائل قاطعہ سے سابقہ اوراق میں مکمل ابطال کر کے اس کا محال ہونا ثابت کیا جا چکا ہے) بلکہ ان کا مفہوم یہ معلوم ہوتا ہے کہ مقام اعجاز میں ایسا ہوتا ہے۔ ہمارے اس مفہوم کی اس امر سے بھی مزید تقویت ہوتی ہے۔ کہ ایسی روایات مدینۃ المعاجز وغیرہ کتب میں معجزات کے ضمن میں مذکور ہیں۔

ثالثاً چونکہ یہ ایک مسلمہ کلیہ ہے کہ متشابہ کی محکم اور مجمل کی مفصل و مبین روایات تفسیر و تشریح کرتی ہیں لہٰذا ان توضیحی روایات کے پیشِ نظر جو سابقہ اوراق میں بیان ہو چکی ہیں۔ کہ ان الامام اذا اراد شیئا اعلمہ اللہ۔ کہ امام جب کسی چیز کو معلوم کرنا چاہیں تو خدا انہیں بتلا دیتا ہے۔ ان روایات کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ جب امام کسی چیز کے معلوم کرنے کا ارادہ فرمائیں تو اس وقت وہ اسی طرح باسانی اسے معلوم کر لیتے ہیں کہ گویا تمام دنیا ان کی نظر اقدس میں ایک اخروٹ کی مانند ہے یہ ایک استعارہ و کنایہ ہے کہ یہ بزرگوار از فرش تا عرش و از ثریا تا ثری و از مشرق تا مغرب و از جنوب تا شمال غرضیکہ کائنات عالم کی جس چیز کے معلوم کرنے کا ارادہ فرمائیں۔ تو اسے باعلام اللہ معلوم کر لیتے ہیں۔ (والحجۃ من لا یقول لا ادری) اس سے بڑھ کر اور ائمہ اہل بیت علیہم السلام کی علمی عظمت و جلالت کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے؟ اور اس سے ان بزرگواروں کے علم پر کوئی عیب و ایراد بھی عاید نہیں ہوتا کیونکہ کسی چیز کے عالم کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اس چیز کا بالفعل عالم ہو اور اس کی تمام جزئیات اس کے ذہن میں مستحضر ہوں بلکہ اس میں اس طرح کا ملکہ و استعداد ہونا کافی ہے کہ جب توجہ کرے تو معلوم کرے چنانچہ معالم الاصول ص۲۳ پر ایک سوال کے جواب میں مرقوم ہے المراد بالعلم بالجمیع التہیؤ لہ وھو ان یکون عندہ ما یکفیہ فی استعلامہ من الماخذ والشرائط واطلاق العلم علی مثل ھذا التہیؤ شائع فی العرف فانہ یقال فی العرف فلان یعلم النحو مثلاً ولا یراد ان مسائلہ حاضرۃ عندہ علی التفصیل الخ یعنی سب اشیاء کے علم سے مراد یہ ہے کہ ان کے معلوم کرنے کا اس کے اندر ایسا ملکہ موجود ہے کہ جب انہیں ان کے ماخذ و شرائط کے ساتھ معلوم کرنا چاہے تو معلوم کرلے اس قسم کی استعداد و آمادگی پر علم کا اطلاق کرنا عرف عام میں شائع ہے مثلاً جب یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص نحو کا عالم ہے تو اس سے مراد نہیں ہوتی کہ نحو کے تمام مسائل بالفعل اس کے ذہن میں حاضر ہیں۔ بلکہ اس سے مراد یہی ہوتی ہے کہ اس میں ان مسائل کے معلوم کرنے کا ایسا ملکہ موجود ہے۔ کہ جب توجہ کرے تو معلوم کر سکتا ہے۔ (کذا فی سبیل النجاۃ) ھذا بیان للناس وھدی وموعظۃ للمتقین۔

ساتواں باب

انبیاء و ائمہ علیہم السلام کے عالم الغیب ہونے یا نہ ہونے کا بیان

یہ مسئلہ کہ آیا انبیاء و ائمہ علیہم السلام عالم الغیب ہیں یا نہ؟ قدیم الایام سے بعض فرقہائے اسلام کے درمیان معرکۃ الآراء اور محل نقض و ابرام رہا ہے اور ہے۔ طرفین سے اس کے متعلق اب تک بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، لکھا جا رہا ہے اور اسی طرح لکھا جاتا رہے گا۔ (ولا یزالون مختلفین)

صرف نزاع لفظی ہے

ہم نے جہاں تک اس موضوع کے تمام پہلوؤں پر ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ غور و خوض کیا ہے اور فریقین کے دلائل و براہین کا پوری دیانتداری اور غیر جانبداری سے جائزہ لیا ہے تو ہم تو ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ تمام ہا و ہو اور یہ بحث و تمحیص صرف نزاع لفظی ہے یعنی فقط الفاظ کا ہیر پھیر اور تحریر و تعبیر کا چکر ہے۔ ورنہ حقیقت میں کوئی باہمی اختلاف و افتراق نہیں ہے۔

محل نزاع کی تعیین

غالباً اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ بجز ذات خداوندی اور کسی بھی مخلوق کو خواہ نبی ہو یا وصی، تمام مغیبات کا کلیۃً و جزئیۃً ازلاً و ابداً علم نہیں ہے۔ نہ بالذات اور نہ بتعلیم اللہ تعالیٰ۔ اسی طرح اس پر بھی قریباً سب کا اتفاق ہے کہ بعض خاصان خدا بتعلیم اللہ بہت سے مغیبات پر اطلاع رکھتے ہیں۔ اور یہ کہ یہ بزرگوار فی الجملہ ماکان و مایکون کے عالم ہیں۔ بعد ازیں اختلاف صرف یہ ہے کہ جب بالاتفاق وہ مغیبات کثیرہ پر اطلاع رکھتے ہیں تو آیا ان کو عالم الغیب کہا جا سکتا ہے یا نہ؟ جو لوگ علمی اصطلاحات سے ناواقف ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ جب یہ بزرگوار بتعلیم اللہ بہت سے مغیبات پر اطلاع رکھتے ہیں تو پھر ان کو "عالم الغیب" کیوں نہ کہا جائے؟ اس لئے وہ ان پر لفظ "عالم الغیب" کا اطلاق کرتے ہیں۔ مگر جو علماء علمی اصطلاحات اور دیگر حقائق پر عمیق نگاہ رکھتے ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ عالم الغیب صرف اسی ذات کو کہا جا سکتا ہے جس کا علم اپنا ذاتی ہو۔ اس لئے وہ ان بزرگواروں کو "عالم الغیب" نہیں کہتے۔ ورنہ جو پہلی صورت منفی ہے اس پر بھی سب کا اتفاق ہے۔ اور جو دوسری صورت ثابت ہے اس پر بھی اتحاد ہے۔

علم غیب کی تعریف

اصل مقصد میں وارد ہونے اور اس پر دلائل و براہین پیش کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں علم غیب کی تعریف بیان کر دی جائے۔ تاکہ اصل مقصد کے سمجھنے میں سہولت و آسانی ہو۔ مخفی نہ رہے کہ علم غیب کی تعریف میں شدید اختلاف ہے۔

پہلی تعریف۔ بعض علماء اعلام نے غیب کی یہ تعریف کی ہے "کل ما لا یعتاد له الحواس من الامور الکائنة

في الحال او الماضي او الاستقبال (شرح اصول کافی از عالم ربانی ملا محمد صالح مازندرانی ج ۲ ص ۲۰۰) یعنی وہ امور جو زمانہ حال یا ماضی یا زمانہ استقبال میں ہوں۔ مگر انسانی ظاہری حواس کی دسترس سے بالاتر ہوں۔" جناب آقائے شعرانی شارح علیہ الرحمہ کے قول "مالا تیناولہ الحواس" کے حاشیہ پر لکھتے [illegible] ہیں۔ قولہ مالا یتناولہ الحواس والصحیح ان یزاد قید آخر وھو ان لا یکون طریق الیہ للعقل ضرورۃ ان العلم باللہ وملائکتہ لا یعد من علم الغیب المبحوث عنہ فی ھذا الباب۔ الخ۔ یعنی یہاں ایک اور قید کا اضافہ کرنا بھی ضروری ہے وہ یہ ہے کہ (علاوہ اس کے کہ اسے ظاہری حواس درک نہ کرسکیں) عقل کی دسترس سے بھی بالاتر ہو کیونکہ ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ اور ملائکہ (اگرچہ ظاہری حواس کی دسترس سے تو بالاتر ہیں) مگر چونکہ عقل کی حد ادراک سے باہر نہیں ہیں۔ اس لئے ان کی معرفت اس علم غیب میں شامل نہیں جو زیر بحث ہے۔ اسی طرح مفسر بیضاوی نے غیب کی درج ذیل تعریف کی ہے جسے علامہ مجلسی نے مرآۃ العقول ج ۱ ص ۲۸۲ پر بلا نقد و تبصرہ درج کیا ہے جس سے ان کی اس پسندیدگی ظاہر ہوتی ہے کما لا یخفی۔ المراد بہ الخفی الذی لا تقتضیہ بدیھۃ العقل وھو قسمان قسم لا دلیل علیہ وھو المعنی بقولہ تعالیٰ وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمھا الا ھو۔ وقسم نصب علیہ دلیل کالصانع وصفاتہ والیوم الآخر واحوالہ وھو المراد فی قولہ سبحانہ یومنون بالغیب۔" یعنی غیب اس پوشیدہ امر کو کہا جاتا ہے جسے نہ تو حواس درک کرسکیں اور نہ ہی بداہت عقل اس کا اقتضاء کرے (نہ سمجھ سکے) اس (غیب) کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جس (کے معلوم کرنے) پر کوئی دلیل قائم نہیں ہے یہی قسم مراد ہے۔ خدا کے اس ارشاد سے کہ غیب کی کنجیاں بس خدا ہی کے پاس ہیں۔ اس کے سوا انہیں کوئی نہیں جانتا۔ اور دوسری قسم وہ ہے جس پر دلیل قائم ہے۔ جیسے خالق عالم کی ہستی، اس کے صفات، یوم آخرت اور اس کے حالات یہی قسم مراد ہے خدا کے اس ارشاد سے کہ مومن وہ ہوتے ہیں جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔" بنا بریں تعریف ظاہر ہے کہ کسی بھی مخلوق کے علم کو سرے سے علم غیب کہا ہی نہیں جاسکتا۔ اس لئے اسے "عالم الغیب" ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کما لا یخفی۔

دوسری تعریف

یہ کی گئی ہے۔" الغیب ما غاب عن الشخص اما باعتبار زمان وقوعہ کالاشیاء الماضیۃ والآتیۃ او باعتبار مکان وقوعہ کالاشیاء الغائبۃ عن حواسنا فی وقتنا واما باعتبار خفائہ فی نفسہ کالقواعد التی لیست ضروریات ولا مستنبطۃ منھا بالفکر الخ (مرآۃ العقول شرح اصول کافی للعلامۃ المجلسی ج ۱ ص ۲۸۲) یعنی غیب وہ ہے جو پوشیدہ ہو (یا اعتبار زمانہ وقوع جیسے گذری ہوئی یا آنے والی چیزیں یا باعتبار مکان وقوع جیسے وہ اشیاء جو اس وقت (بوجہ بُعد مکانی یا بسبب وجود حائل) ہمارے حواس سے پوشیدہ ہیں یا باعتبار اپنی ذاتی خفاء و پوشیدگی کے جیسے وہ قواعد جو نہ تو ضروری و بدیہی ہیں۔ اور نہ ہی نظر و فکر کے ذریعہ حاصل ہو سکتے ہیں۔"

کذا فی مجمع البیان ج ۱ ص ۳۹ بالاختصار "اما الغیب فھو کلما غاب عنک ولم تشھدہ۔"

اس تعریف کی بنا پر اگرچہ "ما کان وما یکون" کا علم رکھنے والی ذوات مقدسہ کو بظاہر عالم الغیب کہا جاسکتا ہے مگر دلائل

لا یعد ذکب الحسن لا

اور وجوہ جو بعد ازیں ذکر کئے جائیں گے اس اطلاق کی ممانعت پر دلالت کرتے ہیں"۔

علمِ غیب آیاتِ قرآن کریم کی روشنی میں

قرآن مجید میں اس قسم کی بکثرت آیات وافی ہدایات موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ علمِ غیب کا خداوند عالم کی ذاتِ عالیہ مستجمع جمیع صفاتِ کمالیہ کے ساتھ مختص ہے ذیل میں بعض آیات پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمہا الا ھو ویعلم ما فی البر والبحر وما تسقط من ورقۃ الا یعلمہا (پ۷ س الانعام ع ۱۳) "اور اس کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو کچھ خشکی اور تری میں ہے اس کو بھی وہی جانتا ہے اور کوئی پتا بھی نہیں کھڑکتا مگر وہ اسے ضرور جانتا ہے" اس آیۂ مبارکہ کی علم غیب کے ذات خداوندی کے ساتھ مختص ہونے پر جو واضح دلالت ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔ جب غیب کے خزائن کی کنجیاں ہی خدا کے پاس ہیں۔ تو وہی جس قدر چاہے اپنے بعض برگزیدگان کو اس میں سے عطا کر دے۔ (ولا یحیطون بشیء من علمہ الا بما شاء)

(۲) عالم الغیب والشھادۃ وھو الحکیم الخبیر (پ۷ س انعام ع ۹) "وہی غائب و حاضر (سب) کا جاننے والا ہے اور وہی دانا واقف کار ہے" علامہ طبرسیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں "ای یعلم ما لا یشاھدہ الخلق وما یشاھدونہ وما یعلمہ الخلق وما لا یعلمونہ لا یخفی علیہ شیء من ذلک وھو الحکیم فی افعالہ الخبیر بعبادہ وافعالھم (مجمع البیان ج ۲ ص ۳۲۳) یعنی خداوند عالم ان باتوں کو جانتا ہے جن کا مخلوق مشاہدہ نہیں کرتی یا جن کا مشاہدہ کرتی ہے۔ اور ان چیزوں کو بھی جانتا ہے۔ جن کو مخلوق نہیں جانتی یا جانتی ہے وہ اپنے افعال میں صاحب حکمت اور اپنے بندوں اور ان کے افعال سے باخبر ہے" اس سے معلوم ہوا کہ "عالم الغیب" خدائے لم یزل کا صفاتی نام ہے۔

(۳) وللہ غیب السموات والارض والیہ یرجع الامر کلہ فاعبدہ وتوکل علیہ وما ربک بغافل عما تعملون (پ۱۲ س یوسف ع ۱۰) "اور سارے آسمان و زمین کی پوشیدہ باتوں کا علم خاص خدا ہی کو ہے۔ اور اسی کی طرف ہر کام پھر پھیر کر لوٹتا ہے تم اس کی عبادت کرو اور اسی پر بھروسہ رکھو۔ اور جو کچھ تم لوگ کرتے ہو اس سے خدا بے خبر نہیں" اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں علامہ طبرسیؒ لکھتے ہیں "معناہ وللہ علم ما غاب فی السموات والارض لا یخفی علیہ شیء منہ ووجدت بعض المشائخ ممن یتسم بالعدل والتشیع قد ظلم الشیعۃ الامامیۃ فی ھذا الموضع من تفسیرہ فقال ھذا یدل علی ان اللہ سبحانہ یختص بعلم الغیب خلافاً لما تقول الرافضۃ ان الائمۃ یعلمون الغیب ولا شک انہ عنی بذلک من یقول بامامۃ الاثنا عشر ویدین بانھم افضل الانام بعد النبیؐ فان ھذا دابہ ودیدنہ فیھم یشنع فی مواضع کثیرۃ من کتابہ علیھم وینسب القبائح والفضائح الیھم ولا نعلم احداً منھم استجاز الوصف بعلم الغیب لاحد من الخلق فانما یستحق الوصف بذلک من یعلم جمیع المعلومات لا بعلم مستفاد وھذا صفۃ القدیم سبحانہ العالم لذاتہ لا یشرکہ فیہ احد من المخلوقین ومن اعتقد ان

غیر اللہ سبحانہ یشرکہ فی ھذہ الصفۃ فھو خارج عن ملۃ الاسلام (الی ان قال) الی غیر ذلک مما روی عنھم ھذہ الاخبار المشہورۃ الی انہ یعتقد کونھم عالمین للغیب وھل ھذا الا سب صریح وتضلیل لھم تکفیر لا یرتضیہ من ھو بالمذاھب خبیر واللہ یحکم بینہ وبینھم والیہ المصیر (مجمع البیان ج ۴، ص ۳۳۵) میں نے بعض شارح کو دیکھا ہے جو کہ ظلم و زیادتی اور طعن و تشنیع کرنے کے عادی ہیں انہوں نے اس مقام پر بھی شیعہ امامیہ پر ظلم کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ علم غیب خدا کے ساتھ مختص ہے اور اس سے رافضیوں کے نظریہ کی تردید ہو جاتی ہے۔ جو یہ کہتے ہیں کہ ائمہؑ علم غیب رکھتے ہیں ظاہر ہے کہ اس (ظالم) کی رافضیوں سے مراد وہ لوگ ہیں۔ جو ائمہ اثنا عشرؑ کی امامت کے قائل ہیں اور ان کو آں حضرتؐ کے بعد تمام لوگوں سے افضل جانتے ہیں۔ کیونکہ اس شخص کا رویہ یہی ہے کہ اپنی کتاب میں اکثر مقامات پر ان کو اسی لب و لہجہ کے ساتھ یاد کر کے ان پر طعن و تشنیع کرتا ہے اور تمام شنائع و قبائح کو ان کی طرف منسوب کرتا ہے حالانکہ ہمیں کوئی ایک شیعہ بھی ایسا معلوم نہیں جس نے کسی مخلوق کو عالم الغیب کہنے کی اجازت دی ہو۔ کیونکہ اس وصف "عالم الغیب" کا مستحق وہ ہوتا ہے جو تمام معلومات کو اپنے ذاتی علم کے ذریعہ جانتا ہو۔ نہ علم مستفاد کے ساتھ اور یہ خدائے قدیم کی صفت ہے جس کا علم بالذات ہے۔ اس وصف میں اس کی کوئی بھی مخلوق اس کی شریک نہیں ہے جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ کوئی مخلوق اس وصف میں خدا کے ساتھ شریک ہے تو وہ ملتِ اسلام سے خارج ہے جن اہل علم نے ائمہؑ کے بعض اخبار بالغیب نقل کئے ہیں یہ سب جناب رسول خداؐ سے حاصل کردہ ہیں۔ جن پر خداوند عالم ان کو مطلع کرتا تھا لہٰذا یہ کہنا بالکل بے معنی ہے کہ جن علماء نے یہ واقعات درج کئے ہیں وہ ائمہؑ کو عالم الغیب سمجھتے ہیں۔ یہ تو ان کو ایک کھلی ہوئی گالی دینا ہے۔ اور ان کو گمراہ قرار دینا بلکہ ان کی تکفیر کرنا ہے جسے کوئی بھی مذہب سے واقف شخص پسند نہیں کر سکتا۔ خدا اس نسبت دینے والے اور ان علماء کے درمیان فیصلہ کرے گا۔"

(۴) قل لا یعلم من فی السمٰوٰت والارض الغیب الا اللہ وما یشعرون ایان یبعثون (پ ۲۰ س نمل ع ۲)

(اے رسول ان سے) کہدو۔ کہ جتنے لوگ آسمان و زمین میں ہیں ان میں سے کوئی بھی غیب کی بات خدا کے سوا نہیں جانتا۔ اور وہ یہ بھی تو نہیں سمجھتے کہ قبر سے دوبارہ کب زندہ اٹھا کھڑے کئے جائیں گے۔" علامہ طبرسی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں "قل یا محمدؐ! لا یعلم من فی السمٰوات والارض من الملائکۃ والانس والجن الغیب وھو ما غاب علمہ عن الخلق مما یکون فی المستقبل الا اللہ وحدہ او من اعلمہ (مجمع البیان ج ۷ ص ۲۳۳) اے محمدؐ! (ان لوگوں سے) کہدو کہ سوائے خدا یا اس کے جسے خدا (جو مقدار) بتا دے اور کوئی بھی آسمان و زمین والی مخلوق غیب نہیں جانتی۔ خواہ ملائکہ ہوں یا انسان یا جن۔ اور غیب سے مراد زمانۂ استقبال میں واقع ہونے والے وہ امور ہیں جن کا علم مخلوق سے پوشیدہ ہے۔"

عالم ربانی ملا محسن فیض کاشانی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔" فی نہج البلاغہ (ج ۲ ص ۵ طبع مصر) ان امیر المومنینؑ اخبر یوما ببعض الامور التی لم یأت بعد فقیل لقد اعطیت علم الغیب فضحک وقال لیس ھو بعلم غیب وانما

هو تعلّم من ذی علم وانما علم الغیب علم الساعة وما عدّده الله سبحانه بقوله ان الله عنده علم الساعة الایة فیعلم سبحانه ما فی الارحام من ذکر او انثی وقبیح او جمیل وسخی او بخیل وشقی او سعید ومن یکون للنار حطباً او فی الجنان للنبیین مرافقاً فهو علم الغیب الذی لا یعلم الا الله وما سوی ذلک فعلم علّمه نبیه فعلّمنیه ودعا لی ان یعیه صدری وتضطم علیه جوانحی (تفسیر صافی ص۳۷۳) یعنی ایک دن جناب امیر علیہ السلام نے بعض ان امور کی خبر دی جو ابھی واقع نہیں ہوئے تھے۔ آپؑ کے بعض اصحاب نے عرض کیا۔ آپؑ کو تو علم غیب عطا کیا گیا ہے۔ آنجنابؑ ہنسے اور فرمایا یہ علم غیب نہیں ہے بلکہ یہ تو صاحب علم سے حاصل کی ہوئی باتیں ہیں علم غیب تو دراصل قیامت اور ان (پانچ) چیزوں کا علم ہے جن کو خدائے عزّوجل نے اس آیت میں شمار کیا ہے ان الله عنده علم الساعة (پ۲۱ س لقمان ع ۴) خدا ہی کے پاس وقت قیامت کا علم ہے۔ پس خدائے علّام ہی جانتا ہے کہ رحم مادر میں کیا ہے؟ لڑکا ہے یا لڑکی۔ خوبصورت ہے یا بدصورت۔ سخی ہے، یا بخیل۔ شقی ہے یا سعید؟ آیا کون آتش جہنم کا ایندھن بنے گا۔ اور کون جنت میں انبیاءؑ کا رفیق ہوگا۔ یہ ہے وہ علم غیب جسے خدا کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ اس کے سوا جو ہے وہ خدا نے اپنے نبی (آخر الزمانؐ) کو بتا دیا ہے اور آنحضرتؐ نے مجھے اس کی تعلیم دی ہے اور میرے لئے دعا فرمائی ہے کہ میرا سینہ اسے یاد رکھے۔ اور میرے پہلو اس پر منضم و محیط رہیں۔“ حضرت امیر المومنینؑ کے اس کلام معجز نظام سے جہاں علم غیب کی تفصیل معلوم ہو گئی۔ وہاں یہ حقیقت بھی روشن ہو گئی کہ ”علم مستفاد“ جو کسی اور سے (خواہ خدا سے ہی سہی) حاصل کیا جائے، اسے ”علم غیب“ کہا ہی نہیں جا سکتا۔ اور یہی ہمارا دعویٰ ہے جو ان حقائق سے کما حقہٗ ثابت ہو جاتا ہے۔

(۵) وقال الذین کفروا لا تاتینا الساعة قل بلی وربی لتاتینکم عالم الغیب لا یعزب عنه مثقال ذرة فی السموات ومافی الارض۔ (پ۲۲ س سبا ع ۱) اور کفار کہنے لگے۔ کہ ہم پر تو قیامت آئے ہی گی نہیں۔ (اے رسول) تم کہدو۔ ہاں ہاں، مجھ کو اپنے اس عالم الغیب پروردگار کی قسم ہے جس سے ذرہ برابر (کوئی چیز) نہ آسمان میں چھپی ہے۔ اور نہ زمین میں قیامت ضرور آئے گی۔“ علامہ طبرسیؒ فرماتے ہیں۔“ مدح الله نفسه بانه یعلم ما غاب عن العباد علمه مما هو کائن او سیکون ولم یوجد بعد“ (مجمع البیان ج ۲ ص۳۸۰) یعنی خداوند عالم نے اپنی ذات کی مدح وثنا فرمائی ہے۔ کہ وہ ان ہونے والے واقعات وحالات کو جانتا ہے جن کا علم بندوں سے پوشیدہ ہے“ ظاہر ہے کہ یہ مدح وثنا اسی صورت میں صحیح ہو سکتی ہے۔ کہ پوری کائنات میں اس صفت میں اس کا کوئی شریک نہ ہو۔

(۶) ان الله عالم غیب السموات والارض انه علیم بذات الصدور (پ۲۲ س فاطر ع ۱) بے شک خدا سارے آسمان وزمین کی پوشیدہ باتوں سے خوب واقف ہے۔ وہ یقیناً دلوں کے پوشیدہ راز سے باخبر ہے“ مفسّر طبرسیؒ لکھتے ہیں۔“ فلا یخفی علیه شیء مما یغیب عن الخلائق علمه انه علیم بذات الصدور ای فلا تغترّوا

فی انفسکم مایکرہہ سبحانہ فانہ عالم بہ (مجمع البیان ج ۲ ص ۳۲۲ کذا فی تفسیر الصافی یا لاستصار ص ۳۴) جن چیزوں کا علم مخلوق سے پوشیدہ ہے خدا پر کچھ بھی مخفی نہیں ہے چونکہ وہ دلوں کے راز سے واقف ہے اس لئے تم دل میں بھی کوئی ایسی بات پوشیدہ نہ رکھو جسے خدا ناپسند سمجھتا ہو کیونکہ وہ اس سے باخبر ہے۔"

(۲) قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب ولا اقول انی ملک ان اتبع الا ما یوحی الی (پ انعام ع ۱۱) (اے رسول) ان سے کہہ دو میں تو یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں (کہ ایمان لانے پر دیدوں گا) اور نہ میں غیب کے کل حالات جانتا ہوں۔ اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں تو بس جو (خدا کی طرف سے) میرے پاس وحی کی جاتی ہے اسی کا پابند ہوں۔" (ترجمہ فرمان) مفسر جلیل طبرسیؒ مجمع البیان ج ۱ ص ۳۴ پر "ولا اعلم الغیب" کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "الذی یختص اللہ بعلمہ وانما اعلم قدر ما یعلمنی اللہ من امر البعث والنشور والجنۃ والنار وغیر ذلک الخ" یعنی میں وہ علم غیب نہیں جانتا جس کا جاننا خدا کے ساتھ مختص ہے۔ ہاں میں تو اتنی مقدار جانتا ہوں جتنی خدا مجھے بتاتا ہے۔ جیسے بعث و نشور اور جنت و جہنم وغیرہ کے حالات (کذا فی الصافی ص ۱۵۵) آیا اس اعلان رسول کو سن کر بھی کسی کلمہ گو کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ نفی غیب کی بجائے اثبات غیب کا اعتقاد رکھے جبکہ صادق رسولؐ نے کس وضاحت سے بیان کر دیا ہے۔ کہ میں غیب نہیں جانتا۔

(۳) نیز آں حضرتؐ کی زبانی قرآن میں مذکور ہے۔ "ولو کنت اعلم الغیب لا استکثرت من الخیر وما مسنی السوء ان انا الا نذیر و بشیر لقوم یؤمنون (پ ۹ س اعراف ع ۱۰) اور اگر (بغیر خدا کے بتائے) غیب کو جانتا ہوتا تو یقیناً میں اپنا بہت سا فائدہ کر لیتا اور مجھے کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔ میں تو صرف ایماندار لوگوں کو (عذاب سے) ڈرانے والا اور بہشت کی خوشخبری دینے والا ہوں۔

علامہ طبرسیؒ مجمع البیان ج ۱ ص ۳۹۶ پر اس کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں۔ "ولا اعلم الغیب الا ما شاء اللہ ان یعلمنیہ ولو کنت اعلم الغیب لاخترت من السنۃ المخصبۃ للسنۃ المجدبۃ ولاشتریت وقت الرخص لوقت الغلاء وما مسنی السوء ای ما اصابنی الضر والفقر وقیل وما مسنی سوء من جہۃ الاعداء لانی کنت اعلم ذلک فاتحرز منہ" یعنی میں علم غیب نہیں جانتا مگر اسی قدر جتنا خدا مجھے تعلیم دیتا ہے۔ اگر میں غیب دان ہوتا تو خوشحال سال سے بدحال سال کے لئے ذخیرہ اکٹھا کر لیتا۔ اور بوقت ارزانی وقت گرانی کے لئے ضروریات زندگی خرید کر رکھ لیتا۔ اور مجھے کبھی فقر و فاقہ اور کوئی دوسری تکلیف نہ پہنچتی۔ اس "سوء" کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے۔ کہ مجھے کبھی کسی دشمن کی طرف سے کبھی کوئی گزند نہ پہنچتا۔ کیونکہ میں غیب دان ہونے کی صورت میں اس سے اجتناب کر لیتا۔" لیکن ما ادری ما یفعل بی ولا بکم" مجھے معلوم نہیں کہ آئندہ مجھے کیا کیا امور پیش آنے والے ہیں اور تمہیں کیا کیا؟" اس سے بڑھ کر اور کن واضح و آشکار الفاظ سے اس حقیقت کا اظہار کیا جا سکتا ہے کہ آنحضرتؐ علم غیب نہیں

جانتے۔ اگرچہ سردار انبیاؐ سے اس کی نفی ہے دوسرے تمام مفضول انبیاؑ و اوصیاء سے بطریق اولیٰ اس کی نفی ہو جاتی ہے مگر مزید اطمینان کے لئے ذیل میں دوسرے چند انبیاء علیہم السلام کا صراحۃً تذکرہ کیا جاتا ہے۔

(۹) ولا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب (پ ۱۲ س ہود ع ۳) خداوند عالم نے جناب نوحؑ کا یہ قول قرآن مجید میں نقل کیا ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا "اور میں تو تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس خدائی خزانے ہیں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں غیب دان ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں" جب آنحضرتؐ خود اپنے عالم الغیب ہونے کی نفی فرما رہے ہیں تو کیا کوئی کلمہ گو آپ کی تکذیب کرنے کی جسارت کرسکتا ہے؟

(۱۰) ولقد جاءت رسلنا ابراہیم بالبشریٰ قالوا سلاماً۔ قال سلامٌ فما لبث ان جاء بعجل حنیذ۔ فلما رآ اید یھم لا تصل الیہ نکرھم واوجس منھم خیفۃً۔ قالوا لا تخف انا ارسلنا الیٰ قوم لوط۔ (پ ۱۲ س ہود ع ۷) "اور ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) ابراہیمؑ کے پاس خوشخبری لے کر آئے۔ اور انہوں نے ابراہیمؑ کو سلام کیا اور (ابراہیمؑ نے) سلام کا جواب دیا۔ پھر ابراہیمؑ بلا توقف ایک بچھڑے کا بھنا ہوا (گوشت) لے آئے (اور ساتھ کھانے بیٹھے) پھر جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ اس کی طرف نہیں بڑھتے تو ان کی طرف سے بدگمان ہوئے اور جی ہی جی میں ان سے ڈر گئے (اس کو وہ فرشتے سمجھے) اور کہنے لگے آپ ڈریئے نہیں۔ ہم تو قوم لوط کی طرف (ان کی سزا کے لئے) بھیجے گئے ہیں" اس قرآنی واقعہ سے بعبارۃ النص ثابت ہوتا ہے کہ جناب ابراہیمؑ غیب نہیں جانتے تھے۔ ورنہ فرشتوں کے پہچاننے میں اشتباہ و تناکر نہ ہوتا۔ نہ بچھڑا ذبح کر کے بھونا ہوا گوشت لانے کا تردد کرتے۔ اور پھر ان کے ہاتھوں کو اس کی طرف نہ بڑھتا ہوا دیکھ کر (جو اس وقت کے دستور کے مطابق بُرے ارادہ اور عداوت کی علامت سمجھی جاتی تھی) خوف و ہراس محسوس کرتے جب فرشتوں نے خود حقیقتِ حال سے ان کو آگاہ کیا۔ تب پتہ چلا۔

(۱۱) ولما جاءت رسلنا لوطاً سیٓء بھم وضاق بھم ذرعاً وقال ھذا یوم عصیب (پ ۱۲ س ہود ع ۷)۔ "اور جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے (لڑکوں کی صورت میں) لوطؑ کے پاس آئے تو ان کے خیال سے رنجیدہ ہوئے۔ اور ان کے آنے سے تنگ دل ہو گئے اور یہ کہنے لگے کہ یہ (آج کا دن) سخت مصیبت کا دن ہے" اس سے اگلی آیات میں اس واقعہ کی تفصیلات مذکور ہیں کہ جب ان کی کمینت قوم کو ان کی آمد کا علم ہوا۔ تو وہ خلاف فطرت برے فعل کے ارادہ سے چڑھ دوڑے۔ جناب لوطؑ نے اپنے معزز مہمانوں کی عزت و آبرو بچانے کے لئے ان کو بہت کچھ دہائی دی بہت سراسیمہ ہوئے تب ان آنے والے بظاہر مہمانوں نے یہ کہہ کر ان کی گھبراہٹ دور کی۔ قالوا یلوط انا رسل ربک لن یصلوا الیک۔ "وہ فرشتے بولے۔ اے لوطؑ! ہم پروردگار کے بھیجے ہوئے (فرشتے) ہیں (تم گھبراؤ نہیں۔ یہ لوگ تم تک ہرگز دسترس نہیں پا سکتے۔" اس قرآنی قصہ سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ جناب لوطؑ غیب دان نہ تھے۔

(۱۲) حضرت سلیمانؑ اپنے لشکر میں ہُدہُد کو نہیں پاتے تو گھبرا کر فرماتے ہیں مالی لا اری الھدھد ام کان من

الغائبین۔ کیا بات ہے کہ میں ہُدہُد کو یہاں نہیں دیکھتا (یا واقعہ میں) وہ کہیں غائب ہے"۔ پھر ہُدہُد آکر یہ کہتا ہے جس کی خدائے تعالیٰ اور جناب سلیمانؑ نے تکذیب نہیں فرمائی۔ احطت بما لم تحط به وجئتك من سبا بنبا يقين. (پ۱۹ س نمل ع ۱۱) تو اس نے عرض کی مجھے وہ بات معلوم ہوئی جو اب تک حضور کو بھی معلوم نہیں ہے اور میں آپ کے پاس شہر سبا سے ایک تحقیقی خبر لے کر آیا ہوں۔ چنانچہ جناب سلیمانؑ ہُدہُد کے قول کی صداقت معلوم کرنے کے لئے اپنا ایک وفد بھیجتے ہیں۔ (سننظر اصدقت ام كنت من الكذبين) "الغرض، سلیمانؑ نے کہا کہ ہم ابھی دیکھتے ہیں کہ تو نے سچ کہا یا تو جھوٹا ہے"۔ اس کی صداقت ظاہر ہونے کے بعد پھر اسی ہُدہُد سے پیغام رسانی کا کام لیتے ہیں۔ الی آخر القصة۔ جو سورہ النمل پارہ ۱۹، اور رکوع ۱۷ میں بالتفصیل مذکور ہے اس قرآنی واقعہ صادقہ سے صاف ظاہر ہے کہ جناب سلیمانؑ غیب نہیں جانتے تھے"۔

(۳) تلك من انباء الغيب نوحيها اليك ما كنت تعلمها انت ولا قومك من قبل هذا فاصبر ان العاقبة للمتقين۔ (پ۱۲ س ہود ع ۴) (اے رسولؐ) یہ غیب کی چند خبریں ہیں۔ جن کو ہم تمہاری طرف وحی کے ذریعہ پہنچاتے ہیں۔ اس کے قبل نہ تم جانتے تھے۔ اور نہ تمہاری قوم ہی (جانتی تھی)، تو تم صبر کرو۔ اس میں شک نہیں کہ آخرت (کی خوبیاں) پرہیزگاروں ہی کے واسطے ہیں"۔ یہ آیت مبارکہ جس طرح صراحت سے ہمارے دعویٰ کی صداقت پر دلالت کرتی ہے۔ وہ کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے۔

(۴) عالم الغيب فلا يظهر على غيبه احداً۔ الا من ارتضى من رسول الآية (پ۲۹ س جن ع ۱۲) "(وہی) غیب دان ہے اور اپنی غیب کی بات ظاہر نہیں کرتا مگر جس پیغمبر کو پسند فرمائے"۔ (ترجمہ فرمانؒ) جناب امین الاسلام طبرسیؒ مجمع البیان ج ۲ ص ۳۷۳ پر اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ فلا يظهر على غيبه احداً اى لا يطلع على الغيب احداً من عباده ثم استثنى فقال الا من ارتضى من رسول يعني الرسل فانه يستدل على نبوتهم بان يخبروا بالغيب لتكون اية معجزة لهم ومعناه ان من ارتضاه واختاره للنبوة فانه يطلع على ما شاء من غيبه على حسب ما يراه من المصلحة"۔ یعنی خدا اپنے غیبات پر اپنے بندوں میں سے کسی کو مطلع نہیں کرتا، پھر استثنا کرتے ہوئے فرمایا ہاں مگر رسولوں میں سے جسے منتخب کرے۔ تاکہ ان کی غیبی خبر دینے سے ان کی نبوتوں پر استدلال کیا جا سکے اور یہ خبر دہی ان کے لئے معجزہ قرار پائے۔ مطلب یہ ہے کہ جسے خدا نبوت کے لئے منتخب کرتا ہے۔ اُسے حسب مصلحت غیب کی بعض باتوں پر مطلع کر دیتا ہے"۔

جناب شیخ الطائفہ تفسیر تبیان ج ۱۰ ص ۱۵۵ پر اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ الا من رسول فانه ربما اطلعه على ما غاب عن غيره من الخلائق بان يوحى اليهم به ما شاء من الغيب یعنی خدا عالم الغیب ہے وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا مگر اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے کیونکہ ان کو بسا اوقات بذریعہ وحی بعض ایسے امور پر مطلع کر دیتا

ہے جو دوسری مخلوق سے پوشیدہ ہوتے ہیں۔

تفسیر صافی ج۲ ص۷۴۵ پر اس آیۃ مبارکہ کی تفسیر بحوالہ کتاب الخرائج والجرائح حضرت امام رضاؑ سے یوں مروی ہے فرمایا فرسول الله مرتضیٰ ونحن ورثۃ ذلک الرسول الذی اطلعہ الله علی ما یشاء من غیبہ فعلمنا ما کان وما یکون الی یوم القیامۃ۔ یعنی جناب رسول خداؐ من جانب اللہ مرتضیٰ و منتخب ہیں اور ہم اس رسولؐ کے وارث ہیں جس کو خدا نے حسب مشیت اپنے بعض غیوب پر مطلع کیا ہے۔ اس لئے ہم ماکان وما یکون الی یوم القیامۃ۔ کا علم رکھتے ہیں۔"

ان حقائق کی روشنی میں ثابت ہو گیا کہ انبیاء و ائمہ علیہم السلام باعلام اللہ تو بعض غیوب پر مطلع ضرور ہوتے ہیں مگر پھر بھی اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان کو "عالم الغیب" کہنا صحیح ہے اس کی بعض وجوہ ذکر ہو چکی ہیں۔ اور بعض بعد میں بیان کی جائیں گی۔ انشاء

"ان مفسرین کرام نے ایسا ہی افادہ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرمایا ہے۔ وما کان الله لیطلعکم علی الغیب ولکن الله یجتبی من رسلہ من یشاء (پ ۴ س آل عمران آیت ۱۷۹) "اور خدا ایسا بھی نہیں ہے کہ تمہیں غیب کی باتیں بتا دے۔ مگر ہاں خدا اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے (غیب بتانے کے واسطے) چن لیتا ہے۔" (ملاحظہ ہو تفسیر تبیان ج ۳ ص ۶۲ مجمع البیان ج ۱ ص ۵۴۳ صافی ص ۹۵) ان دونوں آیات مبارکہ سے ایک مخصوص اسلامی فرقہ (وہابیہ) کے خیال کا بھی ابطال ہو جاتا ہے۔ جو یہ کہتا ہے کہ کوئی بھی مخلوق خواہ نبی ہو یا امامؑ قطعاً علم غیب پر مطلع نہیں۔ نہ بالذات اور نہ بتعلیم اللہ۔ ان آیات مبارکہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ کہ یہ نظریہ سراسر تفریط پر مبنی ہے۔ اور صرف بعض آیات پر نگاہ کرنے کا نتیجہ ہے لیکن کسی بھی مسئلہ میں صحیح نتیجہ تک پہنچنے کے لئے اس کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لینا ضروری ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کلیہ کے تحت جب اس مسئلہ کے تمام اطراف پر نظر غائر کی جائے تو معلوم ہوتا ہے انبیاء و ائمہ علیہم السلام تعلیم اللہ وہبی و لدنی طور پر بہت سے غیوب پر مطلع ہیں لیکن بایں ہمہ ان پر لفظ "عالم الغیب" کا اطلاق نہ کرنا حرفے دیگر است۔ فتدبر۔

علم غیب ارشادات معصومینؑ کی روشنی میں

انبیاء و ائمہ علیہم السلام کے عالم الغیب ہونے کی نفی پر اخبار نہ فقط بلکہ متواترہ موجود ہیں۔ سب کے احصاء کی یہاں نہ گنجائش ہے اور نہ ضرورت۔ اس لئے چند روایات شریفہ پیش کی جاتی ہیں۔ فاستمع لما یتلیٰ علیک

(۱) اس سلسلہ میں سب سے پہلے تو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے جو سابقہ آیات کے سلسلہ میں نمبر ۱۰ پر گزر چکا ہے۔ اس قول کی صحت میں کیا کلام ہو سکتا ہے جس کا قائل خاتم الانبیاءؐ اور راوی خود خداؐ ہو۔

(۲) جناب امیر علیہ السلام کا اس سلسلہ میں ایک ارشاد نہج البلاغہ ج ۲ ص ۱۵ سے طبع مصر کے حوالے سے سطور بالا

میں آیت نمبر ۹ کے ضمن میں بیان کیا جا چکا ہے۔ جس میں آنجناب نے علم غیب کی تعیین اور ذات ایزدی کے ساتھ اس کی تخصیص بیان فرمائی ہے۔ دوسرا فرمان ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

(۲) جناب اصبغ بن نباتہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے جناب امیر علیہ السلام کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا۔ ان للّٰہ علمین علم استأثر بہ فی غیبہ فلم یطلع علیھا نبیًا من انبیائہ ولا ملکا من ملائکتہ وذلک قول اللّٰہ تعالیٰ ان اللّٰہ عندہ علم الساعۃ ــــــــــــ ولہ علم قد اطلع علیہ ملائکتہ فقد اطلع علیہ محمداً وآلہ فقد اطلعنی علیہ یعلمہ الکبیر منا والصغیر الی ان تقوم الساعۃ (کتاب ج، ص۲۴ بصائر الدرجات ص۱۱۱ طبع جدید)

خلاصہ یہ کہ خدا کے دو علم ہیں ایک وہ ہے جو اسی کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے جس پر اس نے نہ کسی نبی کو مطلع کیا ہے اور نہ کسی فرشتہ کو چنانچہ فرماتا ہے خدا کے پاس ہے قیامت کا علم۔ دوسرا وہ علم ہے جس پر اس نے اپنے فرشتوں کو مطلع کیا ہے۔ اس علم پر محمد و آل محمد علیہم السلام کو بھی مطلع کیا ہے اور اس پر مجھے بھی آگاہ کیا ہے اور اس کو ہمارا ہر صغیر و کبیر جانتے ہیں۔

(۳) امام رضا علیہ السلام سے دریافت کیا جاتا ہے التعلمون الغیب؟ کیا آپ غیب جانتے ہیں؟ آنجناب جواب میں حضرت محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد نقل کرتے ہیں۔ کہ یبسط لنا العلم فنعلم ویقبض عنا فلا نعلم الخ جب ہمارے لئے علم کشادہ کیا جاتا ہے تو جانتے ہیں۔ اور جب (وہ علم) بستہ کر دیا جاتا ہے تو نہیں جانتے (اصول کافی ص۱۱۱) اصول کافی کے اسی صفحہ پر علم غیب کے متعلق ایک مستقل باب موجود ہے جس کا عنوان ہے "باب نادر فیہ ذکر الغیب" اس باب میں چار روایات مبارکہ مذکور ہیں۔ ایک تو یہی ہے جو ابھی بیان کی گئی ہے۔ ذیل میں مزید چند روایات درج کی جاتی ہیں۔

(۵) سدیر بیان کرتے ہیں کہ میں ابو بصیر، یحییٰ بزاز اور داؤد بن کثیر جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر تھے کہ اذ خرج الینا وھو مغضب فلما اخذ مجلسہ قال یا عجبا لاقوام یزعمون انا نعلم الغیب ما یعلم الغیب الا اللّٰہ عزوجل لقد ھممت بضرب جاریتی فلانۃ فھربت منی فما علمت فی ای بیوت الدار ھی الخ اچانک آنجناب (اپنے دولت کدہ سے) غضب ناک حالت میں برآمد ہوئے۔ جب اپنی نشست گاہ پر بیٹھ گئے تو فرمایا۔ تعجب ہے ان لوگوں سے جو یہ گمان کرتے ہیں۔ کہ ہم غیب جانتے ہیں۔ حالانکہ خداوند عالم کے سوا کوئی غیب [illegible]

اب معلوم نہیں کہ وہ کس جگہ ہے۔ (اصول کافی ص۱۲)

گو اسی روایت کے آخر میں امام عالی مقام کے حامل علم کثیر ہونے کا تذکرہ موجود ہے۔ مگر جناب نے اس قصہ میں اپنی ذات سے علم غیب کی نفی فرما کر اسے ذات خداوندی کے ساتھ مخصوص ثابت کر دیا ہے۔ اس کی مزید وضاحت حدیث ۶ کے ضمن میں آ رہی ہے۔

(۶) امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا جاتا ہے " الامام یعلم الغیب " کیا امام غیب جانتا ہے؟ آپؑ جواب میں ارشاد فرماتے ہیں " لا " نہیں۔ پھر فرمایا۔ ولکن اذا اراد ان یعلم الشئ اعلمہ اللہ تعالیٰ ذلک لیکن جب وہ کسی چیز کے معلوم کرنے کا ارادہ کریں تو فوراً خدا انہیں بتا دیتا ہے۔ (اصول کافی ص۱۲۵) امام کے اس فرمان سے واضح وعیاں ہو گیا۔ کہ امام کا علم توجہ و ارادہ کا محتاج ہے۔ جیسا کہ پچھلے باب میں اس امر کی مکمل وضاحت کی جا چکی ہے۔ اگر توجہ فرمائیں تو یہ فرماتے ہیں " انی لاعلم ما فی السموات وما فی الارض واعلم ما فی الجنۃ واعلم ما فی النار واعلم ما کان واعلم ما یکون " (ارشاد امام جعفر صادقؑ) میں وہ جانتا ہوں جو آسمانوں میں ہے میں وہ بھی جانتا ہوں جو زمین میں ہے۔ میں وہ بھی جانتا ہوں جو جنت میں ہے۔ میں وہ بھی جانتا ہوں جو جہنم میں ہے۔ میں وہ بھی جانتا ہوں جو گذر چکا ہے۔ میں وہ بھی جانتا ہوں جو آنے والا ہے۔

اور جب توجہ نہ فرمائیں تو یہی امامؑ فرماتے ہیں۔ میں نے اپنی کنیز کو مارنا چاہا مگر وہ بھاگ کر گھر کے کسی حصہ میں چھپ گئی اب معلوم نہیں وہ کس کونہ میں ہے۔ (اصول کافی ص۱۲۵) سچ ہے۔ ؎

گہے بر طارم اعلیٰ نشینیم
گہے بر پشت پائے خود نہ بینیم

(۷) مذکورہ بالا واقعہ کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے جس میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امیر علیہ السلام خطبہ دے رہے تھے کہ حسب معمول دعویٰ سلونی فرمایا۔ تو حاضرین مجلس میں سے ایک شخص نے اٹھ کر عرض کیا یا امیر المومنین این جبرئیل فی ھذا الوقت۔ اس وقت جبرئیل کہاں ہیں؟ امامؑ نے فرمایا۔ " دعنی انظر " مجھے اتنی مہلت دو کہ دیکھ لوں " راویان اخبار کا بیان ہے کہ بعد ازاں آنجنابؑ نے یہ کیا کہ " فنظر الی فوق والی الارض یمینہ ویسارہ " اوپر نیچے، دائیں اور بائیں دیکھا۔ اس کے بعد فرمایا " انت جبرئیل " تو ہی جبرئیل ہے۔ یہ شخص یعنی جبرئیل اپنے پروں سے سقف مسجد کو شگافتہ کرتے ہوئے آسمان کی طرف پرواز کر گئے۔ لوگوں نے یہ ماجرا دیکھ کر نعرہ تکبیر بلند کیا۔ اور آنجنابؑ کی خدمت عرض کیا کہ مولا آپ کو کس طرح معلوم ہوا کہ یہ جبرئیل ہیں؟ فرمایا۔ انی لما نظرت الی السماء وبلغ نظری الی ما فوق العرش والحجب ولما نظرت الی الارض خرق بصری طبقات الارض الی الثریٰ۔ ولما نظرت یمنۃ ویسرۃ رایت ما خلق اللہ ولم ار جبرئیل فی ھذہ المخلوقات فعلمت انہ ھو۔ میں نے جب آسمان کی جانب نگاہ بلند کی تو وہ عرش و حجاب ہائے قدرت سے بھی پار ہو گئی۔ جب زمین کی طرف نظر کی۔ تو وہ زمین کے طبقوں کو چیرتی ہوئی تحت الثریٰ تک پہنچ گئی۔ اور جب دائیں، بائیں نگاہ کی تو تمام مخلوق خدا کو دیکھ لیا۔ اور جب اس پوری کائنات میں کہیں بھی جبرئیل کو نہ دیکھا۔ تو یقین ہو گیا کہ یہی سائل جبرئیل ہیں (انوار نعمانیہ ص۱۳) اس سے جہاں ہمارے دعویٰ کی حرف بحرف تائید ہوتی ہے کہ امام کا علم توجہ اور التفات کا محتاج ہوتا ہے وہاں ان لوگوں کے اس گمان کا بطلان بھی واضح وعیاں ہو جاتا ہے کہ پورے عالم امکان کا ذرہ ذرہ ہر وقت امام کے سامنے اس طرح حاضر ہے

جس طرح ہاتھ کی ہتھیلی۔ یا جیسے ہاتھ پر اخروٹ، یا جیسے آنکھوں کے سامنے دسترخوان۔ بنا بریں جن روایات میں یہ وارد ہے ان کا مطلب یہی ہے کہ جب کسی شے کے معلوم کرنے کی طرف توجہ اور ارادہ کریں تو باعلام اللہ اس طرح آسانی سے اسے معلوم کر لیتے ہیں۔ جیسے کوئی شخص اپنے ہاتھ کی ہتھیلی کی طرف نگاہ کرتا ہے اس مطلب کی کماحقہٗ وضاحت پچھلے باب میں کی جا چکی ہے وہاں رجوع کیا جائے۔

(۸) رجال کشی میں اس قسم کی متعدد روایات موجود ہیں۔ مثلاً اس کے ص[illegible] طبع بمبئی پر لکھا ہے۔ کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے عنبسہ بن مصعب سے دریافت کیا کہ تم نے ابو الخطاب (غالی) سے کیا کچھ سنا ہے؟ عنبسہ نے عرض کیا وہ یہ کہتا ہے کہ "انک تعلم الغیب" آپ علم غیب جانتے ہیں۔ الخ . . . . آنجنابؑ نے اس کی یہ لغو باتیں سن کر ان کی رد کرتے ہوئے یہ فرمایا۔ اما قولہ انی اعلم الغیب فواللہ الّذی لا الہ الّا ھو ما اعلم الغیب ولا آجرنی اللہ فی امواتی ولا بارک لی فی احیائی ان کنت قلت لہ الخ . . . اس (ابو الخطابؑ) کا یہ کہنا کہ میں علم غیب جانتا ہوں۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے میں علم غیب نہیں جانتا۔ خدا مجھے اپنے مرنے والوں کا اجر نہ دے اور نہ زندوں میں برکت دے اگر میں نے اس سے یہ بات کہی ہو کہ میں غیب جانتا ہوں (کذا فی تنقیح المقال علامہ مامقانی ج ۳ ص۱۹۱)

(۹) سرکار علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے ہفتم بحار ص[illegible] سطر اخیر طبع تبریز ایک مستقل باب قائم کیا ہے جس کا عنوان ہے "وانھم علیھم السلام لا یعلمون الغیب ومعناہ" الخ اس باب میں انہوں نے کچھ روایات شریفہ درج فرمائی ہیں جن کا ماحصل یہی ہے کہ ائمہ اطہارؑ علم غیب نہیں جانتے صرف یہاں ایک روایت درج کی جاتی ہے یحییٰ بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا جعلت فداک انھم یزعمون انک تعلم الغیب میں آپؑ پر قربان ہوں کچھ لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ آپؑ غیب جانتے ہیں۔ فقال سبحان اللہ ضع یدک علی رأسی فواللہ ما بقیت شعرۃ فیہ ولا فی جسدی الا قامت ثم قال لا واللہ ما ھی الا وراثۃ عن رسول اللہؐ (بحار ج۷ ص[illegible] کذا فی امالی الشیخ المفیدؒ ص[illegible] طبع النجف و رجال کشی ص[illegible] ومنہاج البراعۃ ج۴ ص[illegible] وغیرہ) فرمایا سبحان اللہ۔ ذرا میرے سر پر ہاتھ تو رکھو۔ خدا کی قسم میرے سر اور جسم پر کوئی ایسا بال نہیں باقی رہا جو یہ بات سن کر کھڑا نہ ہو گیا ہو۔ پھر فرمایا بخدا (ہم غیب نہیں جانتے) یہ جو کچھ ہے۔ صرف جناب رسول خداؐ کی وراثت اور نقل روایت ہے۔ اس حدیث شریف سے مستفاد ہوتا ہے کہ جو علم ذاتی نہ ہو۔ بلکہ کسی اور ذات سے حاصل کیا ہوا ہو۔ وہ فی الحقیقت علم غیب ہے ہی نہیں۔ علم غیب صرف وہی ہے جو عالم کا ذاتی ہو۔ اس لئے کسی مخلوق کو عالم الغیب نہیں کہا جا سکتا۔ بظاہر اسی وجہ سے ائمہ اطہارؑ نے بڑے شد و مد کے ساتھ اپنی ذات سے اس کی نفی فرمائی ہے۔ کیونکہ اس کے اثبات سے علم ذاتی کا اثبات اور عطیۂ پروردگار کا انکار لازم آتا ہے۔

(۱۰) ابو اسامہ بیان کرتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے بیان فرمایا کہ قال لی ابی الا اخبرک بخمسۃ لم یطلع اللہ علیہا احداً من خلقہ قلت بلیٰ قال ان اللہ عندہٗ علم الساعۃ وینزل الغیث ویعلم ما فی الارحام وما تدری نفس ماذا تکسب غداً وما تدری نفس بای ارض تموت ان اللہ علیم خبیر۔ مجھ سے میرے والد ماجد نے فرمایا کیا تمہیں ان پانچ چیزوں کے متعلق خبر نہ دوں۔ جن پر خدا نے اپنی کسی بھی مخلوق کو مطلع نہیں فرمایا۔ میں نے عرض کیا۔ ضرور۔ فرمایا ان اللہ عندہٗ علم (پ ۲۱ س لقمان ع ۴) والی آیت مبارکہ پڑھ دی (جس کا ترجمہ یہ ہے۔ بے شک خدا ہی کے پاس قیامت (کے آنے) کا علم ہے وہی (جب موقع مناسب دیکھتا ہے) پانی برساتا ہے۔ اور جو کچھ عورتوں کے پیٹ میں (نر و مادہ) ہے جانتا ہے۔ اور کوئی شخص اتنا بھی تو نہیں جانتا۔ کہ وہ خود کل کیا کرے گا۔ اور کوئی شخص یہ بھی (نہیں جانتا کہ وہ کس سرزمین پر مرے (گڑے) گا۔ بے شک خدا سب باتوں سے آگاہ خبردار ہے (ترجمہ فرمان)

(۱۱) نیز آنجناب سے اس آیت مبارکہ کے متعلق مروی ہے (بحار ج ۹ ص ۱۰۳ کتاب الخصال ج ۱ ص) فرمایا "ھذہ الخمسۃ الاشیاء لم یطلع علیہا ملک مقرب ولا نبی مرسل وھی من صفات اللہ" یعنی یہ پانچ چیزیں وہ ہیں جن پر (تفصیل و تحقیق کے ساتھ) خدا نے نہ کسی ملک مقرب کو مطلع کیا ہے اور نہ کسی نبی مرسل کو (تفسیر صافی ص ۳۹۰)

(۱۲) احتجاج طبرسی ص ۲۴۵ طبع نجف اشرف پر حضرت امام العصر والزمان کی ایک توقیع شریف موجود ہے جس میں آپ فرماتے ہیں یا محمد بن علی تعالی اللہ عز وجل عما یصفون سبحانہ وبحمدہ ولیس نحن شرکائہ فی علمہ ولا فی قدرتہ بل لا یعلم الغیب غیرہ کما قال فی محکم کتابہ تبارکت اسمائہ قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ وانا وجمیع ابائی من الاولین ادم ونوح وابراہیم وموسیٰ وغیرہم من النبیین ومن الاخرین محمد رسول اللہ وعلی ابن ابی طالب وغیرہم ممن مضیٰ من الائمۃ صلوات اللہ علیہم اجمعین الی مبلغ ایامی ومنتہی عصری عبید اللہ عز وجل یقول اللہ عز وجل من اعرض عن ذکری فان لہ معیشۃ ضنکا الآیۃ یا محمد بن علی قد اذانا جہلاء الشیعۃ وحمقائہم ومن دینہ جناح البعوضۃ ارجح منہ فاشہد اللہ الذی لا الہ الا ھو وکفی بہ شہیداً ورسولہ محمداً صلی اللہ علیہ وآلہ وملائکتہ وانبیائہ واولیائہ علیہم السلام واشہدک واشہد کل من سمع کتابی ھذا انی بریٔ الی اللہ والی رسولہ ممن یقول انا نعلم الغیب او نشارکہ فی ملکہ او یحلنا محلا سوی المحل الذی رضیہ اللہ لنا وخلقنا لہ او یتعدی بنا عما فسرتہ لک وبینتہ فی صدر کتابی واشہدکم ان کل من نبرأ منہ فان اللہ یبرأ منہ وملائکتہ ورسلہ واولیائہ وجعلت ھذا التوقیع الذی فی ھذا الکتاب امانۃ فی عنقک وعنق من سمعہ ان لا یکتمہ من احد من موالی وشیعتی حتیٰ یظہر

علے

هذا التوقيع الکل من موالی لعل الله عزوجل یتلافاهم فیرجعون الی دین الله الحق وینتهون عما لا یعلمون منتهی امره ولا یبلغ منتهاه فکل من فهم کتابی ولا یرجع الی ما قد امرته ونهیته فقد حلّت علیه اللعنة من الله وممن ذکرت من عباده الصالحین"

"اے محمد بن علی (سمریؒ) یہ (غالی) لوگ جو کچھ اللہ کی وصف کرتے ہیں۔ وہ اس سے بلند و برتر ہے۔ نہ تو اس کے علم میں اس کے شریک ہیں اور نہ قدرت میں بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) اس کے سوا اور کوئی علم غیب نہیں جانتا۔ جیسا کہ وہ اپنے کلام پاک میں ارشاد فرماتا ہے (اے رسولؐ) کہدو۔ سوائے خدا کے زمین و آسمان والی کوئی مخلوق غیب نہیں جانتی۔ میں اور میرے تمام آباء اولین جیسے حضرت آدمؑ و نوحؑ و ابراہیمؑ و موسیٰؑ وغیرہم من النبیینؑ اور آباء آخرین جیسے جناب رسول خداؐ و علی مرتضیٰؑ اور دیگر ائمہ ہدیٰ صلوات اللہ علیہم اجمعین۔ جو میرے وقت تک ہوتے ہیں سب کے سب خدائے عزوجل کے بندے ہیں۔ خدا کا ارشاد ہے جو شخص بھی میرے ذکر سے روگردانی کرے گا۔ اس کے لئے تنگ زندگی ہے۔ اے محمد بن علی (سمریؒ) ہمیں جاہل، احمق اور ایسے نام نہاد شیعوں نے جن کے دین و اعتقاد سے مچھر کا پر بھی زیادہ وزنی ہے، بہت اذیت پہنچائی ہے میں اس خدا کو گواہ کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، اس کے رسولؐ، اس کے تمام انبیاء و اولیاء علیہم السلام کو اور ہر اس شخص کو جو میرے اس مکتوب کو دیکھے گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں خدا و رسولؐ کی بارگاہ میں ان لوگوں سے بیزاری ظاہر کرتا ہوں۔ جو یہ کہتے ہیں کہ ہم عالم الغیب ہیں۔ یا خدا کے ملک میں اس کے شریک ہیں۔ اسی طرح میں اس سے بھی بیزار ہوں۔ جو ہمیں اس محل و مقام کے علاوہ جو خدا نے ہمارے لئے منتخب کیا ہے اور اس کے لئے ہمیں پیدا کیا ہے کسی اور محل و مقام پر فائز سمجھتا ہے یا جو کچھ میں نے تمہارے سامنے (اپنے متعلق) بیان کر دیا ہے۔ اس سے تجاوز کرتا ہے اور میں تمہیں گواہ کر کے کہتا ہوں۔ کہ جس شخص سے ہم بیزار ہو جائیں۔ اس سے خدا اس کے ملائکہ اور اس کے رسولؐ و اولیاء بھی بیزار ہو جاتے ہیں۔

میں اپنی اس توقیع کو تمہاری اور ہر اس آدمی کی گردن میں امانت قرار دیتا ہوں جو اسے سنے کہ وہ اسے ہمارے کسی شیعہ سے بھی پوشیدہ نہ کرے تاکہ میرے تمام نام لیوا اس پر مطلع ہو سکیں۔ شاید اس طرح خدا ان کی تلافی کر دے۔ اور وہ دین حق کی طرف پلٹ آئیں اور اس بات سے باز آ جائیں جس کے انجام کو نہیں جانتے۔ جو شخص بھی میری اس توقیع کو سن کر بھی اس عقیدہ پر کاربند نہ ہو جس کا میں نے حکم دیا ہے اور اس بدعقیدہ سے باز نہ آئے۔ جس سے میں نے روکا ہے تو اس پر خدا اور اس کے تمام برگزیدہ تمام برگزیدہ نیک بندوں کی لعنت نازل ہوگی۔" ہم سمجھتے ہیں کہ اس کے بعد اس سلسلہ میں مزید کسی حدیث کے پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان فی ذلک لآیات لقوم یعقلون۔

علم غیب تحقیقات علماء اعلام کی روشنی میں

اس مقام پر ایسے بکثرت علمائے اعلام کا کلام حقیقت ترجمان پیش کیا جا سکتا ہے جنہوں نے نبیؐ و امامؑ سے علم غیب کی نفی فرمائی ہے۔ مگر اختصار کے پیش نظر ذیل میں صرف چند اعاظم کے بیانات پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جاتی ہے۔

(۱) شیخ الفرقۃ المحقۃ حضرت شیخ مفید علیہ الرحمۃ اوائل المقالات ص۳۸ طبع ایران پر تحریر فرماتے ہیں "فاما اطلاق القول علیہم بانہم یعلمون الغیب فہو منکر بین الفساد لان الوصف بذلک انما یستحق من علم الاشیاء بنفسہ لا بعلم مستفاد وھذا لا یکون الا اللہ عز وجل وعلی قولی ھذا جماعۃ اھل الامامۃ الا من شذ عنہم من المفوضۃ ومن انتمی الیہم من الغلاۃ" یعنی یہ کہنا کہ ائمہ علیہم السلام عالم الغیب ہیں۔ بالکل فاسد و باطل قول ہے۔ کیونکہ اس وصف (عالم الغیب ہونے) کا حقدار صرف وہی (عالم) ہو سکتا ہے جو بالذات اشیاء کا علم رکھتا ہے اور اس کا علم کسی اور ذات سے مستفاد نہیں ہے اور یہ شان صرف خدائے علام کی ہے۔ میرے اسی بیان کردہ مسلک پر شیعہ امامیہ کا اتفاق ہے۔ ہاں مفوضہ اور غالی لوگ اس کے قائل نہیں۔" (یعنی وہ ائمہ کو عالم الغیب جانتے ہیں) علامہ مجلسیؒ نے بھی ان کی یہ فرمائش ہشتم بحار الانوار ص۳۴۹ پر نقل کی ہے۔ اور پھر اس پر کوئی رد و قدح نہیں فرمائی جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کے نزدیک بھی حضرت شیخ مفیدؒ کی یہ تحقیق انیق صحیح ہے!

(۲) حضرت سید مرتضیٰ علم الہدیٰ قدس سرہ اپنی کتاب الشافی ص۸۶ طبع ایران پر قاضی عبد الجبار کا جواب دیتے ہوئے رقمطراز ہیں۔ "فقد اصاب فی ان ما لا تعلق لہ بما یقوم بہ الامام لا یجب ان یعلمہ الا انہ ظن علینا انا نوجب ھذا الجنس من العلوم فلھذا اتبع کلامہ بالحکایۃ عنا ایجاب کونہ عالما بما جری مجری الغیب ومعاذ اللہ ان نوجب لہ من العلوم الا ما تقتضیہ ولایتہ ویوجب ما ولیہ واسند من الاحکام الشرعیۃ وعلم الغیب خارج عن ھذا۔ الخ" یعنی قاضی نے یہ بات تو صحیح کہی ہے کہ جن چیزوں کا تعلق منصب امامت کے ساتھ نہ ہو ان کا جاننا امام کے لئے ضروری نہیں ہے لیکن ان (قاضی) کا یہ گمان ہمارے متعلق (غلط ہے کہ) ہم امامؑ کے لئے اس قسم کے علوم کا جاننا ضروری سمجھتے ہیں۔ جو علم غیب کی طرح ہیں۔ پناہ بخدا ہم سوائے ان علوم کے جن کا مقام و منصب امامؑ کے ساتھ تعلق ہے جیسے احکام شرعیہ اور کسی قسم کے علوم کے جاننے کو ضروری سمجھیں اور علم غیب بھی اسی قسم سے ہے۔" (جن کا جاننا امامؑ کے لئے ضروری نہیں ہے)"

(۳) علامہ ابو الفتح کراجکیؒ نے اپنی کتاب کنز الفوائد طبع ایران ص۱۰۹ ۱۳۱۵ھ پر اعتقادات امامیہ میں اپنا ایک مختصر رسالہ موسومہ بہ "البیان عن جمل اعتقاد اہل الایمان" درج کیا ہے اس کے ص۱۱ پر متعلقہ مسئلہ میں تحریر فرماتے ہیں "لا یعلمون الغیب الا ما اعلمھم الخالق" "یعنی ائمہ اہل بیتؑ غیب نہیں جانتے مگر جس قدر خالقِ خلق انہیں بتلا دے۔"

(۴) فاضل جلیل جناب ابن قبہؒ (جو کہ جلیل القدر علمائے متقدمین میں سے ہیں) فرماتے ہیں "ان علم الغیب لا یدعیہ فی الائمۃ الا مشرک" "یعنی ائمہ اہل بیتؑ کی غیب دانی کا وہی شخص دعویٰ کرتا ہے جو مشرک ہو۔ (علی ما نقلہ علی حاشیہ شرح الاصول من الکافی لمولانا محمد صالح المازندرانی ج ۵ ص۳۲)"

(۵) عالم ربانی ابو جعفر محمد بن علی بن شہر آشوب مازندرانیؒ اپنی کتاب متشابہات القرآن و مختلفہ ج ا ص۲۱۱ پر بذیل آیۂ مبارکہ

ولا اعلما الغیب تحریر فرماتے ہیں النبی والامام یجب ان یعلما علوم الدین والشریعة ولا یجب ان یعلما الغیب وما کان وما یکون لان ذلک یؤدی الی انهما شارکان للقدیم تعالی فی جمیع معلوماته ومعلوماته لا تتناهی وانما یجب ان یکونا عالمین لانفسهما وقد ثبت انهما عالمان بعلم محدث والعلم لا یتعلق علی التفصیل الا بمعلوم واحد ولو علما ما لا یتناهی لوجب ان یعلما وجود ما لا یتناهی من المعلومات وذلک محال ویجوز ان یعلما الغائبات والکائنات الماضیة او المستقبلات باعلام الله تعالی لهم شیئاً منها الخ یعنی نبی و امام علیہما السلام کے لئے (عقلاً و شرعاً) یہ واجب ہے کہ وہ تمام علوم دین و شریعت کے عالم ہوں لیکن ان کے لئے یہ لازم نہیں کہ علم غیب اور ما کان وما یکون کا علم بھی رکھتے ہوں۔ کیونکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ وہ تمام معلومات میں خدا کے ساتھ شریک ہوں۔ حالانکہ خدا کے علوم غیر متناہی ہیں۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے ذوات کا کماحقہ علم رکھتے ہوں۔ نیز یہ بھی ثابت شدہ حقیقت ہے کہ ان کا علم حادث ہے۔ (نہ قدیم) جس کے ذریعہ سے وہ جانتے ہیں اور علم (حادث) کا تفصیلی تعلق (ایک وقت) ایک ہی معلوم کے ساتھ ہوتا ہے۔ اگر ان کو خدا کے غیر متناہی علوم کا عالم تسلیم کیا جائے تو اس سے یہ لازم آئے گا۔ کہ وہ غیر متناہی اور غیر محدود علوم کے عالم ہوں۔ اور یہ (عقلاً) محال ہے۔ ہاں البتہ یہ جائز ہے کہ خدا کے بتانے سے بعض گذرے ہوئے اور آنے والے امور کا علم رکھتے ہوں۔"

(۵) امین الاسلام الشیخ ابو علی فضل بن الحسن الطبرسیؒ کا مکمل کلام حق ترجمان اسی باب میں آیت ۳ کے ذیل میں درج کیا جا چکا ہے اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔

(۶) مجاہد کبیر علامہ السید محسن الامین الحسینی العاملی قدس سرہ (صاحب اعیان الشیعہ) اپنی کتاب مستطاب معادن الجواہر فی علوم الاوائل والاواخر (ج ۱ ص ۲۴۳) پر امام علیہ السلام کے متعلق علامہ شیخ مفید، علامہ سید مرتضیٰ اور علامہ حلی رضوان اللہ علیہم کا کلام حق ترجمان نقل کرنے کے بعد خود افادہ فرماتے ہیں۔" یقول المؤلف عفی الله عنه اما ما ذکره المفید اعلی الله مقامه من ان الامام علیه السلام لا یعلم جمیع ما یکون الا فی الاحکام فهو الحق الذی لا شبهة فیه وکذلک النبی علیه السلام اذ لم یدل علی ذلک دلیل عقل ولا نقل وانما قام الدلیل علی عدم جواز جهل النبی او الامام شیئاً من الاحکام عند حاجة العباد الیه ولا یجب ان یعلم النبی الاحکام کلها قبل وقت الحاجة الیها وقد کانت الاحکام تنزل علی النبی صلی الله علیه وآله وسلم تدریجاً بحسب الحاجة بل الدلیل من النقل علی عدم علم الامام بل والنبی ببعض ما یحدث فی غیر الاحکام موجود بل لعله متواتر کما انه لا شک فی انهم کانوا یعلمون بعض ما یحدث بتعلیم من الله عزوجل وما دل من الآثار علی انهم یعلمون علم ما کان وما یاتی محمول علی انهم اذا ارادوا ان یعلموا علموا باقدار من الله تعالی او بسؤال ملک یقال المسدد کما یدل علیه بعض الاخبار جمعاً بین ذلک وبین ما دل علی عدم علمهم ببعض ما یکون ویشهد لهذا الجمع

بعض الاخبار، او انھم یعلمون جملۃً من الوقائع المھمۃ لا جمیع ما یکون۔ الخ یعنی حضرت شیخ مفید اعلی اللہ مقامہ نے جو کچھ بیان فرمایا ہے کہ امامؑ سوائے احکام کے اور تمام مایکون کے عالم نہیں ہوتے۔ یہ برحق ہے جس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہے اور یہی حال نبیؐ کا ہے کیونکہ اس (تمام مایکون کے عالم ہوتے) پر کوئی عقلی و نقلی دلیل موجود نہیں ہے البتہ اس امر پر دلیل قائم ہے کہ نبیؐ و امامؑ لوگوں کی ضرورت کے وقت کسی حکم شرعی سے ناواقف نہیں ہو سکتے۔ یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ نبیؐ لوگوں کی احتیاج سے قبل تمام احکام کے عالم ہوں، یہ بات واضح ہے کہ تمام احکام شرعیہ آنحضرتؐ پر حسب حاجت تدریجاً نازل ہوتے رہتے تھے، بلکہ اس امر پر دلیلِ شرعی قائم ہے کہ امامؑ بلکہ نبیؐ کو بھی احکام کے علاوہ دوسرے رُونما ہونے والے بعض واقعات کا (بالفعل) علم نہیں ہوتا۔ شاید یہ دلیل حد تواتر تک پہنچی ہوئی ہو جس طرح کہ یہ بھی مسلّم ہے کہ وہ بعض ہونے والے واقعات کو بتعلیم اللہ ضرور جانتے ہیں، جن روایات میں یہ وارد ہے کہ یہ بزرگوار ماکان ومایکون کا علم رکھتے ہیں۔ ان روایات کے چند صحیح مفہوم ہو سکتے ہیں۔ (۱) یہ کہ ان سے مراد یہ ہے کہ جب ماکان ومایکون (گذری ہوئی یا آنے والی) کسی بات کے معلوم کرنے کا ارادہ کریں۔ تو اسے باعلام اللہ معلوم کر لیتے ہیں (۲) یہ کہ اس فرشتہ کی طرف رجوع کر لیتے ہیں۔ جسے ملک مسدد کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ اس پر بعض اخبار دلالت کرتے ہیں۔ (۳) یہ کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ ایسے بعض واقعاتِ مہمہ کا علم رکھتے ہیں۔"

(۸) فاضل اجل مولانا السید مہدی القزوینی الکاظمیؒ نے اپنی کتاب ظہور الحقیقۃ طبع نجف اشرف کے ص۱۹ سے لے کر ص۲۳ تک ائمہ اہل بیتؑ کے عالم الغیب اور صاحب علم حضوری ہونے کی نفی پر علمی بحث فرمائی ہے۔ شائقین تفصیل اس کتاب جلیل کی طرف رجوع کر کے اپنی تحقیق کی تکمیل فرما سکتے ہیں۔

(۹) حضرت الفاضل الشیخ محمد رضا المظفر النجفیؒ اپنے رسالہ عقائد الشیعہ ص۳۵ طبع النجف پر علم امام کے بارے میں رقمطراز ہیں: اما علمہ فھو یتلقی المعارف والاحکام الالٰھیۃ وجمیع المعلومات من طریق النبی او الامام من قبلہ واذا استجد شیء لا بد ان یعلمہ من طریق الالھام بالقوۃ القدسیۃ التی اودعھا اللہ تعالیٰ فیہ، فان توجہ الی شیء وشاء ان یعلمہ علمہ علی وجھہ الحقیقی لا یخطأ فیہ ولا یشتبہ ولا یحتاج فی ذلک الی البراھین العقلیۃ ولا الی تلقینات المعلّمین وان کان علمہ قابلاً للزیادۃ والاشتداد ولذا قال فی دعائہ رب زدنی علماً" یعنی جہاں تک علم امام کا تعلق ہے۔ وہ معارفِ دینیہ، احکامِ الٰہیہ اور دیگر تمام معلومات کو جناب رسول خداؐ اور سابق امام کے ذریعہ سے جانتے ہیں اور جب کوئی نئی صورتِ حال رُونما ہو تو اسے اس قوتِ قدسیہ کے ساتھ الہام کے ذریعہ معلوم کر لیتے ہیں۔ جو خدا نے آپ میں ودیعت فرمائی ہے۔ پس جب امام علیہ السلام کسی چیز کی طرف توجہ فرمائیں اور اُسے معلوم کرنا چاہیں۔ تو اسے اس طرح حقیقی طور پر معلوم کر لیتے ہیں۔ کہ نہ اس میں خطا ہوتی ہے اور نہ اشتباہ اور امام اس سلسلہ میں نہ براہینِ عقلیہ کے محتاج ہوتے ہیں۔ اور نہ ہی معلّمین کی تعلیم و تلقین کے۔ اگرچہ ان کا علم اشتداد و ازدیاد کے قابل ہوتا ہے۔ اسی لئے جناب پیغمبر اسلام اپنی دعا میں کہا کرتے تھے۔ پروردگارا میرے علم میں اضافہ فرما۔

(۱) مولانا المحقق الشیخ محمد اعجاز حسن بدایونی سابق صدر مدرس مدرسۃ الواعظین لکھنؤ اپنے رسالہ شمس الاعتقاد ۵۲ھ طبع سرفراز پریس لکھنؤ میں علم نبیؐ و امامؑ کے بارے میں لکھتے ہیں: "خدا نے بے واسطۂ مخلوق اپنے حبیب کو تعلیم عطا فرمائی۔ اور اب بھی سلسلۂ فیض جاری ہے اور آئندہ بھی جاری رہے گا۔ خدا اپنے حبیب کو اس وقت سے تعلیم دے رہا ہے کہ جب سے عالم نور میں آپ کا ظہور ہوا ہے۔ خدا نے اپنے رسولؐ اور ائمۂ اہل بیتؑ کو بقدر ضرورت و مشیت تعلیم دی کبھی اجمالی اور کبھی تفصیلی تاکہ نقص کے عیب سے دامنِ عصمت محفوظ رہے علوم الٰہیہ نامتناہی اور غیر محدود ہیں۔ جو زمانۂ محدود میں کسی کو حاصل نہیں ہو سکتے۔ غیر متناہی چیز کی تعلیم کے لئے زمانہ بھی غیر متناہی درکار ہے۔ پس جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ خدا نے پورا علم وہبی طور سے رسول اللہؐ اور ائمہ معصومین کو عطا فرما دیا تھا کوئی بات پوشیدہ نہیں رکھی تھی یہ کج فہمی ہے یہ ذواتِ قدسیہ مخلوق الٰہی ہیں۔ حادث ہیں۔ قدیم و ازلی نہیں ہیں۔ پھر اُن کو قدیم و ازلی خدا کا غیر متناہی علم اور وہ بھی پورا پورا کیونکر حاصل ہو سکتا تھا؟

بعض لوگ علم تفصیلی کو حضرات معصومینؑ کے لئے کمال بتاتے ہیں۔ یہ ان کی غلط فہمی ہے۔ ورنہ اگر علم مذکور کو باعث کمال مانا جائے گا۔ تو کسی وقت میں یہ حضرات باکمال متصور نہ ہوں گے۔ اس لئے کہ علم تفصیلی کی تعلیم کسی وقت میں ختم نہیں ہوئی اور نہ آئندہ ختم ہوگی۔ وجہ اس کی وہی ہے کہ علوم الٰہیہ غیر متناہی ہیں۔ پس جب تک تعلیم ختم نہ ہو کمال حاصل نہیں ہو سکتا۔ ہاں اجمالی تعلیم موجب کمال ہے جو بقدر ضرورت و مصلحت ہر زمانہ میں جاری رہی جس کا خلاصہ قرآن مجید کی ایک آیت میں بیان ہوا ہے۔ یعنی علمك ما لم تكن تعلم وكان فضل الله عليك عظيما۔" اے رسولؐ تم کو اللہ نے وہ چیزیں سکھا دیں جو تم نہیں جانتے تھے اور خدا کا فضل تم پر عظیم ہے۔"

وضاحت: مخفی نہ رہے کہ اس رسالہ شریفہ پر لکھنؤ وغیرہ کے متعدد علماء اعلام کے تصدیقی و تائیدی دستخط ثبت ہیں۔ جیسے (۱) سرکار نجم العلماء مولانا سید نجم الحسن صاحب (۲) بحر ذخار مولانا سید محمد باقر صاحب (۳) حضرت مولانا السید آقا حسن صاحب (۴) جناب مولانا محمد ہادی صاحب رضوی (۵) حضرت مولانا سید ابو الحسن صاحب رضوی (۶) حضرت مولانا سید ابو الحسن صاحب نقوی (۷) حضرت مفتی محمد علی صاحب (۸) حضرت مفتی احمد علی صاحب (۹) حضرت مولانا سید سبط نبی صاحب نوگانوی (۱۰) حضرت مولانا مرتضیٰ حسین صاحب امروہوی (۱۱) حضرت مولانا سید ابن حسن صاحب اعلی اللہ مقامہم فی فرادیس الجنان بجاہ النبی وآلہ سادۃ الانس والجان۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نظریہ صرف جناب شیخ اعجاز الحسن صاحب کا ہی نہیں لکہ ہندوستان کے ان تمام علماء اعلام کا یہی عقیدہ ہے اولئك الذين هدى الله فبهداهم اقتده۔

لم غیب عقل سلیم کی روشنی میں

اس کتاب کے چھٹے باب میں زیر عنوان "ناظر ہونے کی نفی عقل سلیم کی روشنی میں" جو کچھ لکھا گیا ہے وہ بلا کم و کاست یہاں بھی پیش کیا جا سکتا ہے ظاہر ہے کہ انبیاء و علیہم السلام ممکن الوجود مخلوق ہیں۔ عقل سلیم حاکم ہے۔ کہ کوئی بھی مخلوق ایک وقت میں ایک ہی طرف توجہ کر سکتی ہے۔ لہذا آسمان و زمین کے تمام پوشیدہ رازوں کا بالفعل جاننا اس کے لئے ممکن نہیں ہے۔

خدا کے علوم غیر متناہی اور غیر محدود ہیں۔ مگر یہ بزرگوار بوجہ مخلوق ہونے کے متناہی و محدود ہیں۔ لہٰذا عقل کسی طرح بھی یہ باور نہیں کر سکتی۔ کہ ایک متناہی و محدود مخلوق غیر متناہی علوم کی بالفعل حامل ہو۔ نیز یہ حقیقت بھی اپنے مقام پر ثابت کی جا چکی ہے کہ علم خدا کی صفتِ ذاتی (عین ذات) ہے لہٰذا اس کے من وعن کسی مخلوق کی طرف منتقل ہونے کا سوال ہی خارج از بحث ہے۔ اگر تمام و کمال علمِ خدا کسی اور کی طرف منتقل ہو سکے۔ تو یہ انتقالِ ذات توحید کے مترادف ہوگا۔ جو کہ عقلاً و شرعاً محال و ناممکن ہے۔ تعالیٰ اللہ عما یقولون علواً کبیراً۔ اس لئے عقل سلیم کی روشنی میں تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ یہ بزرگوار علم کی اتنی مقدار ہی جانتے ہیں۔ جتنی علیم بالذات ان کو بتاتا ہے۔ ہم اپنے عقول ناقصہ سے اس کی حد بندی نہیں کر سکتے۔ نہ دینے والے مبدا فیض میں کمی ہے۔ اور نہ بخل ہے اور نہ لینے والے حضرات کے دامن طلب میں تنگی۔ بلکہ اس میں وسعت و پہنائی ہے۔ اس لئے دینے والا برابر دے رہا ہے۔ اور لینے والے "رب زدنی علماً" کہتے ہوئے دامن مراد بڑھا کر اس میں جواہر علمیہ جمع کر رہے ہیں۔ ان حضرات کی روحانی خلقت سے یہ سلسلہ برابر جاری ہے اور خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کب تک جاری و ساری رہے گا۔ اگرچہ عام مخلوق خدا کی نسبت ان کا علم کلی اور اس قدر زیادہ ہے کہ ان کے درمیان کوئی نسبت ہی قائم نہیں کی جا سکتی ہے لیکن خالق کے مقابلہ میں ان کا علم نہ صرف یہ کہ جزئی ہے بلکہ لقطرۃ فی جنب سبعۃ ابحر۔ "قلم ایں جا رسید و سر بشکست"

جمع بین الروایات اور اس موضوع پر قول فیصل

اب تک اس موضوع پر جس قدر آیات و روایات اور علماء اعلام کے تحقیقات پیش کئے گئے ہیں۔ ان سے کالشمس فی نصف النہار یہ حقیقت واضح و آشکار ہو جاتی ہے۔ کہ انبیاء عظام ہوں یا ائمہ علیہم السلام یہ غیب دان نہیں مگر انہی آیات و روایات اور تحقیقات کے ضمن میں بعض ایسی آیات و روایات اور تحقیقات بھی قارئین کرام کی نظر سے گزری ہوں گی۔ جن سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ یہ بزرگوار خدا کی تعلیم دینے سے بہت سے مغیبات پر اطلاع رکھتے ہیں۔ لہٰذا اب ان دونوں قسم کی آیات و روایات میں اس طرح بآسانی جمع و توفیق ہو سکتی ہے۔ کہ جہاں جہاں نفی کی گئی ہے۔ اس سے مراد ذاتی علم کی نفی ہے اور جہاں جہاں اثبات کیا گیا ہے اس سے علم وہبی و لدنی مراد ہے۔ چنانچہ غواص بحار اخبار ائمہ اطہار حضرت علامہ مجلسیؒ مرآۃ العقول ج ا ص ۱۸۱ و ہفتم بحار ص ۳۱۲ پر اس موضوع پر مباحث طویلہ اور ہر قسم کی آیات و اخبار درج کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ "والحاصل ان مقتضی الجمع بین الایات والاخبار حملها علی ان نفی الغیب عنهم معناه انهم لا یعلمون ذلك من انفسهم بغیر تعلیمه تعالی بوحی او الهام والا فظاهر ان عمدة معجزات الانبیاء والاوصیاء علیهم السلام من هذا القبیل واحد وجوه اعجاز القرآن ایضاً الاخبار بالغائبات و نحن ایضاً نعلم كثیراً من المغیبات باخبار الله ورسوله والائمة الهدی علیهم السلام كالقیامة واحوالها والجنة والنار والرجعة وقیام القائم ونزول عیسی وغیر ذلك من اشراط الساعة والعرش

کی روشنی میں ارباب عقل و انصاف فرمائیں کہ ان الفاظ و معانی کو ان حضرات کے مقصد باطل کے ساتھ دُور کا بھی کوئی ربط و تعلق ہے؟ حاشا و کلا

دُوسرا صحیح مفہوم

ان تمام اطلاقات کا دوسرا مجموعی صحیح مفہوم یہ بھی درست ہے کہ ان ذوات قادسہ کی عظمت و جلالت کے اظہار کے لئے ان کے اعضاء و جوارح کو خدا کی طرف نسبت دی گئی ہے۔ الغرض ان کو اسی طرح ید اللہ، وجہ اللہ، عین اللہ، لسان اللہ اور جنب اللہ وغیرہ کہا گیا ہے جس طرح اظہار شرف و عظمت کے لئے کعبہ کو بیت اللہ، جناب عیسیٰؑ کو روح اللہ اور ناقۂ صالحؑ کو ناقۃ اللہ کہا گیا ہے۔

تیسرا صحیح مفہوم

نیز ان اطلاقات کا یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ اگرچہ عام لوگوں کے اعضاء و جوارح بھی ہیں تو خدا کی ملکیت مگر مقام عمل میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عامۃ الناس ان اعضاء کو اپنی ذاتی ملکیت سمجھتے ہیں۔ مگر ان بزرگواروں کا معاملہ ان لوگوں سے مختلف ہے۔ وہ صحیح معنوں میں اپنے ہاتھ پیر، چہرہ و زبان اور آنکھ و کان کو خدائے منان کی مقدس امانت سمجھتے ہیں۔ اس لئے وہ ان اعضاء و جوارح سے وہی کام لیتے ہیں جس کے لئے خدا نے عطا کئے ہیں۔ ان کے قدم و ہاتھ ادھر بڑھیں گے جدھر خدا کی مشیت ہوگی۔ ان کی آنکھ ادھر اٹھیگی جدھر خدا کی مرضی ہوگی۔ ان کے کان ادھر متوجہ ہوں گے جدھر خدا کی رضا ہوگی۔ وقس علیٰ ہذا۔ اور یہی مطلب ہے اس آئنہ وافی ہدایہ کا۔ وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ۔

ایک اور ضروری وضاحت

چونکہ شرعی نقطۂ نگاہ سے نذر صرف خدائے عزّ و جل کے نام پر ہی ہو سکتی ہے اور غیر خدا کی نذر کے عدم جواز و بطلان پر تمام فقہائے شیعہ کا اتفاق ہے لہٰذا سرکار سید الشہداء [illegible] آئمہ ہدیٰ کی نیاز یا حضرت ابو الفضل العباسؑ کی حاضری کی صحیح صورت یہ ہے کہ اگر خداوند عالم فلاں امامؑ یا فلاں امام زادہ کے طفیل میرا فلاں کام کر دے تو میں خدا کے نام پر فلاں کام کروں گا (مثلاً اتنی رکعت نماز پڑھوں گا یا اتنے روزہ رکھوں گا یا اتنی شیرینی تقسیم کروں گا یا مجلس عزا کراوں گا یا اتنی رقم فقراء و مساکین میں تقسیم کروں گا وغیرہ) اور اس کار خیر کا ثواب اس امام یا امام زادہ کی خدمت میں ہدیہ کروں گا اور پھر یہ نذر و نیاز درست ہوگی اور اس کا انتساب ان بزرگواروں کی طرف اسی طرح مجازی ہوگا جس طرح تسبیح جناب سیدہ اور نماز جعفر طیارؑ میں ہے۔ فتامل جیداً۔

هذا بصائر للناس وهدى ورحمة لقوم يوقنون

يا ايها الناس قد جاءتكم موعظة من ربكم وشفاء لما في الصدور وهدى ورحمة للمؤمنين

مازندرانی ان روایات کی توجیہ کرتے ہوئے جن میں ائمہ اہل بیتؑ کے عالم الغیب ہونے کی نفی فرمائی گئی ہے لکھتے ہیں: اشارۃ الی ان علم الغیب ھو العلم الذی لا یکون مستفاداً عن سبب یفیدہ وذلک انما یصدق فی حقہ تعالیٰ اذ کل علم لذی علم سواہ فھو مستفاد من فیض وجودہ و افاضتہ جل شانہ ولا یکون علم غیب۔ بل اطلاعات علی امر غیبی (شرح اصول کافی ج ۶ ص ۳۰ طبع تہران) یعنی یہ اس طرف اشارہ ہے کہ علم غیب وہ ہے جو کسی سبب سے حاصل نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ بات صرف خداوند عالم کے حق میں ہی صادق آتی ہے کیونکہ اس کے علاوہ جس قدر بھی مخلوق اس کی ہے۔ اس کا علم بالواسطہ یا بلا واسطہ اسی علیم و حکیم کے فیض و کرم کا نتیجہ ہے لہٰذا ان کا علم علم غیب نہیں۔ ہاں امور غیبیہ پر اطلاع ضرور ہے۔ اسی جلد کے ص ۳۲ پر اصول کافی کی اس روایت سألت ابا عبد اللہ عن الامام یعلم الغیب قال لا۔ (میں نے حضرت صادقؑ سے امام کے بارے میں دریافت کیا کہ آیا وہ "غیب جانتا ہے؟ فرمایا نہیں") کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے "دل علی ان علم الغیب علم غیر مستفاد کعلم اللہ تعالیٰ وعلم الامام لما کان مستفاداً منہ تعالیٰ لا یکون علماً بالغیب حقیقۃ وقد یسمی علماً بالغیب نظراً الی تعلقہ بالامور الغائبۃ وبہ یجمع بین الاخبار الخ۔ یعنی یہ روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ علم غیب وہ ہوتا ہے جو کسی اور ذات سے مستفاد نہ ہو بلکہ بالذات ہو جیسے خدا تعالیٰ کا علم۔ لیکن امام علیہ السلام کا علم چونکہ خداوند عالم سے مستفاد ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ درحقیقت علم غیب ہی نہیں ہے ہاں محض اس اعتبار سے کہ اس کا تعلق امور غائبہ سے ہوتا ہے کبھی (مجازاً) اسے علم الغیب بھی کہہ دیا جاتا ہے۔ اس تحقیق سے جمع بین الاخبار بھی ہو جاتی ہے" (کہ جہاں نفی وارد ہے اس سے حقیقی اور ذاتی علم غیب کی نفی مراد ہے۔ اور جہاں اثبات ہے وہاں علم غیب مجازی ظاہری و وہبی کا اثبات مقصود ہے) اس مطلب کی تائید جناب امیر علیہ السلام کے اس فرمان سے بھی ہوتی ہے جس میں آپؑ نے بعض آنے والے امور کی پیش گوئی کو علم غیب کی بجائے "تعلّم من ذی علم" قرار دیا ہے (نہج البلاغہ [illegible]) اسی طرح امام [illegible] نے اپنی بعض اخبار کو وراثت رسولؐ سے تعبیر فرمایا ہے (بصائر الدرجات [illegible])

تیسری وجہ امین الاسلام طبرسیؒ [illegible] ترجمان [illegible] فرماتے ہیں: ولا نعلم احداً منھم استجاز الوصف بعلم الغیب لاحد من الخلق فانما یستحق الوصف بذلک من یعلم جمیع المعلومات لا بعلم مستفاد وھذا صفۃ القدیم سبحانہ العالم بذاتہ لا یشرکہ فیہ احد من المخلوقین ومن اعتقد ان غیر اللہ سبحانہ یشرکہ فی ھذہ الصفۃ فھو خارج عن ملۃ الاسلام۔ ہمیں کوئی ایسا شیعہ عالم معلوم نہیں جس نے کسی بھی مخلوق کو عالم الغیب کہنے کی اجازت دی ہو کیونکہ اس وصف (غیب دان ہونے) کا مستحق صرف وہی ہو سکتا ہے جو تمام معلومات کا علم رکھتا ہو۔ اور وہ بھی اپنے ذاتی علم کے ساتھ۔ نہ کہ کسی سے حاصل کردہ علم کے ساتھ۔ ظاہر ہے کہ یہ صرف خدائے قدیم ہی کی ذات ہے۔ کوئی بھی مخلوق اس صفت جلیلہ میں اس کی شریک نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص ایسا اعتقاد رکھتا ہے۔ تو وہ ملت اسلام سے خارج ہے۔ (مجمع البیان ج ۳ [illegible]) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم الغیب کہلانے کی حقدار وہ ذات ہے جس کا علم ذاتی ہونے کے ساتھ ساتھ کلی بھی ہو یعنی جو تمام معلومات کا عالم ہو۔ ظاہر ہے کہ اس اعتبار سے بھی صرف خداوند عالم کو ہی عالم الغیب کہا جا سکتا ہے۔

چوتھی وجہ

ائمہ اطہارؑ کے اخبار اور متکلمین ابرار کے کلام سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ خداوند عالم کے اسماء و صفات توقیفی ہیں یعنی جب تک شریعت مقدسہ کی طرف سے اجازت وارد نہ ہو اس وقت تک اپنی طرف سے نہ اس پر کسی نام و صفت کا اطلاق کیا جا سکتا ہے اور نہ اس کے اسماء و صفات میں سے کسی اسم یا صفت کا دوسروں پر اطلاق روا ہے۔ اصول کافی ص ۳۸ پر اس عنوان کا پورا ایک باب موجود ہے۔ "باب النھی عن الصفة بغیر ما وصف بہ نفسہ جل تبارک وتعالیٰ" اس باب میں اس مضمون کی بارہ عدد روایات درج ہیں۔ حضرت امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں: "وان الخالق لا یوصف الا بما وصف بہ نفسہ وانی یوصف الذی تعجز الحواس ان تدرکہ والاوھام ان تنالہ الخ" یعنی خالق کی سوائے ان اوصاف کے جن کے ساتھ خود اس نے اپنی توصیف بیان کی ہے۔ اور کسی طرح وصف بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اور بھلا اس ذات کی توصیف کیونکر کی جا سکتی ہے جس کے ادراک سے حواس عاجز اور جسے پانے سے اوہام قاصر ہوں" (کافی ج ۱ ص ۲۹) نیز آنجنابؑ سے مروی ہے فرمایا "فلیس لک ان تسمیہ بما لم یسم بہ نفسہ" اور تمہارے لئے یہ جائز نہیں کہ تم اسے اس نام سے یاد کرو۔ جو اس نے خود اپنا مقرر نہیں کیا۔ (توحید صدوق ص) یہی وجہ ہے کہ خدا کو باوجود منبع فضل و کمال ہونے کے یا "فاضل" "مرکز و معدن تعلیم ہونے کے یا "معلم" نہیں کہا جا سکتا۔ حضرت شیخ مفید علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: "لا یجوز تسمیة الباری الا بما سمی بہ نفسہ وکذلک اقول فی الصفات وبھذا تطابق الاخبار عن آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وھو مذھب جماعة من الامامیة" یعنی خدا کو سوائے اس کے مقرر کردہ اسماء و صفات کے اور کسی نام و صفت سے موسوم و موصوف نہیں کیا جا سکتا۔ اور اس پر آل رسولؐ کے اخبار موافق ہیں۔ اور یہی علماء امامیہ کی ایک جماعت کا نظریہ ہے" (اوائل المقالات ص ۱۹)

فاضل جلیل سید اسماعیل طبرسیؒ نے کفایة الموحدین ج ۱ ص ۳۴۹ و ص ۴۳۹ پر اور حضرت محدث نوریؒ نے نجم ثاقب ص ۴۴ پر تمام علمائے شیعہ کے اجماع و اتفاق کا دعویٰ کیا ہے۔ بنا بریں ہم کہتے ہیں۔ کہ آیات و روایات سے یہ حقیقت ثابت ہے۔ کہ منجملہ خدا تعالیٰ کے اسماء کثیرہ کے ایک صفاتی نام "عالم الغیب" بھی ہے۔ لہٰذا جب تک شریعت مقدسہ کی طرف سے (بااختلاف معنی ہی سہی) غیر خدا پر اس کے اطلاق کرنے کا جواز ثابت نہ ہو (جیسے علیم، سمیع و بصیر اور رؤف و رحیم کا جواز ثابت ہے) اس وقت تک غیر خدا کو "عالم الغیب" کہنا ممنوع سمجھا جائے گا (جیسے لفظ اللہ اور رحمٰن وغیرہ کا اطلاق غیر اللہ پر ممنوع ہے) وھو المقصود وقد حصل بعون اللہ الودود۔

بعض شکوک واوہام کا ازالہ

اگرچہ اس موضوع پر اب تک جو کچھ قلمبند کیا گیا ہے۔ وہ ایک سمجھدار اور منصف مزاج آدمی کے لئے حقیقت حال سمجھنے کے لئے کافی ہے مگر یہ بحث تشنۂ تکمیل رہے گا۔ اگر حسب دستور یہاں ان بعض شکوک واوہام کا مکمل طور پر قلع قمع نہ کر دیا جائے۔ جو اس مقام پر بالعموم پیش کئے جاتے ہیں۔ تاکہ اہل انصاف کے لئے ہر قسم کی قال و قیل کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو جائے۔ البتہ "لا نسلم" (ہم نہ مانیں) کہنے والوں کا کسی

کے پاس کوئی علاج نہیں ہے۔

پہلا شبہ اور اُس کا جواب

ارشادِ قدرت ہے۔ "وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُبِينٍ" (پ ۲۲ یٰسین ع ۱) ہم نے ہر چیز کا امامِ مبین میں احصاء کر دیا ہے اور امامِ مبین سے مراد حضرت امیر المومنینؑ ہیں اس سے معلوم ہوا کہ امامؑ ہر شئی کو جانتا ہے۔ اس استدلال کا جواب بچند وجوہ دیا جا سکتا ہے۔

(الف) **اولاً**۔ امامِ مبین کے مصداق میں خود شیعہ مفسرین کے درمیان شدید اختلاف ہے۔ چنانچہ بعض مفسرین نے اس سے لوحِ محفوظ، بعض نے قرآن مجید، بعض نے نامہ ہائے اعمال اور بعض نے حضرت امیر المومنینؑ کو مراد لیا ہے (ملاحظہ ہو تفسیر صافی ص ۴۲۲ تفسیر مجمع البیان ج ۲ ص ۴۲۳۔ اور تفسیر ابو الفتوح رازی ج ۹ ص ۲۲۹) لہٰذا اس مجمل آیت کے ساتھ استدلال کرنا درست نہیں ہے۔

(ب) **ثانیاً**۔ بنا بر تسلیم اینکہ اس سے مراد حضرت امیر المومنینؑ ہیں۔ (اور یہی ہمارا ایمان ہے جیسا کہ کتاب معانی الاخبار ص ۹۵ رئیس المحدثین شیخ صدوقؒ کی روایت سے ظاہر ہے جسے تفسیر برہان اور صافی میں بھی نقل کیا گیا ہے) تو قابلِ غور مطلب امر یہ ہے کہ اس کل شئی سے مراد کیا ہے؟ اور اس کے احصاء کرنے کا مفہوم کیا ہے؟ جو اس آیت کا ظاہری مفہوم ہے۔ اسے مراد لینا تو عقلاً محال ہے۔ کیونکہ ہر شئی (جس میں چرند و پرند، شجر و حجر وغیرہ سب داخل ہیں) اس کا امام مبین کے وجودِ مقدسہ میں احصاء کرنا عقلاً ناممکن ہے۔ لہٰذا احصاء سے مراد مجازاً علم لینا پڑے گا۔ اس کل شئی کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) کل منطقی جو الفاظِ عموم میں سے ہے جس میں عالمِ امکان کی ہر شئے داخل ہے (۲) کل عرفی جس سے مراد وہ چیزیں ہیں جو منصبِ امامت اور لوگوں کی ضروریات سے متعلق ہیں۔ سطورِ بالا میں علماء اعلام کی تحقیقات کی روشنی میں یہ امر ثابت کیا جا چکا ہے کہ ان اشیاء کا جاننا امام کے لئے ضروری نہیں ہے جن کا تعلق منصبِ امامت کے ساتھ نہیں ہے۔

علاوہ بریں قرینۂ مقام کا اقتضاء بھی یہی ہے کہ اس سے مراد یہی کل عرفی ہے۔ اگر کوئی دوا فروش یہ کہے کہ میرے دواخانہ میں ہر شئی موجود ہے۔ تو اس کا مقصد قرینۂ مقام سے یہی ہوگا۔ کہ ہر شئی از قسم دوا۔ یا جب کوئی ہوٹل والا یہ کہے کہ یہاں ہر شئی موجود ہے۔ تو مطلب یہ ہوگا۔ کہ ہر شئی از قسم خورد و نوش یا کوئی جنرل سٹور والا یہ کہے کہ یہاں ہر شئی موجود ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ ہر شئی از قسم ضروریاتِ زندگی۔ تو بلا تشبیہ یہاں بھی امامؑ کے اندر ہر شئی کا علم ودیعت کرنے سے مراد ہر وہ چیز ہوگی۔ جو منصبِ امامت اور رعایا کی ضروریات سے متعلق ہے۔ بنا بریں مطلب یہ ہوگا۔ (و اللّٰہ العالم) کہ وہ کل اشیاء جن کی طرف لوگوں کو احتیاج ہوتی ہے امامؑ ان سب کا عالم ہوتا ہے۔ **والحجۃ من لا یقول لا ادری** لہٰذا اس سے تمام کائنات کے ذرہ ذرہ کا اور وہ بھی بالفعل عالم ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

(ج) **ثالثاً**۔ اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ کل شئی سے مراد کل منطقی ہے اور اس میں کائناتِ عالم کی ہر شئی شامل ہے۔ تب بھی اس سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ ان کو ہر چیز کا علم اس طرح بالفعل ہو کہ توجہ اور التفات کرنے یا اس میں مزید اضافہ و ازدیاد

کی گنجائش ہی نہ ہو بلکہ اس کا صحیح مفہوم یہ ہوگا۔ کہ وہ جب بھی کسی چیز کے معلوم کرنے کا ارادہ کریں تو اسے باعلام اللہ معلوم کر لیتے ہیں۔ اس بنا پر یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ وہ سب اشیاء کو جانتے ہیں۔ یعنی بالقوۃ القریبہ ہم پچھلے باب میں یہ ثابت کر گئے ہیں کہ نبی یا امام جب توجہ فرمائیں تو از عرش تا فرش و از ثریٰ تا ثریا جس چیز کو معلوم کرنا چاہیں۔ باعلام اللہ معلوم کر لیتے ہیں" ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء

رابعاً۔ ائمہ معصومینؑ کی روایات مستفیضہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے علم کے متعدد طرق و ذرائع ہیں۔ (۱) نکت فی القلوب (۲) نقر فی الاسماع (۳) اضافہ در شب جمعہ (۴) زیادتی در لیلۃ القدر (۵) الہام (۶) رجوع بسوئے مصحف فاطمہؑ (۷) رجوع بطرف کتاب جفر و جامعہ (۸) عرض اعمال عباد (۹) رجوع بجانب صحف انبیاء و مرسلین (۱۰) بذریعہ روح القدس (۱۱) خدمۂ جن کا خبریں لانا (۱۲) عمود نور میں نظر کرنا (بشرطیکہ اسے حقیقی عمود تسلیم کیا جائے۔ ورنہ اس کے فرشتہ ہونے کی صورت میں کما ہو الحق اس کا خبریں پہنچانا مراد ہوگا) (۱۳) ان کا محدث ہونا (بغیر صورت دیکھے فرشتوں کا ان سے باتیں کرنا) (۱۴) ہر وقت لحظہ بلحظہ علم و عرفان میں ازدیاد و اضافہ کا ہونا الی غیر ذلک من الجہات المتعددۃ
۳۹۶
والطرق المختلفۃ۔ بعض اہل علم نے تو امامؑ کے طرق و ذرائع علم کو پچاس تک شمار کیا ہے۔ (شرح زیارت جامعہ ملا احسائی) ظاہر ہے کہ اگر امامؑ کو ہر چیز کا علم بالفعل ہو تو پھر یہ تمام طرق و انحاء عبث و بے کار ہو کر رہ جائیں گے (معاذ اللہ) لہٰذا ماننا پڑے گا۔ کہ اصل مقصد یہی ہے کہ اذا اراد الامام ان یعلم شیئا اعلمہ اللہ (اصول کافی مع شرح مرآۃ العقول ج ۱ ص ۱۸۶) اس حدیث کا ابتدائی حصہ یوں ہے عن عمار الساباطی قال سئلت ابا عبد اللہ عن الامام یعلم الغیب قال لا ولکن اذا اراد الخ میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے دریافت کیا کہ آیا امامؑ علم غیب جانتا ہے؟ فرمایا نہیں۔ لیکن وہ کسی چیز کے معلوم کرنے کا ارادہ کرے تو خدا اسے اطلاع کر دیتا ہے" (وبہ یجمع بین الآیات والروایات کما سلف)

دوسرا شبہ اور اس کا جواب

قرآن مجید کے متعلق ارشاد قدرت ہے " ما من غائبۃ فی السماء والارض الا فی کتاب مبین (پ ۲۰ س نمل ع ۱) زمین و آسمان کی کوئی ایسی پوشیدہ چیز نہیں جو کتاب مبین میں موجود نہ ہو۔ ولا اصغر من ذلک ولا اکبر الا فی کتب مبین (پ ۱۱ س یونس ع ۷) زمین و آسمان کی کوئی پوشیدہ اور کوئی چھوٹی یا بڑی چیز نہیں جو کتاب میں موجود نہ ہو۔ نیز وارد ہے ولا حبۃ فی ظلمت الارض ولا رطب ولا یابس الا فی کتب مبین (پ ۷ س انعام ع ۷) کوئی خشک و تر چیز ایسی نہیں جس کا تذکرہ کتاب مبین میں موجود نہ ہو۔ اور چونکہ ائمہ اہلبیتؑ بنص آیہ مبارکہ ثم اورثنا الکتب الذین اصطفینا من عبادنا وارثان علم قرآن ہیں۔ لہٰذا ان کو ہر چیز کا بشمول غیب عالم ماننا صحیح ہے۔ اس شبہ کے کئی جوابات پیش کئے جا سکتے ہیں۔

پہلا جواب

یہ ہے کہ کتاب مبین میں اختلاف ہے کہ اس سے کیا مراد ہے؟ ہمارے بہت سے مترجمین و مفسرین نے اس سے لوح محفوظ مراد لی ہے۔ چنانچہ مولانا فرمان علی صاحب نے مذکورہ بالا آیات کا ترجمہ یوں فرمایا ہے

پہلی آیت کا ترجمہ: اور آسمان و زمین کی کوئی ایسی بات پوشیدہ نہیں جو واضح و روشن کتاب (لوح محفوظ) میں لکھی موجود نہ ہو۔ اس کے حاشیہ پر لکھتے ہیں" اردو محاورات میں کتاب مبین کا پورا ترجمہ کسی ایک دو لفظ میں بہت دشوار ہے۔ میں نے اگرچہ واضح و روشن اس کا ترجمہ کیا ہے۔ مگر اس کا دوسرا مطلب بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی موٹے جلی حرفوں میں لکھی ہوئی کتاب۔ حالانکہ کتاب مبین سے وہ کتاب مراد ہے جس میں تمام واقعات جزئی و کلی نہایت تفصیل و شرح و بسط سے لکھے ہوئے ہوں۔ اور اس سے لوح محفوظ مراد ہے خواہ اسے علم الٰہی سمجھو۔ یا وہ تختی مانو جس میں تمام واقعات مندرج ہیں۔ اور محفوظ اس وجہ سے کہتے ہیں۔ کہ اس میں کوئی تصرف نہیں کر سکتا۔" (حمائل فرمان ص۶۱۱)

اس آیت کی تفسیر میں علامہ طبرسیؒ لکھتے ہیں" الا فی کتاب مبین ای الا وھو مبین فی اللوح المحفوظ" یعنی زمین و آسمان کی ہر پوشیدہ بات لوح محفوظ میں واضح طور پر مندرج ہے۔" (مجمع البیان ج۷ ص۲۳۹) اور علامہ ابو الفتوح رازی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:" ہیچ خصلتے و حادثہ غائب نباشد در آسمان و زمین الا آں در کتابے است روشن یعنی لوح محفوظ" (ج۵، ص۲۳۵ طبع جدید ایران)

دوسری آیت کا ترجمہ: " اور نہ کوئی چیز ذرہ سے چھوٹی ہے۔ اور نہ بڑی چیز مگر روشن کتاب (لوح محفوظ) میں ضرور ہے (ترجمہ فرمان) مفسر قرآن علامہ طبرسی لکھتے ہیں" الا فی کتاب بینہ اللہ فیہ قبل ان خلقہ وھو اللوح المحفوظ الخ" یعنی ہر چیز کا واضح بیان اس کی خلقت سے بھی پہلے ایک کتاب میں موجود ہے اور اس سے مراد لوح محفوظ ہے۔" (مجمع البیان ج۵ ص۱۱۲) فاضل مفسر شیخ ابو الفتوح رازی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:" نہ کہتر از آں و نہ نیز مہتر از آں الا آں در نوشتہ ثبت کردہ اند و نبشتہ اند و آں لوح محفوظ است" (ج۵ ص۲۳۵)

تیسری آیت کا ترجمہ: " اور نہ زمین و آسمان کی تاریکیوں میں کوئی دانہ اور نہ کوئی ہری اور کوئی خشک چیز ہے مگر یہ کہ وہ نورانی کتاب (لوح محفوظ) میں موجود ہے۔" (ترجمہ فرمان) امین الاسلام طبرسیؒ اس آیۃ وافی ہدایہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں" الا فی کتاب معناہ وھو مکتوب۔ فی کتاب مبین ای فی اللوح المحفوظ الخ یعنی ہر خشک و تر کے لوح محفوظ میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہر خشک و تر چیز لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے۔" (مجمع البیان ج۲ ص۳۸) بعد ازاں اس کتابت کا فلسفہ بیان فرمایا ہے۔

علامہ ابو الفتوح رازی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:" و مراد بکتاب لوح محفوظ است نزدیک بیشتر مفسران و بعضے دگر گفتند کتابت است از علم خدائے تعالیٰ" (ج۴ ص۱۹۶) لہٰذا جب کتاب مبین سے مراد لوح محفوظ ہے تو پھر ظاہر ہے کہ ان آیات مبارکہ کا ہمارے موضوع بحث سے کوئی ربط و تعلق ہی نہیں رہتا۔

دوسرا جواب بنا بر تسلیم اگر اس سے مراد قرآن مجید ہے جیسا کہ بعض مفسرین نے بیان کیا۔ اور بعض آثار سے بھی اس کی فی الجملہ تائید ہوتی ہے۔ تو اس صورت میں قابل غور بات یہ ہے۔ کہ قرآن مجید میں صرف قواعد کلیہ اور

اصول و اشارات ہیں یا کائنات کے ذرہ ذرہ کی تمام تفاصیل؟ بالبداہتہ معلوم ہے۔ کہ اس میں تمام چیزوں کا تفصیلی تذکرہ موجود نہیں ہے" ان ذکر الاشیاء تفصیلاً فی القرآن غیر موجود بالضرورۃ یعنی بالبداہتہ تمام اشیاء کا تفصیلی تذکرہ قرآن میں موجود نہیں ہے (صراط الحق ج ۳ ص ۳۵۵) اور اجمال و اشارہ مفید مطلب نہیں "و اجمالاً غیر کاف لما نحن بصددہ" اور اجمالی بیان اثبات مدعا کے لئے کافی نہیں ہے (حوالہ مذکور)

تیسرا جواب

اگر مذکورہ بالا حقائق سے بھی غض بصر کر لیا جائے۔ تو تب بھی اس استدلال سے مدعی کا دعویٰ ثابت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ آیات و روایات سے یہ بات ہرگز ثابت نہیں ہوتی۔ کہ تمام موضوعات خارجیہ یہاں تک کہ کسی درخت کے پتے کے کھڑکنے، بارش کا قطرہ کسی جگہ گرنے، کسی آدمی کے اپنے ہاتھ کو حرکت دینے اور آنکھ اٹھا کر کسی طرف دیکھنے وغیرہ وغیرہ قرآن میں بالتفصیل مذکور ہیں۔ اور جب تک یہ بات ثابت نہ ہو۔ اس وقت تک دعویٰ ثابت نہیں ہو سکتا۔ (صراط الحق ج ۳ ص ۳۵۵) و دون اثباتہ خرط القتاد۔

چوتھا جواب

تفسیر اہل بیتؑ سے مستفاد ہوتا ہے کہ "من ہر شئی" سے شرعی حدود و قیود و احکام حلال و حرام اور جمیع ما یحتاج الیہ الناس مراد ہیں۔ چنانچہ جناب امام رضا علیہ السلام اپنی مشہور حدیث راجع بصفات امام علیہ السلام میں ارشاد فرماتے ہیں: "ان اللہ عز و جل لم یقبض نبیہ حتی اکمل لہ الدین و انزل علیہ القرآن فیہ تبیان کل شئی بین فیہ الحلال والحرام والحدود والاحکام وجمیع ما یحتاج الیہ الناس کملاً فقال اللہ عز و جل ما فرطنا فی الکتاب من شئی" یعنی خداوند عالم نے اپنے نبیؐ (کی روح مبارک) کو اس وقت تک قبض نہیں کیا جب تک ان کے لئے دین کو کامل نہیں کر دیا۔ اور جب تک ان پر وہ کتاب نہیں اتار دی جس میں ہر شئی کا بیان ہے یعنی اس میں خدا نے حلال و حرام (حدود) و احکام اور تمام وہ باتیں[1] ہیں۔ جن کی طرف لوگ محتاج ہیں۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے۔ "ہم نے کتاب میں کسی چیز کے متعلق کمی نہیں کی" جناب علامہ مجلسیؒ اس کی شرح میں فرماتے ہیں۔ "اشارۃ الی قولہ تعالیٰ فی سورۃ النحل و نزلنا علیک الکتٰب تبیاناً لکل شئی ثم فسر ذلک بقولہ بین فیہ الحلال والحرام والحدود وجمیع ما یحتاج الیہ الناس کملاً" (مرآۃ العقول ج ۱ ص ۱۵۲) یعنی امام علیہ السلام نے اس کلام میں سورۃ نحل کی اس آیت کی طرف اشارہ فرمایا ہے جس میں خدا فرماتا ہے (اے رسولؐ) ہم نے تم پر وہ کتاب نازل کی ہے جس میں ہر شئی کا بیان ہے۔ پھر امامؑ نے اس (ہر شئی) کی اپنے اس ارشاد میں یہ وضاحت کی ہے کہ اس میں حلال و حرام و حدود (شرعیہ) اور وہ سب باتیں ہیں جن کی طرف لوگ محتاج ہیں۔ خدا نے اس میں بیان کر دی ہیں۔" مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں تفسیر صافی ص ۲۹۰ پر صادق علیہ السلام سے مروی ایک روایت میں مذکور ہے فرمایا "واللہ ماترک شیئاً یحتاج الیہ العباد حتی لا یستطیع عبد یقول لو کان ھذا انزل فی القرآن الا انزلہ اللہ" خدا کی قسم خدا نے ایسی کوئی چیز جس کی طرف بندے محتاج ہیں نہیں چھوڑی۔ مگر یہ کہ اسے قرآن میں بیان کر دیا ہے۔

---

[1] بیان فرمائی

حتیٰ کہ اب کوئی آدمی یہ نہیں کہہ سکتا کہ کاش (ضرورت کی) فلاں شئ کا اس میں بیان ہوتا۔ مگر یہ کہ خدا نے اسے پہلے ہی قرآن میں بیان کر دیا ہے۔ حقیقت الامر بھی یہی ہے کہ منصبِ نبوت و امامت کے لئے ضرورت بھی اسی مقدار کی ہے کہ جہاں تک ان کی نبوت یا امامت کے حدود کا تعلق ہے ان تمام کی ضروریات سے کما حقہ واقف ہوں۔ اگر خدائے علیم اس سے زائد علم نبیؐ و امامؑ کو عطا فرماتا ہے تو یہ اس کا تفضّل ہے۔ حضرت امام رضا علیہ السلام آیۂ مبارکہ "الرحمٰن۔ علّم القرآن خلق الانسان" کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہاں "الانسان" سے مراد امیر المومنینؑ ہیں۔ راوی نے پوچھا۔ علّمہ البیان کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا علّمہ البیان کل شئ یحتاج الناس الیہ (مرآۃ العقول ج ۱ ص ۱۰۰) "ہر وہ چیز جس کی بندوں کو ضرورت ہے اس کے بیان کرنے کا آنجنابؑ کو علم عنایت فرمایا۔ ان ھذا لفوز مبین۔ مذکورہ بالا شبہ اول کے جواب سوم و چہارم سے اس شبہ کا جواب واضح و عیاں ہے۔ لہٰذا تکرار کی ضرورت نہیں۔ فراجع۔

تیسرا شبہ اور اس کا جواب

بروایت طارق بن شہاب فضائلِ ائمہؑ میں جو خطبہ حضرت امیر المومنینؑ سے مروی ہے اس کے ضمن میں منجملہ دوسری صفاتِ امامؑ کے ایک صفت یہ بھی مذکور ہے کہ "المطلع علی الغیوب" "امام غیب پر مطلع ہوتا ہے" (منتہٰی بحار الانوار ص ۳۰۶) اس شبہ کا بچند وجوہ جواب دیا جا سکتا ہے۔

اوّلاً۔ تو یہ خطبہ رجب برسی کی کتاب مشارق الانوار سے منقول ہے اور علماء محققین کے نزدیک مؤلّف اور مؤلَّف ہر دو مجروح و مقدوح ہیں علامہ تنکابنی نے قصص العلماء ص ۲۸۳ طبع بمبئی پر موصوف کا بایں الفاظ تذکرہ کیا ہے "و شیخ رجب حافظ برسی۔ نیز آں را در کتب خود نقل کردہ" تفصیل کے لئے "روضات الجنات فی تراجم العلماء والسادات" کی طرف رجوع کیا جائے۔" ان کی کتاب مشارق الانوار علماء اعلام کی نگاہ میں غالیانہ مضامین پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ناقابلِ اعتماد ہے چنانچہ علامہ شیخ محمد بن الحسن بن علی بن محمد الحر العاملی (صاحب کتاب وسائل الشیعہ) اپنی کتاب امل الآمل ص ۲۳ طبع ایران پر اس کے متعلق تحریر فرماتے ہیں "و فی کتابہ افراط و ربما نسب الی الغلو" یعنی ان کی کتاب مشارق الانوار میں افراط (حد سے تجاوز) ہے اور بسا اوقات اسے غلو کی طرف نسبت دی جاتی ہے۔" بلکہ خود سرکار علامہ مجلسیؒ نے مقدمہ بحار الانوار ص ۱۰ پر اس کتاب کے متعلق لکھا ہے "کتاب مشارق الانوار للحافظ رجب البرسی ولا اعتمد علی ما یتفرد بنقلہ لاشتمال کتابہ علی ما یوھم الخلط والخبط" الخ یعنی کتاب مشارق الانوار حافظ رجب برسی کی تالیف ہے[1] نیز سرکار موصوف اپنے رسالہ اعتقادیہ میں تحریر فرماتے ہیں "ولا عبرۃ بما رواہ البرسی وغیرہ من الاخبار الضعیفۃ" (ص ۶ مطبوعہ برحاشیہ عقائد الصدوق ایران) "برسی وغیرہ نے جو ضعیف اخبار نقل کئے ہیں ان کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ لہٰذا جس کتاب کا علمی مقام علماء اعلام کی نظر میں یہ ہو۔ اس کی روایات پر (اور وہ بھی مقام اعتقاد میں) کیونکر اعتماد کیا جا سکتا ہے؟

---

[1] میں اس کتاب کی ان روایات پر اعتماد نہیں کرتا جنکے نقل کرنے میں وہ منفرد ہو کیونکہ یہ کتاب خلط و خبط پر مشتمل ہے۔"

ثانیاً۔ یہ استدلال ہمارے محلِ نزاع سے خارج ہے کیونکہ ہم سطور بالا میں کئی بار اس امر کی وضاحت کر چکے ہیں۔ کہ اس امر میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں ہے۔ کہ نبی و امام علیہما السلام حسب مصلحت ایزدی بتعلیم اللہ اس قدر امور غیبیہ پر اطلاع رکھتے ہیں۔ کہ ہم اس کی مقدار معین نہیں کر سکتے مگر تمام تر نزاع اس بات میں ہے کہ اس اطلاع علی الغیب کی وجہ سے ان کو "عالم الغیب" کہا جا سکتا ہے یا نہ؟ اس کا جواز اس خطبہ سے ثابت نہیں ہوتا۔ اطلاع علی الغیب اور ہے۔ اور عالم الغیب ہونا اور۔ ؏

ہزار نکتۂ باریک تر ز مو ایں جاست
نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

اگر ان مدعیوں میں کچھ بھی علمی لیاقت و جرأت ہے تو کوئی ایک ہی ایسی مستند روایت پیش کر دیں۔ جس میں نبی علیہ و آلہ السلام یا امام عالی مقام پر "عالم الغیب" ہونے کا اطلاق کیا گیا ہو تا کہ ہمیشہ کے لئے یہ قیل و قال اور بحث و جدال ختم ہو جائے۔ مگر ؏

لا یاتون بہ ولو کان بعضھم لبعض ظہیرا ؏

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے
یہ بازو مرے آزمائے ہوئے ہیں

نوٹ:۔ اسی خطبۂ طارق بن شہاب میں یہ بھی وارد ہے کہ "ادفعوا عنا حظوظ البشریة فانا مبرؤن عما یجوز علیکم" یعنی ہم سے ان نقائص بشریہ کو دور کرو۔ جو تمہارے لئے روا ہیں۔ کیونکہ ہمارا دامن ان سے مبرا ہے۔ اس سے بعض قشریین یہ ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کیا کرتے ہیں۔ کہ ائمہ کی نوع علیحدہ ہے حالانکہ ان کا یہ خیال سراسر غلط اور مہمل ہے کیونکہ قطع نظر اس خطبہ کی علمی حیثیت کے جس میں یہ جملہ وارد ہے (جو کہ اوپر واضح کی جا چکی ہے) اس فقرہ کا یہ مطلب نہیں ہے بلکہ اس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ امام ان تمام نقائص و عیوب سے منزہ ہوتا ہے۔ جو عام انسانوں میں پائے جاتے ہیں۔ اور یہ امر بالکل حق و صدق ہے۔ لاشک فیہ ولا ریب۔

چوتھا شبہ اور اس کا جواب

کئی روایات میں وارد ہے کہ امام علیہ السلام علم ماکان و مایکون و گذشتہ و آئندہ امور کا عالم ہوتا ہے کیا اس سے ان کا عالم الغیب ہونا ظاہر نہیں ہوتا؟ اس شبہ کا جواب بھی ظاہر ہے۔ یہ ہمارا ایمان ہے کہ امام عالی مقام ماکان و مایکون کا عالم ہوتا ہے۔ مگر ہم کئی بار اس امر کی طرف قارئین کرام کی توجہ مبذول کرا چکے ہیں۔ کہ روایت کے ساتھ درایت بھی ضروری ہوتی ہے۔ لہٰذا قابل غور امر یہ ہے کہ اس علم ماکان اور مایکون سے مراد کیا ہے؟ اس میں علماء اعلام کے انظار عالیہ مختلف ہیں۔ ہم اسی باب میں حضرت شیخ مفیدؒ اور مولانا العلام السید

؎ حدیث میں وارد ہے۔ اتقوا فراسة المؤمن فانه ینظر بنور اللہ۔ ہم نے طبع اول میں جو دعویٰ کیا تھا۔ باوجود جوابات کثیرہ لکھے جانے کے ولی صاحب بھی تا حال اس دعویٰ کو غلط ثابت نہیں کر سکے۔ اور نہ ہی آئندہ کبھی ایسا کر سکیں گے ان شاء اللہ والحمد للہ علی احسانہ العمیم عفی عنہ)

محسن الامین الحسینی العاملی قدس سرہما کا کلام حق ترجمان نقل کر چکے ہیں جس میں انہوں نے اس کے متعلق چند احتمالات ذکر کئے ہیں۔ (۱) ممکن ہے کہ اس سے مراد شرعی احکام ہوں نہ دیگر موجودات (۲) ممکن ہے اس سے بعض اہم واقعات کا علم مراد ہو نہ تمام جزئی جزئی حالات کا (۳) ممکن ہے اس سے ملک مسدد روح القدس کی طرف رجوع کر کے معلوم کرنا مراد ہو (۴) ممکن ہے اس سے مراد یہ ہو کہ جب توجہ فرمائیں تو ماکان و مایکون واقعات و حالات معلوم کر لیتے ہیں۔ (۵) علاوہ بریں بعض آثار سے یہ بھی آشکار ہوتا ہے کہ ان کو حتمی وغیر حتمی اور قابل و ناقابل بداء امور کا علم ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ یقینی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتے۔ چنانچہ جناب امیر المومنینؑ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا۔ لولا اٰیۃ فی کتاب اللہ لاخبرتکم بما کان وما ھو کائن الی یوم القیٰمۃ وھی ھذہ الاٰیۃ یمحو اللہ ما یشاء ویثبت وعندہ ام الکتٰب (احتجاج طبرسی ص۱۳۷ طبع نجف) اگر قرآن میں ایک آیت نہ ہوتی تو میں تم کو گذشتہ اور قیامت تک ہونے والے تمام امور کی خبر دے دیتا۔ اور وہ آیت یہ ہے خدا جسے چاہتا ہے محو کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ثبت کر دیتا ہے اس کے پاس ام الکتاب (لوح محفوظ) ہے۔" ان تاویلات پنجگانہ میں سے ہماری نظر قاصر میں چوتھی تاویل اقویٰ و اظہر ہے۔ دیگر مفصل و مبین روایات شریفہ سے اس تاویل کی تائید مزید ہوتی ہے۔ بنابریں روایات ماکان و مایکون کا صحیح مفہوم وہی ہے۔ جس کی ہم کئی بار وضاحت کر چکے ہیں۔ کہ علم امام ارادی ہے جب توجہ فرمائیں تو کائنات عالم کی ہر چیز کو باعلام اللہ معلوم کر لیتے ہیں خواہ وہ عالم علوی سے متعلق ہو یا عالم سفلی سے ماکان سے تعلق رکھتی ہوں یا مایکون سے

وللناس فیما یعشقون مذاہب

اکثر علماء محققین نے بھی ان روایات کا یہی مفہوم بیان کیا ہے چنانچہ فاضل جلیل مولانا سید حسین لکھنوی قدس سرہ علم امام کے متعلق مفصل بحث کرتے ہوئے امام جعفر صادق علیہ السلام کی یہ حدیث کہ "اذا اراد الامام ان یعلم شیئاً اعلمہ اللہ ذالک" "جب امام کسی چیز کے معلوم کرنے کا ارادہ فرمائیں۔ خدا بتا دیتا ہے" درج کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ اقول "وبہ یجمع بین الاخبار احسن جمع وعلیہ یحمل احادیث علم ما کان وما یکون وما ورد فی دعاء الندبۃ المعروفۃ" یعنی میں کہتا ہوں کہ اسی حدیث شریف کے ذریعہ سے مختلف حدیثوں میں بہترین جمع ہو جاتی ہے اور اسی معنی پر علم ماکان و مایکون والی احادیث اور دعائے ندبہ والی عبارت کو محمول کیا جائے گا" (حدیقہ سلطانیہ ج۳ ص۲۱۴) نیز اسی کتاب کے ص۳۰۵ پر لکھا ہے "لکن منافات این حدیث بعلم ما کان وما یکون مبتنی است بر اینکہ مراد فعلیت جمیع علوم باشد و آن ممنوع است بلکہ مراد قوت قریبہ من الفعل است مثل وجہات علومھم وتمکنھم من علم ما شاؤا" یعنی اس روایت (گمشدگی) کا علم ماکان و مایکون والی روایات کے ساتھ متعارض ہونا اس پر مبنی ہے کہ ان روایات سے تمام علوم پر بالفعل ان ذوات مقدسہ کا مطلع ہونا ثابت ہو حالانکہ یہ بات ممنوع ہے بلکہ اس سے مراد وہ قوت ہے جو قریب بفعل ہے یعنی یہ بزرگوار جب اور جو چیز معلوم کرنا چاہیں کر سکتے ہیں" اسی طرح علامہ سید علی حاشیہ قوانین الاصول ج۱ ص۲۲۶ پر لکھتے ہیں۔

---

۵ متی شاء ادا

"معرکون مرادهم من علم ماکان ومایکون العلم الارادی علی معنی انهم اذا شاؤا ان یعلموا شیئاً مما جهلوه اعلمهم اللہ کما یشہد بہ اخبار مستفیضۃ الخ" یعنی علم ماکان ومایکون والی احادیث سے مراد یہ ہے کہ یہ بزرگوار جب کسی نامعلوم چیز کے معلوم کرنے کا ارادہ فرمائیں تو خدا انہیں بتا دیتا ہے"۔ فخذ هذا وکن من الشاکرین (کذا افادہ الفاضل الحسنی فی صراط الحق ج ۲ ص ۳۵۵)

پانچواں شبہ اور اس کا جواب

بعض حاطب اللیل قسم کے مؤلفین نے صرف کتاب کا حجم بڑھانے کے لئے ایک طویل فہرست ان لوگوں کی دی ہے۔ جنہوں نے جناب امیر علیہ السلام کے اطلاع دینے اور ان کے بوجہ تعلیم نبوی مطلع ہونے اور نبی کے باعلام اللہ آگاہ ہونے کی وجہ سے بعض آنے والے واقعات کی قبل از وقت پیشگوئی کی ہے (جیسے جناب میثم تمار اور جناب رشید ہجری کے واقعات) اور اس سے یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ کہ یہ علم غیب تو آل محمد کے غلاموں کو بھی حاصل تھا عنوان یہ قائم کئے ہیں۔ فلاں کا علم غیب اور فلاں کا علم غیب۔ اس مؤلف کی طرح کئی اور لوگ بھی اسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں وہ یہی سمجھتے ہیں کہ جو شخص بھی کسی گذشتہ یا آئندہ واقعہ کی خبر دیدے بس وہ عالم الغیب کہلا سکتا ہے۔

اس شبہ کا جواب ظاہر ہے ہم اسی باب میں دلائل قاطعہ سے ثابت کر چکے ہیں کہ جس شخص کا علم اپنا ذاتی نہ ہو بلکہ مستفاد من الغیر ہو نیز جس کا علم کلی نہ ہو بلکہ جزئی ہو۔ اس کے عالم کو اصطلاح متکلمین اسلام میں عالم الغیب کہنا درست نہیں ہے۔ ورنہ اگر عالم الغیب ہونے کا معیار اسی بات کو قرار دے دیا جائے کہ جو شخص بھی بعض آنے والے واقعات کو کسی کے بتانے سے ہی سہی جانتا ہو وہ عالم الغیب ہے تو پھر اسی طرح صرف انہی چند افراد (مثل جناب سلمان و رشید ہجری و میثم تمار و قنبر وغیرہم رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) پر ہی کیا منحصر ہے۔ بلکہ اس طرح تو ہم سب عالم الغیب قرار پائیں گے۔ کیونکہ خدا ورسول اور ائمہ ہدیٰ کے بتانے سے ہمیں بھی بہت سی آنے والی باتوں کا علم ہے۔ مثلاً ہمیں یقین ہے کہ قیامت سے پہلے جناب عیسیٰ بن مریم آسمان سے نزول اجلال فرمائیں گے۔ حضرت مہدی دوران ظہور موفور السرور فرمائیں گے۔ سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کی رجعت ہوگی۔ موت یقیناً آئے گی اور مرنے کے بعد قبر میں سوال و جواب ہوگا۔ قیامت ضرور آئے گی۔ مومن جنت میں اور باقی لوگ جہنم میں داخل کئے جائیں گے۔ اسی طرح ہم جنت و جہنم۔ عرش و کرسی اور ملائکہ کے وجود اور حشر و نشر کا علم اور ان حقائق پر کامل ایمان رکھتے ہیں۔ اگر ایک آدھ آئندہ ہونے والی بات کی خبر دینے والا عالم الغیب ہو سکتا ہے تو پھر ہم اس قدر مغیبات کثیرہ پر اطلاع رکھنے کے باوجود کیوں عالم الغیب نہیں ہو سکتے؟ لیکن اگر ہمیں عالم الغیب کہنا درست نہیں اور یقیناً نہیں۔ تو پھر ماننا پڑیگا۔ کہ جس کا علم جزئی اور مستفاد من الغیر ہو۔ اس کے عالم کو عالم الغیب نہیں کہا جا سکتا۔ وہو المطلوب وقد حصل بعون اللہ الودود۔

چھٹا شبہ اور اس کا جواب:۔ اخبار و آثار سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرات ائمہ اطہار لوگوں کے مافی الضمیر جانتے تھے اور

ان کو خبر دے دیتے تھے۔ یہ علم غیب نہیں تو اور کیا ہے؟ اس شبہ کا جواب کئی طرح دیا جا سکتا ہے۔

اوّلاً۔ یہ درست ہے کہ ائمہ اطہارؑ توجہ فرمانے سے بعض بندوں کے مافی الضمیر کو معلوم کر لیتے تھے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ عالم الغیب ہوں۔ کیونکہ ممکن ہے یہ علم بوجہ فراستِ ایمانی ہو۔ (اتقوا فراسة المؤمن فانّه ینظر بنور اللّٰہ) جیسا کہ عیون الاخبار وغیرہ کی بعض روایات سے واضح ہوتا ہے۔ ممکن ہے بوجہ شدتِ صفاء و جلاءِ نفس ہو۔ (وہاں مجردؔ تشویر دانہیں) اور ممکن ہے بوجہ الہامِ ربانی ہو٭ اسے عالم الغیب نہیں کہا جا سکتا۔ عالم الغیب کہلانے کا مستحق صرف وہ ہو سکتا ہے جس کا علم ذاتی ہو۔ اور وہ بھی کلی و احاطی جیسا کہ حضرت شیخ مفید علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔ "لان الوصف بذالک انما یستحق من علم الاشیاء بنفسه لا بعلم مستفاد ولا یکون هذا الا للّٰه سبحانه" یعنی اس وصف (عالم الغیب) کا حقدار صرف وہی ہو سکتا ہے جو بالذات چیزوں کا عالم ہو۔ نہ کہ علم مستفاد کے ذریعہ سے۔ اور یہ صرف خدائے رحمان کی شان ہے۔" (اوائل المقالات ص۳۸)

ثانیاً۔ ہمارا طریقۂ کار جیسا کہ ہمارے ناظرین کرام سے مخفی و مستور نہیں ہے۔ کہ جس موضوع پر معصومینؑ کا معتبر فرمان مل جائے۔ اور وہ دیگر نصوص قطعیہ عقلیہ و شرعیہ کے معارض و مخالف بھی نہ ہو۔ ہم اس کے تسلیم کرنے کو لازمۂ ایمان و فریضۂ اسلام سمجھتے ہیں۔ بنا بریں چونکہ اس موضوع پر متعدد اخبار و آثار موجود ہیں۔ اس لئے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ لیکن اگر بالفرض کوئی شخص اس (کشفِ ضمائر) کا انکار بھی کر دے تو وہ دائرۂ مذہبِ شیعہ سے نکل نہیں جاتا۔ کیونکہ علماء اعلام کی تصریحات موجود ہیں کہ "عالم الضمائر" ہونا نہ شرائطِ امامت میں داخل ہے اور نہ ائمہؑ کو عالم الضمائر تسلیم کرنا مذہبِ شیعہ کے لوازم میں شامل ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ مفیدؒ فرماتے ہیں۔ "اقول ان الائمة من آل محمدؐ قد کانوا یعرفون ضمائر بعض العباد و یعرفون ما یکون قبل کونه ولیس ذالک بواجب فی صفاتهم ولا هو شرط فی امامتهم وانما اکرمهم اللّٰه تعالٰی به و اعلمهم ایاه للطف فی طاعتهم والتمسک بامامتهم" (اوائل المقالات ص۳۸) یعنی میں کہتا ہوں کہ ائمہ اہلبیتؑ بعض بندوں کے ضمیروں کو اور واقعہ کو وقوع پذیر ہونے سے قبل جانتے تھے لیکن یہ بات نہ تو اُن کی صفات میں لازم ہے اور نہ ہی شرطِ امامت ہے۔ ہاں خدا تعالیٰ نے صرف تفضلاً ان کو اس علم سے نوازا تھا۔ تاکہ (بندوں کے لئے) ان کی اطاعت کرنے اور ان کی امامت کے ساتھ تمسک کرنے میں بطور لطف مدد و معاون ہو۔" (واللطف هو المقرب الی الطاعة والمبعد عن المعصیة) اسی طرح آقائے سید ہاشم معروف اپنی کتاب عقیدۃ الشیعۃ الامامیہ ص۲۲۲ پر اس علم الضمائر کی مختلف اور مناسب توجیہات ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ "وعلی جمیع التقادیر فلیس ذالک من شروط التشیع ولا من شروط القول بامامتهم" یعنی تمام احتمالات کے باوجود یہ بات نہ شیعہ ہونے کے شرائط میں داخل ہے اور نہ ہی امامتِ اہلبیتؑ کے لوازم میں سے ہے۔" بنا بریں ایسی بات سے تمسک کر کے ان ذواتِ مقدسہ کو عالم الغیب ثابت کرنا کہاں تک درست ہے؟ اس کا اندازہ لگانا اربابِ بصیرت کے لئے چنداں مشکل نہیں ہے۔ حضرت شہیدِ ثالث علیہ الرحمہ جن کے

٭ اور یہ بات قبل ازیں کئی بار ثابت کی جا چکی ہے کہ جس کا علم بالذات نہ ہو بلکہ مستفاد من الغیر ہو اسے عالم الغیب (الخ)

مومن مخلص ہونے میں کلام نہیں کیا جا سکتا، ایک سائل کے جواب میں فرماتے ہیں: "در اصول عقائد دینیہ ہیچ کس ایں دعویٰ نکردہ کہ انبیاء بر ضمائر بشر در جمیع احوال اطلاع داشتہ باشند" (علی ما نقلہ فی الحدیقہ ج ۱ ص ۹)

ثالثاً۔ ہم سابقہ اوراق میں متعدد مقامات پر ثابت کر چکے ہیں کہ ائمہ اطہارؑ کا علم ارادی و محتاج توجہ ہے۔ جب بھی کسی چیز کے معلوم کرنے کا ارادہ فرمائیں۔ (جس میں مافی الضمیر کا معلوم کرنا بھی شامل ہے۔) تو باعلام اللہ اسے معلوم کر لیتے ہیں اور یہ علم غیب نہیں بلکہ عطیۂ پروردگار ہے۔ علم غیب وہ ہوتا ہے جو ذاتی اور کلی ہو۔ وہبی و جزئی علم کو علم غیب نہیں کہا جا سکتا۔ چہ جائیکہ اس کے عالم کو عالم الغیب کہا جائے۔ مختصر یہ: قد فصلنا الآیات لقوم یذکرون۔

آٹھواں باب

پیغمبر اسلام کے ہمراہ معراج پر حضرت امیر علیہ السلام کے تشریف لیجانے یا نہ لے جانے کا بیان

جناب پیغمبر اسلام علیہ و آلہ الصلوٰۃ والسلام کا بجسد عنصری عالم امکان کی آخری سرحد میں معراج پر تشریف لے جانا مذہب شیعہ کے ان مسلم الثبوت عقائد ایمانیہ میں سے ایک عقیدہ ہے کہ جن کا منکر دائرۂ مذہب سے خارج متصور ہوتا ہے جیسا کہ سرکار صادق آل محمد علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ من انکر ثلاثۃ اشیاء فلیس منا المعراج والمسائلۃ فی القبر والشفاعۃ جو شخص ان تین چیزوں کا انکار کرے وہ ہمارے شیعوں میں سے نہیں۔ معراج۔ قبر میں سوال و جواب اور شفاعت (حق الیقین۔ خصال۔ اثنا عشریہ۔ ثالث بحار وغیرہا) اس وقت یہاں نہ کیفیت معراج کا بیان کرنا مقصود ہے اور نہ ہی فلسفۂ معراج سے بحث کرنا مطلوب۔ بلکہ یہاں صرف اس کا اظہار کرنا مد نظر ہے کہ جس طرح دیگر اکثر اسلامی و ایمانی اصول و عقائد افراط و تفریط کی زد سے محفوظ نہیں رہے۔ اسی طرح یہ عقیدہ بھی جہال و ضلال کی دستبرد و دخل اندازی سے نہیں بچ سکا۔ چنانچہ بعض لوگ تو اس قدر دشت تفریط میں سرگرداں ہوئے کہ بعض وہمی شکوک اور عقلی استبعادات کی بنا پر آنحضرتؐ کے جسمانی معراج کا ہی انکار کر دیا۔ اور اگر تسلیم بھی کیا۔ تو محض روحانی طور پر۔ اس گروہ کے بالمقابل بعض لوگ بحر افراط میں اس قدر بہہ گئے۔ کہ بلا دلیل و برہان حضرت امیر المومنینؑ کو بھی اس سفر میں شریک رسولؐ قرار دے دیا۔ یا کم از کم بمقام قاب قوسین آنحضرتؐ کے ساتھ۔ ان کے ظہور جسمانی کا نظریہ قائم کر لیا۔ چنانچہ کچھ دنوں سے دیگر بعض مسائل و عقائد کی طرح اس

موضوع پر بھی بڑے شدومد کے ساتھ غلط انداز میں بحث وتمحیص کا سلسلہ جاری ہے اور کچھ مفاد پرست لوگ اسے غلط رنگ میں پیش کرکے عوام اہل ایمان کو علماء اعلام سے بدظن کرنے کی سعی نافرجام کر رہے ہیں۔ اس لئے ہم نے مناسب سمجھا۔ کہ اس باب میں دلائل وبراہین سے حق وحقیقت کا اظہار کرکے غلط نظریات کا تار و پود بکھیر دیا جائے ہمیں ان مشکلات ومصائب کا پورا پورا احساس ہے۔ جو ایک محقق کو ایسے مقامات پر درپیش آتے ہیں۔ فضائل اہل بیت علیہم السلام کے سلسلہ میں جذبات کی رَو میں بہہ کر ہمارے عوام بلکہ بعض نام نہاد خواص بھی صحیح وسقیم میں بالکل تمیز نہیں کرتے اور اگر کوئی تحقیق پسند شخص کسی فرضی فضیلت کو اس بنا پر تسلیم نہ کرے کہ اس پر کوئی دلیل وبرہان قائم نہیں ہے تو اس پر فوراً "منکر فضائل" ہونے کا فتویٰ لگا دیا جاتا ہے۔ اور اس طرح ایک مخصوص طبقہ کو اس کے خلاف فضا کو مکدر کرنے کا اچھا موقع مل جاتا ہے ہمارا ایمان ہے کہ ان ذواتِ مقدسہ کے فضائل ومناقب کا انکار نہ صرف عدم ایمان کا باعث ہے بلکہ ہم اسے موجب کفر سمجھتے ہیں لیکن ان فضائل کا انکار جو قرآن وحدیث کی رُو سے مسلّم الثبوت ہوں۔ جیسا کہ علامہ مجلسیؒ وغیرہ علماء اعلام نے فرمایا ہے۔ "نہ ان فضائل کا انکار جو محض طبعزاد اور من گھڑت ہوں۔ اس مقام پر سید العلماء سید حسین کی یہ فرمائش آویزۂ گوش بنانے کے قابل ہے۔ "کہ از طرف خود امری تراشیدن وبے دلیل وبرہان صفت حضرات قرار دادن روا نیست" (حدیقۂ سلطانیہ ج ۱ [illegible]) یعنی اپنی طرف سے کوئی امر تراش کرکے بے دلیل وبرہان ان ذواتِ مقدسہ کی صفت قرار دے دینا جائز نہیں ہے"۔ (اس موضوع پر ہم کتاب کے دیباچہ میں بڑی وضاحت سے اظہار خیال کرچکے ہیں) افسوس کا مقام ہے کہ اہل علم اپنا حقیقی مقام حاکمیت چھوڑ کر مقام محکومیت پر اُتر آئے ہیں یعنی بجائے اس کے کہ وہ حاکم بن کر عوام الناس کے غلط نظریات کی اصلاح کرتے اور ان کو راہ راست پر گامزن کرنے کی سعی جمیل کرتے۔ لیکن اب اس کے برعکس حالت یہ ہے کہ نظریہ عوام قائم کرتے ہیں اور نام نہاد علماء کا کام صرف ان کی تائید کرنا ہے اگرچہ اس مسئلہ میں اپنے دین و دیانت سے دستبردار ہونا پڑے اور قرآن وحدیث پر کند چھری پھیرنا پڑے"۔ آہ ع

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں

بہرحال ہم گردوپیش کے حالات سے متاثر ہوکر کلمۂ حق کے اظہار سے دست بردار نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ ؎

وہ مرد نہیں جو ڈر جائے ماحول کے خونیں منظر سے
اس حال میں جینا لازم ہے جس حال میں جینا مشکل ہے۔

محلِ نزاع کی تعیین

اصل موضوع پر ادلہ وبراہین قائم کرنے سے پیشتر محل اختلاف کی تعیین ضروری ہے واضح رہے کہ بحث اس امر میں نہیں کہ جناب امیر علیہ السلام معراج پر تشریف لے جاسکتے ہیں یا نہیں ہو (جیسا کہ اسے پیش کیا جا رہا ہے) زندگی میں ایک بار تو کیا اگر آپ چاہیں تو باقتدار الٰہی دن میں سو سو بار تشریف لے جاسکتے ہیں اور پھر واپس تشریف لاسکتے ہیں۔ لیکن ہر ممکن واقع تو نہیں ہوتا۔ کسی چیز کا امکان اور ہے۔ اور اس کا وقوع پذیر ہونا اور۔ اس [illegible] سے بڑھ کر زمانہ کی ناہنجاری وکج رفتاری کی اور کیا دلیل ہوگی۔ کہ آج ہمیں ایسے لوگوں سے

سابقہ پڑ رہا ہے اور وہ لوگ ہم سے اُلجھ رہے ہیں جو کسی چیز کے امکان اور اس کے وقوع میں فرق نہیں کر سکتے۔ ہم کتاب کے دیباچہ میں یہ امر ثابت کر آئے ہیں۔ کہ عقائد کے مرحلہ میں آیاتِ محکمات یا روایات متواترات کارآمد ہوتی ہیں نہ صرف امکانِ عقلی۔ بنا بریں تمام تر بحث اس امر میں ہے اور یہی غور طلب ہے کہ آیا حضرت علی علیہ السلام کا معراج پر تشریف لے جانا قرآن کریم و احادیث معصومینؑ سے ثابت ہے یا نہ؟ ہم نے جہاں تک اس سلسلہ میں کتب کی ورق گردانی کی ہے ہم یہ اعتراف کرنے میں کوئی حجابات محسوس نہیں کرتے۔ کہ ہمیں بطریقِ ائمہ طاہرینؑ کوئی ایک مستند حدیث بھی دستیاب نہیں ہو سکی۔ جس سے یہ مطلب ثابت ہوتا ہو تا بہ آیاتِ محکمہ یا روایاتِ متواترہ چہ رسد۔ بلکہ اس تتبع اور جستجو کے دوران بکثرت ایسے اخبار و آثار نظرِ قاصر سے گذرے ہیں۔ جن سے اس نظریہ کی واشگاف الفاظ میں پُر زور تردید ہوتی ہے۔ اسی طرح ظواہرِ قرآن سے بھی اس خیال کا ابطال ہوتا ہے۔ اگرچہ قاعدہ و قانون کی رو سے چونکہ ثبوت بذمہ مدعی ہوتا ہے۔ اس لئے اس موضوع پر کسی ثبوت کا نہ ہونا ہی اس کے عدم ثبوت کے لئے کافی ہے اور گو ہم پر (جو اس کے قائل نہیں ہیں) اس کی نفی پر دلائل قائم کرنے کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ (ویسے بھی نفی محتاج دلیل نہیں ہوتی) تاہم محض تبرعاً حسب دستور سابق قرآن کریم، احادیث معصومینؑ، اتفاق علماء کاملین اور عقل سلیم کی روشنی میں اس کے عدم وقوع پر دلائل و براہین قائم کرتے ہیں۔ و باللہ التوفیق و ہو حسبی و نعم الوکیل۔

متعلقہ مسئلہ قرآن کریم کی روشنی میں

قرآن مجید میں دو سورتوں میں جناب پیغمبر اسلام کے معراج کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ایک سورہ اسراء میں اور دوسرے سورۂ والنجم میں۔ اور ہر جگہ معراج پر جانے والے بزرگوار کے متعلق واحد کے صیغے اور واحد کی ضمیریں استعمال کی گئی ہیں۔ جیسے ارشادِ قدرت ہے (۱) سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلاً الایۃ (پ۱۵ س بنی اسرائیل ع۱) وہ خدا (ہر عیب سے) پاک و پاکیزہ ہے جس نے اپنے بندہ کو راتوں رات مسجد حرام (خانۂ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (آسمانی) تک کی سیر کرائی۔" یہ سیر کیوں کرائی؟ (۲) لنریہ من ایٰتنا (ایضاً) تاکہ ہم ان کو اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھائیں (ترجمہ فرمانؒ) (۳) وھو بالافق الاعلیٰ ثم دنیٰ فتدلیٰ (۴) فکان قاب قوسین او ادنیٰ (۵) فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ (۶) ما کذب الفؤاد ما رایٰ (۷) افتمٰرونہ علیٰ ما یریٰ (۸) ما زاغ البصر وما طغیٰ (۹) لقد رایٰ من ایات ربہ الکبریٰ (پ۲۷ س نجم ع۵) اور جس حال میں کہ وہ اُونچے سے اُونچے افق کے قریب تھا۔ پھر وہ اور قریب ہوا۔ پھر معلق ہو گیا۔ پھر دو کمان کا فاصلہ رہا یا کچھ کم۔ پھر (خدائے تعالیٰ نے) اپنے بندے کی طرف وحی فرمائی۔ (اس رسولؐ نے) جو کچھ بھی دیکھا (ان کے) دل نے اس میں کچھ جھوٹ نہیں ملایا۔ آیا تم (لوگ) اس (رسول سے) اس کے متعلق بحث کرتے ہو۔ جو کچھ کہ وہ دیکھتے ہیں۔ بے شک انہوں نے پروردگار کی نشانیوں میں سے بڑی نشانیوں کو دیکھا (ترجمہ مقبول)

ان آیاتِ مبارکہ سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہو جاتی ہے کہ جس بزرگوار کو خداوند قدیر و خبیر نے

شرف معراج سے ممتاز و مفتخر فرمایا وہ ایک ہی تھا اور وہ تھا پیغمبر اسلام علیہ وآلہ افضل التحیۃ والسلام۔ ظاہر ہے اگر ان کے ہمراہ جناب امیر علیہ السلام بھی ہوتے تو پھر خدائے حکیم واحد کے صیغے اور واحد کی ضمیریں استعمال نہ کرتا۔ بلکہ ان ک بجائے تثنیہ یا جمع کے صیغے اور ضمیریں لائی جاتیں۔ کما لا یخفی علی من لہ ادنی المام باسالیب الکلام قرآن میں تو ان چیزوں کا کہیں نام و نشان تک نہیں ملتا۔ پھر یہ بات کیونکر باور کی جاسکتی ہے کہ اس سفر مبارک میں جناب امیرؑ بھی شریک رسولؐ تھے؛

متعلقہ مسئلہ احادیث معصومینؑ کی روشنی میں

اس سلسلہ میں حضرات معصومینؑ کے ایسے بکثرت فرامین موجود ہیں جن سے صراحتہً یا کنایتہً یہ حقیقت بالکل بے نقاب ہو جاتی ہے کہ شب معراج حضرت امیر علیہ السلام آنحضرتؐ کے عالم بالا کی طرف تشریف لے جانے کے بعد بطو حجت خدا زمین میں تشریف فرما تھے۔ ذیل میں ان احادیث شریفہ کا ایک شمہ پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) حیات القلوب ج ۲ ص ۳۱۲ طبع نولکشور لکھنؤ پر بسند معتبر ایک روایت درج ہے جس میں معراج کی رات سدرۃ المنتہ سے آگے آنحضرتؐ کا پروردگار عالم سے مناجات کرنا اور رب العزت کا جناب امیر علیہ السلام کے بعض فضائل مخصوصہ بیا کرنے کا تذکرہ موجود ہے۔ اور آنحضرتؐ کو یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ جب زمین پر جائیں تو جناب امیرؑ کو ان فضائل کی بشارت دیں چنانچہ روایت میں وارد ہے کہ "چوں حضرت بزمیں آمد علی را بشارت داد بآنچہ حق تعالیٰ در حق او فرمودہ بود" الخ یعنی جب آنحضرتؐ واپس زمین پر تشریف لائے تو ان باتوں کی حضرت علیؑ کو بشارت دی۔ جو خدائے عزوجل نے ان کے حق میں فرمائی تھیں۔ ظاہر ہے کہ اگر جناب امیرؑ آں حضرتؐ کے ہمراہ ہوتے تو پھر خدا کا رسولؐ کو پیغام پہنچانا اور ان کا زمین پر تشریف لانے کے بعد جناب امیرؑ تک وہ پیغام پہنچانا سب بے حقیقت بات ہو کر رہ جاتی ہے (معاذ اللہ)

(۲) حیات القلوب ج ۲ ص ۳۱۱ پر ایک روایت بسند معتبر امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے جس میں یہ ارشاد قدرت مروی ہے "کہ از من او را برساں کہ او نشانۂ شاہراہ ہدایت است و پیشوائے دوستاں است" الخ "یا رسول اللہ! علیؑ کو میر طرف سے یہ پیغام پہنچا دینا کہ وہ شاہراہ ہدایت کا نشان اور میرے دوستوں کا پیشوا ہے" الخ ظاہر ہے کہ اگر جناب امی اس سفر میں پیغمبر اسلامؐ کے ہمراہ ہوتے تو پھر ان کے نام زمین پر پیغام بھجوانے کی کیا ضرورت تھی؛

(۳) حیات القلوب ج ۲ ص ۳۱۳ پر بحوالہ الشیخ طوسیؒ بسند معتبر بروایت ابن عباس آنحضرتؐ کی ایک طویل حدیث مروی جس میں مذکور ہے کہ آں حضرتؐ فرماتے ہیں۔ خدا نے مجھے پانچ فضیلتیں عطا فرمائیں اور علیؑ کو بھی پانچ فضیلتیں مرحمت فرمائیں۔ جن میں پانچویں فضیلت یہ مذکور ہے فرماتے ہیں "مرا بآسمان برد و درہائے آسمان را حجاب ہا برا و کشود کہ او بسوئے من نظری کرد و من بسوئے او نظری کردم۔ نظر کردم بسوئے او و دیدم کہ حجاب ہا کشودہ شدہ و درہائے آسمان کشودہ شدہ۔ علی را دیدم کہ سر بسوئے آسمان بلند کردہ بسوئے من نظری کرد پس علی با من سخن گفت و من با او سخن گفتم پروردگار

با من سخن گفت گفتم یا رسول اللہؐ چہ سخن با تو گفت گفت حق تعالیٰ فرمود کہ اے محمدؐ گردانیدم من علیؑ را وصی تو و وزیر تو و خلیفہ تو بعد از تو اعلام کن او را کہ نیک سخن ترا می شنود۔ پس من در جائیکہ در خدمت پروردگار خود ایستادہ بودم آنچہ فرمود بعلیؑ گفتم و علیؑ مرا جواب گفت کہ قبول کردم و اطاعت نمودم۔ چوں بر زمین آمدم آنچہ دیدہ بودم علیؑ مرا خبر میداد پس دانستم کہ بہر مکان کہ من رفتہ بودم برائے علیؑ حجب را کشودہ بودند کہ او نیز دیدہ بود۔"

یعنی جب خدا تعالیٰ مجھے آسمان پر لے گیا تو حضرت علیؑ پر آسمانوں کے دروازے کھول دیئے اور درمیانی حجاب ہٹا دیئے لہٰذا میں ان کو دیکھ رہا تھا اور وہ مجھے دیکھ رہے تھے۔ جب میں نے ان (علیؑ) کی طرف دیکھا تو آسمان کے دروازے کھلے تھے حجاب اُٹھا دیئے گئے تھے میں نے دیکھا کہ علیؑ آسمان کی طرف سر بلند کرکے میری طرف دیکھ رہے ہیں۔ پس اس وقت انہوں (علیؑ) نے مجھ سے گفتگو کی۔ میں نے ان سے۔ اور خدا نے مجھ سے! میں (ابن عباس) نے عرض کی آپ سے خدا نے کیا گفتگو فرمائی؟ فرمایا خدا نے یہ ارشاد فرمایا۔ کہ میں نے تیرے بعد تیرا وصی و خلیفہ علیؑ کو مقرر کیا ہے۔ لہٰذا ان کو یہ اطلاع کر دیجئے کیونکہ وہ آپ کی خوب اطاعت کرتے اور بات سنتے ہیں۔ پس میں نے اسی حالت میں جو کچھ ارشاد ربانی تھا۔ علیؑ کو پہنچا دیا۔ اور انہوں نے جواب میں اپنی قبولیت و اطاعت گذاری کا اقرار کیا۔ جب میں زمین پر پہنچا۔ تو جو کچھ میں نے آسمانوں میں دیکھا تھا۔ علیؑ مجھے اس کی خبر دیتے جاتے تھے۔ اس وقت مجھے معلوم ہوا۔ کہ میں جس جگہ بھی جاتا تھا۔ علیؑ کے لئے حجاب اُٹھا دیئے جاتے تھے۔ اس طرح وہ زمین میں رہ کر بھی سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ (کذا فی البحار ج ۹، ص[illegible] و الانوار النعمانیہ ص ۱۳) اس سے بڑھ کر اور کس طرح اس امر کی صراحت و وضاحت کی جا سکتی ہے کہ شب معراج جناب امیر علیہ السلام اس سفر میں پیغمبر اسلام کے ہمراہ نہیں تھے۔

ارباب عقل و دانش غور کریں کہ آیا پیغمبر اسلام کے ہمراہ آسمان پر تشریف لے جانا بڑی فضیلت ہے یا حجت خدا کا زمین پر رہ کر تمام ملکوت السمٰوات کا مشاہدہ کرنا۔ اور اسی حال میں آں حضرتؐ سے سلسلۂ گفتگو جاری رکھنا زیادہ باعث عظمت و جلالت ہے؟ ہماری نظر قاصر میں تو یقیناً آخری صورت میں آں جنابؑ کی قدر و منزلت کا زیادہ مظاہرہ ہوتا ہے اور ہمیں یقین کامل ہے کہ ہر بالغ النظر اور صحیح الفکر انسان اس امر میں ہمارے ساتھ اتفاق رائے کرے گا۔

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

(۴) عنہ قالؐ ما بلغت شیئاً لیلۃ المعراج ولا رأیت الا بلغت علی ابن ابی طالب علیہ السلام ورآہ وھو فی الارض۔" جناب رسول خداؐ سے مروی ہے فرمایا۔ شب معراج مجھے (خدا کی طرف سے) کوئی بات نہیں پہنچائی گئی۔ اور میں نے کوئی چیز نہیں دیکھی۔ مگر یہ کہ میں نے وہ بات علیؑ بن ابی طالبؑ تک پہنچا دی۔ جبکہ وہ زمین میں موجود تھے۔ (طوالع الانوار ص ۵۹) اس روایت شریفہ میں بعبارۃ النص آنحضرتؐ کی زبانی شب معراج حضرت امیرؑ کا زمین میں موجود ہونا مذکور ہے اب بھی کسی کلمہ گوئے اسلام کو اس امر کے تسلیم کرنے کے سلسلہ میں کچھ گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟

(۵) کتاب مذکور کے ص۱۴۹ پر آنحضرتؐ سے ایک طویل الذیل روایت مروی ہے جس میں ساتوں آسمانوں کے فرشتوں کا آنحضرتؐ کی خدمت میں شوقِ زیارتِ علیؑ ظاہر کرنا اور واپس زمین پر پہنچ کر ان کی طرف سے آنجناب کی خدمت میں ان کے سلام شوق پہنچانے کی استدعا کرنا مذکور ہے (قالوا اذا رجعت الی الارض فاقرء علیاً منی السلام) اس روایت سے بھی ظاہر ہے کہ آں جناب شب معراج بطور حجت خدا زمین میں موجود تھے۔

(۶) محدث جزائری نے اپنی کتاب انوار نعمانیہ ص۱۵ پر آنحضرتؐ سے کیفیت معراج کے متعلق ایک حدیث بیان کی ہے جس میں مذکور ہے کہ آنحضرتؐ نے آسمانوں میں دیکھا کہ حضرت امیرؑ کھڑے ہو کر نماز پڑھا رہے ہیں۔ اور فرشتے ان کی اقتدا میں نماز ادا کر رہے ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر آنحضرتؐ نے بارگاہ ایزدی میں عرض کیا۔ ہذا علی بن ابی طالب علیہ السلام ترکتہ فی الارض وہا ہو قد سبقنی الی السماء؟ یہ علی بن ابی طالبؑ ہیں؟ جن کو میں زمین پر چھوڑ کر آ رہا ہوں۔ کیا وہ مجھ سے بھی پہلے یہاں پہنچ گئے ہیں؟ ارشاد قدرت ہوا: ہذا شخص مثل علی بن ابی طالب خلقتہ فی جمیع السموات حتی تنظر الیہ الملائکۃ فتطمأن الیہ نفوسہم من شدۃ حبہم لعلی بن ابی طالب علیہ السلام یہ ایک شخص (فرشتہ) جو صورت میں علی بن ابی طالب کے مانند ہے۔ جسے میں نے تمام آسمانوں میں پیدا کیا ہے۔ تاکہ فرشتوں کو حضرت علیؑ سے جو شدید محبت ہے اس کی طرف دیکھ کر ان کے نفوس کی تسکین ہو سکے۔" اس روایت شریفہ سے بھی واضح ہے کہ شب معراج جناب امیر علیہ السلام اپنے جسد عنصری کے ساتھ زمین پر تشریف فرما تھے

(۷) ابن بابویہ بسند معتبر از ابن عباس روایت کردہ است کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ با حضرت امیر المومنینؑ علیہ السلام گفت کہ یا علیؑ! چوں مرا بآسمان ہفتم بردند، و از انجا بسدرۃ المنتہی و از آں جا بحجابہائے نور و پروردگار من مرا گرامی داشت۔ بمناجات خود در میان آنہا گفت یا محمدؐ! گفتم لبیک ای پروردگار من و سعدیک بندۂ توام و در خدمت تو ایستادہ ام توئی بابرکت و بلند مرتبہ پس فرمود کہ بدانکہ علیؑ امام و پیشوائے دوستان من است و نوریست برائے ہر کہ اطاعت من کند و اوست کلمہ کہ لازم متقیاں گردانیدہ ام ہر کہ او را اطاعت کند مرا اطاعت کردہ است و ہر کہ او را نافرمانی کند مرا نافرمانی کردہ است پس او را بشارت دہ بایں، چوں حضرتؐ بزمین آمد علیؑ را بشارت داد بآنچہ حق تعالیٰ در حق او فرمودہ بود امیر المومنینؑ گفت یا رسول اللہ آیا قدر من بمرتبہ رسیدہ است کہ در چنیں مکانے مرا یاد کنند۔ حضرت فرمودے یا علیؑ شکر کن پروردگار خود را پس آنحضرتؑ بسجدہ افتاد برائے شکر نعمت پروردگار خود و حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ فرمود کہ سر بردار یا علیؑ! کہ حق تعالیٰ بتو مباہات کرد با ملائکہ خود (حدیقہ سلطانیہ ج ۲ ص۲۹۳) اس عبارت کا مطلب واضح و عیاں ہے۔ قارئین کرام غور فرمائیں۔ کہ شب معراج سدرۃ المنتہیٰ سے آگے بوقت مناجات رب جلیل نے رسالتمآبؐ سے حضرت امیرؑ کے چند فضائل مخصوصہ بیان فرمائے اور جب آنحضرتؐ زمین پر واپس تشریف لائے اور آنجنابؑ کو اس امر کی اطلاع دی۔ تو آنجناب صرف اس نعمت پروردگار کے شکریہ میں سجدۂ شکر بجا لا رہے ہیں۔ کہ اس بزم لاہوت میں ان کا ذکر خیر ہوا ہے۔ اگر وہ بذات خود وہاں تشریف فرما ہوتے تو پھر اس سلام و پیغام اور جناب امیرؑ کے سجدۂ شکر بجا لانے کے کیا معنی ہیں؟

عالمِ بالا میں جناب امیر علیہ السلام کی تمثالِ مبارک کا موجود ہونا

کتب تفسیر و حدیث میں اس قسم کی بکثرت روایات معتبرہ موجود ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ نے شبِ معراج عالمِ بالا میں متعدد مقامات پر جناب امیر علیہ السلام کی تمثالِ مبارک کو دیکھا خود آپؑ کے جسدِ عنصری کو دیکھنا کسی معتبر حدیث میں مذکور نہیں ہے۔ تمثال کا وجود بھی اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ آنجنابؑ بنفسِ نفیس وہاں تشریف فرما نہ تھے۔ اس سلسلہ کی چند روایات ذیل میں درج کی جاتی ہیں:۔

(۱) حضرتِ صادق آلِ محمد علیہ السلام فرماتے ہیں کہ آن حضرتؐ نے فرمایا۔ "در شبِ معراج چوں بآسمانِ پنجم رسیدم صورتِ علی بن ابی طالب علیہ السلام را در آنجا مشاہدہ کردم۔ پس گفتم اے حبیب من جبرئیل ایں چہ صورت است؟ جبرئیل گفت یا محمدؐ ملائکہ خواہش کردند کہ از مشاہدہ جمالِ علیؑ بہرہ مند گردند۔ گفتند پروردگارا فرزندانِ آدم در دنیا بہرہ مند شدند کہ بامداد و پسین بمشاہدہ خورشید جمالِ علی بن ابی طالب علیہ السلام الخ" جب میں پانچویں آسمان پر پہنچا تو وہاں جناب امیر علیہ السلام کی صورتِ اقدس دیکھی۔ میں نے جبرئیل سے کہا اے میرے حبیب جبرئیل! یہ کیسی صورت ہے؟ جبرئیل نے عرض کیا کہ فرشتوں نے چاہا کہ حضرت علیؑ کے جمالِ باکمال کے مشاہدہ سے بہرہ مند ہوں۔ لہٰذا بارگاہِ رب العباد میں استدعا کی۔ پروردگارا بنی آدم تو ہر صبح و شام حضرت امیر المومنینؑ کے چہرۂ انور کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں مگر ہم اس سعادت سے محروم ہیں۔ خدا نے ان کی استدعا کو شرفِ قبولیت بخشا اور اپنے خاص نورِ اقدس سے آں جنابؑ کی ایک صورت بنائی۔ جس کی زیارت سے فرشتے شب و روز مشرف ہوتے ہیں۔" الخ (حیات القلوب ج ۲ صـ ۳۰۲ کذا فی سادس البحار صـ ۸۳۴)

(۲) بسندِ معتبر از حضرتِ امام حسینؑ روایت کردہ است کہ فرمود کہ از جدم رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ شنیدم کہ گفت در شبِ معراج ملکے را دیدم کہ در دستش شمشیرے از نور بود و بآں بازی می کرد۔ چنانچہ حضرت امیر المومنینؑ بذوالفقار بازی میکرد۔ در جنگ و ملائکہ ہر گاہ مشتاق لقائے امیر المومنینؑ علیہ السلام می شدند بروئے آں ملک نظر می کردند۔ گفتم پروردگارا! ایں برادر و پسر عم من علیؑ بن ابی طالبؑ است حق تعالیٰ ندا کرد کہ یا محمدؐ ایں ملکے است کہ بر صورتِ علیؑ آفریدہ ام کہ در میانِ عرش مرا عبادت می کند و ثوابِ حسنات و تقدیس او برائے علی بن ابی طالب است تا روزِ قیامت"۔ یعنی حضرت امام حسینؑ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے جدِ نامدار جناب رسولِ خداؐ کو فرماتے ہوئے سُنا کہ میں نے شبِ معراج ایک ایسے فرشتے کو دیکھا جس کے ہاتھ میں نورانی تلوار تھی اور وہ اس کے ساتھ اسی طرح کھیل رہا تھا۔ جس طرح حضرت امیرؑ جنگ میں ذوالفقار کے ساتھ کھیلا کرتے تھے۔ جب بھی فرشتے حضرت امیرؑ کی زیارت کے مشتاق ہوتے تو اس فرشتے کے چہرہ پر نظر کر لیتے۔ میں نے عرض کیا۔ بارِ الٰہا! یہ میرا بھائی علیؑ بن ابی طالبؑ ہے۔ خدائے تعالیٰ نے آواز دی کہ یہ ایک فرشتہ ہے جسے میں نے حضرت علیؑ کی شکل و صورت پر خلق کیا ہے۔ جو عرش میں میری عبادت کرتا ہے اور اس کی تسبیح و تقدیس کا ثواب حضرت امیرؑ کے نامۂ اعمال میں لکھا جاتا ہے اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا (حیات القلوب

ج ۲ صـ۳۲۹ بحار ج ۹ صـ۲۹۹ جواہر سنیہ صـ۱۹۶)

(۳) شیخ طوسی بسند معتبر از حضرت صادق علیہ السلام روایت کردہ است کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ با حضرت امیرالمومنین صلوات اللہ علیہ گفت۔ یا علی بدرستیکہ حق تعالےٰ ترا حاضر گردانید با من در ہفت موطن تا انس یافتم بتو۔ اوّل در شبے کہ مرا بآسمان بردند۔ جبرئیل گفت یا محمد کجاست برادر تو علی گفتم او را در زمین گذاشتم گفت دعا کن تا خدا او را بیاورد از برائے تو چوں دعا کردم مثال ترا با خود دیدم۔ مرتبہ دوم مرا بعرش بردند جبرئیل گفت یا محمد برادر تو کجاست گفتم در زمین گذاشتم۔ گفت خدا را بخوان کہ تا او را بنزد تو آورد دعا کردم مثال ترا نزد خود دیدم۔ پنجم در حق تعالیٰ در ملاء اعلیٰ مناجات کردم مثال تو با من بود۔ ششم چوں بیت المعمور را طواف کردم مثال تو با من بود و چوں پیغمبراں با من نماز کردند مثال تو عقب من بود (حیات القلوب ج ۲ صـ۲۱۱ کذا فی تفسیر البرہان ج ۲ صـ۴۳۲ و تفسیر الصافی صـ۲۸۱ و سادس البحار صـ۴۱۱) عربی عبارت اس طرح ہے (فقال لی جبرئیل این اخوک فقلت خلفته ورائی قال ادع اللہ فلیاتک به فدعوت اللہ فاذا مثالک معی۔ الخ) یعنی جناب شیخ طوسی بسند معتبر جناب صادق آلِ محمد علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت امیر علیہ السلام سے فرمایا۔ یا علی خدا نے تجھے سات مقامات پر میرے پاس حاضر کیا تاکہ میں آپ سے مانوس ہوں۔

اوّل ۔ جب شب مجھے آسمان پر لے جایا گیا تو جبرئیل نے مجھ سے کہا یا محمد آپ کے بھائی علی کہاں ہیں۔ میں نے کہا۔ میں اُن کو زمین میں چھوڑ کر آیا ہوں۔ جبرئیل نے کہا۔ دعا کیجیے تاکہ خدا اُن کو لائے۔ پس جب میں نے دعا کی۔ تو تمہاری مثال میرے پاس موجود تھی۔

دوم ۔ جب مجھے عرش پر لے گئے تو وہاں پھر یہی سوال و جواب ہوا۔ میں نے دعا کی تو میں نے تمہاری مثال کو اپنے پاس دیکھا۔

پنجم ۔ جب ملاء اعلیٰ میں خدا کے ساتھ مناجات ہوئی۔ تو اُس وقت بھی تمہاری مثال میرے ہمراہ تھی۔

ششم ۔ جب میں نے بیت المعمور کا طواف کیا تو تمہاری مثال میرے ساتھ تھی اور جب پیغمبروں نے میری اقتداء میں نماز پڑھی تو اس وقت بھی تمہاری مثال میرے پیچھے موجود تھی۔" (تلک عشرۃ کاملۃ) اس سے بڑھ کر اس امر کی کس طرح وضاحت کی جا سکتی ہے کہ شبِ معراج حضرت امیر علیہ السلام بنفسِ نفیس معراج پر تشریف نہیں لے گئے بلکہ صرف اُن کی مثال عالم بالا میں موجود تھی اور خود آپؑ بطور حجتِ خدا زمین پر جلوہ افروز تھے۔ وھو المقصود و قد حصل بعون اللہ الودود۔

انتباہ و ازالہ اشتباہ

معلوم ہوا ہے کہ بعض نام نہاد مبلغین اِن مثال والی روایات کا تمسخر اُڑاتے ہوئے کہتے پھرتے ہیں کہ کیا خدا نے وہاں تصویر کشی کا کام شروع کر رکھا تھا یا اس نے ٹیلی ویژن لگا رکھا تھا

کہ اُن حضرت جنابِ امیرؑ کی شال و شبیہ دیکھتے رہے

اوّلاً ۔ تو اس قسم کے خیالاتِ فاسدہ کا اظہار در حقیقت آئمہ اطہار کے ساتھ تمسخر و استہزاء ہے جن کے مستند ارشادات کی روشنی میں یہ امر ثابت ہے کہ بنا بریں یہ طریقہ کار سراسر باعثِ کفر یا کم از کم موجبِ سلبِ ایمان یا کاشف از عدم ایمان ہے۔

اعاذنا اللہ و جمیع اھل الایمان من مثل ھذا الھذیان۔

ثانیاً ۔ اِن حضرات کو معلوم ہونا چاہیے کہ ذی روح کی تصویر جو علمائے کرام کے نزدیک حرام ہے۔ ان کے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ اِس طرح خالقِ کائنات کے ساتھ خلق کرنے میں مشابہت لازم آتی ہے بلٰہذا مخلوق کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں ہے لیکن اگر خالق خود اپنی کسی ذی روح مخلوق کی شبیہ بنا ڈالے تو اس میں ہرگز کوئی عقلی یا شرعی ایراد وارد نہیں ہو سکتا۔

لا یسئل عما یفعل وھم یسئلون۔

پس جب ایسا ہونا عقلاً ممکن ہے اور مخبرینِ صادقینؑ نے (جیسا کہ ان کے اخبارِ معتبرہ سے واضح ہوتا ہے) اس کے واقع ہونے کی خبر دی ہے تو پھر ایک متدین اور فہیم انسان کو اس کے تسلیم کرنے میں کیا امر مانع ہو سکتا ہے؟

متعلقہ مسئلہ اتفاق علماء کاملین کی روشنی میں

اب ہم ذیل میں حسبِ دستور بعض علماءِ اعلام کے تحقیقاتِ عالیہ پیش کرتے ہیں تاکہ من کل الوجوہ یہ مسئلہ منقح اور یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ جناب امیر علیہ السلام کے بجسدِ عنصری معراج پر تشریف نہ لے جانے پر تمام علمائے شیعہ کا اتفاق ہے اور یہ کہ واقعہ معراج جنابِ رسولِ خداؐ کے خصائص میں سے ہے جس میں اور کوئی اُن کے ساتھ شریک نہیں ہے۔ مخفی نہ رہے کہ وہ علماء اعلام جن سے ہم اس سلسلہ میں تائید حاصل کر سکتے ہیں۔ ان میں سے بعض کی تائید "مفہومی و سکوتی" ہے اور بعض کی "منطوقی" یعنی بعض کے کلام سے اِس طرح تائید ہوتی ہے کہ انہوں نے واقعہ معراج کو بالتمام اپنی اپنی کُتُب تفاسیر و احادیث میں درج کیا ہے مگر اس میں حضرت امیر علیہ السلام کے معراج پر تشریف لے جانے کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے نزدیک اِس قصہ کی کوئی اصلیت نہیں ہے اور بعض نے بالتصریح اِس بے سر و پا قصہ کا ذکر کرکے اس کی تردید کر دی ہے۔ قسم اوّل میں بھی بہت سے علمائے اعلام آجاتے ہیں۔ جیسے حضرت شیخ مفیدؒ۔ حضرت شیخ طوسیؒ۔ حضرت شیخ طبرسیؒ۔ حضرت سید مرتضیٰ علم الہدیٰؒ و امثالہم رضوان اللہ علیہم اجمعین اور دوسری قسم کے اعلام کی فہرست بھی خاصی طویل ہے۔ ہم یہاں صرف بعض حضرات کے اسمائے گرامی مع اُن کے کلام حقیقت ترجمان کے پیش کرتے ہیں۔

(۱) علامہ شیخ ابوالفتح کراجکیؒ اپنی کتاب کنز الفوائد صفحہ ۲۵۸ طبع ایران پر لکھتے ہیں۔ **لان امیر المومنین علیہ السلام کان فی ذلک الوقت بمکۃ فی الارض ولم یدع قط ولا ادعی لہ احد انہ صعد الی السماء۔** "یعنی جناب امیر المومنینؑ اس (معراج کے) وقت مکہ میں تشریف فرما تھے۔ نہ خود آنجنابؑ نے اور نہ ہی کسی اور شخص نے اُن کے متعلق یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ آسمان پر تشریف لے گئے تھے"۔ اس عالم خبیر کے کلام حقیقت ترجمان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُن کے دور تک یہ مسئلہ

اتفاقی تھا۔ یہ اختلاف بعد کے خاص حالات کی پیداوار ہے۔ پھر صفحہ ۲۵۹ پر یہ لکھا ہے "و قد جاء فی الحدیث ان رسول اللہؐ رائی فی السماء لما عرج بہ ملکا علی صورۃ امیر المومنین صلوات اللہ علیہ وسلامہ وھذا خبر قد اتفق اصحاب الحدیث علی نقلہ" یعنی حدیث شریف میں وارد ہے کہ آنحضرتؐ نے شب معراج ایک فرشتے کو حضرت امیر المومنینؑ کی صورت میں دیکھا۔ اس روایت کے نقل کرنے پر تمام ارباب حدیث متفق ہیں۔

(۲) جناب ابن ابی جمہور احسائیؒ اپنی کتاب المجلی ص۲۸۱ طبع ایران پر حضرت امیر المومنینؑ کے کمالات صوری و معنوی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "واما الارتقاء الی العلویات فمعلوم مما ذکرناہ فانہ علیہ السلام صاحب المعراج المعنوی کما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ صاحب المعراج الصوری ولھذا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ ما بلغت شیئا لیلۃ المعراج ولا رایتہ الا بلغہ علی بن ابی طالب وراٰہ وھو فی الارض لان اللہ فتح لقلبہ وبصرہ ابواب خزائن سماواتہ وارضہ الخ" یعنی جناب امیر علیہ السلام کا ملکوت علویہ کی طرف بلند ہونا ہمارے مذکورہ بالا بیان سے ظاہر ہے کیونکہ آں جناب صاحب معراج معنوی ہیں۔ جیسا کہ آنحضرتؐ صاحب معراج صوری تھے۔ اسی لیے آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ شب معراج مجھے جو کچھ احکام وغیرہ پہنچائے گئے اور میں نے جو کچھ وہاں دیکھا وہی کچھ حضرت علی علیہ السلام نے بھی دیکھا۔ حالانکہ وہ اس وقت زمین پر موجود تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ خدا نے آں جنابؑ کے قلب و بصر کے سامنے اپنے زمین و آسمان کے خزینوں کے دروازے کھول دیئے تھے۔" نیز جناب موصوف نے اسی صفحہ پر مذکورہ بالا عبارت سے قبل عالم بالا میں ایک فرشتے کے بشکل امیر المومنینؑ موجود ہونے والی روایت درج کی ہے۔ فراجع

(۳) عالم ربانی مولانا ملا محسن فیض کاشانی نے اپنی کتاب علم الیقین فی اصول الدین کے صفحہ ۱۰۱ پر اصول کافی کے حوالے سے ایک طویل الذیل روایت حضرت امام جعفر صادقؑ سے نقل فرمائی ہے جس میں مذکور ہے کہ جب آنحضرتؐ آسمان اول پر پہنچے تو "اجتمعت الملائکۃ فسلمت علی النبیؐ افواجا وقالت یا محمدؐ کیف اخوک۔ اذا نزلت فاقراہ السلام قال النبی اتعرفونہ قالوا کیف لا نعرفہ وقد اخذ میثاقک ومیثاقہ منا الخ" یعنی ملائکہ نے جمع ہو کر گروہ در گروہ آنحضرتؐ پر سلام کیا اور عرض کیا یا محمدؐ! آپ کے بھائی (حضرت علیؑ) کیسے ہیں؟ جب آپ واپس تشریف لے جائیں تو ان کو ہمارے سلام پہنچا دیں۔ حضرت رسول خداؐ نے فرمایا کیا تم انہیں پہچانتے ہو؟ فرشتوں نے عرض کی بھلا ہم کیونکر انہیں نہ پہچانیں۔ حالانکہ ہم سے آپ (کی نبوت) اور ان (کی ولایت) کا عہد و پیمان لیا گیا ہے آنحضرتؐ فرماتے ہیں کہ جب میں دوسرے آسمان پر پہنچا تو آسمان دوئم کے فرشتوں نے مجتمع ہو کر مجھ پر سلام کیا وسالونی عن اخی فقلت ھو فی الارض افتعرفونہ قالوا کیف الخ اور میرے بھائیؑ کے متعلق دریافت کیا۔ میں نے کہا وہ زمین میں ہیں۔ کیا تم ان کو پہچانتے ہو؟ فرشتوں نے کہا بھلا کیونکر ہم ان کو نہ پہچانیں۔ الخ اسی کتاب کے صفحہ ۱۱۸ پر

سبعہ مواطن میں آنجنابؐ کی مثال کے حاضر ہونے والی روایت درج کی ہے اور آخر میں ص۱۹۱ سطر اول پر اس سے نتیجہ یہ اخذ کیا ہے وھذا الحدیث کما ترٰی یدل علی ان الاسراء کان مرتین موافقاً لما ذکرہ بعض العامۃ وان مثال مولانا امیر المومنین کان معہ فی جمیع الوقائع۔ یعنی اس حدیث سے مستفاد ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ دو مرتبہ معراج پر تشریف لے گئے اور یہ کہ ان تمام واقعات میں حضرت امیرؑ کی تمثال مبارک آپؐ کے ہمراہ تھی۔

(۴) سرکار علامہ مجلسی علیہ الرحمہ کی حیاۃ القلوب جلد دوم اور بحار الانوار جلد ششم سے متعدد احادیث سطور بالا میں نقل کی جا چکی ہیں۔ انہوں نے چونکہ متعدد روایات معتبرہ ایسی درج کی ہیں۔ جن سے حضرت امیرؑ کے معراج پر تشریف لے جانے کی کھلم کھلا تردید ہوتی ہے اور پھر اس بزرگوار نے نہ ان روایات کی تردید کی ہے اور نہ ان کے خلاف کوئی معتبر روایت نقل کی ہے۔ اس سے روزِ روشن کی طرح واضح و آشکار ہے کہ ان کا نظریہ وہی ہے جو ان روایات سے ظاہر ہوتا ہے کما لا یخفیٰ۔ اس سے بین واضح ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے بحار ج ۶ ص پر معراج کو آنحضرتؐ کے خصائص خاصہ سے شمار کیا ہے۔

(۵) محدث جلیل مولانا سید نعمت اللہ جزائری نے اپنی کتاب انوارِ نعمانیہ ص۱۳ پر وہ حدیث شریف درج کرنے کے بعد جسے ہم نے سطورِ بالا میں ص۳ پر درج کیا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں۔ " اقول ھذا الحدیث یدل علی ان علیاً عرج الی ملکوت السماء وھو جالس فی بیتہ " یعنی میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت علیؑ کو گھر بیٹھے ہوئے (معنوی) معراج ہوئی تھی۔

(۶) سید العلماء سید حسین ابن سرکار غفرانمآب لکھنویؒ اپنی کتاب حدیقہ سلطانیہ حصہ ثانیہ ص۲۹۳ طبع لکھنؤ رقمطراز ہیں۔ " ہمیں است حال روایات کہ در میانہ عوام مشہور است و دلالت بر معراج حضرت امیر علیہ السلام در وجود آنحضرت در آسمان قبل وصول جناب رسالت مآب بآں و برون دستے از پردۂ غیب کہ دست آں حضرتؑ بود از کمین غیب عجب وما شاکل ذلک مما یدل علی الغلوا والتشبیہ پس ہمہ خارج است از طریقۂ اقتصاد و تنزیہ الخ " یعنی یہی کیفیت ہے ان تمام روایات کی جو عوام الناس میں مشہور ہیں۔ جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت امیر علیہ السلام بھی معراج پر تشریف لے گئے تھے اور پردۂ غیب سے آپؑ کا دستِ مبارک نکلا تھا۔ اس قسم کی سب روایات جو غلو یا تشبیہ پر دلالت کرتی ہیں۔ درمیانہ روی اور تنزیہ باری تعالےٰ کے طریقہ سے خارج ہیں۔" (لہذا ناقابلِ قبول ہیں) ص۲۹۲ پر تمثال مبارک والی بعض روایات درج کی ہیں۔ فراجع

(۷) عالم مجاہد جناب السید محمد مہدی القزوینی اپنی کتاب ہدی المنصفین (ج) ص۲۹۸ طبع نجف اشرف پر سید کاظم رشتی شیخی کے اس نظریہ کی کہ حضرت علی معراج پہ پیغمبر اسلام کے ہمراہ تھے۔ تردید کرتے ہوئے اس پر تمام فرقہ شیعہ کے اجماع کا دعوے فرماتے ہیں۔ ان کی اصل عبارت یہ ہے: " ہفتم گفتن ایں مرد بآنکہ در ہر مقامے کہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم در حدیث عروج رسید علی علیہ السلام در آں مقام بود۔ قبل از آں سرور دروغیست بے شبہ و مخالف است با مجمع علیہ

میانِ شیعہ اثنا عشریہ چونکہ ہمہ متفقند برائیکہ حضرت خاتمؐ عروج فرمود و حضرت امیرؑ عروج نہ فرمود و لبسوئے آسمانہا و اخبار صحیحہ اہلبیت علیہم السلام دلیلند براین مطلب ازانہا خبر ایست در ششم بحار نقل شدہ از عیون و سندش صحیح است از حضرت صادق علیہ السلام یعنی اس مرد (سید کاظم رشتی) کا یہ کہنا کہ شبِ معراج جہاں بھی حضرت رسولِ خداؐ تشریف لے گئے۔ وہاں ان سے پہلے حضرت امیرؑ موجود تھے۔ بلاشبہ یہ دروغ بے فروغ اور فرقۂ شیعہ امامیہ کے اجماعی نظریہ کے مخالف ہے کیونکہ اُن کا اتفاق ہے کہ معراج صرف خاتم الانبیاء کو ہوئی ہے نہ خاتم الاوصیاء کو اور اس دعویٰ پر اہل بیت علیہم السلام کی اخبارِ صحیحہ دلیل ہیں۔ منجملہ اُن کے ایک وہ صحیح السند روایت ہے جو ششم بحار صہ ۴۹۹ میں بحوالہ عیون الاخبار حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے (بعدازاں وہی روایت درج کی ہے جس کا ہم بقدرِ ضرورت ایک شمہ ابھی اوپر مرحوم مُلا محسن فیض کی علم الیقین سے نقل کر چکے ہیں۔ فراجع) اس عالم جلیل کی فرمائش سے واضح و آشکار ہے کہ تمام شیعہ کا اس عقیدہ پر اتفاق ہے۔ ہاں البتہ فرقۂ شیخیہ جو کہ "مفوضہ" ہیں وہ مخالف ہیں۔ (ولاکن لا یعبأ باختلافہم لانہم لیسوا من الشیعۃ کما لا یخفیٰ علیٰ احد من البریۃ) فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر۔

(۷) جناب علامہ سید علی الحائری اپنی تفسیر بے نظیر لوامع التنزیل ج ۱۵ صـ ۳۶ پر چند نظریات فاسدہ جیسے حضرت علیؑ کا معراج پر تشریف لے جانا، پردۂ غیب سے ہاتھ کا نمودار ہونا، آنحضرتؐ کے راستہ میں شیر کا سدِّ راہ ہونا اور آنحضرتؐ کا اسے اپنی انگشتری عطا کرنا اور پسِ پردہ حضرت علیؑ کا موجود ہونا وغیرہ وغیرہ ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

"چنیں اعتقادات داشتن کفر و باطل است حضرات آئمہ اطہار ازچنیں حکایات موضوعہ تبرا جستہ اند اصل آنست کہ ایں ہمہ مفتریات فرقۂ غالیہ و مفوضہ است و بعضے جہال شعراء در مجالس بیان می کنند۔ خواندن و شنیدن و بداں اعتقاد داشتن کفر است چہ ایں ہمہ واقعات دراصل بے اصل اند" یعنی اس قسم کا اعتقاد رکھنا کفر و باطل ہے۔ آئمہ اہل بیت علیہم السلام نے ایسی موضوع و مکذوب حکایات سے اپنی بیزاری ظاہر فرمائی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اس قسم کی حکایات تمام تر فرقۂ غالیہ و مفوضہ کی افترا پردازیوں کا نتیجہ ہیں۔ جنہیں بعض جاہل شعراء بھی مجالس میں پڑھ دیتے ہیں۔ ایسے واقعات کا پڑھنا اور سننا کفر ہے کیونکہ دراصل یہ تمام واقعات بالکل بے اصل ہیں۔" نیز اسی جلد کے صـ ۳۰ پر فرماتے ہیں۔ "اجماع اہل بیت عصمت و طہارت علیہم السلام حاصل است و اتفاق علماء ملت شیعہ قائم است براینکہ ہیچ امامے را در ہیچ وقتے بلکہ احدے از انبیاء را ہم بجز پیغمبر آخرالزمان صلعم معراج حاصل نہ شد۔ الخ" یعنی اس امر پر اہل بیت عصمت و طہارت کا اجماع اور تمام علماء شیعہ کا اتفاق ہے کہ ائمہ اطہارؑ میں سے کسی بھی امامؑ کو کسی وقت بلکہ سوائے ختمی مرتبتؐ کے کسی دوسرے نبی کو بھی آنحضرتؐ کی طرح کبھی معراج حاصل نہیں ہوئی۔" چند سطور کے بعد پھر لکھتے ہیں "زیرا کہ احدے معراج رفتن جناب امیر المومنینؑ را ذکر نہ فرمودہ است در قرآن و حدیث ایما کردہ نہ شدہ است۔" یعنی جناب امیر المومنینؑ کے معراج پر تشریف لے جانے کا کسی (عالمِ دین) نے تذکرہ نہیں کیا اور قرآن و حدیث میں اس کی طرف کوئی اشارہ تک نہیں ملتا۔ تا بہ تصریح چہ رسد۔ اس کے بعد نورانی مثال

والی بعض روایات درج کرنے کے بعد اسی جلد کے صـ۲۷ پر آخر میں بطور نتیجہ کلام تحریر فرماتے ہیں: "اوّل: نیست حقیقت واقعہ صحیحہ کہ رسول الثقلین صلعم شبہ نور علی را بر آسمان معائنہ فرمود ورنہ علی بن ابی طالب در آں شب معراج تا مراجعت جناب نبوی صلعم حجت بر روئے زمین بود چہ ممکن نیست کہ زمین یک لمحہ بے حجۃ باقی بماند ورنہ باہلش غرق وہلاک گردد" یعنی صحیح صورت حال یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے شبِ معراج امیرؑ کی شبیہ مبارک دیکھی تھی ورنہ خود حضرت علیؑ تو آنحضرتؐ کی مراجعت تک زمین پر حجتِ خدا تھے کیونکہ یہ ممکن ہی نہیں کہ زمین حجتِ خدا کے بغیر ایک لمحہ باقی رہ سکے۔ اگر ایسا ہو تو زمین اپنے اہل سمیت غرق ہو جائے"۔

(۹) اُردو کے مشہور مفسرِ قرآن جناب مولانا عمار علی اپنی تفسیر عمدۃ البیان ج ۲ صـ۲۲۵ طبع یوسفی دہلی پر لکھتے ہیں:

"اور یہ جو بعض روایت میں آیا ہے کہ حضرت علیؑ بھی معراج میں شریک تھے اور ہاتھ پردے سے باہر نکالا اور کھیر کھائی۔ اور شیر کے منہ میں رسول خداؐ نے اپنی انگشتری دی اور زمین پر آئے تو وہ انگشتری علیؑ کے پاس دیکھی اور یہ سب غیر معتبر ہے اور اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے لیکن جو کچھ رسولِ خداؐ نے آسمانوں پر دیکھا وہ حضرت علیؑ نے زمین پر دیکھا کہ حجاب مابین سے اُٹھ گیا تھا۔ چنانچہ امالی میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ فرمایا میں نے رسولِ خداؐ سے سُنا ہے۔ فرماتے تھے کہ خدا نے پانچ چیزیں مجھ کو دی ہیں اور پانچ چیزیں علیؑ کو بخشی ہیں۔ الخ"

(۱۰) جناب آقا شیخ عباس علی خراسانی اپنی کتاب ضیاء العین فی التوسل بالثقلین کے صـ۲ سے صـ۵ تک مفصل واقعۂ معراج لکھنے کے بعد خلاصۂ بحث ان الفاظ میں درج کرتے ہیں: "مؤلف گوید کہ معلوم شد از احادیث معراج و فصول قبل کہ ہیچ مخلوقے پا بر بساطِ قرب قاب قوسین غیر از اشرف کائنات و خلاصۂ موجودات و باعث زندگی ہر ذی حیات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ نگذاشتہ" الخ

"یعنی معراج کی احادیث نیز سابقہ فصول سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ آنحضرتؐ کے سوا اور کسی بھی مخلوق نے قاب قوسین کے مقام پر قدم نہیں رکھا"۔

(۱۱) جناب مولانا الشیخ اعجاز الحسن بدایونی اپنے رسالہ شمس الاعتقاد (صـ۲۳) میں تحریر فرماتے ہیں۔ "نبوتِ خاتمیہ کا ساتواں کمال حضور سیدِ عالمؐ کی معراج جسمانی ہے۔ جس کا پایہ اتنا بلند ہے کہ آنحضرتؐ کے سوا وہاں تک کسی مخلوق کی رسائی نہیں ہوئی اور نہ آئندہ ہوگی۔ معراج مع اس کے لوازم و خصائص کے صرف جناب ختمی مرتبتؐ کو خدا نے عطا فرمائی تھی۔ یہ رتبہ مخصوصۂ درگاہِ الٰہی سے آں جناب کے سوا کسی کو حاصل ہوا اور نہ آئندہ ہوگا۔ رسول اللہ کو جس حسن کی اور جس حد تک معراج جسمانی ہوئی تھی۔ اس کا آنحضرتؐ سے مخصوص ہونا اسلام میں بدیہی ہے جس کا منکر اسلام سے خارج ہے۔ حضرات ائمہ معصومینؑ کے لیے ایسی معراج کا معتقد ہونا بے دینی ہے لہٰذا کمالاتِ ختم نبوت سے ان حضرات کا اتصاف بے معنی ہے"۔

(۱۲) فاضلِ محترم مولانا محمد آصف محسنی صراط الحق صـ۱۵۲ ج ۲ پر آنحضرتؐ کے خصائص لکھتے ہوئے خاصہ ۲۱ یہ لکھتے ہیں: "معراجہ بتلک الخصوصیات" یعنی منجملہ آپؐ کے خصائص کے ایک معراج بھی ہے"۔

ان حقائق و دقائق کے پیش نظر یہ حقیقت بالکل روزِ روشن کی طرح واضح و آشکار ہو گئی ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ کے معراج پر تشریف لے جانے والا نظریہ بالکل علیل اور بے دلیل ہے بلکہ ایک افسانہ سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا اور جہاں یہ واقعہ قرآن و حدیث سے ثابت نہیں۔ وہاں اتفاق شیعہ خیر البریہ کے بھی خلاف ہے۔ ہاں البتہ یہ مفتریات فرقہ غالیہ و مفوضہ میں سے ہے۔ اعاذنا اللہ و جمیع المومنین من شرورھم۔

متعلقہ مسئلہ عقل سلیم کی روشنی میں

ارباب علم و بصیرت جانتے ہیں کہ خلاق عالم نے موجودہ عالم کو ایسے خاص نظام و نہج پر بنایا ہے کہ اس کی ہر ہر چیز علل و اسباب کی آہنی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ بعض اوقات یہ سلسلہ علل و اسباب تمام امور مادیہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ اور بعض اوقات اس کی بعض کڑیاں غیر مادی ہوتی ہیں۔ اسی قانون کے تحت خدائے حکیم نے اس عالم کی بقاء اور بالخصوص نظام ارضی کے دوام کو اپنی حجت (نبیؐ و امامؑ) کے وجود کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے جو کہ علتِ غائی ممکنات ہیں۔ اگر ایک لمحہ کے لیے بھی حجتِ خدا سے زمین خالی ہو جائے تو تمام نظام درہم برہم ہو کر رہ جائے اور دنیا و مافیہا ہلاک و برباد ہو جائے۔ اصول کافی میں ایک مکمل باب اس عنوان کا ہے۔ "الارض لا تخلوا من حجۃ للہ۔ یعنی کبھی زمین حجتِ خدا سے خالی نہیں رہتی اور اس باب میں اس مضمون کی متعدد روایات موجود ہیں کہ لولا الامام لساخت الارض باھلھا۔ اگر حجتِ خدا موجود نہ ہو تو زمین اپنے اہل سمیت پاتال میں دھنس جائے (از احسن الفوائد بالاختصار ص۲۱۹)

بنا بریں شبِ معراج جناب امیر المومنینؑ کا زمین پر موجود رہنا ضروری ہے، تاکہ زمین حجتِ خدا سے خالی نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ اس وقت حجتِ خدا یا رسولِ خداؐ تھے یا حضرت علی مرتضیٰؑ۔ کیونکہ حسنین شریفینؑ کی تو ہنوز ولادت ہی نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے کہ معراج بالاتفاق قبل از ہجرت واقع ہوئی ہے۔ چنانچہ سرکار علامہ مجلسیؒ فرماتے ہیں: "بدانکہ اتفاقی است کہ معراج پیش از ہجرت واقع شدہ" (حیات القلوب ج ۲ ص۳۴۶) اور شہزادگان کونینؑ کی ولادت چند سال بعد از ہجرت ہوئی ہے۔ لہٰذا ضروری تھا کہ جب ایک حجتِ خدا کرۂ ارض سے باہر تشریف لے جائے تو دوسری حجتِ خدا محیط ارض میں موجود ہو نیز جب سابقہ بیانات میں یہ حقیقت واضح کی جا چکی ہے کہ معراج جناب رسول خداؐ کے خصائص میں سے ہے۔ تو عقلی مسلّمہ ہے کہ خاصۃ الشیٔ ما یوجد فیہ ولا یوجد فی غیرہ۔" یعنی کسی چیز کا خاصہ وہ ہوتا ہے جو اس چیز کے علاوہ جس کا خاصہ ہے کسی اور میں نہ پایا جائے۔

بنا بریں عقلاً لازم ہے کہ آنحضرتؐ کے علاوہ کسی اور ذات کی معراج کا عندیہ قائم نہ کیا جائے ورنہ یہ آنحضرتؐ کا خاصہ نہیں رہے گا۔ وہذا خلف۔

شبِ معراج عبد و معبود میں جو گفتگو ہوئی وہ حضرت امیرؑ کے لہجہ میں تھی

فریقین کے بعض احادیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ

شب معراج عبد و معبود کے درمیان جو خاص گفتگو ہوئی وہ حضرت امیر المومنینؑ کے لب و لہجہ میں تھی۔ چنانچہ بحار الانوار ج ۶ ص ۵ بحوالہ مناقب خوارزمی عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے کہ آں حضرتؐ سے دریافت کیا گیا۔ بای لغۃ خاطبک ربک لیلۃ المعراج؟ "شب معراج خداوند عالم نے کس لہجہ میں آپ سے خطاب فرمایا؟ قال بلغۃ علی بن ابی طالبؑ فرمایا حضرت علی بن ابی طالب کے لہجہ میں" اور اس کی وجہ اس حدیث میں یہ بیان کی گئی ہے۔ کہ خدا تعالٰے نے فرمایا اطلعت علی سرائر قلبک فلم اجد الی قلبک احب من علی بن ابی طالبؑ فخاطبتک بلسانہ کیما یطمئن قلبک۔ "اے حبیب! میں نے تیرے دل کی گہرائیوں پر نظر کی۔ اور جب حضرت علیؑ سے بڑھ کر کسی اور کو تیرا محبوب نہ پایا۔ تو میں نے ان کے لہجہ میں تجھ سے خطاب کیا۔ تاکہ تیرا دل مطمئن رہے" (کذا فی علم الیقین ص ۱۱۴ نقلاً عن کشف الغمہ۔ وکذا فی التفسیر الصافی ص ۲۵)

بعض شکوک اوہام کا ازالہ

حسب سابق اس مبحث کے آخر میں بھی دوسرے فریق کے جملہ شکوک و شبہات کا ازالہ کیا جاتا ہے۔ تاکہ اس موضوع کا کوئی بھی پہلو تشنۂ تکمیل نہ رہ جائے۔ اور پوری طرح حق و حقیقت واضح و آشکار ہو جائے۔

پہلا شبہ اور اس کا جواب

بعض روایات میں وارد ہے۔ (جیسا کہ اوپر مذکور ہے) کہ شب معراج حبیب و محبوب کے درمیان جو گفتگو ہوئی وہ حضرت امیر علیہ السلام کے لہجہ میں ہوئی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خود آں جناب بھی وہاں ضرور تشریف فرما ہوں گے۔ کیونکہ کلام کے لئے منہ کی ضرورت ہے۔ اور منہ کے لئے سر اور سر کے لئے دھڑ وعلیٰ ہذا القیاس۔ اور چونکہ خدا تو جسم رکھتا نہیں لہٰذا جناب امیر علیہ السلام کا وہاں وجود ماننا پڑے گا۔

یہ محض خطابت ہے۔ جسے حقیقت سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں۔ اور فی الحقیقت یہ خیال باطل و زعم فاسد خدا کے متکلم ہونے کے صحیح مفہوم کے نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ ورنہ معمولی عقل و خرد اور ادنیٰ دینی بصیرت رکھنے والے افراد بھی جانتے ہیں۔ کہ خدا کے متکلم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ جس چیز میں چاہے حروف اور آواز (جن سے کلام مرکب ہے) پیدا کر دیتا ہے اور اسے یہ بھی اختیار ہے کہ اس کلام میں جو لہجہ چاہے خلق فرما دے۔ انہ علی کل شیء قدیر۔

علاوہ بریں یہ بات بھی محتاج بیان نہیں کہ لب و لہجہ کی نقل و حکایت سے یہ کسی طرح لازم نہیں آتا ہے کہ وہ اصل شخص بھی وہاں موجود ہو۔ کسی کے لہجہ کی نقل اتارنا اور ہے۔ اور اس شخص کا وہاں موجود ہونا چیزے دیگر۔ ان کے درمیان کوئی باہمی ربط ہی نہیں۔

دوسرا شبہ اور اس کا جواب

انس بن مالک والی روایت ہے الشیخ فی امالیہ قال اخبرنا ابو الفتح ھلال بن محمد بن جعفر الحفار قال ابن المعافی قال حدثنا ابو عثمان سعد بن عبد اللہ بن عجب الانباری قال حدثنا خلف بن درست قال حدثنا ابو القاسم بن ہارون

قال حدثنا سہل بن سفیان عن ہمام عن قتادہ عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لما عرج بی الی السماء ودنوت من ربی عزوجل حتی کان بینی وبینہ قاب قوسین او ادنی فقال یا محمد من تحب من الخلق؟ قلت یارب علیا قال التفت یا محمد فالتفت عن یساری فاذا علی بن ابی طالب علیہ السلام (تفسیر برہان ج ۴ ص ۲۴۳ کذا فی البحار ج ۴ ص ۸۶) یعنی جناب شیخ طوسیؒ مذکورہ بالا سند کے ساتھ اپنی امالی میں انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا جب میں معراج پر گیا۔ تو اپنے پروردگار کے مرکز جلال و جمال کے اس قدر قریب ہوا کہ دو کمان یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ اس وقت خدا نے ارشاد فرمایا۔ یا محمدؐ! تم کس سے محبت کرتے ہو؟ عرض کیا علیؑ سے۔ ارشاد فرمایا یا محمدؐ مڑ کر دیکھو۔ جونہی میں نے اپنے بائیں طرف مڑ کر دیکھا تو ناگاہ حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ موجود تھے" اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مقام قاب قوسین پر حضرت امیرؑ موجود تھے۔ اس روایت کے ساتھ تمسک کرنا چند وجہ صحیح نہیں ہے

وجہ اول۔ یہ خبر واحد ہے اور ہم اسی کتاب کے دیباچہ میں ثابت کر آئے ہیں کہ عقائد کے سلسلہ میں اخبار احاد پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

وجہ دوم۔ جب اصول عقائد میں صحیح السند خبر واحد بھی حجت نہیں ہے تو پھر ضعیف روایت تو بطریق اولیٰ ناقابل اعتبار ہوگی جیسا کہ یہ روایت ہے۔ کیونکہ اس کے سلسلۂ سند کے کچھ راوی غیر امامی کچھ مجہول الحال ہیں اور کچھ بالکل ناصبی ہیں۔ جیسے راس سلسلہ کی آخری کڑی (انس) جس نے چوتھے مرتبہ پر بھی علیؑ کی بیعت نہیں کی تھی۔ نیز یہ وہ زمانہ شدہ حضرت علیؑ کے مطالبہ کے باوجود حدیث غدیر کی شہادت دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اور جناب امیرؑ کی دعائے بد کی وجہ سے مبروص ہو گیا تھا۔ (شرح ہذا البنۃ و حیاتی) لہٰذا ایسی روایت تو فروع دین میں بھی شرعی حجت نہیں۔ چہ جائیکہ اصول عقائد میں اس پر اعتماد کیا جائے"

وجہ سوم۔ بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ جب مخالف اہل بیتؑ اس فضیلت کا اعتراف کر رہے ہیں تو پھر کیوں نہ اس روایت کو قبول کیا جائے؟ یہ خیال بالکل غلط ہے معصومینؑ نے مخالفین سے ایسی روایت فضائل قبول کرنے کی بھی ممانعت فرمائی ہے۔ جن کی تائید احادیث اہل بیتؑ سے نہ ہوتی ہو۔ ملاحظہ ہو بحار الانوار جلد ۲ ص ۲۹۱ باب النہی عن اخذ فضائلھم من مخالفیھم"۔ و رجال کشی ص ۳۴ وغیرہ۔ ہم سطور بالا میں یہ ثابت کر چکے ہیں کہ اخبار اہل بیتؑ اس واقعہ کی نفی پر دلالت کرتے ہیں۔ بعد ازیں کیوں کر اس بے سروپا روایت کو قبول کیا جا سکتا ہے۔ اگر اس نظریۂ فاسدہ کے قائلین میں جرأت ہے تو ائمہ دوازدہ گانہ میں سے کسی ایک امام عالی مقامؑ کا مستند اور صریح الدلالت فرمان پیش کریں۔ اور منہ مانگا انعام حاصل کریں۔ اور ہمیں اپنا ہم خیال بھی بنائیں۔

وجہ چہارم۔ مذکورہ بالا امور سے قطع نظر کرتے ہوئے اگر بالفرض اس روایت کو مذکورہ بالا روایات ائمہ کے ساتھ بالکل معارض بھی سمجھ لیا جائے تو بنا بر اصول تعادل و تراجیح انہی روایات کو مقدم سمجھا جائے گا۔ کیونکہ سنداً و شہرت روایتی کے اعتبار سے وہ زیادہ مشہور و مستند اور تعداد کے لحاظ سے کثیر التعداد ہیں۔ اور ہمارے اصول مسلمہ میں سے ہے جو کہ ائمہ اہل بیتؑ سے ماخوذ ہیں کہ عند التعارض ترجیح انہی روایات کو دی جاتی ہے۔ جو سنداً زیادہ معتبر، شہرۃً زیادہ مشہور، اور عدداً زیادہ ہوں۔ (رسائل و قوانین اور کفایہ

وغیرہ کتب اصول ملاحظہ ہوں۔) بنا بریں اس روایت کو قابلِ استناد قرار نہیں دیا جا سکتا۔

وجہ پنجم۔ اصل بات یہ ہے کہ حضرت امیرؑ اس وقت زمین پر تشریف فرما تھے۔ مگر خدا نے اپنی قدرتِ کاملہ سے آنحضرتؐ کو یہ محسوس کرایا۔ کہ گویا ان کو بالکل اپنے پہلو میں کھڑا پاتے ہیں چنانچہ محدثِ جلیل حضرت شیخ محمد بن الحسن الحر العاملیؒ نے اپنی کتاب الجواہر السنیۃ فی الاحادیث القدسیۃ ص۳۰۲ پر اسی حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے: اقول یعنی انہ راٰہ فی الارض فان اللہ کشف الغطاء بینہما حتی تحادثا کما ورد فی غیرہ من الاحادیث الخ یعنی میں کہتا ہوں۔ کہ آنحضرتؐ نے جناب امیر علیہ السلام کو زمین پر دیکھا بایں طور کہ خدا نے درمیان سے پردے اٹھا دیئے۔ یہاں تک دونوں حضرات نے باہم گفتگو بھی فرمائی۔ جیسا کہ دوسری روایات میں وارد ہے۔

وجہ ششم۔ اگر ان تمام امور سے بھی چشم پوشی کر لی جائے۔ تو بھی اس روایت پر اس عقیدہ کی دیوار استوار نہیں کی جا سکتی کیونکہ یہ دلالت کے اعتبار سے مجمل ہے۔ اور افادۂ مطلب میں نص صریح نہیں ہے کیونکہ اس میں یہ احتمال برابر جاری رہتا ہے کہ عین ممکن ہے اس وقت جناب امیرؑ کی مثال وہاں حاضر کی گئی ہو جسے آں حضرتؐ نے بادی النظر میں خود حضرت علی بن ابی طالبؑ سمجھا ہو۔ جیسا کہ دوسری روایات بعبارت النص اس امر پر دلالت کرتی ہیں۔ جن کا ایک شمہ اوپر نقل کیا جا چکا ہے۔ اور بعض روایات میں اس امر کی صراحت موجود ہے کہ کئی بار آنحضرتؐ نے اس شبیہ کو عین حقیقت خیال فرمایا ہے۔ چنانچہ کتاب المحلی ص۱۴۳ پر ایک طویل حدیث کے ضمن میں مذکور ہے۔ کہ آنحضرتؐ نے روئداد معراج بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ لما انتہیت الی السماء الرابعۃ رأیت شخصاً جالساً علی کرسی فتاملتہ فاذا ہو علی بن ابی طالب فقلت یا اخی جبرئیل ہذا اخی علی بن ابی طالب قد سبقنی الی ہذا المکان فقال جبرئیل ہذا ملک علی صورۃ علی بن ابی طالبؑ الخ" جب میں چوتھے آسمان پر پہنچا تو میں نے ایک شخص کو کرسی پر بیٹھے ہوئے دیکھا۔ تامل کیا تو علی بن ابی طالبؑ تھے۔ میں نے کہا بھائی جبرئیل! کیا علیؑ مجھ سے پہلے اس جگہ پہنچ گئے ہیں؟ جبرئیل نے عرض کیا یہ تو ایک فرشتہ ہے جسے خدا نے حضرت علیؑ کی شکل و صورت پر پیدا کیا ہے۔ اسی طرح کتاب اربعین علامہ مجلسیؒ ص۵۵ پر ایک ایسی ہی حدیث کے ضمن میں آں حضرتؐ بیان کرتے ہیں۔ فلما صرت تحت العرش نظرت فاذا انا بعلی ابن طالب واقفاً تحت عرش ربی فقلت یا علی سبقتنی فقال جبرئیل یا محمدؐ من یکلمک قلت ہذا اخی علی ابن ابی طالبؑ قال یا محمد لیس ہذا علیاً ولکنہ ملک من ملائکۃ الرحمٰن خلقہ اللہ علی صورۃ علی بن ابی طالبؑ الخ"۔

یعنی جب میں عرش کے نیچے پہنچا تو دیکھا وہاں علیؑ کھڑے ہیں! میں نے کہا یا علیؑ کیا آپ مجھ سے پہلے یہاں پہنچ گئے ہیں؟ جبرئیل نے کہا کون آپ سے کلام کر رہا ہے؟ میں نے کہا یہ میرے بھائی علیؑ ہیں۔ جبرئیل نے کہا یہ علیؑ نہیں بلکہ ایک فرشتہ ہے جسے خدا نے حضرت علیؑ کی صورت پر خلق فرمایا ہے جس طرح ان واقعات سے واضح ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ نے جناب امیر علیہ السلام کی شبیہ کو حقیقت تصور کیا ہے یہی احتمال یہاں بھی موجود ہے بلکہ بنا بر تسلیم روایت اس کا صحیح مفہوم یہی

یہی ہے جیسا کہ اس کے الفاظ اور سیاق سے ظاہر ہے۔

نوٹ:۔ بعض حضرات نے مجمع البحرین ص۳۸ کے حوالہ سے شب معراج تیسرے آسمان پہ نورانی تاج پر جناب امیر علیہ السلام کے تشریف لانے کا واقعہ لکھا ہے۔ ہمیں تو تلاش بسیار کے باوجود یہ قصہ اس کتاب میں ملا نہیں ہے بنا بر صحت اس سے مراد بھی یہی ہے کہ آنجنابؑ کی شبیہہ ہوگی نہ کہ اصل ذات بابرکات۔

تیسرا شبہ اور اس کا جواب

علامہ مجلسیؒ نے کتاب المحتضر کے حوالہ سے بروایت عمار بن یاسرؓ آنحضرتؐ کی یہ حدیث نقل کی ہے فرمایا: فلما اسری بی الی السماء وصرت کقاب قوسین او ادنی اوحی اللہ عزوجل یا محمدؐ! من احب خلق الیک قلت یا رب انت اعلم فقال عزوجل الی ان التفت فالتفت فاذا بعلی بن ابی طالب واقف معی وقد خرقت حجب السمٰوٰت وعلی واقف رافع راسہ یسمع ما یقول فخررت للہ تعالی (اقتصار بحار ج، ص۳۷) جب مجھے آسمان پر لے جایا گیا۔ اور قاب قوسین او ادنیٰ کی منزل پر پہنچا تو خدا نے مجھے یہ وحی فرمائی۔ کہ یا محمدؐ! تمہیں میری مخلوق میں سے زیادہ کون محبوب ہے؟ میں نے عرض کیا۔ اے میرے پروردگار تو خود بہتر جانتا ہے۔ فرمایا مڑ کر دیکھو۔ جب میں نے مڑ کر دیکھا، تو علیؑ بن ابی طالب کو اپنے پاس کھڑا ہوا پایا۔ آسمانوں کے حجاب پھٹ چکے تھے علیؑ سر بلند کرکے کھڑے تھے اور خداوند عالم جو کچھ فرما رہا تھا۔ وہ سن رہے تھے۔ میں یہ ماجرا دیکھ کر، وہیں کھڑے کھڑے سجدۂ خدا میں جھک گیا۔" اس روایت کا راوی بھی جناب عمارؓ جیسا مومن ہے۔ اس سے بھی ظہور علیؑ ثابت ہے۔ اس روایت سے بھی بچند وجہ یہ مدعا حاصل نہیں ہو سکتا۔

وجہ اول۔ یہ روایت مرسل ہے کیونکہ صاحب محتضر نے اسے کتاب نوادر الحکمہ سے یہ کہہ کر نقل کیا ہے کہ "من نوادر الحکمۃ یرفعہ الی عمار بن یاسرؓ" لہٰذا جناب عمار کے علاوہ جب تک اس روایت کے سلسلہ کی دوسری کڑیاں (دوسرے راوی) معلوم نہ ہوں۔ کہ وہ کون اور کیسے ہیں۔ صرف جناب عمار کے نام سے دھوکہ نہیں کھایا جا سکتا۔ اس لئے اس کے ساتھ تمسک کرنے والوں کا فرض ہے کہ پہلے اس کے راویوں کو معلوم کرکے ان کے نام منظر عام پر لائیں۔ تاکہ علم رجال کی کسوٹی پر جانچ کر اس کی صحت و سقم کو معلوم کیا جا سکے جب تک ایسا نہ کیا گیا۔ اس وقت تک اس کے ساتھ استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

وجہ دوم۔ جس طرح سابقہ روایت میں حضرت شیخ حر عاملیؒ کی تحقیق کی روشنی میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ آنحضرتؐ نے جناب امیر علیہ السلام کو زمین پر کھڑے ہوئے دیکھا تھا۔ یہی مطلب اس حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ بلکہ یہاں تو صاف لفظوں میں اس امر کی طرف کھلم کھلے اشارے موجود ہیں۔ حجاب پھٹ گئے۔ علیؑ سر بلند کرکے کھڑے ہیں۔ کان لگا کر خدا کا ارشاد سن رہے ہیں۔ یہ سب اس بات کے قرائن واضحہ ہیں۔ کہ حجاب پھٹ جانے کی وجہ سے جناب امیرؑ زمین پر کھڑے تھے اور آنحضرتؐ آسمان سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ مگر یوں محسوس ہو رہا تھا۔ کہ گویا آپ کے پاس کھڑے ہیں۔ اس باب میں سابقاً جو احادیث پیش کی گئی ہیں۔ ان میں بالصراحت یہ امر مذکور ہے۔ کہ حجابہائے آسمانی پھٹ جانے کی وجہ سے جناب امیر علیہ السلام

نے زمین میں رہ کر وہ سب مناظر بچشم خود دیکھے۔ جو آنحضرتؐ نے آسمانوں پر دیکھے تھے۔ لہٰذا اس حدیث کا بھی یہی مطلب ہے۔

وجہ سیوم۔ اگر اس سے بھی صرف نظر کر لیا جائے تو پھر سابقہ حدیث کی طرح یہاں بھی یہی مفہوم مراد لیا جائے گا۔ کہ خدا نے جناب امیر علیہ السلام کی مثال و شبیہ وہاں خلق کر کے حاضر کی۔ جسے بوجہ شدتِ مشابہت آنحضرتؐ نے اصل خیال فرمایا جیسا کہ اس کی مکمل وضاحت سابقہ حدیث کے جواب میں کی جا چکی ہے۔

چوتھا شبہ اور اس کا جواب

قرآن مجید میں آنحضرتؐ کے معراج کی غرض و غایت آیاتِ کبریٰ دکھانا بتائی گئی ہے۔ (لنریہ من ایاتنا الکبریٰ) اور جناب امیر المومنینؑ فرماتے ہیں کہ میں خدا کی آیتِ کبریٰ ہوں (اصول کافی)، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ نے آسمانوں میں حضرت امیر المومنینؑ کو ہی دیکھا تھا۔

اس شبہ کا کئی طرح جواب دیا جا سکتا ہے۔

پہلا جواب

یہ درست ہے کہ معراجِ نبوی کی غرض و غایت قرآن میں آیاتِ کبریٰ کا دکھانا قرار دی گئی ہے مگر اس قدر اہتمام تو اس چیز کے دکھانے کے لئے کیا جاتا ہے جو پہلے دیکھی ہوئی نہ ہو تو کیا جناب امیر علیہ السلام سرکار رسالتؐ کے لئے پہلے ان دیکھے تھے؟ جو اس قدر انتظام و اہتمام کر کے انہیں دکھانے کے لئے خدائے حکیم نے اپنے آخری نبی اعظمؐ کو عالم امکان کی آخری سرحد پر بلایا؟ حالانکہ یہ حقیقت عیاں را چہ بیان کی مصداق ہے کہ خلقتِ انوار و ارواح سے لے کر اس ظاہری جسمانی خلقت تک ان دونوں بزرگواروں کا ہمیشہ چولی دامن یا جسم و روح والا گہرا تعلق رہا۔ لہٰذا ماننا پڑے گا۔ کہ معراج سے جناب امیرؑ کا دکھانا مقصود نہ تھا۔

دوسرا جواب

یہ درست ہے کہ جناب امیر المومنینؑ ہوں یا دوسرے ائمہ طاہرینؑ یہ سب کے سب آیات اللہ الکبریٰ ہیں (وہم آیۃ ونعم کل ایۃ“ مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جہاں بھی یہ لفظ استعمال ہو تو اس سے مراد جناب امیر علیہ السلام ہی ہوں مثلاً خداوند عالم قرآن مجید کی سورہ نازعات ع ۲ پارہ ۳۰ میں فرماتا ہے۔ کہ ”فاراہ الآیۃ الکبریٰ“ کہ جناب موسیٰؑ نے فرعون کو آیتِ کبریٰ (بہت بڑی نشانی) دکھائی تو کیا کوئی شخص یہاں یہ کہہ سکتا ہے کہ جناب موسیٰؑ نے فرعون کو حضرت امیر علیہ السلام کی زیارت کرائی تھی؟ حالانکہ بالاتفاق اس سے مراد ”ید بیضا“ اور عصا کا اژدہا بنا کر دکھانا ہے۔

تیسرا جواب

مذہب شیعہ کے مسلمات میں سے ہے کہ قرآن کی وہی تفسیر صحیح ہوتی ہے جو معادن وحی و تنزیل یعنی حضرات محمد و آل محمد علیہم سے مروی ہو۔ دوسری کوئی بھی تفسیر بوجہ تفسیر بالرائے ہونے کے ناجائز اور ناقابل قبول ہوتی ہے۔ بنا بریں ہم ببانگ دہل کہتے ہیں۔ کہ اس شبہ میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے۔ یہ تفسیر بالرائے ہے اگر مدعیوں میں کچھ علمی سکت ہے تو پھر کسی امام کا فرمان اس کی تفسیر میں پیش کریں۔ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔ اس کی صحیح تفسیر دیکھنے کے لئے تفسیر صافی، برہان، مجمع البیان وغیرہ تفاسیر کی طرف رجوع کیا جائے۔

(کذالک یبین اللہ لکم الآیات لعلکم تعقلون)۔

نواں باب

بعض علماء اعلام کثرہم اللہ فی الاسلام سے اتہام وہابیت کے ازالہ کا بیان

یہ امر بھی عجائبات روزگار و غرائب دہر غدار میں سے ہے۔ کہ بعض اوقات انسان کو بعض ایسے امور کی رد میں بھی زبان و قلم کو حرکت دینا پڑتی ہے جن کا بطلان اظہر من الشمس و ابین من الامس ہوتا ہے چنانچہ کفار کا حضرت نوح کو "سفیہ" کہنا اور آنجناب کا اس کی رد کرنا (قرآن کریم) مشرکین مکہ کا حضرت پیغمبر اسلامؐ کو "مجنون" کہنا اور آنحضرتؐ کا اس نفی پر دلائل قائم کرنا (احتجاج طبرسیؒ) اور مروانیوں کا حضرت امیر المومنینؑ پر قتل عثمان کا الزام لگانا اور آں جناب کا بار بار اس سے اپنی برأت ظاہر فرمانا (نہج البلاغہ) وغیرہ وغیرہ اسی بات کے مختلف نظائر ہیں۔ بلا تشبیہ آج بعض حلقوں کی طرف سے حقیقی علماء شیعہ کثرہم اللہ فی البریہ کو "وہابی" کہنے کی مہم جاری ہے۔ اور وہ صرف اظہار حقیقت اور سادہ لوح مومنین کے تحفظ ایمان کی خاطر اس اتہام ناہنجار کے ازالہ پر مجبور ہیں۔ (المجبور معذور ولہم فی الانبیاء والائمۃ اسوۃ حسنۃ) اس اجمال کی بقدر ضرورت تفصیل یہ ہے کہ ہم اسی کتاب کے مقدمہ میں یہ امر واضح کر چکے ہیں۔ کہ اخبار و آثار سے آشکار ہوتا ہے کہ اہل اغراض فاسدہ کا ہمیشہ سے یہ شیوہ و شعار رہا ہے کہ وہ اپنی آراء کاسدہ کی ترویج کرنے علماء کو حق و حقیقت سے باز رکھنے اور ان کو اہل حق سے متنفر کرنے کے لئے ان پر بڑے شد و مد سے بعض بے بنیاد الزامات و اتہامات لگاتے رہے چنانچہ ان کو ساحر، کذاب، مفتری، سفیہ، ضال، شاعر اور مجنون وغیرہ القاب قبیحہ سے ملقب کرنا اس رسوائے زمانہ تحریک کی مختلف کڑیاں ہیں۔ بلا تشبیہ آج کچھ پیشہ ور مقرر و خطیب اپنے ذاتی اقتدار کے تحفظ اور اپنے مخصوص اغراض باطلہ کے حصول کی خاطر خدا اور حشر و نشر کے خوف سے بے خوف و خطر ہو کر بے لوث خدمت گاران دین مبین یعنی حقیقی علماء عاملین اور وارثان و مروجان مذہب ائمہ طاہرینؑ کو "وہابی" "وہابی" کہہ کر ان کو اپنے فنکارانہ حسد و رقابت کا نشانہ بنانے اور انظار عامہ سے ان کو گرانے۔ ان کے تبلیغی نقوش کو مٹانے الغرض اس طرح ان کو بدنام کر کے عوام اہل ایمان کو حق و اہل حق سے دور رکھنے کے لئے تقریر و تحریر کے ذریعہ شب و روز اس سعی نافرجام میں مشغول اور ہر جگہ فتنہ و فساد کی آگ روشن کرنے میں منہمک ہیں۔

جہاں پر بھی جاتے ہیں یہ فتنہ پرور
وہیں جا کے چنگاریاں ڈالتے ہیں۔

مگر وہ اس حقیقت سے غافل ہیں کہ للہ العزت ولرسولہ وللمومنین ولکن المنافقین لا یعلمون نیز وہ اپنی اس غوغا آرائی و ہرزہ سرائی سے یہ بھی چاہتے ہیں۔ کہ وہ ان مدارس دینیہ کو جو اس گئے گذرے دور میں بھی سرکار محمدؐ و آل محمدؐ

علیہم السلام کے علوم کی نشر و اشاعت کی شمع فروزاں کئے ہوئے ہیں اور یتیمانِ آلِ محمدؐ کی جسمانی و روحانی تربیت کا بیڑا اٹھائے ہوئے ہیں ختم کر دیں۔ کیونکہ یہ لوگ ان مدارس دینیہ کو اپنے مقاصد مشئومہ کی تکمیل کے راستہ میں سنگِ گراں سمجھتے ہیں اور ان کو راستہ سے ہٹانا اپنا فریضہ۔ مگر وہ اس حقیقت ابدیہ سے ناواقف ہیں کہ واللہ متم نورہ ولو کرہ المشرکون

چراغے را کہ ایزد بر فروزد   اگر کس پف کند ریشش بسوزد

چنانچہ بموجب من حفر بئراً لاخیہ وقع فیہ یعنی چاہ کن را چاہ درپیش مشاہدہ شاہد ہے کہ ایسے لوگ خود ہر جگہ ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔ لیکن بے شعوری سے مزید رسوائی دارین کے اسباب جمع کر رہے ہیں۔ مگر بفحوئ الحق یعلو ولا یعلیٰ علیہ حق و حقیقت کا ہر جگہ بول بالا ہو رہا ہے ؎

میری رسوائی جو چاہی خود وہ رسوا ہو گئے

بہرحال ایسے لوگوں کو یہ حقیقت نظر انداز نہیں کرنی چاہئے کہ ؎

تو مشو مغرور بر حلمِ خدا   دیر گیرد سخت گیرد مر ترا

وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون بہرکیف۔ ان حالات حاضرہ کے پیش نظر اس امر کی سخت ضرورت تھی کہ ان علماء اعلام سے اس بے اصل الزام و اتہام کا ازالہ کر دیا جائے اگرچہ اس کتاب میں اب تک جو حقائق پیش کئے گئے ہیں وہ اس اتہام کے بے بنیاد و نادرست ثابت کرنے کے لئے کافی و وافی ہیں۔ کیونکہ جن بعض مسائل و عقائد کی آڑ لے کر پیشہ ور اہلِ منبر ان علماء کرام کو "وہابی" کہتے ہیں۔ ہم نے قرآن کریم، احادیث معصومینؑ، تحقیقاتِ علماء متقدمین و متاخرین اور بے شمار عقلی و سمعی دلائل و براہین کی روشنی میں ان کا صحیح اور شیعی معتقدات سے ہونا ثابت کر دیا ہے لہٰذا اگر اسی کا نام "وہابیت" ہے تو پھر اس کی زد سے نہ خدا محفوظ ہے نہ رسولؐ۔ نہ ائمہ طاہرینؑ اور نہ علماء متقدمین ؎

مرے رازداں اب یہاں اور بھی ہیں

مذہب وہابی کا بانی عبدالوہاب یا محمد بن عبدالوہاب نجدی تو کجا اس کا دادا بلکہ اس کے آباء و اجداد اعلیٰ بھی ہنوز پردۂ عدم سے نکل کر عرصۂ وجود میں نہیں آئے تھے (کیونکہ عبدالوہاب یا محمد بن عبدالوہاب بارھویں صدی ہجری کے اواخر اور تیرھویں صدی کے اوائل میں گذرے ہیں۔ اور مذہب وہابیہ کا ظہور و شیوع سنہ ۱۲۲۶ھ میں ہوا ہے اکمانی کشف القناع ص ۱۲۷) مگر علماء اسلام کے قریباً چودہ سو سال سے قرآن و حدیث کی روشنی میں یہی عقائد و نظریات تھے، جو اس کتاب اور احسن الفوائد وغیرہ میں پیش کئے گئے ہیں۔

تاہم مزید وضاحت کی خاطر (اگرچہ بظاہر یہ وضاحت اظہار و اضحات کی قسم سے ہے کیونکہ "وہابی شیعہ" کی من گھڑت اصطلاح بالکل مہمل و بے معنی ہے۔ "شیعت" اور "وہابیت" باہم دو ضدیں ہیں والضدان لا یجتمعان اور دو ضدیں ہرگز یکجا جمع نہیں ہو سکتیں۔ ذیل میں بعض "مفارقات الشیعہ والوہابیہ" ذکر کئے جاتے ہیں۔

تاکہ بعد ازیں بھی اگر کوئی شقی ازلی ان علماء شیعہ خیر البریہ پہ تہمت لگائے تو اس پر حجت خدا تمام ہو جائے اور وہ فردائے قیامت کوئی عذر پیش نہ کر سکے۔ لیہلک من ہلک عن بینۃ ویحییٰ من حی عن بینۃ“ ؎

من آنچہ شرط بلاغ است با تو میگویم
تو خواہ از سخنم پند گیر و خواہ ملال

مفارقات الشیعۃ والوہابیہ اگرچہ یہ مفارقات بکثرت ہیں مگر ہم معمولی فروعی مفارقات کو نظر انداز کرتے ہوئے بنظر اختصار

؎ **حوادث روزگار** صبحدم طائران خوش الحان ٭ پڑھتے ہیں کل من علیہا فان۔ سچ ہے کہ کل شیٔ ما خلا [illegible]۔ سلسلۂ بیان و کلام یہاں تک پہنچا تھا کہ ہمیں یکے بعد دیگرے دو عظیم حادثوں سے دو چار ہونا پڑا۔ جن کی وجہ سے مسلسل کئی دن تک یہ سلسلہ معرض التواء میں پڑ گیا۔ پہلا حادثۂ کبریٰ بتاریخ ۲۶ جمادی الثانی ۱۳۸۶ھ بمطابق ۱۲ اکتوبر ۱۹۶۶ء بروز چہار شنبہ جناب والدہ ماجدہ ایک ناگہانی حادثہ (بس کے ایکسیڈنٹ) کا شکار ہو کر ہمیں دائمی داغ مفارقت دیتے ہوئے دار فانی سے دار جاودانی کی طرف انتقال فرما گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آہ کہ ہم جو شفقت پدری سے پہلے ہی صغر سنی میں محروم ہو چکے تھے۔ اب مادر گرامی کے مراحم و الطاف اور مشفقانہ ادعیہ جات سے بھی ہمیشہ کے لئے محروم ہو گئے۔ آہ ع

اب دعائے نیم شب میں کس کو یاد آؤں گا میں

دعا ہے کہ خداوند عالم جناب والدہ مرحومہ کو حضرت سیدۂ عالم سلام اللہ علیہا کے جوار پر انوار میں جگہ عطا فرمائے اور ہمیں اس صدمۂ جانکاہ پر صبر جمیل و اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین۔ بجاہ النبی وآلہ الطاہرین۔ قارئین کرام سے مرحومہ کے ایصال ثواب کے لئے سورۂ حمد و توحید پڑھنے کی استدعا کی جاتی ہے۔ دوسرا سانحۂ عظمیٰ۔ ہم ابھی پہلے حادثۂ کبریٰ سے پوری طرح سنبھلنے بھی نہ پائے تھے۔ اور نہ ہی ہنوز سلسلۂ تحریر شروع کیا تھا۔ کہ بارھویں دن بتاریخ ۸ رجب المرجب ۱۳۸۶ھ بمطابق ۲۳ اکتوبر ۱۹۶۶ء بروز یک شنبہ دوسرا سانحۂ عظمیٰ در پیش آیا۔ یعنی قدوۃ السالکین، زبدۃ الصالحین سرکار پیر سید فضل شاہ صاحب قبلہ پوری ملت جعفریہ کو یتیم کرتے ہوئے دار فانی کو خیر باد کہتے ہوئے عالم بقا کی طرف سدھار گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس طرح پوری قوم بالعموم اور ہم بالخصوص ان کے ظاہری غیر محدود فیوض و برکات سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو گئے۔ وما کان فضل ہلک ہلک واحد۔ ولکنہ بنیان قوم تہدما۔ آج پوری ملت جعفریہ ان کے غم میں سوگوار اور اشکبار ہے کیونکہ ؎ من سر اہل الارض ثم بکی اسی۔ بکی بعیون سرہا و قلوب۔ دعا ہے کہ خداوند عالم بطفیل سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام سرکار مرحوم کو اعلیٰ علیین میں بلند مقام عطا فرمائے۔ اور قوم کو اس سانحۂ عظمیٰ پر صبر جمیل و اجر جزیل عطا فرمائے۔ اور سرکار مرحوم کے نقوش قدم پر چلنے اور ان کے زریں مواعظ و نصائح پر عمل پیرا ہونے کی توفیق دے۔ آمین بحق النبی و آلہ المعصومین صلوات اللہ علیہم اجمعین۔

جملہ اہل ایمان سے سرکار موصوف اعلی اللہ مقامہ کے ایصال ثواب کی خاطر سورہ حمد و توحید پڑھنے کی اپیل کی جاتی ہے۔ ع

آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے۔ سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے۔ مقام شکر ہے کہ ہر دو مرحومین کی آخری خدمات انجام دینے کی سعادت ہمیں حاصل ہوئی۔ ؎ این سعادت بزور بازو نیست۔ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ۔ احقر العباد محمد حسین نجفی عفی عنہ ۱۶ رجب المرجب ۱۳۸۶ھ / ۳۱ اکتوبر ۱۹۶۶ء

ذیل میں صرف بنیادی اور اہم صرف چودہ عدد مغایرتات کا اور وہ بھی اجمالی طور پر تذکرہ کرتے ہیں۔ تاکہ قارئین کرام پر چہاردہ معصومینؑ کے ماننے اور نہ ماننے والوں کے درمیان جو نمایاں فرق ہیں وہ واضح و عیاں ہو جائیں۔

پہلا فرق عقیدۂ توحید

ارباب بصیرت جانتے ہیں۔ کہ دین کا سنگ بنیاد عقیدۂ توحید ہے کما قال رسول اللہؐ اوّل الدین معرفۃ الجبار (اوّل بحار الانوار) ہم خداوند عالم کو جسم و جسمانیات، مکان و مکانیات سے منزہ و مبرا، ذات و صفات میں وحدہ لاشریک اور بے مثل و بے نظیر تسلیم کرتے ہیں۔ اور مخلوق والی تمام صفات نقص و عیب سے اس کے دامنِ ربوبیت کو پاک و صاف سمجھتے ہیں۔ مگر وہابیہ کی توحید کچھ اور ہی قسم کی ہے۔ یہ حضرات خدا کو عرش کے اوپر بتلاتے ہیں۔ چنانچہ شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی کی کتاب التوحید مطبوعہ حجاز ص ۲۱۳ پر لکھا ہے۔ "ان اللہ فوق العرش" خدا عرش کے اوپر ہے۔ ان کا یہ فاسد عقیدہ ان کی ان بعض مجعول روایات پر مبنی ہے۔ جن میں وارد ہے کہ ان اللہ فوق عرشہ وعرشہ فوق سمٰوٰتہ وارضہ مثل القبۃ وانہ لیئط بہ اطیط الرحل بالراکب یعنی خدا عرش پر ہے اور عرش آسمانوں کے اوپر ہے۔ اور زمین مثل گنبد کے معلوم ہوتی ہے۔ عرش خدا کے (بیٹھنے) سے یوں چرچراتا ہے۔ جیسے (نئی) زین سوار کے بیٹھنے سے چرچراتی ہے (کنز العمال ج ۱ ص ۵۲ طبع حیدرآباد دکن) یہ حضرات خدا کے لئے ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضاء و جوارح بھی ثابت کرتے ہیں۔ چنانچہ محمد ابن عبد الوہاب نے اپنی کتاب التوحید ص ۱۲۸ میں اس سلسلہ کی بعض روایات نقل کرنے کے بعد ان سے جو نتائج اخذ کئے ہیں۔ ان میں سے پانچواں امر یہ لکھا ہے الخامسۃ التصریح بذکر الیدین وان السمٰوٰت فی الید الیمنیٰ والارضین فی الید الاخریٰ یعنی پانچواں امر یہ (ان روایات میں) اس بات کی تصریح موجود ہے کہ خدا کے دونوں ہاتھ ہیں۔ آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں ہے اور زمین بائیں ہاتھ میں۔ نیز یہ حضرات اس کے لئے چلنا پھرنا، چڑھنا، اترنا اور ہنسنا وغیرہ بھی تجویز کرتے ہیں۔ چنانچہ اس فرقہ کے عالم عظیم الشان جناب مولوی وحید الزمان مترجم صحاح ستہ اپنی کتاب انوار اللغۃ طبع بنگلور میں رقمطراز ہیں "اس کا مکان عرش معلیٰ پر ہے۔ اور اس کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے۔ وہ جہت فوق میں ہے جہاں چاہے وہاں جا سکتا ہے۔ اوپر چڑھتا ہے اور نیچے اترتا ہے۔ کلام کرتا ہے، ہنستا ہے تعجب کرتا ہے۔" (ص ۵۱ پ ۱۴ - ۱۸ - ۲۰ - ۲۵ - ص ۱۷/۲۱۲ و ۱۲۳ پ ص ۱۰۱) الغرض یہ فرقہ توحید توحید کی گردان تو بہت کرتا ہے۔ مگر ان کی توحید جن کے ڈانڈے بقول شیخ احمد غزالی شیطان سے ملتے ہیں۔ (معاذ اللہ) ہم بموجب نقل کفر کفر نباشد شیخ موصوف کا فتویٰ نقل کرتے ہیں۔ من لم یتعلم التوحید من ابلیس فہو زندیق۔ یعنی جو شخص ابلیسؑ سے توحید حاصل نہیں کرتا۔ وہ زندیق ہے۔ (شرح نہج البلاغہ حدیدی ج ۱ ص ۵ طبع بیروت) مگر ہماری توحید سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام سے ماخوذ ہے۔ وشتّان ما بینہما۔ اسی طرح یہ حضرات عدالت باری تعالیٰ کے بھی قائل نہیں۔ بلکہ خیرہ و شرہ من اللہ تعالیٰ کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ جو ہمارے نزدیک بالکل باطل ہے۔ اور ہم لا جبر ولا تفویض بل امر بین الامرین کے قائل ہیں۔ تفصیل کے لئے احسن الفوائد کی طرف رجوع کیا جائے۔

دوسرا فرق عقیدۂ رسالت

عقیدۂ توحید کے بعد عقیدۂ نبوت کی اہمیت لاکلام ہے ظاہر ہے کہ ہم انبیاء علیہم السلام کو تمام مخلوق خدا سے افضل و اشرف اور ہر وہ صفت کمال جو کسی مخلوق میں پائی جا سکتی ہے۔ اس سے ان کو متصف اور ہر انسانی نقص و عیب سے ان کے دامن عصمت و طہارت کو پاک مانتے ہیں۔ نیز از عہد تا لحد ان کو ہر گناہ صغیرہ و کبیرہ سے عمداً، سہواً، علماً، جہلاً اور خطاءً غرضیکہ ہر اعتبار سے ان کی رو، عصمت کو ہر گناہ صغیرہ و کبیرہ کے داغ سے منزہ و مبرا جانتے ہیں۔ اور ان کی تعظیم و تکریم کو واجب اور عین ایمان اور ان کی ادنیٰ توہین و تذلیل کو موجب کفر و شرک تسلیم کرتے ہیں۔ نیز ہم تمام انبیاء کے اس مقدس سلسلہ میں سے سرکار ختمی مرتبتؐ کو سید الانبیاءؐ والمرسلین اور خاتم المرسلین سمجھتے ہیں۔ الغرض ہم آنحضرتؐ کو سے

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

کا مصداق جانتے ہیں۔ مگر یہ لوگ آنحضرتؐ کے مقام و شان کے متعلق کیا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اس کے بارے میں صرف اس قدر کہہ دینا کافی ہے کہ رسوائے عالم نام نہاد کتاب "رنگیلا رسول" کا مواد انہی کی کتابوں سے ماخوذ ہے۔ باقی رہا مسئلہ تعظیم تو ارباب عقل و انصاف اس کا اندازہ ذیل کے بعض فروق سے بآسانی لگا سکتے ہیں کہ ان کے دلوں میں اس مقدس گروہ کا کس قدر احترام ہے۔

تیسرا فرق تعمیر مشاہد

ہم انبیاءؑ و مرسلینؑ اور ائمہ طاہرینؑ کے مزارات مقدسہ پر قبہ و قبور کی تعمیر کو نہ صرف جائز بلکہ کار ثواب سمجھتے ہیں اور ان کی تعظیم و تبجیل کو جزو ایمان مگر یہ فرقہ قبر رسول اکرمؐ کے ہدم (گرانے) کو بھی واجب جانتا ہے۔ چنانچہ مولوی وحید الزمان صاحب اپنی کتاب ہدیۃ المہدی ص۳۲ پر محمد بن عبد الوہاب نجدی کا یہ فتویٰ نقل کرتے ہیں۔ قال اذا شرع الناس فی تقبیل قبر من قبور الانبیاء والصلحاء او مس او طواف حوله فحکمه حکم الوثن یجب هدمه وحضره واهانته یعنی جب لوگ کسی نبی یا عبد صالح کی قبر کو بوسہ دینا یا بطور تبرک مس کرنا یا اس کے اردگرد طواف کرنا شروع کر دیں تو اس کا حکم ایک بت کا سا ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس کا گرانا، کھودنا اور اس کی توہین کرنا واجب ہے۔" اسی بنا پر تو نجدی حکومت آنحضرتؐ کی قبر اقدس کو "صنم اکبر" کہا کرتی ہے۔ اور اگر تمام عالم اسلام کے بگڑنے کا اور اس کی وجہ سے اپنے مخصوص مفادات پر زد پڑنے کا اندیشہ دامنگیر نہ ہو تو یہ لوگ جنت البقیع کے مزارات مقدسہ کی طرح روضۂ رسولؐ کو بھی فوراً مسمار کر کے زمین کے ہموار کر دیں۔

محمد بن عبد الوہاب نجدی کی کتاب التوحید کی شرح قرۃ الموحدین ص۳ پر لکھا ہے۔ والذی یخاف الخلیل علیه السلام علی نفسه وبنیه وقع فیه اکثر الامة بعد القرون المفضلة فبنیت المساجد والمشاهد علی القبور وصرفت لها العبادات بانواعها واتخذت ذلك دیناً وهی اوثان اصنام کاصنام قوم نوح واللات والعزی ومناة واصنام العرب۔ الخ۔۔۔

یعنی جس چیز کا حضرت خلیل الرحمٰنؑ کو اپنے اور اپنی اولاد کے متعلق اندیشہ تھا۔ (بتوں کی پرستش) قرون فاضلہ (اولیٰ) کے بعد اسی امر میں اکثر امت مبتلا ہو گئی۔ چنانچہ قبور پر مساجد و مشاہد بنا دیئے گئے ان میں مختلف قسم کی عبادات ہونے لگیں اور اس امر کو دین سمجھ لیا گیا۔ یہ مشاہد و مساجد قوم نوح کے بتوں اور لات و منات اور دوسرے اصنام عرب کی طرح بن گئے (معاذ اللہ) حالانکہ دیگر علماء اہل سنت بھی تعمیر مشاہد اور ان کے ابقاء کو جائز سمجھتے ہیں۔ چنانچہ یہی مولوی وحید الزمان صاحب اپنی کتاب انوار اللغۃ پ ۱۷ ص ۶۰ پر لکھتے ہیں "بعض علماء سلف نے اکابر علماء اور اولیاء کی قبروں پر گنبد وغیرہ بنانا درست رکھا ہے تاکہ لوگ ان کی زیارت کریں۔ وہاں آرام پائیں"۔ اور آلوسی بغدادی نے اپنی تفسیر روح المعانی ج ۳ پ ۱۰ ص ۱۵۱ پر ذیل آیۂ مبارکہ انما یعمر مساجد اللہ الایۃ لکھا ہے۔ قد اباح السلف البناء علی قبور المشائخ والعلماء المشہورین لیزورھم الناس ویستریحوا (یعنی علمائے سلف نے مشائخ اور مشہور علماء دین کے قبور پر گنبد وغیرہ تعمیر کرنے کو مباح قرار دیا ہے۔ تاکہ لوگ ان کی زیارت کریں۔ اور استراحت حاصل کریں۔ (کذا فی شرح المشکوٰۃ لملا علی القاری ومجمع بحار الانوار لمحمد طاہر الفتنی) نیز اسی جلد کے ص ۲۱۵ پر مزید لکھا ہے۔ فبناء القباب علی قبور العلماء والاولیاء والصلحاء ووضع الستور والعمائم والثیاب علی قبورھم امر جائز اذا کان القصد بذلک التعظیم فی اعین العامۃ حتی لا یحتقروا صاحب ھذا القبر (یعنی علماء۔ اولیاء اور صلحاء کی قبروں پر گنبد بنانا اور عمامے اور دیگر کپڑے رکھنا ایک مباح امر ہے جب کہ مقصد نظر عوام میں صاحبان قبور کی تعظیم کرنا ہو تاکہ وہ انہیں حقیر نہ سمجھیں۔

چوتھا فرق زیارت قبور

ہم انبیاءؑ و ائمہ دین بلکہ عام مومنین کی قبور کی زیارت کو صرف جائز ہی نہیں بلکہ مستحب جانتے ہیں بالخصوص جناب رسول خداؐ اور ائمہ ہدیٰؑ کے قبور مقدسہ کی زیارت کو بہترین عبادت سمجھتے ہیں۔ اور ہمارا عمل اس کا شاہد ہے۔ کہ نفس و نفیس صرف کر کے بھی مشاہد مقدسہ کی زیارت کرنے سے دریغ نہیں کرتے مگر یہ فرقہ اس قصد سے سفر کرنے کو جائز ہی نہیں سمجھتا۔ اور اس فعل جمیل کو بزعم خود بدعت خیال کرتا ہے اور اپنی تائید میں ایک ضعیف روایت کا سہارا لیتا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا لا تشد الرحال الا الی ثلاث الخ"۔

حالانکہ اس امر کا جواز اس قدر واضح ہے کہ بموجب الحق یعلو ولا یعلیٰ علیہ اسی فرقہ کے ایک جلیل القدر عالم نے بھی دبے لفظوں میں اس کا اعتراف کر لیا ہے چنانچہ علامہ وحید الزمان اپنی کتاب انوار اللغۃ پ ۱۲ ص ۲۳ پر لکھتے ہیں۔

"حضرات صوفیہ اور ایک جماعت کثیر علمائے دین نے اس پر اتفاق کیا ہے۔ کہ انبیاء اللہ اور اولیاء اللہ کے قبور کے زائرین کو طرح طرح کے فیوض و برکات حاصل ہوتے ہیں"۔

پانچواں فرق وسیلہ و شفاعت

ہم قضائے حاجات، حصول مہمات، دفع بلیات اور دیگر تمام دینی و دنیوی مصائب و مشکلات میں تمام انبیاء و مرسلین و اولیاء اللہ الصالحین کے ساتھ توسل اور ان سے طلب شفاعت کرنے کو بالعموم اور سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کے ساتھ توسل حاصل کرنے کو بالخصوص صرف جائز ہی

نہیں بلکہ ضروری جانتے ہیں۔ اسی کتاب کے پانچویں باب میں اس امر کی مکمل وضاحت کی جا چکی ہے۔ مگر فرقہ وہابیہ بارگاہِ قدرت میں ہر قسم کے واسطہ و وسیلہ پیش کرنے اور استشفاع کو ناجائز قرار دیتا ہے۔ چنانچہ محمد بن عبدالوہاب کا نبیرہ الشیخ عبدالرحمٰن اپنی کتاب التوحید کی ذیلی شرح میں ص ۳۰ پر لکھتا ہے۔

" واما بعد وفاتہ فلا یجوز الاستشفاع بہ کما تقدم تقریرہ فی باب الشفاعۃ وما قبلہ واللہ تعالیٰ نهی عن اتخاذ الشفعاء فی مواضع کثیرۃ من القرآن یعنی آنحضرتؐ کی وفات کے بعد ان سے شفاعت حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ اس کی تقریر سابقاً باب الشفاعۃ اور اس سے پہلے گذر چکی ہے اور خدا نے قرآن میں کئی مقامات پر شفیع بنانے کی ممانعت کی ہے " اسی کتاب کے صفحہ ۴۴ پر لکھا ہے حرم اللہ اتخاذ الشفعاء وانکرہ علی من فعل ذالک اشد الانکار لکونہ ینافی الاخلاص الذی ھو اقبال القلب والوجہ علی اللہ فی کل ما یخافہ العبد ویرجوہ ویتقرب بہ ویدین بہ ومن المعلوم انہ اذا التفت للشفیع یسالہ فقد اعرض بوجہہ وقلبہ عن اللہ تعالیٰ وذلک ینافی الاخلاص الخ خلاصہ مطلب یہ کہ کسی کو شفیع نہیں بنانا چاہئے۔ اور ہر خوف و رجا میں براہ راست خدا کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ شفیع کی طرف متوجہ ہونا اخلاص کے منافی ہے " اور مولوی وحید الزمان صاحب نے ہدیۃ المہدی ص ۲۹ پر نجدی کا یہ متشددانہ قول بھی نقل کیا ہے کہ انہ قال من اعتقد النبی او غیرہ ولیہ وشفیعہ فهو وابو جهل فی الشرک سواء یعنی "جو شخص نبی یا کسی اور شخص کو اپنا ولی و شفیع تصور کرے۔ وہ کفر و شرک میں ابوجہل کے برابر ہے " (خاک بدہن قائل) حالانکہ بارگاہِ قدرت میں بعض مقربین خدا کا وسیلہ بنانا اور ان کو واسطہ قرار دینا خود قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔

ارشاد رب العزت ہے۔ یا ایها الذین آمنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ (پ ۶ س مائدہ ع ۱۰) اے ایماندارو خدا سے ڈرتے رہو اور اس کے تقرب کے لئے ذریعہ کی جستجو میں رہو۔

نیز ارشاد رب العباد ہے۔ ولو انہم اذ ظلموا انفسہم جاؤک واستغفروا اللہ واستغفر لہم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما (پ ۵ س النساء ع ۹) اور اے رسولؐ جب ان لوگوں نے نافرمانی کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا۔ اگر تمہارے پاس چلے آتے اور خدا سے معافی مانگتے۔ اور اے رسولؐ تم بھی ان کی مغفرت چاہتے تو بے شک وہ لوگ خدا کو بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان پاتے " (ترجمہ فرمان)

اس آیت سے بھی روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہوتا ہے کہ گنہگاروں کی بخشش گناہ دو شرطوں کے ساتھ مشروط ہے۔ ایک ان کی ذاتی توبہ و استغفار۔ دوسری سرکار رحمۃ للعالمین کی سفارش و پکار۔

کتب سیر و تواریخ میں آنحضرتؐ کے ساتھ توسل کرنے کے کئی واقعات مذکور ہیں۔ ہم یہاں بطور نمونہ صرف ایک واقعہ درج کرتے ہیں۔

آپ کی خدمت میں ایک اندھا حاضر ہوا۔ اپنی تکلیفیں بیان کیں۔ آپؐ نے فرمایا اگر چاہو تو دعا کروں اور اگر چاہو تو صبر کرو۔ اور یہ تمہارے لئے اچھا ہے۔ عرض کی دُعا کیجئے۔ فرمایا اچھی طرح وضو کرکے یہ دعا مانگو کہ خداوندا اپنی رحمت والے پیغمبرؐ کے وسیلہ سے میری حاجت پُوری کر دے۔ ترمذی اور حاکم کی ایک روایت میں اسی قدر ہے۔ مگر ابن حنبل اور حاکم کی دوسری روایت میں اس کے بعد لکھا ہے۔ کہ اس نے ایسا کیا تو فوراً اچھا ہو گیا۔ الخ (سیرۃ النبیؐ مولانا شبلی نعمانی و سید سلیمان ندوی ج ۳ ص ۹۲۲ کذا فی سنن ابن ماجہ مترجم وحیدی ج ۱ ص ۲۶۶ و کنز العمال ج ۳ ص ۲۹۹)

چھٹا فرق حیات انبیاءؑ و ائمہؑ

اگرچہ جملہ اہلِ ایمان حیاتِ برزخیہ رکھتے ہیں۔ مگر جس طرح انبیاءؑ و ائمہؑ دیگر صفاتِ کمالیہ میں دُوسرے لوگوں سے ممتاز ہیں۔ اسی طرح ان کی حیاتِ برزخیہ بھی دوسرے لوگوں سے بدرجہا اتم و اکمل ہے۔ اور اس عالم میں بھی ان کی شفاعت و سفارش کا وہ سلسلہ جو ان کی ظاہری حین حیات میں تھا۔ برابر جاری و ساری ہے۔ لیکن فرقہ وہابیہ اس بات کا منکر ہے۔ حالانکہ کتب اہلِ سنّت میں بھی بروایت انس بن مالک آنحضرتؐ کی یہ حدیث مروی ہے کہ "ان الانبیاء احیاء یصلّون فی قبورھم" یعنی انبیاءؑ زندہ ہیں۔ اور اپنی قبروں میں نمازیں پڑھتے ہیں" (سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۳۲)

ساتواں فرق یا رسولؐ اللہ اور یا علیؑ کہنا

چونکہ ہم حیاتِ انبیاءؑ و اوصیاءؑ کے قائل ہیں (جیسا کہ ابھی اُوپر بیان کیا گیا ہے) اس لئے ہم نعرۂ رسالتؐ (یا رسولؐ اللہ) اور نعرۂ حیدری (یا علیؑ) کو جائز سمجھتے ہیں۔ لیکن چونکہ وہابی فرقہ ان حضرات کی حیات کا قائل نہیں ہے۔ اس لئے وہ یا رسولؐ اللہ اور یا علیؑ کہنے کو جائز نہیں سمجھتا۔ چنانچہ مولوی وحید الزمان اپنی کتاب ہدیۃ المہدی ص ۱۶ پر شرک خفی کی مثالیں پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ او دعا غیر اللہ تعالٰی بغلبۃ الحب والاستغراق دعاءً لغویاً بمعنی الندا او وتنزیل الغائب منزلۃ الحاضر مثل قولہ یا رسولؐ اللہ، او یا علی او یا حیدر الکرار الخ، یعنی "غلبۂ محبت و استغراق میں غیر اللہ کو حرف ندا کے ذریعہ پکارنا یعنی غائب کو بمنزلہ حاضر کے تصور کرکے آواز دینا جیسے یا رسولؐ اللہ، یا علیؑ، یا حیدر کرار کہنا یہ سب شرک خفی ہے۔" حالانکہ یا رسولؐ اللہ یا یا علیؑ کہنے کے ناجائز ہونے پر کوئی عقلی یا نقلی دلیل قائم نہیں ہے۔ باقی رہا ان کا یہ خیال کہ حرف "یا" مخاطب حاضر پر بولا جاتا ہے۔ یہ بالکل بے قاعدہ بات ہے علم نحو کے مبتدی طلبہ بھی جانتے ہیں کہ حرف "یا" قریب و بعید ہر دو کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ (ملاحظہ ہو مغنی ج ۲ ص ۴۹ طبع مصر) لہٰذا نحوی طور پر بھی اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

آٹھواں فرق عقیدۂ امامت

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ہم پیغمبر اسلامؐ کے بعد ان کی مسند کا صحیح وارث خلیفہ و جانشین اور اپنا ہادی دنیا و دین حضرت امیر المومنینؑ اور ان کی اولاد امجاد میں سے گیارہ ائمہ طاہرینؑ کو جانتے ہیں۔ اور بوجہ عصمت ان کی اطاعت مطلقہ کو واجب اور باعث نجات

داریں اور مخالفت کو موجب ہلاکت کونین جانتے ہیں۔ اور ان کے مد مقابلین کو اس منصب جلیل کا نااہل اور مقام اہلبیت کا غاصب سمجھتے ہیں۔ مگر یہ فرقہ دیگر تمام غیر اثنا عشری فرقوں کی طرح ائمہ طاہرین کی خلافت و امامت کا منکر ہے۔ وہ ان معصوم و مقدس ہستیوں سے روحانی رشتہ توڑ کر آل رسولؐ کے مخالفین سے اپنا رشتہ جوڑتا ہے۔ اور انہی لوگوں کو اپنا دینی و دنیوی ہادی و راہنما اور آنحضرتؐ کے خلفاء اور خلق کے پیشوا مانتا ہے۔ اور یہ امر عیاں راچہ بیان کا مصداق ہے مسئلۂ امامت کے تمام مباحث کو بالتفصیل دیکھنے کے خواہشمند حضرات ہماری کتاب "اثبات الامامت" کی طرف رجوع فرمائیں۔

نواں فرق عقیدۂ افضلیت

ہم نہ صرف یہ کہ ائمہ اہلبیتؑ کو تمام امت محمدیہ سے اشرف و افضل جانتے ہیں بلکہ سرکار خاتم الانبیاءؐ کے سوا باقی عام مخلوق تو درکنار دوسرے انبیاء و مرسلین اور ملائکہ مقربین سے بھی ان ذوات مقدسہ کو افضل و اعلیٰ سمجھتے ہیں۔ اس مطلب کے ثبوت کے لئے ہماری کتاب احسن الفوائد کے اوراق شاہد ہیں۔ مگر فرقہ وہابیہ دیگر جمہور اہل سنت کی طرح اپنے شیخین کو ائمہ طاہرینؑ سے افضل سمجھتا ہے اور اس نظریہ کے مخالف کو نہ صرف خطاکار بلکہ شرعی تعزیر کا سزاوار قرار دیتا ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ الدہلوی اپنی کتاب "ازالۃ الخفاء" ص مقصد اول میں لکھتے ہیں۔ "ہر کہ مرتضےٰ را تفضیل دہد بر شیخین مبتدع است و مستحق تعزیر" یعنی جو شخص حضرت مرتضیٰ (علیؑ) کو شیخین (ابوبکر و عمر) پر فضیلت دیتا ہے وہ بدعتی ہے اور تعزیر کا مستحق ہے۔" مگر بایں ہمہ ہمارے کرم فرماؤں کی نظر میں شاہ ولی اللہ مسلمان عالم دین اور ان کے معتقدین داخل زمرۂ مسلمین مگر ائمہ طاہرین علیہم السلام کو ختمی مرتبتؐ دیگر تمام کائنات سے افضل ماننے والے قابل گردن زدنی اور بے دین ہیں۔ والی اللہ المشتکیٰ وھو خیر الحاکمین۔

دسواں فرق کلمۂ ولایت

یہ بات بھی محتاج بیان نہیں ہے کہ ہمارا کلمۂ شہادت، توحید و رسالت اور شہادت ولایت سے مرکب ہے (یعنی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ عَلِیٌّ وَّلِیُّ اللّٰہِ وَخَلِیْفَتُہٗ بِلَا فَصْل) مگر اس فرقہ کا کلمہ دیگر عام اسلامی فرقوں کی طرح صرف شہادت توحید و رسالت پر مشتمل ہے۔ (یعنی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ) وہ شہادت ولایت کو جائز و جزو کلمہ نہیں سمجھتے لیکن ہم کلمۂ طیبہ کے اس حصہ کو اسلام کا جزو مکمل و متمم جانتے ہیں۔ جیسا کہ آیت اکمال دین (الیوم اکملت لکم دینکم) ولایت کے شان نزول سے واضح و عیاں ہے۔ (شیعی کلمہ کے ثبوت کے لئے کتاب مودۃ القربیٰ ص۳۲ مودۃ ششم ملاحظہ ہو)

گیارھواں فرق تقلید شخصی

ہم فروع دین میں صحت و قبولیت اعمال کے لئے تین باتوں میں سے کسی ایک بات کو مکلف کے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔ (۱) خود مجتہد ہو (۲) کسی جامع الشرائط مجتہد کا مقلد ہو۔ (۳) یا پھر محتاط ہو اور موارد و مواقع احتیاط کو سمجھ کر اس پر عمل درآمد کرے۔ مگر فرقہ وہابیہ تقلید شخصی کے سخت مخالف ہے اسی لئے اسے غیر مقلد گروہ کہا جاتا ہے۔ اور اس نے تقلید شخصی کی رد میں بڑی بڑی ضخیم کتب تالیف کی ہیں بطور مثال شاہ نذیر حسین محدث دہلوی کی کتاب "معیار الحق" دیکھی جا سکتی ہے۔

بارھواں فرق بعض اسماء کا جواز

ہم ایسے اسماء کو نہ صرف جائز بلکہ مستحسن سمجھتے ہیں جن سے انبیاءؑ و ائمہ علیہم السلام سے نسبت غلامی مترشح ہوتی ہے۔ جیسے غلام محمد، غلام علی یا عبد الحسین (یہاں عبد بمعنی غلام ہی ہے) وغیرہ۔ مگر یہ فرقہ ایسے اسماء کو ناجائز اور موجب شرک قرار دیتا ہے چنانچہ اس مذہب کے بہت بڑے مروج مولوی وحید الزمان کتاب ہدیۃ المہدی ص۱ پر لکھتے ہیں: "وھناک شرک اصغر وھی عبارۃ عن افعال شرکیۃ کالحلف بغیر اللہ عادۃً او تسمیۃ الاولاد عبد الحسین او غلام علی او عبد النبی الخ یعنی (شرک اکبر کے علاوہ) ایک شرک اصغر بھی ہے۔ اور اس سے مراد ایسے افعال ہیں۔ جن سے شرک لازم آتا ہے جیسے عام عادت کے مطابق غیر اللہ کے نام کی قسم کھانا۔ یا اولاد کا نام عبد الحسین۔ غلام علی۔ اور عبد النبی رکھنا۔" حالانکہ اس طرح نام رکھنے میں ہرگز کسی قسم کا شرک لازم نہیں آتا۔ اسلامی نقطۂ نظر سے خود بندوں میں آقا و غلام مالک و کنیز کا سلسلہ جائز ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے اپنے نیک بندوں یعنی غلاموں کی شادیاں کرو۔ وانکحوا الایامیٰ منکم والصالحین من عبادکم وامائکم (پ۱۸ س نور ع۱۰) اور اپنی رانڈوں کے نکاح کر دو۔ اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں میں سے بھی ان کے جو نیک بخت ہوں" (ترجمہ ڈپٹی نذیر احمد مرحوم)، بہرحال غلامی مصطفیٰؐ کو شرک کہہ کر براہ راست "غلام اللہ" کہلانے والوں کو یہ حقیقت نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔ کہ

خلاف پیمبر کسے رہ گزید کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید (سعدی)

ایسے حضرات کو ہم مخلصانہ مشورہ دیتے ہیں ؎

بمصطفیٰؐ برساں کہ دیں ہمہ اوست اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است (اقبال)

تیرھواں فرق عزاداری سیّد الشہداءؑ

یہ امر عیاں را چہ بیاں کا مصداق ہے کہ ہم عزاداری سرکار سیّد الشہداءؑ علیہ افضل التحیۃ والثناء کو بہترین عبادت اور حیات ملی و قومی کے لئے بمنزلہ شہ رگ حیات تصور کرتے ہیں۔ اور صحیح مجالس عزا کو احیاء دین سیّد المرسلینؐ و نشر و اشاعت تعلیمات ائمہ طاہرینؑ کا بہترین ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اور اس کے تحفظ و بقا کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دینا عین ایمان جانتے ہیں۔ اور مصائب معصومینؑ پر رونے اور رلانے کو باعث نجات دارین مانتے ہیں۔ مگر فرقہ وہابیہ تمام مجالس و مراسم عزا کو بدعت محرمہ سمجھتا ہے۔ اور ان کے انسداد کو عین عبادت تصور کرتا ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ جلیلہ کے انسداد کے بارے میں اس کی مساعی نامشکورہ کوئی ڈھکی چھپی نہیں ہیں۔ ہر جگہ اور ہمیشہ بالعموم اور ایام محرم الحرام میں بالخصوص فتنہ سامانی اور شر انگیزی اس فرقہ کا طرۂ امتیاز ہے۔ ہداہم اللہ تعالیٰ الی صراط مستقیم۔

چودھواں فرق بسط الیدین

آخر کلام میں ایک ایسے فرق کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو فروع دین میں سے ایک اہم فروعی امر یعنی نماز سے تعلق رکھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ہم نماز میں بسط الیدین

ہاتھ کھلے رکھنے کو واجب اور قبض الیدین ہاتھ باندھنے کو بلا تقیہ حرام اور مبطلِ نماز سمجھتے ہیں۔ مگر فرقۂ وہابیہ ہاتھ باندھ کر اور وہ بھی سینہ پر، نماز پڑھنے کو ضروری سمجھتا ہے۔ اور سینہ پر ہاتھ رکھ کر نماز پڑھنا اس کا مذہبی شیوہ و شعار اور اس کی پہچان کی ایک نہایت واضح و آشکار علامت ہے۔ کما لا یخفیٰ علی اولی الابصار۔ حالانکہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کھلے ہاتھوں نماز پڑھنا خود کتب اہلِ سنت میں موجود ہے۔ ملاحظہ ہو عوارف المعارف علامہ شہید سہروردی مطبوعہ برحاشیہ احیاء العلوم غزالی ج ۲ ص ۲ طبع مصر

چہاردہ معصومین علیہم السلام کے ماننے والوں کے لئے یہ چودہ ۱۴ فروق کافی و وافی ہیں۔ ان واضح و روشن پورے چودہ عدد فروق کے باوجود اگر کوئی شخص پھر بھی اپنی شقاوت و بدبختی کا مظاہرہ کرتے ہوئے حق بین، حق گو اور حق پرست علماء شیعہ خیر البریہ کو "وہابی" کہتا ہے تو ہم اس کا معاملہ خدا کے سپرد کرتے ہیں۔ وہو اسرع الحاسبین ؎

قریب ہے یارو روزِ محشر چھپے گا کشتوں کا خون کیونکر
جو چپ رہے گی زبانِ خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

اللّٰھم اھد قومی انھم لایعلمون

"قل یایھا الناس ان کنتم فی شک من دینی فلا اعبد الذین تعبدون من دون اللہ ولکن اعبد اللہ الذی یتوفاکم وامرت ان اکون من المومنین"

دسواں باب

موجودہ دور کے اکثر مدعیانِ تشیع کے مفوضہ اور شیخی العقیدہ ہونے کا بیان

جب ہم بفضلہ تعالیٰ اوپر نویں باب میں شیعہ علماء اعلام سے وہابیت کے اتہام نافرجام کا دلیل و برہان سے بطلان واضح و عیاں کرکے یہ حقیقت ثابت کرچکے کہ یہ علماء شیعہ پر سراسر افتراء و بہتان ہے (انما یفتری الکذب الذین لا یؤمنون) اور مبرہن کرچکے کہ "شیعیت اور وہابیت ایسی دو ضدیں ہیں جن کا اجتماع ناممکن ہے۔ تو اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس آخری باب میں ایک تلخ اور پوشیدہ حقیقت کا انکشاف کردیں۔ اور وہ یہ ہے کہ شیعہ علماء محققین کو "مقصر" اور "وہابی" کہنے والے پیشہ ور مقررین اور ان کے دام تزویر میں پھنسے ہوئے (بظاہر) مومنین کی کھیپ مفوضہ اور شیخیہ کے باطل عقاید کی حامل و مروج ہے یعنی وہ جن عقائد و نظریات کو آج مذہب شیعہ کے عقاید سمجھ کر اپنا رہی ہے۔ وہ مذہب اہل بیت کے عقائد نہیں، بلکہ فرقۂ مفوضہ کے عقائد ہیں جس کا سرخیل شیخ احمد احسائی

ہے۔ ان عقائد کے لوگ سابقہ زمانہ میں "مفوضہ" کہلاتے تھے۔ اور اب عراق و ایران میں "شیخیہ" کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ جن کے بارہ میں اعلام شیعہ کی یہ رائے ہے کہ "المدلسون انفسهم فی الشیعة ولیسوا منهم" یعنی فریب کاری و عیاری سے انہوں نے اپنے تئیں شیعوں میں داخل کر رکھا ہے۔ مگر وہ فی الحقیقت شیعہ نہیں ہیں بلکہ متعدد جید علماء شیعہ تو ان کے کفر کا فتویٰ صادر فرما چکے ہیں۔ چنانچہ جناب فاضل محمد صالح برغانی صاحب مجالس المتقین، شیخ الفقہاء شیخ جعفر کبیر صاحب کشف الغطاء، استاذ الفقہاء شیخ محمد حسن صاحب جواہر الکلام، فقیہ نبیہ آقائے سید مہدی، جناب شریف العلماء، حضرت آقائے دربندی وغیرہم نے شیخ احمد مذکور کی تکفیر فرمائی ہے۔ تفصیلات دیکھنے کے خواہش مند حضرات رسالہ "الشیخیۃ والبابیۃ" طبع بغداد اور قصص العلماء تنکابنی کی طرف رجوع کریں۔

یہ عقائد فاسدہ ہمارے ملک میں کیونکر پہنچے۔ اور ہمارے سادہ لوح عوام کیونکر ان سے متاثر ہوئے۔ اور کن لطائف الحیل سے عوام بلکہ بعض خواص کو حق و حقیقت سے دور کیا گیا۔ یہ ایک المناک اور طویل داستان ہے جس کے سلسلہ کی اکثر کڑیاں ناگفتنی ہیں۔ ولیس کلما یعلم یقال۔ اجمالاً اس قدر اشارہ کیا جاتا ہے۔ کہ آج سے قریباً پچاس ساٹھ سال قبل بعض مشہور خطباء و واعظین نے ان عقائد کی منبروں پر ترویج کی۔ اگرچہ اس وقت لاہور و لکھنؤ کے بعض مشہور ذمہ دار علماء و اعلام ان عقائد کی حقیقت اور ان کی عواقب و نتائج کو اپنے نور بصیرت سے بھانپ گئے تھے۔ اور انہوں نے اپنے امکانی حد تک جہاں، سادہ لوح عوام کو اس پیش آمدہ خطرہ سے آگاہ کیا۔ وہاں ان کے انسداد کی کوشش بھی کی مگر اکثر ظاہر پرست عوام نے ان اعلام کی اس بروقت آواز حق کو درخور اعتناء نہ سمجھا۔ بلکہ اپنی روش و رفتار سے اسے غیر مؤثر بنا دیا۔ پھر ان کے حین حیات اور بعد از وفات ان کے بعض افاضل تلامذہ عرصہ دراز تک تقریر و تحریر کے ذریعہ اپنی نظریات کی مسلسل نشر و اشاعت کرتے رہے۔ اسی رنگ میں رنگی ہوئی بعض بڑی بڑی کتابیں بھی لکھیں۔ جنہیں واعظین و ذاکرین نے اور سادہ لوح عوام نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اور دامے، درمے، سخنے ان کی ترویج و ترقی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ بلکہ عوامی رجحان دیکھ کر اکثر نام نہاد واعظین نے اس تصویر میں مزید رنگ بھرا۔ اس طرح رفتہ رفتہ یہی صحیح عقائد و نظریات سمجھے جانے لگے۔ اور مذہب شیعہ کے جو اصل عقائد و نظریات تھے وہ انظار عامہ سے اوجھل ہو گئے۔ اور اب ؎

جب اٹھ گئے بازار سے گاہک تو ہم آئے

نوبت بایں جا رسیدہ کہ بالکل نظریاتی انقلاب رونما ہو چکا ہے۔ حقیقت کو مجاز اور مجاز کو حقیقت سمجھ لیا گیا ہے۔ حق کو باطل اور باطل کو حق کا نام دے دیا گیا ہے۔ ؎

بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

اس سلسلہ میں اس سے زیادہ کچھ کہنے کی حالات و ظروف اجازت نہیں دیتے ؎ کردم اشارتے و مکرر نمی کنم

یہ غلط عقائد مذہب شیعہ کے

انہی حقائق کی بنا پر معصومینؑ نے فرمایا ہے۔ کہ جب سرکار قائم آل محمدؐ تشریف لائیں گے۔ تو اس قدر ذہنی انقلاب آچکا ہوگا۔ کہ عام لوگ یہ سمجھیں گے کہ امام زمانہؑ کوئی نیا دین لائے ہیں" (بحار الانوار ج ۱۳ وغیرہ) آہ ؎

تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا
بدل ہی جاتے ہیں غلامی میں قوموں کے ضمیر

فرقۂ شیخیہ کے بعض عقائد فاسدہ کا بیان

اب ہم ذیل میں موجودہ دور کے بعض چیدہ چیدہ عقائد کا ثبوت شیخ احمد احسائی اور ان کے بعض تلامذہ و اتباع کی کتب سے پیش کرتے ہیں۔ تاکہ دعویٰ کے ساتھ دلیل بھی سامنے آجائے۔ کیونکہ بموجب ارشاد رب العباد "ھاتوا برھانکم ان کنتم صٰدقین" بزم عقلاء میں صرف وہی دعوے قابل پذیرائی و شنوائی ہوتا ہے جس کے ساتھ دلیل و برہان موجود ہو ——— !!

(۱) شیخیہ اور علیحدہ نوع والا عقیدہ

شیخ احمد احسائی اپنی کتاب شرح الزیارۃ ص ۲۸۴ پر لکھتے ہیں "وکذالک النوع فانہم یدخلون فی النوع ظاھراً والافھم فی الحقیقۃ ھم خلق آخر فوق بنی ادم الخ" یعنی اسی طرح ائمہ اہلبیتؑ حسب ظاہر نوع انسانی میں داخل ہیں۔ ورنہ درحقیقت وہ بنی نوع انسان سے بالا ایک علیحدہ مخلوق ہیں۔ (کذا فی ص ۲۸۵) نیز اسی صفحہ پر لکھا ہے کہ "ولباسہم صورۃ کثیفۃ من العناصر الاربعۃ" یعنی ان ذوات مقدسہ کا لباس ان کی وہ صورت کثیفہ ہے جو عناصر اربعہ سے مرکب ہے"۔ اسی طرح احسائی کے تلمیذ کریم خان کرمانی اپنی کتاب فطرت سلیمہ ص ۲۸۸ پر لکھتے ہیں۔ "ولعمری ھذا المقام لیس لھم الاکثوب لبسوہ لضرورۃ وخلعوہ اذا ارتفعت الحاجۃ عنہ وعادوا الی ما کانوا" یعنی مجھے اپنی زندگی کی قسم یہ مقام (انسانیت) ان کے لئے بمنزلہ لباس کے ہے کہ انہوں نے خاص ضرورت کے لئے اسے پہن لیا تھا۔ اور جب ضرورت ختم ہوگئی۔ تو اُسے اتار پھینکا اور اپنی اصلی حالت کی طرف عود کر گئے" (دنیا سے سدھار گئے) اسی طرح ص ۲۸۹ پر لکھا ہے۔ "فان ھذا اللباس لیس الاکعباءۃ لبسوھا وخلعوھا" یعنی" یہ لباس (بشریت) ان کے لئے بمنزلہ ایک عبا کے ہے جسے وہ کبھی پہن لیتے ہیں اور کبھی اتار دیتے ہیں"۔ ہم اس نظریۂ فاسدہ کا تار و پود پہلے باب میں دلائل و براہین کے ساتھ فضائے محیط میں بکھیر چکے ہیں۔ اس لئے یہاں اعادہ و تکرار کی ضرورت نہیں۔ یہاں تو صرف یہ دکھانا مقصود ہے۔ کہ یہ عقائد سخیفہ فرقۂ شیخیہ کی ذہنی اختراع اور پیداوار ہیں وبس۔ اور آج انہی عقائد کو جزو جان اور مدار ایمان سمجھا جا رہا ہے۔

(۲) شیخیہ اور تفویض والا عقیدہ

فرقۂ شیخیہ کے نزدیک تفویض ثابت ہے۔ چنانچہ شیخ احمد احسائی اور اس کے اتباع نے جا بجا اپنی کتب میں اس عقیدۂ فاسدہ کو بزعم خود ثابت کیا ہے۔ اور تفویض ممنوع سے اس تفویض استقلالی کو مراد لیا ہے۔ جس سے خدا کا معطل محض ہونا لازم آتا ہو چنانچہ

شیخ موصوف نے شرح زیارت جامعہ کے ص۲۹۳ سے لے کر ص۲۹۹ تک اس مطلب کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور سرکار علامہ مجلسی علیہ الرحمہ کے غلو و تفویض کے متعلق مفصل کلام حقیقت ترجمان پر شرح الزیارۃ کے ص۳۸۰ پر نقد و تبصرہ کرتے ہوئے تفویض کو ثابت کرنے اور ائمہ کے خالق و رازق ہونے کو غلو و تفویض قرار نہ دینے کی سعی نامشکور کرتے ہوئے لکھا ہے "ولا تکون غالیا اذ لا تریٰ لاحد فعلا بل من اللہ ولا مشرکا اذ لا تریٰ انہم فاعلون مع اللہ ولا کافرا کذلک اذ لا تریٰ انہم فاعلون بدون اللہ ولا مفوضا اذ لا تریٰ انہم بغیر اللہ فاعلون علی الاستقلال کما یفعل الوکیل عن موکلہ الخ" یعنی اس عقیدہ سے نہ تو تم غالی بنتے ہو کیونکہ تمہارا یہ اعتقاد نہیں ہے۔ کہ کوئی شخص یہ کام اللہ کے بغیر کرتا ہے اور نہ ہی تم مشرک ہو کیونکہ تمہارا یہ نظریہ نہیں ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ مل کر فاعل ہیں۔ اور نہ ہی کافر ہو۔ کیونکہ تم ان کو خدا کے سوا فاعل نہیں سمجھتے۔ اور نہ ہی تم تفویض ممنوع کے قائل ہو۔ کیونکہ تمہارا ایسا اعتقاد نہیں ہے۔ کہ وہ اللہ کے احسان سے علی الاستقلال فاعل ہیں ملخصاً پھر ص۳۸۱ پر ازراہ تعجب لکھتے ہیں "وکیف ینکر ھذا او امثالہ ویقبل ما ھو اعظم فی حق الملائکۃ الذین ھم من سائر خدامہم وبنحو ما تجوزہ فی الملائکۃ الذین فیہم موکل بالسحاب وتصریف للریاح وتقدیر للموت والحیوۃ والرزق والخلق وغیر ذلک تجوزہ فیہم بالطریق الاولیٰ الخ" بھلا ائمہ کے خالق و رازق وغیرہ ہونے کا کیونکر انکار کیا جاتا ہے۔ حالانکہ ایسی باتیں ملائکہ کے متعلق قبول کر لی جاتی ہیں۔ جو کہ ائمہ کے خادم ہیں۔ جب تم ملائکہ کے متعلق یہ جائز سمجھتے ہو۔ کہ ان میں سے کچھ بادل و ہوا چلاتے ہیں۔ اور کچھ موت و حیات مقدر کرتے اور کچھ خلق و رزق کے کام کرتے ہیں۔ تو پھر بطریق اولیٰ ائمہ کے حق میں کیوں ان امور کو جائز نہیں سمجھتے ؟" اسی طرح شیخ موسیٰ شیخی نے کتاب احقاق الحق کے ص۲۹۲ پر تفویض کو ثابت کرتے ہوئے لکھا ہے۔ "ان التفویض الذی ورد النہی عنہ فی الاخبار وحکم بکفر قائلہ العلماء الاخیار ھو التفویض علی طریق الاستقلال لا ما ذکرنا من التفویض الصحیح وھو تصرفہم فی ملک اللہ سبحانہ ومملکتہ باذنہ ومشیتہ وارادتہ والمصرح فی الآیات ایضاً ھو نفی الخلق والرزق والاحیاء والاماتۃ عن غیر اللہ عز وجل المدعی للالوھیۃ او الاستقلال او الشراکۃ لا مطلقاً حتی یشمل ما ذکرنا۔ الخ" یعنی "وہ تفویض جس کے متعلق احادیث میں ممانعت وارد ہوئی ہے۔ اور جس کے قائل کو علماء اخیار نے کافر قرار دیا ہے۔ اس سے مراد تفویض استقلالی ہے۔ نہ وہ تفویض جس کا تذکرہ ہم نے کیا ہے۔ یعنی یہ کہ یہ بزرگوار خدا کی مملکت میں اسی کے اذن و ارادہ سے جو چاہتے ہیں تصرف کرتے ہیں۔ اسی طرح آیات میں بھی غیر خدا سے خلق رزق اور اماتت و احیاء کی جو نفی کی گئی ہے۔ تو اس سے مقصود بھی ان امور کی اس ذات سے نفی کرنا ہے۔ جس کے متعلق الوہیت یا استقلال یا خدا کا شریک ہونے کا دعویٰ کیا جائے۔ مطلقاً ان افعال کی غیر خدا سے نفی نہیں کی گئی۔ تاکہ ہماری جائز

تفویض کو شامل ہو سکے" ہم تیسرے باب میں ان تمام خرافات کے تحقیقی و تفصیلی جوابات پیش کر چکے ہیں۔ خلافاً لطول الکلام بالتکرار۔ وہاں رجوع کیا جائے۔

(۳) شیخیہ اور مظاہر اسماء اللہ والا عقیدہ

مظاہر اسماء والی بحث کو بھی فلاسفہ و صوفیہ کے بعد شیخیہ فرقہ نے بہت زیادہ اہمیت و ہوا دی ہے چنانچہ شیخ احمد احسائی شرح الزیارۃ ص۲۸۹ پر آیت مبارکہ وللہ الاسماء الحسنیٰ فادعوہ بہا کے ذیل میں لکھتے ہیں۔ "فتقول یاکریم یا رحیم یا جواد یا غفور وهكذا الى سائر اسمائه وهي هم عليهم السلام الخ" یعنی تم جو کہتے ہو یا کریم۔ یا رحیم۔ یا جواد۔ یا غفور تا آخر اسماء خدا تو اس سے مقصود حضرات آل محمدؐ ہیں۔ نیز ص۳۸۴ پر بھی بحث کرتے ہوئے آخر میں لکھا ہے۔ "وهم معاني افعاله" یعنی ائمہ اہل بیتؑ خدا کے افعال کے معانی ہیں۔ (یعنی خدا کے افعال کا ظہور ان سے ہوتا ہے) اس امر کی مزید وضاحت اسی کتاب کے ص۳۹۲ پر موجود ہے۔ وہاں لکھا ہے۔ "واما هذا السر فقد قلنا اولاً انه كونهم معانيه سبحانه اى معاني اسمائه وافعاله كما تقدم وكونهم ابوابه التي منها يؤتى ومنها يمنع و يعطي ويفقر ويغني ويضحك ويبكي ويقبض ويبسط ويميت ويحيي ويامر وينهي الى غير ذلك من افاعيله الخ" یعنی "یہ راز ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں۔ کہ ائمہ اہل بیتؑ خدا کے اسماء و افعال کے معانی ہیں۔ اور یہ خدا کے وہ دروازے ہیں۔ کہ انہی کے ذریعہ خدا تک رسائی حاصل ہوتی ہے۔ اور انہی کے ذریعہ سے خدا روکتا ہے۔ اور عطا کرتا ہے۔ اور انہی کے توسط سے فقیر اور امیر بناتا ہے۔ انہی سے ہنساتا اور رولاتا ہے۔ ان ہی کے ذریعہ سے تنگی اور وسعت عطا کرتا ہے۔ اور انہی کے ذریعہ سے مارتا و جلاتا اور انہی کے توسط سے امر و نہی وغیرہ افعال کا اظہار کرتا ہے"۔

شیخ احسائی کے مشہور تلمیذ سید کاظم رشتی اپنی کتاب شرح القصیدہ ص[illegible] پر ظاہر و مظہر کی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "ولما كانت الولاية لابد لها من مظهر حامل وجب ان يكون حاملها ومظهرها اشرف المخلوقات والموجودات الخ" یعنی "چونکہ ولایت کے لئے ایک حامل اور مظہر کا ہونا لازمی ہے تو واجب ہے کہ اس ولایت کا حامل اور اس کا مظہر اشرف المخلوقات ہو"۔

اسی طرح سید کاظم موصوف کے شاگرد شیخ کریم خاں اپنی کتاب "فطرت سلیمہ" کے ص۲۵۳ پر لکھتے ہیں "ولما كان هو صلى الله عليه وآله مظهر اسم الله الحي وبه حيوة كل حي وهو عقل الكل المدبر لجميع ما سواه الخ" یعنی "چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے اسم "الحی" کے مظہر ہیں اور انہی کے ذریعہ ہر زندہ کو زندگی حاصل ہے اور وہ عقل کل ہیں۔ اور تمام ماسوائے اللہ کے ناظم و مدبر ہیں" الخ ہم ان تمام لغویات کے مکمل جوابات تیسرے باب کے ذیل میں پیش کر چکے ہیں۔ وہاں رجوع کیا جائے۔

(۴) شیخیہ اور علم غیب والا عقیدہ

شیخ احمد احسائی نے جا بجا اپنی کتب میں ائمہ اہل بیتؑ کے عالم الغیب ہونے کے عقیدہ کا ذکر بھی کیا ہے ہاں البتہ وہ ان کو بالذات نہیں بلکہ بتعلیم اللہ عالم الغیب جانتے ہیں چنانچہ شرح الزیارۃ ص ۱۲ پر لکھتے ہیں " فاذا قیل لا یعلمون الغیب بمعنی من ذاتہم فھو حق (الی ان قال) واذا قیل علمھم اللہ فھو حق. الخ. یعنی جب یہ کہا جائے کہ یہ بزرگوار بالذات علم غیب نہیں جانتے۔ تو یہ حق ہے۔ اور جب یہ کہا جائے کہ خدا نے ان کو اس کی تعلیم دی ہے۔ تو یہ برحق ہے۔ (وکذا افاد الشیخ موسیٰ فی الاحقاق ص ۳۲۹) علم غیب کے متعلق ہم ساتویں باب میں مکمل بحث کر چکے ہیں۔ قارئین کرام اس مقام کی طرف رجوع فرمائیں۔

(۵) شیخیہ اور ائمہ اہل بیتؑ کا علل اربعہ ہونے کا عقیدہ

یہ حقیقت تو مسلم الثبوت ہے کہ سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام علت غائی ممکنات ہیں یعنی خداوند عالم نے کائنات ان بزرگواروں کے طفیل پیدا کی ہے۔ اگر خلاق عالم ان کو پیدا نہ کرتا تو پھر عالم کی کسی بھی چیز کو خلعت وجود عطا نہ کرتا۔ اس مطلب کو ہم اس کتاب میں کئی جگہ واضح کر چکے ہیں۔ مگر فرقہ شیخیہ یہاں بھی ایک عجیب شیخی بگھارتا ہے وہ اس بات کا قائل ہے کہ یہ بزرگوار کائنات کے علل اربعہ ہیں۔ یعنی عالم کی علت مادی۔ علت صوری، علت فاعل اور علت غائی یہی حضرات ہیں۔ تمام اشیاء کا مادہ اور صورت بھی انہی سے ماخوذ ہے اور یہی ان کے فاعل وجاعل ہیں۔ اور یہی سبب خلق وایجاد ہیں۔ ملاحظہ ہو شرح الزیارۃ احسائی ص ۳۲۵/۳۲۹ وفطرت سلیمہ ص ۳۲۹ کریم خاں کرمانی۔ "فھم سلام اللہ علیھم الذین ھم الخلق الاول کما ھم العلۃ المادیۃ والصوریۃ والغائیۃ والفاعلیۃ" یعنی یہی بزرگوار علیہم السلام مخلوق اول اور یہی عالم کی علت مادی وصوری اور علت غائی وفاعل ہیں" اس امر کا بطلان محتاج بیان نہیں ہے۔ مزید وضاحت کے لئے تیسرے باب کی طرف رجوع کیا جائے۔

(۶) شیخیہ اور حاضر ناظر والا عقیدہ

ائمہ علیہم السلام کا ہر وقت ہر جگہ بجسد عنصری حاضر ہونے والا خلاف عقل و نقل عقیدہ بھی شیخیہ کی کتب سے مترشح ہوتا ہے چنانچہ شیخ احمد احسائی نے اپنی کتاب شرح الزیارۃ کے ص ۱۴۳ پر ایک بے سروپا روایت درج کی ہے کہ جنگ خندق میں جب عمرو بن عبدود واصل جہنم ہو گیا۔ تو کفار میں کھلبلی مچ گئی۔ اور وہ دس گروہوں میں بٹ گئے۔ ہر گروہ نے میدان جنگ سے فرار کرنا شروع کیا۔ راوی کہتا ہے۔ کہ ہر گروہ کے پیچھے حضرت علیؑ کو اس کا تعاقب کرتے ہوئے دیکھا۔ حالانکہ آنجنابؑ اپنی جگہ پر کھڑے تھے۔ کیونکہ کسی بھگوڑے کا پیچھا کرنا آپ کے کرائم اخلاق کے خلاف تھا۔ اسی طرح سید کاظم رشتی نے اپنی کتاب شرح الخطبۃ ص ۳۰ پر لکھا ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام ہر شب میں بیک وقت چالیس جگہ پر

موجود ہوتے تھے۔"

علامہ سید مہدی قزوینی اپنی کتاب ہدی المنصفین ج ۲ ص ۱۶۳ طبع نجف اشرف پر اس نظریہ کی رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"و ایں حرف مانند حرف استادش محال ست چونکہ بضرورت دین و عقل معلوم شدہ است کہ حضرت امیر چہل تن و چہل نفر نیست بلکہ یک نفر است و یک نفر در یک زمان یک جا محتاج است پس اگر از آں جا رفت در زمان دیگر در جائے دیگر حاصل مے شود و ہمچنیں ایں حکم ضروری ہر جسمے از اجسام است" الخ

"یعنی سید کاظم رشتی کا یہ کلام ان کے استاد (شیخ احسائی) کے کلام کی طرح عقلاً محال ہے کیونکہ دین قویم و عقل سلیم کی رو سے بالبداہت یہ امر ثابت ہے کہ حضرت امیرؑ ایک ہی آدمی تھے نہ چالیس، اور ظاہر ہے کہ ایک جسم ایک وقت میں ایک ہی جگہ میں ہو سکتا ہے جب وہاں سے منتقل ہوگا۔ تو پھر دوسری جگہ جائے گا۔ علی ہذا القیاس اور یہ امر ہر جسم کے لئے بالبداہت ثابت ہے۔"

بہرحال یہ عقیدہ شیخیہ کی کتب میں جا بجا ملتا ہے۔ کہ "تمام الاشیاء فی جمیع احوالها من الماضی والحال والاستقبال حاضرة لدیهم وبمسمعهم ومنظرهم یشاهدونها حین وجودها وصدورها من مبادئها والمستقبل عندهم عین الماضی وهو عین الحال۔ الخ (کتاب احقاق [illegible])

یعنی تمام اشیاء ماضی، حال اور استقبال وغیرہ حالات میں ان کے روبرو حاضر ہیں۔ اور وہ ہر حال میں ان کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ ان کے نزدیک مستقبل عین ماضی اور ماضی عین حال ہے۔" اس امر کی تحقیق کے لئے پچھلے باب کی طرف رجوع کیا جائے۔

(۴) شیخیہ اور علم حضوری والا عقیدہ

آج کل شاہد و شہید کی بحث پر بھی بہت زور دیا جاتا ہے نیز ائمہ علیہم السلام کا علم حضوری بتایا جاتا ہے۔ اس فاسد عقیدہ کا سرچشمہ بھی شیخی تعلیمات ہیں۔ چنانچہ شیخ موسیٰ شیخی نے احقاق الحق میں شہید و شہادت کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: "وهذه الشهادة لا تكون الا بحضور جميع الاشياء كليها وجزئيها سرها وعلانيتها غيبها وشهودها لديهم وعندهم وعدم غفلتهم عنها آناً واحداً بل ولا لمحةً واحدةً فظهرات علمهم بكل الاشياء بلحاظ انهم شهداء عليها من قبل الله سبحانه علم حضوری عیانی لا حصولی والتفاق الخ (ص [illegible]) یعنی یہ شہادت (گواہی) اسی وقت ممکن ہو سکتی ہے۔ کہ تمام کلی و جزئی اور ظاہری و باطنی اشیاء ان کے نزدیک اس طرح حاضر و موجود ہوں کہ ایک آن و لمحہ کے لئے بھی یہ ان سے غافل نہ ہوں۔

پس اس سے معلوم ہوا کہ اس اعتبار سے کہ وہ شہداء خلق ہیں۔ ان کا علم من جانب اللہ حضوری ہے نہ حصولی و اتفاقی الخ،،

ہم ساتویں باب میں ثابت کر چکے ہیں کہ ائمہ علیہم السلام کے علم کو علم حضوری قرار دینا غالیہ اور مفوضہ کا فاسد عقیدہ ہے جو عند المحققین کفر ہے۔ صحیح عقیدہ یہ ہے کہ ان کا علم حصولی و اتفاقی ہے۔ تفصیل کے لئے مقام مذکور کی طرف رجوع کیا جائے۔

(۸) شیخیہ اور استمداد والا عقیدہ

شیخ احمد احسائیؒ نے اپنی کتاب شرح الزیارۃ ص۱۴۷ پر بعض تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور آثار کی بنا پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ سابقہ انبیاءؑ علیہم السلام نے جناب امیر علیہ السلام سے استمداد کیا۔ اور انہوںؑ نے ان کو مشکلات و مہالک سے نجات دی۔ کیونکہ یہی مدبر امور دنیا ہیں۔ ہم چوتھے باب میں ثابت کر چکے ہیں۔ کہ صحیح شیعی عقیدہ یہ ہے کہ امور تکوینیہ میں خداوند عالم کی طرف رجوع کرنا واجب ہے۔ ہاں سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام سے توسل حاصل کرنا چاہیئے یہی طریقہ انبیاءؑ و مرسلینؑ اور عباد اللہ الصالحین ہے۔

(۹) شیخیہ اور معجزہ کے فعل نبیؐ و امامؑ ہونے والا عقیدہ

فرقہ شیخیہ نہ صرف یہ کہ وہ معجزہ کو فعلِ امام سمجھتا ہے بلکہ شیخ احمد احسائیؒ نے تو شرح الزیارۃ ص۳۲۹ میں یہاں تک لکھ دیا ہے۔ کہ دوسرے تمام انبیائے سلف کے معجزات بھی درحقیقت ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے معجزات ہیں۔ (یعنی ان کے فاعل یہی بزرگوار ہیں) "ما ظهرت على الانبياء والرسل واتوا به من المعجزات كاحياء الموتى ونطق الجمادات والحيوانات العجم وقلب الجمادات حيوانات كعصا موسیٰؑ وغير ذلك فانها آياتهم وامثالهم" ہم پانچویں باب میں ناقابلِ انکار دلائل و براہین سے ثابت کر آئے ہیں۔ کہ اس سلسلہ میں صحیح شیعی عقیدہ یہ ہے۔ کہ معجزہ کا حقیقی فاعل خداوند عالم ہے۔ ہاں من باب المجاز نبی و امام کی طرف اس کی نسبت درست ہے۔

(۱۰) شیخیہ اور فرشتوں کے حرکت و سکون کے بدست اہل بیتؑ ہونے کا عقیدہ

شیخ احمد احسائیؒ نے اپنی کتب بالخصوص شرح الزیارۃ میں متعدد مقامات پر لکھا ہے۔ کہ ملائکہ مدبرات کی حرکت اور ان کا سکون بحکم اہل بیتؑ کے تابع ہے۔ ہم احسن الفوائد اور اس کتاب کے تیسرے باب میں ثابت کر چکے ہیں۔ کہ صحیح شیعی عقیدہ یہ ہے۔ کہ فرشتوں کی بست و کشاد اور ان کی حرکت و سکون امر الٰہی کے تابع ہے۔ وهم بامره يعملون۔

تلك عشرة كاملة

اگر طوالت کا خوف اور بعض دیگر موانع دامن گیر نہ ہوتے تو ہم اپنے ملک کے بعض مشہور اہل علم و قلم (جنہوں نے اس ملک میں ان عقائد کی تقریر و تحریر کے ذریعہ مسلسل نشر و اشاعت کی ہے) کی کتب و رسائل سے حرف بحرف ان عقائد و نظریات میں ان کی موافقت و مطابقت ثابت کرتے مگر

افسوس بے شمار سخنہائے گفتنی
خوفِ فسادِ خلق سے ناگفتہ رہ گئے

اصول الشریعہ کے خلاف جن حضرات نے قلم اٹھایا ہے۔ ان کی کتب میں انہی عقائد باطلہ کا اثبات دیکھا جا سکتا ہے۔

نسکو فی بیان عندھا وکلام

قد جاءکم بصائر من ربکم فمن ابصر فلنفسہ ومن عمی فعلیھا وما انا علیکم بوکیل
واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

س کتاب کے مصنف علام کے دیگر قلمی شاہکار

واقفان حال پر یہ حقیقت مخفی و مستور نہیں ہے کہ سرکار آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین النجفی دام ظلہ مجتہد العصر و العلماء ان خوش قسمت یگانۂ روزگار چند دماغوں میں سے ہیں جن پر مبدا فیض کی طرف سے بڑی فیاضی کی گئی ہے چنانچہ وہ جہاں علوم مشرقیہ کے منتہی ہیں اور مدرس ہیں وہاں بلند پایہ مقتدر العلم شعلہ نوا اور شیریں بیان خطیب بے نظیر مقرر بھی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ شائستہ و شگفتہ اسلوب تحریر کے ایک خاص انداز کے مالک اور صاحب قلم بھی ہیں۔ ایسے ہی ان کی خاندانی شرافت، ذاتی نجابت، منکسر مزاجی، خوش اخلاقی، تدین و وضع داری، مشرقی تہذیب اور اسلامی ثقافت کی پابندی و پاسداری اس پر مستزاد ہے۔ علاوہ بریں موصوف کی یہی وہ خصوصیات ہیں جن کی بدولت انہیں معتوب زمان محسود الاقران بنا دیا ہے مگر وہ گروہ حاسدین کے حاسدانہ اعمال سے بے خبر اپنا سفر کرتے ہوئے برابر اپنے وظائف دینیہ اور مقاصد شرعیہ کی انجام دہی میں ہمہ تن مشغول و منہمک ہیں گویا وہ زبان حال سے پکار رہے ہیں"

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مرد درویش جس کو حق نے دیئے ہیں انداز خسروانہ

چنانچہ درج ذیل کتب جلیلہ انہی کے علم و قلم کے شاہکار اور آثار جاودانہ ہیں جو عالم اسلام کے صاحبان علم و انصاف سے خراج تحسین و آفرین حاصل کر چکے ہیں۔

ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

ثبات الفریقین حول حدیث الثقلین

حدیث الثقلین کے موضوع اور مذہب حق کی حقانیت پر بے مثال کتاب جو پہلی بار طباعت کے زیور سے آراستہ ہو کر تشنگان تحقیق تک پہنچ رہی ہے

کواکب مضیئہ در احادیث قدسیہ

اخت القرآن حدیث قدسی کے موضوع پر پہلی جامع اور مکمل کتاب جس کا پہلا ایڈیشن بڑی آب و تاب کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔ ان شاء اللہ

خلاصۃ الاحکام

قوانین الشریعہ فی فقہ الجعفریہ جو کہ ایک علمی و تحقیقی کتاب ہے اور ہر شخص اس کے مطالب و حقائق کو سمجھ نہیں سکتا۔ اس لئے عوام کی سہولت کے لئے اس کا خلاصہ پہلی بار بعض محقق اہل علم کے قلم سے منظر عام پر آ رہا ہے۔ ان شاء اللہ

سعادۃ الدارین فی مقتل الحسین

جو اپنی شہرت کی بنا پر کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے اور باتفاق اہل علم واقعات کربلا پر اتھارٹی ہے۔ مدت سے تیسرا ایڈیشن ختم تھا۔ اب دیدہ زیب شان و شوکت کے ساتھ قوم کے مشتاق ہاتھوں تک پہنچ رہی ہے۔ ان شاء اللہ

حسن الفوائد فی شرح العقائد

اس مشہور عام اور محققانہ کتاب کا چوتھا ایڈیشن بڑی آب و تاب کے ساتھ قارئین کرام تک پہنچ رہا ہے۔ ان شاء اللہ

اصول الشریعہ فی عقائد الشیعہ

جو موجودہ دور کے تمام اختلافی مسائل و عقائد پر حرف آخر ہے اور اپنی علمی و تحقیقی شہرت کی بنا پر کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ عرصہ دراز سے ختم تھی۔ اب بڑی شان و شوکت کے ساتھ اس کا چوتھا ایڈیشن عنقریب تحقیق پسند لوگوں تک پہنچ رہا ہے۔ ان شاء اللہ

المعلن
منیجر مکتبۃ السبطین
۲۹۶ بی سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا